تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرَّضَوِیَّۃ

فتاوٰی رضویہ

تصنیف لطیف: اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ

ALAHAZRAT NETWORK

www.alahazratnetwork.org

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

جلد یازدہم

تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن ۰ جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور۸ پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون نمبر ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ـــــ فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم

تصنیف ـــــ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

فیضانِ کرامت ـــــ مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سرپرستی ـــــ مولانا صاحبزادہ محمد عبد المصطفےٰ ہزاروی ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و شیخوپورہ

اہتمام ـــــ مولانا صاحبزادہ قاری نصیر احمد ہزاروی ناظم شعبہ نشر و اشاعت

" " " " " " "

ترجمہ عربی عبارات ـــــ حافظ محمد عبد الستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

پیش لفظ ـــــ " " " " " " "

ترتیب فہرست ـــــ " " " " " " "

تخریج و تصحیح ـــــ مولانا نذیر احمد سعیدی

کتابت ـــــ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالہ)

پیسٹنگ ـــــ

صفحات ـــــ ۶۴۹

اشاعت ـــــ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ / مئی ۱۹۹۷ء

مطبع ـــــ

ناشر ـــــ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ـــــ

ملنے کے پتے

○ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰ — ۷۶۶۵۷۷۲

○ مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

○ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

○ شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

رموز

محقق : علامہ کمال الدین ابن ہمام صاحبِ فتح القدیر

ح : علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی صاحبِ غنیۃ المستملی

ش : علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی صاحب رد المحتار

ط : علامہ سید احمد الطحطاوی صاحب حاشیۃ الدر المختار و حاشیہ مراقی الفلاح

الدر : الدر المختار ، علامہ محمد علاء الدین الحصکفی

الدرر : الدرر شرح الغرر ، ملا خسرو علامہ محمد بن فراموز

بحر : البحر الرائق ، علامہ زین الدین ابن نجیم

ہندیہ : فتاوٰی عالمگیری ، جماعت علمائے احناف

نہر : النہر الفائق ، سراج الدین عمر بن نجیم

فتح : فتح القدیر ، علامہ کمال الدین ابن ہمام

غنیہ : غنیۃ المستملی ، علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی

حلیہ : حلیۃ المحلی ، ابن امیر الحاج

مندرجہ بالا عنوانات کے علاوہ انتہائی دقیق اور گرانقدر تحقیقات و تدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل چھ ۶ رسائل بھی اس جلد میں شامل ہیں،

(۱) عباب الانوار ان لانکاح بمجرد الاقرار (۱۳۰۷ھ)
شاہدین کی موجودگی میں مرد اور عورت کے فقط ایک دوسرے کو شوہر و بیوی کہہ دینے سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے یا نہیں۔

(۲) ماحی الضلالۃ فی انکحۃ الہند وبنجالۃ (۱۳۱۷ھ)
ہندو بنگال میں عورت سے اجازتِ نکاح لینے کی رسم کے متعلق۔

(۳) ھبۃ النساء فی تحقق المصاھرۃ بالزناء (۱۳۱۵ھ)
ساس سے زنا کرنے والے کے بارے میں شرعی حکم کا بیان

(۴) ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار (۱۳۱۵ھ)
غیر مقلد وہابی سے نکاح جائز ہے یا ممنوع، اس کا تفصیلی بیان۔

(۵) الجلی الحسن فی حرمۃ ولد اخی اللبن (۱۳۳۰ھ)
رضاعی بھائی کی اولاد کے ساتھ حُرمتِ نکاح کا عمدہ اور روشن بیان۔

(۶) تجویز الرد عن تزویج الابعد (۱۳۱۵ھ)
ولیِ اقرب کی عدم موجودگی میں ولیِ ابعد کے نکاح کر دینے کا شرعی حکم

○

محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
مئی ۱۹۹۷ء

حافظ عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ
لاہور

فہرست مضامین

کتاب النکاح

ہیں ان کی اقتدا جائز ہے۔

ولی اقرب کے ہوتے ولی ابعد بے اجازت اقرب نابالغہ سے اور بے اجازت خاص بالغہ، بالغہ سے اگر نکاح کرے گا تو ان دونوں صورتوں میں وہ فضولی ہوگا۔

جو کسی طرف سے فضولی ہو وہ نکاح کی دونوں شطروں ایجاب وقبول کا متولی نہیں ہوسکتا اگرچہ ایجاب قبول کی عبارتیں علیحدہ علیحدہ ذکر کرے اور اگر تنہا عقد کرلے گا تو طرفین کے نزدیک نکاح باطل ہوگا کہ بعد اجازت ولی یا بالغہ بھی نافذ نہ ہوگا۔

بعد نکاح علم ہوا کہ عورت کسی عیب سے قابلِ جماع نہیں تو نکاح ہوگیا حقِ فسخ حاصل نہیں۔

نکاح میں خیارِ عیب نہیں۔

خلوت بمنزلہ وطی ہے اس سے بھی پورا مہر لازم ہوجاتا ہے جبکہ مانع وطی کوئی امر موجود نہ ہو۔

جو عورت ومرد ایک مکان میں بطور زن وشو رہتے اور زن وشو مشہور ہوں وہ زوج وزوجہ تصور کئے جائیں گے۔

○ رسالہ عباب الانوار ان لا نکاح بمجرد الاقرار۔

عورت کہے یہ میرا شوہر ہے، مرد کہے یہ میری بی بی ہے، کیا فقط اس سے نکاح ہوجائے گا جبکہ شاہدین کے سامنے کہیں۔

جو مرد وزن کو مثلِ زن وشو ایک مکان میں رہتے اور باہم انبساطِ زن وشوئی رکھتے دیکھے اس نے

۱۱۳ اگرچہ عقدِ نکاح کا معائنہ نہ کیا ہو اسے ان کے زوج وزوجہ ہونے پر گواہی دینا جائز اور ان پر گمانِ بد کرنا حرام ہے اور قضاءً ان کے لئے زوج وزوجہ کے تمام احکام ثابت ہوں گے۔ ۱۲۲

۱۱۴ مجرد اقرارِ زوجیت حقیقۃً نکاح نہیں یعنی اگر گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول نہ ہوئے ہوں تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں اگرچہ کہتا ہو کہ یہ میری زوجہ ہے۔ ۱۲۳

طلاق کے جھوٹے اقرار سے قضاءً طلاق ہوجائیگی ۱۱۵ عند اللہ نہ ہوگی۔ ۱۲۳

شوہر نے ایک طلاق دی تھی کسی نے پوچھا کہ تو نے کتنی طلاقیں دی ہیں، اس نے کہا تین، تو ۱۱۶ دیانۃً ایک ہے اور قضاءً تین۔ ۱۲۴

بیع کا جھوٹا اقرار بیع نہیں۔ ۱۲۵

۱۱۷ کسی کے لئے مال کا غلط اقرار کیا تو وہ مال مقرلہ کی ملک نہ ہوگا۔ ۱۲۶

حکم قاضی رافع خلاف ہے اور قضاء جس طرح ۱۱۸ ظاہرًا نافذ ہوتی ہے یونہی باطنًا بھی۔ ۱۲۷

اخبار وانشاء میں بداہۃً تباین ہے۔ ۱۲۸

۱۲۱ نکاح میں جد وہزل برابر ہیں اگر زن ومرد بطور ہزل یا باکراہ ایجاب وقبول کریں نکاح منعقد ہوجائے گا اگرچہ دل میں ارادہ نکاح نہ ہو۔ ۱۲۸

۱۲۱ اگر بے نیت انت طالق کہا طلاق ہوجائے گی اور اگر انت طالق سے طلاق عن الوثاق یا طلاق سابق سے خبر دینے کی نیت کی خواہ پہلے طلاق ۱۲۸

دے چکا ہو یا نہ دی ہو، بہرحال ان صورتوں میں دیانۃً طلاق نہ ہوگی ۔ ۱۲۸

کنایات محتاجِ نیت ہیں ۔ ۱۲۸

تعلیل دلیلِ تعویل ہے ۔ ۱۲۹

جس کی دلیل اقوٰی ہو وُہ تعویل کا زیادہ مستحق ہے۔ ۱۲۹

عمل اسی پر جس پر اکثریت ہے ۔ ۱۲۹

علیہ الفتوٰی اور بہ یفتی الفاظِ فتوٰی سے آکد ہیں ۱۳۰

جس پر متون ہوں وہی عمدہ ہے اور اسی کی طرف جُھکاؤ ہوتا ہے ۔ ۱۳۰

اگر کوئی شخص کسی عورت پر نکاح کا دعوٰی کرے اور عورت انکار کردے پھر وہ شخص اس کو کچھ دے کر اس سے اس بات پر صلح کرلے کہ وہ اس نکاح کا اقرار کرے ، اب عورت نے اقرار کیا تو یہ اقرار جائز اور مال لازم ہوگا ، اگر یہ اقرار شہود کے سامنے ہوا ہو اب اگر عورت پھر انکار کرے گی تو قاضی اس کا یہ انکار نہ سُنے گا ۔ ۱۳۰

اگر کوئی شخص کسی بیع کا دعوٰی کرے اور مدعا علیہ قسم سے بچنے یا کچہری کی ذلت سے گریز کرنے کے سبب اقرار کرلے تو بیع قضاءً ثابت ہوجائیگی اور احکام ، وجوبِ تسلیم ولزومِ شفعہ وغیرہ جاری ہوں گے لیکن یہ مدعی کاذب وُہ گھر کیا لے گا درحقیقت آگ لے گا ۔ ۱۳۱

صلح اقرب عقودِ شرعیہ کی طرف راجع کی جاتی ہے۔ ۱۳۲

اگر کوئی مرد کسی عورت پر نکاح کا دعوٰی کرے اور عورت منکر ہو پھر وُہ عورت اسے کچھ مال دے کر اس پر صلح کرے کہ وُہ اس دعوٰی سے باز آجائے تو جائز ہے اور یہ مدعی کے زعم میں معنی خلع میں ہوجائے گا مگر فقہائے نے فرمایا کہ اُسے اس مال کا اخذ فیما بینہ وبین اللہ تعالٰی حلال نہ ہوگا جبکہ وُہ اپنے دعوٰی میں مبطل ہے ۔ ۱۳۲

بعض دین پر صلح صحیح ہے اور باقی کے دعوٰی سے برأت بھی ہوجائے گی یعنی فقط قضاءً نہ دیانۃً اسی لئے اگر وُہ موقع پائے گا تو اسے باقی کا لے لینا جائز ہوگا ۔ ۱۳۲

ایسے الفاظ سے جن میں اخبار و انشاء دونوں کا احتمال ہو ، بہ نیتِ انشاء نکاح صحیح ہوگا جبکہ شہود کو علم ہو کہ مقصود انشائے عقد ہے ۔ ۱۳۴

الفاظِ اخبار کے متعین ہوں تو اگرچہ عقد کی نیت ہو منعقد نہ ہوگا ۔ ۱۳۴

مرد نے عورت سے کہا تُو میری بی بی نہیں اور اس سے اس نے طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوجائے گی اور اس کے یہ معنی ٹھہریں گے کہ تو میری بی بی نہیں اس لئے کہ میں تجھے طلاق دے چکا ہُوں ۔ ۱۳۵

اگر کوئی اپنی بی بی کو کہے میں نے اس سے نکاح نہیں کیا اور اس سے نیت طلاق کی کرے تو طلاق نہ ہوگی کہ یہ کذب محض ہے جس کی تصحیح ناممکن ہے ۔ ۱۳۵

امام فقیہ النفس کے مختار اور عام ائمہ کی تصحیح میں توفیق جلیل ۔ ۱۳۷

عاقدین کے کلام سے جو مقدم ہو وہ ایجاب ہے
اور جو مؤخر ہو وہ قبول۔
بے اذن آقا غلام نکاح کرلے اور مولیٰ خبر پاکر
طلاق کا حکم دے تو یہ حکم طلاق اس نکاح موقوف
کی اجازت ہوگا۔
فضولی اگر کفو سے نکاح کردے اور عورت خبر
پاکر خاموش ہو رہے تو یہ سکوت اجازت ہوسکے گا
اور اظہارِ نفرت سے رد ہوجائے گا۔
کفو یہ ہے کہ دین یا نسب یا پیشے یا چال چلن
وغیرہ میں مرد عورت سے اتنا کم نہ ہو کہ اس سے
نکاح اولیائے مخطوبہ کے لئے عار ہو۔
گھر میں عورت تنہا ہو مرد شاہدوں کے سامنے
کہے کہ میں نے اس گھر میں جو عورت ہے اس سے
نکاح کیا، عورت کہے کہ میں نے قبول کیا، نکاح
ہوگیا اگرچہ شاہد عورت کو نہ دیکھیں۔
عورت پردے میں ہو محض اس سے مجلس نہیں بدلتی۔
اگر عورت مجلسِ نکاح میں نقاب ڈالے حاضر ہو تو
شاہدوں کا اُسے پہچاننا ضرور نہیں۔
قبول فوراً ضرور نہیں اگر مجلس نہ بدلے۔
نابالغ عاقل کہ کفر کرے یا کفر پر مطلع ہو کر اسے
پسند کرے تو کافر مرتد ہے۔
رضا بالکفر بھی کفر ہے۔
مشرک سے استعانت نہ چاہیے خصوصاً امورِ
دینیہ میں۔
نابالغ یا کافر ایجاب قبول کرائے نکاح ہوجائیگا

اور اگر وکیل ہو اور خود ایجاب یا قبول کرے جب بھی ۱۷۲
۱۶۸ وکیل کا مسلم و بالغ ہونا ضروری نہیں، غیر مسلم و نابالغ
سمجھدار بھی وکیل ہوسکتا ہے۔ ۱۷۲
مرتد کی وکالت جائز ہے۔ ۱۷۲
۱۶۸ اگر وقتِ توکیل وکیل مسلمان ہو پھر مرتد ہوجائے
تو وکالت باطل نہ ہوگی جب تک دار الحرب میں
نہ چلا جائے۔ ۱۷۲
۱۶۹ مجنون اور ناسمجھ بچہ وکیل نہیں ہوسکتا۔ ۱۷۲
بلوغ و حریت صحتِ وکالت کے لئے شرط نہیں۔ ۱۷۲
مرتد یا نابالغ اگر بزعمِ ولایت اپنے بیٹے بیٹی یا بہن بھائی
۱۶۹ یا کسی نابالغ نابالغہ کا نکاح پڑھائے تو کس صورت
میں باطل محض ہوگا۔ ۱۷۳

مرتد سے نکاح پڑھوانے کا حکم۔ ۱۷۳
مرتد کسی کا ولی نہیں ہوسکتا اور نابالغ بھی صالحِ
۱۷۰ ولایت نہیں۔ ۱۷۳
۱۷۰ فضولی اگر کوئی ایسا عقد کرے جس کے لئے کوئی اجازت
دہندہ نہ ہو تو وہ عقد باطل محض ہے۔ ۱۷۳
۱۷۱ باپ نے کہا مکان خرید دو تو نکاح کروں گا۔ شوہر
۱۷۱ نے کہا پہلے نکاح کردو پھر خرید دوں گا۔ باپ نے
نکاح و رخصت کردی، عورت نے کوئی شرط نہ کی،
۱۷۱ مکان بھی مجہول رہا، یہ نکاح بے شرط ہوا یا معلق
۱۷۱ اور شوہر کا اقرار معلق بالشرط باطل ہے یا نہیں
اور یہ نکاح بے خلل ہے یا کیسا۔ ۱۷۳
۱۷۲ ایک ہزار روپیہ اور کچھ ہدیہ دینا مہر قرار پایا اور
ہدیہ نہ دیا تو مہرِ مثل لازم ہوگا۔ ہدیہ اگرچہ مجہول تھا

باب المحرمات

دو بہنوں سے آگے پیچھے نکاح کیا پچھلی کا فاسد ہوگا، اس سے مفارقت واجب ہے اگر بعد دخول مفارقت کرے گا تو مہر مسمّی ومہر مثل میں سے جو کم ہوگا وُہ لازم ہوگا، عورت پر عدّت واجب، اولاد صحیح النسب، اور اُس کی عدّت گزرنے تک پہلی سے وطی حرام ہوگی۔ ۳۳۰

جس کا شوہر مفقود ہو اور مرد وعورت دونوں حنفی ہوں تو عورت دوسرے نکاح کے لئے کس مدت تک انتظار کرے۔ ۳۳۱

چچی سے نکاح درست ہے۔ ۳۳۲

سوتیلے نانا کی دختر سے نکاح کا حکم۔ ۳۳۲

زید نے اپنی سالی سے زنا کا اقرار کیا پھر انکار، اُس کے اقرارِ زنا پر قاضی کے سامنے شہادت گزری اس شہادت اقرار زنا سے حُرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں، اور ہندہ زوجۂ زید اُس پر حرام ہوگی یا کیا۔ ۳۳۳

اگر اقرار یہ کیا ہو کہ میں نے اس کی ماں سے قبل اس کے نکاح کے زنا کیا تھا تو کیا حکم ہے۔ ۳۳۴

شہادت اقرار اگرچہ مثبت زنا ہونے کی صلاحیت نہ رکھے مگر مثبت اقرار ہے۔ ۳۳۴

اگر دُو مرد یا دُو عورتیں اور ایک مقذوف بالزنا کے اقرارِ زنا پر شہادت دیں تو قاذف اور شہود پر حدِ قذف نہ لگائی جائے۔ ۳۳۴

بیّنہ سے جو ثابت ہو وُہ ایسا ہی ثابت ہوتا ہے جیسے معائنہ سے۔ ۳۳۴

اثباتِ زنا میں شہادت زنان وشہادت دو مرد ہرگز مسموع نہیں۔ ۳۳۴

اگر دُو مرد کسی کے زنا پر اور دو اس کے اقرارِ زنا پر شہادت دیں تو حد نہیں لگائی جائے گی اور اگر تین مردوں نے زنا اور ایک نے اقرارِ زنا پر شہادت دی تو تین شہود پر حدِ قذف لگے گی۔ ۳۳۴

دار القضا سے باہر کا اقرار مثبت زنا نہیں ہوتا۔ ۳۳۵

اقرار بالزنا بعد رجوع مثبت زنا نہیں رہتا۔ ۳۳۵

اثباتِ مصاہرت کے لئے ثبوتِ زنا کی اصلاً حاجت نہیں مجرد اقرار زنا کافی ہے۔ ۳۳۶

اگرچہ ہزل و مذاق میں ایک بار اقرار کیا کہ اس نے فلاں سے زنا کیا حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگئی پھر لاکھ انکار کرے مسموع نہ ہوگا۔ ۳۳۶

اگر کسی سے کہا گیا کہ تُو نے اپنی بیوی کی ماں سے کیا کیا، اس نے کہا میں نے اس سے جماع کیا، تو حُرمتِ مصاہرت ثابت ہوگئی اگرچہ وُہ کہے کہ میں نے جھوٹ کہا۔ ۳۳۶

عورت سے بشرطِ بکارت نکاح کیا اور اسے ثیّب پایا۔ عورت کہتی ہے تیرے باپ نے بکارت کا ازالہ کیا ہے، اگر شوہر نے اس کی تصدیق کر دی تو حُرمت ثابت ہو جائے گی۔ ۳۳۶

زنا بمادرِ زن پیش از نکاحِ زن اور اس کا عکس دونوں ثبوتِ حُرمتِ ابدیہ میں یکساں ہیں اگرچہ ایک صُورت میں حرمت سابقہ اور دُوسری صُورت

باب الولی

کی ماں اور چچا رخصت سے انکار کرتے ہیں، کیا حکم ہے۔ ٥٦٤

جب دادا پردادا کی اولاد سے کوئی عاقل بالغ مرد نہ ہو تو ولایت ماں کو ہے، ماں کے ہوتے ہُوئے پھوپھی کوئی چیز نہیں، پھوپھی کا کیا ہوا نکاح اس صورت میں ماں کی اجازت پر موقوف تھا ماں نے رَد کر دیا رَد ہو گیا۔ ٥٦٥

پدر محمودہ کو حامد کے ساتھ نکاح کرنا منظور نہ تھا، مادر محمودہ اور تمام خاندان نے بغیبت پدر محمودہ کہ بارہ تیرہ کوس پر تھا منعقد کیا، محمودہ بالغہ ہے قبل از وقت نکاح اُس کی ایک ہم عمر کو اُس کی مرضی معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ محمودہ نے کہا مجھے بدل منظور ہے وقتِ نکاح وکیل و گواہ اذن لینے محمودہ کے پاس جاکر واپس آئے، پھر معلوم ہُوا کہ اُنھوں نے صرف مادر محمودہ سے رضامندی حاصل کی ہے، پھر گئے، محمودہ نماز میں مشغول تھی بعد فراغ اس سے پُوچھا وُہ خاموش رہی، مادرِ محمودہ نے کہا ہاں منظور ہے، دوبارہ پھر محمودہ سے کہا وُہ سرنگوں ہو گئی، پھر پُوچھا تو وہ دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر اور زیادہ جھکی، پھر پوچھا محمودہ کی وہی حالت سکوت و خاموشی رہی، وکیل و گواہ لوٹے اور نکاح ہو گیا، شب میں محمودہ کا والد آگیا اور شور وغل برپا کیا، صبح کو کہا کہ مادرِ محمودہ یہ کہتی ہے کہ محمودہ کو یہ نکاح منظور نہ تھا اور وقتِ استیذان محمودہ نماز پڑھ رہی تھی مادرِ محمودہ نے کہا کہ محمودہ نے کہا تھا کہ مجھ کو منظور ہے والدِ محمودہ یہی کہتا رہا کہ بوجہ مشغولی نماز نکاح نہ ہُوا، پھر باپ نے چاہا کہ علیحدگی ہو جائے، محمودہ نے ایک رقعہ اپنے والد کو لکھا کہ لفظِ طلاق ہرگز درمیان میں نہ آنے پائے۔ ایسی صورت میں یہ نکاح ہُوا یا نہیں۔ ٥٦٦

ہندہ نابالغہ جس کا کوئی ولی سوائے ماں کے نہیں اُس کا نکاح باجازت نابالغہ برضامندی والدہ خالد نابالغ سے ہُوا، قبول نابالغ سے کرایا گیا، پھر ہندہ نے خالد کے یہاں جانا نہ چاہا، پیش کار کی تنبیہ سے رخصت ہُوئی، چار برس وہیں رہی، اب پھر ناراضی ظاہر کرتی ہے، اور دُوسری جگہ نکاح چاہتی ہے ہمبستری نہیں ہُوئی، کیا حکم ہے۔ ٥٧٠

زید نے ہندہ باکرہ کا نکاح بغیبت والد ہندہ جو بارہ کوس پر تھا برضامندی مادر و نانی و بسکوت گریہ ہندہ اپنے ساتھ ہونا ظاہر کیا اب کہتا ہے کہ ہندہ نے بصراحت خود قبول کیا وکیل و گواہان نے حسب بیان زید شہادت دی، ہندہ کہتی ہے کہ میں نے ہرگز منظور نہ کیا تھا نہ اب ہے، کیا حکم ہے۔ ٥٧١

استیذان اجنبی بلکہ ولی بعید پر سکوت اذن نہیں۔ ٥٧٢

محلِ خفا میں تناقض مقبول و عفو ہے۔ ٥٧٣

اگر کوئی شخص کہے یہ میری رضیعہ ہے، پھر خطا کا اعتراف کرے تو سچا مانا جائے گا اور اس سے اس کے ساتھ نکاح جائز ہوگا جبکہ اپنے اقرار پر ثابت نہ رہے۔ ٥٧٤

استیذان کیا اُس کی خاموشی کو اذن قرار دے کر اُس کا نکاح کر دیا، زوجین میں خلوتِ صحیحہ بھی ہُوئی' یہ نکاح کیسا ہوا۔ ۶۱۳

حقیقی چچا نے بخیال نفع معاش براہ چالاکی بے علم و رضامندی مادر و عم علاتی ہندہ ہندہ کا عقد اپنے بیٹے سے کرلیا، ہندہ بالغہ ہے، اس کی عمر زائد از چودہ سال ہے، اس نے خبر نکاح سُن کر نامنظور کیا، کیا حکم ہے۔ ۶۱۴

ہنگامِ نکاح خوانی مہر پر حجت ہُوئی، زید مجلس سے اُٹھ گیا، عمرو نے بحالتِ غصہ مؤذن سے کہا تم میری لڑکی کا نکاح بکر سے کردو بکر مجلس نکاح میں موجود تھا، مؤذن نے صرف تین کلمے پڑھا کر ایجاب و قبول کرا دیا کوئی وکیل و گواہ نہیں ہوا نہ عمر کی تعداد و بکر کو بتائی یہ کہا کہ مثل لڑکی کی ماں کے مہر باندھا لڑکی بالغ ہے اس سے اجازت نہ لی گئی، کیا حکم ہے۔ ۶۱۸

لڑکی کا علاتی بھائی ماں اور ماموں کے مقابل ولی جائز ہے یا نہیں بے اجازت برادر علاتی ماں اور ماموں بالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو سے کر دیں، تو کیا حکم ہے۔ ۶۱۹

باپ دختر کی منگنی کر کے فوت ہوگیا بغیبت والدہ دختر چند اشخاص نے بجبر اُس دختر بالغہ کو ایک گھر میں کر دیا، ماں نے دعوٰی دائر کیا جواب دعوٰی ہوا کہ متوفی کے بھائی نے جو دوسرے باپ سے ہے بے اجازت دختر و والدہ دختر نکاح کر دیا کیا حکم ہے ۶۲۰

ہندہ ماں نے رضیہ کا بحالت نابالغی حامد سے عقد کر دیا رخصت نہ کی تھی چار سال بعد اب رضیہ بالغہ ہوئی اس عرصہ میں خالد نے دوسری عورت کو رکھ لیا خالد کی وضع و اطوار چال چلن رضیہ اور ہندہ کو ناگوار ہیں کمال نفرت ہے خالد سے تعلق نہیں چاہتی انکار کرتی ہے اور خلع چاہتی ہے رضیہ کیا کرے جو خالد سے قطع تعلق ہو، اور یہ عقد عقدِ فضولی قرار پائے گا یا نہیں۔ ۶۲۱

نابالغ نے نکاح کیا یا کچھ بیچا یا خریدا اجازتِ ولی پر موقوف رہے گا اگر قبل اجازت ولی بالغ ہوگیا تو خود اس کی اجازت پر موقوف ہوگیا۔ ۶۲۲

ایک شخص نے کسی کو سفر سے لکھا کہ میری نابالغہ لڑکی کی منگنی فلاں نابالغ لڑکے سے کرنا، اس نے بعد منگنی خود ولی بن کر نکاح بھی کر دیا والد خبر سُن کر خوش ہوا انکار نہ کیا، کیا حکم ہے۔ ۶۲۳

ساکت کی طرف قول منسوب نہیں کیا جاتا۔ ۶۲۴

ہندہ بیوہ نے اپنا عقد ایک شریف اپنے خاندانی سے کرلیا، عمرو بکر خالد نے اس پر اُسے اور اس کی ماں کو برادری سے نکال دیا ایذا دی، کیا حکم ہے۔ ۶۲۴

ناحق ایذاءِ مسلم حرام کہ بحکمِ حدیث وہ ایذاءِ رسول ہے اور ایذاءِ رسول ایذاءِ اللہ ہے جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ ۶۲۵

لڑکی دس سال کی ہے ماں نانی چچا میں کس کو اُس کے نکاح کا اختیار ہے ایک بھائی بھی دوازدہ[۱۲] سالہ ہے۔ ۶۲۵

خالد نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح رحیم بخش بالغ سے کردیا اب بوجہ فساد دختر بالغہ چاہتی ہے کہ نکاح فسخ ہوجائے، کیا شرعًا یہ ممکن ہے۔ ٦٢٥

ہندہ بکر بالغہ ہے اس سے قبل نکاح زید برادر علاتی یا کسی نے صراحۃً استمزاج نہیں لیا اور نہ بعد نکاح صراحۃً اسے خبر دی گو اُسے خارجی طریقہ سے سب باتیں معلوم تھیں اور تمام رسمیں اُس نے کیں کسی وقت اظہار نارضامندی نہ ہُوا اور نہ اب تک ظاہر کرتی ہے بلکہ خوش معلوم ہوتی ہے، کیا حکم ہے۔ ٦٢٦

ولی نے بالغہ کا نکاح کردیا اور باکرہ کو ولی کے قاصد یا کسی اور عادل نے نکاح کی خبر دی وہ سن کر خاموش رہی تو یہ سکوت اذن ہے۔ ٦٢٧

بکر نے اپنے لڑکے خالد کی نسبت سعیدہ دختر زید سے چاہی، زید کو منظور نہ ہُوئی، بکر نے ہندہ زوجہ زید کو برہم کردیا، ہندہ نے اس قدر فساد مچایا کہ زید نے مجبوری بخوف حکام ضلع بخیال اس کے کہ رفع جملہ فساد ہوجائے گا منظور کرلیا اور سعیدہ سے بے اذن لئے اس کا نکاح حامد سے کردیا، خالد و سعیدہ سے آج تک ملاقات نہ ہُوئی، بعد نکاح خالد لندن چلا گیا، وہاں فسق و فجور میں مبتلا ہوا، وہ کسی قسم کی خبر گیری سعیدہ کی نہیں کرتا، نہ وہاں سے آتا ہے، نہ اس کا باپ بکر اس کے خرچہ کی کفالت کرتا ہے، ایسی صورت میں سعیدہ مجاز ہے یا نہیں کہ اپنے باپ کے کئے نکاح کو جو بخوشی نہیں بلکہ بمجبوری و بخوف حکام و بامید رفع خرخشہ کیا تھا اور رفع خرخشہ ہوا ابھی نہیں توڑے خالد کا کب تک انتظار کیا جائے گا۔ ٦٢٧

ولی اگر بحالت جبر و اکراہ نکاح کرے ہوجائیگا۔ ٦٢٨

عورتوں سے بحکم قرآن نیک برتاؤ کرنا لازم۔ ٦٢٩

عورتوں کو مقدور بھر وہاں رکھو جہاں خود رہو۔ ٦٢٩

عورتوں کو ضرر نہ پہنچاؤ کہ ان پر تنگی کرو۔ ٦٢٩

عورت کو معلقہ کرنا بحکم قرآن ممنوع ہے۔ ٦٢٩

بحکم حدیث اسلام ضرر و ضرار سے پاک ہے۔ ٦٢٩

ہندہ نابالغہ کا باپ مرگیا، ماں نے اس کی سوتیلی بہن کو جس نے اسے بچپن سے اولاد کی طرح پالا تھا اس کے نکاح کی اجازت دے دی، سوتیلی بہن نے نکاح کردیا، وقتِ نکاح ہندہ کے چچا اور بھائی موجود نہ تھے مگر انھیں علم تھا، کیا حکم ہے۔ ٦٢٩

لڑکی کے باپ نے لڑکے کو دہلی سے بھوپال برائے عقد بلایا، برات پہنچی، تاریخ عقد مقرر ہُوئی، لڑکی ماموں کے یہاں تھی، باپ لینے گیا، عین وقت پر ماموں نے بھیجنے سے انکار کردیا، باپ شرم سے زہر کھا کر مرگیا، اس کی تحریری اجازت موجود ہے، لڑکی نابالغہ ہے اُس کا چچا عقد پر رضامند ہے، کیا چچا کی محض اجازت سے بے اطلاع دختر نکاح ہوسکتا ہے۔ ٦٣٠

بیوہ نے جس سے نکاح کیا اس کے دو لڑکے زوجہ اولٰی سے ہیں، ایک دختر اس سے ہُوئی۔ شوہر ثانی کے انتقال کے بعد بیوہ نے تیسرا خاوند کیا اور شوہر سوم نے اُس دختر نابالغہ کا نکاح ایک نابالغ

سے کردیا۔ ابتداء قرارداد نسبت میں شوہر دوم کے دونوں لڑکوں کا بھی مشورہ تھا مگر وقت نکاح یہ دونوں نہ تھے، اب یہ دونوں اس نکاح سے رضامند ہیں، کیا حکم ہے۔ ۶۳۳

زید پدر ہندہ نابالغہ کو بکر نے فریب دیا کہ خالد اس کا ہم قوم ہے زید نے خالد سے عقد کردیا رخصت ہوئی تو معلوم ہوا کہ خالد ولد الحرام ذلیل قوم ہے صغیرہ اسے اپنا شوہر نہیں جانتی نہ اس کے پاس آئی گئی معاہدۂ نکاح جو مرتب ہوا تھا بوقتِ بلوغ اس نے فسخ کردیا کیا حکم ہے۔ ۶۳۴

کسی کو صالح جان کر کہ نشہ کی چیز نہیں استعمال کرتا اس سے اپنی بیٹی کا عقد کردیا پھر معلوم ہوا کہ وہ عادی ہے لڑکی نے بعد بلوغ انکار کردیا اس نکاح سے راضی نہیں، کیا حکم ہے۔ ۶۳۴

اپنی بیٹی کسی کے نکاح میں اُسے حر اصلی جان کر دی اور وہ تھا آزاد شدہ، تو یہ نکاح بالاتفاق باطل ہوگا۔ ۶۳۵

عدمِ کفاءۃ بوجہ فسق وغیر فسق میں کوئی فرق نہیں ۶۳۵

فرقت عورت کی طرف سے ہو تو فسخ، مرد کی طرف سے ہو تو طلاق ہے اور قضاء سب کے لئے شرط ہے۔ ۶۳۵

فسخ بوجہ عدم کفاءۃ قاضی ہی کے یہاں ہوسکتا ہے۔ ۶۳۶

لڑکیاں بعد موت والدہ اپنے نانا کے زیر پرورش رہ کر بالغہ ہوئیں والد اپنے وطن میں ہے لڑکیوں کی کسی قسم کی امداد نہیں کرتا، نانا شادیوں کا انتظام کرتا ہے تو والد مانع ہوتا ہے اور خود بوجہ صرف نہیں کرتا، کیا نانا ولی ہو کر نکاح کرسکتا ہے۔ ۶۳۶

نابالغہ کا باپ فوت ہوگیا اس کے شرعی وارث موجود ہیں مگر ولی بننے سے انکار کرتے ہیں نابالغہ کی ماں جس نے عقد ثانی کرلیا ہے وہ یا اس کا شوہر ثانی ولی بن سکتے ہیں یا نہیں۔ ۶۳۷

زید کے ہندہ سے ایک دختر ہوئی پھر زید نے ہندہ کو طلاق دے دی دختر ہندہ کے پاس رہی ہندہ نے بکر سے نکاح کرلیا جب دختر تقریباً ۹ سال کی ہوئی تو بکر وہندہ نے اس کا نکاح کردیا جس سے نکاح کیا وہ اسلام سے بالکل ناواقف ہے نہ روزہ رکھتا ہے نہ نماز پڑھتا ہے اب دختر پندرہ سال کی ہے نماز روزے کی پابند پڑھی لکھی ہے وہ اس کے یہاں رہنا نہیں چاہتی ولی اصلی زندہ ہے اس نے اجازتِ نکاح نہیں دی، کیا حکم ہے۔ ۶۳۷

لڑکی ۱۳، ۱۴ سالہ ہے اس کا باپ نہ تو کھانا کپڑا دیتا ہے نہ لے جاتا ہے بہت کچھ اسے کئی دفعہ سمجھایا مگر کوئی خیال نہ کیا، ماموں نے کہا یا تو تم لڑکی کی شادی کرو نہیں کرتے تو لادعوی ہوجاؤ جواب نہ دیا ماموں نے جب چاہا کہ شادی کردیجائے تو اس شخص نے اپنے خسر کو نوٹس دیا کہ تم لڑکی کی شادی نہ کرنا ورنہ ہم دعوی کریں گے، کیا حکم ہے۔ ۶۳۸

ہندہ بیوہ کا عمرو سے ناجائز تعلق ہوا، ہندہ کے

چچا بکر نے یہ خبر پاکر بزور اپنے لڑکے زید سے بے رضامندیِ ہندہ ہندہ کا نکاح کردیا، وکیل نے ہندہ سے اجازت چاہی، بخوفِ جان ہندہؔ نے اذن دیا، دو چار ماہ بعد موقع پاکر عمرو کے یہاں بھاگ آئی، ہندہ نے حلفاً بیان کیا کہ مجھے ہرگز ہرگز منظور نہ تھا بکر وغیرہ کے جبر سے جو دھمکی ہلاکت کی تھی اقبال کیا پھر مجھے اور زید کو لوگوں نے ایک مکان میں بند کردیا خلوتِ صحیحہ بھی بجبر ہوئی، کیا ایسا نکاح جائز ہے، طلاق کی حاجت ہوگی یا نہیں۔

٦٤١

ولی جو مہر باندھے نابالغ بعد بلوغ اُس مہر سے راضی نہ ہو انکار کرے تو کیا حکم ہوگا۔

٦٤٢

زید مرگیا اس کا ایک بھائی جو [illegible] علیحدہ ہے کسی قسم کا کوئی تعلق مرحوم سے نہیں رکھتا تھا زید کی لڑکی جو قریب بلوغ ہے اُس کی شادی ہونے والی ہے لڑکی کی سوتیلی ماں جس نے اس کی پرورش کی ہے شادی کر رہی ہے اُس نے زید کے بھائی سے شادی کے متعلق مدد چاہی اس نے کہا کہ میں اس شادی میں شریک نہ ہوں گا نہ مجھے کوئی واسطہ، جہاں چاہیں کریں۔ لڑکی کے دو سوتیلے بھائی جن کی عمر سولہ سال ہے موجود ہیں، کیا حکم ہے۔

٦٤٣

ماں باپ مرگئے نانی نے پرورش کیا آٹھ نو سال کی عمر میں نانی نے لڑکی کا نکاح نواسے کے ساتھ کردیا۔ دختر کے حقیقی بھائی موقع پر موجود نہ تھے ہندہ کو جب پہلی بار حیض ہوا وہ مع اپنی نانی کے اپنے محلّے کے ایک گھر میں آئی اور دو مرد تین عورتوں کے سامنے کہا جس کے ساتھ میری نانی نے میری شادی کی تھی میں اُس سے رضامند نہیں ہوں اُس کے ساتھ اپنی عمر بسر نہیں کرسکتی، یہ نکاح رہا یا نہیں، ہندہ نے دوسرا عقد کرلیا، کیا حکم ہے۔

٦٤٥

بعد وفاتِ پدر ماں نے نابالغہ کا کہیں ناتا کردیا لڑکی کو کسی قدر زیور اور کپڑا چڑھایا گیا، ناتے والے اپنے زعم میں اسے نکاح سمجھتے ہیں دو تین سال بعد منگنی والوں نے شادی کا تقاضا کیا، ماں نے انکار کردیا، انھوں نے ناتا توڑ دیا اور چڑھاوا باپ نے لیا، لڑکی کی ماں کے مرنے کے بعد کہتے ہیں ہم نے ناتا نہیں توڑا، کیا بحکم ولہما الخیار فی غیر الاب والجد لڑکی کو حقِ فسخ ہے، جہاں قاضی نہ ہو کیا وہاں اعلم علمائے اہل بلد سے فسخ کرالیا جائے۔

٦٤٧

لڑکی چودہ سال کی ہے، باپ نے اس کی ماں کو خط لکھا کہ جس طرح چاہو کرو تمھیں اختیار ہے کیا باپ کی عدم موجودگی میں ماں نکاح کرسکتی ہے۔

٦٤٨

زید نے اپنی پہلی بی بی کے بچوں کو عاق کردیا، تیسری بی بی سے دختر ہے، اس کی بکر سے نسبت کرکے فوت ہوگیا، لڑکی دس سال کی تھی ماں نے بولایتِ خود بکر سے شادی کردی، پہلی بی بی کا عاق لڑکا کہتا ہے میں ولی ہوں،

زید نے نابالغہ کا عقد نابالغ سے کر دیا نابالغ کے باپ نے یہ شرط کرلی تھی کہ اگر ہندہ بالغہ ہے تب میں اپنے لڑکے سے اس کا نکاح کروں گا ورنہ نہیں، زید نے اقرار کیا کہ وہ بالغہ ہے نابالغہ اب نوٹس دیتی ہے کہ میں بالغہ ہوگئی، والدین کے نکاح کے فسخ کا مجھے حق ہے، کیا حکم ہے۔

٦٥٣

زید شدتِ مرض میں تھا اس کے بھائی نے اس کی نابالغہ دختر کے عقد کی اپنے لڑکے کے ساتھ اجازت لے لی زید تین دن بعد مرگیا، لڑکا کفو نہیں کہ ذلیل عورت سے ہے، نکاح ہوا یا نہیں۔

٦٥٤

زید متقی صوفی عالم خوش حال متورع عالم کا بیٹا زاہد عزلت گزین درویش کا پوتا ہے زینب دختر زید بہت نیک اور سیدھی اور ممنوعات سے بہت محترز ہے زید نے اس کی شادی نہ کی تھی کسی عالم متقی کی تلاش میں تھا عمرو جو کسی طرح زید و زینب کا کفو نہیں آیا، اور اس نے اسے دھوکا دیا کہ میں عالم ہوں اتنا اتنا مالدار ہوں، ایسا ہوں، ویسا ہوں۔ اور زینب سے نکاح کرلیا، بعد علم حقیقت حال زید و زینب اس سے سخت متنفر ہیں، نہ زینب جانا چاہتی ہے نہ زید بھیجنا چاہتا ہے، عمرو مالاً و دیانتاً زینب کا ہرگز کفو نہیں، اور درمختار میں ہے یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوٰی صورتِ مستفسرہ میں خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو عبارت مذکورہ کے بموجب بطلانِ نکاح کا حکم ہوسکتا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو زینب اور اس کے اولیاء کو حقِ فسخ حاصل ہے یا نہیں۔

٦٥٥

فاسق اگرچہ غیر معلن ہو صالحہ یا بنتِ صلحاء کا کفو نہیں ہوسکتا۔

٦٥٨

فقیر محتاج جو ذی حرفہ نہ ہو وہ فقیرہ کا کفو بھی نہیں۔

٦٥٨

مطلقہ بطور خود بلا رضائے ولی اگر کفو سے بغیر حلالہ نکاح و ہم بستری کرے حلالہ نہ ہوگا کہ یہ نکاح ہوگا ہی نہیں۔

٦٥٩

یونہی اگر ولی نے بھی اجازت دے دی ہو مگر ولی کو پیش از نکاح اس کا غیر کفو ہونا معلوم نہ ہو تو نکاح نہ ہوگا۔

٦٥٩

غیر کفو کے ساتھ نکاح کی ولی سے اجازت طلب کی وہ ساکت رہا، عورت نے کرلیا، نکاح نہ ہوا، اگرچہ بعد کو ولی بصراحت اجازت دے دے۔

٦٦٠

لڑکے لڑکی کا بحالت نابالغی نکاح ہوا تھا اب لڑکا یا اس کے وارث لڑکی کی خبر کسی قسم کی نہیں رکھتے۔ لڑکی تین طرح کے علم سے واقف ہے اور لڑکا نرا جاہل۔ لڑکی اب کہتی ہے ہم اول شوہر کو طلاق دے کر نکاح ثانی کریں گے، کیا ارشاد ہے۔

٦٦٠

ہندہ نابالغہ کا باپ زید ہزار میل پر تھا ماں اور

چچا بکر نے ہندہ کے باپ کی تحریری اجازت حاصل
کر کے مفتیٔ شہر کو بتا کر خود نکاح خالد سے کر دیا،
جب زید مکان آیا تو خالد نے اُس کی دعوت کی
زید نے جلسۂ دعوت میں نکاح کی رضامندی ظاہر
کی، مہینوں رسوم دامادی و خسروی خالد کے ساتھ
رکھے، اب زید خط سے انکار کرتا ہے، کیا
حکم ہے۔ ٦٦١

زید نے بھتیجی کا نکاح نابالغی میں کر دیا جس
وقت وہ بالغ ہُوئی اُسی وقت اُس نکاح اور
شوہر کے گھر جانے سے انکار کیا، نکاح باقی
رہا یا نہیں، دُوسری جگہ ہو سکتا ہے یا نہیں،
مہر لازم ہُوا یا نہیں۔ ٦٦٢

بیوہ کے ایک دختر شوہر اول سے تھی شوہر ثانی
نے بقصد سختی و تشدد و بہزار زجر و توبیخ بیوہ سے
اپنے لڑکے کے ساتھ اس کی چھ سالہ دختر کے
عقد کا اذن لے کر جبریہ نکاح کر دیا لڑکی کا چچازاد
چچا اور چچازاد بھائی وقتِ عقد موجود نہ تھے
اُنھیں اطلاع نہ ہُوئی لڑکی بعد بلوغ جب اظہار
ہوا فوراً پکار اُٹھی کہ مجھے اُس شوہر کے یہاں
جانا منظور نہیں ہرگز نہ جاؤں گی، منٹ بھر بھی
پُورا نہ ہونے دیا کیا حکم ہے۔ ٦٦٢

درمختار میں ہے وللولی الاعتراض فی غیر
الکفو مالم تلد لئلا یضیع الولد۔
طحطاوی، ابوالمکارم و بنایہ و حاشیۂ شلبی و
ہندیہ میں بعد ولادت بھی بربنائے ظاہر الروایہ
ولی کو اعتراض کا حق بتایا اور امام حسن کی روایت
مفتیٰ بہا پر ابتداء ہی سے بطلانِ نکاح کا حکم
ہے، اس سے معلوم ہُوا کہ ولادت حق اولیاء
کی مسقط نہیں، کیا ثبوت تفریق کا دعوٰی
صحیح ہوگا وان ولدت۔ ٦٦٣

بعض مولوی کہتے ہیں علویات کا نکاح مع تراضی
اولیاء بے تراضی باطل کہنا شیعہ کا مذہب ہے
بنایہ کی اس عبارت سے مستند ہیں وفی
البسیط ذھب الشیعۃ الی ان نکاح العلویات
ممتنع علی غیرھم مع التراضی قال السروجی
وھما قولان باطلان، ان قولان باطلان
سے کون سے دو قول مراد ہیں۔ ٦٦٤

عقد کو ہوتے ہوتے اولاد پیدا ہو گئی اور چند
روز میں مرگئی تو اب بھی حق اعتراض للاولیاء ہے یا نہیں۔ ٦٦٥

ایک شخص فوت ہُوا، بی بی اور دو نابالغ لڑکیاں اور
باپ کو چھوڑا، دختران کا ولی کون ہوگا۔ ٦٦٦

سوتیلی خالہ سے ایک شخص نے نکاح کیا وہ لڑکی
دو سال سے اس کے والدین نے روبرو گواہوں
کے دوسرے لڑکے کو دی ہے مگر رخصت کے
وقت جو نکاح ثانی ہوتا ہے وہ باقی تھا کیا حکم ہے۔ ٦٦٧

کنواری لڑکی بے رضائے والدین غیر شخص
کو اپنے نکاح کا ولی بنا سکتی ہے یا نہیں۔ ٦٦٧

قاضی جسے علم ہو کہ اس لڑکی کے والدین زندہ
ہیں وہ والدین کے بے پوچھے کسی غیر شخص کو
ولی مقرر کر کے لڑکی کا نکاح کر سکتا ہے یا نہیں،

اگر نہیں تو ایسے قاضی کے لئے کیا حکم ہے۔ ٦٦٧

لڑکی بوجہ شرم وحجاب ساکت رہے عزیز وقریب عورتیں جو اس کے گرد ہوں وُہ کہہ دیں ہاں لڑکی کو منظور ہے، تو نکاح جائز ہوگا یا نہیں اور اس کا اقرار سکوتی قائم مقام ایجاب وقبول ہوگا یا نہیں۔ ٦٦٧

لڑکی بالغہ یتیم ہے ماں نے اس کا نکاح کیا چچا تائے اس کے نکاح میں موجود نہ تھے ، کیا حکم ہے۔ ٦٦٨

یتیمة بلغت من عمرها خمسة عشر سنین زوجتها امها برضاها لکن لم یحضروا مجلس النکاح اولیاؤها وما استشیروا فی ھذا الباب ھل جاز النکاح۔ ٦٦٩

بالغہ کے ماں بھائیوں نے میراثی سے کہا کہ فلاں قبیلہ میں رشتہ کراؤ کسی دوسری جگہ نہ کرنا میراثی رشوت لے کر دوسری جگہ کر آیا، معلوم ہونے پر انکار کرا بھیجا اور بھائی خود بھی جاکر منع کر آئے، مگر وُہ لوگ نہ مانے، میراثی نے اپنی طرف سے دن مقرر کرکے برات منگائی، اس میں رؤسا بھی تھے، لڑکی کی ماں اور بھائی برابر انکار کرتے رہے۔ رؤسائے گرد ونواح کے اور رؤسا جمع کرکے زور ڈالا، بھائیوں کو ایک مقدمۂ جعلسازی میں پھانس دیا وُہ عاجز آکر بولے نکاح ٹھہرا دو، جب بالغہ سے اذن لینے گئے اس نے انکار کردیا، لڑکی کو جبراً خاموش کردیا اور ڈولی میں بٹھالے گئے، اس وقت بھی لڑکی نے کہا میرا نکاح ہی نہیں ہے، اب تک انکار پر مصر ہے، کیا حکم ہے۔ ٦٧٠

بالغہ شیعہ لڑکی نے بے اجازتِ والدین سُنّی سے نکاح کیا، اس کے والدین نکاح فسخ کرانا چاہتے ہیں کہتے ہیں کہ خلوت صحیحہ نہیں ہوئی اس لئے ہمیں اختیارِ فسخ حاصل ہے، نیز نکاح کفو سے نہیں ہوا اس لئے بھی۔ وکیل نکاح نکاح کا تو مقر ہے مگر کہتا ہے کہ لڑکی کے ایجاب وقبول کی آواز نہیں سنی، گواہ آواز سُننا بھی بیان کرتے ہیں لڑکی نے گواہان کے سامنے نکاح سے پہلے اقرار کیا میں سنت جماعت حنفی مذہب اختیار کرچکی ہوں، کیا حکم ہے۔ ٦٧١

سُنّیہ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کا باپ رافضی سے کرنا چاہتا ہے، منع کرنے پر کہتا ہے جائز ہے، کیا لڑکی اس صُورت میں نانا کو مل سکتی ہے کہ وہ کسی سُنّی سے نکاح کردے۔ ٦٧٢

ماں نے حقیقی چچا کی عدم موجودگی میں نابالغہ کا چچیرے چچا کی اجازت سے نکاح کردیا، چچا ناراض ہے صرف عقد ہُوا ہے اگر ناجائز ہوا تو دوسرے کے ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں۔ ٦٧٣

بالغہ ہندہ بنت زید نے بے اجازتِ زید کفو سے نکاح کرلیا، زید ناخوش ہوکر بکر کے مکان سے ہندہ کو حیلہ کرکے لے آیا ایک سال بعد عمرو سے ہندہ کا نکاح کردیا، دوسرا نکاح صحیح ہُوا یا نہیں۔ عمرو سے جو اولاد ہو اس کا کیا حکم

ہے، زید کے لئے کیا حکم ہے، زید امام ہوسکتا ہے یا نہیں۔

۶۷۴

بالغہ ایسے شخص سے جو اس کی ذات کا خوش حال پڑھا لکھا جوان تھا نکاح پر راضی تھی زید بالغہ کا باپ اُس سے راضی نہ تھا بالغہ جس سے راضی نہ تھی زبردستی اُس کے ساتھ اُس کا نکاح کرا دیا اور زبردستی چند آدمی پکڑ کر اس کے یہاں پہنچا آئے یہ نکاح درست ہوا یا نہیں، زید کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے۔

۶۷۵

بالغہ کا نکاح والدین نے ایک شخص کے ساتھ کیا ماموں اذن لینے گیا لڑکی خاموش رہی، دوبارہ اصرار کرنے پر جواب نہ دیا، ماموں نے طمانچہ مارا لڑکی رونے لگی ماموں نے باہر آکر نکاح پڑھوا دیا کیا حکم ہے لڑکی جانے پر رضامند نہیں ہے۔

۶۷۶

بالغہ نے بے اجازت ولی اپنا عقد کفو سے کر لیا جائز ہوا یا نہیں ولی فسخ کرکے بے طلاق یا خلع کسی مالدار سے جبراً کر دے تو وبال کس پر ہوگا اور یہ فعل کیسا ہوگا۔

۶۷۷

کیا رواج عرف عام قانون شرع شریف پر کسی حالت میں مرجح ہوسکتا ہے۔

۶۷۷

ولی کا جھوٹا حلف ہندہ کے مقابلہ میں معتبر ہوگا یا ہندہ کا قول

۶۷۷

باپ نے اپنی بارہ برس کی لڑکی کے عقد کا ایک نابالغ سے وعدہ کیا اور برادری کے لوگوں کے سامنے مٹھائی اور کپڑا لڑکی کے واسطے لڑکے سے لے لیا اور اقرار کیا کہ فلاں تاریخ نکاح کردوں گا پھر بیمار ہوکر مکان چلا گیا، بیٹی بی بی کو چھوڑ گیا جس کا بار لڑکا اٹھاتا رہا، چھ مہینے ہوگئے خط بھیجے جواب نہ آیا، جانے زندہ ہے یا مر گیا، ماں پہلے راضی نہ تھی مگر جب لڑکے نے کہا کہ تم نکاح نہیں کرتیں تو میں نے جواب تک صرف کیا وہ دے دو، اس پر راضی ہوئی، لڑکی اپنا بھلا بُرا جانتی ہے وہ بھی راضی ہے، کیا حکم ہے۔

۶۷۸

رفیق بیگم کا نکاح بعد موتِ والد چچا نے اپنے پسر سے کر دیا، نابالغہ نے بالغ ہوتے ہی اعلان کر دیا کہ اُس نکاح کو نامنظور کرکے فسخ کر دیا، ذریعۂ نوٹس شوہر نابالغ اور اس کے باپ کو اطلاع کر دی نوٹس واپس آیا رفیق بیگم نے دیوانی میں نالش دائر کر دی، ہنوز فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ رفیق بیگم فوت ہوگئی، ایسی صورت میں وُہ نکاح برقرار متصور ہوگا اور شوہر کو ترکہ پہنچے گا یا نہیں۔

۶۷۹

شخصے بمیانِ حیاتِ پدر خود بلا رضامندی وے نکاح خواہر صغیرہ بمعاوضہ بازو بجائے کردہ پدرش بعد خبر یافتن انکار کرد و بعد چند مدت راضی شد بازو معاوضہ را در نکاح پسر خود گرفت باز انکار کرد، آیا از انکارِ اول نکاح باطل شد یا نہ۔

۶۸۰

نابالغہ جس کے باپ دادا کی شاخ میں کوئی نہ تھا صرف اس کی ایک بڑھیا ماں ہے برادری والے بلا رضامندی بڑھیا کی لڑکی کی شادی کرنے لگے، نکاح کے وقت بڑھیا دوسری کوٹھڑی میں روتی رہی، تو کیا یہ نکاح صحیح ہُوا۔

۶۸۱

باب الکفاءۃ

محمد یحیٰی فوت ہُوا اُنھوں نے اپنے باپ شاہ عبدالکریم اور بھائی محمد زکریا اور دختر مسماۃ محمودہ بی بی از زوجۂ اولٰی و دختر راضیہ بی بی از ثانیہ وغیرہ ورثا چھوڑے، شاہ عبدالکریم صاحب بولایتِ خود محمودہ کا نکاح مولوی محمد یحیٰی کے ننہالی رشتہ دار کے فرزند سے کر کے انتقال کر گئے وقتِ انتقال حافظ محمد زکریا وغیرہ کو بُلا کر وصیت کی کہ راضیہ جس کی عمر ڈیڑھ سال ہے اس کا عقد تمھارے بیٹے عبدالسلام کے ساتھ بولایت جائز اپنے کئے دیتا ہوں ماں اور نانا دوسری جگہ غیر کفو سے اب اُس کا عقد کیا چاہتے ہیں کیا حکم ہے۔

فہرست ضمنی مسائل

تیمّم

امامت

جنائز

خطبہ

روزہ

مہر

ولیمہ

رضاعت

عشرۃ النساء

طلاق

خلع

عنین

اگر یہ الزام ثابت ہوں تو کیا نکاح فسخ کیا جا سکے گا۔ ۶۱۰

عنین سے تفریق کے لئے عورت بالغہ کا دعویٰ ضرور ہے قاضی اس کی طلب پر تفریق کرے گا، اگر صغیرہ ہوگی تو اس کے بلوغ کا انتظار کیا جائے گا کیونکہ ممکن ہے وہ بالغہ ہو کر عنین یا مجبوب سے راضی ہو۔ ۶۱۱

عورت نے شوہر کو عنین پایا تو قاضی شوہر کو ایک سال قمری کی مہلت (بغرضِ علاج) دے گا۔ ۶۱۲

مفقود

جس کا شوہر مفقود ہو اور مرد و عورت دونوں حنفی ہوں تو عورت دوسرے نکاح کے لئے کس مدت تک انتظار کرے۔ ۳۳۱

مسئلہ زنِ مفقود۔ ۳۴۴

مسئلہ زنِ مفقود الخبر۔ ۴۱۲ و ۴۴۸

عدت

عورت پر روزِ طلاق سے عدت لازم ہوتی ہے۔ ۲۶۹

غیر مدخولہ کو طلاق دی جائے تو اس پر عدت اصلاً نہیں۔ ۲۶۹

نسب

شرعاً نسب باپ سے ہے وہ شریف ہے تو بیٹا بھی شریف۔ ۲۴۲

جو اولاد نکاحِ فاسد میں وقتِ وطی سے چھ مہینے بعد پیدا ہوئی بالاجماع ثابت النسب اور مستحق ارث ہے۔ ۳۴۱

حرمتِ مصاہرہ کے بعد متارکہ سے قبل اگر شوہر وطی کرے تو حرام ہے مگر زنا نہیں، اور اس وطی سے پیدا ہونے والی اولاد صحیح النسب ہوگی کیونکہ نکاح باقی ہے۔ ۳۶۵

سُنّی نے رافضیہ سے بطور شیعہ صیغہ پڑھایا بطریق اہلسنت نکاح نہ ہوا دونوں اپنے مذہب پر قائم رہے اولاد کیسی ہوئی۔ ۴۴۷

ہندہ منکوحہ خالد کو زید نے رکھ لیا، زید کے ہندہ سے کئی اولادیں ہوئیں، زید لڑکی کی شادی کرنا چاہتا ہے، لوگ کہتے ہیں حرامی ہیں، کیا حکم ہے۔ ۷۲۲

غیر سید نے سیدہ سے نکاح کر لیا، اولاد سید ہوگی یا نہیں۔ ۷۳۰

باپ شریف ہو اور ماں طوائف جو توبہ کر کے اس کے باپ کے نکاح میں آئی ہو تو اس سے اولاد کے نسب پر کوئی حرف نہیں آتا۔ ۷۳۱

نفقہ

اگر اس شرط پر نکاح کیا جائے کہ نان و نفقہ کچھ واجب نہ ہوگا جب بھی اپنی صورتِ وجوب میں ضرور واجب ہوگا۔ ۲۹۸

فدیہ

جو روزے کی طاقت نہ رکھے وہ ہر روزے

خنثیٰ

جنین

ولاء

اکراہ

تفسیر

فوائدِ حدیثیہ

اسماءُ الرجال

قواعدِ اصولیہ

فوائدِ فقہیہ

افتاء و رسم المفتی

عقائد وکلام

ردِّ بد مذہبیاں

سِیَر

بیوع

خیار

دعوٰی

شہادت

دو شخصوں نے کہا کہ لڑکے کا باپ اور لڑکی کی ماں ناجائز تعلقات رکھتے ہیں، لڑکی کے باپ نے قرآن شریف اٹھانے کو کہا، انکار کیا اور چلے گئے ثبوت نہ ہوا، کیا حکم ہے۔ ۴۶۸

قضاء

حکم قاضی رافع خلاف ہے اور قضاء جس طرح ظاہراً نافذ ہوتی ہے یونہی باطناً بھی۔ ۱۲۷

قاضی شرع کون ہے، یہاں کون حقِ فسخ و تفریق رکھتا ہے۔ ۴۴۳

اسلامی ریاست میں مسلمان حاکم نائبِ شرع ہے بشرطیکہ وہابی، رافضی، قادیانی وغیرہ نہ ہو۔ ۴۴۴

قاضی مجتہد، مجتہد فیہ میں اپنی رائے کے خلاف اگر عمل کرے گا تو نافذ نہ ہوگا۔ ۴۸۵

جس کا کوئی ولی نسبًا نہ ہو اس کا ولی قاضیِ شرع ہے، نکاح اس کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ جہاں قاضیِ شرع نہ ہو جیسے اکثر دیارِ ہندوستان وہاں اعلم علمائے اہلِ بلد صاحبِ فتویٰ فقیہ کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ ۵۴۹

زوج کی عدم موجودگی میں قاضی تفریق نہیں کر سکتا بلکہ بوقتِ تفریق اس کی حاضری ضروری ہے۔ ۵۶۳

ہائیکورٹ وغیرہ انگریزی کچہریاں شرعی دارالقضاء نہیں لہٰذا ان حکام کے فسخ کئے نکاح فسخ نہ ہوگا۔ ۵۶۳

مسلمان پنچ شوہر کی موجودگی میں تفریق کر سکتا ہے ۵۶۴

حدود، قصاص اور عاقلہ پر دیت کے علاوہ تمام معاملات میں پنچ کا فیصلہ مثل فیصلہ قاضی ہے۔ ۵۶۴

ریاستِ اسلامی میں جو مسلمان قاضی ایسا ہو جو خاص اس شہر کے لئے نہ ہو، نہ کسی مذہب خاص پر قضاء کے لئے مقید ہو تو وہ بھی تفریق کر سکتا ہے اگر مدعی اور مدعا علیہ وہاں کے نہ ہوں۔ ۵۶۴

فسخ بوجہ عدم کفاءۃ قاضی ہی کے یہاں ہو سکتا ہے ۶۳۶

جہاں قاضی نہ ہو وہاں اعلم علماء اہلِ بلد سے فسخ نکاح کرا لیا جائے ۶۴۷

قاضی جسے علم ہو کہ اس لڑکی کے والدین زندہ ہیں وہ والدین کے بے پوچھے کسی غیر شخص کو ولی مقرر کر کے لڑکی کا نکاح کر سکتا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو ایسے قاضی کے لئے کیا حکم ہے۔ ۶۶۷

اقرار

مجرد اقرار زوجیت حقیقتاً نکاح نہیں یعنی اگر گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول نہ ہوئے ہوں تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں اگرچہ کہتا ہو کہ یہ میری زوجہ ہے۔ ۱۲۳

کسی کے لئے مال کا غلط اقرار کیا تو وہ مال مقرلہ کی ملک نہ ہوگا۔ ۱۲۶

اگر کوئی شخص کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کرے اور عورت انکار کر دے پھر وہ شخص اس کو کچھ دے کر اس سے اس بات پر صلح کر لے کہ وہ اس نکاح کا اقرار کرے اب عورت نے اقرار کر لیا تو یہ اقرار جائز اور مال لازم ہوگا۔ اگر یہ اقرار شہود

کے سامنے ہوا ہو اب اگر عورت پھر انکار کرے گی
تو قاضی اس کا یہ انکار نہ سُنے گا۔ ۱۳۰

اصطلاحِ فقہ میں کسی کا حق ثابت کرنے کی خبر دینے
کو اقرار کہتے ہیں۔ ۱۷۷

زید نے اپنی سالی سے زنا کا اقرار کیا پھر انکار، اُس
کے اقرارِ زنا پر قاضی کے سامنے شہادت گزری،
اس شہادت اقرارِ زنا سے حرمتِ مصاہرت
ثابت ہوگی یا نہیں، اور ہندہ زوجہ زید اس پر
حرام ہوگی یا کیا۔ ۳۲۳

اگر اقرار یہ کیا ہو کہ میں نے اس کی ماں سے قبل اس
کے نکاح کے زنا کیا تھا، تو کیا حکم ہے۔ ۳۲۴

دار القضا سے باہر کا اقرار مثبت زنا نہیں ہوتا۔ ۳۲۵

اقرار بالزنا بعد رجوع مثبت زنا نہیں رہتا۔ ۳۲۵

اثباتِ مصاہرت کے لئے ثبوتِ زنا کی اصلاً
حاجت نہیں مجرد اقرارِ زنا کافی ہے۔ ۳۲۶

اگرچہ ہزل و مذاق میں ایک بار اقرار کیا کہ اس نے
ساس سے زنا کیا حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگئی،
پھر لاکھ انکار کرے مسموع نہ ہوگا۔ ۳۲۶

اگر کسی سے کہا گیا کہ تُو نے اپنی بیوی کی ماں سے کیا کیا،
اس نے کہا میں نے اس سے جماع کیا تو حُرمتِ
مصاہرت ثابت ہوگئی اگرچہ وہ کہے کہ میں نے جھوٹ کہا ۳۲۶

مرد اپنے اقرار سے پکڑا جاتا ہے۔ ۳۲۷

جہاں تک مقر پر اقرار کا ضرر ہے ماخوذ اور جتنا
دوسرے پر الزام ہے منبوذ ہوگا۔ ۳۲۸

اگر کوئی شخص کہے یہ میری رضیعہ ہے، پھر خطا کار کا
اعتراف کرے تو سچا مانا جائے گا اور اسے اس
کے ساتھ نکاح جائز ہوگا جب کہ اپنے اقرار پر
ثابت نہ رہے۔ ۵۷۴

صُلح

صُلح اقرب عقودِ شرعیہ کی طرف راجع کی جاتی ہے۔ ۱۳۲

اگر کوئی مرد کسی عورت پر نکاح کا دعوٰی کرے اور
عورت منکر ہو پھر وہ عورت اسے کچھ مال دے کر
اس پر صُلح کرے کہ وہ اس دعوٰی سے باز آجائے
تو جائز ہے اور یہ مدعی کے زعم میں معنیً خلع میں
ہو جائے گا مگر فقہائے نے فرمایا کہ اسے اس مال کا
اخذ فیما بینہ وبین اللہ تعالٰی حلال نہ ہوگا جب کہ
وہ اپنے دعوٰی میں مُبطل ہے۔ ۱۳۲

بعض دَین پر صُلح صحیح ہے اور باقی کے دعوٰی سے
براءت بھی ہو جائے گی یعنی فقط قضاءً نہ دیانۃً،
اسی لئے اگر وہ موقع پائے گا تو اسے باقی کا
لے لینا جائز ہوگا۔ ۱۳۲

کسی وظیفہ مقررہ سے کچھ رقم لے کر دوسرے
کے حق میں فارغ ہو جائے اور دوسرا اس سے
وعدہ کرے کہ اگر میرا یہ روپیہ تو واپس کر دے گا تو
میں تیرا یہ وظیفہ مقررہ لوٹا دوں گا اُسے اس پر
لوٹانا واجب نہ ہوگا۔ ۱۷۸

اجارہ

کسی نے اپنا مکان کرایہ پر دے دیا تھا پھر اُسی

وکالت

حدود و تعزیر

قسم

اخلاق

حظر واباحت

ترغیب و ترہیب

ہبہ

فرائض

حساب

منطق

بلاغت

لغت

نحو

ہیئت

تاریخ و تذکرہ

متفرقات

کتابُ النّکاح

(نکاح کا بیان)

مسئلہ جس شادی میں رقص اور باجا وغیرہ ممنوعاتِ شرعیہ ہوں وہاں نکاح ہوجاتا ہے یا نہیں ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اس میں شک نہیں کہ یہ ناچ اور اکثر باجے شرعًا حرام وممنوع ہیں اور ان کے دیکھنے سُننے کا مرتکب فاسق وگنہ گار، مگر کفر نہیں کہ نکاح ہی نہ ہو۔ شرعِ مطہر میں نکاح صرف اس سے ہوجاتا ہے کہ مرد و زن ایجاب وقبول کریں اور دو گواہ سُنتے سمجھتے ہوں، باقی اس جلسہ کا کسی ممنوعِ شرعی پر مشتمل نہ ہونا شرط نہیں۔ شیطان کے طرقِ اغوا سے ایک بدتر طریقہ یہ بھی ہے کہ آدمی کو حسنات کے حیلہ سے ہلاک کرتا ہے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر عمدہ تمغائے مسلمانی ہے۔ اس نیک کام میں بہت لوگ حدودِ خداوندی کا خیال نہیں رکھتے اور تشدد وتعصب کو یہاں تک نباہتے ہیں کہ ان کا گناہ ان جاہلوں کے گناہ سے بدرجہا زائد ہوجاتا ہے جن کے لیے یہ ناصح مشفق بنے تھے، اور یہ بلا حضراتِ وہابیہ میں بہت ہے ذرا ذراسی بات کو کفر، شرک، بدعتِ ضلالت مخل اصل ایمان کہہ دیتے ہیں اور مطلق پاس ولحاظ اسلام ومسلمین دل میں نہیں لاتے۔ اسی طرح یہ قائل بھی اوروں کو ناچ گانے سے روکتا تھا اور خود اس سے اشد گناہ یعنی شریعتِ مطہرہ پر افترا، کیا معہذا اُس پر لازم کہ اہلِ ہند اکثر عوام مسلمین مرد وزن کو معاذ اللہ زانی وزانیہ اور ان کی اولاد کو ولد الزنا ٹھہرائے حالانکہ حق سبحٰنہ وتعالٰی فرماتا ہے :

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ[1]

اللہ تعالٰی تمھیں دوبارہ کبھی اس طرح کرنے سے منع فرماتا ہے بشرطیکہ تم مومن ہو۔ (ت)

غرض امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بھی ایک حد مقرر ہے کہ اس سے تجاوز آدمی کو خود ترک معروف وارتکاب منکر میں مبتلا کردیتا ہے،

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ[2]

جس نے حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ (ت)

ہاں اگر دُولہا دلھن میں سے کسی کا یہ عقیدہ ومذہب ہو کہ رنڈیوں کا یہ ناچ حلال ومباح ہے تو وہاں اس حکم کی گنجائش ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲ از شہر کہنہ ۱۲ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ما قولہم رضی اللہ عنہم اجمعین اس صورت میں کہ شخص واحد کا متولی ہونا دونوں طرفوں نکاح کا جبکہ وُہ اصیل ایک طرف سے ہو اور ولی دوسری طرف سے ہو ساتھ ایسے ایجاب کے کہ قائم مقام قبول ہے، جیسے ابن العم نے سامنے گواہوں کے کہا تزوجت بنت عمی فلانۃ من نفسی (جیسے چچا زاد کہے کہ میں نے اپنی چچا زاد فلاں لڑکی کا اپنے ساتھ نکاح کیا) جائز ونافذ ہے یا نہیں، اور یہ جواز ونفاذ باجماع علمائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالٰی کے ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صُورتِ مسئولہ میں اگر بنتِ عم نابالغہ ہے اور اس ابنِ عم سے اقرب اس کا کوئی ولی حاضر نہیں، یا بالغہ ہے اور ابنِ عم نے خاص اپنے ساتھ نکاح کرنے کا اُس سے اذن لے لیا ہے عام ازیں کہ اس کے لیے اور ولی اقرب ہو یا نہ ہو فان ھذہ وکالۃ ولا ولایۃ مجبرۃ علی البالغۃ (تو یہ وکالت ہے بالغہ پر جبری ولایت نہیں ہے) تو ائمہ ثلثہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم کے نزدیک یہ شخص کہ ایک جانب سے اصیل دوسری طرف سے ولی یا وکیل ہے طرفین نکاح کا متولی ہوسکتا ہے خلافا للامام زفر رحمہ اللہ تعالٰی (امام زفر رحمہ اللہ تعالٰی نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ت) ہدایہ میں ہے:

یجوز لابن العم ان یزوج بنت عمہ من نفسہ[3]

چچازاد کو جائز ہے کہ وہ چچازاد لڑکی کا اپنے ساتھ نکاح کرلے۔ (ت)

---

[1] القرآن ۲۴/ ۱۷

[2] القرآن ۶۵/ ۱

[3] الہدایۃ فصل فی الوکالۃ بالنکاح المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۳۰۲

فتح القدیر میں ہے: الصغیرۃ بغیر اذنھا والبالغۃ باذنھا[1] (صغیرہ کا نکاح بغیر اجازت اور بالغہ کا اجازت سے کرے۔ ت) ہدایہ میں ہے:

وقال زفر رحمہ اللہ تعالٰی لایجوز، واذا اذنت المرأۃ للرجل ان یزوجھا من نفسہ فعقد بحضرۃ شاھدین جاز وقال زفر والشافعی رحمھما اللہ تعالٰی لایجوز اھ[2]

امام زفر رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: یہ جائز نہیں، اور جب کسی عورت نے کسی مرد کو اپنے ساتھ نکاح کی اجازت دے دی تو اس مرد نے اگر دو گواہوں کی موجودگی میں اس سے نکاح کرلیا تو جائز ہے، اور امام زفر اور شافعی رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا ناجائز ہے اھ (ت)

اقول وبہ ظھر ان ما فی ردالمحتار من نفاذ خمس صور بالاتفاق وھی التی لافضولی فیہا من جانب، فانما اراد الاتفاق من ائمتنا الثلثۃ لاجمیع الائمۃ رحمۃ اللہ تعالٰی علیھم اجمعین۔

اقول (میں کہتا ہوں۔ ت) اس سے واضح ہوا کہ ان پانچ صورتوں کے بارے میں جن میں کسی جانب سے خود نکاح کرنے والا فضولی نہ تھے، ردالمحتار کا "بالاتفاق" کہنا اس سے ان کی مراد صرف امام ابوحنیفہ، امام یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی کا اتفاق ہے تمام ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالٰی کا اتفاق مراد نہیں ہے۔ (ت)

پس ان صورتوں میں اس کی تنہا عبارت قائم مقام عبارتین ایجاب وقبول ہوجائے گی اور عبارت دیگر کی حاجت نہ ہوگی۔ ہدایہ میں ہے:

اذا تولی طرفیہ فقولہ زوجت یتضمن الشطرین ولا یحتاج الی القبول[3]

جب یہ شخص نکاح کی دونوں طرفوں کا ولی ہو تو اس کا یہ کہنا کہ میں نے نکاح کرلیا، ایجاب وقبول دونوں طرفوں کو شامل ہوگا اور اب قبول کہنے کی ضرورت نہیں، نکاح کرلیا یا نکاح کردیا کہے، دونوں طرح جائز ہے۔ (ت)

عام ازیں کہ یہ شخص وُہ لفظ ادا کرے جن میں خود اصیل ہے مثلاً تزوجت یا وہ جس میں ولی یا وکیل ہے جیسے زوجت۔ خلافا للامام شیخ الامام بکر خواھر زادہ فی الثانی (امام شیخ الاسلام بکر خواہرزادہ کا دوسرے یعنی "نکاح کردیا" کہنے میں خلاف ہے۔ ت)

---

[1] فتح القدیر فصل فی الوکالۃ بالنکاح المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۳/ ۱۹۶
[2] الہدایہ " " " المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۳۰۲
[3] " " " " " " " " "

فتح القدیر میں ہے :

قال شیخ الاسلام خواهر زاده هذا اذا ذکر لفظا هو اصیل فیه اما اذا ذکر لفظا هو نائب فیه فلایکفی، فان قال تزوجت فلانة کفی وان قال زوجتها من نفسی لایکفی لانه نائب فیه وعبارة الهدایة وهی ما ذکرناه انفا صریحة فی نفی هذا الاشتراط وصرح بنفیه فی التجنیس ایضا، فی علامة غریب الروایة والفتاوی الصغری[1] الخ۔

شیخ الاسلام خواہرزادہ نے کہا ہے کہ یہ اس وقت جائز ہوگا جب وُہ اپنے اصیل ہونے کو تعبیر کرے یعنی "میں نے نکاح کیا" کہے، لیکن اگر اس نے نائب ہونے کو تعبیر کیا اور "نکاح کردیا" کہا تو یہ کافی نہیں، پس اگر اس نے "فلاں عورت سے نکاح کرلیا" کہا، تو کافی ہے اور اگر یوں کہا کہ "میں نے فلاں عورت کا اپنے ساتھ نکاح کردیا" تو کافی نہ ہوگا کیونکہ اس کہنے میں وُہ نائب ہے۔ اور ہدایہ کی وہ عبارت جو ابھی ہم نے ذکر کی ہے وُہ اس بات کی نفی میں صریح ہے اور تجنیس میں بھی اس کی نفی پر تصریح، غریب الروایہ اور فتاوٰی صغرٰی کے حوالے سے کی ہے الخ (ت)

قلت وعلٰی هذا اعول فی الدر وغیره من المعتبرات وافاد البحر وغیره ضعف خلافه۔

قلت (میں کہتا ہُوں۔ت) کہ دُر وغیرہ معتبر کتب میں اسی کو معتمد علیہ قرار دیا ہے، اور بحر وغیرہ نے اس کے خلاف کو ضعیف ظاہر کیا ہے۔ (ت)

البتہ شہود کے سامنے منکوحہ کا متمیز ہوجانا ضرور ہے،

حتی لوکانت حاضرة متنقبة کفت الاشارة وان کان الاحوط کشف الوجه۔

حتّٰی کہ اگر وُہ عورت نقاب پہنے مجلس میں حاضر ہو تو نکاح میں اس کی طرف اشارہ کافی ہے اگرچہ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ وُہ چہرہ کُھلا رکھے (ت)

پس اگر بحالتِ غیبت صرف بنتِ عمی یا فلانہ یا بنت عمی فلانہ یا ان کے مثل جس لفظ سے شہود اسے متمیز کرلیں تو اسی قدر کافی، ورنہ ذکرِ اب وجد یعنی فلانہ بنتِ فلاں بن فلاں کہنا ضروری ہے۔

خلافا للامام الخصاف ومنتقی الامام الحاکم الشهید والامام شمس الائمة السرخسی۔

امام خصاف نے اور منتقی میں امام حاکم شہید اور امام شمس الائمہ سرخسی نے اس کے خلاف قول کیا ہے (ت)

---

[1] فتح القدیر فصل فی الوکالۃ بالنکاح المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۳/۱۹۷

ردالمحتار میں ہے:

فی البحر لابد من تمییز المنکوحة عند الشاھدین لتنتفی الجھالة، فان کانت حاضرة متنقبة کفی الاشارة الیھا والاحتیاط کشف وجھھا فان لم یروا شخصھا وسمعوا کلامھا من البیت ان کانت وحدھا فیہ جاز ولو معھا اخری فلا لعدم زوال الجھالة وان کانت غائبة ولم یسمعوا کلامھا بان عقد لھا وکیلھا فان کان الشھود یعرفونھا کفی ذکر اسمھا اذا علموا انہ ارادھا وان لم یعرفوھا لابد من ذکر اسمھا واسم ابیھا وجدھا وجوز الخصاف النکاح مطلقا حتی لو وکلتہ فقال بحضرتھما زوجت نفسی من موکلتی او من امرأة جعلت امرھا بیدی فانہ یصح عندہ قال قاضی خان والخصاف کان کبیرا فی العلم یجوز الاقتداء بہ وذکر الحاکم الشھید فی المنتقی کما قال الخصاف اھ قلت وفی التاتارخانیة

بحر میں ہے کہ گواہوں کے نزدیک منکوحہ کا ممتاز ہونا ضروری ہے تاکہ کسی قسم کی جہالت ولاعلمی نہ رہے، پس اگر مجلس میں نقاب پہن کر حاضر ہو تو نکاح میں اس کی طرف اشارہ کافی ہے اگرچہ چہرہ کھلا رکھنے میں احتیاط ہے، اگر مجلس والے اس عورت کی شخصیت کو نہ دیکھ پائیں اور کمرے میں سے اس کی آواز سُن رہے ہوں اگر وہ کمرے میں اکیلی ہو تو نکاح جائز ہے اور اگر اس کے ساتھ کمرے میں کوئی اور عورت بھی ہو تو جائز نہیں کیونکہ لاعلمی باقی ہے۔ اور اگر وہ عورت مجلس میں موجود نہیں اور اس کی آواز بھی سنی نہیں جاسکتی اس کی طرف سے اس کا نکاح وکیل کر رہا ہو تو اگر گواہ اس عورت کو جانتے ہیں تو نکاح میں عورت کا نام ذکر دینا کافی ہے جبکہ گواہوں کو علم ہو کہ وکیل کی مراد یہی عورت ہے، اور اگر گواہ اس کو نہ پہچانتے ہوں تو عورت، اس کے والد اور دادا کا نام ذکر کرنا ضروری ہے، اور امام خصاف نے نام ذکر کیے بغیر بھی جائز کہا ہے مثلاً ایک عورت نے نکاح کرنے والے کو گواہوں کے سامنے اپنا وکیل بنایا ہو تو اس سے نکاح کرنے والا یوں کہہ دے کہ میں نے ان گواہوں کی موجودگی میں اپنی مؤکلہ کا نکاح اپنے ساتھ کر دیا یا یوں کہہ دے کہ جس عورت نے مجھے اپنے نکاح کا اختیار دیا ہے میں نے اس کا نکاح اپنے ساتھ کر دیا، تو اس طرح بھی امام خصاف کے قول پر نکاح صحیح ہوگا۔ امام قاضی خاں نے فرمایا کہ خصاف کا علم میں بڑا مقام ہے اس کی بات پر

عن المضمرات ان الاول هو الصحیح وعلیه الفتوی وکذا قال فی البحر فی فصل الوکیل والفضولی ان المختار فی المذهب خلاف ما قاله الخصاف وان کان الخصاف کبیرا[1] اھ ما فی رد المحتار ملخصا۔

عمل جائز ہے۔ اور حاکم شہید نے بھی منتقی میں خصاف جیسا قول کیا ہے اھ قلت اور تتارخانیہ میں مضمرات کے حوالے سے ہے کہ پہلا قول صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ بحر میں فضولی اور وکیل کی فصل میں یونہی اس کو مذہب میں مختار قرار دیا ہے جو کہ خصاف کے قول کے خلاف ہے اگرچہ خصاف کا بڑا علمی مقام ہے اھ یہاں ردالمحتار کی عبارت کا خلاصہ ختم ہوا۔

اقول[۲] وما عزا فی البحر للامام قاضیخان فانما نقله قاضی خان عن الامام شمس الائمة السرخسی اما هو بنفسه فقد قدم عدم الصحة ومعلوم انه انما یقدم ما یعتمده۔

اقول (میں کہتا ہوں۔ت) بحر میں جو کچھ امام قاضی خان کی طرف منسوب کیا اس کو قاضی خان نے امام شمس الائمہ سرخسی سے نقل کیا ہے لیکن خود ان کا موقف عدمِ صحت ہے جس کو انھوں نے پہلے ذکر کیا ہے اور یہ بات معلوم شدہ ہے کہ وہ اپنے معتمد علیہ کو پہلے ذکر کرتے ہیں۔ (ت)

اور اگر بنتِ عم نابالغہ کے لیے ولی اقرب موجود ہے یا غیر غائب بغیبة منقطعة (یعنی لمبے سفر پر غائب نہ ہو۔ت) یا بالغہ سے خاص اپنے ساتھ نکاح کرلینے کا اذن نہ لیا اگرچہ اس نے مطلق تزویج کا اذن دیا ہو، تو ان صورتوں میں یہ ابن العم ایک جانب سے فضولی ہوگا اور جو کسی طرف سے فضولی ہو اُس کے لیے تولی شطری النکاح جائز نہیں اگرچہ ایجاب وقبول دو عبارتوں جدا گانہ ادا کرے هو الحق الصواب خلافا لما فهم من بعض الکتب (یہ حق اور صحیح ہے بعض کتب سے جو سمجھا گیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ت) یہاں تک کہ تنہا اس کا عقد کرلینا امام اعظم وامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک باطل محض ہے کہ اس کے بعد اجازتِ ولی یا بالغہ سے بھی نافذ نہ ہوگا،

خلافا للامام الثانی حیث جعله من الموقوف فان اجاز من له الاجازة جاز والا لا۔

امام ثانی (یعنی امام یوسف) نے اس کے خلاف اس نکاح کو موقوف قرار دیا ہے کہ اگر صاحبِ اجازت اس کو جائز قرار دے تو جائز ہوگا ورنہ نہیں (ت)

تنویر الابصار و دُرمختار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۲

یتولی طرفی النکاح واحد لیس بفضولی و لو من جانب وان تکلم بکلامین علی الراجح[1] ملخصا اھ

جو شخص دونوں جانب سے نکاح کا ولی ہو وہ کسی جانب سے بھی فضولی نہ قرار پائے گا اگرچہ وہ ایجاب وقبول دو کلاموں سے ادا کرے، یہ راجح قول ہے ملخصاً اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذا کان فضولیا منهما او من احدهما و من الاٰخر اصیلا او وکیلا او ولیا ففی هذه الاربع لایتوقف بل یبطل عندهما خلافا للثانی حیث قال یتوقف علی قبول الغائب کما یتوقف اتفاقا لو قبل عنه فضولی اٰخر قوله وان تکلم بکلامین خلافا لما فی حواشی الهدایة وشرح الکافی من انه لو تکلم بکلامین یتوقف اتفاقا ورده فی الفتح بان الحق خلافه ولا وجود لهذا القید فی کلام اصحاب المذهب[2] اھ مختصرا۔

اگر کوئی شخص دونوں جانب سے فضولی ہو یا ایک جانب سے فضولی اور دوسری جانب سے اصیل ہو یا وکیل یا ولی ہو تو ان چاروں صورتوں میں نکاح موقوف نہ ہوگا بلکہ امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک باطل ہوگا، امام یوسف اس کے خلاف ہیں ان کے نزدیک یہ موقوف ہوگا جس طرح ایک فضولی کی طرف سے ایجاب کو دوسرا فضولی قبول کرلے تو بالاتفاق موقوف ہوتا ہے۔ قولہ (اس کا قول) کہ اگرچہ دو کلاموں سے ایجاب وقبول کرے، یہ خلاف ہے اس کے جو ہدایہ کے بعض حواشی اور کافی کی شرح میں ہے کہ اگر دو کلاموں سے اس نے ادا کیا تو بالاتفاق نکاح موقوف ہوگا اس کو فتح میں رد کردیا گیا ہے کیونکہ حق اس کے خلاف ہے اور اس قید کا اصحابِ مذہب میں کوئی وجود نہیں ہے اھ مختصراً (ت)

تنویر میں ہے:

لابن العم ان یزوج بنت عمه الصغیرة من نفسه[3]

چچازاد کو جائز ہے کہ وہ اپنی چچازاد نابالغہ کا خود اپنے ساتھ نکاح کرلے (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۶
[2] ردالمحتار باب الکفاءۃ مطلب فی الوکیل والفضولی فی النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۶
[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۶

شامی میں ہے :

ولایخفی ان المراد حیث لا ولی اقرب منه[1]

اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس سے زیادہ قریب کوئی اور ولی نہ ہو۔ (ت)

شرح علائی میں ہے :

لو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته[2] اھ

اگر بعید ولی نے اقرب کی موجودگی کے باوجود نابالغہ کا نکاح کیا تو یہ اقرب ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا اھ (ت)

اقول فافاد ان الابعد عند حضور الاقرب فضولی فاذا تولی الشطرین بطل۔

اقول اس کلام کا مفاد یہ ہے کہ اقرب کی موجودگی میں بعید ولی، فضولی قرار پائے گا، لہٰذا اگر بعید اس صورت میں دونوں جانب سے ولی بن کر نکاح کرے تو نکاح باطل ہوگا (ت)

اسی میں ہے :

فلو کبیرۃ فلابد من الاستیذان (قبل العقد اھ ش) حتی لو تزوجها بلا استیذان فسکتت او افصحت بالرضی لایجوز عندھما (لانه تولی طرفی النکاح وھو فضولی من جانبها فلم یتوقف عندھما بل بطل اھ ش) وقال ابویوسف یجوز[3] اھ مزیدا من حاشیة الشامی۔

اگر لڑکی بالغہ ہو تو اس سے اجازت لینا ضروری ہے (قبل از نکاح اھ ش) حتی کہ اگر فضولی نے اس سے خود نکاح بغیر اجازت کرلیا اور لڑکی خاموش رہی یا نکاح کے بعد اس نے رضامندی ظاہر کی تو امام اعظم اور امام محمد کے قول پر نکاح جائز نہ ہوگا کیونکہ یہ بالغہ کی موجودگی میں خود اس کی طرف سے فضولی ہے لہٰذا دونوں اماموں کے نزدیک یہ نکاح موقوف نہ ہوگا بلکہ باطل ہوگا اھ ش، اور امام ابویوسف کے قول پر جائز ہے، اضافی عبارت حاشیۂ شامی کی ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الکفاءۃ مطلب فی الوکیل والفضولی الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۷

[2] درمختار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

[3] درمختار باب الکفاءۃ " ۱/ ۱۹۶

ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۷

فتح القدیر میں ہے ،

وکلته ان یزوجها مطلقا فانه لوزوجها من نفسه لایجوز[1]

اگر بالغہ نے کسی کو کہا کہ میرا نکاح کر دے اور کوئی تخصیص نہ کی اس صورت میں اگر اس شخص نے اس کا نکاح خود اپنے ساتھ کرلیا تو جائز نہ ہوگا۔ (ت)

الحمدللہ حکمِ مسئلہ مفصل ومنقح ہوگیا اور سوال کی صورت کلیہ یعنی تولی الواحد طرفی النکاح اور الفاظ جزئیہ یعنی زوجت بنت عمی فلانۃ من نفسی (نکاح کی دونوں جانب سے ایک ہی شخص کا ولی بننا اور جزئی کے الفاظ کہ میں نے چچازاد کا نکاح اپنے ساتھ کرلیا۔ ت) دونوں کے متعلق تمام احکام وخلافیات علمائے کرام وتصحیحات ائمہ وغیرہا ضروریات متعلقہ مقام سب نے وضوحِ تام وانجلائے تمام پایا اسی قدر بس ہے اور زیادہ تفصیل کی حاجت نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳: علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین بیچ اس مقدمہ کے کیا فرماتے ہیں ایک عورت ہے کہ اس کے علامت سوائے مخرج بول کے اور نہیں ہے اور نکاح اس کا زید سے ہوگیا ہے، بعد نکاح ہونے کے یہ حال معلوم ہوا، اب اُس کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں وہ نکاح صحیح اور نصف مہر ذمۂ زید لازم،

فی فتاوی الامام قاضی خان خیار العیب وھو حق الفسخ بسبب العیب عندنا لایثبت فی النکاح فلا ترد المرأۃ بعیب[2] ما وفی الدر المختار الخلوۃ بلا مانع کالوطی فی تاکد المهر انتهی[3] مختصرا وملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔

فتاوٰی قاضی خان میں ہے خیارِ عیب جو کہ عیب کی وجہ سے حقِ فسخ کا نام ہے، ہمارے نزدیک یہ نکاح میں ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا کسی عیب کی بنا پر عورت کا نکاح رَد نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے کہ نکاح کے بعد خلوت وطی کی طرح مہر کو لازم کردیتی ہے بشرطیکہ خلوت کے دوران کوئی مانع نہ ہو، اھ، مختصرا وملخصا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتح القدیر فصل فی الوکالۃ بالنکاح المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۳/ ۱۹۷

[2] فتاوٰی قاضیخان فصل فی الخیارات التی تتعلق بالنکاح نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۸۷

[3] درمختار باب المہر مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹-۹۸

مسئلہ ۴۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ انیس [19] بیس [20] برس ایک مکان میں بے تکلف بطور زن وشوہر رہتے اور زید لباس اور جملہ امورِ خانہ داری میں اُسے مثل زنانِ برادری رکھتا، خاندان میں آمدورفت اس کی بتقریب شادی وغمی رہتی، اور زوجہ زید مشہور تھی، اور زید مرد پارسا تھا، اس کی وضع پر گمانِ بدکاری نہیں نہیں ہوتا۔ آیا یہ مرد وزن زوج وزوجہ تصور کیے جائیں گے؟ اور جو لوگ جلسۂ نکاح میں موجود نہ تھے مگر اس حال سے واقف ہیں اُن کی گواہی سے نکاح ثابت ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

صورتِ مسئولہ میں وہ مرد وزن زوج وزوجہ تصور کئے جائیں گے یہاں تک کہ جو اشخاص اس حال سے واقف ہیں ان کے زوج وزوجہ ہونے پر گواہی دے سکتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے:

وکذٰلک لو رأی انسانا جلس مجلس القضاء یدخل علیہ الخصوم حل لہ ان یشھد علی کونہ قاضیا وکذا اذا رأی رجلا و امرأۃ یسکنان بیتا ینبسط کل واحد منھما الی الاٰخر انبساط الازواج[1] وفی الخلاصۃ واما النکاح اذا رأی رجلا یدخل علی امرأۃ وسمع من الناس ان فلانۃ زوجۃ فلان وسعہ ان یشھد انھا زوجتہ وان لم یعاین عقد النکاح[2] وفی فتاوٰی قاضیخان ولو رأی رجلا وامرأۃ یسکنان فی منزل و ینبسط کل واحد منھما علی صاحبہ کما یکون بین الازواج حل لہ ان یشھد علی نکاحھما[3]۔

اور ایسے ہی اگر کسی نے ایک شخص کو مجلس قضاء پر دیکھا اور اس کے ہاں فیصلے کے لیے مختلف فریقوں کا آنا جانا دیکھا تو اس کو جائز ہے کہ وہ اس شخص کے قاضی ہونے کی گواہی دے، اور ایسے ہی اگر کسی مرد وعورت کو ایک گھر میں خاوند بیوی کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کرتے دیکھا۔ اور خلاصہ میں ہے کہ نکاح کے ثبوت میں اگر کسی نے ایک شخص کو ایک عورت کے ہاں آتے جاتے دیکھا اور لوگوں سے بھی سُنا کہ یہ مرد وعورت آپس میں خاوند بیوی ہیں تو دیکھنے سننے والے کو جائز ہے کہ وہ اس عورت کے اس مرد کی بیوی ہونے کی شہادت دے۔ اگرچہ اس نے ان کے نکاح کی مجلس نہ دیکھی ہو۔ اور فتاوٰی قاضی خان میں ہے کہ اگر کسی نے مرد وعورت کو ایک مکان میں رہتے دیکھا اور ان کو آپس میں میاں بیوی کی طرح بے تکلف پایا تو اس کے لیے ان دونوں کے نکاح کی شہادت دینا جائز ہے۔ (ت)

---

[1] ہدایہ کتاب الشہادۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۸

[2] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۵۲

[3] فتاوٰی قاضی خان فصل فی الشہادۃ علی النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۸۵

اور گواہ اگر انھیں زوج زوجہ بیان کریں اور کہیں ہم جلسۂ نکاح میں نہ تھے لیکن یہ امر مشہور ہے تو ان کی گواہی شرعاً مقبول ہے اور نکاح ثابت ہوجائے گا۔ درمختار میں ہے:

بل فی العزمیۃ عن الخانیۃ معنی التفسیران یقولا شھدنا لانا سمعنا من الناس اما لوقالا لم نعاین ذٰلك ولکنہ اشتھر عندنا جازت فی الکل وصححہ شارح الوھبانیۃ وغیرہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بلکہ عزمیہ میں خانیہ سے منقول ہے کہ گواہ تفسیر کرتے ہُوئے کہیں کہ ہم نے لوگوں سے سُنا ہے۔ لیکن اگر یُوں بھی کہہ دیا کہ ہم نے نکاح ہوتے نہیں دیکھا لیکن ہمارے ہاں لوگوں میں مشہور ہے کہ (دونوں میاں بیوی ہیں) تو تمام صورتوں میں شہادت درست ہوگی۔ اس قول کو شارح وہبانیہ وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار　　کتاب الشہادات　　مطبع مجتبائی دہلی　　۲/ ۹۳

رسالہ

عُبَابُ الْاَنْوَارِ اَنْ لَّا نِکَاحَ بِمُجَرَّدِ الْاِقْرَارِ ۱۳۰۷ھ

(محض اقرار کی بنیاد پر نکاح نہ ہونے کے بیان میں انوار کی موج)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۵۶ از پنجاب فیروزپور صدر بازار مسجد جامع مرسلہ مولوی فضل الرحمن صاحب ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۷ھ

از فقیر محمد فضل الرحمان بخدمت حضرت فیض درجت مظہر علوم دینی و مصدر فیوض دنیوی جناب مولانا بالفضل والکمال اولٰنا جناب مولوی محمد احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی دام فیضہ القوی السلام علیکم!

سوال (۱) زید نے ہندہ سے جو اپنے فعلِ شنیع قبیح سے تائب ہوئی، غیر ضلع میں جاکر نکاح کیا تاکہ کوئی مخل اور مانع اس کارِ خیر کا نہ ہو، اہلِ ضلع نے جب ان سے استفسار کیا کہ تمہارا نکاح ہوا ہے؟ تو انھوں نے یہ پاسخ دیا کہ اس قدر مہر پر ہمارا نکاح ہوا ہے، آیا یہ صورت نکاح صحیح ہے؟

(۲) اگر زید نے اقرار کیا کہ یہ میری بی بی ہے اور ہندہ نے بیان کیا کہ یہ میرا خاوند ہے، یہ قیل وقال محضر شہود میں بیان کی گئی، کیا ان الفاظ سے انعقادِ نکاح ہو جاتا ہے؟ اس صورت میں ذکرِ مہر نہیں آیا، بعد توفیق و تطبیق روایات کے جواب مزین بمہر و دستخط فرماکر فتوٰی عطا فرمایا جائے تاکہ آئندہ کسی جاہل کو مجالِ مقال باقی نہ رہے۔ والسلام مع الاکرام۔

الجواب

لك الحمد رب الاربابِ صل علی الحبیب الاواب مع الاٰل والاصحاب و اھدنا الحق والصواب اٰمین الٰھنا الوھاب۔

تمام کو پالنے والے اے رب! تیرے لیے ہی تمام حمد ہے، سب سے زیادہ رجوع فرمانے والے محبوب پر رحمت نچھاور فرما اور اس پر مع اس کے آل واصحاب سلامتی نازل فرما اور ہماری حق وصواب پر رہنمائی فرما، آمین اے عطا کرنے والے ہمارے اللہ تعالٰی! (ت)

کرم فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ واقعی یہ مسئلہ قابلِ امعان انظار و اعمال افکار ہے،

فاقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الٰی اوج التحقیق (پس میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی کی توفیق سے اور تحقیق کی بلندی تک پہنچنا اسی کی مدد سے ہے۔ت) اس میں شک نہیں کہ حکمِ قضا میں نکاح تصادق مرد وزن سے ثابت ہوجاتا ہے یعنی جب وہ دونوں اقرار کریں کہ ہم زوج و زوجہ ہیں یا باہم ہمارا نکاح ہوگیا ہے یا اور الفاظ جو اس معنی کو مؤدی ہوں تو بلاشبہ انھیں زوج و زوجہ جانیں گے اور قضاءً تمام احکامِ زوجیت ثابت ہوں گے بلکہ عندالناس اس سے بھی کمتر امرِ ثبوت نکاح کو کافی ہے، جب مرد وزن کو دیکھے مثل زن و شو ایک مکان میں رہتے اور باہم انبساطِ زن وشوئی رکھتے ہیں تو ان پر بدگمانی حرام، اور ان کے زوج و زوجہ ہونے پر گواہی دینی جائز، اگرچہ عقدِ نکاح کا معائنہ نہ کیا ہو،

نص علیہ فی الھدایۃ والھندیۃ وغیرھما وفی قرۃ العیون عن الدرر ولیشھد من رأی رجلا وامرأۃ بینھما انبساط الازواج انھا عرسہ[1]

ہدایہ، ہندیہ وغیرہما اور قرۃ العیون میں درر سے، ان سب کتب میں ہے کہ جس نے مرد وعورت کو خاوند بیوی کی طرح بے تکلف معاملات کرتے دیکھا اس کو جائز ہے کہ مرد کے لیے اس عورت کے بیوی ہونے کی شہادت دے۔(ت)

اسی طرح تسامع بھی سامعین کے نزدیک اثباتِ نکاح کو بس ہوتا ہے یعنی جب ان کا زوج و زوجہ ہونا لوگوں میں مشہور ہو تو انھیں یہی سمجھا جائے گا اور زوجیت پر شہادت روا ہوگی اگرچہ خود ان کی زبان سے اقرار نہ سنا ہو،

کما فی الدر المختار وعامۃ الاسفار و

جیسا کہ درمختار اور عام کتب میں اور

---

[1] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات مصطفی البابی مصر ۱/۷۱

فی قرۃ العیون عن العمادیۃ کذا تجوز الشہادۃ بالشہرۃ والتسامع فی النکاح حتی لو رأی رجلا یدخل علی امرأۃ وسمع من الناس ان فلانۃ زوجۃ فلان وسعہ ان یشہد انہا زوجتہ وان لم یعاین عقد النکاح۔[1]

قرۃ العیون میں عمادیہ سے منقول کہ نکاح کے معاملہ میں شہرت کی بنا پر بغیر تحقیق شہادت جائز ہے حتی کہ ایک شخص کو ایک عورت کے ہاں آتے جاتے دیکھا اور لوگوں سے معلوم ہوا کہ یہ عورت اس شخص کی بیوی ہے، تو اس کو جائز ہے کہ وہ اس عورت کے بارے میں اس شخص کی بیوی ہونے کی شہادت دے اگرچہ اس نے ان کا نکاح نہ دیکھا ہو۔ (ت)

تو ان کا باہم تصادق بدرجۂ اولی مثبت نکاح،

فی الشامیۃ عن ابی السعود عن العلامۃ الحانوتی صرحوا بان النکاح یثبت بالتصادق والمراد منہ ان القاضی یثبتہ بہ ویحکم بہ اھ ملخصا۔[2]

فتاوی شامی میں ہے ابی سعود کی علامہ حانوتی سے روایت ہے کہ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ مرد وعورت کی آپس میں خاوند بیوی ہونے کی تصدیق سے نکاح ثابت ہوجائے گا اس سے مراد یہ ہے کہ قاضی اس نکاح کو ثابت قرار دے گا اور اس کو نافذ رکھے گا اھ ملخصاً (ت)

پس ایسی صورت میں واجب ہے کہ انھیں زوج و زوجہ ہی تصور کیا جائے جو خواہی نخواہی ان کی تکذیب کرے گا اور بدگمانی کے ساتھ پیش آئے گا مرتکب حرام قطعی ہوگا بایں ہمہ حکم قضا اور ہے اور امر دیانت اور چیز، اگر وہ اپنے اظہار و اخبار میں حقیقۃً سچے ہوں یعنی واقع میں اُن کے باہم نکاح ہولیا ہے تو عنداللہ بھی زوج و زوجہ ہیں ورنہ مجرد ان الفاظ سے جبکہ بطور اخبار بیان میں آئے ہوں نکاح منعقد نہ ہوگا وہ بدستور اجنبی و اجنبیہ ہیں گے، نکاح جن امور و افعال کو ثابت و حلال کرتا ہے دیانۃً ان کے لیے اصلاً ثابت و روا نہ ہوں گے کہ اس تقدیر پر یہ الفاظ کوئی عقد و انشاء نہ تھے محض جھوٹی خبر تھی اور جھوٹی خبر دیانۃً باطل و بے اثر۔

اقول علماء تصریح فرماتے ہیں اگر شوہر نے اقرار طلاق کیا کہ میں اسے طلاق دے چکا ہوں اور واقع میں نہ دی تھی تو گو قضاءً طلاق ہوگئی مگر دیانۃً ہرگز نہ ہوگی کہ اس کا یہ قول طلاق دینا نہ تھا بلکہ طلاق غیر واقع کی جھوٹی خبر دینا، حاشیۂ علامہ طحطاوی میں ہے:

---

[1] قرۃ عیون الاخیار — کتاب الشہادات — دارالکتب العربیۃ الکبرٰی مصر ۱/ ۴۱

[2] رد المحتار — کتاب النکاح — داراحیاء التراث العربی ۲/ ۲۶۵

الاقرار بالطلاق کاذبا یقع به الطلاق قضاء لادیانۃ[1]

طلاق کا جھوٹا اقرار قاضی کے ہاں طلاق قرار پائیگا، عنداللہ نہیں۔(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

رجل طلق زوجتہ المدخولۃ واحدۃ رجعیۃ فسئل کیف طلقت زوجتك فقال ثلثا کاذبا لایقع فی الدیانۃ الا ماکان اوقعہ من الواحدۃ الرجعیۃ فیملك مراجعتہا فی العدۃ والحال ھذہ[2] اھ ملخصا۔

ایک شخص نے اپنی مدخولہ بیوی کو ایک رجعی طلاق دی تو اس سے پُوچھا گیا کہ تُو نے اپنی بیوی کو کتنی طلاقیں دی ہیں، جواب میں اس نے جھوٹ بولتے ہُوئے کہا کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں، تو عنداللہ ایک ہی رجعی طلاق ہوگی جو اس نے دی ہے تو عنداللہ اس کو عدت کے دوران رجوع کا حق ہے، اھ، ملخصا۔(ت)

توجب اقرار خلاف واقع سے عنداللہ طلاق واقع نہیں ہوتی نکاح بدرجہ اولٰی منعقد نہ ہوگا کہ طلاق سبب تحریم فرج ہے اور نکاح سبب تحلیل اور امر فرج میں احتیاط جلیل، ولہذا علماء متون وشروح وفتاوٰی میں تصریح فرماتے ہیں کہ مجرد اقرار مرد وزن سے نکاح ہرگز منعقد نہیں ہوتا، اسی پر وقایہ[1] ونقایہ[2] واصلاح[3] وملتقی میں کہ سب اعاظم متون معتبرہ مذہب سے ہیں جزم فرمایا، اسی پر کتاب[5] التجنیس وفتاوٰی الخلاصہ وغیرہا میں اقتصار کیا، اسی کو شرح جصاص ومختارات النوازل وفتاوٰی[8] خلاصہ وخزانۃ[9] المفتین ومختار[10] الفتاوٰی وایضاح[11] الاصلاح وجامع[12] الرموز میں مذہب مختار بتایا، اسی کو تنویر[13] الابصار ودرمختار[14] میں مقدم ومختار رکھ کر ضعف مخالف کی طرف اشارہ فرمایا، اسی کو فتاوٰی[15] ظہیریہ[16] وفتاوٰی[17] عالمگیریہ میں صحیح کہا، اسی پر جواہر[18] اخلاطی میں ان دونوں لفظ فتوٰی یعنی مختار وصحیح کو جمع کرکے تیسرا لفظ آکد واقوی علیہ الفتوی اور زائد کیا، علامہ[19] حانوتی وسید[20] ابوالسعود کی عبارتیں ابھی گزریں باقی نصوص بالتلخیص یہ ہیں وقایۃ الروایۃ ومختصر الوقایہ میں ہے: لاینعقد بقولہما عند الشہود ثما زن وشوئیم[3] (گواہوں کے سامنے مرد وعورت کا یہ کہنا کہ ہم بیوی خاوند ہیں، نکاح نہ ہوگا۔ت) شرح نقایہ قہستانی میں ہے: لاینعقد علی المختار[4] (مذہب مختار پر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ت) متن وشروح علامہ ابن کمال وزیر

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار | کتاب الطلاق | دارالمعرفۃ بیروت | ۲/ ۱۰۶
[2] فتاوٰی خیریہ | کتاب الطلاق مطلب طلق زوجتہ واحدۃ رجعیۃ الخ | | ۱/ ۳۸
[3] نقایۃ مختصر الوقایہ | کتاب النکاح | نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی | ص ۵۱
[4] جامع الرموز | | مکتبۃ اسلامیہ گنبد قاموس ایران | ۱/ ۴۴۵

میں ہے:

لایقولہما ما زن وشوئیم لان النکاح اثبات وھذا اظہار والاظہار غیر الاثبات ذکرہ فی التخییر وقال فی مختارات النوازل ھو المختار[1]۔

نکاح منعقد نہ ہوگا جب انھوں نے کہا کہ ہم بیوی خاوند ہیں، کیونکہ نکاح، معاملہ کو قائم کرنے کا نام ہے اور مرد وعورت کا یہ اقرار، اظہار ہے اور اظہار اثبات نہیں ہے اس کو انھوں نے تخییر میں ذکر کیا ہے اور مختارات النوازل میں ہے کہ یہی مختار مذہب ہے۔ (ت)

متن علامہ ابراہیم حلبی میں ہے:

لوقالا عند الشہود ما زن وشوئیم لاینعقد[2]۔

اگر انھوں نے گواہوں کے سامنے کہا کہ ہم بیوی خاوند ہیں تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ (ت)

خانیہ میں ہے:

ذکر البیہقی رحمہ اللہ تعالٰی فی کتابہ رجل وامرأۃ لیس بینہما نکاح اتفقا ان یقرا بالنکاح فاقرالم یلزمہما قال لان الاقرار اخبار عن امر متقدم ولم یتقدم وکذلک فی البیع اذا اقرا ببیع لم یکن ثم اجازا لم یجز[3]۔

بیہقی رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ کسی مرد وعورت میں پہلے نکاح نہیں ہے اب انھوں نے بالاتفاق نکاح کا اقرار کرلیا تو اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا کیونکہ اقرار پہلے ثابت شدہ چیز کی خبر ہوتی ہے جبکہ اقرار سے قبل ان کا نکاح نہیں تھا، اسی طرح خرید وفروخت کا معاملہ ہے کہ دو فریقوں نے بیع کا اقرار کیا حالانکہ پہلے بیع نہ تھی تو اس اقرار سے بیع منعقد نہ ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

ذکر فی النوازل رجل وامرأۃ اقرا بین یدی الشہود بالفارسیۃ ما زن وشوئیم لاینعقد النکاح بینہما وکذا لوقال لامرأۃ ھذہ

نوازل میں مذکور ہے کہ مرد وعورت نے گواہوں کے سامنے یہ اقرار فارسی میں کیا کہ "ہم بیوی خاوند ہیں" تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر مرد نے

---

[1] ایضاح واصلاح
[2] ملتقی الابحر کتاب النکاح موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۲۳۸
[3] فتاوٰی خانیہ " نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۴۹

امرأتی وقالت ھی ھذا زوجی لایکون نکاحا^ے

ایک عورت کے بارے میں کہا کہ یہ میری بیوی ہے اور اس عورت نے بھی کہا کہ یہ میرا خاوند ہے، تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ (ت)

فتاوٰی امام علامہ حسین بن محمد سمعانی میں ہے:

اقرا بالنکاح بین یدی الشھود فقال مازن و شوئیم لاینعقد ھوالمختار لان النکاح اثبات والاظہار غیر الاثبات ولھذا لواقر بالمال لانسان کاذبا لایصیر ملکا خ (یعنی الخلاصۃ) ولوقال الرجل ھذہ امرأتی وقالت المرأۃ ھذا زوجی بمحضر من الشھود لایکون نکاحا لان الاقرار اخبار عن امر متقدم ولم یتقدم[2] س (ای فتاوٰی اھل سمرقند) (ملخصا)

مرد وعورت نے گواہوں کے سامنے کہا کہ ہم بیوی خاوند ہیں تو نکاح منعقد نہ ہوگا، یہی مختار ہے، کیونکہ نکاح اثبات کا نام ہے اور اقرار اثبات نہیں ہوتا بلکہ اظہار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے کسی دوسرے کے لیے اپنے مال کا جھوٹا اقرار کیا تو دوسرے کے لئے ملکیت ثابت نہ ہوگی، خ (یعنی خلاصہ) اگر کسی مرد نے کسی عورت کے متعلق کہا یہ میری بیوی ہے اور عورت نے کہا یہ میرا خاوند ہے، تو گواہوں کے سامنے اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا کیونکہ اقرار پہلے سے موجود چیز کے بارے میں خبر ہوتی ہے جبکہ یہاں پہلے نکاح موجود نہیں ہے، س (فتاوٰی سمرقند)۔ (ت)

متن مولٰی غزی وشرح محقق علائی میں ہے:

لاینعقد بالاقرار علی المختار خلاصۃ کقولہ ھی امرأتی لان الاقرار اظہار لما ھو ثابت ولیس بانشاء[3] الخ وسیأتی تمامہ۔

محض اقرار سے نکاح نہ ہوگا مختار قول پر، خلاصہ۔ جیسا کہ کوئی شخص کہے کہ یہ میری عورت ہے، تو اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا کیونکہ اقرار ثابت شدہ چیز کے اظہار کا نام ہے اور یہ انشاء نہیں ہوتا الخ، یہ مکمل آئندہ آئے گا۔ (ت)

فتاوٰی ہندیہ میں عبارت خلاصہ ھو المختار (یہی مختار ہے۔ ت) تک نقل کی، پھر لکھا:

لوقال این زن من ست بمحضر من الشھود

اگر کسی نے گواہوں کے سامنے کہا یہ میری بیوی ہے

---

[1] فتاوٰی خانیہ | کتاب النکاح | نولکشور لکھنؤ | ۱/۱۴۹
[2] خزانۃ المفتین | " | قلمی نسخہ | ۱/۷۶
[3] درمختار | کتاب النکاح | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۸۵

وقالت المرأة این شوئ من است ولم یکن بینهما نکاح سابق اختلف المشائخ فیه و الصحیح انه لایکون نکاحا کذا فی الظهیریة وفی شرح الجصاص المختار انه ینعقد اذا قضی بالنکاح او قال الشهود لهما جعلتما هذا نکاحا فقالا نعم ینعقد هکذا فی مختار الفتاوی[1] اھ

اور عورت نے کہا یہ میرا خاوند ہے، حالانکہ ان کا پہلے نکاح نہیں تھا، تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے جبکہ صحیح یہی ہے کہ نکاح نہ ہوگا۔ ظہیریہ میں اسی طرح ہے، اور جصاص کی شرح میں ہے کہ اگر قاضی نے نکاح کا فیصلہ دیا یا مرد وعورت کو گواہوں نے کہا کہ کیا تم نے ان الفاظ کو نکاح بنا دیا تو انھوں نے جواب میں ہاں کہہ دیا تو مختار یہ ہے کہ نکاح منعقد ہوجائیگا، مختار الفتاوٰی میں ایسے ہی ہے اھ (ت)

اقول وجه الانعقاد فی الاول ان القضاء یرفع الخلاف و انه ینفذ ظاهرا و باطنا وفی الثانی ان السؤال معاد فی الجواب والجعل انشاء کما فی الفتح والدر وغیرهما۔

اقول (میں کہتا ہوں۔ ت) قاضی کے فیصلے کی صورت میں نکاح ہوجانے کی وجہ یہ ہے کہ حکمِ قاضی رافعِ خلاف ہے اور قضا ظاہراً اور باطناً نافذ ہوتی ہے اور دوسری صورت میں انعقاد کی وجہ یہ ہے کہ جواب، سوال پر مشتمل ہوتا ہے، تو سوال میں نکاح بنانے کا ذکر ہے تو جواب میں بھی بنانے کے ذکر سے نکاح کا انشاء ہوگیا، جیسا کہ فتح اور دُر وغیرہ میں ہے۔ (ت)

فتاوٰی علامہ برہان الدین ابراہیم بن ابی بکر بن محمد اخلاطی حسینی میں ہے:

اقرا بالنکاح بین یدی الشهود بقولهما ما زن وشویم لاینعقد هو المختار قال بحضور الشهود هذه المرأة زوجتی فقالت هذا الرجل زوجی ولم یکن بینهما نکاح سابق لاینعقد هو الصحیح و علیه الفتوی[2]۔

دونوں نے گواہوں کے سامنے اقرار کیا کہ ہم بیوی خاوند ہیں تو اس سے نکاح نہ ہوگا یہی مختار ہے، مرد نے گواہوں کے سامنے کہا یہ میری بیوی ہے اور عورت نے بھی گواہوں کے سامنے کہا یہ میرا خاوند ہے تو اس سے نکاح نہ ہوگا جبکہ پہلے نکاح نہ تھا، یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۲

[2] جواہر اخلاطی " فصل فیما ینعقد النکاح من الالفاظ قلمی نسخہ ص ۴۸

بالجملہ اخبار و انشا کا تباین بدیہی تو ارادۂ اخبار ارادۂ منافی اور ارادہ منافی عقد کا نافی۔

اقول وبتقریری هذا اندفع ما عسٰی ان یتوهم من ان النکاح مما یستوی فیه الهزل والجد فلا یحتاج الی نیة وقصد حتی لو تکلما بالایجاب والقبول هازلین او مکرهین ینعقد فکان المناط مجرد التلفظ وان عدم القصد وذلك لان بونًا بیّنًا بین عدم القصد وقصد العدم بارادة شیئ اٰخر غیره مما یحتمله اللفظ وما لا یحتاج الی القصد یصح مع الاول دون الاٰخر الا تری انه لو قال انت طالق ولم ینو شیئا طلقت وان نوی الطلاق عن الوثاق او الاخبار عن طلاق سابق صادقا اوکاذبا لم تطلق دیانة کما نصوا علیه، اتقن هذا فانه هو التحقیق الحقیق بالقبول وان خفی بعضه علی بعض الفحول علی ان هذا انما هو فی اللفظ الصریح اما الکنایات فلا شك فی توقفها علی النیة کما فی الطلاق والعتاق۔

اقول (میں کہتا ہوں۔ت) میری اس تقریر سے اس شُبہ کا ازالہ ہوگیا جس میں کہا گیا کہ نکاح تو ان امور میں سے ہے جن میں مذاق اور قصد برابر ہیں لہذا اس میں قصد اور ارادہ کی ضرورت نہیں حتی کہ جب مرد و عورت نے ایجاب وقبول کے کلمات بول دئے اگرچہ مذاق یا جبر سے کہے ہوں تو نکاح ہوجائے گا اس کی صحت کے لیے صرف الفاظ کی ادائیگی کافی ہے اگرچہ قصد نہ بھی ہو (لہذا بصورت اقرار نکاح صحیح ہونا چاہیے) اس شُبہ کے ازالہ کی وجہ یہ ہے کہ قصد نہ ہونا اور بات ہے اور نکاح کے خلاف کسی محتمل لفظ کا قصد کرنا اور بات ہے ان دونوں میں بڑا فرق ہے، وُہ امور جو قصد کے بغیر ہوجاتے ہیں وُہ پہلی صورت یعنی قصد نہ ہونے کی صورت میں صحیح ہوجاتے ہیں مگر کسی مخالف چیز کے قصد سے وہ صحیح نہیں ہوتے۔ آپ دیکھئے کہ طلاق کا لفظ بغیر ارادہ کے بولا جائے تو طلاق ہوجاتی ہے لیکن اگر یہی لفظِ طلاق بول کر کسی دوسرے معنی کا ارادہ کیا جائے مثلاً طلاق بول کر باندھے ہُوئے کو کھولنا مراد لیا جائے یا انتِ طالق کہہ کر پہلی دی ہُوئی طلاق کی سچّی یا جھوٹی خبر اور حکایت کا قصد و ارادہ کیا جائے تو دیانۃً یعنی عنداللہ طلاق نہ ہوگی جیسا کہ فقہاء کرام نے اس کو واضح بیان کیا ہے۔ اس فرق کو محفوظ کرو کیونکہ یہ تحقیق قابلِ قبول ہے، اگرچہ یہ قدرے بعض بڑی شخصیات پر مخفی رہا ہے، تاہم یہ بیان صریح الفاظ کے متعلق ہے لیکن کنایہ کے الفاظ بہرحال نیت کے محتاج ہیں، جیسا کہ طلاق وعتاق میں صریح وکنایہ کا فرق موجود ہے (ت)

اور شک نہیں کہ ظاہراً عوام ان الفاظ سے ارادۂ انشاء کو جانتے بھی نہ ہوں گے بلکہ جو ان کا مفہوم متبادر ہے یعنی اخبار وہی ان کا مراد و مقصود ہوگا اور سامعین بھی اُنھیں سُن کر یہی سمجھیں گے تو جبکہ واقع میں اس سے پہلے نکاح نہ ہُوا تو صرف یہ سوال وجواب و اخبار غلط کیونکر اُنھیں عنداللہ زوج و زوجہ بنا سکتے ہیں،

هذا مما لا یعقل ولا یستاهل ان یقبل — یہ غیر معقول ہے اور قبول کرلینے کے قابل نہیں،

اقول فقد بان بحمد الله ضعف ما نقل فی التنویر والدر عن الذخیرة بعد ما قدم عدم الانعقاد بالاقرار علی المختار کما سمعت حیث قال عقبیه وقیل ان کان بمحضر من الشهود صح وجعل الاقرار انشاء وهو الاصح ذخیرة [1] اھ فاعلم **اولاً** ان المولیین المحققین رحمهما الله تعالٰی قد اشارا الی تضعیف هذا بوجوه اما المصنف فبتقدیمه الاول وتعبیره هذا بقیل واما المؤلف فبتقریره علی الامرین وتعلیله للاول فان التعلیل دلیل التعویل کما نص علیه فی العقود الدریة وغیرها فافهم **وثانیاً** ان تاملت ما القینا علیك فوجوه ضعفه لاتخفی لدیك **اما اولاً** فلما تقدم فی کلامی وکلمات العلماء الکرام علی عدم الانعقاد بالاقرار من دلائل لاترد ولاترام ولاشك ان الاقوی دلیلا احق تعویلا **واما ثانیاً** فلما له من کثرة الترجیحات وقد تقرر ان العمل بما علیه الاکثر

اقول بحمد اللہ تعالٰی تنویر اور دُر میں جو ذخیرہ سے نقل کیا گیا جہاں انھوں نے اقرارِ نکاح کو مختار قول کے مطابق عدمِ نکاح قرار دیا جیسا تُو نے سُنا اور اس کے بعد یہ کہا کہ بعض نے کہا ہے کہ یہ اقرار گواہوں کے سامنے ہو تو نکاح صحیح ہے اور اقرار کو انھوں نے انشاء قرار دیا ہے اور ذخیرہ کے حوالے سے اس کو اصح کہا) اس نقل کا ضعف واضح ہوگیا تو غور کرو **اوّلاً** اس لئے کہ (شامی اور طحطاوی رحمہما اللہ) دونوں قابلِ احترام حضرات نے اس کے ضعف پر کئی وجوہ سے اشارہ فرمایا' اوّل بیشک مصنف (صاحبِ تنویر) نے پہلے قول یعنی عدمِ انعقاد کو پہلے ذکر اور دوسرے کو "قیل" کے ساتھ ذکر کیا ہے اور مؤلف یعنی صاحبِ ذخیرہ نے اگرچہ دونوں قولوں کو ذکر کیا لیکن وجہ اور دلیل صرف پہلے قول کی ذکر کی جو کہ قابلِ اعتماد ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ یہ قاعدہ عقود الدریہ وغیرہ میں بیان ہے، غور کرو ___ **دوسرا** اس لیے کہ میں نے جو وجوہِ ضعف آپ کو بیان کئے ہیں اگر آپ نے غور کیا ہو تو اس نقل کے ضعف کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں، مثلاً **اول** یہ کہ میں نے اور دیگر علماءِ کرام نے جو کلمات ذکر کئے ہیں کہ اقرار سے نکاح نہیں ہوتا اور اس پر جو دلائل پیش کئے گئے وُہ ناقابلِ تردید ہیں اور بلا شک وشبہ جو دلائل وزنی ہوں گے وہ زیادہ قابلِ اعتماد ہونگے **ثانیاً** اس لیے کہ اس پر کثیر ترجیحات ذکر کی گئی ہیں اور یہ بات مسلّمہ ہے کہ جس پر اکثریت ہو وہ عمل کے لیے

---

[1] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱/۱۸۶-۱۸۵

كما في العقود وغيرها **واما ثالثا** فلان ماله من علامة الافتاء اشد قوة واعظم وقعة مما لهذا فقد نصوا ان عليه الفتوى وبه يفتي اكد ما يكون من الفاظ الفتوى **واما رابعا** فلان ما عليه المتون وهي العمدة واليها الركون فهذه الاربعة فقد ظهرت من قبل **واما خامسا** فلما تسمع انفا، قد اظهر لنا المولى الامام برهان الدين محمود بن الصدر السعيد تاج الدين احمد قدس سرهما في ذخيرته ماخذ خيرته اذ بنى ذلك على انه ذكر محرر المذهب محمد رضي الله تعالى عنه في صلح الاصل ادعى رجل على امرأة نكاحا فجحدت فصالحها بمائة على ان تقر بهذا فاقرت فهذا الاقرار جائز والمال لازم[1] اه فظن المولى البرهان ان محمدا اجاز النكاح بالاقرار وقد علم ان هذا لا يصح الا بمحضر من الشهود ففرع عليه

قابلِ قبول ہے جیسا کہ عقود وغیرہ میں ہے **ثالثاً** اس لیے کہ جس میں فتوٰی کی قوی علامت پائی جائے وُہ قوت اور وقعت کے لحاظ سے پختہ اور وزنی ہوتا ہے، چنانچہ فقہاءِ کرام نے اس پر تصریح کی ہے "علیہ الفتوٰی" اور "بہ یفتی" کے الفاظ فتوٰی کے باب میں سب سے زیادہ پختہ الفاظ ہیں، **رابعاً** اس لیے کہ کتبِ متون جس کو معتمد علیہ قرار دیں اسی کی طرف ہی رجوع کرنا ہوتا ہے۔ یہ چاروں امور پہلے واضح ہو چکے ہیں، **خامساً** اس لیے جو آپ ابھی سنیں گے کہ امام برہان الدین محمود بن الصدر السعید تاج الدین احمد قدس سرہما نے اپنے ذخیرہ میں جس کو اپنے پسندیدہ امور کا ماخذ ہمارے لیے ظاہر کیا ہے اس کی بنیاد محررِ مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ذکر کردہ مسئلہ پر ہے جس کو انھوں نے اصل یعنی مبسوط کے "باب الصلح" میں بیان کیا ہے وہ یہ کہ ایک شخص نے ایک عورت کے بارے میں دعوٰی کیا کہ یہ میری منکوحہ ہے جبکہ عورت نکاح سے انکاری ہے تو اس نے عورت سے سَو روپے کے بدلے صلح کرکے اس سے نکاح کا اقرار کرالیا تو عورت کا اقرار جائز اور مال لازم ہوجائے گا اھ اس سے محترم برہان الدین کو گمان ہُوا کہ امام محمد نے عورت کے اقرار سے نکاح کو جائز قرار دیا اور علامہ برہان الدین نے یقین کرلیا کہ یہ اقرار گواہوں کی موجودگی میں ہُوا تو صحیح ہوگا،

---

[1] ردالمحتار بحوالہ صلح الاصل کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی ۲/ ۲۶۵-۶۶

ان الاصح الصحة لو الشهود حضورا قال
العبد الضعیف لطف بہ المولٰی اللطیف و
ای شیئ اکون انا حتی اتکلم بین
یدی ھذا الامام الجلیل قدس
سرہ الجمیل ولکن کثرۃ تصحیحات الائمۃ
وجزمھم فی الجانب الأخر بما تجرؤنی
ان اقول و باللہ التوفیق لامساس لما
فی الاصل بھٰذا الفصل فان محمدا
انما اجاز الاقرار والزم المال فانما
افاد جواز الصلح وانقطاع الجدال
بحیث لو عادت المرأۃ بعد ذٰلک الی
الجحود لم یسمعہ القاضی اما لو لم یجز
الصلح لم یلزم المال و
اقرت المرأۃ علی انکارھا ھذا ھو
حاصل جواز الصلح وعدم جوازہ
کما لا یخفی واین ھذا من انعقاد
العقد فی الواقع فیما بینھم وبین ربھم
العلیم الخبیر تبارک وتعالٰی الیس قد
صرحوا انہ لا یطیب لہ البدل ان کان
کاذبا ولو ادعی رجل علٰی اٰخر بیع دارہ
مثلا فاقربہ افتداءً عن یمینہ او فرارا
عن ذل الجثو بین یدی القاضی ثبت البیع قضاء
وجرت الاحکام من وجوب التسلیم ولزوم الشفعۃ
وغیرذٰلک لکن ھذا المدعی الکاذب انما یأخذ
جمرۃ نار ثم السرات الصالحین

اسی لیے انھوں نے اس کے بعد یہ تفریع قائم کی کہ اصح بات
یہ ہے کہ گواہ موجود ہوں تو اقرار سے نکاح صحیح ہوگا ۔ یہ
عبدِ ضعیف (اللہ تعالٰی مہربان اس پر مہربانی
فرمائے) میں کون ہُوں جو اس عظیم امام کے سامنے بات
کروں لیکن تصحیح کی کثرت اور ائمہ کرام کا جزم اس کے خلاف
ہے جس کی وجہ سے مجھے جرأت ہو رہی ہے کہ میں بات
کروں ، اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے ، اصل کے بیان
کا اس بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ امام محمد
رحمہ اللہ تعالٰی نے صرف اقرار کو جائز اور مال کو لازم
فرمایا ہے جس کا مفاد صرف صلح کا جواز اور جھگڑا ختم
کرنا ہے حتی کہ اگر عورت اس کے بعد دوبارہ انکار کرے
تو قاضی اس کی سماعت نہیں کرے گا ، لیکن اگر صلح
کو جائز نہ مانا جائے تو مال لازم نہ ہوگا اور عورت کا انکار
باقی رہے گا ، صلح کے جواز اور عدمِ جواز کا حاصل صرف
یہی ہے جیسا کہ واضح ہے ، اس کا فی الواقع عند اللہ
نکاح کے منعقد ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے ، کیا ایسی
صورت میں مدعی کے جھُوٹا ہونے پر معاوضہ کے اس کے لیے
طیب نہ ہونے پر فقہائے تصریح نہیں کی ، ایک شخص دوسرے
کے خلاف اس کے مکان کی فروختگی کا جھُوٹا دعوٰی کرے
اور مدعی علیہ قسم سے بچنے کے لیے فروختگی کا اقرار کرلے یا
قاضی کے ہاں پیشی کی رُسوائی سے بچتے ہُوئے اقرار
کرلے تو اس صورت میں قضاءً بیع ثابت ہوجائیگی
اور اس پر مکان کا قبضہ دینا ، اور شفعہ وغیرہ جیسے احکام
جاری ہوں گے اس کے باوجود جھُوٹے مدعی کی وصولی اس
کے لیے جہنم کا انگارا ہے ، پھر وہ صلح کرنے والوں نے

امر اذا عقد الصلح وھو انما یصور بارجاعه الی عقد من العقود الشرعیة فلا بد من حمله علی اشبه عقد به ضرورة تصحیح الکلام وقطع الخصام اما ھھنا اعنی فیما نحن فیه فلم یریدا عقدا وانما اخبرا خبرا کذبا والکذب وان یروج علی الناس فلا یصح عند الله اصلا فوضح الفرق وزال الاشتباہ والحمد لله، قال فی الھدایة اذا ادعی رجل علی امرأة نکاحا وھی تجحد فصالحته علی مال بذلته حتی یترك الدعوی جاز وکان فی معنی الخلع لانه امکن تصحیحه خلعا فی جانبه بناء علی زعمه وفی جانبھا بذلا للمال لدفع الخصومة قالوا ولا یحل له ان یأخذ فیما بینه وبین الله تعالٰی اذا کان مبطلا فی دعواہ[1] اھ، قال فی الکفایة ھذا عام فی جمیع انواع الصلح[2] اھ وفی الدر المختار عن القھستانی اما الصلح علی بعض الدین فیصح ویبرء عن دعوی الباقی ای قضاء لادیانة ولذا لوظفر به اخذہ[3] اھ

جب صلح کا عہد کر لیا تو حکمت کا تقاضا ہے کہ اس معاہدہ کو کسی شرعی عقد کی صورت دینے کے لیے اس کے قریب ترین عقد پر محمول کیا جائے تاکہ ان دونوں کی کلام کو صحیح بنایا جائے اور ان کے جھگڑے کو ختم کیا جا سکے، لیکن یہاں ہمارے زیر بحث مسئلہ میں تو مرد و عورت نے کوئی عقد نہیں کیا بلکہ دونوں نے جھوٹی خبر دی جھوٹ اگرچہ لوگوں پر اثر انداز ہو جاتا ہے لیکن عنداللہ موثر نہیں ہو سکتا، پس فرق واضح اور اشتباہ ختم ہوا، للہ الحمد۔ ہدایہ میں فرمایا اگر کسی مرد نے کسی عورت پر اس سے نکاح کا دعوٰی کیا جبکہ عورت انکاری ہے اور دعوٰی کو ختم کرنے کے لیے مال دے کر صلح کرتی ہے تو یہ صلح جائز ہے، اور اس صلح کو خلع کے معنی پر محمول کیا جائیگا کیونکہ مرد کی طرف سے اس کے دعوٰی کی بنا پر اس معاوضہ کی وصولی کو خلع قرار دینا صحیح ہے اور عورت کی طرف مال کی ادائیگی جھگڑے کو ختم کرنے کی کارروائی تصور کیا جائیگا اس کے باوجود فقہاء کرام نے یہاں فرمایا کہ اگر وہ مرد جھوٹا ہے تو اس کو عورت سے معاوضہ لینا حلال نہیں ہے اھ اور کفایہ میں کہا کہ یہ ہر قسم کی صلح کو شامل ہے اھ درمختار میں قہستانی سے منقول ہے کہ قرض کے کچھ حصے پر صلح ہو جائے تو جائز ہے اور باقی قرض سے قضاءً بری ہو جائے گا دیانۃً یعنی عنداللہ بری نہ ہوگا اسی لیے اگر قرضخواہ کو موقعہ ملے تو باقی کو وصول کرے اھ،

---

[1] ہدایہ — کتاب الصلح — مطبع یوسفی لکھنؤ — ۳/۲۴۷
[2] کفایہ مع فتح القدیر — کتاب الصلح — نوریہ رضویہ سکھر — ۷/۳۸۹
[3] درمختار — " — مطبع مجتبائی دہلی — ۲/۱۴۲

وفی الشامیة عن المقدسی عن المحیط قضاہ الالف فانکر الطالب فصالحہ بمائة صح ولا یحل لہ اخذھا دیانة[1] اھ، و سرد النقول فی ذالک یطول و قال فی الھدایة الاصل ان الصلح یجب حملہ علی اقرب العقود الیہ واشبھھا بہ احتیالا لتصحیح تصرف العاقد ما امکن[2] اھ فبما اسمعتك یتحصل الجواب عن تمسك المولی البرھان بثلثة اوجہ الاول ان جاع الصلح الی تلك العقود تقدیر وتصویر ضروری فلا یتعدی الثانی انما تثبت ھذہ العقود بتلك الالفاظ فی ضمن الصلح وکم من شیئ یثبت ضمنا و لا یثبت قصدا الا تری ان قولہ اعتق عبدك ھذا عنی بالف یتضمن الابتیاع مع انہ لا ینعقد قصدا بلفظ الاعتاق الثالث ان ھذہ العقود انما تقدر قضاء ولا تؤثر فی الدیانة

اور فتاوٰی شامی میں مقدسی کے حوالہ سے محیط سے منقول ہے کہ اگر کسی نے قرض خواہ کو ہزار دیا مگر قرضخواہ وصولی سے منکر ہے تو مقروض نے ایک صد پر صلح کرلی تو صحیح ہے لیکن قرض خواہ کو دیانۃً لینا حلال نہیں ہے اھ یہاں تمام نقول کو ذکر کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ ہدایہ میں فرمایا کہ قاعدہ یہ ہے کہ صلح کرنے والے کے تصرف کو صحیح قرار دینے کے لیے صلح کے قریب ترین کسی عقد پر محمول کرنا ضروری ہے تاکہ حتی الامکان اس کے عقد کو صحیح بنایا جاسکے اھ میں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے مولانا برھان الدین کی دلیل کے تین جواب ہوئے پہلا یہ کہ اس صلح کو عقود کی طرف راجع کرنا صرف فرضی صورت ہے جو کہ ایک ضرورت کے لیے ہے اس ضرورت کے بغیر تجاوز کرنا درست نہیں۔ **دُوسرا** یہ کہ ان عقود کا ثبوت صلح کے الفاظ میں ضمناً ہوتا ہے جبکہ بہت سے امور ضمناً تو ثابت ہوتے ہیں لیکن مقصوداً ثابت نہیں ہوتے، آپ غور کریں کہ جب کوئی کہتا ہے کہ تو اپنے غلام کو میری طرف سے ایک ہزار کے بدلے آزاد کردے تو یہاں ضمناً بیع ہوجاتی ہے، جبکہ "آزاد کردے" کے لفظ سے قصداً بیع منعقد نہیں ہوتی **تیسرا** یہ کہ یہ عقود صلح کے ضمن میں صرف قضاءً نافذ ہوتے ہیں

---

[1] رد المحتار کتاب الصلح دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۴۷۵
[2] ہدایہ 〃 مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۲۴۶

اذاکان مبطلا و نحن لاننکران باقرارھما یثبت النکاح قضاء و انما الکلام فی الدیانۃ فان کان مراد الامام البرھان ھو الصحۃ قضاء وقد یستأنس لہ بقولہ عطر اللہ مرقدہ جعل الاقرار انشاء حیث لم یقل کان انشاء ویعینہ بناؤہ الامر علی عبارۃ الاصل فانہا کما علمت لا تفید الا الجواز قضاء فھذا حق لامریۃ فیہ ولاغرو فی المصیر الیہ تصحیحا لکلام ھذا الامام و تحصیلا للوفاق بینہ وبین غیرہ من الائمۃ الاعلام و ان کان فیہ بعد بالنظر الٰی ظاھر الکلام و الا فلا شک ان الحق مع ھٰؤلاء الجھابذۃ الکرام واللہ تعالٰی اعلم بحقیقۃ الامر فی کل مرام والحمد للہ مولٰینا الھادی ذی الجلال والاکرام۔

صلح جھوٹ پر مبنی ہو تو دیانۃً نافذ نہیں ہوتے، اور یہ بات ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مرد و عورت کے قاضی کے ہاں اقرار سے قضاءً نکاح ہوجاتا ہے جبکہ ہماری گفتگو دیانت یعنی عند اللہ کے بارے میں ہے، تو اگر امام برہان الدین کی مراد یہ ہو کہ صرف قضاءً نکاح ہوجاتا ہے جبکہ ان کا کلام اس طرف مائل ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے اقرار کو انشاء بنایا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ وُہ انشاء ہے اور پھر انھوں نے اپنی بات کا مدار اصل یعنی مبسوط کی عبارت کو بنایا ہے جس سے صرف قضاءً جواز ثابت ہے اگر ان کا یہی مقصد ہے تو بجا اور حق ہے جس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور اگر اس عظیم امام کے کلام کو درست بنانے کے لیے اس مقصد کی طرف راجع کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ ان کے ظاہر کلام سے یہ مقصد بعید نظر آتا ہے تاہم اس سے ان کے اور دیگر ائمہ کرام کے کلام میں موافقت پیدا ہوجاتی ہے اور اگر ان کا مذکورہ مقصد نہ ہو تو پھر اس میں کوئی شک و شُبہ نہیں کہ ان کے مقابلہ میں دیگر ائمہ کا کلام حق ہے، اور ہر مقصد میں اللہ تعالٰی ہی حقیقت کو بہتر جاننے والا ہے۔ اللہ تعالٰی رہنمائی فرمانے والے کیلیے تمام تعریفیں ہیں۔ (ت)

ہاں اگر مرد و زن نے وُہ الفاظ کہے جو امر ماضی سے خبر دینے کے لیے متعین نہ تھے مثلاً مرد نے کہا یہ میری زوجہ ہے، عورت بولی یہ میرا شوہر ہے، یا مرد نے کہا میں اس کا خاوند ہُوں، عورت بولی میں اس کی جورو ہُوں اور دونوں نے ان الفاظ سے عقد نکاح کرنے کی نیت کی یعنی ان میں کسی کا قصد اخبار نہ تھا دونوں نے بارادۂ انشاء کہے تو بیشک یہ الفاظ عقد نکاح ٹھہریں گے کہ جب قصدِ اخبار نہیں تو یہ لفظ اقرار نہیں اور جبکہ اخبار ماضی کے لیے متعین نہیں تو ارادۂ انشاء کے صالح ہیں تو انھوں نے الفاظِ صالحہ سے قصدِ انشاء کیا اور اسی قدر تحقق ایجاب و قبول کے لیے بس ہے بخلاف ان الفاظ کے جو اخبار عن الماضی کے سوا دوسرے معنے کے محتمل نہ ہوں مثلاً کہیں باہم ہمارا نکاح ہوچکا ہے کہ اب لفظ اخبار میں متعین اور انشا سے مباین۔

اقول[۱۴] ھذا الذی قررتہ بتوفیق اللہ تعالٰی یجب ان یکون ھو المراد من قول الامام الاجل فقیہ النفس قاضیخان رحمہ اللہ تعالٰی حیث افاد بعد ما اثر عن البیھقی والنوازل ما اسلفنا ، قال مولٰنا رضی اللہ تعالٰی عنہ ینبغی ان یکون الجواب علی التفصیل ان اقرا بعقد ماض ولم یکن بینھما عقد لایکون نکاحا وان اقرت المرأۃ انہ زوجھا واقر الرجل انھا امرأتہ یکون ذٰلک نکاحا ویتضمن اقرارھما بذٰلک انشاء النکاح بینھما بخلاف ما اذا اقرا بعقد لم یکن لان ذٰلک کذب محض وھو کما قال ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا قال الرجل لامرأتہ لست لی بامرأۃ ونوی بہ الطلاق یقع ویجعل کانہ قال لست لی بامرأۃ لانی قد طلقتک ولو قال لم اکن تزوجتھا ونوی بہ الطلاق لایقع لان ذٰلک کذب محض لایمکن تصحیحہ[۱] اھ قال فی الفتح علی ما نقل عنہ فی رد المحتار ان الحق ھذا التفصیل[۲] اھ

اقول میں نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے جو تقریر کی ہے امام اجل فقیہ النفس قاضی خاں کے قول کا بھی لازمی طور پر یہی مقصد ہے جہاں انھوں نے بیہقی اور نوازل کے قول کو ہمارے بیان کردہ کے مطابق نقل کرنے کے بعد افادہ کرتے ہُوئے فرمایا کہ مناسب ہے کہ جواب میں تفصیل سے کام لیا جائے کہ مرد وعورت نے ماضی میں نکاح نہ ہونے کے باوجود ماضی میں نکاح ہونے کا اقرار کیا تو اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا۔ اور اگر عورت نے اقرار میں یُوں کہا کہ یہ میرا خاوند ہے اور مرد نے یُوں کہا کہ یہ میری بیوی ہے تو یہ اقرار نکاح قرار پائے گا اور ان کے اقرار کے ضمن میں نکاح ایجاد ہوجائیگا بخلاف جبکہ ماضی کے نکاح کے بارے میں اقرار ہو، کیونکہ وہ محض جھُوٹ ہے۔ اس تفصیل کا ماحاصل ایسے ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو کہا کہ تُو میری بیوی نہیں ہے اور اس نے طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق ہوجائے گی گویا کہ اس شخص نے یُوں کہا کہ تُو میری بیوی نہیں کیونکہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے، اور اگر اس نے بیوی کو یُوں کہا کہ میں نے تجھ سے نکاح نہیں کیا اس قول سے اس نے طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ ایسا جھوٹ ہے جس کی توجیہ نہیں ہوسکتی اھ ردالمحتار میں فتح سے نقل کیا گیا ہے کہ یہی تفصیل حق ہے اھ اس

---

[۱] فتاوٰی قاضی خان کتاب النکاح الفصل الاول نولکشور لکھنؤ ۱/۱۴۹

[۲] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۶

فانما المعنی علی ما بیّنا و لیس المراد ان
اللفظ اذا لم یتعین للاخبار عن الماضی
صح العقد وان نویا به الاخبار کیف و
انه لایکون ح الامحض کذب ویشھد لک
بذلک ما استشھد به من مسئلة
الطلاق فانه ان قال لست لی بامرأة ولم ینوبه
انشاء الطلاق وانما قصد الاخبار الکاذب
لم یقع قطعا فانه لا یقع عند ذلک بالتصریح
کما قد منا فکیف بالکنایات الا تری انه بنفسه
قید المسئلة بقوله ونوی الطلاق
فکذا یقال ھٰھنا ونویا النکاح ھذا
ماصرت الیه لما وعیت ثم
بتوفیق المولٰی سبحانه وتعالٰی
رأیت العلامة عبد العلی برجندی
نقل فی شرح النقایة کلام
الامام فقیه النفس بالمعنٰی و
عبر عنه بعین ما فھمته
ولله الحمد وھذا نصه فی
الظھیریة لوقال بمحضر من
الشھود ایں زن من است فقالت
ایں شوئ من ست اختلف المشائخ
فیه والصحیح انه لا ینعقد
وفی فتاوی قاضی خان انما
لایکون ھذا نکاحا اذا قالا ذلک علی سبیل
الاخبار عن عقد ماض ولم یکن بینھما عقد اما

تفصیل کا مقصود وہی ہے جو ہم نے بیان کیا اور اس سے
یہ مراد نہیں کہ جب اقرار کا لفظ ماضی کی خبر کیلئے متعین
نہ ہو تو خبر کی نیت کے باوجود بھی عقدِ نکاح صحیح ہوگا، یہ
کیسے ہوسکتا ہے جبکہ مرد وعورت نے محض جھوٹ سے
کام لیا ہے، اس کا شاہد یہ بھی ہے کہ امام قاضیخان نے
اس بیان پر طلاق کے مسئلہ کو بطور شاہد پیش فرمایا
کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ تُو میری بیوی نہیں ہے
اور اس نے انشاءِ طلاق کا ارادہ نہ کیا بلکہ صرف جھوٹ مراد لیا
تو قطعاً طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں صریح لفظ سے
جب طلاق نہیں ہوتی تو کنایہ سے کیسے
طلاق ہوسکتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں، آپ
نے غور فرمایا ہوگا کہ انھوں نے اس مسئلہ کو طلاق کی
نیت سے مقید کیا ہے (کہ مذکورہ لفظ طلاق دینے کی
نیت سے کہے تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں) اسی طرح جھوٹے
اقرارِ نکاح میں بھی دونوں نے نکاح کی نیت کی ہو تو
نکاح ہوگا ورنہ نہیں، یہ جس کو میں نے سمجھا وہی میں نے
اختیار کیا ہے، پھر میں نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے
علامہ عبد العلی برجندی کو دیکھا کہ انھوں نے نقایہ کی
شرح میں امام قاضی خان کی عبارت کو بالمعنٰی نقل کیا
اور اس کی وہی تعبیر کی جو میں نے سمجھی، اور اللہ تعالٰی
کے لیے ہی تمام حمد ہے۔ یہی ظہیریہ کی عبارت ہے
کہ اگر ایک شخص نے لوگوں کی موجودگی میں ایک عورت
کو کہا کہ یہ میری بیوی ہے، اور عورت نے کہا یہ میرا خاوند ہے
تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، اور فتاوٰی قاضیخان
میں ہے کہ یہ اس صورت میں نکاح نہ ہوگا جب مرد و

اذا اقرت انه من وجها واقر انها من وجتہ وارادا بذلك انشاء النکاح فھو نکاح[1] اھ فالحمد للہ علی حسن التفھم **اقول**[151] وبما قررت ظھرلك ان ھذا الذی اختارہ المولی فقیہ النفس وقال المحقق علی الاطلاق انہ الحق لایخالف ماصححہ عامۃ الائمۃ اصلا بل ھو عین مااعتمدوہ فانھم انما صححوا ان النکاح لاینعقد بالاقرار و الاقرار انما یکون عند قصد الاخبار وقد نص الفقیہ علی عدم الانعقاد اما اذا قالاہ مریدین بہ الانشاء لم یکن ذلك من الاقرار فی شیئ فان الاقرار ھو الاخبار دون الانشاء فتوافق القولان وتظافرت التصحیحات علی صحۃ ماافتیت بہ فان حمل کلام الذخیرۃ علی مااسلفنا حصل التوفیق فی الاقوال جمیعا و الا فعلیکم بماحررت عضوا علیہ بالنواجذ۔

عورت نے جھوٹی خبر کے طور پر ماضی میں عقد کے بارے میں کہا ہو، اور اگر انھوں نے اس سے انشاءِ نکاح کا ارادہ کیا تو یہ نکاح منعقد ہوگا، اچھے فہم پر اللہ تعالٰی کی حمد ہے۔ **اقول** میری تقریر سے آپ پر واضح ہوگیا کہ جو کچھ امام قاضیخان اور محقق علی الاطلاق نے فرمایا وہی حق ہے اور وہ عام ائمہ کرام کی تصحیح کے ہرگز خلاف نہیں ہے کیونکہ ان ائمہ نے یہی تصحیح کی ہے کہ صرف اقرار سے نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ اقرار ماضی کے بارے میں خبر کا نام ہے جس وجہ سے امام قاضی خان نے نکاح نہ ہونے کی تصریح کی ہے، لیکن اگر مرد وعورت نے نکاح منعقد کرنے یعنی انشاءِ نکاح کے ارادے سے اقرار کیا تو یہ بمعنٰی اخبار نہ ہوگا بلکہ انشاء ہوگا جبکہ اقرار تو خبر ہوتا ہے۔ پس فقہاء اور امام کے قول کے موافق اور تمام تصحیحات میرے فتوے پر مجتمع ہوگئیں، اور اگر ذخیرہ کی عبارت کو اسی معنی میں لیا جائے جو میں نے پہلے ذکر کیا ہے تو اس سے تمام اقوال میں بھی موافقت ہوجائے گی ورنہ میری تحریر کو مضبوطی سے اپناؤ۔ (ت)

اقول[152] اب یہاں ایک اور مسئلہ خلافیہ وارد ہوگا کہ جس طرح نکاحِ مسلم میں وقت ایجاب وقبول دو مرد دو یا ایک مرد دو عورتوں عاقل بالغ آزاد اور نکاحِ مسلم میں انھیں اوصاف کے خاص مسلمین کا حاضر ہونا بالاتفاق اور ان کا کلام عاقدین معًا سُننا عند الجمہور علی المذہب المنصور شرط وضرور ہے آیا یُوں ہی اُن کا کلام عاقدین سمجھنا بھی شرط ہے یا نہیں، مثلًا اگر دو ہندیوں کے سامنے مرد وزن نے عربی میں ایجاب وقبول کرلیا وہ نہ سمجھے، آیا یہ نکاح فاسد ہوگا یا صحیح، علمائے کرام کے اس میں دونوں قول منقول ہُوئے۔

جزم بالاول العلامۃ الزیلعی فی التبیین و

امام زیلعی نے تبیین میں اور محقق علی الاطلاق نے

---

[1] شرح النقایۃ للبرجندی کتاب النکاح نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۷۴

المحقق علی الاطلاق فی الفتح والمولی الغزی فی متن التنویر وصححه فی الجوھرۃ وقال فی الذخیرۃ والظھیریۃ وخزانۃ المفتین والسراج الوھاج وشرحی النقایۃ للقھستانی والبرجندی ومجمع الانھر والھندیۃ انہ الظاھر[1] وکذا اختارہ فقیہ النفس فی الخانیۃ وضعف خلافہ قال الذخیرۃ ثم البحر ثم الدر ومجمع الانھر فکان ھو المذھب[2]، وجزم بالثانی فی الفتاوی وکذا ذکرہ البقالی وقال فی الخلاصۃ وجواھر الاخلاطی انہ الاصح[3]، وفی مجمع الانھر عن النصاب علیہ الفتوی[4] ولم یتعرض لقید الفھم فی مختصر القدوری والوقایۃ والنقایۃ والکنز والاصلاح والایضاح والملتقی وکلاھما روایۃ عن مدار المذھب محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کما فی الفتح۔

فتح میں پہلے پر جزم کیا ہے اور غزی نے تنویر کے متن میں ذکر کیا اور جوہرہ میں اس کی تصحیح کی۔ ذخیرہ، ظہیریہ، خزانۃ المفتین، سراج الوہاج، قہستانی اور برجندی نے اپنی شرحوں مجمع الانہر اور ہندیہ میں فرمایا کہ کہ یہ ظاہر ہے، اور یونہی قاضی خان نے خانیہ میں اس کو پسندیدہ قرار دیا اور اس کے خلاف کو ضعیف کہا ہے، اور ذخیرہ، بحر، در، مجمع الانہر نے کہا کہ یہی مذہب ہے اور دوسرے (صحیح) پر جزم کا اظہار فتاوٰی میں کیا اور یوں اس کو بقالی نے ذکر کیا۔ اور خلاصہ اور جواہر الاخلاطی میں کہا کہ یہ ظاہر ہے۔ اور مجمع الانہر میں نصاب کے حوالے سے کہا کہ اس پر فتوٰی ہے۔ اور مختصر القدوری، وقایہ، نقایہ، کنز، اصلاح، ایضاح اور ملتقی میں فہم کی قید کو ذکر نہیں کیا، جبکہ یہ دونوں قول مدارِ مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہیں، جیسا کہ فتح میں مذکور ہے۔ (ت)

اور توفیق نفیس یہ ہے کہ معنے الفاظ سمجھنا ضرور نہیں مگر اس قدر سمجھنا ضرور ہے کہ یہ عقد نکاح ہو رہا ہے،

---

[1] شرح النقایۃ للبرجندی | کتاب النکاح | نولکشور لکھنؤ | ۲/۴
مجمع الانہر | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۱/۳۲۱
[2] مجمع الانہر | کتاب النکاح | " | " "
[3] جواہر اخلاطی | " | قلمی نسخہ | ص ۴۷
[4] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۱/۳۲۱

اقول وقد کان سنح لی ھذا ثم رأیته للعلامة مصطفی الرحمتی لمحشی الدر وقال فی رد المحتار ووفق الرحمتی بحمل القول بالاشتراط علی اشتراط فهم انه عقد نکاح والقول بعدمه علی عدم اشتراط فهم معانی الالفاظ بعد فهم ان المراد عقد النکاح[1] اھ وھو کما تری حسن جدا **اقول** ومن علم الفقه و الحکمة فی اشتراط الشهادة فی عقد النکاح اتقن بهذا التوفیق فان من علم ان ھذا نکاح فقد شهد العقد و ان لم یقف علی خصوص ترجمة الالفاظ ومن لم یفهم فکأن لم یسمع ومن لم یسمع فکأن لم یحضر وبتقریری ھذا یتضح لك ان الاجتزاء بذکر الحضور اوبه وبالسماع اوذکرھما مع الفهم کل یؤدی مؤدی واحدا عند التدقیق واللّٰه ولی التوفیق۔

اقول مجھے یہ واضح ہوا، پھر اس کے بعد مجھے یہ بات دُر کے محشی علامہ مصطفٰی رحمتی کے ہاں مل گئی۔ اور رد المحتار میں فرمایا کہ علامہ رحمتی نے فہم کی شرط والے قول اور فہم کی شرط نہ ہونے والے قول میں یوں تطبیق دی ہے ــــــ کہ جہاں فہم کی شرط کا قول ہے اس سے مراد نکاح ہونے کا فہم ہے اور جہاں فہم کی شرط کی نفی ہے اس سے نکاح کے وقت بولے جانے والے الفاظ کے فہم کی نفی مراد ہے بشرطیکہ نکاح ہونا سمجھا گیا ہو اھ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ بہت اچھی تطبیق ہے **اقول** جس کو عقدِ نکاح میں گواہوں کے موجود ہونے کی شرط کی حکمت معلوم ہے وہ اس تطبیق کی توثیق کرے گا کیونکہ جس نے گواہوں میں سے یہ معلوم کرلیا کہ یہ نکاح ہے تو نکاح کا گواہ ہوگیا اگرچہ اس نے الفاظ کا ترجمہ نہ سمجھا، اور جس کو نکاح کا فہم نہ ہُوا گویا اس نے سُنا ہی نہیں اور جس نے نہ سنا گویا وہ مجلس نکاح میں حاضر نہ ہوا۔ میری اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ نکاح کے جواز میں صرف گواہوں کا حاضر ہونا یا گواہوں کی حاضری اور سماع، یا ان دونوں کے ساتھ فہم کا ذکر، حقیقۃً ان سب کا مقصد ایک ہی ہے، اور اللہ سبحانہٗ تعالٰی توفیق کا مالک ہے۔ (ت)

پس مسئلہ دائرہ میں جبکہ مرد و زن اُن الفاظ سے قصدِ انشاء کریں اُس کے ساتھ یہ بھی ضرور کہ دو شاہد بھی ان کی اس گفتگو کو عقد نکاح سمجھیں خواہ بذریعہ قرائن یا خود عاقدین کے مطلع کر رکھنے سے ورنہ اگر سب حضار نے اسے محض اخبار جانا تو "فاھمین انہ نکاح" صادق نہ آیا اور نکاح صحیح نہ ہوا۔

---

[1] رد المحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۷۳

هذا ما قلته تفقها ثم رأیت فی رد المحتار، قال حاصل ما فی الفتح وملخصه انه لابد فی کنایات النکاح من النیة مع قرینة او تصدیق القابل للموجب وفهم الشهود المراد او اعلامهم به۱ھ فاتضح المرام والحمد ﷲ ولی الانعام **اقول** وینبغی ان یکون الاعلام قبل العقد کما اشرت الیہ لیکونا جامعی شرائط الشہادۃ عند العقد الا تری ان فاھمین فی کلامھم حال ولابد من مقارنۃ الحال والعامل واﷲ تعالٰی اعلم ھذا کلہ مما فاض علٰی قلب الفقیر بفیض القدیر والمولٰی تعالٰی اذا شاء الحق الجاھل العاجز بالماھر الخبیر والحمد ﷲ علٰی حسن التوفیق والھام التحقیق والصلٰوۃ والسلام علٰی سید العالمین محمد واٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

یہ میں نے اپنی سمجھ سے کہا پھر میں نے ردالمحتار میں دیکھا انھوں نے فرمایا کہ فتح کا ماحاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ کنایاتِ نکاح میں نیت مع قرینہ، یا قبول کرنے والے کا ایجاب کرنے والے کی تصدیق کرنا اور گواہوں کا مراد کو سمجھنا یا ان کو بتایا جانا ضروری ہے اھ پس مقصد واضح ہوگیا اور اللہ تعالٰی مالکِ انعام کے لیے تعریف ہے **اقول** گواہوں کو نکاح کے بارے میں پہلے بتانا مناسب ہے تاکہ وہ نکاح کے وقت شہادت کی شرائط پوری کرسکیں، جیسا کہ میں نے اشارہ کیا ہے، کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ فقہاء نے گواہوں کے فاہم ہونے کو حال قرار دیا ہے جبکہ حال اور اس کے عامل کا مقارن ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے، یہ سب کچھ اس فقیر کے قلب پر فیضان ہوا مولٰی تعالٰی قادر کے فیض سے، جب اللہ تعالٰی چاہے تو وہ جاہل عاجز کو ماہر خبیر سے ملحق کردیتا ہے۔ اور اللہ تعالٰی کے لیے سب تعریفیں ہیں اس کے اچھی توفیق دینے پر اور تحقیق کے الہام پر، محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سید العالمین پر صلٰوۃ وسلام اور ان کی آل واصحاب پر، آمین! (ت)

پھر جس حالت میں انعقادِ نکاح کا حکم ہو ذکرِ مہر کی کوئی حاجت نہیں کہ نکاح بے ذکر بلکہ بذکرِ عدمِ مہر بھی صحیح ومنعقد ہے کما نصوا علیہ (جیسا کہ اس پر انھوں نے تصریح کی ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ تعالٰی اتم واحکم۔

۱؎ ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۲۶۹

رسالہ

ماحی الضلالۃ فی انکحۃ الھند وبنجالہ

۱۳۱۷ھ

(بنگال اور ہندوستان میں نکاحوں کے بارے میں کوتاہی کو مٹانے والا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۷ ہجریہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ جو کہ عقد ہوتے ہیں کہ ایک شخص غیر کو ولی ہندہ نے وکیل قرار دے کر اور دو شخص اور ہمراہ اُس کے واسطے گواہی کے مقرر کرکے واسطے اجازت لینے نکاح کے ہندہ کے پاس بھیجے وہ شخص کسی کا سر اور کسی کا پاؤں کُچلتا ہُوا ہنگامۂ مستورات میں جاکر قریب ہندہ کے بیٹھا اور یہ کلمات کہے کہ تو مجھ کو واسطے عقد اپنے کے وکیل کردے وہ بے چاری بباعث رواج اس ملک اور شرم کے کب گویا ہوتی ہے، اکثر مستورات اس کو فہمائش کرتی ہیں مگر وُہ نہیں جواب دیتی اور بعض بعض کچھ گریہ یا "ہُوں" کا اشارہ کردیتی ہیں، بعد کو وکیل صاحب باہر تشریف مع دونوں گواہوں کے لاکر دُولھا کے روبرو آکر بیٹھتے ہیں اور واہنے دولھا کے ایک شخص اور، کہ دعوٰی قضا کا رکھتے ہیں اور پیشہ کفش دوزی یا خیاطی یا نوربافی کا کرتے ہیں وُہ بھی بیٹھتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جو کہ وکیل صاحب مع گواہوں کے تشریف لائے تھے وہ قاضی صاحب سے سلام علیک کرکے رُوبرو دُولھا کے بیٹھ گئے، قاضی صاحب نے وکیل صاحب کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ آپ کا آنا کہاں سے ہوا، وکیل صاحب نے درجواب اس کے ارشاد کیا کہ دختر فلاں نے واسطے عقد اپنے کے مجھ کو وکیل مقرر کرکے

بھیجا ہے اور میری وکالت کے یہ دونوں شخص گواہ ہیں آپ اس کا عقد نوشہ ہذا کے ساتھ کر دیجئے، قاضی صاحب نے بعد طے ہونے گفت گو عقد اور تعین مہر مبلغ ایک لاکھ روپے اور بیس دینار سرخ سوائے نان نفقہ کے نوشہ کی طرف متوجہ ہو کر خیال کیا کہ کنگنہ جو ہاتھ میں دُولہا کے بندھا تھا وہ کھول کر علیحدہ رکھ دیا اور سہرا کو لوٹ کر شملہ پر لپیٹ دیا اور یہ کلمات فرمائے کہ فلاں شخص کی دختر کو بوکالت فلاں شخص اور بہ گواہی فلاں فلاں شخص کے بالعوض اس قدر مہر سوائے نان نفقہ کے بیچ نکاح تیرے کے دی میں نے، قبول کی تُو نے۔ اس نے کہا قبول کی میں نے۔ بعد کو وکیل صاحب مع گواہوں کے چلے گئے، اور قاضی صاحب بھی اپنا حقِ نکاح خوانی مع دُو رکابی پلاؤ کے لے کر تشریف لے گئے۔ دُولہا نے وُہ کنگنہ پھر اپنے ہاتھ میں باندھ لیا، آیا یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اور جو کہ اولاد ہُوئی وہ حرام کی ہوئی یا حلال کی ہُوئی؟ اور قول زید کا یہ ہے کہ نکاح درست نہیں ہوا اور جو کہ اولاد ہُوئی وہ حرامی ہُوئی اور شناخت حرام اور حلال کی یہ ہے کہ جو اولاد ایسے نکاحوں سے ہوتی ہے اُن سے اکثر یہ فعل سرزد ہوتے ہیں جیسے زنا یا شراب خوری یا قمار بازی یا لواطت؛ سوا اس کے جو فعل ناشائستہ ہیں وُہ سرزد ہوتے ہیں یا کہ والدین سے جنگ جدال کرنا اور بزرگ کا لحاظ پاس نہ کرنا، یہ فعل اولاد صالح اور حلال سے ہرگز عمل میں نہیں آئیں گے۔ اور قول عمرو کا یہ ہے کہ کچھ اس نکاح میں قباحت نہیں اور نہ اولاد حرام ہوسکتی ہے کیونکہ قدیم سے یہی رسم چلی آئی، اگر ایسا ہو تو سب مخلوق خدا حرامی ہوگی۔ آیا قول زید کا درست ہے یا عمرو کا؟ اور قول زید کا یہ ہے کہ بالفرض کنگنہ بھی نہیں ہے اور نکاح بھی اصالۃً یا ولایۃً یا کہ جو وکیل ہے اسی نے ایجاب قبول کرایا اور بعد اس کے کلمات کفر کے طرفین سے خواہ شوہر یا عورت سے سرزد ہُوئے اور ان کو تمیز نہیں ہے کہ یہ کلمات کفر ہیں جب بھی نکاح جاتا رہے گا اور جو قبل از توبہ اور سرِ نو ایجاب قبول کرنے کے اولاد ہوگی وُہ بھی حرامی ہوگی۔ بینوا توجروا من اللہ۔

الجواب

ظاہر ہے کہ عورت سے اذن بھی لیا جاتا ہے کہ عاقلہ بالغہ ہو، اور بیشک عاقلہ بالغہ کا اذن شرعاً معتبر اور بیشک دوشیزہ کا سکوت بھی اذن۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم البکر تستأذن فی نفسھا واذنھا صماتھا[1] رواہ احمد والستۃ

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: باکرہ لڑکی سے اس کی ذات کے بارے میں اجازت لی جائے اور اجازت کے جواب میں خاموشی باکرہ کی

[1] صحیح مسلم باب استیذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۵

الا البخاری عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

اجازت ہوگی۔ امام احمد نے اور صحاح ستہ میں ماسوائے بخاری کے اس کو ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

مگر یہ اسی وقت ہے جبکہ ولی اقرب اس سے اذن لے ورنہ مجرد خاموشی اذن نہ ٹھہرے گی۔ دُرمختار میں ہے:

فان استاذنها غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرۃ لسکوتها[1] الخ۔

اگر باکرہ سے ولی اقرب کا غیر مثلاً کوئی اجنبی یا ولی بعید اجازت طلب کرے تو یہاں باکرہ کی خاموشی رضا میں معتبر نہیں الخ (ت)

اور بیشک اکثر لوگ جو وکیل کئے جاتے ہیں اجنبی یا ولی بعید ہوتے ہیں تو ایسی حالت میں اگر انھوں نے اذن لے لیا اور دوشیزہ نے سکوت کیا تو سرے سے انھیں کے لئے وکالت ثابت نہ ہوئی اور اگر اس نے صاف "ہوں" کہہ دیا یا ولی اقرب کے اذن لینے پر سکوت کیا تو اس کے لیے وکالت حاصل ہوگئی مگر وکیل بالنکاح کو شرعاً اتنا اختیار ہے کہ خود نکاح پڑھائے نہ کہ دوسرے کو پڑھانے کی اجازت دے جب تک ماذونِ مطلق یا صراحۃً دوسرے کو وکیل کرنے کا مجاز نہ ہو بغیر اس کے اگر اس نے دوسرے سے پڑھوایا تو صحیح مذہب پر نکاح بلا اذن ہو گا اگرچہ عقد اس کے سامنے ہی واقع ہو۔

فی رد المحتار عن العلامۃ الرحمتی عن العلامۃ الحموی عن کلام الامام محمد فی الاصل ان مباشرۃ وکیل الوکیل بحضرۃ الوکیل فی النکاح لاتکون کمباشرۃ الوکیل بنفسہ بخلافہ فی البیع[2] الخ اقول[1] نص الغمز عن الولوالجیۃ ھکذا الوکل رجلا فوکل الوکیل غیرہ وفعل الثانی بحضرۃ الاول فان کان بیعا اوشراء یجوز وماعدا البیع والشراء من الخصومۃ والتقاضی والنکاح والطلاق وغیر ذٰلک

ردالمحتار میں علامہ رحمتی نے علامہ حموی کے حوالے سے اصل (مبسوط) میں ذکر شدہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا کلام نقل کیا ہے کہ نکاح میں خود وکیل کی موجودگی میں وکیل کی بات معتبر نہیں ہے، بیع کا معاملہ اس کے برخلاف ہے اقول میں کہتا ہوں کہ غمز نے ولوالجیہ سے یُوں نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے کسی کو اپنا وکیل بنایا اور وکیل نے کسی دوسرے کو اپنا وکیل بنالیا اور اگر دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کی موجودگی میں عمل کیا تو ایسی صورت میں اگر بیع وشراء کا معاملہ ہو تو جائز ہے اور اس کے علاوہ دیگر امور مثلاً عدالتی مطالبہ، نکاح،

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۰

ذکر عصام فی مختصرہ انہ یجوز، وذکر
محمد فی الاصل انہ لا یجوز فانہ قال
اذا فعل الثانی بحضرۃ الاول لم یجز
الا فی البیع والشراء وھو الصحیح[1]
اھ ملخصا، فاذا کان ھذا ھو مفاد
الاصل وقد ذیل بالتصحیح فانقطع
الخلاف واضمحلت الروایۃ النادرۃ
وسقط ما فی الخانیۃ فکیف بما فی
القنیۃ وان ایدہ العلامۃ الطحطاوی
وترکہ علامۃ البحر فی البحر
والمحقق العلائی فی الدر مستشکلا
ولا غرو فقد شھدت کلماتھم
رحمھم اللہ تعالٰی انھم لم
یطلعوا اذ ذاک علی کلام الاصل
اصلا حیث لم یلموا بہ الماما
ولا اشتموا منہ اشماما، ولکن
العجب من خاتمۃ المحققین
العلامۃ الشامی قدس سرہ السامی
حیث اورد کلام الاصل ثم لم یسمح الا باستظھار
عدم الجواز مریدا بہ عدم النفاذ اذ العقد عقد
فضولی فکانہ اقتصر علی النقل عن العلامۃ مصطفی
ولو راجع الغمز لرأی تصحیح الامام الولوالجی
بما فی الاصل ومعلوم ان

طلاق وغیرہ ہوں تو عصام نے اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے
کہ ان امور میں بھی اس کا عمل جائز ہے اور امام محمد
رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل میں ذکر کیا ہے کہ یہ جائز نہیں
ہے تو یوں فرمایا کہ اگر دوسرا وکیل پہلے وکیل کی موجودگی
میں عمل کرے تو بیع وشراء کے علاوہ میں جائز نہیں ہے
اور یہی صحیح ہے اھ ملخصاً۔ جب اصل (مبسوط) کا
مفاد یہی ہے اور اسی ضمن میں اس کی تصحیح کر دی گئی ہے
تو اس کا خلاف ختم اور نادر روایت کمزور ثابت ہوگئی
اور خانیہ کا بیان ساقط ہوگیا، تو اب قنیہ کے بیان
کی کیا حیثیت ہے اگرچہ علامہ طحطاوی نے اس کی
تائید کی ہے اور پھر اس کو علامہ بحر نے بحر میں اور
محقق علائی نے دُر میں باعث اشکال قرار دیا ہے اور
کوئی بعید نہیں ان حضرات نے اصل کے بیان پر اطلاع
نہ پائی ہو جیسا کہ ان حضرات کے کلام سے عیاں ہو رہا ہے
کہ انھوں نے اصل کے مضمون کو چھوا تک نہیں ہے
لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے بارے میں
تعجب ہے کہ انھوں نے اصل کے بیان کو ذکر کرنے
کے باوجود عدم جواز کے اظہار کے علاوہ کچھ تعرض نہ فرمایا
حالانکہ وہ اس کے نفاذ کے خواہاں نہیں ہیں کیونکہ
دوسرے وکیل کا نکاح میں یہ عمل عقدِ فضولی ہے
معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شامی نے علامہ مصطفٰی کی نقل
کو کافی سمجھا اور اگر وہ غمز کی طرف رجوع کرتے تو امام
ولوالجی کا اصل کی عبارت کو صحیح قرار دینا دیکھ لیتے

---

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۱

رواية الاصول اذا صححت سقطت كل رواية سواها فكان السبيل الجزم دون مجرد الاستظهار، والله ولى التوفيق۔

کیونکہ یہ بات مسلّمہ ہے کہ جب اصول کی روایات کی تصحیح ہوجائے تو باقی تمام روایات ساقط قرار پاتی ہیں اس لیے مناسب تھا کہ علامہ شامی صرف اظہار کی بجائے اپنے جزم کو کام میں لاتے، اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ (ت)

بہرحال مذہب راجح پر یہ نکاح نکاحِ فضولی ہوتے ہیں اور نکاحِ فضولی کو مذہب حنفی میں باطل جاننا محض جہالت وفضولی بلکہ باجماعِ ائمہ حنفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم منعقد ہوجاتا ہے اور اجازت اصیل پر (کہ یہاں وُہ عورت ہے جس کے بے اذن اُس کا نکاح غیر وکیل نے کردیا) موقوف رہتا ہے اگر وُہ اجازت دے نافذ ہوجائے اور رَد کردے تو باطل،

كما هو حكم تصرفات الفضولى جميعا عندنا كما صرح به فى عامة كتب المذهب۔

جیسا کہ فضولی کے تمام تصرفات کا ہمارے ہاں حکم ہے جس کی تمام کتبِ مذہب میں تصریح ہے (ت)

عالمگیری میں ہے،

لايجوز نكاح احد على بالغة صحيحة العقل من اب اوسلطان بغير اذنها بكرا كانت اوثيبا فان فعل ذلك فالنكاح موقوف على اجازتها فان اجازته جاز وان ردته بطل كذا فى السراج الوهاج[1]۔

عاقلہ بالغہ کی مرضی کے خلاف باپ یا حاکم کا کیا ہُوا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوگا خواہ وُہ عاقلہ بالغہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ اگر ایسا ہوا تو اس کی اجازت پر موقوف ہوگا، وہ جائز قرار دے تو جائز ہوگا ورنہ اگر رد کردے تو وُہ نکاح باطل ہوجائیگا' سراج وہاج میں یوں ہی ہے۔ (ت)

پھر اجازت جس طرح قول سے ہوتی ہے مثلاً عورت خبرِ نکاح سُن کر کہے میں نے جائز کیا یا اجازت دی یا راضی ہوئی یا مجھے قبول ہے یا اچھا کیا یا خدا مبارک کرے الٰی غیر ذلك من الفاظ الرضا (علاوہ ازیں تمام وُہ الفاظ جو رضا پر دلالت کرتے ہیں۔ ت) یُونہی اس فعل یا حال سے بھی ہوجاتی ہے جس سے رضامندی سمجھی جائے مثلاً عورت اپنا مہر مانگے یا نفقہ طلب کرے یا مبارکباد لے یا خبرِ نکاح سُن کر خوشی سے ہنسے یا مسکرائے یا اپنا جہیز شوہر کے گھر بھجوائے یا اس کا بھیجا ہُوا مہر لے لے یا اسے بلا جبر واکراہ اپنے ساتھ جماع یا بوس وکنار ومساس کرنے دے یا تنہا مکان میں اپنے ساتھ خلوت میں آنے دے یا اُس کے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۷

کام خدمت میں مشغول ہو جبکہ نکاح سے پہلے اس کی خدمت نہ کیا کرتی ہو و نحو ذٰلك من كل فعل يدل على الرضا (اور یونہی اس قسم کے تمام وہ افعال جو رضامندی پر دلالت کرتے ہیں۔ ت) ان سب صورتوں میں وہ نکاح کہ موقوف تھا جائز و نافذ و لازم ہو جائے گا۔ عالمگیری میں ہے:

كما يتحقق رضاها بالقول كقولها رضيت وقبلت واحسنت واصبت و بارك الله لك اولنا ونحوه يتحقق بالدلالة كطلب مهرها ونفقتها و تمكينها من الوطى و قبول التهنئة والضحك بالسرور من غير استهزاء كذا في التبيين[1]۔

جیسا کہ، میں راضی ہوں، میں نے قبول کیا، تُو نے اچھا کیا، تُو نے درست کیا، اللہ تعالٰی تجھے برکت دے یا ہمیں برکت دے جیسے الفاظ سے عاقلہ بالغہ کی رضامندی ثابت ہوتی ہے یُوں ہی ان افعال سے دلالۃً رضا ثابت ہوگی مثلاً مہر طلب کرنا، نفقہ طلب کرنا، وطی کی اجازت دینا، مبارکباد قبول کرنا، خوشی سے ہنسنا وغیرہ، جیسا کہ تبیین میں ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

وان تبسمت فهو رضا هو الصحيح من المذهب ذكره شمس الائمة الحلوانى كذا في المحيط[2]۔

اگر وہ خوشی سے تبسم کرے تو وہ رضا ہے، یہی صحیح مذہب ہے، اس کو شمس الائمہ حلوانی نے ذکر کیا جیسا کہ محیط میں ہے (ت)

خانیہ میں ہے:

الرضا باللسان او الفعل الذى يدل على الرضا نحو التمكين من الوطى و طلب المهر و قبول المهر دون قبول الهدية وكذا في حق الغلام[3]۔

رضا زبانی اور عملی دونوں طرح ہوتی ہے یہ ان امور میں ہے جو رضا پر دلالت کریں، جیسے وطی کی اجازت، مہر طلب کرنا، مہر کو وصول کر لینا، بخلاف ہدیہ قبول کرنے کے کہ یہ نکاح پر رضامندی نہ ہوگی۔ لڑکے کے بارے میں بھی ایسا ہی ہے۔ (ت)

حاشیہ طحطاویہ میں زیرِ قول درمختار وقبول التهنئة والضحك سرورا ونحو ذٰلك (مبارکباد قبول کرنا، ہنسنا خوشی میں وغیرہ۔ ت) ہے كامرها بحمل جهازها الى بيت الزوج[4] (جیسے لڑکی کا جہیز کے سامان

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الرابع فی الاولیاء — نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۹

[2] " " " " " " — " " " ۱/۲۸۷

[3] فتاوٰی قاضی خان فصل فی شرائط النکاح — نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۸

[4] حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار کتاب النکاح باب الولی — دار المعرفۃ بیروت ۲/۳۲

کو خاوند کے ہاں منتقل کرنے کا کہنا۔ت) ردالمحتار میں ہے:

فی البحر عن الظھیریۃ لوخلاھا برضاھا ھل یکون اجازۃ لاروایۃ لھذہ المسئلۃ وعندی ان ھذا اجازۃ اھ وفی البزازیۃ الظاھر انہ اجازۃ اھ[۱] مافی الشامیۃ اقول[۲۲] ومن ھٰھنا زدت المس والتعانق والتقبیل لان الخلوۃ برضاھا لما کانت امارۃ الرضا فھذہ الافعال اجدر واحری کما لایخفی۔

بحر میں ظہیریہ سے منقول ہے کہ لڑکی کی رضامندی سے وہ شخص خلوت کرلے تو کیا یہ لڑکی کی طرف سے نکاح کو جائز قرار دینا ہے یا نہیں تو اس مسئلہ کی روایت نہیں ہے اور میرے نزدیک یہ اجازت ہے اھ، بزازیہ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ اجازت ہوگی اھ شامی کی عبارت ختم ہوئی۔ **اقول** یہاں پر میں نے چھونا معانقہ، بوسہ کو مزید بڑھایا کیونکہ جب خلوت رضا کی دلیل ہے تو یہ امور رضا پر دال ہونے میں زیادہ واضح ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔(ت)

حاشیتین علامہ طحطاوی وشامی میں ہے:

قولہ بخلاف خدمتہ ای ان کانت تخدمہ من قبل ففی البحر عن المحیط والظھیریۃ ولو اکلت من طعامہ اوخدمتہ کما کانت فلیس برضی دلالۃ اھ[۲]

ماتن کے قول "لڑکی کا خدمت کرنا" اس کے خلاف ہے یعنی اگر لڑکی نکاح سے پہلے اس شخص کی خادمہ تھی، تو اس بارے میں بحر، محیط اور ظہیریہ سے منقول ہے کہ اگر لڑکی نے اس شخص کا کھانا کھایا یا اس کی خدمت کی تو یہ رضا پر دلیل نہ ہوگی اھ(ت)

ہمارے بلاد میں عام لوگوں خصوصاً شریفوں خصوصاً اغنیاء میں اگرچہ یہ اکثر باتیں شبِ زفاف بلکہ مدت تک اُس کے بعد بھی واقع نہیں ہوتیں، اور بوس وکنار ومساس وجماع جو اس شب ہوتے ہیں غالباً نہایت اظہارِ کراہت ونفرت کے ساتھ ہوتے ہیں جن کے باعث انھیں دلیلِ رضا ٹھہرانے میں دقت ہے مگر اس میں شبہ نہیں کہ شوہر کو شبِ زفاف تنہا مکان میں اپنے پاس آنے دینا اور اس خلوت پر سوا شرم کے کوئی اثر مترتب نہ ہونا یقیناً ہوتا ہے نکاح نافذ ہوجانے کے لیے اسی قدر بس ہے اور یہ امر قطعاً پیش از جماع واقع ہوتا ہے تو جماع بعد نفاذ ولزوم نکاح واقع ہوا اور اولاد اولادِ حلال ہوئی بلکہ[۲۳] اگر مقاصد شرع مطہر اور اپنے بلاد کے حالات کو پیش نظر رکھ کر نگاہ دقیق فقہی سے کام لیجئے تو شبِ اول شوہر کو اپنے ساتھ جماع پر قدرت دینا بھی حقیقۃً رضا ہے

---

[۱] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۱

[۲] " " " " ۲/ ۳۰۲

حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب النکاح دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۲

اگرچہ بظاہر ہزار اظہارِ تنفر کے ساتھ ہو کہ یہ کراہتیں جیسی ہوتی ہیں سب کو معلوم ہے حقیقتِ حال یوں منکشف ہو کہ اس مرد کی جگہ کسی اجنبی کو فرض کیجئے جس سے اس کا نکاح نہ کیا گیا ہو کیا اس وقت بھی یہ ایسی ہی ظاہری کراہتوں پر قناعت کرکے بالآخر جماع پر قدرت دے دے گی حاشا وکلا، تو صاف ثابت کہ یہ سب امور حقیقۃً قبولِ نکاح سے ناشی ہوتے **بلکہ**[۲۴] اس سے پہلے رخصت ہو کر جانا بھی اگرچہ بوجہ مفارقتِ اعزہ وخانۂ مالوفہ نہایت گریہ وبکا کے ساتھ ہو انصافاً دلیلِ رضا ہے کہ اگر اُسے اپنا شوہر ہونا پسند نہ کرتی اجنبی جانتی ہرگز زفاف کے لیے رخصت ہو کر اس کے یہاں نہ جاتی **بلکہ**[۲۵] اس سے بھی پہلے آرسی مصحف یعنی جلوہ کی رسم جہاں ہے بشرطیکہ عورت پہلے سے اس کے سامنے نہ آتی ہو وہ بھی دلیل قبول ہے کہ اگر غیر مرد سمجھتی زنہار منہ دکھانے پر راضی نہ ہوتی **اسی**[۲۶] طرح مُٹھی کھلوانے وغیرہ کی رسمیں بھی کہ جلوہ سے بھی پیشتر ہوتی ہیں دلالت وعلامت قرار پاسکتی ہیں اور ان تمام باتوں میں بکر وثیب یکساں ہیں کہ ان میں صرف مسئلہ سکوت میں فرق ہے باقی دلالتیں دونوں میں برابر ہیں تبیین الحقائق میں ہے:

لافرق بینھما فی اشتراط الاستئذان والرضا وان رضاھما قد یکون صریحا وقد یکون دلالۃ غیر ان سکوت البکر رضا دلالۃ لحیائھا دون الثیب[۱]۔

باکرہ اور ثیبہ دونوں کا معاملہ اجازت طلب کرنے اور رضا حاصل کرنے میں مساوی ہے اور ان کی رضا کبھی صراحۃً اور کبھی دلالۃً ہوتی ہے ہاں صرف اجازت کے موقعہ پر سکوت کے بارے میں فرق ہے کہ باکرہ کا سکوت اس کے حیاء کی وجہ سے رضا کی دلیل ہے مگر ثیبہ کیلئے نہیں۔(ت)

غرض جب شرع سے قاعدہ کلیہ معلوم ہولیا کہ جس فعل سے اس نکاح پر عورت کی رضا ثابت ہو اذن واجازت ہے اور بنظرِ تحقیق وانصاف جب اُس شخص اور مرد اجنبی کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو یہ امور دلیلِ رضا وقبول نکلتے ہیں تو نفاذِ نکاح کا انکار نہ کرے گا مگر جاہل **بلکہ**[۲۷] جب یہ طریقۂ نکاح ہمارے بلاد میں عام طور پر رائج اور معلوم ہے کہ وکیل خود نہ پڑھائے گا دوسرے سے پڑھوائے گا تو کہہ سکتے ہیں کہ ضمن اذن میں دوسرے کو اذن دینے کا بھی عرفاً اذن مل گیا فان المعروف کالمشروط کما ھو من القواعد المقررۃ الفقھیۃ (جیسا کہ فقہی قواعد میں ہے کہ معروف، مشروط کی طرح ہے (یعنی عرف میں مقررہ امور بغیر ذکر بھی معتبر ہونگے)۔ت) اور وکیل کو جب اذن توکیل ہو تو بیشک اُسے اختیار ہے کہ خود پڑھائے یا دوسرے کو اجازت دے فی الاشباہ لایوکل الوکیل الا باذن او تعمیم[۲] (اشباہ میں ہے کہ کوئی وکیل اپنا نائب وکیل مؤکل کی

---

[۱] تبیین الحقائق | باب الاولیاء والاکفاء | المطبعۃ الکبری الامیریۃ مصر | ۲/ ۱۱۹
[۲] الاشباہ والنظائر | کتاب الوکالۃ | ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی | ۲/ ۶

اجازت یا عمومی اختیار کے بغیر نہیں بنا سکتا ہے۔ ت) اس تقدیر پر یہ نکاح سرے سے نافذ و لازم واقع ہوا جس کی تنفیذ میں ان تدقیقات کی اصلاً حاجت نہ رہی مگر یہ جب ہی کہہ سکیں گے کہ اس طریقہ نکاح کی شہرت ایسی علم ہو کہ کنواری لڑکیاں بھی اس سے واقف ہوں اور جانتی ہوں کہ وکیل خود نہ پڑھائے گا دوسرے سے پڑھوائیگا

والا لو یکن معروفا عندھن فلا یجعل کالمشروط فی حقھن تأمل و راجع مسئلة سعر الخبز وغیرہ فی البلد۔

ورنہ یہ لڑکیوں کے ہاں معروف نہیں ہوگا اس لیے ان کے حق میں مشروط کی طرح نہ ہوگا، غور کرو اور شہر میں روٹی کے بھاؤ وغیرہ کے مسئلہ کی طرف رجوع کرو۔ (ت)

یہ سب اُس تقدیر پر ہے کہ وکیل اصلی نے بعد نکاح کوئی کلمہ ایسا نہ کہا جو اس نکاح کی اجازت ٹھہرے ورنہ خود اسی کے جائز کرنے سے جائز ہو جائے گا اگرچہ اسے اذن توکیل اصلاً نہ ہو۔

فی الاشباہ الوکیل اذا وکل بغیر اذن و تعمیم واجاز ما فعلہ وکیلہ نفذ الا الطلاق و العتاق[1]

اشباہ میں ہے کہ اگر موکل کی اجازت کے بغیر یا عمومی اختیار حاصل کئے بغیر وکیل نے از خود دوسرا وکیل بنا لیا تو دوسرے وکیل کے لیے عمل کو پہلے وکیل نے جائز قرار دیا تو یہ عمل نافذ ہو جائے گا ماسوائے طلاق اور عتاق کہ ان میں نافذ نہ ہوگا۔ (ت)

حموی میں ہے:

وکذا لو عقد اجنبی فاجاز الاول[2]

یوں ہی اگر وکیل کے لیے کسی اجنبی نے عمل کیا تو وکیل نے اسے جائز قرار دیا۔ (ت)

غرض ہر طرح پیش از جماع ان نکاحوں کے نافذ و لازم ہونے میں شبہہ نہیں تو اولاد قطعاً اولادِ حلال **اور بالفرض** ان باتوں سے قطع نظر کیجئے اور بتقدیر باطل ہی مان لیجئے کہ اصلاً ان امور سے کچھ واقع نہیں ہوتا تاہم جب ان بلاد میں عام مسلمین کو اس میں ابتلا ہے تو راہ یہ تھی کہ اس روایت پر عمل کریں جسے امام عصام نے اپنے متن میں اختیار فرمایا اور امام فقیہ النفس قاضی خاں نے اپنے فتاوی اور زاہدی نے قنیہ میں اس پر جزم کیا اور علامہ سیدی احمد طحطاوی نے اُس کی تائید کی یعنی وکیل بالنکاح جب دوسرے کو نکاح پڑھانے کی اجازت دے اور وہ اس کے سامنے پڑھا دے تو نکاح جائز و نافذ ہو جائے گا اگرچہ وکیل کو

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۱-۱۰

[2] غمز عیون البصائر شرح اشباہ والنظائر " " " " ۲/ ۱۱

اذنِ توکیل نہ ہو۔

اما روایة عصام فقد سمعت، و اما الامام فقیه النفس فقال فی وکالة الخانیة الوکیل بالتزویج لیس له ان یؤکل غیرہ فان فعل فزوج الثانی بحضرة الاول جاز[1] اھ واما القنیة ففی الدر لو استأذنها فسکتت فوکل من یزوجها ممن سماہ جاز ان عرفت الزوج والمھر کما فی القنیة، و استشکله فی البحر بانه لیس للوکیل ان یوکل بلا اذن فمقتضاہ عدم الجواز او انھا مستثناة[2] اھ قال ط قوله فمقتضاہ عدم الجواز قد یقال ان الوکیل فی النکاح وان تعدد سفیر و معبر و الحقوق ترجع الی الموکل فاذا لاضیر فی تعددہ لاسیما والزوج والمھر معلومات ویؤید ذلك ما ذکرہ المص والشارح فی الوکالة حیث قالا الوکیل لایوکل الا باذن آمرہ الا اذا وکله فی دفع زکاة فوکل اٰخر

لیکن عصام کی روایت تو آپ نے سُن لی مگر امام فقیہ النفس (قاضی خاں) تو اُنھوں نے خانیہ کے باب وکالت میں فرمایا کہ نکاح کے وکیل نے اگر کسی کو وکیل بنایا تو یہ اس کو جائز نہیں، اور بنالیا تو دوسرے نے اگر پہلے کی موجودگی میں نکاح کیا تو جائز ہوگا اھ مگر قنیہ، تو دُر میں ہے کہ اگر وکیل نے لڑکی سے اذن لینا چاہا تو لڑکی خاموش رہی اور وکیل نے دوسرے شخص کو نامزد کیا تاکہ وُہ اس لڑکی کا نکاح کرے تو لڑکی کو اگر زوج کا نام اور مہر معلوم ہوجائے تو اس دوسرے وکیل کا کیا ہُوا نکاح جائز ہوگا، جیسا کہ قنیہ میں ہے، اس پر بحر میں اشکال کیا کہ وکیل از خود دوسرا وکیل نہیں بنا سکتا، لہٰذا اس بنا پر دُوسرے کا نکاح صحیح نہیں ہونا چاہیے، یا یہ صورت مستثنٰی قرار دی جائے اھ، اس پر طحطاوی نے فرمایا کہ اس کا قول، عدم جواز چاہیے، اس پر یُوں کہا جاسکتا ہے کہ نکاح کا وکیل صرف سفیر اور معبّر ہوتا ہے وہ اگر متعدد بھی ہوں تو حقوق صرف موکل کی طرف راجع ہوتے ہیں، تو یہ زیادہ بھی ہوں تو کوئی مضر نہیں خصوصاً جبکہ لڑکی کو خاوند اور مہر کا علم ہوجائے، اس کی تائید مصنف اور شارح کے اس بیان سے ہوتی ہے جو انھوں نے وکالت کی بحث میں ذکر کیا ہے جہاں پر انھوں نے

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوکالة فصل فی التوکیل بالنکاح نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۸۰

[2] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

والوکیل بقبض الدین اذا وکل من فی عیالہ والا عند تقدیر الثمن من المؤکل للوکیل فیجوز التوکیل بلا اجازۃ لحصول المقصود اھ ففی مسئلتنا ھذہ تظھر ھذہ العلۃ وھی کالمسئلۃ الاخیرۃ بجامع التعیین فی کل فتکون مستثناۃ فتعین الجواب الثانی فی الشرح فتأمل[1] اھ ما فی ط۔

فرمایا کہ وکیل بغیر اجازت دوسرا وکیل نہیں بنا سکتا مگر جب کسی وکیل نے زکوٰۃ دینے کے لئے کسی کو اور قرض وصول کرنے میں وکیل نے اپنے عیال کو اور وکیل کیلئے مؤکل کی طرف سے ثمن طے کردینے کے بعد کسی دوسرے کو وکیل بنایا تو بلا اجازت یہ وکالت جائز ہوگی کیونکہ اس سے مقصد پورا ہوجاتا ہے اھ تو ہمارے اس مسئلہ میں بھی یہی علت ظاہر ہوتی اور یہ آخری مسئلہ کی طرح ہے کہ ان میں جامع علت مقصد کی تعیین ہے اس لیے یہ مستثنٰی قرار پائے گا' اور شارح کا جواب ثانی متعین ہوجائے گا، غور کر۔ طحطاوی کا بیان ختم ہوا۔ (ت)

اور اگر بحالت استیذان غیر اقرب سکوت ہو تو روایت امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی موجود کہ مطلقًا سکوت کافی ہے،

فی رد المحتار تحت قولہ استأذنہا غیر الاقرب فلا عبرۃ لسکوتہا الخ وعن الکرخی یکفی سکوتہا فتح[2] اھ۔

ردالمحتار میں "لڑکی سے اجازت حاصل کرے کوئی غیر اقرب شخص، تو اس صورت میں لڑکی کے سکوت کا اعتبار نہیں الخ" کے تحت فرمایا، اور امام کرخی سے ایک روایت میں ہے کہ اس کا سکوت رضامندی کے لیے کافی ہے، فتح اھ (ت)

مقاصد شرع سے ماہر خوب جانتا ہے کہ شریعت مطہرہ رفق وتیسیر پسند فرماتی ہے نہ معاذ اللہ تضییق و تشدید، ولہذا جہاں ایسی دقتیں واقع ہوئیں علمائے کرام انھیں روایات کی طرف جھکے ہیں جن کی بنا پر مسلمان تنگی سے بچیں۔ ردالمحتار کی کتاب الحدود میں ہے:

ھو خلاف الواقع بین الناس وفیہ حرج عظیم لانہ یلزم منہ تاثیم الامۃ[3]۔

یہ لوگوں میں مروج کے خلاف ہے اور بہت بڑا حرج ہے کیونکہ اس سے پوری امت کو گنہگار ٹھہرانا لازم آتا ہے۔ (ت)

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب النکاح باب الولی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۳۰-۲۹

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۱

[3] ردالمحتار کتاب الحدود مطلب فیمن وطئ من زفت الیہ " " " " ۳/ ۱۵۵

اسی کی کتاب الحظر میں ہے :

ھو ارفق باھل ھذا الزمان لئلا یقعوا فی الفسق والعصیان۔[1]

یہ بات موجودہ زمانہ کے لوگوں کے لیے بڑی رعایت ہے تاکہ وُہ فسق اور گناہ میں مبتلا نہ قرار پائیں۔ (ت)

اسی کی کتاب البیوع میں ہے :

لایخفی تحقق الضرورۃ فی زماننا ولاسیما فی مثل دمشق الشام، فانہ لغلبۃ الجھل علی الناس لایمکن الزامھم بالتخلص باحد الطرق المذکورۃ وان امکن ذٰلک بالنسبۃ الی بعض افراد الناس لایمکن بالنسبۃ الی عامتھم وفی نزعھم عن عادتھم حرج وما ضاق الامر الا اتسع ولا یخفی ان ھذا امسوغ للعدول عن ظاھر الروایۃ کما یعلم من رسالتنا المسماۃ نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف فراجعھا[2] اھ ملخصًا۔

ہمارے زمانہ میں اس ضرورت کا پایا جانا واضح ہے خصوصًا شام میں دمشق جیسے شہر کے لیے کیونکہ لوگوں میں جہالت کے غلبہ کی وجہ سے ان کو مذکورہ طریقوں میں سے کسی طریقہ سے باز رہنے کا پابند نہیں کیا جا سکتا، اگرچہ بعض لوگوں کو پابند بنانا ممکن ہے مگر عام لوگوں کے لیے یہ ممکن نہیں ہے، جبکہ عوام کو ان کی عادت سے منع کرنا ان کے لیے تنگی کا باعث ہے، اور جہاں معاملہ تنگ ہوتا ہے تو وُہ وسعت کا باعث ہوتا ہے اور یہ بات مخفی نہ رہے کہ ظاہر روایت سے اختلاف کی وجہ یہی چیز ہوتی ہے جیسا کہ ہمارے رسالہ "نشر العرف فی بناء الاحکام علی العرف" سے معلوم کیا جا سکتا ہے، تو اس کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، اھ، ملخصًا۔ (ت)

پس روشن ہوگیا کہ اگر روایاتِ عصام وکرخی ہی پر مسلمانوں کا ان سخت آفتوں سے بچانا منحصر ہوتا تو اُنھیں پر بنائے کار چاہئے تھی نہ کہ مذاہبِ صحیحہ مشہورۂ معتمدہ پر بالیقین یہ نکاح جائز و نافذ ہوں پھر بزورِ زبان یہاں کے عام مسلمان مردوں، مسلمان عورتوں، خدا کے پاکیزہ بندوں، ستھری بندیوں کو معاذ اللہ زانی و زانیہ و اولاد الزنا قرار دیا جائے، ایسی ناپاک جرأت نہ کرے گا مگر سخت ناخدا ترس۔

یعظکم اللہ ان تعودوا لمثلہ ابدًا ان کنتم مؤمنین۔[3]

اللہ تمھیں نصیحت فرماتا ہے کہ پھر ایسا نہ کہنا اگر ایمان رکھتے ہو۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۵

[2] " " کتاب البیوع مطلب فی بیع الثمر والزرع الخ " " " ۴/ ۳۹

[3] القرآن ۲۴/ ۱۷

اور اس کے باقی ہذیانات کہ ولد حلال و حرام کی تمیز چنیں وچناں ہے کلماتِ جنوں سے بہت مشابہ جو لشدتِ احوال قابلِ جواب نہیں البتہ اس قدر ضرور ہے کہ اس طریقۂ نکاح میں ایک بے احتیاطی ہے جس کے باعث بعض دقتوں میں پڑنے کا احتمال، تو اہلِ اسلام کو ہدایت چاہئے کہ اس سے باز آئیں، تین باتوں سے ایک اختیار کریں:

اولاً سب سے بہتر یہ ہے کہ جس سے نکاح پڑھوانا منظور ہے عورت سے خاص اسی کے نام اذن طلب کریں اور یہ ہمیشہ ہر طریقہ میں ملحوظِ خاطر رہے کہ اذن لینے والا یا تو ولی اقرب یا اس کا وکیل یا رسول ہو یا عورت سے صراحۃً "ہوں" کہلوالیں، مجرد سکوت پر قناعت نہ کریں، اور بعض احمق جاہلوں میں جو یہ دستور سنا گیا ہے کہ دلھن کے سر سے بلا ٹالنے کو پاس بیٹھنے والیوں میں سے کوئی "ہوں" کہہ دیتی ہے اس کا انسداد کریں۔

ثانیاً وکالت دوسرے ہی کے نام کرنا چاہیں تو یوں سہی کہ جس طرح دُلھن سے اس کی وکالت کا اذن مانگیں یونہی اسے اختیارِ توکیل دینا بھی طلب کریں یعنی کہیں تو نے فلاں بن فلاں بن فلاں کو فلاں بن فلاں بن فلاں کے ساتھ اس قدر مہر پر اپنے نکاح کا وکیل کیا اور اسے اختیار دیا کہ چاہے خود پڑھائے یا دوسرے کو اپنا نائب بنائے، دُلھن کہے "ہوں"۔

ثالثاً اگر یہ بھی نہ ہو اور دوسرے ہی شخص نے وکیل کے سامنے نکاح پڑھایا تو جب وہ پڑھا چکے وکیل فوراً اپنی زبان سے اتنا کہہ دے کہ میں نے اس نکاح کو جائز کیا اور اس کہنے میں تاخیر نہ کرے کہ مبادا اس کے جائز کرنے سے پہلے دُلھن کو خبرِ نکاح پہنچے اور اس کی ہم عمریں حسبِ عادتِ زمانہ اُسے کچھ چھیڑیں اور وہ اپنی جہالت سے کوئی ایسی بات کہہ بیٹھے جس سے یہ نکاح کہ اب تک نکاح فضولی تھا رد ہو جائے پھر وکیل تو وکیل خود دُلھن کے جائز کیے بھی جائز نہ ہوگا فان الاجازۃ لاتلحق المفسوخ (کیونکہ فسخ شدہ نکاح کو بعد کی اجازت مفید نہیں ہے۔ت) بخلاف ان تینوں شکلوں کے کہ بالکل اندیشہ و دغدغہ سے پاک ہیں۔

رہا زید کا کنگنے وغیرہ کو ذکر کرنا، وہ محض فضول کہ آخر یہ رسمیں کفر تو نہیں جن کے باعث نکاح نہ ہو۔ ہاں معاذاللہ اگر مرد یا عورت نے پیش از نکاح کفرِ صریح کا ارتکاب کیا تھا اور بے توبہ و اسلام اُن کا نکاح کیا گیا تو قطعاً نکاح باطل، اور اس سے جو اولاد ہوگی ولد الزنا، اسی طرح اگر بعد نکاح اُن میں کوئی معاذاللہ مرتد ہوگیا اور اس کے بعد کے جماع سے اولاد ہوئی تو وہ بھی حرامی ہوگی اس کے سوا وہ کلمات جن پر فتاوٰی وغیرہا میں خلافِ تحقیق حکمِ کفر لکھ دیتے ہیں اور وہ کلمات جن میں کوئی ضعیف مرجوح روایت بھی اگرچہ اورکسی امام کے مذہب میں عدمِ کفر کی نکل آئے اُن کے ارتکاب سے گو تجدیدِ اسلام و نکاح کا حکم دیں مگر اولاد اولادِ زنا نہیں۔

فی الدر المختار وغیرہ مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا وما فیہ خلاف یؤمر بالتوبۃ والاستغفار و تجدید النکاح اھ[1] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

درمختار وغیرہ میں ہے جو چیز بالاتفاق کفر ہو اس کے ارتکاب سے عمل اور نکاح باطل ہوجاتا ہے اور اس کے بعد کی اولاد، ولدِ زنا ہوگی اور جس چیز کے کفر میں اختلاف ہو اس کے ارتکاب پر توبہ واستغفار اور تجدید نکاح کا حکم ہوگا اھ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از رامپور افغاناں فرنگن محل بزریہ ملا ظریف مرسلہ مولوی علیم الدین صاحب چاٹگامی ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس باب میں کہ اس ملک بنگالہ میں زمانہ قدیم سے درمیان عوام بلکہ اکثر خواص کے بھی یہی دستور ہے کہ بعد خواستگاری اور قول اقرار درمیان طرفین اور قبل ایجاب وقبول کے مخطوبہ کو بعد ضیافت براتیان کے مکان میں لاکر اس طور پر نکاح کراتے ہیں کہ چند درمیان عاقدین بالغین و چند بزرگان مجلس کی اجازت سے ایک شخص کو اُس مجلس والے وکیل مخطوبہ قرار دے کر اور دو۲ گواہ یا تین چار گواہ کو اس وکیل کے ساتھ کرکے دُولہا کی مجلس سے مخطوبہ کے پاس جو قریب پردہ کے اندر بیٹھی ہوئی ہے روانہ کرتے ہیں اب یہ وکیل مخطوبہ کے قریب گواہوں کے ساتھ جاکر مخطوبہ سے تین۳ بار اس طرح سے قبول کراتا ہے کہ اے فاطمہ زید کی بیٹی! تُو نے بکر کو جو خالد کا پسر ہے اس قدر مہر پر جو اس کے اُوپر واجب الادا ہوگا اپنی زوجیت میں قبول کیا، تو فاطمہ بآوازِ بلند کہتی ہے کہ میں نے قبول کیا' یا فقط' قبول کیا' کہہ دیا، اور اس قبول مخطوبہ کو گواہان نے بھی سُن لیا اب پھر وُہ وکیل خاطب کی مجلس میں اپنے گواہان کے ساتھ حاضر ہوتا ہے تو جو قاضی عقد کرانے کو دُولھا کے پاس بیٹھا ہے وہ اُس وکیل سے سوال کرتا ہے کہ تُو کون ہے، تو وُہ وکیل جواب دیتا ہے کہ میں فاطمہ مخطوبہ کا وکیل ہوں، تو قاضی دریافت کرتا ہے کہ تُو کیا جانتا ہے تو وہ عرض کرتا ہے کہ فاطمہ دختر زید نے بکر پسر خالد کو اپنی زوجیت میں قبول کیا ہے اور میں نے قبول کرایا ہے، پھر قاضی سوال کرتا ہے کہ تمہارا کوئی گواہ بھی ہے تو وکیل اپنے گواہوں کی طرف اشارہ کرکے بیان کرتا ہے کہ یہ لوگ گواہ موجود ہیں تو قاضی پھر ان گواہوں کی طرف متوجہ ہو کر ہر ایک گواہ سے الگ الگ سوال کرتا ہے اور گواہ لوگ اپنی سماعت بیان کرتے ہیں یعنی فاطمہ نے بکر کو قبول کیا، اب جب قاضی کو سماعتِ شہادت سے فراغت ہُوئی تو بتعلیم قاضی یا خود وکیل مذکور بکر کو قبول

---

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۹

کراتا ہے کہ تُو نے فاطمہ دختر زید کو اس قدر (سَو روپے یا ہزار مثلاً) مہر اپنے ذمّہ لے کر قبول کیا یا قبلت تو بکر اقرار کرتا ہے کہ میں نے ہندہ کو قبول کیا یا فقط قبول کیا یا قبلت کہہ دیا پھر قاضی خطبہ وغیرہ پڑھ کر مجلس عقد ختم کردیتا ہے تو اب صورتِ مذکورہ میں فاطمہ اور بکر کا نکاح منعقد ہُوا یا نہیں، بر تقدیرِ اول بعض علماء کو یہ شبہہ ہے کہ یہ وکیل مذکور نہ تو خاطب کی طرف سے مقرر ہُوا نہ مخطوبہ کی طرف سے، حالانکہ یہ دونوں بالغ ہیں اور بالغ کا نکاح بلا اذن عاقدین کیونکر ہوسکتا ہے، اور بر تقدیرِ ثانی ہزاروں آدمی حرامزادے قرار پاتے ہیں اور یہ ایجاب وقبول مذکور کیا قرار پائیں گے، کیا نکاح مذکور بالکل معدوم قرار دیا جائے گا، کیا نکاح فضولی سے بھی خارج ہوگیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اس مسئلہ میں ابانت جواب اور بتوفیقہ تعالٰی اصابت صواب محتاج نظر غائر وفکر دقیق۔

فاقول[۲۹] وباللہ التوفیق تحقیق مقام یہ ہے کہ سفیر مذکور جسے وُہ عوام وکیل مخطوبہ ٹھہراتے ہیں اس کا مخطوبہ وخاطب دونوں سے خطاب مذکور بصورت استفہام ہے اگرچہ حرف استفہام مقدر ہے اور استفہام عقداً اقسامِ انشا سے دو قسم متباین ہیں تو جہاں حقیقت استفہام مقصود ومفہوم ہو وہ کلام ایجاب یا قبول نہیں قرار پاسکتا، ہاں اگر صورۃً استفہام اور معنیً تحقیقِ عقد مستفاد ہو تو ایجاب یا توکیل متصور ہوگا مگر اس کے لئے قیام قرینہ درکار کما ھو شان کل مجاز (جیسا کہ ہر مجاز کا تقاضا ہے۔ ت) ولہذا علماء فرماتے ہیں اگر زید نے عمرو سے کہا تُو نے اپنی بیٹی میرے نکاح میں دی اس نے کہا "دی" یا "ہاں"، نکاح نہ ہوگا جب تک زید اس کے جواب میں "میں نے قبول کی" نہ کہے۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

ولو قال رجل لاٰخر زوجتنی ابنتك فقال الاٰخر زوجت او قال نعم مجیبا له لم یکن نکاحا ما لم یقل الموجب بعدہ قبلت لان زوجتنی استخبار ولیس بعقد بخلاف زوجنی لانه توکیل[1]

اگر ایک شخص نے دوسرے کو کہا کہ تو نے اپنی بیٹی مجھے نکاح کردی، دوسرے نے جواب میں کہا کہ نکاح کردی' یا "ہاں" کہہ دیا تو نکاح نہ ہوگا جب تک ایجاب کرنے والا بعد میں یہ نہ کہے کہ میں نے قبول کی، کیونکہ پہلے کا یہ کہنا کہ تُو نے اپنی بیٹی مجھے نکاح کردی، یہ صرف طلب خبر ہے عقدِ نکاح نہیں ہے، اس کے برخلاف اگر پہلا یہ کہتا کہ تُو مجھے نکاح کردے، تو اس سے دوسرا وکیل بن جاتا اور اس کا "نکاح کردی" کہنے سے نکاح ہوجاتا۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۷

خلاصہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

رجل قال لأخر دختر خویش فلانہ مرا دہ بزنی فقال دادم وھی صغیرۃ ینعقد النکاح وان لم یقل الزوج قبلت ولوقال دادی لایجوز اذا قال دادم مالم یقل الزوج پذیرفتم الخ۔

ایک شخص نے دُوسرے کو کہا تُو اپنی فلاں لڑکی مجھے بیوی کے طور دے دے، تو دوسرے نے کہا میں نے دی۔ اس صورت میں اگر وُہ لڑکی نابالغہ ہو تو پہلے کے قبلت (میں نے قبول کی) کہے بغیر نکاح ہوجائے گا، اور پہلے نے یہ کہا ہو کہ تو نے مجھے دی ہے تو دوسرے کے "دے دی" کہنے سے نکاح نہ ہوگا جب تک پہلا "میں نے قبول کی" نہ کہے الخ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں و ہندیہ میں امام ابوبکر محمد بن الفضل سے ہے:

اذاقال لاب البنت زوجتنی ابنتک فقال زوجت اوقال نعم لایکون نکاحا الاان یقول له الرجل بعد ذٰلک قبلت لان زوجتنی استخبار ولیس بعقد بخلاف قوله زوجنی لانه توکیل[2] اھ باختصار

جب ایک شخص نے لڑکی کے باپ کو کہا کہ تُو نے اپنی بیٹی مجھے نکاح کر دی، تو دوسرے نے جواب میں کہا میں نے نکاح کر دی یا "ہاں" کہا تو نکاح نہ ہوگا مگر یہ کہ بعد میں پہلا شخص "میں نے قبول کی" کہہ دے تو نکاح ہوجائیگا کیونکہ "تُو نے نکاح کر دی" کا لفظ خبر کے حصول کیلئے ہے اور عقد نکاح نہیں ہے۔ اس کے بخلاف اگر پہلا یوں کہتا "تو مجھے نکاح کر دے" تو بطور توکیل نکاح ہوجاتا ہے اھ اختصاراً (ت)

نیز خانیہ میں ہے:

رجل قال لغیرہ بالفارسیۃ دختر خویش را مرا دادی فقال دادم لایکون نکاحا[3]

ایک شخص نے دوسرے کو فارسی میں کہا تُو نے اپنی لڑکی مجھے دی، تو جواب میں دوسرے نے کہا دے دی، تو نکاح نہ ہوگا۔ (ت)

اسی طرح کتبِ معتبرہ کثیرہ میں ہے، یہ اصل استفہام کا حکم ہے،

فالاطلاق انما ھو بالنظر الی الحقیقۃ

کلام میں اطلاق حقیقی معنٰی کے لحاظ سے ہوتا ہے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی | کتاب النکاح | مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ | ۲/۲

خزانۃ المفتین | " | قلمی نسخہ | ۱/۷۶

[2] و [3] فتاوٰی قاضی خان | " | نولکشور لکھنؤ | ۱/۱۴۹

امالو اطلقت[عہ] فھی مقیدۃ حقیقۃ بما اذا لم یرد بہ التحقیق۔

اور اگر عام کر دیا جائے تو پھر اس وقت حقیقی معنی مراد لینے کے لئے مجازی معنی (تحقیق عقد) مراد نہ ہونے کی قید ضرور ہوگی۔ (ت)

یہی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ہنگام ارادۂ تحقیق عقد تام ہے، فتاوٰی ظہیریہ و خزانۃ المفتین میں ہے:

لوقال بالفارسیۃ دختر خویش مرا دادی فقال دادم لاینعقد النکاح لان ھذا استخبار واستیعاد فلا یصیر وکیلا الا اذا اراد بہ التحقیق دون الاستیام[۱]۔

اگر ایک نے دوسرے سے فارسی میں کہا کہ تُو نے اپنی لڑکی مجھے دی، تو دوسرے نے کہا "دی" تو نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ یہ پہلے کا کلام، طلبِ خبر ہے اور طلب وعدہ ہے لہٰذا اس کلام سے دُوسرا پہلے کے لیے وکیل نہ ہوسکے گا، مگر یہ کہ پہلے نے اپنی کلام سے تحقیق عقد (مجازی معنی) مراد لیا ہو تو نکاح ہوجائے گا اور استفہام کا حقیقی معنی استفسار اور منگنی و استخبار ہو تو نکاح نہ ہوگا (ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

قال لہ دختر خود فلانہ رابمن دہ فقال دادم وھی صغیرۃ انعقد وان لم یقل قبلت لانہ توکیل ولوقال بمن دادی لا الا اذا قال دادم وقال الزوج پذیرفتم، الا اذا اراد بدادی التحقیق[۲]۔

ایک نے دوسرے سے کہا کہ اپنی فلاں لڑکی مجھے دے، تو دوسرے نے جواب میں کہا میں نے دی، تو نابالغہ لڑکی ہو تو نکاح ہوجائیگا اگرچہ پہلے نے اس کے بعد "میں نے قبول کی" نہ کہا ہو کیونکہ "اپنی لڑکی دے" کہنا دوسرے کو وکیل بنانا ہے، اور اگر پہلے نے یہ کہا ہو کہ "تُو نے مجھے دی" تو پھر نکاح نہ ہوگا مگر اس صورت میں جب دوسرے نے "میں نے دی" کہا اور پہلے نے اس کے جواب میں "میں نے قبول کی" کہا ہو، ہاں اگر پہلے نے "دادی" کے لفظ سے استفہام کی بجائے تحقیق عقد مراد لی ہو۔ (ت)

عہ ای جعلت الکلام مطلقا شاملا للحقیقۃ والمجاز بالجملۃ فالتقیید موجب للاطلاق والاطلاق موجب للتقیید فافھم ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

یعنی کلام کو اطلاق پر رکھ کر عام کر دیا جائے یوں کہ حقیقت اور مجاز دونوں کو شامل ہو۔ خلاصہ یہ کہ کلام کو حقیقت سے مقید کرنا، دلالت میں اطلاق کو چاہتا ہے، اور کلام کو عام کرنا (حقیقت و مجاز کو شامل کرنا) عدمِ مجاز کی قید کو چاہتا ہے، غور کرو۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[۱] خزانۃ المفتین کتاب النکاح قلمی نسخہ ۱/۷۶

[۲] فتاوٰی بزازیہ علٰی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۱۰

محیط و ہندیہ میں ہے :

لاینعقد النکاح مالم یقل الخاطب پذیرفتم الا اذا اراد بقوله دادی التحقیق دون السوم[1] الخ۔

منگنی پُوچھنے والا جب تک لڑکی کے باپ کے جواب کے بعد" میں نے قبول کی" نہ کہے گا نکاح نہ ہوگا ، مگر یہ کہ اس کے اس کہنے " مجھے تُونے اپنی لڑکی دی" سے مراد منگنی نہ ہو بلکہ تحقیق مراد ہے الخ (ت)

ذخیرۃ العقبٰی میں ہے :

قوله دادی استخبار فلا یثبت التوکیل به نعم اذا اراد بقوله دادی التحقیق دون السوم ینعقد النکاح وان لم یقل الخاطب پذیرفتم الخ[2]۔

ایک کا کہنا " تُونے دی" یہ طلب خبر ہے اس سے توکیل ثابت نہ ہوگی ۔ ہاں اگر " تُونے دی" سے مراد منگنی کی بجائے تحقیق ہو تو نکاح ہوجائے گا اگرچہ بعد میں یہ کہنے والا " میں نے قبول کی" نہ کہے الخ (ت)

یہی محمل ہے اس فرع ذخیرہ و ہندیہ کا :

قیل لامرأۃ خویشتن را زن من کردی فقالت کردم ینعقد النکاح وکذا لو قال خویشتن را زن من گردانیدی فقالت گردانیدم[3]۔

اگر کسی عورت کو یہ کہا گیا تُونے اپنے کو میری بیوی کردیا تو عورت نے کہا "میں نے کردیا" تو نکاح منعقد ہوجائے گا ، اور یونہی اگر کسی نے عورت کو کہا تُونے اپنے کو میری بیوی بنادیا ، تو عورت نے کہا " میں نے بنادیا" نکاح ہوجائے گا (ت)

اور اس فرع محیط و ہندیہ کا

سئل نجم الدین عمن قال لامرأۃ خویشتن را بهزار درم کابین بمن بزنی دادی فقالت بالسمع والطاعۃ قال ینعقد النکاح ولو قالت سپاس دارم لاینعقد لان الاول

نجم الدین سے سوال کیا گیا کہ جس نے کسی عورت کو کہا کہ تُونے اپنے کو ہزار مہر کے بدلے میری بیوی کردیا تو عورت نے جواب میں کہا " سُنا اور اطاعت کی" تو اُنھوں نے فرمایا : نکاح منعقد ہوگیا ، اور اگر عورت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۷۱

[2] ذخیرۃ عقبٰی " نولکشور کانپور ۲/ ۱۷۶

[3] فتاوٰی ہندیہ " الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۷۱

اجابة والثانی وعد[1] نے جواب میں یوں کہا "پسند کرتی ہوں" تو نکاح نہ ہوگا کیونکہ پہلا جواب، قبولیت ہے اور دوسرا صرف وعدہ ہے۔ (ت)

لاجرم قولِ فیصل یہ قرار پایا کہ مدار کار مفہوم و مستفاد بنظر احوال و قرائن استعمال پر ہے، زید نے کہا تو نے اپنی بیٹی مجھے دی، عمرو نے کہا دی۔ اگر مجلس منگنی کی تھی منگنی ہُوئی اور نکاح کی تھی تو نکاح ہوگیا، درمختار میں ہے:

وکذا (ای فی کونہ ایجابا قولہ) انا متزوجك اوجئتك خاطبا لعدم جریان المساومۃ فی النکاح اوھل اعطیتنیھا ان کان المجلس للنکاح فنکاح وان للوعد فوعد[2]۔

یُوں ہی الفاظِ ایجاب میں سے یہ بھی ہیں "میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں" یا "میں پیغامِ نکاح دینے کے لیے آیا ہوں" یا "کیا تُو نے مجھے لڑکی دی"، ان صُورتوں میں اگر مجلس نکاح ہے تو نکاح قرار پائیگا اور اگر یہ مجلس منگنی ہو تو منگنی قرار پائے گی، کیونکہ نکاح میں بھاؤ جاری نہیں ہوتا صرف منگنی یا نکاح ہوتا ہے۔ (ت)

شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی پھر شرح قدوری للزاہدی پھر القرویہ و واقعات المفتیین میں ہے:

قال لہ ھل اعطیتنیھا فقال اعطیت فان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد النکاح فنکاح[3]۔

ایک نے دوسرے کو کہا تُو نے اپنی لڑکی مجھے دی ہے تو دوسرے نے کہا میں نے دی، تو اگر یہ مجلسِ نکاح ہو تو نکاح ہوگا اور مجلسِ منگنی ہو تو منگنی ہوگی (ت)

فتح القدیر و ردالمحتار میں ہے:

لما علمنا ان الملاحظۃ من جھۃ الشرع فی ثبوت الانعقاد و لزوم حکمہ جانب الرضی عدینا حکمہ الی کل لفظ یفید ذلك بلا احتمال مساو للطرف الاخر فقلنا لو قال بالمضارع ذی الھمزۃ اتزوجك فقالت زوجت نفسی انعقد و

جب ہمیں معلوم ہُوا کہ نکاح کے منعقد ہونے اور اس حکم کے لازم ہونے میں شریعت نے رضا والے پہلو کا لحاظ کیا ہے، تو ہم نے اس پر نکاح بے حکم کو ایسے الفاظ تک پھیلایا جو رضا کے اظہار کا فائدہ دے سکتے ہیں بشرطیکہ یہ رضا کے خلاف کا مساوی طور پر احتمال نہ رکھتے ہوں اس لیے ہم نے یہ کہا کہ اگر کسی نے مضارع واحد متکلم کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے یُوں کہا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۱

[2] درمختار " مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵

[3] فتاوٰی القرویہ " دارالاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ۱/۳۳

فی المبدوء بالتاء تزوجنی بنتك فقال فعلت عندعدم قصد الاستیعاد لانه یتحقق فیه هذا الاحتمال بخلاف الاول لانه لایستخبر نفسه عن الوعد واذا کان کذلك والنکاح مما لایجری فیه المساومة کان للتحقیق فی الحال فانعقد به لاباعتبار وضعه للانشاء بل باعتبار استعماله فی غرض تحقیقه واستفادة الرضی منه حتی قلنا لو صرح بالاستفهام اعتبر فهم الحال قال فی شرح الطحاوی لو قال هل اعطیتنیها فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح اھ[1]

"میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں" تو عورت نے اس کے جواب میں کہا "میں نے اپنا نکاح کیا" تو نکاح ہوجائے گا۔ اگر کسی نے مضارع واحد مخاطب کے صیغہ کو استعمال کیا اور یوں کہا "تُو اپنی بیٹی مجھ سے نکاح کردے گا" تو جواب میں دوسرے نے کہا "میں نے کردیا"، جب اس سے وعدہ کا ارادہ نہ ہو تو یہ الفاظ بھی چونکہ رضامندی کا احتمال رکھتے ہیں اس لیے نکاح ہوجائے گا۔ اس کے بخلاف پہلی صورت میں وعدہ کا احتمال نہیں کیونکہ خود متکلم مضارع کے صیغہ سے اپنی ذات کے بارے میں وعدہ کی خبر نہیں دیتا، جب یہ معاملہ ہے تو اس صورت میں فی الحال نکاح کو قائم کرنا مقصود ہے تو اُسی وقت نکاح ہوجائے گا، کیونکہ نکاح میں مذکورہ الفاظ سے بھاؤ تو مراد نہیں ہوسکتا، تو ایسے الفاظ سے نکاح کا انعقاد اس لیے نہیں کہ یہ الفاظ نکاح کے لیے وضع ہیں بلکہ اس لیے کہ ان الفاظ کا استعمال مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے کیا گیا اور ان سے رضامندی کا اظہار بھی ہوتا ہے، حتی کہ ہم یہ کہیں گے اگر کسی نے ان الفاظ سے صراحۃً استفہام مراد لیا تو پھر حال کا اعتبار کیا جائے گا، طحاوی کی شرح میں فرمایا کہ اگر کسی نے دوسرے کو کہا: "کیا تُو نے اپنی بیٹی مجھے دی ہے" تو دوسرے نے جواب میں کہا کہ "میں نے دی ہے" تو اس صورت میں اگر مجلسِ منگنی ہو تو یہ منگنی ہوگی اور یہ مجلس نکاح ہو تو نکاح ہوگا اھ (ت)

اس تحقیقِ انیق سے عبارات ملتئم ہوگئیں اور حکم منتظم وتمام الکلام علی مسألة الاستفهام فیما علقناه علی رد المحتار (اور مسئلہ استفہام پر مکمل کلام رد المحتار پر ہمارے حاشیہ میں ہے۔ ت) جب یہ اصل منقح ہولی اب صورت مستفسرہ کی طرف چلئے شخص مذکور کہ مجلس خاطب سے اُٹھ کر مخطوبہ کے پاس جاتا ہے جبکہ اس سے پہلے نہ خاطب سے اذن لیا نہ مخطوبہ سے، اور وُہ دونوں بالغ ہیں کہ اُن کے معاملہ میں غیر کا اذن کوئی چیز نہیں تو اُسے وکالت سے کیا علاقہ، یقیناً فضولی محض ہوتا ہے مگر ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم

---

[1] رد المحتار کتاب النکاح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۴

کے نزدیک عقد فضولی محض فضول و نامقبول نہیں بلکہ منعقد ہوجاتا ہے اور اجازتِ صاحبِ اجازت پر موقوف رہتا ہے کما نصوا علیہ فی الکتب قاطبۃ (جیسا کہ فقہائے نے تمام کتابوں میں اس پر نص کی ہے۔ ت) پس اگر اس کلام سے کہ یہ فضولی مخطوبہ سے کہتا ہے تحقیقِ عقد مراد و مفہوم ہوتی تو اُسی وقت انعقادِ نکاح میں شبہہ نہ تھا اس کا کلام ایجاب ہُوا اور مخطوبہ کا جواب قبول، عقد موقوفاً منعقد ہوگیا، اُس کے بعد جب فضولی مذکورہ خواہ دوسرے شخص نے خاطب کو اس کی خبر دی اور اس نے اظہارِ قبول کیا، یہ صراحۃً اس عقد موقوف کی تنفیذ ہُوئی اور نکاح تام و نافذ و لازم ہوگیا، "قبول کیا میں نے" اور "قبول کیا" دونوں یکساں ہیں کہ جب "تو نے قبول کیا" کے جواب میں "قبول کیا" کہا تو اس کے صاف یہی معنی ہوئے کہ "میں نے قبول کیا" لان السؤال معاد فی الجواب (کیونکہ جواب میں سوال کا اعادہ معتبر ہوتا ہے۔ ت)

ذخیرہ و ہندیہ میں ہے:

قیل لامرأۃ خویشتن را بفلاں بزنی دادی فقالت دادو قیل للزوج پذیرفتی فقال پذیرفت ینعقد النکاح وان لم تقل المرأۃ دادم والزوج پذیرفتم[1]

اگر کسی عورت کو کہا جائے کہ "تُو نے اپنے کو فلاں کی بیوی بنا دیا" تو عورت نے جواب میں کہا "بنا دیا" تو خاوند کو کہا گیا "تو نے قبول کی" اس نے کہا "قبول کی" تو نکاح ہوجائیگا اگرچہ عورت اور مرد نے "میں نے قبول کیا" یا "میں نے اپنا نکاح دیا" نہ کہا ہو۔ (ت)

اصلاح و ایضاح میں ہے:

قولھما داد پذیرفت بعد دادی و پذیرفتی ایجاب وقبول لمکان العرف فان جواب مثل ھذا الکلام قد یذکر بالمیم وبدونہ کفروخت وخرید فی البیع[2]

"تُو نے دی، تُو نے قبول کی" کے الفاظ کے بعد صرف "دی" "قبول کی" کہنا عرف کی بنا پر ایجاب قبول ہے، کیونکہ ایسی کلام کے جواب میں متکلم کا صیغہ ضروری نہیں ہے، جیسے بیع میں صرف "خرید و فروخت" کا لفظ استعمال کرلیا جاتا ہے۔ (ت)

اقول جب فارسی میں داد و دادم و پذیرفت و پذیرفتم کا ایک حکم ہے تو اردو میں بدرجۂ اولیٰ فان صیغۃ الماضی بالفارسیۃ للغائب کیونکہ فارسی میں ماضی غائب اور متکلم کا صیغہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۱

[2] اصلاح و ایضاح

غیرھاللمتکلم بخلاف لساننا فانما ھی صیغۃ واحدۃ للغائب والحاضر والمتکلم جمیعا وانما یفرق بالضمائر او ذکر الظاھر الاتری ان الفرس تقول اوکرد و توکردی و من کردم و نحن نقول فی الکل اس نے کیا، تو نے کیا، میں نے کیا وکذٰلک فی الفعل اللازم وہ آیا، تو آیا، میں آیا وانما یفرق فیہ بین الواحد والجمع والمذکر والمؤنث فصیغہ فی اللازم اربع آیا آئی للواحد المذکر والمؤنث و آئے آئیں للجمعین کذٰلک و فی المتعدی صیغۃ واحدۃ للکل وھو کیا مثلاً سواء اسند تہ الی اس او انھوں او تو او ہم للذکر او الذکور او الانثی او الاناث اولھم ذکرانا و اناثا ولا فرق بین الغائب والحاضر والمتکلم فی شیئ منھما اصلا وبہ تبین بطلان ما عم من یزعم ان قول الخاطب قبول کی بدون میں نے لاینعقد بہ النکاح لعدم تعین القابل۔

علیحدہ ہے جبکہ ہماری زبان میں ماضی غائب، حاضر اور متکلم کا ایک ہی صیغہ ہے جو صرف ضمیر یا اسم ظاہر کی تبدیلی میں فرق پیدا کرتا ہے، آپ دیکھیں کہ فارسی والے "او کرد"، "تو کردی" اور "من کردم" ہر ایک کے لیے علیحدہ صیغہ استعمال کرتے ہیں جبکہ ہم سب کے لیے صرف "کیا" کہتے ہیں، اس نے کیا، تو نے کیا، مَیں نے کیا، اور یُوں ہی ہماری زبان میں فعل لازم کا بھی ایک ہی صیغہ ہے جو ضمیر لگانے سے غائب، حاضر اور متکلم کا فرق ظاہر کرتا ہے مثلاً وہ آیا، تُو آیا، میں آیا، البتہ واحد، جمع اور مذکر و مونث کے لحاظ سے لازم کے چار صیغے ہیں۔ آیا، آئی واحد مونث و مذکر کے لیے، آئے اور آئیں جمع مذکر و مونث کے لیے ہیں۔ اور فعل متعدی کا صرف ایک صیغہ ہے۔ اور یہ "کیا" ہے اس کو بھی ضمیر لگاکر واحد مذکر و مونث، جمع مذکر و مونث کے ساتھ غائب، حاضر اور متکلم کا فرق کیا جاتا ہے مثلاً اس نے کیا، تُو نے کیا، میں نے کیا، غرضیکہ اردو میں فعل لازم اور متعدی کے لیے غائب، حاضر اور متکلم کا ضمیروں کے بغیر کوئی فرق نہیں ہے۔ اس بحث سے واضح ہوگیا کہ بعض کا خیال غلط ہے کہ شادی کا پیغام دینے والے پہلے شخص کا دوسرے کے "میں نے دی" کے جواب میں صرف "قبول کی" کہنا کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ "میں نے" ذکر نہ کرے کیونکہ اس سے قبول کرنے والے کا تعین نہیں ہوتا لہذا "میں نے قبول کی" کہنا ضروری ہے (اس خیال کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اردو میں غائب، حاضر اور متکلم کے لیے صیغہ کا فرق نہیں ہے)۔ (ت)

مگر تقریرِ مذکور سوال سے ظاہر یہ ہے کہ فضولی کا مخطوبہ سے وُہ کلام بقصدِ انشائے عقد نہیں ہوتا، نہ وہ مجلس مجلسِ عقد سمجھی جاتی ہے بلکہ اُسے اپنے زعم میں ہندہ سے طلب اذن کی مجلس سمجھتے اور اس گفتگو کو استیذان جانتے اور مجلس عقد مجلس خاطب کو قرار دیتے ہیں جب یہ وہاں سے واپس آکر خاطب سے خطاب کرتا ہے

والہذا پلٹ کر قاضی کے پاس جاتا ہے جو عقد کرانے کو دُولہا کے پاس بیٹھا ہے اور اُس کے سوال پر اپنے آپ کو وکیل مخطوبہ ظاہر کرتا ہے اور اس کے قبول یعنی رضا سے خبر دیتا ہے، ان قرائن واضحہ سے مجلس مخطوبہ کا مجلس عقد نہ ہونا ظاہر، اور لااقل اتنا تو بدیہی کہ ارادہ عقد ظاہر نہیں معنیٰ مجاز مراد نہ ہوسکنے کو اسی قدر بس ہے،

فان المجاز مفتقر الی قرینۃ تظھر ارادتہ فحیث لاقرینۃ ترجح جانبہ لاتصح ارادتہ کما علمت من قول المحقق علی الاطلاق بلا احتمال مساو للطرف الاخر واذا کان الامر علی ماوصفنا لم یصح جعل الاستفہام تحقیقا کما دریت.

کیونکہ مجاز ایسے قرینے کا محتاج ہے جس سے متکلم کا ارادہ واضح ہوسکے، توجہاں ایسا قرینہ نہ ہو جو مراد کو واضح کرسکے وہاں اس معنیٰ مجازی کو مراد نہیں لیاجاسکتا، جیساکہ محقق علی الاطلاق کے قول "غیر کا مساوی احتمال نہ ہو" سے واضح معلوم ہوا، جب معاملہ یہ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے تو استفہام کا مجازی معنیٰ، تحقیق عقد قرینے کے بغیر مراد لینا درست نہ ہوگا، جیساکہ آپ نے سمجھ لیا۔ (ت)

اب قبول مخطوبہ کو ایک رکن عقد یعنی ایجاب قرار دیجئے تو باطل محض ہے کہ اس ایجاب کا قبول جب کر دوسری مجلس خاطب میں ہوگا اور کوئی ایجاب مجلس سے باہر قبول پر موقوف نہیں رہ سکتا

کما نصوا علیہ فی عامۃ الکتب وفی النہر والدر من شرائط الایجاب والقبول اتحاد المجلس[1] وفی التنویر وشرحیہ لایتوقف الایجاب علی قبول غائب عن المجلس فی سائر العقود من نکاح وبیع وغیرھما بل یبطل الایجاب ولا تلحقہ الاجازۃ اتفاقا[2]۔

جیساکہ فقہائے کرام نے عام کتب میں اس کی تصریح کردی ہے۔ نہر اور دُر میں ہے کہ ایجاب و قبول کے معتبر ہونے میں مجلس کا اتحاد ضروری ہے۔ اور تنویر اور اس کی دونوں شرحوں میں ہے کہ ایجاب مجلس سے کسی غائب شخص کے قبول کرنے پر موقوف نہ ہوگا، تمام عقود، نکاح و بیع وغیرہ ہما کا یہی حکم ہے کہ ایجاب بالاتفاق باطل ہوجاتا ہے اور اس کو اجازت لاحق نہیں ہوتی۔

اور اگر توکیل ٹھہرائیے تو اس کی طرف بھی راہ نہیں، توکیل دوسرے کو کسی تصرف جائز معلوم میں اپنا نائب بنانا ہے، انابت کا اصلاً کوئی ذکر نہ کلام شخص مذکور میں تھا نہ کلامِ مخطوبہ میں، تو اس کا حاصل صرف اس قدر ہُوا کہ مخطوبہ نے اس کے سامنے زید کے ساتھ اس قدر مہر پر اپنے نکاح کی رضا ظاہر کی، یہ توکیل نہ ہُوئی۔

---

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الکفاءۃ " " " ۱/۱۹۶

تنویرالابصار میں ہے :

هو اقامة الغیر مقام نفسه فی تصرف جائز معلوم[1]۔

وہ یہ کہ غیر کو کسی تصرف جائز معلوم میں اپنے قائم مقام بنانا۔ (ت)

علماء فرماتے ہیں زید نے عمرو سے کہا کاش! تو میرا نکاح فلاں عورت سے کردیتا، اس نے کردیا، یہ نکاح، نکاحِ فضولی ہوا، حالانکہ یہاں صراحۃً عمرو سے استعانت تھی تو مجرد اس قدر کہ اس نے کہا تو فلاں سے نکاح پر راضی ہے؟ اس نے کہا "ہوں" کیونکر توکیل ہوسکتی ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے :

سئل فی رجل قال کل امرأة اتزوجها فهی طالق ثم قال بمجلس لرجل لیتك تزوجنی فلانة هل اذا زوجه یحنث ام لا اجاب لا یحنث لانه لم یتزوج بل زوجه الزوج فضولی بلاشك والحال هذه[2] الخ۔

ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے کہا ہو کہ جس عورت سے بھی میں نکاح کروں اس کو طلاق ہے پھر اس شخص نے کسی مجلس میں ایک آدمی کو کہا کاش کہ تو فلاں عورت سے میرا نکاح کردے، تو اس آدمی نے اس کا نکاح اس عورت سے کردیا تو کیا حانث ہوگا یعنی اس عورت کو طلاق ہوجائیگی یا نہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس نے خود نکاح نہیں کیا بلکہ اس کا نکاح ایک غیر شخص (فضولی) نے کیا ہے اور بلاشک معاملہ یہی ہے الخ (ت)

بالجملہ اس وقت تک کی جو کارروائی تھی لغو وفضول گئی۔ اب رہا وہاں سے واپسی کے بعد شخص مذکور کا خاطب سے خطاب، یہاں ضرور تحقیق عقد ہی مقصود ہے کہ ان کے زعم میں مجلس مخطوبہ مجلس توکیل تھی اب کہ یہ اپنے نزدیک وکیل بن کر آیا اس مجلس عقد میں عقد کرتا ہے تو یہ استفہام حقیقۃً ایجاب ہوا اور زوج کا کہنا قبول کیا قبول۔

اقول[1] وباللہ التوفیق، تحقیق مقام یہ ہے کہ استفہام ہنگام ارادہ تحقیق مفید معنی امر ہوتا ہے قال اللہ تعالٰی فهل انتم منتهون[3] ای انتهوا اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیا تم باز آؤ گے؟ اس سے مراد

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوکالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۳
[2] فتاوٰی خیریہ کتاب النکاح فصل فی نکاح الفضولی دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۷
[3] تفسیر جلالین تحت الآیۃ فهل انتم منتهون اصح المطابع دہلی ص ۱۰۶

وقال تعالیٰ اتصبرون وکان ربك بصیرا ای اصبروا[1] وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھل انتم تارکوا لی صاحبی[2] ای اترکوا۔

یہ ہے کہ باز آؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم صبر کرو گے؟ اور تیرا رب تعالیٰ بصیر ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ صبر کرو۔ اور رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم مجھے میرے صاحب کے بارے میں چھوڑو گے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ تم چھوڑ دو (ت) تو "تُو نے قبول کیا" بمعنٰی "قبول کر" ہے، اور امر میں اگرچہ ہمارے علمائے مختلف ہوئے کہ وہ توکیل ہے یا ایجاب۔

فی الدر المختار زوجنی او زوجینی نفسك اوکونی امرأتی لیس بایجاب بل توکیل ضمنی وقیل ایجاب ورجحه فی البحر[3] اھ مختصرا وفی رد المحتار مشی علی الاول فی الھدایة والمجمع ونسبه فی الفتح الی المحققین وعلی الثانی ظاھر الکنز و اعترضه فی الدر بانه مخالف لکلامھم واجاب فی البحر والنھر بانه صرح به فی الخلاصة والخانیة قال فی الخانیة و ولفظة الامر فی النکاح ایجاب وکذا فی الخلع والطلاق والکفالة والھبة اھ قال فی الفتح وھو احسن[4] الخ

درمختار میں ہے: تو میرا نکاح کر دے، اے عورت تُو میرا نکاح کر، یا اس کو کہا تُو میری بیوی ہوجا، تو یہ کلمات ایجاب نہ ہوں گے بلکہ ضمناً توکیل ہوگی۔ بعض نے کہا کہ یہ ایجاب ہے، اور بحر میں اسی کو ترجیح دی ہے اھ مختصراً۔ اور ردالمحتار میں ہے کہ ہدایہ اور مجمع میں پہلے قول کو اپنایا ہے اور اس کو فتح میں محققین کی طرف منسوب کیا ہے اور دوسرے پر کنز نے ظاہر کہا ہے، اور اس پر درر میں اعتراض کیا ہے کہ یہ علماء کے قول کے مخالف ہے، اور اس کا جواب بحر اور نہر میں یہ دیا گیا کہ خلاصہ اور خانیہ میں اس پر تصریح کی ہے۔ اور خانیہ میں فرمایا کہ امر کا لفظ نکاح میں ایجاب ہوتا ہے اور خلع، طلاق، کفالہ اور ہبہ میں بھی ایجاب ہے، اور فتح میں فرمایا کہ یہ احسن ہے الخ (ت)

اور قولِ توکیل پر یہاں انعقادِ نکاح میں دقت ہوتی کہ یہ شخص خاطب کو وکیل کرنے والا کون، نکاح کا وکیل

---

[1] تفسیر جلالین | تحت الآیۃ اتصبرون وکان ربك بصیرا | اصح المطابع دہلی | ص ۳۰۴
[2] صحیح بخاری | باب فضل ابی بکر الخ | قدیمی کتب خانہ کراچی | ۵۱۷/۱
[3] درمختار | کتاب النکاح | مجتبائی دہلی | ۱۸۵/۱
[4] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲۶۳/۲

بالنکاح تو دوسرے کو وکیل کرسکتا ہی نہیں، فضولی کیا چیز ہے،

فی الخلاصة لو قال الوکیل بالنکاح ھب ابنتك لفلان فقال الاب وھبت لاینعقد النکاح مالم یقل الوکیل بعدہ قبلت لان الوکیل لایملك التوکیل اھ[1] وان کان یتراءی لی ان لقائل ان یقول لعل لاینعقد فیه بمعنی لاینفذ فانه ان لم یملك کان توکیل فضولی فکان ماذا الا تری ان الفضولی لایملك التزویج ولو زوج لحصل الزواج ولو موقوفا فکذا ینبغی ان تحصل بتوکیله الوکالة وان توقف نفاذہ علی تنفیذ من له التنفیذ قال فی البحر من البیوع الظاھر من فروعهم ان کل ماصح التوکیل به فانه اذا باشرہ الفضولی یتوقف الا الشراء بشرطه[2] اھ ومعلوم ان التوکیل مما یصح به التوکیل فالظاھر الانعقاد موقوفا و ان ارید عدمه اصلا مالم یقل الوکیل قبلت فالتعلیل الصحیح الواضح ما افاد العلامة الفهامة علی المقدسی

خلاصہ میں ہے اگر وکیل نے کسی کو کہا کہ تو اپنی لڑکی فلاں کو دے، تو باپ نے جواب میں "میں نے دی" کہا، تو جب تک اس کے بعد وکیل "میں نے فلاں کے لئے قبول کی" نہ کہے نکاح منعقد نہ ہوگا، کہ وکیل از خود دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا اھ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس پر کوئی معترض یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ جب نکاح کا وکیل دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا تو دوسرا' فضولی قرار پائے گا، اور فضولی کا عقد نافذ نہیں ہوتا اگرچہ عقد کی حد تک ہوجاتا ہے تو یہاں "منعقد نہ ہوگا" کا معنے "نافذ نہ ہوگا" ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ فضولی کو نکاح کردینے کا اختیار نہ ہونے کے باوجود اگر وہ نکاح کردے تو اس کا نفاذ موقوف رہتا ہے تو یہاں بھی وکیل کی توکیل موقوف ہوکر نافذ کرنے والے کی اجازت سے نافذ ہوجائے گی۔ بحر کے بیوع میں کہا ہے کہ فقہاء کرام کے بیان کردہ جزئیات سے ظاہر ہے کہ وہ امور جن میں توکیل جائز ہے اگر ان امور کو فضولی از خود سرانجام دے تو یہ امور موقوف رہیں گے ماسوائے کسی شرط کے ساتھ خرید کے اھ، تو ظاہر ہے کہ وکیل بنانا بھی ان امور میں سے ہے جن میں توکیل جائز ہے، تو ظاہر ہوا یہاں بھی فضولی کا تصرف جائز ہونا موقوف ہوگا، اگر وکیل کی قبولیت کے بغیر باپ کے "دے دی" کہنے سے

---

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب النکاح مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/۳۰

[2] البحرالرائق کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۱۵۱

ان قول الوکیل ھب ابنتك لفلان ظاھر فی الطلب وانہ مستقبل لم یرد بہ الحال والتحقق فلم یتم بہ العقد بخلاف زوجنی بنتك بکذا بعد الخطبۃ ونحوھا فانہ ظاھر فی التحقق والاثبات الذی ھو معنی الایجاب[1] اھ ویعینہ عینا ما فی البحر عن الظھیریۃ لو قال ھب ابنتك لابنی فقال وھبت لم یصح ما لم یقل ابو الصغیر قبلت[2] اھ فلا مساغ ھٰھنا لزعم ان الاب لا یملك التوکیل۔

بالکل نکاح نہ ہونا مراد ہو تو پھر اس کی واضح وجہ وہ ہے جس کو علامہ مقدسی نے بیان فرمایا کہ وکیل کا لڑکی کے باپ کو "اپنی فلاں کو دے" کہنا امر اور طلب ہے جو کہ مستقبل کا صیغہ ہے اور فی الحال تحقق مراد نہیں، لہذا عقد تام نہ ہوگا، اس کے خلاف ہے وہ صورت جس میں خود مرد نے کہا کہ "تُو اپنی لڑکی مجھے نکاح کردے" تو یہاں منگنی وغیرہ کے بعد، یہ کلام اثبات و تحقق میں ظاہر ہے اور یہی ایجاب ہوتا ہے اھ بحر میں ظہیریہ سے نقل میں اسی وجہ کو معیّن کرتے ہُوئے کہا کہ اگر ایک نے کہا کہ "تُو اپنی بیٹی میرے بیٹے کو دے"، دوسرے نے کہا "میں نے دی"، تو اس وقت نکاح صحیح نہ ہوگا بلکہ لڑکے کے باپ کو اس کے بعد "میں نے قبول کی" کہنا ضروری ہوگا اھ تو یہاں لڑکے کے باپ کے بارے میں یہ خیال کرنا درست نہیں کہ یہ وکیل بنانے کا مالک نہیں ہے (ت)

مگر نظر فقہی حاکم ہے کہ یہ امر بالاتفاق مفید ایجاب اور ان دونوں سے برکراں ہو،

فانہ امر بالقبول والقبول یطلق ویراد بہ الرضا وھو المحمل فی قول الفضولی المذکور للمخطوبۃ لعدم ارادتھم اذ ذلك الا استبانۃ رضاھا من دون تتمیم العقد کما قدمنا، ویراد بہ احد رکنی العقد وھو المراد ھٰھنا حیث المراد تحقیق العقد وھذا القبول وجود لہ الا تلو الایجاب فی رد المحتار

کیونکہ یہ قبول کرنے کی درخواست ہوتی ہے اور جواب میں قبول سے مراد رضامندی ہوتی ہے، اور فضولی شخص اگر لڑکی کو کسی کے لیے نکاح کی درخواست کرے تو یہاں بھی یہی مقصد ہوتا ہے کیونکہ اس کارروائی کا مقصد صرف لڑکی کی رضا حاصل کرنا ہوتا ہے نہ کہ نکاح مکمل کرنا ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے، اور جہاں مجلس نکاح میں یہ بات کہی جائے تو اس سے نکاح کا ایک رکن مراد ہوتا ہے جیسا کہ زیر بحث مسئلہ میں ہے، تو قبول کا

---

[1] رد المحتار بحوالہ العلامۃ المقدسی کتاب النکاح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۴
[2] البحر الرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۸۲

اشار الی ان المتقدم من کلام العاقدین ایجاب سواء کان المتقدم کلام الزوج او کلام الزوجۃ والمتاخر قبول ح عن المنح فلا یتصور تقدیم القبول[1] الخ فالامر بالقبول یتضمن الایجاب علی جہۃ الاقتضاء کقولہ اعتق عبدك عنی بالف یتضمن البیع کذلك وکما ان العبد لو تزوج بلا اذن مولاہ فقول المولی لہ طلقہا رجعیۃ اجازۃ للنکاح الموقوف[2] کما فی الدر المختار لان الطلاق الرجعی لایکون الا بعد النکاح الصحیح فکان الامر بہ اجازۃ اقتضاء[3] کما فی رد المحتار ھذا ما ظہرلی وھو ظاہر جلی وان ابیت فالقول بالایجاب مرجح مصحح بقول الفتح ھو احسن کما علمت۔

لفظ یہاں پر ایجاب کا جواب ہوتا ہے۔ ردالمحتار میں یہ اشارہ دیا کہ عاقدین میں سے پہلے کا کلام ایجاب اور دوسرے کا قبول کہلائے گا، خواہ مرد کا پہلا کلام ہو یا عورت کا۔ اب منح کے قول کہ "قبول پہلے متصور نہیں ہوسکتا الخ"، تو اس پر قبول کرنے کی درخواست اقتضاءً ایجاب پر مشتمل ہے جیسا کہ کوئی کہے کہ تُو میری طرف سے ایک ہزار کے بدلے میں اپنا غلام آزاد کردے، تو یہ قول ضمناً بیع پر مشتمل ہے (یعنی مجھے فروخت اور پھر آزاد کر) اور جیسا کہ کوئی غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس پر مالک اس کو کہے "تو رجعی طلاق دے" تو مالک کا یہ کہنا موقوف نکاح کو جائز قرار دینا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے، کیونکہ رجعی طلاق نکاح کے بعد ہی ہوسکتی ہے لہذا رجعی طلاق کا حکم، نکاح کی اجازت متصور ہوگا، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔ یہ مجھے بالکل واضح معلوم ہُوا ہے، اور اگر یہ قابلِ قبول نہ بھی ہو تو ایجاب والے قول کے بارے میں فتح کا یہ کہنا کہ "یہ احسن ہے" اس کے لیے ترجیح اور تصحیح قرار پائے گا جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔ (ت)

بہرکیف یہاں تک اس نکاح کے منعقد ہوجانے میں شبہہ نہیں مگر از آنجا کہ شخص مذکور فضولی تھا اجازت مخطوبہ پر موقوف رہا، اب اگر بعد وقوعِ نکاح اس کی خبر پاکر قبل اس کے کہ مخطوبہ سے کوئی قول یا فعل دلیل ردو ابطال نکاح صادر ہو قولاً یا فعلاً یا سکوتاً اجازت پائی گئی تو نکاح صحیح و تام و نافذ ہوگیا۔ اجازت قولی یہ کہ مثلاً مخطوبہ کہے میں راضی ہُوئی مجھے منظور ہے یا اچھا کیا یا الحمدللہ، اور فعلی یہ کہ مثلاً بے جبر و اکراہ شوہر کو خلوت

۱؎ ردالمحتار　کتاب النکاح　داراحیاء التراث العربی بیروت　۲/۲۶۳
۲؎ درمختار　باب نکاح الرقیق　مجتبائی دہلی　۱/۲۰۴
۳؎ ردالمحتار　"　داراحیاء التراث العربی بیروت　۱/۳۷۳

میں اپنے پاس آنے دے یا اس سے مہر یا نفقہ طلب کرے یا اور کوئی فعل کہ دلیلِ رضا ہو، اور سکوتی یہ کہ خود ولی یا اس کا رسول یا ایک ثقہ پرہیزگار جس کی عدالت معلوم و متحقق ہو یا دو مستور الحال جن کا فسق معلوم نہ ہو مخطوبہ کو نکاح کی اطلاع دیں اور وہ شوہر کو پہچانتی ہو اور وہ اس کا کفو بھی ہو یعنی دین یا نسب یا پیشے یا چال چلن وغیرہ میں ایسی کمی نہ رکھتا ہو کہ اس سے نکاح اولیاءِ مخطوبہ کے لیے عار ہو، اس صورت میں مخطوبہ خبر سُن کر خاموش ہو رہے تو یہ سکوت بھی اجازت سمجھا جائے گا وقد فصلنا القول فی کل ذلک فی فتاونٰا (اس تمام بحث کو ہم اپنے فتاوٰی میں بیان کر چکے ہیں۔ ت) بالجملہ یہ صورت رائجہ دقت سے خالی نہیں خصوصاً بعد استماع خبر اظہار نفرت واقع ہو جیسا کہ بلادِ ہندوستان میں اکثر دختران دوشیزہ کا معمول ہے جب تو نکاح صاف رَد ہو جائے گا کہ پھر مخطوبہ کے جائز کیے بھی جائز نہیں ہو سکتا لہٰذا اس طریقے کی تبدیل ہی واجب و مناسب ہے یا تو شخص متوسط پہلے خاطب سے اذن و وکالت حاصل کر کے جائے اور وہاں جو کلام مخطوبہ سے کہتا ہے اُس سے تحقیقِ عقد مقصود رکھے کہ مخطوبہ سے اُسی قدر گفتگو پر نکاح تام و نافذ ہو جائے، یا مخطوبہ سے یہ الفاظ نہ کہے بلکہ اپنے لیے اذن و وکالت لے کہ تُو نے فلاں ابن فلاں ابن فلاں کے ساتھ اتنے مہر پر اپنا نکاح کرنے کے لیے مجھے وکیل کیا، مخطوبہ کہے ہاں، پھر وہاں سے آکر خود یہی شخص خاطب سے کہے میں نے فلانہ بنت فلاں ابن فلاں کو اتنے مہر پر تیرے نکاح میں دیا تُو نے قبول کیا، خاطب کہے ہاں، یا یہی الفاظ رکھنا چاہیں تو اول ہی مخطوبہ سے جو گفتگو کی جاتی ہے اُسے مجلس توکیل و طلبِ رضا نہ سمجھیں بلکہ اسی کو مجلسِ عقد سمجھیں اور شخص مذکور وُہ الفاظ بقصد تحقیق عقد ہی مخطوبہ سے کہے کہ نکاح وہیں منعقد ہو جائے پھر خاطب کا قبول اُس کی تنفیذ قرار پائے۔

یہ سب تفصیل کہ مذکور ہُوئی اُس صورت میں ہے کہ مخطوبہ جلسہ خاطب سے اتنی دُور بیٹھی ہو کہ اُس کا کلام یہاں والے نہ سنیں یا وہ قبول کیا کہہ کر اُٹھ جائے اُس کے بعد خاطب سے گفتگو آئے یا جب مخطوبہ نے قبول کیا کہہ لیا اُس کے بعد خاطب اُٹھ کھڑا ہُوا پھر اس سے کہا گیا کہ ان صورتوں میں مجلس متبدل ہو گی یا شہود اُن دونوں کا کلام معاً نہ سنیں گے اور اگر وُہ اس قدر قریب بیٹھی ہے کہ اہلِ جلسہ خاطب نے اُس کا قبول کیا، کہنا سُنا اور ابھی خاطب و مخطوبہ ویسے ہی بیٹھے ہیں کہ خاطب سے آکر بیان کیا گیا اور اس نے قبول کیا کہا کہ مجلس واحد میں دونوں کا کہنا حاضرین میں کم از کم دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں نے معاً سُنا اور سمجھا تو نکاح کی صحت و تمامی میں اصلاً کلام نہیں، اب یہ بیچ کا شخص محض لغو و فضول ہو گا اور خاطب و مخطوبہ ہی کا کلام ایجاب و قبول ہو گا،

وذلک ماقدمنا عن الاصلاح والایضاح   اس کو ہم پہلے اصلاح، ایضاح، ذخیرہ اور

والذخیرۃ والھندیۃ من قول قائل للمرأۃ وادی فقالت داد ثم للزوج پذیرفتی فقال پذیرفت[1] وفی الوقایۃ وشرحھا لصدر الشریعۃ اذاقیل للمرأۃ خویشتن را بزنی فلاں وادی فقالت داد ثم قیل للزوج پذیرفتی فقال پذیرفت بحذف المیم یصح النکاح کبیع وشراء ای اذا قیل للبائع فروختی فقال فروخت ثم قیل للمشتری خریدی فقال خرید یصح البیع[2] اھ

ہندیہ سے نقل کرچکے ہیں کہ اگر کوئی شخص عورت کو کہے کہ تُو نے فلاں کو اپنا نکاح دیا؟ تو عورت نے دادم کی بجائے داد کہا، پھر اس شخص نے مرد کو کہا کہ تُو نے قبول کی؟ تو اس نے "میں نے قبول کی" کے بجائے صرف "قبول کی" کہا تو نکاح صحیح ہوگا۔ وقایہ اور اس کی شرح صدر الشریعۃ میں ہے کہ جب عورت کو کہا جائے کہ تُو نے فلاں کو بیوی ہونا دیا، تو عورت نے صرف "دیا" کہا اور پھر خاوند کو کہا گیا تُو نے قبول کی، تو اس نے بھی صرف "قبول کی" کہا تو نکاح صحیح ہے جیسا کہ بیع کی صورت میں بائع کو کہا گیا کہ تُو نے بیچی، تو اس نے جواب میں "بیچی" کہا ہو اور "میں نے بیچی" نہ کہا، پھر خریدار کے ساتھ بھی یہی سوال وجواب ہوا تو بیع ہوجائے گی اھ (ت)

اور عورت کا پردے میں ہونا تغایرِ مجلس کا مقتضی نہیں، نہ صحتِ نکاح میں مخل ہوسکے جبکہ مخطوبہ دو شاہدوں کو عیناً یا تسمیۃً معلوم ہو،

فی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن فتاوی ابی اللیث رجل قال لقوم اشھدوا انی تزوجت ھذہ المرأۃ التی فی ھذا البیت فقالت المرأۃ قبلت فسمع الشھود مقالتھا ولم یروا شخصھا فان کانت فی البیت وحدھا جاز النکاح[3] الخ **قلت** فافادان الحجاب لایغیر المجلس وانما اشترط کونھا

ہندیہ میں ذخیرہ سے اور انھوں نے فتاوی ابی اللیث کے حوالے سے ذکر کیا کہ ایک شخص نے لوگوں کو کہا کہ گواہ ہوجاؤ کہ میں نے اس کمرہ میں موجود عورت سے نکاح کیا اور عورت نے اندر سے جواب دیا کہ "میں نے قبول کیا"۔ گواہوں نے عورت کی یہ بات سُن لی اور عورت کو دیکھا نہیں، اگر عورت اس کمرہ میں اکیلی تھی تو نکاح ہوجائے گا الخ **قلت** (تو میں کہوں گا)، حجاب مجلس کو تبدیل نہیں کرتا، صرف شرط یہ ہے کہ وہاں

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۱

[2] شرح وقایہ " " مجتبائی دہلی ۲/۴

[3] فتاوٰی ہندیہ " الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۶۸

وحدها لانه لم یسمها و تعریف الغائبة عند الاحتمال انما یکون بالتسمیة و فی الھندیة ایضاً عن محیط السرخسی ان کانت حاضرة متنقبة ولا یعرفها الشھود جاز النکاح وھو الصحیح[1]۔

عورت اکیلی ہو کیونکہ مرد نے اس کا نام ذکر نہیں کیا جبکہ شبہ کی صورت میں عورت غائبہ کی پہچان اس کے نام سے ہوتی ہے، اور ہندیہ میں محیط سرخسی سے بھی منقول ہے کہ اگر وہ نقاب اوڑھے مجلس میں حاضر ہو اور گواہ نام نہ جانتے ہوں تو بھی نکاح جائز ہوگا، یہی صحیح ہے۔ (ت)

اسی طرح قبول خاطب میں اتنا وقفہ کہ شخص مذکور وہاں سے اٹھ کر یہاں آیا اور قاضی سے وہ گفتگو ہوئی، گواہیاں لی گئیں، اس کے بعد خاطب سے کہا گیا تو اس نے قبول کیا کچھ مضر نہیں جبکہ مجلس متبدل نہ ہو کہ قبول فوراً ہونا ضرور نہیں فی رد المحتار عن البحر اما الفور فلیس من شرطہ[2] (ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے لیکن فوراً ہونا ضروری شرط نہیں اھ۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹: مرسلہ حضرت نور العارفین دام ظلہم المبین از سیتا پور تامسن گنج ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۰۹ھ

بخدمت عالمان متبحر التماس ہے مثلاً کوئی لڑکا کہ عمر اس کی تیرہ چودہ برس کی ہے اور نابالغ ہے، اپنے گھر کی عورات کو لے کر میلہ ہنود میں جاتا ہے اور عورتیں اس کے گھر کی پرستش رسم ہنود کی کرتی ہیں۔ ایسا لڑکا اگر کسی کا نکاح پڑھائے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر فی الواقع اس کے یہاں کی عورات غیر خدا کو پوجتی ہیں یعنی حقیقۃً دوسرے کی عبادت کہ شرک حقیقی ہے (نہ صرف وہ بعض رسوم جاہلیت یا افعال جہالت کہ حدِ فسق و گناہ سے متجاوز نہیں گو اہلِ تشدد انھیں بنام شرک و پرستش غیر تعبیر کریں) اور وہ اس شرک حقیقی پر مطلع اور اس پر راضی ہے تو خود کافر مرتد ہے فان الرضا بالکفر کفر (کیونکہ کفر پر رضا بھی کفر ہے۔ ت) اس تقدیر پر اس سے نکاح پڑھوانا ہرگز نہ چاہئے کہ مرتد کے پاس تک بیٹھنا شرعاً معیوب ہے،

قال تعالٰی فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظّٰلمین[3]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: یاد آنے پر ظالم لوگوں کی مجلس میں مت بیٹھو۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۶۸

[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۶

[3] القرآن ۶/ ۶۸

نہ کہ خاص دینی شرعی کام میں اُس سے مدد لینا،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انا لانستعین بمشرک[1]۔ اخرجہ احمد و ابوداؤد وابن ماجۃ عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند صحیح۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہم مشرک سے مدد لینا ناپسند کرتے ہیں۔ اس کو صحیح سند کے ساتھ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے (ت)

مگر پڑھائے گا تو نکاح صحیح ہوجائے گا کہ اگر وہ صرف الفاظ ایجاب وقبول کہلوانے والا ہے، کہنے والے خود عاقدین یا اُن کے اولیاء یا وکلا، جب تو بر ظاہر کہ اسے عقد سے کوئی علاقہ نہیں، تو اس کے کفر و اسلام یا بلوغ یا عدمِ بلوغ سے عقد پر کیا اثر ہوسکتا ہے اور اگر وکیل بھی ہو کہ خود ہی ایجاب یا قبول کرے گا تاہم صحت وکالت کے لیے اسلام خواہ بلوغ شرط نہیں، عاقل ہونا درکار، وہ حاصل ہے، ہندیہ میں ہے:

تجوز وکالۃ المرتد بان وکل مسلم مرتدا وکذا لوکان مسلما وقت التوکیل ثم ارتد فھو علی وکالتہ الا ان یلحق بدار الحرب فتبطل وکالتہ کذا فی البدائع[2]۔

مسلمان نے کسی مرتد کو وکیل بنایا تو مرتد کی وکالت جائز ہوگی، اور یوں ہی کسی مسلمان کو وکیل بنایا پھر وہ وکیل مرتد ہوگیا تو اس کی وکالت باقی رہے گی مگر وہ دار الحرب چلا جائے تو پھر اس کی وکالت باطل ہوجائیگی، بدائع میں اسی طرح ہے (ت)

اُسی میں ہے:

لاتصح وکالۃ المجنون والصبی الذی لایعقل واما البلوغ والحریۃ فلیسا بشرط لصحۃ الوکالۃ[3]۔

مجنون اور ناسمجھ بچّے کی وکالت صحیح نہیں ہے تاہم بالغ ہونا اور آزاد ہونا وکالت کے لیے شرط نہیں ہے۔ (ت)

اسی طرح اگر بے توکیل کسی مرد یا عورت بالغ و بالغہ خواہ صبی وصبیہ کا نکاح اس نے پڑھا دیا اور اس نابالغ کا کوئی ولی شرعی موجود ہے اگرچہ حاکم شرع ماذون بالتزویج یا سلطانِ اسلام ہی سہی، جب بھی صحیح و منعقد ہوگیا کہ اس تقدیر پر یہ فضولی تھا اور فضولی کا عقد ہمارے نزدیک باطل نہیں بلکہ اجازت پر موقوف رہتا ہے

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۹
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوکالۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۵۶۲
[3] " " " " " "

توجس کا نکاح بے اجازت معتبرہ شرعیہ اس نے پڑھایا اگر وہ خود بالغ یا بالغہ ہے تو خود اُس کے ورنہ اُس کے ولی مذکور کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر اس نے جائز رکھا جائز ہو جائے گا۔

فان الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالۃ السابقۃ و قد کان یصلح لھذہ فکذا لتلک۔

بعد کی اجازت بھی پہلے کی وکالت کی طرح ہے، جب وکالت میں یہ صلاحیت ہے تو بعد والی اجازت بھی ایسی ہی ہے۔ (ت)

اور رد کر دیا تو باطل کما ھو شان عقد الفضولی (جیساکہ عقدِ فضولی کا مقام ہے۔ ت) اور اگر ان عورات کے افعال حدِ کفر تک نہیں، یا ہیں مگر یہ ان پر راضی نہیں، جب تو یہ شخص مسلمان ہے، صُوَرِ مذکورہ میں اس سے نکاح پڑھوانے میں اصلاً مضائقہ نہیں۔ ہاں اگر کوئی مرتد یا صبی نابالغ اپنے بیٹے، بیٹی، بہن، بھائی، خواہ کسی اور نابالغ یا نابالغہ کا نکاح اگرچہ بزعمِ ولایت پڑھائے اور ان کا مسلمان باپ، جوان مسلمان بھائی، چچا، خواہ کوئی اور ولی شرعی مرد یا عورت یہاں تک کہ وہاں سلطانِ اسلام یا اس کی طرف سے کوئی حاکم شرع ماذون بالانکاح بھی ہو تو البتہ اس صورت میں یہ نکاح باطل محض ہو گا کہ مرتد یا نابالغ صالح ولایت نہیں تو عقد عقد فضولی ہوا، اور ایسی حالت میں صدور پایا کہ شرعاً اس کا کوئی اجازت دینے والا نہیں۔

وکل عقد صدر من فضولی ولا مجیز لہ فهو باطل کما فی الدر وغیرہ[1] وفی الهندیۃ لا ولایۃ لصغیر کذا فی الحاوی ولا للمرتد علی احد لا علی مسلم ولا علی کافر ولا علی مرتد مثلہ کذا فی البدائع[2] (ملخصاً) واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

فضولی کا ہر وہ عقد جس کو کوئی جائز کرنے والا نہ ہو تو وہ باطل ہوتا ہے جیساکہ دُر وغیرہ میں ہے، اور ہندیہ میں ہے کہ نابالغ کو ولایت حاصل نہیں جیساکہ حاوی میں ہے، اور نہ مرتد کو مسلم و کافر پر اور نہ ہی اس کو اپنے جیسے مرتد پر ولایت ہے، بدائع میں ایسے ہی ہے (ملخصاً) واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲ رجب ۱۳۰۹ھ از کٹھور ضلع سُورت مرسلہ مولوی محمد عبدالحق صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین زادہم اللّٰہ تعالٰی شرفاً و تعظیماً لدیہ اس مسئلہ میں کہ سبحان خان نے اپنی دختر عاقلہ بالغہ مسماۃ امینہ بی بی کا خطبہ یعنی منگنی نورالدین عاقل بالغ سے بے کسی شرط و اقرار کے کر دی، جب نکاح کے چند روز رہے نورالدین سے کہا مخطوبہ کے نام ایک مکان خرید دو

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۴

تو نکاح کردوں ورنہ تین برس نہ کروں گا۔ اس نے کہا پہلے تم نکاح کر دو تو برس چھ مہینے کے بعد ہاتھ پہنچنے سے میں مکان خرید دوں گا۔ سبحان خاں راضی ہو گیا اور پانچ چھ دن بعد نکاح کرکے دوسرے دن وداع کردی، دو تین مہینے تک زن وشو ہمبستر رہے، اب سبحان خاں نے آمنہ کو اپنے یہاں روک رکھا اور کہتا ہے نکاح بوجہ شرطِ مکان فاسد ہوا حالانکہ عورت نے وقت توکیل بالنکاح یا اس سے پہلے سوا ایک سو ساٹھ روپے مہر کے کوئی شرط مکان وغیرہ کی نہ کی، نہ بعد وداع کوئی گفتگو زبان پر لائی، اور مکان بھی مجہول ہے کہ پختہ وخام کی کوئی تصریح نہ ہوئی، نور الدین کا اقرار بھی معلق تھا کہ پہلے نکاح کر دو تو بعد کو خرید دوں گا، پس یہ نکاح بلا شرط ہوا یا معلق بالشرط الصحیح یا بالشرط الفاسد، اور اقرار مذکور نور الدین معلق بالشرط ہے اور اقرار معلق بالشرط باطل ہے یا نہیں، بہر تقدیر شرعاً اس نکاح میں کوئی خلل اور نور الدین سے مکان دلوانا واجب ہے یا نہیں؟ بینوا بیانا شافیا للمذہب الحنفی من الکتب المعتبرۃ المتداولۃ بین العلماء العظام والفقہاء الکرام توجروا اجرکم اللہ تعالٰی اجرا وافیا۔

الجواب

نکاح مذکور صحیح وبے خلل، اور گمانِ فساد محض باطل وپُر زلل۔

اوّلاً تقریر سوال سے واضح کہ مکان دینا کلام سبحان خاں میں شرط تعجیل نکاح تھا کہ بالآخر وہ بھی نہ رہی نہ شرط فی النکاح۔

ثانیاً علی التسلیم زوج پر ایجاب مال للزوجہ مقتضیات عقد نکاح سے ہے، نہ اُس کے خلاف ومثلہ لایفسد البیع فکیف بالنکاح (اس طرح سے بیع فاسد نہیں ہوتی چہ جائیکہ نکاح کو فاسد کرے۔ت) اگر واقعی بطریق مہر وشرط بھی نہ صرف بروجہ وعدہ اس قرار داد کا ذکر خود اصل عقد میں آتا تاہم اصلاً خلل نہ لاتا، نہ جہالت مکان سے کوئی نقصان آتا، کہ وہ بحالت ایفا بالشرط خود متعین ہو کر مجہول نہ رہتا اور بے ایفا الزام مہر مثل ہوتا،

کما حققہ المولی المحقق الشامی قدس سرہ السامی فی رد المحتار، قال فقد صرح فی النہر بانہ فی المبسوط بعد ان ذکر عبارۃ محمد لو تزوجہا علی الف وکرامتہا اویہدی لہا ھدیۃ فلہا مہر مثلہا لاینقص عن الالف قال ھذہ المسألۃ

جیسا کہ محقق شامی قدس سرہ السامی نے رد المحتار میں اس کی تحقیق کرتے ہوئے فرمایا کہ نہر میں تصریح ہے کہ مبسوط میں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا اگر کسی شخص نے عورت سے ہزار اور اعزاز پر یا ہزار اور ہدیہ دینے کی شرط پر نکاح کیا تو اس کا مہر مثل ہوگا جو ہزار سے کم نہ ہو۔ علامہ شامی نے

علی وجہین ان اکرمہا و اھدی لہا ھدیۃ فلہا المسمی والا فمہر المثل اھ و فی البدائع لو شرط مع المسمی شیئا مجھولا کأن تزوجہا علی الف درھم وان یھدی لہا ھدیۃ فاذا لم یف بالھدیۃ یجب تمام مہر المثل اھ وجھالۃ الھدیۃ و الاکرام ترتفع بعد وجودھا[1] اھ ملخصا و تمامہ فیہ۔

فرمایا کہ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں، اگر اس نے وعدہ کے مطابق کوئی اعزازیہ یا ہدیہ دیا تو پھر مہر مقررہ ہزار ہی ہوگا ورنہ مہرِ مثل ہوگا اھ، بدائع میں ہے کہ اگر مقررہ مہر کے ساتھ کوئی مجہول شیئ ذکر کی مثلاً یوں کہا کہ ایک ہزار درہم اور کوئی ہدیہ دے گا، تو اگر ہدیہ کا وعدہ پورا نہ کیا تو پورا مہرِ مثل واجب ہوگا اھ، ہدیہ اور اعزازیہ دینے کے بعد اس کی جہالت ختم ہوجائے گی اھ ملخصاً، مکمل بحث ردالمحتار میں ہے۔ (ت)

ثالثاً بفرض باطل اسے شرط فاسد بھی مانیے تاہم ظاہر کہ وقت عقد اس کا کوئی ذکر نہ ہوا وہ صرف ایک گفتگو پیش از عقد تھی جس کا طے ہونا باعث علی التزویج ہوا نہ کہ ماخوذ فی التزویج اور شرط مذکور قبل العقد مبادلات مالیہ میں بھی ملحق بالعقد نہیں ہوتی مالم یتفقا علی المواضعۃ علیہ حین العقد (میاں بیوی جب تک کسی پر متفقہ طور پر راضی نہ ہوں گے اس وقت تک خاوند پر نکاح کے وقت ذکر شدہ مہر ہی لازم رہے گا) نہ کہ امثال نکاح میں، جامع الفصولین میں ہے:

لو شرطا شرطا فاسدا قبل العقد ثم عقدا لم یبطل العقد[2]۔

اگر نکاح سے پہلے کوئی فاسد شرط ذکر کی ہو تو اس کے بعد کا نکاح باطل نہ ہوگا۔ (ت)

رابعاً التحاق بھی سہی یعنی مان لیجئے کہ وہ شرط فی النکاح ہی تھی اور فاسد بھی تھی اور نفس عقد میں ملحوظ وماخوذ بھی رہی تو نکاح اُن عقود میں نہیں کہ شروطِ فاسدہ سے فاسد ہوسکے بلکہ وہ شرط ہی خود فاسد ہوتی اور نکاح صحیح و بے خلل رہتا ہے اور جہالت بدل کا علاج مہرِ مثل ہے۔ خلاصہ میں ہے:

فی شرح الطحاوی العقود ثلثۃ عقد یتعلق بالجائز من الشرط وھو ذکر البدل والفاسد من الشرط یفسدہ کالبیع والاجارۃ والقسمۃ والصلح عن مال وعقد لایتعلق بالجائز من الشرط والفاسد من الشرط

شرح الطحاوی میں ہے کہ عقد تین قسم پر ہیں، ایک وہ کہ جس میں جائز شرط مؤثر ہو مثلاً بدل کا ذکر، اور فاسد شرط بھی مؤثر ہو یعنی اس کو فاسد کردے جیسے عقد اجارہ، بیع، تقسیم، مال پر صلح۔ اور دوسرا وہ کہ اس میں کوئی شرط خواہ جائز ہو یا فاسد مؤثر نہ ہو، جیسے نکاح، خلع،

---

[1] ردالمحتار باب المہر مطلب تزوجہا علی عشرۃ دراہم وثوب دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۴۹
[2] جامع الفصولین الفصل الثامن عشر فی بیع الوفاء الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳۷

لایبطله کالنکاح والخلع والصلح عن دم العمد والعتق عن مال فهذه العقود تصح بغیر ذکر البدل وتجوز بالبدل المجهول الخ وفی زیادات القاضی الامام فخر الدین العقود التی یتعلق تمامها بالقبول اقسام ثلثة قسم یبطله الشرط الفاسد وجہالة البدل وھی مبادلة المال کالبیع والاجارة وقسم لایبطله الشرط الفاسد ولاجہالة البدل وھو معاوضة المال بمالیس بمال کالنکاح والخلع اھ ملخصًا۔

قتلِ عمد پر صلح اور عتق علی المال، یہ عقود بدل کو متعین کئے بغیر بھی صحیح ہوتے ہیں اور بدل مجہول پر بھی جائز ہوتے ہیں الخ قاضی امام فخر الدین کی زیادات میں ہے کہ وُہ عقود جو صرف قبول کرلینے سے مکمل ہوجاتے ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں، ایک وہ کہ جن کو فاسد شرط اور بدل کی جہالت فاسد کردیتی ہے، اور یہ مالی عقود ہیں جیسے بیع اور اجارہ وغیرہ، دوسری وُہ جن کو فاسد شرط اور جہالت بدل فاسد نہیں کرتی، جیسے وُہ عقود جن میں غیر مال کے بدلے مال ہو، مثلاً نکاح اور خلع اھ ملخصًا (ت)

بیان حکم نکاح میں یہی وجہ کافی ووافی تھی مگر استسلہ سائل کا استیفا کے جواب ذکر وجوہ سابقہ پر حامل ہوا وباللہ التوفیق بالجملہ صورت مستفسرہ میں نکاح کو فاسد خیال کرنا سخت جہالت بے معنی ہے۔ یا مکان تقریر سوال سے ظاہر ہے کہ وہ بطور مہر نہ مانا گیا، نہ عاقدین نے اسے بدل بضع قرار دینے پر لحاظ کیا بلکہ نور الدین کی طرف سے بدرخواست سبحان خاں ایک وعدہ تھا جس پر رضامندی ہوکر تزویج ایک جدا مہر مسمی پر واقع ہوئی اس صورت میں وُہ مکان دینا بیشک مکارم اخلاق سے ہے اور ایفائے وعدہ شرعاً محبوب اور خلف وعدہ ناپسند مکروہ، تو نور الدین کو بھی چاہئے کہ بشرط دسترس (جس کی تصریح وہ اصل وعدہ میں کرچکا) امینہ کو ایک مکان خرید دے، اقرار اگرچہ تعلیق بالشرط کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ مبسوط کی کتاب الاقرار میں فرماتے ہیں، تعلیق الاقرار بالشرط باطل[2] (اقرار کو شرط سے معلق کرنا باطل ہے۔ ت) خلاصہ میں ہے:

التی تبطل بالشروط الفاسدہ ولا یصح تعلیقها بالشرط ثلثة عشر البیع والقسمة والاجارة (الی قولہ)

وُہ امور جو فاسد شرط سے باطل ہوجاتے ہیں اور ان کی کسی شرط سے تعلیق بھی صحیح نہیں ہوتی، ایسے امور کی تعداد تیرہ ۱۳ ہے، ان میں بیع، تقسیم، اجارہ

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس فی البیع اذا کان فیہ شرط مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۲ و ۵۱

[2] مبسوط امام محمد

والاقرار[1]

اور اقرار بھی ہے۔ (ت)

مگر پُرظاہر کہ یہ اقرار مصطلح فقہی نہیں،

فانه اخبار من حق کائن علیه هذا هو التحقیق عندی او هذا اخبار من وجه و انشاء منجز من وجه کما لهج به کثیرون۔

کیونکہ وُہ پہلے سے موجود حق سے خبر دینا ہے، میرے نزدیک یہی تحقیقی بات ہے، یا من وجہ خبر اور من وجہ پورا کرنے کا انشاء ہے جیسا کہ بہت سے علماء نے بیان کیا ہے۔ (ت)

بلکہ وعدہ ہے اور وعدے کی تعلیق بالشرط جائز بلکہ بعض علماء فرماتے ہیں وعدہ تعلیق پاکر واجب ہوجاتا ہے۔ اشباہ میں ہے:

فی القنیة وعدان یاتیه فلم یاته لا یاثم ولا یلزم الوعد الا اذا کان معلقا کما فی کفالة البزازیة و بیع الوفاء کما ذکره الزیلعی[2]

قنیہ میں ہے ایک شخص نے وعدہ کیا کہ میں آؤں گا، تو وہ نہ آیا، گنہگار نہ ہوگا۔ اور وعدہ صرف وہی لازم ہوتا ہے جو کسی شرط سے معلق ہو، جیسا کہ بزازیہ کی کفالت کی بحث میں ہے، اور بیع الوفاء بھی وعدہ کی یہی قسم ہے جیسا کہ امام زیلعی نے ذکر فرمایا۔ (ت)

وجیز کردری میں ہے:

المواعید باکتساء صور التعلیق تکون لازمة۔[3]

جن وعدوں میں تعلیق ذکر کی جائے وہ لازم ہوتے ہیں۔ (ت)

تو ظاہر اطلاق عبارات مذکورہ سے صورت دائرہ میں بھی نورالدین پر جس نے وعدہ معلقہ بتقدیم نکاح کیا تھا اور شرط تقدیم متحقق ہُوئی بحال دسترس وجوب وفا مستفاد ہوسکتا ہے مگر بعد احاطہ کلمات ائمہ نظر غائر استظہار کرتی ہے کہ یہ وجوب ہو بھی تو دیانۃً ہے قضاءً وفائے وعدہ پر جبر نہیں،

الا فی الکفالة و فی بیع الوفاء علی قول و قد ذکرنا الوجه فیهما فیما علقنا علی رد المحتار۔

صرف کفالت اور بیع الوفاء میں ایک قول کے مطابق وفا لازم ہے جس کی وجہ ہم نے ان دونوں کے مقام پر ردالمحتار کے حاشیہ میں ذکر کردی ہے۔ (ت)

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس فی البیع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۵، ۵۴
[2] الاشباہ والنظائر کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۱۰
[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش ہندیہ کتاب الکفالۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳

امام فقیہ النفس فخر الدین خانیہ میں فرماتے ہیں :

رجل اجر دارہ کل شھر بدرھم وسلم ثم باعہا من غیرہ وکان المشتری یاخذ اجرۃ الدار من ھذا المستاجر ومضی علی ذلک زمان وکان المشتری وعد البائع انہ اذا رد علیہ الثمن یرد دارہ ویحتسب ما قبض من المستاجر من ثمن الدار فجاء البائع بالدراھم واراد ان یجعل الاجر محسوبا من الثمن قالوا لیس للبائع ان یجعل ذلک من الثمن وما قال المشتری للبائع کان وعدًا فلا یلزم الوفاء بذلک حکما فان نجز وعدہ کان حسنا والا فلا شیئ علیہ[1] اھ ملخصا۔

ایک شخص نے اپنا مکان ہر ماہ فی درہم، کرایہ پر دیا، پھر اس نے وہ مکان اس کے غیر کو فروخت کر دیا اور اب کرایہ دار سے یہ مشتری کرایہ ایک زمانہ تک وصول کرتا رہا جبکہ مشتری نے بائع سے یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ جب آپ مکان کی قیمت واپس کر دینگے تو میں مکان واپس آپ کو دے دوں گا، اور قیمت میں سے وصول شدہ کرایہ آپ کو منہا کر دوں گا، اب ایک مدت بعد بائع نے آکر مشتری کو مکان کی قیمت واپس کر دی اور اس نے کرایہ کی رقم قیمت میں منہا کرنا چاہی، تو اس پر فقہاء کرام نے فرمایا کہ بائع کو کرایہ کی رقم قیمت میں شمار کر کے منہا کرنے کا اختیار نہیں، اور مشتری نے جو یہ وعدہ کیا تھا وہ وعدہ تھا جس کی وفا مشتری پر لازم نہیں ہے،

ہاں اگر مشتری اپنے طور پر وعدہ کو پورا کرے تو بہتر ہے ورنہ اس پر حکماً لازم نہیں ہے اھ ملخصاً (ت)

ہندیہ میں ظہیریہ سے اسی صورت خانیہ میں ہے :

ان انجز وعدہ کان حسنا والا فلا یلزمہ الوفاء بالمواعید[2]۔

اگر وہ وعدہ پورا کرے تو بہتر ہے ورنہ وعدوں کی وفا لازم نہیں ہے (ت)

خیریہ میں ہے :

سئل فی رجل لہ وظیفۃ فرغ عنہا لاٰخر بعوض وقررہ القاضی لاھلیتہ و نذر المفروغ لہ للفارغ اذا رد الیہ نظیر المدفوع یفرغ لہ فھل

ایک شخص کو قاضی نے اس کی اہلیت کی بنا پر وظیفہ مقرر کر کے ایک کام سپرد کیا تو اس نے ایک معاوضہ کے بدلے وہ کام آگے ایک دوسرے کے سپرد کر دیا اور قاضی نے بھی اس کو منظور کر لیا، جبکہ دوسرے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاجارات فصل فی الاجارۃ الطویلۃ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۴۲۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۷

لایلزم الوفاء به شرعا اجاب لایلزمہ الوفاء بما نذر اذا النذر لایلزم الوفاء به الا بشروط وھی متخلفة فی ھذا ولو فرضنا اجتماع شرائطه فالقاضی لایقضی به علی الناذر کما صرحوا به قاطبة[1] اھ ملخصًا فافھم ولا تعجل۔

شخص نے یہ عہد کیا تھا کہ اگر پہلے مقررہ شخص مجھ سے وصول کردہ کے برابر مجھے واپس کرے تو میں اس کے حق میں اس کام سے دستبردار ہوجاؤں گا، اس سوال کے جواب میں کہ اس دوسرے شخص پر اپنے عہد کی پابندی ضروری شرعًا ہے تو جواب میں فرمایا کہ عہد کی وفا لازم نہیں ہے کیونکہ عہد کی وفا چند شرطوں کے بغیر لازم نہیں جو یہاں مفقود ہیں، چنانچہ قاضی عہد کرنے والے شخص پر ایفاءِ عہد کے لزوم کا فیصلہ نہیں کرے گا۔ (ت)

قرۃ العیون میں ہے :

قال سیدی الوالد رحمه الله تعالٰی لایلزم الوفاء بالوعد شرعا[2]۔

میرے آقا والد صاحب نے فرمایا کہ شرعًا وعدہ کی وفا لازم نہیں ہے۔ (ت)

اسی طرح اور کتب میں ہے وتمام تحقیق المسألة حسب ما ارانا الله تعالٰی فی تعلیقنا المنذ کور (اور مسئلہ کی پوری تحقیق بتوفیق الٰہی ہمارے مذکورہ حاشیہ میں ہے۔ ت) بہرحال یہاں ایجاب قضاء کی گنجائش نہیں تو نہ امینہ کو اس پر مطالبہ جبری پہنچتا ہے نہ حاکم جبرًا مکان دلا سکتا ہے۔ خیریہ میں ہے :

ھذا اذا ذکر علی سبیل انه من المھر وان ذکر علی سبیل العدة فھو غیر لازم بالکلیة الا ان یتبرع الزوج[3]۔

یہ تب ہے جب خاوند نے اس کو مہر میں سے قرار دیا ہو، اور اگر وعدہ کے طور پر ذکر ہو تو بالکل لازم نہیں، ہاں اگر بطور عطیہ دے دے تو درست ہے (ت)

ہاں اگر معلوم ہو کہ وُہ بھی علٰی جہۃ المہر مشروط اور عاقدین کو عقد میں اس کی طرف لحاظ تھا تو حکم وہی ہے جو اوپر گزرا کہ اگر مکان دے گا تو باقی مہر مسمی بھی بدستور لازم ورنہ مہر مثل کہ اس مقدار مسمی سے کم نہ ہو کما اسلفنا عن الامام محمد رحمه الله تعالٰی (جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے ہم نے

---

[1] فتاوٰی خیریہ — کتاب الوقف — دارالمعرفۃ بیروت — ۱/ ۵۸-۱۵۷

[2] قرۃ العیون — کتاب العاریہ — دارالکتب العربیۃ الکبرٰی، مصر — ۲/ ۳۰۰

[3] فتاوٰی خیریہ — کتاب النکاح باب المھر — دارالمعرفۃ بیروت — ۱/ ۳۰

پہلے نقل کردیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱: ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ رضامند زید کو تھی اور جابر نے جبر کیا بلا رضامندی ہندہ اور بغیر رضامندی ولیوں کے عمرو سے فرضی مہر مقرر کرکے ایجاب وقبول کرایا اور وقت ایجاب کے مسماۃ آہ وزاری اور فریاد واویلا انکار کرتی تھی، مسماۃ کے اس انکار آہ وزاری شور واویلا کو اذن قرار دے کر دولھا سے ایجاب وقبول کرا کے نکاح مشہور کرکے شیرینی تقسیم کردی، ایسا نکاح نزدیک علمائے حقانی جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہو یا جائز ہو تو ادلّہ مع آیات اور حدیث کے تحریر فرمائیے، بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اگر ہندہ نابالغہ تھی جب تو اس کا انکار اقرار کوئی چیز نہ تھا اس کے ولی سے اجازت لینی تھی اور اگر بالغہ تھی تو اگرچہ اذن لیتے وقت اُس کا انکار بلکہ صحیح مذہب پر صرف آواز اور فریاد سے رونا ہی رَدِ استیذان کے لیے کافی ہو مگر اس کا حاصل اس قدر کہ نکاح کرنے والے کی وکالت صحیح نہ ہوئی، بہرحال یہ نکاح نکاحِ فضولی ہُوا کہ درصورتِ بلوغ ہندہ خود اس کی ورنہ اس کے ولی کی اجازت پر موقوف رہا، اگر بعد نکاح جب خبرِ نکاح پہنچے رَد کیا جائے گا رَد ہو جائے گا اور اجازت دی جائے گی تو جائز ہو جائے گا۔

فی ردالمحتار عن الذخیرۃ بعضھم قالوا ان کان مع الصیاح والصوت فھو رد والا فھو رضی وھو الاوجہ وعلیہ الفتوٰی[1] اھ وتمامہ فیہ وفی الدرالمختار لواستاذنھا فی معین فردت ثم زوجھا منہ فسکتت صح فی الاصح[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ردالمحتار میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ اگر لڑکی کا رونا چیخ وپکار کے طور پر ہو تو یہ نکاح سے انکار ہوگا ورنہ وہ رضا ہے اور یہی درست ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اھ، اور پوری بحث ردالمحتار میں ہے اور درمختار میں ہے اگر لڑکی سے معین شخص کے ساتھ نکاح کی اجازت طلب کی تو لڑکی نے انکار کردیا، اس کے بعد پھر اس کا نکاح اسی شخص سے کیا اور لڑکی خاموش رہی تو نکاح صحیح ہوگا اصح قول میں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲: از پیلی بھیت محلہ بشیر خاں متصل مکان مدینہ شاہ مرسلہ نظام الدین ۲۹ رمضان ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نکاح قبولیت سے جائز ہے یا کوئی اور بات؟ اور قاضی کا

---

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۹

[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

ہونا ضرور ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نکاح کے لیے فقط مرد و عورت کا ایجاب و قبول چاہیے، اور دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کا اُسی جلسہ میں ایجاب و قبول کو سُننا اور سمجھنا کہ یہ نکاح ہو رہا ہے، بس اسی قدر درکار ہے، اس سے زیادہ قاضی وغیرہ کی حاجت نہیں،

فی الدر المختار ینعقد بایجاب وقبول وشرط حضور شاھدین حرین او حر وحرتین مکلفین سامعین قولھما معًا علی الاصح فاھمین انہ نکاح علی المذھب بحر[1] اھ ملخصًا، واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے کہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں جو کہ عاقل بالغ اور حر ہوں اور انھوں نے لڑکے اور لڑکی کا ایجاب و قبول ایک مجلس میں سُنا ہو تو نکاح ہوجائیگا بشرطیکہ ان گواہوں نے اس کو نکاح سمجھا ہو، مذہب یہی ہے، بحر، اھ ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳ ازمدراس محلہ چک منڈی مسیت مکہ مرسلہ مولوی عبدالرزاق صاحب امام مسجد

غرہ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ مبین و مفتیانِ شرع متین کثرہم اللہ تعالٰی ایک شخص عمرو نے اپنی برادری کو دعوت منگنی کی دے دی اور وہ اسباب جو فی زماننا دُولھا کی جانب سے دئے جاتے ہیں، مثلاً ساڑھی اور انگیا اور زیور وغیرہ، حاضر کیا، اہل برادری نے ولی صغیر سے بازپرس کی کہ ہماری طلبی کی کیا وجہ تھی، تو اُس نے جواب دیا کہ عبداللہ صاحب نے اپنی لڑکی مسمّٰی ہندہ میرے لڑکے مسمّٰی بہ زید کو دے دی ہے لیکن چونکہ مجھے یہ مقصود تھا کہ یہ بات علٰی رؤس الاشہاد متحقق ہوجائے لہذا میں نے آپ کو تکلیف دی ہے علٰی ہذا القیاس ولی صغیرہ سے دریافت کیا گیا کیا تم نے اپنی لڑکی مسمّٰی بہ ہندہ زید کو دی ہے؟ اس نے کہا ہاں میں نے دی ہے اور آپ کی تکلیف دہی کی یہی وجہ ہے، تو ایسی صورت میں نکاحِ صغیر و صغیرہ منعقد ہوا یا نہیں؟ اور جو درمختار کتاب النکاح میں مذکور ہے:

وکذا انا متزوجك وجئتك خاطبا لعدم جریان المساومۃ فی النکاح[2]

اور یُوں ہی کہ تجھ سے نکاح کرتا ہوں اور میں تجھے نکاح کا پیغام دینے آیا ہُوں، کیونکہ نکاح بھاؤ چُکانا نہیں ہوتا۔ (ت)

---

[1] و [2] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵-۸۶

آیا اس عبارت منقولہ سے منگنی نکاح ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوسکتی ہے تو فھو المراد والا اس عبارت کا کیا مطلب؟

الجواب

ارشاداتِ علمائے کرام میں نظر سے واضح کہ کلماتِ مذکورہ فی السوال انعقادِ نکاح کے لیے اصلاً کافی نہیں، عَمرو وعبداللہ دونوں کے کلام صراحۃً اخبار ہیں کہ ہماری زبان میں صیغۂ ماضی مقرون بلفظ ہے خاص امر واقع شدہ سے خبر دینے کے لیے ہے نہ امرِ غیر واقع کے انشا و ایجاد کو، پھر کلامِ عَمرو سخن ابتدائی نہیں، اہلِ برادری کے اس بازپرس کا جواب ہے کہ ہماری طلبی کی کیا وجہ تھی، ظاہر کہ اس سوال کا جواب اخبار ہوگا نہ کہ انشائے ایجاب، یُوں ہی کلامِ عبداللہ کا سیاق بھی کہہ رہا ہے، اور آپ کی تکلیف دہی کی یہی وجہ ہے صاف صاف اُسی معنی اخبار و بیانِ وجہ جمع کی تاکید کر رہا ہے کما لا یخفی علی العارف باسالیب الکلام (جیسا کہ کلام کے اسلوب کو سمجھنے والے پر مخفی نہیں ہے۔ ت) اور شک نہیں کہ وقوعِ نکاح سے خبر دینا انشائے عقد سے بالکل مبائن وغیر موثر ہے، اگر بنظرِ ظاہر کہئے تو حسبِ تصحیحات جمہور ائمہ و اختیارات عامہ متون مذہب مذیل بأکد الفاظ فتوٰی اور نظرِ دقیق لیجئے تو امثال مقام میں بالاجماع بلانزاع،

کما حققنا ذٰلک بتوفیق اللہ تعالٰی فی رسالتنا "عباب الانوار ان لا نکاح بمجرد الاقرار" من فتاوٰنا ولنقتصر ھٰھنا علی الاشارۃ الٰی بعض عبارات الافتاء تنزلاً الی الطریقۃ الاولٰی.

جیسا کہ ہم نے اس کو اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے رسالہ "عباب الانوار ان لا نکاح بمجرد الاقرار" میں محقق کیا ہے اور یہاں ہم صرف فتوٰی کی بعض عبارات کی طرف اشارہ کرینگے، پہلے طریقہ پر۔ (ت)

جواہر الاخلاطی میں ہے،

اقر بالنکاح بین یدی الشھود لا ینعقد ھو المختار وقیل ینعقد والاول ھو الصحیح وعلیہ الفتوٰی[1]

مرد و عورت نے گواہوں کی موجودگی میں اقرار کیا تو اس سے مختار قول کے مطابق نکاح منعقد نہ ہوگا، اور بعض نے کہا ہے کہ ہو جائے گا، لیکن پہلا قول صحیح اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

اصلاح و ایضاح میں ہے:

النکاح اثبات وھذا اظھار والاظھار

اقرار اظہار کا نام ہے جبکہ نکاح اثبات کا نام ہے

---

[1] جواہر الاخلاطی کتاب النکاح قلمی نسخہ ص ۴۸

غیر الاثبات ذکرہ فی التخییر وقال فی مختارات النوازل ھو المختار[1]

اور اظہار اور اثبات دو مختلف چیزیں ہیں، اس کو تخییر میں ذکر کیا ہے، اور مختارات النوازل میں کہا کہ یہی مختار ہے۔(ت)

ہندیہ میں ہے: الصحیح انہ لایکون نکاحا کذا فی الظہیریۃ[2] (صحیح یہی ہے کہ نکاح نہ ہوگا جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔ت) وجیز کردری میں ہے: لاینعقد فی المختار الصحیح[3] (مختار اور صحیح قول کے مطابق نکاح منعقد نہ ہوگا۔ت)

علاوہ بریں دینا، عطا، ہبہ، یہ الفاظ خود ہی نکاح میں صریح نہیں کنایہ ہیں اور عقد و وعدہ دونوں کو محتمل، منگنی ہونے پر بھی عرف شائع میں کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اپنی بیٹی فلاں کو دی، ولہذا علماء تصریح فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ بہ نیت خطبہ کہے جائیں تو خطبہ ہی ٹھہرے گا مجلس وعدمیں صادر ہوں تو وعدہ ہی قرار پائے گا۔ درمختار میں ہے:

لفظ تزویج ونکاح صریح وماعداھما کنایۃ وھو کل لفظ وضع لتملیک عین کاملۃ فی الحال کھبۃ وتملیک وصدقۃ وعطیۃ بشرط نیۃ اوقرینۃ وفھم الشھود المقصود[4] اھ ملتقطا

نکاح میں لفظ 'تزویج' اور 'نکاح' صریح ہیں۔ ان کے علاوہ باقی سب کنایہ ہیں، اور کنایہ کے لیے وہ تمام الفاظ ہیں جو بروقت کسی کامل چیز کی تملیک کے لیے ہوں، مثلاً ہبہ، صدقہ، عطیہ اور تملیک کے الفاظ جب نکاح کی نیت سے استعمال ہوں یا اس پر قرینہ موجود ہو اور اس سے گواہ بھی مقصد کو سمجھ سکیں اھ ملتقطا (ت)

خانیہ میں ہے:

اذا قال لاب البنت وھبت ابنتک منی فقال وھبت فقال قبلت قالوا ان کان ھذا القول من الخاطب علی وجہ الخطبۃ ومن الاب ایضا علی وجہ الاجابۃ لاعلی وجہ العقد

جب ایک لڑکے نے لڑکی کے باپ کو کہا کہ آپ نے اپنی لڑکی مجھے ہبہ کی تو باپ نے جواب میں کہا میں نے ہبہ کی، اس کے بعد پہلے نے کہا میں نے قبول کی، فقہائے کرام نے فرمایا اگر منگنی کرنے والے اور باپ نے مذکورہ

---

[1] اصلاح وایضاح

[2] فتاوٰی ہندیہ — کتاب النکاح — نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۲

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش ہندیہ — " — " ۴/۱۰۹

[4] درمختار — " — مجتبائی دہلی ۱/۱۸۶

لو یکن نکاحا[1] اھ ملخصا
الفاظ منگنی اور اس کے جواب کے طور پر استعمال کیے اور عقدِ نکاح مقصود نہ ہو تو نکاح نہ ہوگا اھ ملخصاً (ت)

شرح طحاوی پھر مجتبٰی پھر مجموعہ علامہ القروی و واقعات المفتیین علامہ قدری افندی وغیرہا میں ہے:

قال لہ ھل اعطیتنیھا فقال اعطیت فان کان المجلس للوعد فوعد وان کان لعقد النکاح فنکاح[2]

کسی نے لڑکی کے باپ کو کہا تُو نے مجھے لڑکی دی تو باپ نے کہا دی، تو مجلسِ نکاح میں نکاح اور منگنی کی مجلس ہو تو منگنی ہوگی۔ (ت)

سوال سے ظاہر کہ یہ مجلس منگنی ہی کی تھی اور کوئی قرینہ واضحہ ایسا نہ پایا گیا جو ان الفاظ کو انشائے عقد کے لیے متعین کرے تو یُوں بھی منگنی ہی ٹھہرے گی نہ نکاح۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

جوابِ سوال دوم: نکاح عقد ہے اور منگنی وعدِ عقد و وعد کا تباین بدیہی، تو منگنی کو نکاح ٹھہرانا بداہۃً باطل اور اجماعاً غلط، ابھی کلماتِ علماء سے عقد و وعد کا تفرقہ گزرا، اس کے نصوص کے نقل بدیہی پر استدلال ہے جئتك خاطبا سے انعقادِ نکاح نہ اس وجہ سے ہے کہ خطبہ عقد ہو بلکہ الفاظ مذکورہ خود الفاظِ عقد ہی قرار پائے ہیں یعنی جبکہ نیت و قرینہ متحقق ہو لما علمت ان ماعدا التزویج والنکاح کنایۃ تفتقر الیھما (جیسا کہ آپ نے معلوم کرلیا کہ تزویج اور نکاح کے الفاظ کے علاوہ باقی کنایہ ہیں جو کہ نیت اور قرینہ کے محتاج ہیں۔ ت) ولہٰذا علماء انھیں الفاظ ایجاب کے ساتھ شمار فرماتے ہیں۔ وجیز کردری میں ہے:

کتاب النکاح تسعۃ عشر فصلا الاول فی الاٰلۃ کل لفظ یفید ملك الرقبۃ انعقد بہ کقولہ بعت و تزوجت و انکحت و ملکتك ووھبت وتصدقت وجئتك خاطبا وجعلت نفسی لك[3]

کتاب النکاح انیس[19] بحثیں ہیں، پہلی آلہ میں، وُہ ہر لفظ جو رقبہ کی ملکیت کے لیے مفید ہو اس سے نکاح منعقد ہوگا، جیسے میں نے فروخت کیا، نکاح کردیا، تجھے مالک بنایا، ہبہ کیا، صدقہ کیا، میں رشتہ لینے آیا ہوں، میں نے اپنا نفس تجھے دیا۔ (ت)

خلاصہ و خزانۃ المفتیین میں ہے:

ینعقد بقولہ تزوجت وانکحت و ملکتك

نکاح منعقد ہوجاتا ہے ان الفاظ سے، میں نے نکاح

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح الفصل الاول نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۰
[2] فتاوٰی القرویہ " دارالاشاعۃ العربیۃ، قندھار افغانستان ۱/۳۳
[3] فتاوٰی بزازیہ علٰی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۰۸

ووھبت وتصدقت وجئتك خاطبا وجعلت نفسی لك وبعت[1]

کردیا، تجھے مالک بنادیا، ہبہ کیا، صدقہ کیا، میں رشتہ لینے آیا ہوں، میں نے اپنا نفس تجھے دیا، فروخت کیا۔ (ت)

اقول[۲۴] وباللہ التوفیق فقہ اس میں یہ ہے کہ جئتك خاطبا (میں رشتہ لینے آیا ہوں۔ ت) کسی خطبۂ متقدمہ سے اخبار نہیں بلکہ انشائے طلب وتزویج ہے اور انشائے طلب عین حاصل امر، تو جئتك خاطبا بمعنی زوجنی ہے، ولہذا بزازیہ میں ان دونوں کا ایک حکم رکھا:

حیث قال جاء رجل فقال زوجنی بنتك او جئتك خاطبا او جئتك تزوجنی بنتك فقال زوجتك فالنکاح واقع لازم ولیس للخاطب ان لایقبل[2]

جیسا کہ انھوں نے ذکر کیا کہ ایک آدمی نے آکر کہا کہ تو اپنی بیٹی مجھے نکاح کردے، یا، میں آپ کے پاس رشتہ لینے آیا ہوں، یا، میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے اپنی بیٹی بیاہ دیں، تو باپ نے کہا میں نے بیاہ دی، تو ان الفاظ سے لازمی نکاح ہوجائے گا، اب رشتہ طلب کرنے والے کو قبول نہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں (ت)

اور زوجنی الفاظ مفیدۂ عقد سے ہے

توکیلا او ایجابا علٰی اختلاف القولین والاول[ع] اظھر عندی کما بینّاہ فیما علقناہ علٰی ھامش ردالمحتار تو اسی طرح جئتك خاطبا۔

وکیل بناتے ہوئے یا ایجاب کے طور پر دونوں اقوال کے اختلاف پر، اور پہلا یعنی وکیل بناتے ہوئے میرے نزدیک اظہر ہے، جیسا کہ ہم نے اس کو ردالمحتار کے حاشیہ پر بیان کیا ہے تو اسی طرح، میں تیرے پاس رشتہ لینے آیا ہوں (ت)

بالجملہ لفظ خطبہ باضافت بیانیہ بعد تحقق نیت وقیام قرینہ الفاظ عقد سے ہے نہ الفاظ خطبہ باضافت لامیہ یعنی وہ الفاظ کہ شرعاً خطبہ قرار پائیں نہ کہ وہ الفاظ کہ صراحۃً اخبار ہوں اور معنی انشاء سے منزلوں دُور کما لایخفی علٰی ذی شعور (جیسا کہ اہل شعور پر مخفی نہیں۔ ت)

اقول[۲۵] وباللہ التوفیق اس کا منشاء خود یہی ہے کہ عادۃً نکاح رہا نکاح میں عدم جریان مساومت

ع انظرہ مع ماذکرتہ ۱۲ منہ (م)

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب النکاح مکتبہ حبیبیہ کانسی روڈ، کوئٹہ ۲/ ۲

[2] فتاوٰی بزازیہ علٰی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ، پشاور ۴/ ۱۱۱

سے پہلے منگنی وغیرہ مقدمات ہو چکے ہیں تو ان کے بعد الفاظ مجلس عقد کو مساومت پر حمل نہیں کر سکتے بخلاف بیع کہ نہ وہاں ایسا تقدم، نہ اس کے لیے کوئی مجلس قرینہ قصد عقد، فتح القدیر پھر بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

النکاح لایدخله المساومة لانه لایکون الابعد مقدمات ومراجعات فکان للتحقیق بخلاف البیع۔[1]

نکاح میں بھاؤ لگانا نہیں ہوتا کیونکہ نکاح کئی مقدمات اور آمد و رفت کے بعد ہوا کرتا ہے تو کنایہ الفاظ اس موقعہ پر نکاح کے تحقق کے لیے ہوتے ہیں بخلاف بیع کے۔(ت)

تحقیق مقام یہ ہے کہ عبارت مذکورۂ سوال کے معنے اگر یہ ٹھہریں کہ امثال الفاظ بعد قیام قرینہ قصد عقد مثل جلسۂ نکاح بعد خطبہ وقرارت خطبہ وغیرہما بحکم دلالت ظاہرہ جانب عقد منصرف ہوں گے نہ کہ سوئے مساومت کہ یہاں کوئی محل مساومت نہیں، تو بیشک صحیح ہے، اور یہی معنی مقصود و مراد۔

الاتری ان الکلام فی الکنایة ولا انعقاد بھا الاعند قیام القرینة کما علمت۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ گفتگو کنایہ کے بارے میں ہے اور ان میں قرینہ کے بغیر نکاح منعقد نہ ہوگا جیسا کہ آپ معلوم کر چکے ہیں(ت)

مگر اس بنا پر ہر منگنی یا الفاظ مذکورہ عمرو و عبداللہ کو نکاح نہیں ٹھہرا سکتے کما بینا (جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ت) اور اگر یہ معنی لیں کہ جو کچھ الفاظ خاطب ومخطوبہ یا مخطوب الیہ میں جاری ہوں خواہی نخواہی نکاح ٹھہریں گے اگرچہ معنی مساومت وطلب وعد کو محتمل اور قرینۂ معینۂ قصد عقد سے عاری ہوں تو محض باطل، نہ ہرگز یہ مراد علماء، علماء صاف تصریحات فرماتے ہیں کہ احتمال مساومت واستیعاد یعنی صورت واقعہ میں معنی استیام وطلب وعد کا احتمال ہونا مانع انعقاد نکاح ہے۔ خزانۃ المفتین برمز ظ فتاوٰی امام ظہیر الدین مرغینانی سے ہے:

لوقال بالفارسیة دختر خویش مرا دادی فقال دادم لاینعقد النکاح لان ھذا استخبار واستیعاد فلایصیر وکیلا الا اذا اراد به التحقیق دون الاستیام۔[2]

اگر ایک نے فارسی میں کہا کہ تو نے اپنی بیٹی مجھے دی، تو دوسرے نے جواب میں "دادم" کہا تو اس سے بغیر ارادہ نکاح کے نکاح متحقق نہ ہوگا، کیونکہ یہ الفاظ حقیقتاً خبر معلوم کرنے اور وعدہ لینے کے لیے ہوتے ہیں اس لیے دوسرا وکیل نہ بنے گا۔(ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۴

[2] خزانۃ المفتین " قلمی نسخہ (غیر مطبوعہ) ۱/۷۶

اذا قال لغیرہ دختر خویش مرادہ، فقال دادم، ینعقد النکاح وان لم یقل الخاطب پذیرفتم۔ ولو قال مرا دادی فقال دادم، لاینعقد النکاح مالم یقل الخاطب پذیرفتم الا اذا اراد بقولہ دادی التحقیق دون السوم۔[1]

جب دوسرے کو کہا کہ تُو اپنی لڑکی مجھے دے، تو دوسرے نے کہا "دی" تو اس سے نکاح منعقد ہوجائے گا اگرچہ پہلا "میں نے قبول کی" نہ کہے، اور اگر پہلے نے کہا "تو نے بیٹی مجھے دی" تو دوسرے نے جواب میں کہا "میں نے دی" تو جب تک پہلا اس کے بعد "میں نے قبول کی" نہ کہے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ ہاں اگر اس صورت میں دوسرے نے "میں نے دی" سے مراد نکاح کا تحقق لیا اور خواہش اور مرضی کا اظہار مراد نہ لیا تو نکاح ہوجائے گا۔ (ت)

اسی طرح بزازیہ میں ہے ـــــ رد المحتار میں شرح علامہ مقدسی سے نقل فرمایا:

انما توقف الانعقاد علی القبول فی قول الاب او الوکیل ھب ابنتك لفلان اولابنی او اعطھا مثلا لانہ ظاھر فی الطلب وانہ مستقبل لم یرد بہ الحال والتحقق فلم یتم بہ العقد بخلاف تزوجنی بنتك بکذا بعد الخطبۃ ونحوھا فانہ ظاھر فی التحقق والاثبات الذی ھو معنی الایجاب۔[2]

لڑکے کے باپ یا وکیل نے لڑکی کے باپ کو کہا کہ تُو اپنی بیٹی فلاں کو یا میرے لڑکے کو ہبہ کر یا عطا کر، تو اس میں نکاح کا انعقاد لڑکی کے باپ کے دے دینے کے بعد لڑکے کے باپ یا وکیل کے قبول کرلینے پر موقوف رہے گا، کیونکہ یہ الفاظ ظاہری طور پر طلب کے لیے ہوتے ہیں جس میں مستقبل ہوتا ہے، تحقق اور حال مراد نہیں ہوتا، لہذا عقد تام نہ ہوگا، اس کے برخلاف اگر یہ کہا ہو کہ "تُو اپنی بیٹی مجھے بیاہ دے" اور یہ کہنا مہر طے کرنے اور منگنی کے بعد ہو تو یہ الفاظ تحقق اور اثبات میں ظاہر ہیں جو کہ ایجاب کہلاتا ہے۔ (ت)

شرح طحاوی سے گزرا کہ ھل اعطیتنیھا (کیا تُو نے بیٹی مجھے عطا کی۔ ت) مجلس عقد میں مفید عقد ہے اور جلسہ وعد میں طلب وعد بالجملہ الفاظ محتملہ میں مدار قرینہ پر ہے، پھر الفاظ مذکورۂ عمرو و عبداللہ تو مساومت و تحقیق دونوں سے مہجور اور خاص اخبار میں متعین ہیں تو انھیں اس عبارت سے بھی کچھ علاقہ نہیں کما لایخفٰی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی فیما ینعقد بہ النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۷۱

[2] رد المحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۴

مسئلہ ۱۴۵: از ملک آسام ضلع جورہاٹ ڈاکخانہ کٹنگا مقام سرائے بہی مرسلہ سید محمد صفاء الدین صاحب ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

سوال اوّل: ایک عدیم البصر عالم وفاضل اور ایک نگہبان بھی اس کے پاس موجود تھا اس نے نکاح پڑھایا، نکاح جائز ہے یا نہ؟

الجواب

بلاشبہہ جائز ہے کہ نکاح پڑھانے میں آنکھوں کا کیا کام ہے، بلکہ جب وُہ عالم ہے تو وہی انسب و اولٰی، خود گواہانِ نکاح جن کے بغیر نکاح اصلاً صحیح نہیں اگر نابینا ہوں کچھ مضائقہ نہیں۔[1]

کما نص علیہ حتی فی المتون کالکنز والوقایۃ والاصلاح والمختار والھدایۃ والملتقی والتنویر وغیرھا۔	جیسا کہ کنز، وقایہ، اصلاح، مختار، ہدایہ، ملتقی اور تنویر وغیرہ متون میں اس پر تصریح موجود ہے۔ (ت)

تو نکاح پڑھانے والے کی بینائی کیا ضرور کہ وُہ خود ہی نکاح کے لیے ضروری نہیں، عاقدین کا آپ ایجاب و قبول کافی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

سوال دوم: اگر عدیم البصر عالم نہ ہو اور نگہبان بھی موجود نہ ہو اس صورت میں اُس نے نکاح پڑھایا، آیا جائز ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اب بھی جائز ہے جبکہ ٹھیک پڑھائے، بے نگاہی یا بے نگاہ بانی کچھ نکاح پڑھانے میں مخل نہیں، ہاں جاہل ہونا مخل ہو سکتا ہے کہ جب مسائل نکاح سے آگاہ نہیں تو ممکن کہ وُہ صورت کر دے جس سے نکاح صحیح نہ ہو اور زوجین بھی بوجہ جہل اس سے غافل رہیں تو معاذ اللہ عمر بھر حرام میں مبتلا ہوں، لہذا نکاح میں بہت احتیاط لازم، عقد کرنے والا دیندار، متقی، مسائل نکاح سے واقف ہو کہ جاہل سے نادانستہ وقوع مخل کا اندیشہ تھا، فاسق بد دیانت پر اعتماد نہیں، جب وُہ خود حلال وحرام کی پروا نہیں رکھتا تو اوروں کے لیے احتیاط کی کیا امید، بحر الرائق و درمختار و فتح اللہ المعین وغیرہا میں ہے:

واللفظ للدر یندب اعلانہ وتقدیم خطبۃ	دُر کے الفاظ ہیں، نکاح کا اعلان، اس سے پہلے خطبہ

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۷

وکونه فی مسجد یوم جمعۃ بعاقد رشید[1] الخ۔ | مسجد میں ہونا جمعہ کا دن ہونا اور نکاح کرنے والا صاحبِ رشد یعنی صاحبِ علم وعمل ہونا مستحب ہے الخ (ت)

اقول الرشد ینتظم العلم والعمل (رشد علم اور عمل دونوں کو جامع ہے۔ ت) اس زمانۂ جہل وفساد میں اکثر وہ صورت رائج ہے کہ اگر اہلِ علم حاضر جلسہ نہ ہوں تو نکاح میں سخت خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہے یعنی دُلھن سے زید کے لیے صرف وکالت نکاح لی، یہ تصریح نہ کرائی کہ اسے دوسرے کو وکیل کردینے کا بھی اختیار ہے، اب زید وکیل جو شرعاً صرف نکاح پڑھانے کا مجاز ہُوا وہ خود نہیں پڑھتا بلکہ قاضی کوئی اور صاحب باہر بیٹھے ہیں اُن سے آکر کہتا ہے مجھے فلاں عورت نے اپنے نکاح کا وکیل کیا، دو گواہ گواہی دیتے ہیں، وہ تو اتنا کہہ کر الگ ہوگیا، اب قاضی جی نے نکاح پڑھایا، یہ نکاح ہرگز نہ ہُوا کہ نہ خود عورت نے ایجاب وقبول کیا نہ اس کے وکیل ماذون نے، بلکہ ایک اجنبی شخص نے، کہ اول تو وکیل کا اپنی وکالت سے خبر دینا اس قاضی کو اپنی طرف سے وکیل کرنا نہیں، اور ہو بھی تو صحیح مذہب میں وکیلِ نکاح کو دوسرے کے وکیل کرنے کا بے اذن موکل اختیار نہیں،

فی الدر عن البحر لیس للوکیل (ای فی النکاح) ان یوکل بلا اذن[2] اھ وفی وکالۃ غمز العیون عن الولوالجیۃ لووکل رجلا فی نکاح فوکل الوکیل غیرہ ذکرہ محمد فی الاصل انہ لایجوز فانہ قال اذا فعل الثانی بحضرۃ الاول لم یجز وھو الصحیح[3] اھ ملخصًا۔ | نکاح کے وکیل کو جائز نہیں کہ وُہ بغیر اجازت اس میں کسی دوسرے کو وکیل بنائے، یہ بحر کے حوالے سے دُر میں مذکور ہے اھ غمز العیون کی وکالت کی بحث میں ولوالجیہ سے منقول ہے کہ اگر ایک نے کسی کو نکاح کا وکیل بنایا تو وکیل نے کسی دوسرے کو از خود وکیل بنا لیا تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل یعنی مبسوط میں ذکر کیا کہ یہ جائز نہیں، انھوں نے فرمایا کہ پہلے کی موجودگی میں دوسرے وکیل نے کارروائی کی تو جائز نہیں ہوگی، یہی صحیح ہے اھ ملخصًا (ت)

تو یہ نکاح نکاحِ فضولی ہُوا اور اجازتِ زنِ بالغہ پر موقوف رہا، اگر خبر پر نفرت وکراہت ظاہر کی، جیسا کہ اکثر دختران دوشیزہ سے ایسا ہی واقع ہوتا ہے جب تو ڈھول سے کھال بھی گئی، اب وہ نکاح یکسر باطل ہوگیا کہ آئندہ اجازت سے بھی جائز نہیں ہوسکتا۔

---

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵
[2] ؍؍ باب الولی ؍؍ ۱/۱۹۲
[3] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الوکالہ ادارۃ القرآن کراچی ۲/۱۲-۱۱

فی الدرالمختار لوبلغها فردت ثم قالت رضیت لم یجز لبطلانه بالرد و لذا استحسنوا التجدید عند الزفاف لان الغالب اظهار النفرۃ عند فجأۃ السماع[1]

درمختار میں ہے کہ لڑکی کو نکاح کی اطلاع ملی تو انکار کردیا پھر بعد میں اس نے کہا میں راضی ہوں، تو پہلے رد شدہ نکاح اس سے جائز نہ ہوگا کیونکہ وہ انکار کرنے کی وجہ سے باطل ہوچکا ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام نے فرمایا کہ ایسی صورت میں رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح کرنا بہتر ہوگا کیونکہ اچانک نکاح کی خبر پر نفرت کا اظہار ہوتا ہے (اس لیے پہلا انکار نفرت کی وجہ سے ہُوا) (ت)

یونہی بعض نکاحوں میں مشاہدہ ہُوا ہے کہ نکاح خواں نے کلماتِ ایجاب دُولھا کے کان میں کہے کہ حاضرین میں کسی نے نہ سُنے صحیح مذہب میں یُوں نکاح نہیں ہوتا بلکہ مجلس واحد میں معًا دُو گواہوں کا دونوں الفاظِ ایجاب وقبول سُننا شرط ہے۔

فی الدر وشرط حضور شاھدین حرین او حر وحرتین مکلفین سامعین قولھما معا علی الاصح[2]

در میں ہے کہ نکاح میں دو عاقل بالغ حر مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ کے طور پر مجلس میں موجود ہو کر نکاح کے دونوں فریقوں کا کلام سُنیں، یہ شرط قرار دیا گیا ہے صحیح قول کے مطابق۔ (ت)

ان باتوں کا منشا وہی جہل و ناواقفی ہے اور ان کے سوا اور بہیں اغلاط کا اندیشہ ہے جن سے علماء ہی آگاہ ہوتے ہیں یا وُہ نیک توفیق والے جنھیں علماء کی خدمت وصحبت اور اُن سے مسائل دینیہ کی تحقیقات کا شوق کامل ہے غرض جاہل کی نکاح خوانی قطعًا خلافِ اولٰی ہے جس طرح اس کی امامت یا مضاربت کہ جو اندیشۂ خلل وفساد وہاں ہے وہی نکاح میں بھی، کما لایخفٰی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶: از جورہاٹ ملک آسام بانی اسکول مرسلہ میاں محمد علی صاحب ۳ شعبان ۱۳۱۲ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیا فرمان ہے) اس مسئلہ میں کہ اگر زید نے ایک عورت سے دو گواہ غیر ملکی کے سامنے نکاح کیا پھر زید نے وہ دونوں گواہ جانے کے بعد اپنے نکاح کو ظاہر کیا اور عورت بھی نکاح ہونے پر زید کے مقر ہے اور وُہ دونوں گواہان مذکوران ایک غیر ملک میں جاکر ایک عالم سے اور اپنے ملک میں جاکر قاضی کے رُوبرو دونوں جگہ نکاح ہونے زید کی گواہی دیتے ہیں اور دونوں

---

[1] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۶

جگہ سے دو خط مع مُہر و دستخط کے اور صورت گواہی اُن دونوں گواہوں کے زید کے نکاح ہونے کا ثبوت زید کے ملک کے ایک عالم اور ایک معتبر آدمی کے پاس ارسال کیا پھر ایک برس کے بعد ان دونوں گواہوں سے ایک گواہ آکر پہلے تین چار آدمی کے رُوبرو نکاح ہونے زید کی گواہی دی تھی بعدہٗ دس بارہ روز کے بعد ایک جماعت کے رُوبرو انکار نکاح زید کا کیا، زید اور بی بی کے درمیان میں کوئی جھگڑا اور تنازع نہیں ہے، زید بھی ہر خاص و عام کے رُوبرو کہتا ہے کہ وُہ میری بی بی ہے اور بی بی کہتی ہے کہ زید میرا شوہر ہے، اور حال چال بھی دونوں کے خاوند اور جورو ہونے کے پائے جاتے ہیں، اور مقر نکاح جانبین ہے، از روئے شرع شریف کے زید کا نکاح درست اور نافذ ہُوا یا نہیں؟ اور نکاح دوبارہ کرنا لازم آئے گا یا نہ؟ اور صورت نکاح دوبارہ میں حد اُن دونوں کے اوپر یعنی زوج زوجہ کے اوپر لازم ہوگا یا نہیں؟ مع دلیل و برہان کے جواب باصواب فرمائیں، اگر دونوں گواہ انکار نکاح کا ہو جائیں تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں وُہ دونوں زوج و زوجہ ہیں، اُن کا نکاح صحیح و ثابت ہے، دوبارہ نکاح کی اصلاً حاجت نہیں، اگرچہ دونوں گواہ انکار کر جائیں،

فان الشھود شرط النکاح فی الابتداء دون البقاء۔

گواہوں کا ہونا نکاح کی ابتداء میں شرط ہے اس کے بقاء کے لیے شرط نہیں۔ (ت)

جبکہ وہ دونوں باہم مقر نکاح ہیں، یہ اسے اپنی بی بی وُہ اسے اپنا شوہر بتاتی ہے تو کسی کو اعتراض کی ہرگز گنجائش نہیں بلکہ اُن کا صرف یہ باہمی اقرار ہی ثبوتِ نکاح کے لیے کافی ہے اگرچہ کوئی گواہ گواہی نہ دے، فی ردالمحتار صرحوا ان النکاح یثبت بالتصادق[1] (ردالمحتار میں ہے کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ ایک دوسرے کی تصدیق سے نکاح ثابت ہوجاتا ہے۔ ت) پھر اُن کا باہم زن و شو کی طرح رہنا دوسرا مثبت نکاح ہے یہاں تک کہ جتنے لوگ اس حال سے واقف ہیں سب کو اُن کے زوج و زوجہ ہونے پر گواہی دینی جائز ہے،

فی الھدایۃ حل لہ ان یشھد اذا رأی رجلا وامرأۃ یسکنان بیتا وینبسط کل واحد منھما الی الاخر انبساط الازواج[2] اھ ملخصًا۔ واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

ہدایہ میں ہے جب کوئی مرد وعورت آپس میں خاوند بیوی کی طرح گھر میں رہیں اور دونوں آپس میں میاں بیوی کی طرح بے تکلف ہوں تو دیکھنے والے کو ان کے نکاح کی شہادت دینا جائز ہے اھ ملخصًا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہٗ اتم واحکم۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار — کتاب النکاح — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۲/۲۶۵

[2] ہدایہ — کتاب الشہادۃ — مطبع یوسفی لکھنؤ — ۳/۱۵۸

مسئلہ ۱۵ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے بایں شرط نکاح کیا کہ بعد ایک ماہ کے طلاق دے دُوں گا، اور اس امر کو اپنے دل میں رکھا، یا یہ کہ ہندہ سے بیان کیا، تو آیا یہ نکاح صحیح ہُوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نکاح صحیح ہے خواہ دل میں یہ قصد رکھا خواہ عقد میں اس کی شرط کرلی کہ طلاق کا شرط کرنا ہی ارادہ نکاح دائم پر دلیل ہے، ہاں اگر یُوں عقد کرے کہ میں نے تجھ سے ایک مہینہ یا ایک برس یا سَو برس کے لیے نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا کہ ایک وقت تک نکاح کو محدود کر دینا صورتِ متعہ ہے اور متعہ محض حرام اور زنا۔ درمختار میں ہے:

بطل نکاح متعة وموقت وان جهلت المدة لو طالت فی الاصح ولیس منه مالو نکحها علی ان یطلقها بعد شهر او نوی مکثه معها مدة معینة[1]

متعہ کے طور نکاح یا مقررہ مدّت کے لیے نکاح خواہ مدّت لمبی ہو یا مدّت مجہول ہو تو صحیح مذہب میں یہ نکاح باطل ہے، اور اگر اس شرط پر نکاح کیا کہ ایک ماہ بعد طلاق دے دُوں گا، یا اس وقت دل میں مقررہ مدّت کی نیت کی تھی، تو باطل نہ ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان اشتراط القاطع یدل علی انعقاده مؤبدا وبطل الشرط بحر[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اس لیے کہ نکاح میں طلاق کی شرط دلالت کرتی ہے کہ یہ نکاح دائمی ہے اور یہ شرط باطل ہوگی، بحر۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ منکوحہ زید میں کوئی علامت مردی و زنی سے نہیں صرف ایک مخرج ہے جس سے بَول آتا ہے، مگر پستان اس کے مثل زنان کے ہیں، اس صورت میں یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ اور اگر زید اُسے طلاق دے تو ادائے مہر ذمّہ زید لازم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں نکاح صحیح ہے اور نصف مہر بعد طلاق ذمّہ زید واجب الادا کہ منکوحہ زید اگرچہ

---

[1] درمختار | کتاب النکاح | فصل فی المحرمات | مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۰
[2] ردالمحتار | 〃 | 〃 | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۲۹۴

قبل از بلوغ بوجہ انتفائے ہر دو علامت از قبیل خنثیٰ تھی مگر جب بعد بلوغ اس کی پستانیں مثل پستانِ زن ظاہر ہوئیں تو اشکال زائل اور اس کا عورت ہونا منکشف ہوگیا، اب بلاشبہہ یہ نکاح اپنے محل میں واقع ہوا اور حل استمتاع کو شرعاً مفید کہ شرائط صحت سب موجود ہیں اور موانع شرعیہ بالکل مفقود، البتہ فساد خلوت عدم تاکد مہر کا باعث ہے اور خیار عیب کو نکاح میں دخل نہیں تاکہ زید بوجہ اس کے فسخ نکاح کر سکے اور کل مہر اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے، رہا امر حسی کا عائق ہونا وہ ہرگز منافی جواز نہیں۔

فی تنویر الابصار من کتاب الخنثیٰ ھو ذو فرج وذکر او من عری عن الاثنیین فان ظھر لہ ثدی فامرأۃ انتھی مع التلخیص[1]، وفی الدر المختار من النکاح ھو عند الفقھاء عقد یفید ملك المتعۃ ای حل استمتاع الرجل من امرأۃ لم یمنع من نکاحھا مانع شرعی انتھی[2]، وفیہ من باب المھر [illegible] بلا مانع حسی کرتق بفتحتین التلاحم وقرن بالسکون عظم وعقل بفتحتین غدۃ لا یطاق فیہ الجماع کالوطی فی تاکد المھر[3] انتھی ملخصا وفیہ من ذلك الباب ویجب نصفہ بطلاق قبل وطی او خلوۃ[4] انتھی وفی فتاوی الامام قاضی خان والرتق

تنویر الابصار کی خنثیٰ کی بحث میں ہے خنثیٰ وہ ہے کہ جس کا ذکر اور فرج دونوں ہوں یا خصیتین نہ ہوں، تو اگر اس کے پستان ظاہر ہو جائیں تو عورت قرار پائے گی، تنویر کی عبارت ختم ہوئی، تلخیصاً۔ درمختار میں نکاح کی بحث میں ہے فقہاء کرام کے ہاں نکاح ایسا عقد ہے جو مرد کو عورت سے جماع کا مالک بنا دیتا ہے جبکہ اس سے کوئی شرعی مانع نہ ہو اھ اور اسی کے [illegible] کہ جب خلوت بغیر کسی حسی مانع کے حاصل ہو جائے تو اس کا حکم مہر کو لازم کرنے میں جماع کی طرح ہے، خلوت میں حسی مانع جیسے رتق (ر اور تا فتح کے ساتھ) جس کا معنیٰ شرمگاہ میں گوشت کا ابھر جانا، اور جیسے قرن بسکون را، جس کا معنی ہڈی اور عفل، ع اور ق پر فتح، جس کا معنیٰ غدود ہے یعنی ہڈی اور غدود شرمگاہ میں اس طرح بڑھ جائے کہ جماع کے لیے مانع بن جائے اھ ملخصاً۔ درمختار کے اسی باب میں ہے کہ نصف مہر لازم ہوگا جب خلوت یا جماع سے

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الخنثیٰ مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۱

[2] " " " کتاب النکاح " ۱/ ۱۸۵

[3] " " " باب المہر " ۱/ ۱۹۹

[4] " " " " " ۱/ ۱۹۸

یمنع الخلوۃ لانہ یمنع الجماع وذکر فی طلاق الاصل ان العدۃ یجب علی الرتقاء ای فلہا نصف المہر[1] انتہی وفیہا من فصل خیارات النکاح ومنہا خیار العیب وھو حق الفسخ بسبب العیب عندنا لایثبت فی النکاح فلاترد المرأۃ بعیب ما وقال الشافعی لہ ان یرد بالقرن والرتق ویفسخ النکاح فان رد قبل الدخول یسقط کل المہر والالہا مہر المثل کما ھو حکم الفسخ[2] انتہی مع التلخیص، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

قبل طلاق دی ہو اھ، فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ رتق، خلوت کے لیے مانع ہے کیونکہ یہ جماع کے لیے مانع ہے، اور اصل (مبسوط) کی بحث طلاق کے بیان میں ہے کہ رتقاء عورت پر عدت واجب اور اس کے لئے نصف مہر ہوگا اھ اور اصل کی بحث اختیاراتِ نکاح میں ہے کہ خیارِ عیب جس کو عیب کی وجہ سے حقِ فسخ کہتے ہیں، ہمارے ہاں نکاح کے باب میں ثابت نہیں، لہٰذا کسی عیب کی وجہ سے عورت کو رَد نہیں کیا جائے گا۔ اور امام شافعی نے فرمایا کہ قرن اور رتق والے عیب کی وجہ سے مرد کو فسخ کا اختیار ہے، پس اگر قبل از دخول رَد یا فسخ کر دے تو تمام مہر ساقط ہو جائے گا ورنہ پُورا مہرِ مثل عورت کا حق ہے جیسا کہ فسخ کا حکم ہے اھ، ملخصاً، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی عورت طوائف کسی مرد آشنا کے ساتھ پردہ میں حسبِ دستور عیاشیوں کے جو بغرض مقید رکھنے اور نہ ملتفت ہونے اُس کے ساتھ دوسرے مرد کے، پردہ میں رکھتے ہیں ہم خانہ رہی ہو، وُہ عورت شرعاً زوجہ تصور کی جائے گی یا نہیں؟ اور اگر زوجہ تصور کی جائے گی تو ایسے ہم خانہ رہنے کے واسطے کوئی مدت مقرر ہے یا نہیں؟ اور ہے تو کس قدر مدت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں پردہ اُس طوائف کا صرف اُن لوگوں سے جن سے احتمال موافقت کا ہو معتد بہ نہیں، ایسا پردہ ثبوتِ نکاح کی دلیل نہیں ہو سکتا، البتہ اگر وُہ مرد و زن مثل زوج و زوجہ رہتے، اور جو لوگ اُن کے حالاتِ خانگی سے واقف ہیں اُنھیں زوج و زوجہ تصور کرتے ہوں تو شرعاً زوج زوجہ قرار پائیں گے نہ کہ زانی و زانیہ کہ مسلمان کی طرف بدکاری کی نسبت بے ثبوتِ شرعی ہرگز جائز نہیں، شارع نے جس قدر احتیاط اس بارے میں فرمائی دوسرے معاملہ

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فی الخلوۃ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۸۱

[2] " " فصل فی الخیارات التی تتعلق بالنکاح " ۱/ ۱۸۷

میں نہ آئی یہاں حسنِ ظن واجب اور تکذیبِ قاذف لازم، قال عزاسمہٗ لولا جاؤا علیہ باربعۃ شھداء[1] الآیۃ (اس پر اگر وُہ چار گواہ پیش نہ کریں، الآیۃ ۔ ت) اور ارشاد ہوتا ہے: ولولا اذا سمعتموہ قلتم[2] الآیۃ (اور کیوں نہیں تم کہتے جب تم اسے سُنتے ہو، الآیۃ ۔ ت) اگر کوئی مسلمان حرعاقل بالغ عفیف کی طرف نسبتِ زنا کرے اور چار گواہوں سے ثابت نہ کردے تو بعد طلب مقذوف کے اُسے اَسّی کوڑے مارے جاتے ہیں اور گواہی اس کی کبھی قبول نہیں ہوتی، قال اللہ تعالٰی: والذین یرمون[3] الآیۃ (اور وُہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں الآیۃ ۔ ت) اسی طرح اگر تین گواہ معائنۂ زنا کی گواہی دیں اور چوتھا نہ ہو تو اُن گواہوں پر حدِ قذف لازم آتی ہے،

فی الفتاوی الھندیۃ ان شھد علی الزنا اقل من اربعۃ بان شھد واحد اواثنان اوثلثۃ لاتقبل الشھادۃ ویحد الشاھد حد القذف[4]۔

فتاوٰی ہندیہ میں ہے کہ اگر چار سے کم ایک یا دو یا تین گواہ زنا کی گواہی دیں تو ان کی شہادۃ قبول نہ ہوگی اور گواہوں پر حدِ قذف ہوگی اھ (ت)

پس ایسی صورت میں کہ گواہانِ معائنۂ نکاح موجود نہ ہوں شرعاً حکم نکاح کا فرمادیتی ہے اور اس امر کے لیے شرع شریف میں کوئی مدت مقرر نہ فرمائی بلکہ بحالت عدم شہود معائنہ مدارِ ثبوت انبساط و شہرت پر ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوا اور زید شبِ زفاف میں بالکل مخاطب نہ ہوا اور چارپائی پر علیحدہ رہا اور باہم صحبت زید نے ہندہ سے نہیں کی، بعدہٗ معلوم ہُوا کہ زید نامرد ہے اور ہندہ نے زید کا عنین ہونے کا بھی ایک عرصہ تک علاج کیا لیکن صورتِ صحبت ظہور میں نہ آئی، اب ہندہ اپنے والدین کے یہاں رہتی ہے اور زید بسبب نامردی کے چاہتا ہے کہ ہندہ کو جان سے مار ڈالے، اس صورت میں نکاح ہندہ کا زید سے درست ہُوا یا نہیں؟ اور ہندہ دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ جیسا حکم شرع شریف کا ہو ویسا کیا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

نکاح ہندہ کا زید سے درست ہے،

اذ لیس عدم العنۃ من شرائط صحتہ ولوکان کذلک لما احتیج الی ما ذکروہ من باب العنین من المرافعۃ و

کیونکہ نکاح کے درست ہونے کے لیے نامرد نہ ہونا شرط نہیں ہے۔ اور اگر یہ بات ہوتی تو پھر نامرد کے سلسلہ میں قاضی کے ہاں پیش کرنے اور قاضی کا مہلت

---

[1] القرآن ۲۴/ ۱۳ [2] القرآن ۲۴/ ۱۶ [3] القرآن ۲۴/ ۴

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحدود الباب الخامس فی الشہادۃ علی الزنا الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۱۵۱-۵۲

التاجیل والطلب والتفریق وھذا واضح جدا۔

دینا، عورت کا مطالبہ، اور پھر قاضی کی تفریق وغیرہ امور ذکر کرنے کی فقہاء کو ضرورت پیش نہ آتی، جبکہ یہ بات بالکل واضح ہے۔ (ت)

ہندہ کو ہرگز روا نہیں کہ بغیر حصولِ طلاق دوسرے شخص سے نکاح کرلے، اگر کرے گی نکاحِ ثانی باطل محض ہوگا اور شوہرِ ثانی سے قربت زنائے خالص، والعیاذ باللہ تعالٰی۔

وذٰلک لبقاء العصمۃ کما ذکرنا فالعنین وغیرہ فیھا سواء۔

دوسرے نکاح کا عدمِ جواز پہلے نکاح کے تحفظ کیلئے ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ پس اس معاملہ میں نامرد اور مرد برابر ہیں۔ (ت)

ہاں صورتِ خلاص یہ ہے کہ زید و ہندہ اپنے معاملہ میں کسی ذی علم کو پنچ کریں،

ففی الخیریۃ یصح التحکیم فی مسئلۃ العنین لانہ لیس بحد ولا قود ولا دیۃ علی العاقلۃ ولھم ان یفرقوا بطلب الزوجۃ اھ[1]

تو فتاوٰی خیریہ میں ہے نامرد کے مسئلہ میں حکم بنانا اس لیے درست ہے کہ یہ حد، قصاص اور عاقلہ پر دیت کا مسئلہ نہیں ہے، حکم حضرات کے لیے عورت کے مطالبہ پر تفریق کرنا جائز ہے اھ (ت)

ہندہ اُس کے حضور عنّت شوہر کا دعوٰی کرے اور اس بنا پر تفریق چاہے پنچ کے نزدیک جب اُس کا عنین ہونا بطرق شرعیہ کہ اُن میں سے ایک طریقہ مثلاً اقرار زید ہے ثابت ہوجائے تو بملاحظہ تفاصیل مذکورہ فی الفقہ سال بھر کی زید کو مہلت دے اور اس تمام برس میں زن و شو یکجا رہیں، اگر کچھ دنوں کو ہندہ کہیں چلی جائیگی وہ دن سال میں معدود نہ ہوں گے، جب اس طرح سال کامل گزر جائے اور زید ہندہ پر قدرت نہ پائے تو اُس وقت بطلب ہندہ زید و ہندہ میں تفریق کردی جائے، اب بعد عدت ہندہ کو اختیارِ نکاح ہوگا۔

وکل ما ذکرنا مفصل فی الدرالمختار و ردالمحتار والفتاوی الخیریۃ وغیرھا من الکتب الفقھیۃ۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس کی تفصیل درمختار، ردالمحتار اور فتاوٰی خیریہ وغیرہ کتب میں موجود ہے۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مع چند ہمراہیوں کے عمرو کے یہاں اُس کی دختر کو پیام دینے گیا عمرو نے اس کے ساتھ شادیِ دختر کردینے پر رضا ظاہر کی اور گفتگو کرنے والوں سے

---

[1] فتاوٰی خیریہ باب التحکیم دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۶

مخاطب ہو کر کہا میں نے اپنی لڑکی آپ کو دی، اس پر زید نے کہا بہتر ہم کو منظور ہے جب آپ نے میرے خطبہ کو منظور کیا اور زبان دی تو میری تسکین ہوگئی غرض بات بہمہ وجوہ قرار پاگئی اور طرفین کا اطمینان ہوگیا اب عمرو اُس دختر کا نکاح دوسرے شخص سے کرنا چاہتا ہے یہ اُسے جائز ہے یا نہیں اور بغیر ترک یا اعراض زید کے دوسرے شخص سے اُس دختر کا نکاح صحیح ہوگا یا نہیں اور جبکہ عمرو نے کہا میں نے اپنی لڑکی آپ کو دی اور زید نے اس کے جواب میں کہا بہتر قبول و منظور ہے تو یہ صاف ایجاب و قبول ہو کر نکاح منعقد ہوگیا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اگرچہ مخطوب منہ کا اپنے اقرار سے پھرنا اور خاطب اول کو زبان دے کر دوسرے سے قصدِ تزویج کرنا شرعاً مذموم و بے جا و قابلِ مواخذہ ہے، قال تبارک و تعالٰی: ان العھد کان مسئولا[1] (عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ ت) اور جس طرح مخطوب منہ پر مواخذہ ہے اسی طرح وُہ دوسرا خاطب جس نے مخطوبہ غیر پر پیام دیا شرعاً مرتکب شناعت ہے،

وقد صح ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن السوم علی سوم اخیہ و الخطبۃ علی خطبۃ اخیہ[2]

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے بھائی کے سودے پر سودے اور بھائی کی منگنی پر منگنی سے منع فرمایا۔ (ت)

مگر بااینہمہ اگر مخطوب منہ اپنی لڑکی کا خاطب اوّل سے نکاح نہ کرے اور غیر سے تزویج کر دے یہ نکاح شرعاً صحیح و درست ہو جائے گا اور ترک و اعراض خاطب اول کی کچھ حاجت نہیں کہ وُہ گفتگو جواب تک خاطب و مخطوب منہ کے درمیان آئی اس کی طرف سے مجرد خطبہ تھی اور اس کی جانب سے محض وعدہ، نہ عقد ایجاب و قبول، پس مخطوبہ ہنوز خاطب کی عصمت نکاح میں نہ داخل ہوئی جس کے سبب غیر سے اُس کی تزویج ناروا ٹھہرے،

فی العقود الدریۃ سئل فیما اذا خطب وکیل زید ابنۃ عمرو البالغۃ لزید بمحضر من الناس فاجابہ الاب الی ذٰلک قائلا ان مھر ابنتی کذا ان رضیت فبھا والا فلا فرضی الخاطب ودفع للاب

عقود الدریہ میں سوال کیا گیا کہ جب زید کے وکیل نے عمرو کی بالغہ لڑکی کے بارے میں لوگوں کی موجودگی میں زید کے لئے منگنی کی تو لڑکی کے باپ نے جواب میں کہا کہ میری لڑکی کا اتنا مہر ہے اگر آپ راضی ہیں تو بہتر ورنہ نہیں، اس پر منگنی والا راضی ہوگیا اور

---

[1] القرآن ۱۷/ ۳۴

[2] صحیح مسلم باب یحرم الخطبۃ علی خطبۃ اخیہ الخ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی ۱/ ۴۵۴

شیئا من الحلی والبسه لابنته فلم ترض البنت بالخطبة وردتها فهل یسوغ لها ذٰلك ولاتکون الخطبة واقعة موقع عقد النکاح اصلا الجواب حیث لم یجر بینهما عقد نکاح شرعی بایجاب وقبول شرعیین لاتکون الخطبة واقعة موقع عقد النکاح اصلا۔[1]

اس نے لڑکی کے باپ کو کچھ زیور دئے اور لڑکی کو کپڑا پہنایا تو لڑکی نے منگنی پر رضامندی سے انکار کر دیا اور منگنی کو رَد کر دیا تو اس صورت میں کیا لڑکی کو رَد کا اختیار ہے اور کیا یہ منگنی نکاح کے قائم مقام نہ ہوگی؟ جواب: شرعی طور پر یہ قبول و ایجاب کے ساتھ نکاح نہ ہُوا اور یہ منگنی نکاح کے قائم مقام نہ ہوگی۔ (ت)

اور یہ لفظ کہ میں نے اپنی لڑکی آپ کو دی ہرچند کنایاتِ تزویج سے ہے مگر مجلسِ عقد میں عقد قرار پاتا ہے اور مجلسِ وعد میں وعد۔

فی رد المحتار عن فتح القدیر عن شرح الطحاوی لوقال اعطیتنیها فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح[2] اھ واقرہ العلامة العلائی والفاضل الرحمتی والسید الطحطاوی وغیرهم رحمهم الله تعالٰی۔

ردالمحتار میں فتح القدیر کے حوالہ سے طحاوی کی شرح سے منقول ہے کہ اگر کسی نے دُوسرے کو کہا کہ تُو نے لڑکی مجھے دی، جواب میں اس نے کہا کہ میں نے دی، تو اگر بات مجلسِ نکاح میں ہے تو نکاح ہے اور وعد (منگنی) کی مجلس ہے تو منگنی ہوگی اھ اس کو علامہ علائی، فاضل رحمتی، سید طحطاوی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے ثابت رکھا۔ (ت)

اور پُرظاہر کہ وہ مجلس مجلسِ نکاح نہ تھی اور خاطب کا اُس وقت مع چند ہمراہیوں کے جانا بات ٹھہرانے اور وعدہ لینے اور رضامندی حاصل کرنے ہی کے طور پر تھا تو پدر مخطوبہ کے وُہ الفاظ بھی وعدہ ہی پر محمول ہوں گے نہ عقد پر، یہاں تک کہ خود خاطب کے کلام سے واضح و روشن کہ وُہ بھی ان کلمات کو اقرار نکاح و اظہار رضا و قبول خطبہ ہی سمجھا نہ ایجاب و تزویج کہ اُس نے جواب میں کہا: بہتر، ہم کو منظور ہے، جب آپ نے میرے خطبہ کو منظور کیا اور زبان دی تو میری تسکین ہوگئی' اور ہر عامی جانتا ہے کہ ہماری زبان میں زبان دینا کسی کام کے وعدہ و اقرار کو کہتے ہیں نہ کہ اس کے ایقاع و اصدار کو۔ زید نے اگر عمرو سے کچھ روپے مانگے

---

[1] العقود الدریة علی تنقیح حامدیة مسائل منثورہ من ابواب النکاح حاجی عبدالغفار وپسران تاجرانِ کتب قندھار ۱/۳۱
[2] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۴

اور اس نے دے دے تو یہ نہ کہا جائے گا کہ عمرو زبان دے چکا، ہاں نہ دیے اور دینے کا وعدہ کرلیا تو یہ لفظ بولنا صحیح ہوگا، پس ثابت ہوگیا کہ مخطوب منہ کا وہ کلام محض اجابت تھا نہ کہ لفظ ایجاب وشتان بینھم (دونوں میں فرق ہے۔ ت) ایک وجہ تو عدمِ نکاح کی یہ ہوئی اور یہیں سے دوسری وجہ بھی ظاہر ہے کہ جب کلام خاطب با علی ندا منادی کہ وہ سخن مخطوب منہ کا محصل اقدام علی العقد نہ سمجھا تھا بلکہ محض اقرار و وعدہ جانا تو اب اس کا یہ کہنا بھی کہ "بہتر ہم کو منظور ہے" بر سبیل قبول تزویج نہ تھا بلکہ اُس کی اجابت پر اپنی خوشی کا اظہار تھا تو اگر فی الواقع مخطوب منہ کے وہ الفاظ ایجاب ہی ٹھہریں تاہم قبول مفقود ہے اور جملہ اخیرہ کہ "آپ نے زبان دی تو میری تسکین ہوگئی" مفسر مراد موجود جس کے سبب لفظ اوّل صریح قبول ٹھہرا کر الفاظ پر بنا اور نیت کا الغا نہیں کرسکتے اور اس کے سوا بعض وجوہ اور بھی پیدا ہوسکتے ہیں جو عدمِ انعقادِ نکاح پر دلالت کریں،

کما لا یخفی علی ماھر الفقیہ وفیما ذکرنا کفایۃ للنبیہ۔

جیسا کہ مخفی نہیں ماہر فقیہ پر، اور ہم نے جو ذکر کردیا ہے وہ عالم کو وضاحت کے لیے کافی ہے (ت)

بالجملہ نہ الفاظ مخطوب الیہ ایجاب کے قابل، نہ جانب خاطب سے قبول حاصل، نہ مخطوبہ حبالۂ نکاح خاطب میں داخل، نہ غیر سے تزویج ناروا و باطل۔ رہا مخطوب منہ پر گناہ، وہ بھی اُسی وقت تک ہے کہ اُس نے بلاوجہ یا کسی رنجشِ دنیوی کے سبب تزویج خاطب اوّل سے اعراض کیا ہو اور اگر درحقیقت کوئی عذر مقبول پیدا ہوا اور اس نکاح میں اُس نے حرج شرعی سمجھا اور خاطب ثانی کو حقِ دختر میں بہتر جانا تو شرع مطہر ہرگز اس پر لازم نہیں کرتی کہ تو اپنی زبان پالنے کے لیے محذورِ شرعی گوارا یا دیدہ و دانستہ بیٹی کے حق میں برا کر نیک و بد پر کامل نظر ذمہ پدر واجب وضرور، اور آدمی نہ تبدیل رائے سے محفوظ و مصئون، نہ کسی وقت بعض مصالح پر نہ اطلاع پانے سے مامون۔ یہ تو صرف اقرار ہی تھا ہمارے حضور رحمۃ للعالمین صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تو در بارۂ قسم ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر تم کسی بات پر قسم کھا بیٹھو پھر خیال میں آئے کہ اس کا خلاف شرعاً بہتر ہے تو اُس بہتر ہی پر عمل کرو اور قسم کا کفارہ دے دو۔

فقد اخرج الامام احمد ومسلم فی صحیحہ والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من حلف علی یمین فرای غیرھا خیرا منہا فلیات الذی ھو خیر ولیکفر عن یمینہ۔[1]

امام احمد نے اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور امام ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی قسم کھائی اور اس نے اس قسم کے خلاف کو بہتر جانا تو بہتر کو اپنالے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔ (ت)

---

[1] صحیح مسلم باب ندب من حلف یمیناً فرای غیرہا خیراً منہا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ٤٨/٢

پس پدر مخطوبہ پر لازم ہے کہ خدا سے ڈرے اور اصلح واوفق پر نظر کرے وہ دو مطلبوں کے زیر تقاضا ہے ایفائے موعدت ودفع مفسدت، پھر اگر خاطب اول میں کوئی محظور شرعی نہ ہو تو اول پر عمل کرے ورنہ ثانی پر کاربند رہے من ابتلی ببلیتین فاختار اھونھما (جو دو آزمائشوں میں مبتلا ہو تو آسان کو اختیار کرے ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ باپ کو نکاح ہندہ بالغہ کا زید کے ساتھ جو اہل کفو سے ہے منظور نہ تھا اور نہ ہے زید نے بغیبت باپ ہندہ جو صرف بارہ کوس کے فاصلہ پر اپنے علاقہ پر تھا بہ سکوت و گریہ ہندہ و برضامندی مادر و نانی ہندہ وکالت اور شہادت تین اقربا خاص نکاح ظاہر کیا ہندہ کہہ رہی ہے کہ مجھ کو بلا رضامندی اپنے باپ کے یہ نکاح نہ پہلے منظور تھا و نہ اب ہے، ایسی حالت میں باپ ہندہ یا ہندہ کے مجبور کرنے کے واسطے منجانب زید بخیال جواز نکاح یہ بیان وشہادت گزری کہ ہندہ نے زبان سے اقرار کیا تھا و بعد از رخصتی بذریعہ عدالت یا جس طرح پر ہو اپنے گھر جا کر نکاح کا قصد رکھیں ایسی صورت میں ہندہ کو جو ولایت اپنے باپ میں ہے کسی ذریعہ سے لی جائے اطلاق غصب یا کس گناہ کا ہوگا و نکاح مابعد کی نسبت جو گھر لے جا کر دختر مذکورہ کو مجبور کرکے کرے کیا کہنا چاہئے و زید وغیرہ مرتکب کس گناہ کے ہوں گے یا کچھ نہیں، فرض کیا جائے کہ قضاءً بوجہ نصاب شہادت نکاح جائز ہو لیکن جب باپ ہندہ کو نہ پہلے منظور تھا نہ اب ہے و ہندہ کہہ رہی تھی کہ مجھ کو بلا رضامندی اپنے باپ

کے یہ نکاح نہ پہلے منظور تھا نہ اب ہے ایسی حالت میں زید وغیرہ کی نسبت کیا کہنا چاہیے کہ بالجبر باپ ہندہ خواہ ہندہ کو مجبور کرنا کیسا ہے، اگر ناجائز ہے تو مرتکب غصب یا کس گناہ کا مرتکب و گواہ و وکیل و معین اس کے کس گناہ کے مرتکب اور نکاح آئندہ کی نسبت جو بالجبر اپنے گھر لے جا کر کرے کیا کہنا چاہئے اور یہاں رضاعت کا بھی شبہہ ہے اگرچہ اس میں شک واقع ہے کہ ہندہ کی نانی اور ہندہ نے پہلے کہا تھا کہ ایام رضاعت میں زید کو دودھ پلایا ہے بعدہ بحلف کہنے کو موجود کہ نہیں پلایا ہے ایسی صورت میں احتیاط وتقوٰی کا کیا مقتضی ہے گو نکاح کرنا جائز ہو مگر احتیاط وتقوٰی مقتضی اس امر کا ہے کہ نہ کیا جائے اگر ہوگیا ہو تو ترک کیا جائے یا کیا اگر احتیاط مانع ہے تو اس احتیاط کے ہاتھ سے نہ جانے میں جس قدر باپ ہندہ کا جان دے رہا اور نقصان امور دنیاوی اٹھا رہا ہے یا آوارہ وطن ہو جائے داخل امور دینی و ثواب ہے اور اگر اس صدمہ سے یا مقابلہ میں یعنی جس وقت زید رخصت بجبر یا کوئی فعل جبریہ کرنا چاہے اس وقت جان جاتی رہے تو شہید کا اطلاق کیا جائے یا کیا و نیز متعلق اس کے یہ مسئلہ دریافت طلب ہے کہ زید وغیرہ کہتے ہیں جب بسبب عدم ثبوت رضاعت نکاح شرعاً جائز تو تجدید نکاح کردو گو احتیاط وتقوٰی مانع ہے و باپ ہندہ کہتا ہے کہ جب احتیاط وتقوٰی مانع ہے تو ہم کیوں کریں پس ایسی صورت میں سوال یہ ہے کہ زید کا قول، رقمہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ احتیاط وتقوٰی کو ایک ادنٰی چیز سمجھتا یا کچھ نکلتا ہے دوسرے یہ کہ زید جو وہ باپ ہندہ کو احتیاط وتقوٰی سے روکتا ہے

کیسا فعل ہے ؟

الجواب

جواب سوالِ اول[ع] میں واضح ہوچکا کہ یہ نکاح اگر باذنِ صریح ہندہ نہ ہوا نہ بعد کو اذنِ صریح قولی یا فعلی سے نافذ ہولیا تو مجرد سکوت ہندہ اُس کے نفاذ کے لیے کافی نہیں، نکاح نکاحِ فضولی تھا اور اذنِ ہندہ پر موقوف، جب ہندہ نے کہا کہ مجھے یہ نکاح نہ پہلے منظور تھا نہ اب ہے تو یہ صاف رد و باطل ہوگیا، اب اگر ہندہ و پدرِ ہندہ کو مجبور کرنے کے لیے کسی جھوٹی شہادت سے نفاذِ نکاح ثابت کیا جائے تو زید اور اس کے شہود سب مستحق غضبِ الٰہی و عذابِ شدید ہوں گے، جھوٹی گواہی دینے والے پر سخت ہولناک وعیدیں ارشاد ہوئی ہیں ہر مسلمان جانتا ہے یہاں تک کہ قرآنِ عظیم میں اسے بُت پوجنے کے برابر شمار فرمایا۔ قال اللہ تعالٰی :

فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور حنفاء للّٰہ غیر مشرکین بہ[1]۔

بتوں کی نجاست سے بچو، جھوٹی بات سے پرہیز کرو، شرک سے بچتے ہوئے اللہ تعالٰی کی طرف رجوع کرتے ہوئے۔ (ت)

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

عدلت شہادۃ الزور بالاشراك باللّٰہ عدلت شہادۃ الزور بالاشراك باللّٰہ[2] رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ عن خریم بن فاتك رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔

جھوٹی گواہی خدا کے ساتھ شریک کرنے کے برابر کی گئی جھوٹی گواہی خدا کے لیے شریک بتانے کے ہمسر ٹھہرائی گئی (جھوٹی گواہی خدا کا شریک ماننے کے مساوی کی گئی)، (اس کو ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے خریم بن فاتک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

الا انبئکم باکبر الکبائر قول الزور وقال شہادۃ الزور[3] رواہ الشیخان عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔

کیا میں تمھیں نہ بتا دوں کہ سب کبیروں سے بڑا کبیرہ کون سا ہے "بناوٹ کی بات"، یا فرمایا جھوٹی گواہی۔ (اسے شیخین نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

[ع] یعنی مقام مذکور کا سوال کہ باب الولی میں ہے ۱۲ (م)

---

[1] القرآن ۲۲ / ۳۰

[2] سنن ابی داؤد — باب فی شہادۃ الزور — آفتاب عالم پریس لاہور ۲ / ۱۵۰

[3] صحیح بخاری — باب ما قیل فی شہادۃ الزور — قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ / ۳۶۲

صحیح مسلم — باب الکبائر واکبرھا — " " " ۱ / ۶۴

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

لن تزول قدما شاھد الزور حتی یوجب اللہ لہ النار[1] رواہ ابن ماجۃ والحاکم وصحح سندہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

جھوٹی گواہی دینے والا اپنے پاؤں ہٹانے نہیں پاتا کہ اللہ عزوجل اس کے لیے جہنم واجب کردیتا ہے۔(اس کو ابن ماجہ اور حاکم نے صحیح قرار دے کر ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

ایسی ناپاک کارروائی کے ساتھ کسی کی بیٹی کو بلانکاح رخصت کراکر لے جانا اگرچہ اسی قصد پر ہو کہ گھر لے جاکر نکاح کرلیں گے سخت شدید کبیرہ عظیمہ ملعونہ ہے جس کا مرتکب کہ اشد ظلم میں گرفتار ہے مستحق عذاب الیم نار ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے، الا لعنۃ اللہ علی الظّٰلمین[2] سن لو خدا کی لعنت ہے ظلم کرنے والوں پر۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

دفتر تین ہیں، ایک میں سے اللہ عزوجل کچھ نہ بخشے گا، اور دوسرے کی اُسے کچھ پروا نہیں، اور تیسرے میں سے کچھ نہ چھوڑے گا۔ وہ جس میں سے کچھ نہ بخشے گا کفر ہے، اور وہ جس کی اُسے پروا نہیں آدمی کے حقوق اللہ میں گناہ ہیں جیسے کسی دن کا روزہ یا کوئی نماز ترک کرنی کہ اللہ عزوجل چاہے گا تو اسے معاف فرمادے گا وامّا الدیوان الذی لایترک اللہ منہ شیئا مظالم العباد بینھم القصاص لامحالۃ[3] اور وہ دفتر جس میں سے اللہ تعالٰی کچھ نہ چھوڑے گا بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم ہے اس کا بدلہ ضرور ہونا ہے رواہ الامام احمد والحاکم وصححہ عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا (اس کو امام احمد اور حاکم نے صحیح قرار دے کر حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ ت)

نکاح اگرچہ جبر واکراہ سے بھی ہوجاتا ہے

فی الھندیۃ الاصل ان تصرفات المکرہ کلھا قولا منعقدۃ عندنا الا ان ما یحتمل الفسخ منہ کالبیع والاجارۃ یفسخ وما لا یحتمل الفسخ منہ کالطلاق

ہندیہ میں ہے قاعدہ یہ ہے کہ جس پر جبر کیا گیا ہو اس کے اس حالت کے تمام تصرفات نافذ العمل ہونگے ہاں وہ تصرفات جو فسخ کا احتمال رکھتے ہوں جیسے بیع اور اجارہ کہ یہ فسخ قرار پائیں گے، اور جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے

---

[1] سنن ابن ماجہ باب شہادۃ الزور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۳

[2] القرآن ۱۱/ ۱۸

[3] مسند احمد بن حنبل مرویات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا دارالفکر بیروت ۶/ ۲۴۰

والعتاق والنکاح والتدبیر والاستیلاد والنذور فھو لازم کذا فی الکافی[1] اھ وتمامہ فی ردالمحتار قبیل قولہ وشرط حضور شاھدین[2] الخ اقول[3] واما قول الھندیۃ عن الخانیۃ فی تعداد شروط النکاح ومنھا رضاء المرأۃ اذا کانت بالغۃ[3] الخ فقد کتبنا علی ھامشہ مانصہ ای اذنھا قولا وفعلا صریحا اودلالۃ ولو جبرا وکرھا ھکذا ینبغی ان یفھم ھذا المقام۔

مثلاً طلاق، عتاق، نکاح، مدبّر بنانا، ام ولدہ بنانا اور نذر تو یہ امور لازم ہوجائیں گے، جیسا کہ کافی میں ہے اھ اس کی تمام بحث ردالمحتار میں ہے، ان کے قول "گواہوں کی موجودگی شرط ہے" سے تھوڑا پہلے ہے الخ اقول ہندیہ کا قول جو کہ انھوں نے خانیہ سے نقل کیا نکاح کی شرائط میں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ عورت کی رضا الخ تو ہم نے اس کے حاشیہ پر لکھا ہے جس کی عبارت یہ ہے یعنی اس کی اجازت قول، فعل صریح یا دلالت سے ہوجاتی ہے اگرچہ بطور جبر ہو، اس مقام کی یونہی تفسیر مناسب ہے۔ (ت)

مگر کسی کی بیٹی کو جبراً بلا نکاح لے جانا پھر بالجبر نکاح کرنا ظلم پر ظلم اور مسلمان کو عار لاحق کرنا ہے۔

قال اللہ تعالٰی لا اکراہ فی الدین[4]۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: دین میں جبر نہیں ہے (ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یحل لمسلم ان یاخذ عصا اخیہ بغیر طیب نفس منہ[5]۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ عن ابی حمید الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے بھائی مسلمان کی لکڑی بغیر اس کی دلی مرضی کے لے لے (اس کو ابن حبان نے صحیح میں ابوحمید الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

جب بے مرضی لکڑی لینی حرام ہے لڑکی لینی کس درجہ حرام و اشد حرام ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاکراہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵
[2] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۲
[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۶۹
[4] القرآن ۲/ ۲۵۶
[5] موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان کتاب البیوع باب ما جاء فی الغصب حدیث ۱۱۶۶ المطبعۃ السلفیۃ بالروضۃ ص ۲۸۳

من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ[1] رواہ الطبرانی فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔

جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔ (اسے طبرانی نے اوسط میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

گواہ و وکیل و معین جتنے لوگ اس واقعہ پر آگاہ ہو کر زید کی اعانت کریں گے سب اس کی مثل ظلم و حرام و استحقاق عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

قال اللہ تعالٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[2]۔

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: گناہ و عداوت میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو (ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من مشی مع ظالم لیعینہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خرج من الاسلام[3] رواہ الطبرانی فی الکبیر والضیاء فی المختارۃ عن اوس بن شرحبیل الاشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جو کسی ظالم کے ساتھ چلا اس کی مدد کرنے اور وہ جانتا ہے کہ یہ ظالم ہے وہ بیشک اسلام سے نکل گیا۔ (اسے طبرانی نے کبیر میں اور ضیاء نے مختارہ میں اوس بن شرحبیل اشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

رہا مسئلہ رضاعت، ہمارے مذہب میں ایک عورت کا بیان ثبوت رضاعت کے لیے کافی نہیں خصوصاً جبکہ خود مضطرب ہو،

کما فصلناہ فی فتاوٰنا السابقۃ الواردۃ علینا من المسائل فی ھذا الباب۔

جیسا کہ ہم نے اس بارے میں پہلے سے آئے ہوئے مسائل کے جوابات میں اس کی تفصیل اپنے فتاوٰی میں بیان کر دی ہے۔ (ت)

اُس سے احتیاطًا بچنا صرف مرتبۂ استحباب میں ہے اور فعل غایت درجہ مکروہ تنزیہی یعنی خلافِ اولٰی کہ نہ کرے تو بہتر، کرے تو کچھ گناہ نہیں۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل تزوج امرأۃ فاخبرہ رجل مسلم ثقۃ

ایک شخص کا عورت سے نکاح ہونے کے بعد ایک ثقہ

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۴/۳۷۳
الترغیب والترہیب من تخطی بر الرقاب یوم الجمعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۰۴
[2] القرآن ۵/۲
[3] معجم کبیر حدیث ۶۱۹ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱/۲۲۷

او امرأة انهما ارتضعا من امرأة واحدة قال فی الکتاب احب الی ان یتنزہ فیطلقها ویعطیها نصف المهران لم یدخل بها ولا تثبت الحرمة بخبر الواحد عندنا مالم یشهد به رجلان اورجل وامرأتان[۱]

مرد یا عورت نے یہ خبر دی کہ ان میاں بیوی نے ایک عورت کا دُودھ پیا ہے، تو امام قاضی خاں نے کتاب میں فرمایا کہ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ وہ شخص بطور احتیاط عورت کو طلاق دے دے اور دخول نہ کیا ہو تو نصف مہر ادا کرے، جبکہ رضاعت کی حرمت ایک شخص کی خبر سے ثابت نہیں ہوتی جب تک دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں شہادت نہ دیں حرمت ثابت نہ ہوگی۔ (ت)

ایسے امر سے بچنے کے لیے جان دینے کی اجازت ہرگز نہیں ہوسکتی کہ جان کا رکھنا ہر فرض سے اہم فرض ہے بلکہ اہل وعیال کو چھوڑ کر جلاوطنی وغیرہ امور بھی کہ خود گناہ یا منجر بہ گناہ ہوں جائز نہیں ہوسکتے،

اذ لیس من قضیة الشرع الکریم والعقل السلیم درء شیئ خفیف بارتکاب ثقیل عظیم۔

شریعت مطہرہ اور عقل سلیم اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ معمولی چیز کو کسی عظیم اور بھاری چیز کے ارتکاب سے ختم کیا جائے۔ (ت)

یہاں تقوٰی بمعنی اتقائے شبہات ہے وہ صرف مستحب ہے۔ نہ فرض وواجب۔ علماء فرماتے ہیں:

لیس زماننا زمان اجتناب الشبہات[۲] کما فی الاشباہ وغیرہ عن الخانیة والتجنیس وغیرھما۔

اشباہ وغیرہ میں خانیہ اور تجنیس کے حوالہ سے ہے کہ ہمارا زمانہ شبہات سے بچاؤ کا زمانہ نہیں ہے۔ (ت)

زید وغیرہ کی اس درخواست سے تقوٰی کی اہانت نہیں نکلتی بلکہ اس احتیاط کا غیر ضروری ہونا اور اس قدر ضرور صحیح ہے، ہاں اس سے روکنا اگر بالجبر ہو تو ہم لکھ چکے ہیں کہ مسلمان پر جبر واکراہ کسی امر مباح میں حرام وظلم ہے نہ کہ امر غیر مستحب میں، مگر اس پر جان نہیں دے سکتے، البتہ صورتِ اولٰی میں یعنی جبکہ واقع میں نکاح باطل ہوا اور زید جھوٹی گواہیاں دلوا کر بالجبر بلا نکاح چھین لے جانا ______ یا بالجبر اس کے ساتھ کوئی فعل ناجائز کرنا چاہے اُس وقت اگر یہ اپنے ناموس کی حفاظت جائزہ کرے جو شرعاً وعقلاً وعرفاً ہر طرح اس کا حق ہے اور ظالم اُسے قتل کردے تو یہ شہید ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قتل دون مالہ فھو شھید ومن

جو اپنا مال بچانے میں مارا جائے وہ شہید، جو

---

[۱] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ فصل فیما یقبل قول الواحد الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۸۷

[۲] الاشباہ والنظائر کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۰۸

قتل دون دمه فهو شهید و من قتل دون دینه فہو شہید و من قتل دون اھلہ فہو شہید[1] اخرجہ الائمۃ احمد و ابوداؤد و الترمذی والنسائی وابن حبان فی صحاحھم عن سعید بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اپنی جان بچانے میں مارا جائے وہ شہید، جو اپنا دین بچانے میں مارا جائے وہ شہید، جو اپنے گھر والوں کے بچانے میں مارا جائے وہ شہید۔ (اسے احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان نے سعید بن زید سے اپنی صحاح (کتب) میں روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ت)

مسئلہ ۲۳ از مسجد جامع مرسلہ مولوی احسان حسن صاحب ۷ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید و ہندہ نے باہم کلماتِ ایجاب و قبول نکاح کے، بموجودگی دو آدمیوں کے، کہے، لیکن ان دونوں آدمیوں کو مطلقاً سماعت اور علم نکاح زید اور ہندہ کا نہ ہوا، بعد ازاں زید نکاح سے منکر ہوا، اور اُن دونوں شاہدوں نے بھی سماعت اور علمِ نکاح سے لاعلمی رُوبرو حاکمِ شرع کے ظاہر کی، تو آیا حاکمِ شرع زوجہ کو مہر دلائے گا یا نہیں؟ اور یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نکاح میں شرط ہے کہ دونوں گواہ معاً دونوں لفظ ایجاب و قبول جلسہ واحدہ میں سُنیں اور سمجھیں کہ یہ نکاح ہو رہا ہے،

فی الدر المختار شرط حضور شاھدین حرین او حر و حرتین مکلفین سامعین قولھما معا علی الاصح فاھمین انہ نکاح علی المذھب[2]، بحر۔

درمختار میں ہے کہ نکاح میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں عاقل بالغ اور آزاد کا مجلس میں اس طرح موجود ہونا کہ وہ نکاح سمجھتے ہُوئے نکاح کرنے والوں کے کلام کو سُنیں، شرط ہے، یہ صحیح مذہب ہے، بحر۔ (ت)

تو مذہب اصح پر یہ نکاح منعقد نہ ہوا، زید کا انکار سچا ہے، اگر نوبت ہمبستری نہ آئی تو مہر سے کیا علاقہ، ورنہ مہر مثل دینا ہوگا،

فان الوطء فی دار الاسلام لایخلو عن حد او عقر[3] کما فی الدر المختار وغیرہ

کیونکہ دار الاسلام میں بے محل جماع حد یا عُقر سے خالی نہیں ہوتا، جیسا کہ درمختار وغیرہ معتمد کتب میں ہے۔

---

[1] سنن النسائی کتاب المحاربۃ تحریم الدم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۷۲

[2] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۶

[3] " باب المہر " ۱/ ۲۰۴

من معتمدات الاسفار وقد کانت ھٰھنا شبھۃ العقد فالحد سقط فالعقر ثبت۔

یہاں چونکہ نکاح کا شُبہ ہے لہذا حد ساقط ہو گئی تو عُقر واجب ہوگا۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴: مسئولہ حافظ علی بخش صاحب ساکن آنولہ مسجد حنفیاں ۲۵ شوال ۱۳۲۲ھ

تعظیماً جمع کا لفظ خدا کی شان میں بولنا جائز ہے یا نہیں، جیسے کہ "اللہ جل شانہ، یُوں فرماتے ہیں" اسی طرح ناکح سے کہنا کہ "تُم نے یہ عورت قبول کی" جمع بولنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

حرج نہیں، اور بہتر صیغہ واحد ہے کہ واحد احد کے لیے وہی انسب ہے، قرآن عظیم میں ایک جگہ رب عزوجل سے خطاب جمع ہے رب ارجعون[1]، وہ بھی زبانِ کافر سے ہے۔ اور ناکح سے کہنا کہ تم یا آپ یا جناب نے قبول کی، اس میں بھی حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵: ۱۶ صفر ۱۳۰۳ھ

زید کہتا ہے کہ متناکحین بالغین کو بوقتِ نکاح کلمے اور صفت ایمان مجمل و مفصل پڑھانا بہت ضرور و بہتر ہے اس کو کرنا چاہیے، شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس سرہ کے فتاوٰی میں ہے:

از رُوئے شریعت غرا نکاح درمیان مومن و کافر منعقد نمی گردد ظاہر است کہ از انسان در حالت لاعلمی یا از رُوئے سہوا کثر کلمۂ کفر صادر مے گردد کہ برآں متنبہ نمی شود، دریں صورت اگر نکاح متناکحین واقع شد منعقد نمی شود لہذا متاخرین از علمائے محتاطین احتیاطاً صفت ایمان مجمل و مفصل را بحضور متناکحین می گویند ومی گویانند تا انعقاد بحالت اسلام واقع شود فی الحقیقت علمائے متاخرین ایں احتیاط را در عقد نکاح افزودہ اند خالی از نزاکت اسلامی نیست کسانے کہ از اسلام بہرہ ندارند بلطف

روشن شریعت کی رُو سے مومن و کافر کے درمیان نکاح نہیں ہوسکتا، ظاہر ہے کہ انسان سے لاعلمی میں کبھی سہواً کوئی کلمۂ کفر صادر ہوجاتا ہے جس پر وُہ آگاہ ہی نہیں ہوتا، تو اس صورت میں اگر مرد و عورت کا نکاح ہوا تو منعقد نہیں ہوگا، لہذا محتاط علماء متاخرین مجلسِ نکاح میں صفت ایمان مجمل و مفصل خود بھی کہتے ہیں اور مرد و عورت سے بھی کہلواتے ہیں تاکہ نکاح بحالتِ اسلام واقع ہو۔ علماءِ متاخرین نے عقد نکاح میں اس احتیاط کا جو اضافہ فرمایا ہے وُہ درحقیقت اسلامی نزاکت سے خالی نہیں، جو لوگ اسلام کے بارے میں معلومات

---

[1] القرآن ۲۳/ ۹۹

آن کے میر سند[1] انتہی

نہیں رکھتے وہ اس کی لطافت تک کب پہنچ سکتے ہیں۔(ت)

یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بہتر ہونے میں کیا کلام کہ ذکرِ خدا اور رسول جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیر محض ہے، خصوصاً تجدید ایمان کہ ویسے بھی حدیث میں اس کا حکم ہے، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الایمان لیخلق فی جوف احدکم کما یخلق الثوب الخلق فاسئلوا اللہ تعالٰی ان یجدد الایمان فی قلوبکم[2]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن عمر بسند حسن و الحاکم فی المستدرک عن عمرو بسند صحیح رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

بیشک ایمان تم میں کسی کے باطن میں پرانا ہوجاتا ہے جیسے کپڑا کہنہ ہوجاتا ہے تو اللہ عزوجل سے مانگو کہ تمہارے دلوں میں ایمان کو تازہ فرمائے۔ (اسے طبرانی نے کبیر میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ حسن اور حاکم نے مستدرک میں حضرت عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

جددوا ایمانکم اکثروا من قول لا الٰہ الا اللہ[3]۔ رواہ الامام احمد و الحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔

اپنے ایمان تازے کرو لا الٰہ الا اللہ بکثرت کہو۔ (اس کو امام احمد اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا۔ت)

تو اس قدر ضرور مسلم کہ اس کو کرنا چاہئے، ہاں بہت ضروری کہنا نوعِ افراط سے خالی نہیں جہلاً یا سہواً معاذ اللہ کلمۂ کفر صادر ہوجانا محتمل سہی مگر اسے مظنون ٹھہرالینا سُوئے ظن ہے اور بے حصول ظن حکم ضرورت نہیں کما لایخفٰی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶: ۲۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دخترِ زید بعمر سترہ[۱۷] سال و پسرِ عمرو بعمر تئیس[۲۳] سال ہے اور

---

[1] فتاوٰی عزیزی حکم اعلام کلمہا صفت ایمان مجمل ومفصل بروز عقد نکاح مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۶
[2] مستدرک للحاکم کتاب الایمان الامر لبسؤال تجدید الایمان دار الفکر بیروت ۱/ ۴
[3] مسند احمد بن حنبل مروی از ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ۲/ ۳۵۹

مانع شرعی موجود نہیں، پسر کا ولی واسطے نکاح کے چار ماہ کی مہلت چاہتا ہے، اگر مہلت دی جائے تو شرعاً گنہگاری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

کوئی گناہ نہیں جبکہ کوئی اندیشہ صحیح نہ ہو، اور اگر معاذ اللہ اندیشہ ہے اور دوسرا کفو موجود ہے تو مہلت نہ دینا چاہئے، اگر نہ مانے اُس دوسرے سے نکاح کردیں جبکہ دختر رضامند ہو،

لحدیث یاعلی لاتؤخرثلثا الصلوۃ اذا اٰنت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت لہا کفوا[1] اوکما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اس حدیث کی بنا پر جس میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: اے علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو: نماز میں جب وقت ہوجائے، جنازہ میں جب حاضر ہو، اور غیر شادی شدہ لڑکی میں جب اس کا کفو ملے۔ یا جیسے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷: از ریاست رامپور سررشتہ پولیس مرسلہ سید جعفر حسین صاحب محرر سررشتہ ۲۰ محرم ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے اس طور پر نکاح کیا کہ دو گواہ اور ایک وکیل نے ہندہ کے پاس جاکر یہ کہا کہ بکر کے بیٹے زید نے ایک ہزار روپے کے بدلے میں تم کو اپنی زوجیت میں طلب کیا ہے یعنی خواستگاری کی ہے تم بھی اس کو اپنی شوہریت میں قبول کرو اور مجھ کو وکیل قرار دو، تو ہندہ مذکورہ نے فقط لفظ "قبول" کہا (اور اس لفظ قبول کو اس ملک کے عوام وخواص قائم مقام ایجاب کے بنا برعرف کے سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں) پھر اسی طرح تینوں شخص زید کے پاس گئے اور وکیل نے زید سے جاکر کہا کہ تم نے خالد کی بیٹی ہندہ کو مہر مذکور پر قبول کیا تو زید نے صرف لفظ "قبول" کہا (اور اس قبول کو یہاں کے باشندے بمنزل قبول نکاح کے تصور کرتے ہیں اور ہزاروں نکاح اس طور سے ہوگئے اور ہوتے ہیں اور آئندہ بھی ہوں گے کیونکہ یہ طور یہاں کا رسم ورواج قرار پایا ہے) اب اس صورت میں فقط لفظ "قبول" سے نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟ بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ نکاح صحیح ہوجائے گا کیونکہ عاقل و بالغ کا کلام لغو کرنا نہ چاہئے ورنہ ہزاروں آدمی حرام زادہ قرار پائیں گے مسلمان کو زنا سے شرعاً بچانا چاہئے اور عرف اور رواج

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۵۲

[2] سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب النکاح باب اعتبار الکفاءۃ دار صادر بیروت ۷/ ۱۳۳

بھی ادلۂ شرعیہ سے ایک دلیل ہے تو موافق عرف کے نکاح کو صحیح قرار دینا چاہئے، اور بعض علماء کہتے ہیں کہ لفظ "قبول" سے نکاح صحیح نہیں ہوتا کیونکہ لفظ "قبول" مصدر ہے اور مصدر سے نکاح درست نہیں ہوتا، اب متنازع فیہ میں حکمِ شرع شریف جو ارشاد ہو۔ عوام بیچارے نہ مصدر کو جانیں نہ ماضی کو، وُہ تو اپنے عرف و رواج جانتے ہیں اسی کے پیرو و تابعدار ہیں، ان کی اصلاح کس طور پر ہو؟ بیّنوا توجروا

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں صحتِ نکاح میں شُبہہ نہیں، جب ہندہ نے بعد سوال توکیل لفظ "قبول" کہا یہ ایجاب توکیل ہوا اور وُہ شخص وکیل ماذون ہوگیا،

فان التوکیل یتم بمجرد الایجاب ولا یتوقف علی القبول وان کان یرتد بالرد کما فی الاشباہ والھندیۃ وغیرھما وھھنا وان امکن ان یجعل قول الوکیل تقبلیہ فی زوجیتك ایجاب فضولی بناء علی ماصرح فی الخانیۃ و الخلاصۃ ان الامر فی النکاح ایجاب[1] قال فی الفتح وھذا احسن[2] وح یکون قول المرأۃ قبول قبولا وینعقد النکاح موقوفا علی اجازۃ الرجل فاذا خاطبہ الوکیل وقال قبول یکون تنفیذ الکنہ خلاف ماقصدوہ فان صنیعھم شاھد انھم لم یجعلوا مجلس المخاطبۃ مع المخطوبۃ مجلس عقد بل استئذان فیکون طلبا للوکالۃ وقولھا قبول توکیلا۔

وکیل بنانے کے لیے صرف ایجاب کافی ہے اور قبول کرنے پر موقوف نہیں اگرچہ ایجاب کو رد کر دینے پر وکالت رَد ہوجائیگی، جیسا کہ اشباہ اور ہندیہ وغیرہ میں ہے، اور یہاں اس مسئلہ میں اگرچہ وکیل کا لڑکی کو یہ کہنا کہ "تو مجھی لڑکے کو اپنا خاوند ہونا قبول کرلے" فضولی کی طرف سے ایجاب قرار دیا جاسکتا ہے وُہ خانیہ اور خلاصہ کی اس تصریح کی بنا پر کہ "نکاح میں درخواست" ایجاب ہوجاتا ہے جس کے متعلق فتح میں کہا گیا کہ یہ قول بہت اچھا ہے، تو فضولی کے جواب میں لڑکی کا "قبول" کہنا نکاح کو قبول کرنا قرار دیا جائے گا جس سے نکاح منعقد ہوجائے اور لڑکے کی اجازت پر موقوف قرار پائے، اور جب نکاح کرانے والا شخص (فضولی) لڑکے کو پیشکش کرے اور لڑکا قبول کرلے تو نکاح نافذ ہوجائے، لیکن یہاں مجلس والوں کا مقصد یہ نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد صرف لڑکی سے اجازت طلب کرنا ہے تو اس مجلس میں وکالت طلب کرنا اور لڑکی کا "قبول" کہنا صرف توکیل ہوگی۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب النکاح الفصل الاول نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۵۱

[2] فتح القدیر " " نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۰۴

اب کہ وکیل نے خاطب سے آکر وُہ لفظ کہے یہ جانب وکیل سے ایجاب ہوا،

فانہ استفہام وان کان حرفہ مقدرا والاستفہام عند ارادۃ التحقیق یؤدی مودی الامر کما حققناہ فی فتاوٰنا والامر کما سمعت ایجاب فی النکاح ولا نعدل عن ھذا القول المرجح الی قول انہ توکیل لان الوکیل لایملک التوکیل فلا ینفذ العقد و فیہ تضییق واللہ یحب الرفق۔

توحقیقتاً یہ استفہام ہے اگرچہ حرف استفہام پوشیدہ ہے اور استفہام مقام تحقیق و انعقاد میں امر کا معنی دیتا ہے جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں تحقیق کی ہے اور نکاح میں امر ایجاب قرار پاتا ہے، اس ترجیح یافتہ قول کو چھوڑ کر ہم اس کو توکیل نہ بنائیں گے کیونکہ عورت کا وکیل کسی دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا جس کی بنا پر عقد نافذ نہ ہوگا جبکہ اس میں تنگی ہے اور اللہ تعالٰی نے نرمی اور وسعت کو پسند فرمایا ہے (ت)

اور زوج کا "قبول" کہنا قبول ہوا اور نکاح صحیح و تام نافذ ہوگیا اور یہ اعتراض کہ قبول مصدر ہے اور مصدر سے نکاح درست نہیں راسًا ساقط ہے کہ یہ لفظ اُس سوال وکیل کے جواب میں ہے کہ تم نے ہندہ کو قبول کیا اور عقل و نقل کا قاعدہ اجماعیہ ہے کہ:

السؤال معاد فی الجواب[1] کما صرحوا بہ فی الاشباہ وغیرہا کتاب۔

جواب میں سوال کا اعادہ معتبر ہوتا ہے جیسا کہ اشباہ وغیرہ بہت سی کتب میں تصریح ہے۔ (ت)

توجواب میں صرف لفظ "قبول" کے قطعاً یہی معنے ہیں کہ "قبول کیا" اور یہ ماضی ہے اور ماضی سے نکاح یقیناً درست ہے کما صرحوا بہ متونا وشروحا وفتاوٰی (جیسا کہ متون، شروح اور فتاوٰی میں تصریح ہے۔ ت) معہذا یہاں اصل کار وُہ الفاظ ہیں جو رضا بالانشا پر بے احتمال مساوی دلیل ہوں اور شک نہیں کہ لفظ "قبول" صراحۃً اُس پر دال، ولہذا علماء تصریح فرماتے ہیں اگر عورت سے کہا اپنے نفس کو میری زوجیت میں دے اُس نے کہا بالسمع والطاعۃ نکاح ہوگیا،

کما فی النوازل والخلاصۃ والبزازیۃ والبحر والدر والمحیط والھندیۃ وغیرھا من الاسفار الغر۔

جیسا کہ نوازل، خلاصہ، بزازیہ، بحر، دُر، محیط، ہندیہ وغیرہا مشہور کتب میں ہے۔ (ت)

سمع و طاعت بھی مصدر ہی ہیں اور مناط صحت وہی تقدیر ماضی ہے یا اعتبار تراضی، وُہ دونوں

---

[1] الاشباہ والنظائر القاعدۃ الحادیۃ عشرۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۱۸۳

یہاں حاصل، تو حکم عدم نکاح محض باطل، فتح القدیر میں ہے:

لما علمنا ان الملاحظة من جهة الشرع فی ثبوت الانعقاد ولزومه حکمه جانب الرضی عدینا حکمه الی کل لفظ یفید ذٰلك بلا احتمال مساو للطرف الاٰخر[1] الخ۔

جب ہمیں یہ معلوم ہے کہ نکاح کے انعقاد اور اس کے حکم کے لزوم میں شرعًا رضا کے پہلو کا اعتبار ہے تو ہم نے اس حکم کو ہر ایسے لفظ میں معتبر قرار دیا جو اس چیز کا احتمال رکھتا ہو اور اس کے مخالف پہلو کا اس میں مساویانہ احتمال نہ ہو الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله او بالسمع والطاعة متعلق بمحذوف دل علیه المذکور ای تزوجت او قبلت متلبسا بالسمع والطاعة لامرك ولا یحصل السمع والطاعة لامره الا بتقدیر الجواب ماضیا مرادا به الانشاء لیتم شرط العقد بکون احدهما للمضی[2]۔

ماتن کا قول "او بالسمع والطاعة" کا متعلق محذوف ہے جس پر مذکور دال ہے یعنی میں نے نکاح کیا یا قبول کیا آپ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے، اور حکم کی اطاعت مقدر طور پر ماضی کے صیغہ کے ساتھ جواب کے بغیر نہیں ہوسکتی جبکہ ماضی سے انشاء مراد ہوگی تاکہ نکاح کی شرط یعنی ایجاب وقبول میں سے ایک کا صیغہ ماضی ہونا تام ہوجائے۔ (ت)

بحرالرائق میں زیر قول کنز: انما یصح بلفظ النکاح والتزویج وما وضع لتملیك العین فی الحال ("نکاح، تزویج اور تملیک عین فی الحال کیلئے موضوع الفاظ سے عقد ہوجاتا ہے"۔ ت) فرمایا:

یرد علی المصنف الفاظ ینعقد بها النکاح غیر الثلثة (وعد اشیاء کثیرة الی ان قال) ومنها بالسمع والطاعة لو قال زوجی نفسك منی فقالت بالسمع والطاعة فهو نکاح کما فی الخلاصة

مصنف پر اعتراض ہے کہ ان مذکورہ الفاظ ثلثہ کے علاوہ دیگر الفاظ سے بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے وہاں انھوں نے بہت سے امور ذکر کیے جن میں سے سمع وطاعت بھی ذکر کرکے فرمایا کہ اگر کسی مرد نے کسی عورت کو کہا کہ تُو اپنے نفس کو مجھے بیاہ دے تو عورت نے جواب میں "بالسمع والطاعة" کہہ دیا تو نکاح

---

[1] فتح القدیر کتاب النکاح نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۰۳
[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۳

ومنھا ما فی الذخیرۃ لوقال ثبت حقی فی منفعۃ بضعك بالف فقالت نعم صح النکاح[1] اھ و الجواب ان العبرۃ فی العقود للمعانی حتی فی النکاح کما صرحوا بہ وھذہ الالفاظ تؤدی معنی النکاح۔

ہوجائے گا جیسا کہ خلاصہ میں ہے، ان الفاظ سے وہ بھی ہے جو ذخیرہ میں مذکور ہے کہ اگر مرد نے عورت کو کہا کہ ہزار کے بدلے تجھ سے جماع کا حق میرے لئے ثابت ہے تو عورت نے جواب میں کہا کہ "ہاں" تو نکاح صحیح ہوگا اھ، تو جواب یہ ہے کہ عقود میں حتی کہ نکاح میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے جبکہ یہ مذکورہ الفاظ نکاح کا معنی ادا کررہے ہیں۔ (ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸ ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور ہندہ دونوں شخص چند شخصوں کے روبرو اس کے مقر ہوں کہ ہمارا نکاح آپس میں ہوگیا ہے، یا زید علیحدہ ایک وقت میں اور ہندہ علیحدہ ایک وقت میں چند اشخاص کے روبرو فرداً فرداً یہ ظاہر کریں کہ ہمارا نکاح آپس میں ہوگیا ہے اور پھر خط کتابت میں ہندہ زید کو وہی القاب آداب جو بی بی خاوند کو لکھتی ہے استعمال کرے تو کیا سمجھا جائے گا اور شرعاً کیا حکم دیا جائے گا؟

الجواب

تصادق مرد و زن کہ مرد کہے یہ میری منکوحہ ہے، عورت کہے یہ میرا شوہر ہے، عندالناس مثبت نکاح ہے۔ مگر اگر غلط اقرار کیا ہو تو عنداللہ ہرگز نفع نہ دے گا وہ زانی و زانیہ ہوں گے اور سخت عذاب جہنم کے مستحق اور اولاد ولد الزنا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹ ۱۶ ذی قعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ میں تجھ کو بعد تین چار ماہ کے طلاق دے دوں گا، آیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

نکاح جائز ہے اور طلاق دینا اُس پر لازم نہیں۔ فان النکاح لایبطل بالشروط الفاسدۃ بل ھی التی تبطل (شرائط فاسدہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا بلکہ شرائط خود باطل قرار پاتی ہیں۔ ت)

واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] بحرالرائق کتاب النکاح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸۷/۳

مسئلہ ۳۰ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ

حال یہ ہے کہ حامد اور محمودہ دونوں میں ایسا رشتہ تھا کہ محمودہ اُس کے سامنے آسکتی تھی اور یہ دونوں ایک مدت تک صغر سنی میں ایک ہی جگہ رہتے سہتے تھے، ۱۸۹۰ء میں حامد کی بیوی کا انتقال ہوگیا اور برضامندی فریقین (یعنی حامد اور محمودہ) کے والدین کے حامد کی نسبت محمودہ سے ہوگئی اور مراسم نسبت ادا ہونے کے بعد ایک تاریخ نکاح مقرر ہوگئی، لیکن اس تاریخ مقررہ پر حامد کو کہ وہ گورنمنٹ کا ملازم تھا اتفاق سے رخصت نہ ملی اور تاریخ مقررہ پر نکاح نہ ہوسکا، اس کے بعد کچھ جھگڑے ایسے درپیش ہوگئے کہ دوسری تاریخ مقرر ہونے سے پہلے حامد اپنی ملازمت سے علیحدہ ہُوا، اس کے بعد جب حامد کے والدین نے تاریخ مقرر کرنا چاہی تو محمودہ کے والدین نے یہ عذر پیش کیا کہ حامد اب بے نوکر ہے اس لیے ہم نکاح نہیں کرنا چاہتے، حامد اور محمودہ دونوں بالغ ہیں، محمودہ تاریخ نسبت سے حامد سے پردہ کرتی ہے، جب یہ حال محمودہ کو معلوم ہُوا تو اس نے اپنی والدہ سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں دُوسرے امیر گھر جانا پسند نہ کروں گی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جس سے نسبت ہُوئی اس سے نکاح ہوجانا چاہئے، محمودہ کے باپ واقعی امیر کبیر ہیں اور حامد ایک معمولی حیثیت کا آدمی ہے، محمودہ کے باپ یہ کوشش کرتے ہیں کہ محمودہ کا کسی امیر اور مالدار سے نکاح کردیں اور محمودہ کی رضامندی پر کوئی توجہ نہ کی جائے، اس لیے محمودہ یہ چاہتی ہے کہ قبل اس کے کہ یہ جبر اُس پر کیا جائے وہ حامد کے ساتھ اپنا نکاح کرلے، مگر اس نکاح کا حال اُس کے والدین کو نہ معلوم ہو اور حامد بھی یہی چاہتا ہے۔ تو علمائے دینِ محمدی سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ محض اگر گواہان اور وکیل کی موجودگی اور علم میں قاضی صاحب نکاح پڑھا دیں اور ازرُوئے شریعت ایجاب و قبول کا اطمینان کرلیں تو یہ نکاح خفیہ جائز ہے اور کسی طرح ناقص تو نہیں؟ فقط۔

الجواب

بالغہ جو بے رضائے ولی بطورِ خود اپنا نکاح خفیہ خواہ علانیہ کرے اُس کے انعقاد وصحت کے لیے یہ شرط ہے کہ شوہر اس کا کفو ہو یعنی مذہب یا نسب یا پیشے یا مال یا چال چلن میں عورت سے ایسا کم نہ ہو کہ اس کے ساتھ اس کا نکاح ہونا اولیائے زن کے لیے باعثِ ننگ وعار و بدنامی ہو، اگر ایسا ہے تو وہ نکاح نہ ہوگا،

فی الدر المختار ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان[1]۔	درمختار میں ہے کہ غیر کفو میں نکاح کے جائز نہ ہونے کا فتوٰی ہے کہ فسادِ زمان کی وجہ سے نکاح منعقد ہی نہ ہوگا۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

مال میں کفاءت کو صرف اس قدر کفایت کہ وُہ شخص اگر پیشہ ور ہو تو روز کا روز اتنا کماتا ہو جو اس عورت غنیہ کے قابلِ کفایت روزانہ دے سکے، اور پیشہ ور نہیں تو ایک مہینہ کا نفقہ دے سکے، اور مہر جس قدر معجل ٹھہرے اس کے ادا پر قدرت بہرحال درکار ہے۔

فی الدر المختار تعتبر الکفاءۃ فی العرب و العجم مالا بان یقدر علی المعجل و نفقۃ شھر لو غیر محترف والافان کان یکتسب کل یوم کفایتھا لو تطیق الجماع[1] ملخصًا۔

درمختار میں ہے کہ مال کے اعتبار سے عرب وعجم میں کفو کا اعتبار یوں طور ہے کہ مرد مہر معجل دینے اور ایک ماہ کا نفقہ دینے پر قادر ہو جبکہ غیر کاروباری ہو ورنہ روزانہ کا خرچہ دینے پر قدرت رکھتا ہو بشرطیکہ بیوی جماع کی قدرت رکھتی ہو ملخصًا (ت)

پس اگر حامد اس قدر مال رکھتا ہے اور مذہب ونسب وحرفت وروش میں بھی محمودہ سے ویسا کم نہیں کہ اس سے نکاح باعثِ عارِ پدرِ محمودہ ہو، جیسا کہ صورتِ سوال سے یہی ظاہر ہے کہ باپ پہلے اُس سے نکاح پر راضی تھا اب صرف نوکری نہ رہنے کا عذر کرتا ہے تو اس صورت میں بر تقدیرِ صدق مستفتی دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کے سامنے حامد ومحمودہ کے ایجاب وقبول کرلینے سے جائز وصحیح ہوجائے گا، نفسِ نکاح میں نقصان نہ ہوگا، ماں باپ کو ناراض کرنے کا وبال محمودہ پر ہو تو جُدا امر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۱: ضلع پٹنہ اور تحصیل صوابی ڈاکخانہ یار حسین موضع یعقوبی سید حید شاہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی والدہ اور ہمشیرہ عمرو کے مکان پر بطور مہمان داری کے آئیں وسوتی تھیں، عمرو نے زید کی والدہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے اپنی بیٹی تم کو دی ہے جس سے اس کا منشا یہ تھا کہ زید سے اس لڑکی کا نکاح کریں گے، زید کی والدہ نے اس کے جواب میں عمرو کو دُعائیں دیں اور قبول زبان سے نہیں کیا، بعد کو زید نے ایک چھوٹا سا زیور بطور نشانی کے بنا کر عمرو کی بیٹی کے واسطے بھیجا، اور جس وقت عمرو نے اپنی بیٹی کا تذکرہ زید کی والدہ سے کیا، اُس وقت زید کی والدہ اور زید کی ہمشیرہ اور عمرو کی بیوی تھی یہ تین عورتیں موجود تھیں، اور سوائے عمرو کے اور کوئی مرد گھر میں موجود نہ تھا، نہ اُس ایجاب کا قبول صراحۃً ہُوا نہ ذکر مہر ہُوا اور نہ گواہ موجود تھے، پھر عمرو کے انتقال کے بعد عمرو کے لڑکے نے اُس نابالغہ کا عقد خالد سے کیا اور ابھی رخصت نہیں ہُوئی ہے لیکن عقد مع گواہ اور ذکر مہر کے ہُوا ہے تو اس صورت میں عقد خالد کا صحیح ہُوا یا نہیں؟ اور زید مدعی اس بات کا ہے کہ نکاح مجھ سے صحیح ہے۔ بینوا توجروا۔

---

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

الجواب

زید کا دعوٰی محض غلط ہے اس سے نکاح ہرگز صحیح نہ ہوا،

وان فرض ان کلام عمرو مع ام زید کان ایجابا وان دعاءھا لہ قام مقام القبول لدلالۃ الرضاوان بعثہ حلیا للعرس کانہ اجازتہ لعقد الفضولی فعلی فرض کل ذٰلك لاوجہ للصحۃ فی الوجہ المذکور لعدم شاھد من الذکور۔

اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ عمرو کا زید کی والدہ سے بات کرنا ایجاب ہے اور والدہ مذکورہ کا عمرو کو دعائیں دینا قبول کے قائم مقام ہے کہ یہ اظہار رضامندی ہے، اور پھر زید کا زیور بھیجنا زید کی طرف سے فضولی کے عقد کی اجازت ہے، باایں ہمہ مذکورہ صورت میں نکاح صحیح نہیں ہے کیونکہ اس عقد کا کوئی مرد گواہ نہیں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

شرطہ حضور شاھدین حرین اوحر وحرتین مکلفین[1]

نکاح منعقد ہونے کی شرط یہ ہے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں عاقل بالغ اور حر، مجلس میں حاضر ہوں (ت)

بحرالرائق میں ہے:

فلاینعقد بحضرۃ العبید والصبیان[2]۔

غلاموں اور بچوں کی موجودگی سے نکاح نہ ہوگا۔ (ت)

خالد کا عقد صحیح ہُوا،

لان الاقدام علیہ فسخ للفاسد ان قلنا بالفرق بینہ وبین الباطل فی النکاح کما ھو قضیۃ فروع جمۃ۔

اس لیے کہ اس کا یہ اقدام فاسد نکاح کے لیے فسخ قرار پایا ہے۔ جب ہم نکاح میں فاسد و باطل کے فرق کا قول کریں جیسا کہ تمام فروع کا معاملہ ہے (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲: مرسلہ مولوی سید ظہور احمد صاحب از بیتھو شریف ضلع گیا ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

ایک شخص کا نکاح بحضور دو شخص کے عورت کی اجازت سے ہُوا اور وُہ دونوں شخص چُپ رہے، تو ایسی صورت میں نکاح درست ہُوا یا نہیں؟ اور وکیل بالنکاح ایک شخص ثالث ہے اور وہ شخصین ناکح کو جانتے ہیں

---

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۶

[2] بحرالرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۸۹

لیکن ناکح نہیں جانتا ہے اور عورت نے وکیل بالنکاح کو وہ دو شخص کے سامنے پردہ سے اپنے نکاح کی اجازت دی اور وکیل نے یُوں کہا کہ فلاں عورت کو اس قدر مہر پر آپ کو دیا، نہ نکاح کا لفظ کہا ہو اور نہ زوجیت کا۔

الجواب

نہ ناکح کا شاہدین کو پہچاننا ضرور، نہ شاہدین کا وقتِ عقد کچھ بولنا ضرور، نہ خاص لفظ نکاح یا زوجیت ضرور، نہ صرف فلاں عورت کہنے میں محذور، جبکہ تنہا اسی قدر سے اُس کی معرفت ہو جائے، شاہدین کا معاً لفظین ایجاب وقبول کو سُننا اور اتنا سمجھنا کہ یہ نکاح ہو رہا ہے اور لفظ نکاح وتزویج ہونا یا کوئی اور لفظ جو تملیک عین کاملہ فی الحال کے لیے وضع کیا گیا اور شاہدین کے نزدیک عاقدین اعنی زوج و زوجہ کا متمیز ہو جانا خواہ بحضور و رؤیت و اشارہ یا بالغیبت و تسمیہ مجردہ یا مع نسبت وغیرہ متمیزات میں اس قدر ضرور ہے اور شک نہیں کہ کسی مرد کو اتنے مہر پر عورت کا دیا جانا مفید معنیٰ نکاح ہے تو صورتِ مستفسرہ میں اگر باقی شرائط مذکورہ مجتمع تھے نکاح درست ہوگیا والمسائل کلہا مصوحۃ فی الدر المختار وغیرہ من معتمدات الاسفار (ان تمام مسائل کی تصریح درمختار اور دیگر معتمد کتب میں موجود ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۳ مرسلہ سید ظہور احمد مذکور الصدر ۳۰ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

ناکح کو تین مرتبہ قبول کرنا شرط ہے یا ایک بار؟ اور گھبرانے کی وجہ تین بار تین طرح کہا، کبھی یہ کہ قبول ہے، کبھی میں نے قبول کیا، کبھی قبلت، ایسی صورت میں نکاح درست ہُوا یا نہیں؟ اور یہ بحضور شاہدین ہے اور عورت سے ایجاب درست طور پر ہُوا یا نہیں؟

الجواب

نکاح خواہ کسی عقد میں تین بار قبول اصلاً ضرور نہیں ایک ہی بار کافی ہے، اور تین بار تین طرح الفاظِ قبول ادا ہونا کچھ مضر نہیں، ہاں اگر گھبراہٹ میں بجائے قبول بعض الفاظ ردو انکار ادا ہوں تو یہ دیکھا جائے گا کہ پہلے لفظ "قبول" کہا تھا تو نکاح ہوگیا کہ بعد تمامی عقد رد و انکار مانع انعقاد نہیں، اور پہلے لفظ "انکار" نکلا تو وہ ایجاب رَد ہوگیا، اب جو اس کے بعد اس نے لفظ "قبول" کہا یہ اس کی طرف سے ایجاب ہُوا، اگر اسی مجلس میں اُدھر سے لفظ "قبول" متحقق ہُوا منعقد ہو جائے گا ورنہ باطل ہو جائے گا، اور اگر متعدد الفاظ میں لفظ رد کوئی نہ تھا ہاں ایسے الفاظ تھے کہ قبول نہ ٹھہریں تو وہ خواہ پہلے ہوں یا پیچھے جبکہ مجلس بدلنے سے پہلے ایک لفظ بھی قبول صحیح کا ادا ہوگا نکاح ہو جائے گا لان الفور غیر شرط و المجلس یجمع المتفرق (کیونکہ فوراً قبول کرنا شرط نہیں اور مجلس جامع متفرقات ہے۔ ت) اور ایجاب عورت کی طرف سے ہو یا مرد کی طرف سے دونوں درست ہیں، عقود میں ایجاب وقبول کچھ متعین نہیں، عاقدین میں جس کی طرف سے الفاظِ

عقد پہلے صادر ہوں گے اُن کا نام "ایجاب" رکھا جائے گا اُن کے جواب میں دُوسرا جو کہے گا وہ "قبول" قرار پائے گا، مثلاً عورت نے مرد سے کہا "میں نے تجھے اپنی زوجیت میں قبول کیا" یہ ایجاب ہوا اگرچہ بلفظ قبول ہے، مرد نے اس کے جواب میں کہا "میں نے تجھے اپنی زوجیت میں لیا" یہ قبول ہُوا اگرچہ بلفظ قبول نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۴: از موضع بیتھو ضلع گیا مرسلہ جناب مولوی سید محمد ظہور احمد صاحب ۱۶ شوال ۱۳۲۴ھ

جناب مولانا صاحب السلام علیک، استفتا یہ ہے کہ اگر وکیل بالنکاح یا شاہدین نکاح غیر مقلد وہابی ہو تو ایسے شخص کی وکالت یا شہادت درست ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور نکاح درست ہوگا یا نہیں اگر ایسے لوگ وکیل یا شاہد ہوں؟

الجواب

سید صاحب! وعلیک السلام، وہابی وغیر مقلد کی ضلالت جبکہ حدِ کفر تک نہ پہنچی ہو (اور یہ غیر مقلد وہابیوں میں نادر ہے اور جیسے طائفہ رشیدیہ پیدا ہوا، مقلدو وہابیوں میں بھی کثرِ اسمٰعیلیوں کی طرح یہی حالت ہوگئی اُن میں غالباً کوئی نہ ہوگا جس پر بحکم فقہائے کرام لزوم کفر نہ ہو، اور بہت تو صریح التزام کی حد پر ہیں نسأل اللہ العافیۃ وحسن العاقبۃ) جب تو نکاح میں اُن کا شاہد ہونا اصلاً مخل نہیں اور اگر حدِ کفر پر ہو تو وکالت جب بھی جائز ہے کہ مرتد کو وکیل کرسکتے ہیں یعنی اس کی وکالت صحیح ہوجائے گی اگرچہ اُس سے میل جول اختلاط حرام ہے۔ ہندیہ میں ہے:

تجوز وکالۃ المرتد بان وکل مسلم مرتدا وکذا لوکان مسلما وقت التوکیل ثم ارتد فھو علی وکالتہ الا ان یلحق بدار الحرب فتبطل وکالتہ کذا فی البدائع[1]

مسلمان نے مرتد کو وکیل بنایا یا مسلمان کو وکیل بنایا وہ بعد میں مرتد ہوگیا تو یہ وکالت باقی رہے گی، مگر جب وُہ دارالحرب بھاگ جائے تو وکالت ختم ہوجائے گی، بدائع میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

رہی شہادت، عوام میں دو شخص جن کو گواہیِ نکاح سے نامزد کیا جاتا ہے اگر وُہ دونوں مرتد وہابی تھے مگر جلسے میں اور دُو مرد یا ایک مرد دو عورتیں مسلمان ہیں جنھوں نے معاً ایجاب وقبول سُنا اور سمجھا جب تو نکاح صحیح ہوگیا لوجود الشھود وان کان من سموا شھودا مرتدین (گواہوں کی حاضری کی وجہ سے، اگرچہ انھوں نے مرتد گواہوں کو نامزد کیا ہو۔ ت) اور اگر صرف یہی حاضر وسامع وفاہم تھے یا اور جتنے ہیں وُہ بھی ایسے ہی ہیں ایک نصاب مسلمانوں سے پُورا نہیں تو نکاح صحیح نہ ہُوا فاسد محض ہُوا لان من شرائط الصحۃ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوکالۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۵۶۳

الشھود ولا شھادۃ لمرتد کما فی الدرالمختار وغیرہ (کیونکہ صحت کے لیے گواہی شرط ہے اور مرتد شہادت دینے کا اہل نہیں ہے جیسا کہ دُرمختار وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۵: عورت مرد اگر باہم ایجاب قبول کرلیں اور کسی کو اطلاع نہ ہو تو یہ نکاح ہوجائے گا؟

الجواب

بے حضورِ دو گواہ نکاح فاسد ہے، حدیث میں فرمایا:

البغایا[ف] اللاتی ان ینکحن انفسھن بغیر بینۃ[۱]	زناکار ہیں جو اپنی جانوں کو نکاح میں دیتی ہیں بغیر گواہوں کے۔

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۶: مسئولہ محمد یوسف از جبل پور ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی غیر مقلد کسی مقلد کا نکاح بموجب شرع مصطفوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پڑھا دے تو اس کا پڑھایا ہوا نکاح جائز ہے یا حرام؟ اور جو اس نکاح سے اولاد پیدا ہو وہ حرامی تو نہ ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب

اگرچہ نکاح خواں شرع مطہر میں کوئی چیز نہیں، اگر کوئی ہندو مشرک زوجین کو ایجاب وقبول رُوبروئے گواہان کرادے اور شرائطِ صحت متحقق ہوں نکاح ہوجائے گا، مگر یہاں ایک نکتہ جلیلہ ہے جسے وہی سمجھتے ہیں جو موفق من اللہ تعالٰی عزوجل ہیں وہ یہ کہ اگر ہندو مشرک پڑھاجائے گا تو کوئی کلمہ گو اسے معظم دینی بلکہ مسلمان بھی نہ جانے گا بخلاف ان کلمہ گویان کفر دروں کے کہ عوام ان کو خالص مسلمان جانتے ہیں حالانکہ ان پر صدہا وجہ سے بحکم احادیث صحیحہ وتصریحات فقہیہ حکم کفر لازم ہے،

کما فصلنا فی الکوکبۃ الشھابیۃ وفی النھی الاکید وغیرھما ولدی مزید۔	جیسا کہ الکوکبۃ الشہابیہ اور النہی الاکید وغیرہ رسائل میں ہم نے تفصیل بیان کردی ہے اور میری نظر میں مزید امور بھی ہیں (ت)

اور ان میں بہت تو کُھلّم کُھلا ضروریاتِ دین کے منکر اور قطعاً اجماعاً مرتد کافر ہیں اور نکاح خوانی کے لیے لوگ اُسے بلاتے ہیں جسے اپنے نزدیک صالح اور معتبر جانتے ہیں تو اگر زوجین میں سے کسی نے اُن کے کفریات پر مطلع ہوکر پھر اُن کو نیک اور صالح سمجھا تو ان پر بھی وہی حکم نقد وقت ہوگا کما صرح بہ فی الشفاء والاشباہ وغیرھما

---

[۱] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب النکاح دارصادر بیروت ۷/ ۱۲۵

ف: یہ حدیث سنن کبرٰی سے ملی اس میں الزوانی کے بجائے البغایا کا لفظ ہے۔ نذیر احمد

(جیسا کہ الشفاء اور الاشباہ وغیرہما میں تصریح کی گئی ہے۔ ت) ایسی صورت میں بحکم فقہ اصلاً مطلق نکاح نہ ہوگا، لہذا احتیاط فرض ہے، اگر ایسا واقع ہولیا یعنی اس کی گمراہیوں پر مطلع ہوکر پھر اُسے معظم ومتبرک سمجھ کر نکاح خوانی کے لیے بُلایا تو بعد توبہ وتجدید اسلام تجدید نکاح لازم۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۷: از نگلہ مرہرو ڈاک خانہ بیلاؤدہ ضلع میرٹھ مسئولہ محمد ذاکر علی صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو لڑکیاں توام ہیں، کمر سے لے کر سُرین تک جُڑی ہوئی ہیں، میرز ایک ہے، اور باقی عام اعضاء الگ الگ علیحدہ علیحدہ، وہ اپنی مادری زبان تلنگی میں اچھی طرح گفتگو کرسکتی ہیں، عمر ان کی بارہ سال ہے، یہ قصہ سکندر آباد دکن کا ہے، میں نے اس کو اخبار وطن لاہور جلد ۹ عدد ۲۳ مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۰۰ء ص ۱۳ میں دیکھا ہے، لکھا ہے کہ یہ ہندو ہیں، ان کے والدین کو ان کے ذریعہ سے کافی آمدنی ہے، درصورت صحیح ہونے اور مسلمان ہونے ان کے لیے ان کی صورت نکاح کیا ہے؟ اگر کیا جائے تو دو بہنیں ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں، اور کہا جائے کہ دو سے کیا جائے تو بے حیائی لازم آتی ہے اور یہ دونوں لڑکیاں علیحدہ نہیں ہوسکتیں، حکم اس مسئلہ کا مفصل مدلّل ارقام فرمائیے اور روایت فقہاء بھی تحریر کیجئے۔ بیّنوا توجروا

الجواب

ظاہراً یہ اخباری گپ ہے، ایسے عجائب اگر نادراً پیدا ہوتے ہیں تو عادۃً زندہ نہیں رہتے، اگر بارہ۱۲ برس سے ایسا اعجوبہ ملک میں موجود ہوتا تو جب ہی سے تمام اخبار اس کے ذکر سے بھر جاتے، دیار وامصار میں شہرت ہوتی نہ کہ اب بارہ۱۲ سال کے بعد درج اخبار ہوا، اور بالفرض اگر صحیح بھی ہو اور وہ دونوں مسلمان بھی ہوجائیں تو شریعت مطہرہ نے کوئی مسئلہ لاجواب نہ چھوڑا، بھلا یہ صورت تو بہت بعید ہے، فرض کیجئے جو عورت ابتدائے بلوغ سے معاذ اللہ جذام وبرص میں مبتلا ہو اور اس کے ساتھ ایسی کریہہ المنظر کہ اُسے کوئی قبول نہ کرتا نہ کہ بحالت جذام، اس کے لیے کیا صورت ہوگی، اسے شرع کیا حکم دے گی، ہاں اسے عفت وصبر کا حکم فرماتی ہے اور روزوں کی کثرت اس کا علاج بتاتی ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ولیستعفف الذین لایجدون نکاحا حتی یغنیھم اللہ من فضلہ[۱]	جو نکاح کی طرف کوئی راہ نہ پائیں وہ بچے رہیں جب تک اللہ اپنے فضل سے انھیں بے پرواہ کرے۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[۱] القرآن ۲۴/ ۳۳

یامعشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاءٌ۔[1]

اے گروہِ نوجوانان! تم میں جسے نکاح کی طاقت ہو وُہ نکاح کرے کہ نکاح پریشان نظری و بدکاری سے روکنے کا سب سے بہتر طریقہ ہے اور جسے ناممکن ہو اُس پر روزے لازم ہیں کہ کسرِ شہوت نفسانی کر دیں گے۔

یہی حکم و علاج اس عجوبہ خلقت کے لیے ہوگا، اس کی نظیر وُہ سوال ہے کہ جہاں عرض تسعین کی نسبت کیا کرتے ہیں جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہے کہ وہاں رمضان کے روزے کیسے رکھیں حالانکہ وہاں انسانی آبادی کا نام نہیں کہ اسّی درجے عرض سے آگے لوگوں کا گزر بھی نہیں کہ ہمیشہ کی ہر آن برف باری نے وہاں سمندر کو دلدل کر رکھا ہے، نہ پانی رہا کہ جہاز گزرے، نہ زمین ہوگیا کہ آدمی چلیں بلکہ ستّر درجے آگے سے آبادی کا پتا نہیں، وہاں جبکہ چھ چھ مہینے کے دن رات ہیں بلکہ قطب شمالی میں چھ مہینے نو دن کا دن اور نو دن سے کم چھ مہینے کی رات، اور قطب جنوبی میں بالعکس، اس لیے کہ اوج آفتابی شمالی اور حضیض جنوبی ہے اور اُس کی رفتار اوج میں سست اور حضیض میں تیز ہے، پھر یہ نہار و لیل نجمی ہے، عرفی لیجئے تو نصف قطر آفتاب اور حصہ انکسار بڑھ کر مقدار نہار میں اور بہت سے دن بڑھ جائیں گے، اور نہار شرعی کے لیے اٹھارہ درجے کا انحطاط لیجئے تو کئی مہینے مقدار نہار میں شامل ہو کر رات بہت کم رہ جائے گی اور وہاں قمر وغیرہ کسی کوکب کا طلوع و غروب حرکت شرقیہ فلکیہ سے نہیں بلکہ صرف اپنی حرکتِ خاصہ سے جب منطقہ سے شمالی ہوگا قطب شمالی میں طلوع کرے گا اور جب تک شمالی رہے گا طالع رہے گا پھر جب جنوبی ہوگا غروب کرے گا اور جب تک جنوبی رہے گا غارب رہے گا اور اس ظہور و بطون کے لیے کوئی تعیین نہیں کہ قمر اُس وقت اجتماع میں ہو یا استقبال میں، تربیع میں ہو یا شکلِ ہلال میں، تو سال کے بارہ دن رات جو قمر نے پائے ان میں حساب انتظام اہلہ و شہور نا مقدور، اور اگر حکماً صورت تقدیر و اندازہ لیجئے بھی جس طرح دربارۂ ایامِ طوال دجال نمازوں کے لیے ارشاد ہُوا تو وہی قرآن عظیم جس نے فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ[2] (جو تم میں سے ماہِ رمضان کو پائے تو اس کا روزہ رکھے۔ ت) فرمایا اُسی نے وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین[3] (جو روزہ کی استطاعت نہ رکھے تو مسکین کا کھانا فدیہ میں دے۔ ت) ارشاد کیا یعنی جنھیں روزے کی قدرت نہ ہو اُن پر بدلہ ہے ہر روزے کے عوض ایک مسکین کا کھانا

---

[1] صحیح البخاری کتاب النکاح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵۸
صحیح مسلم " " " ۱/ ۴۴۹

[2] القرآن ۲/ ۱۸۵ [3] القرآن ۲/ ۱۸۴

اور جن کو اس کی بھی استطاعت نہ ہو وہ حصولِ استطاعت کا انتظار کریں اور اپنے رب سے انابت و استغفار کہ وہی قرآن کریم فرماتا ہے: لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا[1] خدا کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ حکم نہیں دیتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۸ از خیر آباد محلہ میاں سرائے مدرسہ عربی قدیم مرسلہ سید فخر الحسن صاحب ۳ ذی القعدہ ۱۳۲۶ھ

خطبہ نکاح کا کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے یا بیٹھ کر، اور کس طریقہ سے مسنون ہے؟

الجواب

اگرچہ خطبہ میں مطلقاً افضل قیام ہے کہ آواز بھی دُور پہنچتی ہے اور باعث توجہ حاضرین بھی ہوتا ہے اور اس امر میں سب خطبے مشترک ہیں، ہاں جو خطبہ سواری پر ہوتا ہے جیسے خطبہ عرفہ، وہاں قیام مرکب قائم مقام قیام راکب ہے مگر خطبِ نافلہ بیٹھ کر بھی ثابت ہیں،

ابن جریر عن سماك بن حرب قال سمعت معرورا او ابن معرور التمیمی قال سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ و صعد المنبر وقعد دون مقعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بمقعدین فقال اوصیکم بتقوی اللہ واسمعوا واطیعوا من ولاہ اللہ تعالٰی امرکم۔[2]

ابن جریر نے سماک بن حرب سے روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا: میں نے معرور یا ابن معرور تیمی سے سنا انھوں نے کہا میں نے عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سُنا جبکہ آپ منبر پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نشستگاہ سے دو سیڑھیاں نیچے تشریف فرما ہوئے تو آپ نے فرمایا میں تمھیں اللہ تعالٰی سے تقوٰی کی وصیت کرتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی طرف سے تمھارے امور کے بنائے ہوئے والی کی اطاعت وسمع اختیار کرو۔ (ت)

اور خطبہ نکاح نفل ہی ہے تو بیٹھ کر بھی مضائقہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۹ از سلون ضلع رائے بریلی احاطہ شاہ صاحب مرسلہ مولوی محمد عمر صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ

جناب مولانا صاحب مجدد مائۃ حاضرہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وعلی من لدیکم،
کیا مسلک ہے آپ کا اس مسئلہ میں کہ زید نے تَزَوَّجْتُ اور ہندہ نے قَبِلْتُ دو گواہوں کے سامنے کہہ دیا اور دونوں ان الفاظ کے معنی نہیں سمجھتے بلکہ گواہ بھی نہیں سمجھے، آیا اس صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟

---

[1] القرآن ۲/ ۲۸۶

[2] کنز العمال بحوالہ ابن جریر حدیث ۴۴۱۹۰ خطب عمر رضی اللہ عنہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۱۵۷

شرح وقایہ اور فتاوٰی قاضی خاں اور فتاوٰی ظہیریہ اور رد المحتار اور درمختار میں ایسا نکاح جائز لکھا ہے بلکہ درمختار میں اسی پر فتوٰی ہے، اور دلیل اس کی کل کتابوں میں یہ لکھی ہے کہ مضمون لفظ کا علم اور اس کا سمجھنا اُن امور میں معتبر ہے جن میں نیت اور قصد کی ضرورت ہو اور جن امور میں جد و ہزل برابر ہوں اُن میں معنی سمجھنے کی ضرورت نہیں، لہذا نکاح محض بتلفظ نَکَحْتُ و قَبِلْتُ بلا فہم معنے منعقد ہوجائیگا جیسا کہ قاضی خاں وغیرہ میں ہے:

لان العلم بمضمون اللفظ انما یعتبر لاجل القصد فلا یعتبر فیما یستوی فیہ الجد و الھزل[1] انتھی۔

کیونکہ لفظ کے مضمون کا علم کسی چیز کے قصد کے لیے ضروری ہوتا ہے اور جس میں قصد اور غیر قصد مساوی ہوں وہاں مضمون کا علم معتبر نہ ہوگا۔ انتہی (ت)

میرے خیال میں یہ دلیل صحیح نہیں، عبارت قاضی خاں کی فلا یعتبر (ای العلم بمضمون اللفظ) فیما یستوی فیہ الجد والھزل (لفظ کے مضمون کا علم معتبر نہ ہوگا جہاں قصد اور غیر قصد (مذاق) برابر ہوں۔ ت) ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ ہزل میں مضمون لفظ کا علم اور معنے کا سمجھنا ضروری ہے بغیر فہم معنے ہزل غیر ممکن ہے اس واسطے کہ استعمال لفظ و ارادہ غیر معنے حقیقی و مجازی کا نام ہزل ہے اور اس میں شرط ہے کہ قبل عقد متعاقدین آپس میں ذکر کرلیں کہ یہ عقد بطریق ہزل ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے:

الھزل ان یراد بالشیئ غیر ما وضع لہ بغیر مناسبۃ بینھما و الجد ما یراد بہ ما وضع لہ او ما صلح لہ اللفظ مجازا[2] اھ

ہزل (مذاق) سے مراد یہ ہے کہ مناسبت کے بغیر مجازی معنی مراد لینا، جد (قصد) سے مراد یہ کہ حقیقی معنیٰ یا ایسا مجازی معنیٰ مراد لینا جس کے لیے لفظ صلاحیت رکھتا ہو اھ (ت)

نور الانوار میں ہے:

وشرط الھزل ان یکون صریحا مشروطا باللسان بان یذکر العاقدان قبل العقد انھما یھزلان فی العقد ولا یثبت ذٰلک بدلالۃ الحال[3]

مذاق کی شرط یہ ہے کہ زبانی طور پر صراحۃً عقد کرنے والے دونوں فریق، عقد سے قبل ذکر کریں کہ ہم مذاقاً عقد کریں گے، اور مذاق دلالتِ حال سے ثابت نہ ہوگا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح الفصل الاول نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۵۱

[2] مرقاۃ شرح مشکوۃ باب الخلع والطلاق المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۴۲۷

[3] نور الانوار مبحث الامور المعترضہ للاہلیۃ نوعان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۰۲-۳۰۳

اس صورت میں جبکہ عاقدین بالکل سمجھتے ہی نہیں کہ ان الفاظ کے کیا معنے ہیں اور کس موقع میں استعمال کئے جاتے ہیں تو ہزل کیسے ہوسکتا ہے، قطع نظر اس کے ہزل میں اگرچہ ہازل نفس حکم سے راضی نہیں ہوتا لیکن اس کے اسباب سے راضی رہتا ہے جیسا کہ نورالانوار میں ہے:

وانہ ینافی اختیار الحکم والرضاء بہ و لاینافی الرضاء بالمباشرۃ[1] الخ	مذاق، حکم اور اس پر رضامندی کے منافی ہے لیکن کام کو سرانجام دینے کے لیے منافی نہیں ہے۔ (ت)

اور یہاں عاقدین جانتے ہی نہیں کہ یہ الفاظ کیسے ہیں اور ان کے کیا معنے ہیں، تو رضا بالاسباب بھی مفقود ہے لہذا اس صورت کو ہزل میں داخل کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔ دُوسری دلیل مجوزین کی یہ ہے کہ اگرچہ متعاقدین معنے نہیں سمجھتے لیکن اُن کا جہل معتبر نہ ہوگا اور نکاح منعقد ہوجائے گا،

لان الدار دار الاسلام فلایکون الجھل فی احکام الشرعیۃ عذرا۔	چونکہ یہ دارالاسلام ہے لہذا احکامِ شرعیہ سے جاہل ہونا کوئی عذر نہ بن سکے گا۔ (ت)

اس جگہ دعوٰی و دلیل میں صراحۃً تخلف ہے، دلیل کا منشا تو یہ ہے کہ احکام شرعیہ میں جہل معتبر نہیں، یہ ضرور قابلِ تسلیم ہے لیکن یہ اس امر کو مستلزم نہیں کہ زبان عربی سے جہل بھی غیر معتبر ہو احکام شرعیہ منحصر بزبانِ عربی نہیں، عاقدین احکامِ نکاح کو زبان غیر عربی مثلاً فارسی اردو وغیرہ میں جانتے ہوں اور زبان عربی سے واقف نہیں تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جاہل بالاحکام ہیں، جہل بالاحکام اور جہل باللسان کو متحد جان کر دونوں کو غیر معتبر کہنا صحیح نہیں ہوسکتا، لہذا جب عاقدین کو کسی طرح اس کا علم نہیں کہ ان الفاظ کے کیا معنے ہیں اور کس موقع پر اس کا استعمال ہوتا ہے، تو ان کے تلفظ سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ فصول عمادی میں ہے:

انہ لایصح عقد من العقود اذا لم یعلما معناہ[2] اھ	جب گواہ حضرات کسی عقد کا معنٰی نہ سمجھیں تو عقد صحیح نہ ہوگا اھ (ت)

فتاوٰی حمادیہ میں بھی مثل اس کے لکھا ہے۔ شمس الاسلام اوزجندی سے کسی نے اس مسئلہ کو پُوچھا، فرمایا: نہ منعقد ہوگا،

لان المرأۃ فی ھذہ بمنزلۃ الطوطی والصبی الذی لایعقل۔	کیونکہ اس معاملے میں عورت طوطے اور ناسمجھ بچے کی طرح ہے۔ (ت)

---

[1] نورالانوار مبحث الامور المعترضۃ للاہلیۃ نوعان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۰۲

[2] فصول عمادی

صاحبِ فتاوٰی بزازیہ کی بھی یہی رائے ہے، درمختار کے فتوے کو ردالمحتار میں لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے، اب آپ کے نزدیک اگر یہ نکاح جائز ہے تو شبہہ مذکورہ بالا کا جواب مدلل طور سے ارقام فرمائیے، اور اگر نا جائز ہے تو یہ فرمائیے کہ مجوزین کی دلیل بالکل سُست ہے یا نہیں؟ تیسری دلیل میں نے اُن لوگوں کی نہیں دیکھی، اگر آپ کی نظر سے گزری ہو تو مطلع فرمائیے۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ بہت عدیم الفرصت ہوں گے، مگر خدا نے "وارث الانبیاء" آپ کو کیا ہے، سائل اور کس سے اپنے شبہے رفع کرے۔ والسلام

الجواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، فقیر کی رائے میں دونوں دلیلیں اعتراض سے بری اور دونوں قول اپنے اپنے محل پر صحیح ہیں، دلیل اول کی برأت تو واضح تر۔ امام اجل قاضی خاں نے فتاوٰی خانیہ امام ظہیر الدین مرغینانی نے فتاوٰی ظہیریہ، امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے کتاب التجنیس والمزید میں اسے افادہ فرمایا اور امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر، پھر محقق زین نے بحر الرائق میں اُس پر تعویل کی، اُس میں صورت مذکورہ کو ہزل نہ کہا بلکہ ایک مقدمہ دلیل پر مسئلہ ہزل سے استدلال فرمایا ہے، تقریر کلام یہ ہے کہ یہاں اگر انعقادِ نکاح سے مانع ہو تو یہی کہ معنے معلوم نہیں اور ایسا ہو تو علم بمعنے شرط ہو لیکن وہ شرط نہیں کہ اس کا اشتراط ہو تو قصد ہی کے لیے، اور یہاں قصد درکار نہیں، دیکھو ہزل میں معنے مقصود نہیں ہوتے اور نکاح صحیح ہے۔ اسی مطلب کو تجنیس میں بایں عبارت ادا فرمایا:

لوعقدا عقد النکاح بلفظ لا یفھمان کونہ نکاحا ھل ینعقد اختلف المشایخ فیہ قال بعضھم ینعقد لان النکاح لایشترط فیہ القصد[1]

اگر مرد وعورت نے ایسے الفاظ سے نکاح منعقد کیا جن سے ان دونوں کو نکاح ہونے کا پتا نہ چل سکے، کیا اس صورت میں نکاح ہوجائے گا اس بارے میں مشایخ کا اختلاف ہے، بعض نے فرمایا کہ نکاح منعقد ہوجائیگا کیونکہ نکاح میں قصد شرط نہیں ہے۔ (ت)

رہی دُوسری دلیل، اس پر اعتراض اشتباہِ معنٰی سے ناشئ ہے۔ فقیر بعون القدیر اسے ایسے نہج سے بیان کرے جس سے دلائل واحکام سب کا انکشاف ہوجائے **فاقول** وباللہ التوفیق یہاں دو چیزیں ہیں لفظ کا مفہوم کہ لغوی شرعی عرفی حقیقی مجازی کی طرف مقسوم، اور اس کا حکم کہ غرض غایت مقصود ثمرہ وغیرہا سے موسوم، ان دونوں پر لفظ کے معنے مضمون حتی کہ موضوع لہ کا بھی اطلاق آتا ہے اگرچہ اول کے بعض

---

[1] التجنیس والمزید

اقسام میں وضع نوعی ہے۔ امامِ اجل فخر الاسلام بزدوی قدس سرہٗ نے اصول میں فرمایا:

الھزل اللعب وھو ان یراد بالشیئ مالم یوضع لہ وھو ضد الجد وھو ان یراد بالشیئ ماوضع لہ[1]

ہزل (مذاق) ایسے کھیل کا نام ہے جس میں کسی چیز سے ایسی مراد لی جائے جس کے لیے وہ چیز وضع نہ کی گئی ہو، یہ جد (قصد) کی ضد ہے اور جد کسی چیز سے اس کا موضوع لہ مراد لینا ہے۔ (ت)

امام جلیل عبدالعزیز بخاری اس کی شرح کشف کبیر میں فرماتے ہیں:

لیس المراد من الوضع ھھنا وضع اللغۃ لاغیر بل وضع العقل والشرع فان الکلام موضوع عقلا لافادۃ معناہ حقیقۃ کان اومجازا والتصرف الشرعی موضوع لافادۃ حکمہ فاذا ارید بالکلام غیر موضوعہ العقلی وھو عدم افادۃ معناہ اصلا وارید بالتصرف غیر موضوعہ الشرعی وھو عدم افادتہ الحکم اصلا فھو الھزل وتبین بماذکرنا الفرق بین المجاز والھزل فان الموضوع العقلی للکلام وھو افادۃ المعنی فی المجاز مراد وان لم یکن الموضوع لہ اللغوی مرادا وفی الھزل کلاھما لیس بمراد وھو معنی مانقل عن الشیخ ابی منصور رحمہ اللہ تعالٰی ان الھزل مالایراد بہ معنی[2]۔

یہاں وضع سے خاص وضع لغوی مراد نہیں بلکہ وضع عقلی وشرعی سب کو شامل ہے، کیونکہ عقلی طور پر کلام کی وضع اس لیے ہے کہ اپنے معنی کا فائدہ دے چاہے معنی حقیقی ہو یا مجازی ہو اور شرعی تصرف کی وضع اس کے حکم کے افادہ کے لیے ہے تو جب کلام سے اس کا عقلی معنی یعنی افادۂ مقصد مراد نہ ہو اور تصرف شرعی سے شرعی معنی یعنی حکم کا افادہ، مراد نہ ہو تو اس کو ہزل کہتے ہیں۔ ہمارے بیان سے واضح ہوگیا کہ مجاز اور ہزل (مذاق) میں فرق ہے کہ مجاز میں عقلی وضع کے لحاظ سے معنٰی مراد لیا جاتا ہے اگرچہ لغوی معنٰی مراد نہیں ہوتا جبکہ مذاق میں دونوں معنوں میں سے کوئی بھی مراد نہیں ہوتا، اور شیخ ابومنصور رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول کا یہی معنٰی ہے کہ مذاق وہ ہے جس سے کوئی معنی مراد نہ لیا جائے۔ (ت)

معنی بمعنی اول کا علم اصلاً ضرور نہیں ولہذا اگر عورت نے زوجت نفسی منک بالف اور مرد نے قبلت کہا اور دونوں زبان عربی سے محض ناآشنا تھے مگر اتنا اجمالاً معلوم تھا کہ یہ الفاظ عقد نکاح

---

[1] اصول البزدوی — فصل الھزل — نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی — ص ۳۴۷

[2] کشف الاسرار عن اصول البزدوی — ؍؍ — دار الکتاب العربی بیروت — ۴/۳۵۷

کے لیے کہے جاتے ہیں باتفاقِ علماء نکاح ہوگیا، خانیہ میں ہے:

رجل تزوج امرأۃ بلفظۃ العربیۃ او بلفظ لایعرف معناہ او زوجت المرأۃ نفسھا بذٰلک ان علما ان ھذا اللفظ ینعقد بہ النکاح یکون النکاح عند الکل[1]

اگر کسی مرد نے عربی زبان یا کسی بھی زبان کا ایسا لفظ استعمال کرکے نکاح کیا اور یُوں ہی عورت نے ایسا لفظ استعمال کیا کہ جس کا معنٰی اسے معلوم نہ ہو تو اگر ان دونوں کو ان الفاظ سے نکاح کے انعقاد کا علم ہوگیا تو یہ نکاح سب کے ہاں درست ہے (ت)

یُوں ہی اگر ناآشنایانِ عربی نے بعت اشتریت بقصد بیع وشرا کہا اور جانتے تھے کہ یہ الفاظ عقد بیع کے ہیں ضرور بیع ہوجائے گی اگرچہ تفسیرِ الفاظ سے ناواقف ہوں کہ بعد علم حکم بقصد حکم اُن الفاظ کا تحاور دلیل مراضاۃ ہے اور ایسی مراضاۃ ہی ان عقود میں کفیل اثبات ہے۔ ہدایہ میں ہے:

المعنی ھو المعتبر فی ھذہ العقود ولھذا ینعقد بالتعاطی فی النفیس والخسیس ھو الصحیح لتحقق المراضاۃ[2]

ان عقود میں معنٰی کا اعتبار ہوتا ہے اور اسی لیے ہر چھوٹی موٹی چیز کے لین دین کرنے سے بیع منعقد ہوجاتی ہے کیونکہ اس صورت میں رضا ظاہر ہوجاتی ہے (ت)

تو ثابت ہُوا کہ مسئلہ دائرہ میں معنی معنٰی دوم ہی مراد ہے کہ اول بالاجماع مراد نہیں تو اس کا جہل مناطِ نزاع نہیں ہوسکتا، بعض اکابر نے کہ الفاظ عربی اور عاقدین کے ہندی یا ترکی ہونے سے تصویر فرمائی وہ بحسب عادات فقہاء ہے کہ مظنہ غالبہ شئے کو قائم مقام شئی کرتے ہیں،

کما لایخفی علی من مارس کلماتھم العلیۃ وقد ذکرنا طرفا منھا فی فتاوٰنا۔

جیسا کہ فقہاءِ کرام کے کلام کے فہم میں ماہر پر مخفی نہیں جس کا کچھ بیان ہم نے اپنے فتاوٰی میں کیا ہے۔ (ت)

غالب یہی ہے کہ آدمی الفاظ زبان غیر مفہوم کے مقاصد پر بھی مطلع نہیں ہوتا، ولہذا امام فقیہ النفس نے وان لم یعرفا معنی اللفظ (اگرچہ دونوں نے لفظ کا معنٰی نہ سمجھا۔ ت) پر قناعت نہ کی کہ اوّل کی طرف ذہن نہ جائے بلکہ افادۂ مراد کے لیے ولم یعلما ان ھذا اللفظ ینعقد بہ النکاح[3] (اور دونوں نے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں — کتاب النکاح — نولکشور لکھنؤ — ۱/۱۵۱
[2] ہدایہ — کتاب البیوع — مطبع یوسفی لکھنؤ — ۳/۲۴
[3] فتاوٰی قاضی خاں — کتاب النکاح — نولکشور لکھنؤ — ۱/۱۵۱

یہ نہ سمجھا کہ اس لفظ سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے ۔ت) بڑھایا، اور امام برہان الدین نے اصل مقصود لفظ لا یفھمان کو نہ نکالا (ایسا لفظ جس سے دونوں نے نکاح ہونا نہ سمجھا۔ت) فرمایا، علامہ ابن عابدین نے منحۃ الخالق میں کلام خانیہ سے یہی اخیر فقرہ مقصودہ نقل کیا اول ترک کردیا،

حیث قال قال فی الخانیۃ وان لم یعلما ان ھذا اللفظ یعقد بہ النکاح فھذہ جملۃ مسائل[۱] الخ۔

جہاں انھوں نے کہا کہ خانیہ میں فرمایا کہ اگر انھوں نے اس لفظ سے نکاح ہونا نہ سمجھا، تو یہ تمام مسائل ہیں الخ (ت)

اسی قدر نے دلیل دوم سے رفعِ اعتراض کردیا۔

ثم[۳۹] اقول پھر جس طرح علم بمعنی اوّل اصلاً ضرور نہیں بمعنی دوم دیانۃً مطلقاً ضرور ہے قال تعالٰی لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْۢ بَلَغَ[۲] (تاکہ تمھیں ڈر سناؤں اور ان لوگوں کو جن کو یہ ڈر پہنچے۔ت) اگرچہ یہ بلوغ حکماً ہو جیسے دار الاسلام میں ہونا اور سیکھنے کا تیسر کہ پھر نہ جاننا اپنی تقصیر ہے، ولہذا جہل کو عوارض مکتسبہ سے شمار فرماتے ہیں کہ از الہ پر قادر ہو کر باقی رکھنا گویا آپ اس کا حاصل کرنا ہے یہی منشا ہے کہ نشہ کی طلاق واقع ہے اگرچہ ایقاع کو عقل ضرور، اور نشہ اس کا مزیل مگر دانستہ اس کا ارتکاب خود اس کا قصور، اصول امام بزدوی میں ہے:

الجھل فی دار الحرب من مسلم لم یھاجر یکون عذرا فی الشرائع حتی لا تلزمہ لانہ غیر مقصر وکذلك الخطاب فی اول ما نزل فان من لم یبلغہ کان معذورا فاما اذا انتشر الخطاب فی دار الاسلام فقد تم التبلیغ فمن جھل بعد فانما اتی من قبلہ تقصیرہ فلا یعذر کمن لم یطلب الماء فی العمران وتیمم وکان الماء موجودا فصلی لم یجز[۳]۔

دار الحرب میں مسلمان جو کہ ہجرت کرکے دار الاسلام نہ آیا ہو اس کی شرعی مسائل میں جہالت عذر ہے کہ اس عذر کی بنا پر وہاں اس کے لیے لازم نہ ہوں گے کیونکہ یہ اس کی طرف سے کوتاہی نہیں ہے، یُوں ہی جب پہلا خطاب نازل ہُوا اور دار الاسلام میں رہنے والے کو نہ پہنچا تو وُہ بھی معذور قرار پائیگا لیکن وُہ خطاب جب دار الاسلام میں پھیل جائے اور تبلیغ تام ہوجائے اس کے بعد جو جاہل رہے تو یہ اُس کی کوتاہی شمار ہوگی تو وہ معذور نہ قرار پائے گا جیسا کہ کوئی شخص آبادی میں جہاں پانی موجود ہے تو پانی طلب یا تلاش کیے بغیر تیمم سے نماز پڑھ لے تو نماز نہ ہوگی۔ (ت)

---

[۱] منحۃ الخالق حاشیۃ علی البحر الرائق کتاب النکاح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۸۵
[۲] القرآن ۶/۱۹
[۳] اصول البزدوی باب العوارض المکتسبہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۵

یہی معنٰے ہیں اُس قول کے کہ دار الاسلام میں جہل عذر نہیں، اور یہیں سے واضح ہوا کہ اگر ہمارے بلاد میں کوئی جاہل سا جاہل اپنی غیر مدخولہ عورت سے کہے تجھ پر طلاق ہے عورت فوراً نکاح سے باہر ہوجائے گی اور بے حاجت عدت اسے اختیار ہوگا کہ جس سے چاہے نکاح کرلے اور اس کا یہ مسئلہ نہ جانتا کہ غیر مدخولہ مطلقاً ہر طلاق سے بائن ہوجاتی ہے اسے مفید نہ ہوگا، کسی ناخواندہ ہندی یا بنگالی کو اگر سکھائے کہ اپنی عورت سے کہہ: ترا از زنی بہشتم (تجھ کو زوجیت سے نکال دیا۔ت) یا طلقتك فالحقی باھلك (میں نے تجھے طلاق دے دی ہے تو اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا۔ ت)، اور وہ نہ جانے کہ یہ کلمات طلاق کے ہیں عند اللہ طلاق نہ ہوگی کہ یہ جہل بالحکم جہل باللسان سے ناشئ ہوا، اور جہل باللسان تقصیر نہیں، فارسی سیکھنا اصلاً اور عربی سیکھنا ہر شخص پر فرض نہیں، اسی سے امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا:

لابد من القصد بالخطاب بلفظ الطلاق عالما بمعناہ او النسبة الی الغایة کما یفیدہ فروع[1] الخ

لفظ طلاق سے خطاب کرتے ہوئے اس کے معنی کا علم یا غرض کی طرف نسبت ہو جیسا کہ فروع نے افادہ کیا الخ (ت)

یعنی علم معنی دوم طلاق میں بھی ضرور ہے، اگر وہ صورت پائی جائے کہ اس کے جہل میں معذور ہو جیسے جہل بالحکم بوجہ جہل باللسان تو دیانۃً طلاق نہ ہوگی۔ نہر الفائق میں ہے:

اراد انه شرط للوقوع قضاء و دیانة فخرج مالایقع به لاقضاء ولادیانة کمن کرر مسائل الطلاق و مایقع به قضاء فقط کمن سبق لسانه لانه لایقع فیه دیانة اھ[2] قلت فقوله قضاءً ودیانةً ای معًا ای ھو شرط لان یقع دیانة ایضاً کما یقع قضاءً ولو یدونه فافھم۔

ان کی مراد یہ ہے کہ وہ قضاءً و دیانۃً وقوعِ طلاق کیلئے شرط ہے تو اس سے وہ صورت خارج ہے جس میں قضاءً و دیانۃً واقع نہ ہو جیسے کوئی شخص مسائل طلاق کا تکرار کرے اور وہ صورت بھی خارج ہے جس میں صرف قضاءً واقع ہو، جیسے غلطی سے کہہ دیا ہو تو اس میں دیانۃً واقع نہ ہوگی اھ، **قلت** اُس کے قول "قضاءً و دیانۃً" کا مطلب یہ ہے کہ قضاءً و دیانۃً دونوں اکٹھی یعنی یہ شرط دیانۃً وقوع کے لیے بھی ہے جس طرح قضاءً بغیر دیانۃً کے لیے شرط ہے، اسے سمجھو۔ (ت)

البتہ قاضی دعوٰی جہل نہ مانے گا اور حکم طلاق دے گا جب تک دلائلِ واضحہ سے اس کا عذر روشن ہوجائے۔

---

[1] فتح القدیر باب ایقاع الاطلاق مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۳۵۱

[2] نہر الفائق

ولہذا درمختار میں فرمایا:

تلفظ به (ای بالطلاق) غیر عالم بمعناه او غافلا او ساهیا او بالفاظ مصحفة یقع قضاء فقط بخلاف الهازل و اللاعب فانه یقع قضاء و دیانة لان الشارع جعل هزله به جدا ۔ فتح ۔[1]

معنی معلوم نہ ہونے یا غفلت یا بھول کر، یا غلط لفظ کی صورت میں طلاق کا لفظ بولا تو صرف قضاءً طلاق ہوگی اس کے برخلاف جبکہ مذاق اور کھیل کے طور پر لفظ طلاق بولے تو قضاءً و دیانۃً دونوں طرح طلاق ہوجائیگی کیونکہ شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے طلاق میں مذاق کو قصداً طلاق کا حکم دیا ہے ، فتح ۔ (ت)

اس تقریر سے مستنیر ہُوا کہ جن اکابر نے صورتِ مسئولہ میں انعقاد نہ مانا وُہ حکم دیانت ہے اور جن ائمہ نے مانا وہ حکم قضا ہے ۔ لاجرم امام فقیہ النفس نے صاف فرمایا:

ان لم یعرفا معنی اللفظ و لم یعلما ان هذا لفظ ینعقد به النکاح فهذه جملة مسائل الطلاق و العتاق و التدبیر و النکاح و الخلع و الابراء عن الحقوق و البیع و التملیك فالطلاق و العتاق و التدبیر واقع فی الحکم ذکره فی عتاق الاصل فی باب التدبیر و اذا عرف الجواب فی الطلاق و العتاق ینبغی ان یکون النکاح کذلك لان العلم بمضمون اللفظ انما یعتبر لاجل القصد فلا یشترط فیما یستوی فیه الجد و الهزل بخلاف البیع و نحو ذلك ۔[2]

اگر دونوں لفظ کا معنی نہیں جانتے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس لفظ سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے تو طلاق، عتاق، تدبیر، نکاح، خلع، حقوق سے بری کرنا، بیع اور تملیک یہ تمام مسائل ہیں ان میں سے طلاق، عتاق اور تدبیر (مدبر بنانا) حکم میں شامل ہیں، امام محمد نے اس حکم کو اصل کے باب عتاق کی بحث تدبیر میں ذکر کیا ہے اور جب طلاق و عتاق کا حکم معلوم ہوگیا تو نکاح کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے کیونکہ لفظ کے مضمون کا علم قصد و اختیار کے لیے معتبر ہوتا ہے تو جہاں قصد و مذاق کا حکم مساوی ہو وہاں یہ علم شرط نہیں ہوگا بخلاف بیع جیسے امور کے (وہاں علم مذکور شرط ہے) (ت)

ہاں مشائخ اوزجند نے اہل تلبیس کا مکر رَد کرنے کو مطلقاً عدم انعقاد اختیار فرمایا یعنی قضاءً بھی حکم نہ دیں گے ۔ بحرالرائق میں ہے:

---

[1] درمختار | کتاب الطلاق | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۱۶

[2] فتاوٰی قاضی خاں | کتاب النکاح | نولکشور لکھنؤ | ۱/۱۵۱

ولقنته لفظ الطلاق فتلفظ به غير عالم بمعناه وقع قضاء لاديانة وقال مشايخ اوزجند لايقع اصلاصيانة لاملاك الناس عن الضياع بالتلبيس كما فی البدائع کذا فی البزازیة۔[1]

اگر بیوی نے خاوند کو طلاق کے لفظ کہلائے جبکہ خاوند کو ان کا معنیٰ معلوم نہیں تھا تو یہ لفظ کہنے سے طلاق قضاءً واقع ہوگی دیانۃً نہیں ہوگی، مشائخ اوزجند نے فرمایا کہ اس صورت میں بالکل طلاق نہ ہوگی تاکہ دھوکے سے لوگوں کے املاک کو ضیاع سے بچایا جاسکے، جیساکہ بدائع میں ہے اور یُوں ہی بزازیہ میں ہے۔ (ت)

تاتارخانیہ پھر منحہ میں ہے:

حکی عن القاضی الامام محمود الاوزجندی عمن لقنته امرأة طلاقا فطلقها وھو لا یعلم بذلك قال وقعت ھذہ المسألة باوزجند فشاورت اصحابی فی ذلك واتفقت اراؤنا انه لایفتی بوقوع الطلاق صیانة لاملاك الناس عن الابطال بنوع تلبیس ولو لقنتها ان تخلع نفسها منه بمهرها ونفقة عدتها واختلعت لایصح وبه یفتی۔[2]

امام قاضی محمود اوزجندی کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے اس صورت کے بارے میں کہ بیوی نے خاوند کو طلاق سکھائی جبکہ خاوند کو اس کا معنی معلوم نہ تھا، خاوند نے طلاق کہہ دی، فرمایا کہ یہ مسئلہ اوزجند میں پیش آیا تو میں نے اپنے اصحاب سے اس کے متعلق مشورہ کیا تو ہماری متفقہ رائے یہ قرار پائی کہ اس صورت میں طلاق ہوجانے کا فتوٰی نہیں دیا جائیگا تاکہ دھوکے کے ذریعے لوگوں کے املاک کو ضیاع سے بچایا جاسکے، اور اگر خاوند نے بیوی کو خلع بعوض مہر و نفقہ عدت سکھایا، تو عورت نے خلع کے یہ الفاظ کہہ دئے تو خلع صحیح نہ ہوگا، اسی پر فتوی ہے۔ (ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

لقنت المرأة بالعربیة زوجت نفسی من فلان ولا تعرف ذلك وقال فلان قبلت والشهود یعلمون اولایعلمون صح النکاح قال فی النصاب وعلیه الفتوی وکذا الطلاق

کسی عورت کو عربی میں یہ کہلایا گیا زوجت نفسی من فلان (میں نے اپنے آپ کو فلاں شخص سے بیاہ دیا) جبکہ عورت کو اس عبارت کا معنیٰ معلوم نہ تھا، اس کے بعد اس فلاں شخص نے جواب میں

---

[1] بحرالرائق کتاب الطلاق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۵۸-۲۵۷

[2] منحۃ الخالق حاشیۃ علی البحرالرائق کتاب الطلاق " " " ۲/ ۲۵۸

وقال الامام شمس الاسلام الاوزجندی لا لانه کالطوطی وسیأتی علیه التعویل[1]

قبلت (میں نے قبول کیا) کہا تو نکاح صحیح ہوگا خواہ گواہوں کو عبارت کا معنیٰ معلوم ہو یا نہ ہو۔ نصاب میں فرمایا کہ اسی پر فتوٰی ہے اور مسئلہ طلاق کا بھی یہی حکم ہے، اور امام شمس الاسلام اوزجندی نے فرمایا: طلاق نہ ہوگی کیونکہ مذکورہ صورت میں مرد، طوطے کی مانند ہے۔ اور عنقریب آئے گا کہ اس پر اعتماد ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لقنه الطلاق بالعربية وهو لا يعلم قال الفقيه ابو الليث لا يقع ديانة وقال مشائخ اوزجند لا يقع اصلا صيانة لاملاك الناس عن الابطال بالتلبيس وكذا لو لقنت الخلع وهی لا تعلم وقیل یصح والمختار ما ذکرنا[2] ملتقطا۔

خاوند کو کسی نے عربی زبان میں طلاق سکھائی جبکہ وہ اس کا معنیٰ اور مقصد نہ جانتا تھا، اس کے طلاق کہنے پر فقیہ ابو اللیث کے قول کے مطابق دیانۃً طلاق نہ ہوگی، اور مشائخ اوزجند نے فرمایا طلاق بالکل نہ ہوگی تاکہ دھوکے سے لوگوں کے اموال کو ضیاع سے بچایا جاسکے، اور یُوں ہی اگر عورت کو خلع سکھایا گیا اور اس کو معلوم نہیں کہ معنیٰ کیا ہے، تو بعض نے کہا کہ خلع صحیح ہوگا جبکہ مختار وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے اھ ملتقطا۔ (ت)

رہا نکاح میں گواہوں کا سمجھنا، اس میں تحقیق و توفیق یہ ہے کہ معنی بمعنی اول کا سمجھنا ضرور نہیں بمعنی دوم کا سمجھنا دیانۃً وقضاءً ہر طرح لازم ہے یعنی اتنا جانتے ہوں کہ یہ نکاح ہو رہا ہے یہ الفاظ ایجاب وقبول ہیں اگرچہ تفسیر الفاظ نہ جانیں نہ اُس زبان سے آگاہ ہوں۔ دُرمختار میں ہے:

شرط حضور شاهدين فاهمين انه نكاح على المذهب، بحر[3]

نکاح سمجھنے والے دو گواہوں کی حاضری شرط ہے، یہ مذہب ہے، بحر۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال في البحر جزم في التبيين بانه لو عقدا بحضرة هنديين لم يفهما كلامهما لم يجز

بحر میں ہے کہ تبیین میں اس پر جزم کیا گیا ہے کہ اگر دو ہندی گواہوں کی حاضری میں عربی میں نکاح فریقین نے کیا جن کے کلام کو وہ نہ سمجھ سکے تو نکاح جائز نہ ہوگا،

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی هامش فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۹
[2] " " " مسائل الایقاع بلاقصد الخ " " " " ۴/ ۱۷۹
[3] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۶

وصححه فی الجوهرة وقال فی الظهیریة والظاهر انه یشترط فهم انه نکاح واختاره فی الخانیة فکان هو المذهب لکن فی الخلاصة لویحسنان العربیة فعقدابها والشهود لایعرفونها الاصح انه ینعقد ووفق الرحمتی بحمل الاشتراط علی اشتراط فهم انه عقد نکاح والقول بعدمه علی عدم اشتراط فهم معانی الالفاظ بعد فهم ان المراد عقد نکاح[1] اھ۔

جوہرہ میں اس حکم کو صحیح کہا ہے، اور ظہیریہ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ نکاح ہونا گواہوں کو سمجھنا شرط ہے، اور خانیہ میں اس کو مختار کہا تو یہی مذہب ہے، لیکن خلاصہ میں ہے کہ اگر نکاح کے فریقین عربی اچھی طرح جانتے ہیں اور انھوں نے نکاح عربی میں کیا جس کو گواہوں نے نہ سمجھا تو اصح یہ ہے کہ نکاح ہوجائیگا اور علامہ رحمتی نے دونوں اقوال میں یہ موافقت کی کہ جہاں گواہوں کے فہم کو شرط کہا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ نکاح ہونے کو سمجھ لیں اور جہاں فہم کو شرط قرار نہیں دیا گیا اس سے مراد یہ ہے کہ قبول وایجاب کے الفاظ کے معانی سمجھنا شرط نہیں جبکہ نکاح ہونے کا فہم حاصل ہوچکا ہو اھ

قلت قد کان ظهر للعبد الضعیف قبل ان اراه لاشك انه حسن جدا وفی وجیز الامام الکردری تزوجها بالعربی وهما یعقلان لا الشهود قال فی المحیط الاصح انه ینعقد وعن محمد تزوجها بحضرة هندیین ولم یمکنهما ان یعبرا لم یجز فهذا نص علی انه لایجوز فی الاول ایضا[2] اھ۔

قلت اس عبد ضعیف پر واضح ہوا کہ یہ تطبیق بہت اچھی ہے جبکہ ابھی میں نے یہ نہیں دیکھا تھا اور وجیز کردری میں ہے کہ مرد وعورت نے عربی میں نکاح کیا، وہ دونوں عربی جانتے تھے اور گواہ نہ جانتے تھے محیط میں فرمایا کہ اصح یہ ہے کہ نکاح ہوجائے گا، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ فریقین نے عربی میں دو ہندی حضرات کی حاضری میں نکاح کیا جبکہ یہ حضرات اس کی تعبیر پر قدرت نہیں رکھتے تو نکاح جائز نہ ہوگا، امام محمد سے مروی یہ اس بات پر نص ہے کہ عقد نکاح ہونا سمجھنے سے بھی نکاح نہ ہوگا اھ

---

[1] رد المحتار کتاب النکاح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۳

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۱۸

اقول [۴۲] فی قول محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یمکنھما ان یعبرا اشارۃ الی ما ذکرنا اذ لاحاجۃ الا الی التعبیر الذی یطلب من الشھود عند اداء الشھادۃ ولیس علیھم ان یعیدوا الالفاظ التی تلفظا بھا ولا ان یعبروھا بمرادفاتھا او ترجمتھا بل لو شھدوا ان فلانا تزوج فلانۃ کفی فھذا ھو التعبیر المحتاج الیہ ویکفی لہ ان یفھما انہ عقد نکاح وان لم یعرفا تفسیر الکلام لفظًا لفظًا وایضًا اشتراط ھذا ھو المحقق للمقصد الذی شرع لہ الشرع شرط الشھود فی ھذا العقد منفرزا عن سائر العقود فاسقاطہ الغاء للمقصود واشتراط فھم الالفاظ زیادۃ مستغنی عنھا فعلیہ فلیکن التعویل وبہ یحصل التوفیق وباللہ التوفیق ثم لم یظھر لی معنی قول البزازی فی الاول ایضا فما ھو الا الاول۔

اقول امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول "کہ گواہ تعبیر نہ کرسکیں" میں اس بات کی طرف اشارہ ہے جو ہم نے ذکر کی، کیونکہ گواہوں کو تعبیر کی ضرورت صرف اس وقت پیش آتی ہے جب ان سے گواہی ادا کرنے کا مطالبہ کیا جائے، تو اس وقت گواہوں کے لیے ضروری نہیں کہ وہ نکاح کے فریقین کے الفاظ کو دُہرائیں یا ان کے الفاظ کے مترادف الفاظ یا ان الفاظ کا ترجمہ بیان کریں بلکہ اگر اتنا ہی بیان کردیں کہ فلاں مرد کا فلاں عورت سے نکاح ہوا ہے تو کافی ہے، بس یہ وہ تعبیر ہے جس کی ضرورت ہے اور اس کے لیے گواہوں کا مجلس میں اتنا سمجھنا کافی ہے کہ نکاح ہو رہا ہے اگرچہ وہ الفاظ کی تفسیر معانی نہ سمجھ پائیں، پھر یہ کہ شریعت نے خاص اس عقدِ نکاح کے لیے گواہوں کی حاضری کا جو مقصد متعین کیا ہے اس کے لیے یہ شرط مثبت ہے، لہذا اتنی شرط کو معتبر نہ سمجھنا شرعی مقصد سے بے اعتنائی ہوگی اور گواہوں کے لیے نکاح کے الفاظ کے معانی کو جاننے کی شرط لگانا غیر ضروری زیادتی ہے تو اسی پر اعتماد ہونا چاہیے جبکہ اسی سے تطبیق ہوجاتی ہے اور اللہ تعالٰی ہی سے توفیق ہے۔ پھر مجھے بزازیہ کے پہلے قول کا مفہوم بھی نہیں ملا، تو معلوم ہُوا کہ ان کا بیان کردہ وہ پہلا قول ہی ہے۔ (ت)

بالجملہ حاصل حکم یہ ہے کہ اگر دو گواہ یہ نہ سمجھے کہ یہ عقد نکاح ہے تو نکاح مطلقاً نہ ہوا اگرچہ زن و مرد خُوب سمجھے اور انشائے نکاح ہی کا قصد رکھتے ہوں، اور اگر دو گواہ اس قدر سمجھ لیے اگرچہ تفسیرِ الفاظ نہ جانتے ہوں تو اگر عاقدین بھی اتنا جانتے ہوں کہ ان الفاظ سے نکاح ہوجاتا ہے تو بالاجماع نکاح ہوجائے گا اگرچہ اُس زبان سے دونوں وہ اور گواہ سب ناآشنا ہوں۔ اور اگر عاقدین میں دونوں یا ایک کو معلوم نہ تھا کہ یہ الفاظِ نکاح ہیں تو جہاں احکامِ اسلام کا چرچا نہیں وہاں یہ جہل عذر ہے اور جہاں چرچا ہے اور وہ

الفاظ کسی غیر زبان کے نہ تھے جس سے اسے آگاہی نہ ہو تو نکاح ہوجائے گا اور یہ عذر مسموع نہیں، اور اگر غیر زبان کے تھے اور فی الواقع اُس نے اسے عقد نہ سمجھا تو عنداللہ نکاح نہ ہوگا۔ رہا قاضی، اُسے نظرِ کامل چاہئے، اگر ظاہر ہو کہ واقعی فریب کیا گیا اور دھوکا دیا گیا تو بطلانِ نکاح کا حکم دے ورنہ صحت کا،

ھذا ما عندی وارجو ان یکون ھو الفقہ المتین والقول الجامع الناصع المبین۔ میرے ہاں فہم یہ ہے اور امید ہے کہ یہی مضبوط فہم ہے اور یہی جامع واضح اور خالص قول ہے (ت)

زنِ فاحشہ سے نکاح جائز ہے اگرچہ تائب نہ ہوئی ہو، ہاں اگر اپنے افعالِ خبیثہ پر قائم رہے اور یہ تاقدرقدرت انسداد نہ کرے تو دیوث ہے اور سخت کبیرہ کا مرتکب، مگر یہ حکم اس کی اس بے غیرتی پر ہے نفسِ نکاح پر اس سے اثر نہیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے محرمات گنا کر فرمایا: واحل لکم ما وراء ذالکم[1] (اور ان کے سوا جو رہیں وہ تمہیں حلال ہیں۔ ت) رہی آیہ کریمہ:

والزانیۃ لاینکحھا الازان او مشرك وحرم ذلك علی المؤمنین[2] زانیہ عورت سے صرف زانی یا مشرک نکاح کرے اور مومنین پر یہ حرام ہے (ت)

اس کا حکم منسوخ ہے قالہ سعید بن مسیب وجماعۃ (یہ سعید بن مسیّب اور ایک جماعت کا قول ہے)، یا نکاح سے یہاں جماع مراد ہے کما قالہ حبر الامۃ عبداللہ بن عباس وسعید بن جبیر ومجاھد والضحاك وعکرمۃ وعبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ویزید بن ھارون[3] (جیسا کہ امت کے ماہر عالم عبداللہ بن عباس اور سعید بن جبیر اور مجاہد، ضحاک، عکرمہ، عبدالرحمان بن زید بن اسلم، اور یزید بن ہارون کا قول ہے۔ ت) والتفصیل فی فتاوٰنا (اس کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ مسئولہ عبدالرحیم خاں یکم رجب ۱۳۲۹ھ

نکاح کے وقت ولی کی بات قبول کی جائے گی یا لڑکی کے زبانی الفاظ جو وہ کہتی ہے، اور ولی کس کو بنانا چاہئے؟ نکاح میں ضروری الفاظ اور لازمی کیا کیا ہیں اور اُن کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب

لڑکی بالغہ ہے تو اس کا اپنا ایجاب یا قبول ہونا چاہئے اگرچہ بواسطہ وکیل۔ اور نابالغہ ہے تو

---

[1] القرآن ۴/ ۲۴
[2] القرآن ۲۴/ ۳
[3] تفسیر درمنثور سورۃ النور آیۃ اللہ العظمی النجفی قم ایران ۱۹/۵

اُس کے ولی کا وُلی کسی کے بنانے کا نہیں ہوتا بلکہ وُہ شرعِ مطہر نے ترتیب وار مقرر کیے ہیں سب میں پہلا ولی بیٹا ہے پھر باپ پھر دادا پھر سگا بھائی پھر سوتیلا پھر سگا بھتیجا پھر سوتیلا پھر سگا چچا پھر سوتیلا پھر سگے چچا کا بیٹا پھر سوتیلے کا، وعلیٰ ہذا القیاس دادا پردادا کی اولاد کا جو مرد عاقل بالغ قریب تر ہوگا وہی ولی ہے اور ان میں کوئی نہ ہو تو پھر ماں ہے، اسی طرح بترتیب اصحاب فرائض، پھر ذوی الارحام، اور ان میں کوئی نہ ہو تو پھر حاکم اسلام۔ نکاح میں ضروری الفاظ ایجاب وقبول ہیں جن سے عقد سمجھا جائے نہ وعدہ مثلاً مرد عورت سے کہے میں نے تجھے اپنے نکاح میں لیا عورت کہے میں نے قبول کیا یا عورت کا وکیل کہے میں نے فلاں عورت بنت فلاں ابن فلاں کو دادا تک نام لے اگر صرف باپ کے نام سے پُوری تمیز نہ ہوجائے یا عورت سامنے بیٹھی ہے تو کسی کے نام لینے کی حاجت نہیں اشارہ کرکے کہے اس عورت کو تیرے نکاح میں دیا مرد کہے میں نے قبول کیا اور دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں مسلمان عاقل بالغ آزاد ان دونوں کی گفتگو کو معاً سنیں اور سمجھیں کہ یہ نکاح ہو رہا ہے، بس اسی قدر ضروری ہے اس کے سوا خطبہ پڑھنا سنت ہے اور کلمے پڑھانا ایک اچھی بات ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۴۱ ازریاست رامپور محلہ پیلا تالاب مرسلہ مولوی شفاعت رسول صاحب سلمہ قادری برکاتی رضوی ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

حضور پرنور کا دربارہ متعہ کے کیا ارشاد ہے، اوائل اسلام میں جائز تھا پھر حرام کردیا گیا، آیا اس کی حُرمت حدیث سے ثابت ہے یا اقوالِ صحابہ سے؟

الجواب

مُتعہ کی حرمت صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ارشادوں سے ثابت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے اقوالِ شریفہ سے ثابت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن عظیم سے ثابت ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

والذین ھم لفروجھم حٰفظون الا علی ازواجھم اوماملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین، فمن ابتغٰی وراء ذٰلک فاولٰئک ھم العادون[1] واللہ تعالیٰ اعلم

جو لوگ اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے ماسوا سے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھتے ہیں وہ ملامت سے محفوظ ہیں اور جو لوگ غیر کے متلاشی ہیں وہ حد سے متجاوز ہیں۔(ت) واللہ تعالیٰ اعلم

---

[1] القرآن ۲۳/ ۷-۶-۵

مسئلہ ۴۲: از موضع میونڈی بزرگ مرسلہ سید امیر عالم حسن صاحب مورخہ ۲۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی آشنائی ایک طوائف سے ہے اور اس سے فعل حرام کرتا ہے اور اس سے کئی اولاد پیدا ہوچکی ہیں اب طوائف مذکور کا یہ ارادہ ہے کہ میرا نکاح اس زید آشنا سے ہوجائے تاکہ میں فعل حرام سے بچ جاؤں، اور زید کی بھی کچھ منشا پائی جاتی ہے لیکن زید کے گھر والے اس نکاح کے منکر ہیں اور زید پر اس بات کا دباؤ ڈالتے ہیں کہ اگر تُو نے اپنا نکاح طوائف سے کیا تو تم کو برادری سے خارج کردیں گے اس واسطے کہ ہمارے خاندان کو دھبّہ لگاتا ہے کیونکہ ہم شریف ہیں، اور نہ اس کی اولاد کا ہم لوگ اپنی برادری میں شادی بیاہ کرسکتے ہیں، یہ نکاح ٹھیک نہیں۔ اب علمائے دین فرمادیں کہ یہ نکاح کرنا کیسا ہے، آیا سنّت میں داخل ہے یا خلافِ سنّت؟ اور زید اس نکاح کے کرنے سے دائرۂ اسلام اور برادری میں رہا یا نہیں؟ اور منکر اس نکاح کے کس درجہ میں شمار کیے جائیں؟ اور جو اس نکاح پر اعتراض کریں اور بُرا کہیں وہ کس درجہ میں شمار ہیں؟ فقط۔ جناب اعلیٰ حضرت قبلہ کے مع آیت وحدیث، مُہر، دستخط کے امیدوار ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

نکاح سنّت ہے مگر رنڈی سے نکاح سنّت نہیں، بلکہ اس کے جائز ہی ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے، پھر ایک جائز بات جس سے فتنہ ونفرت پیدا ہو اور آپس میں پھوٹ پڑے، ناجائز ہوجاتی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں: بشّروا ولا تنفّروا[1] (خوشخبری دو اور نفرت نہ پھیلاؤ۔ ت) واللہ تعالٰے اعلم

مسئلہ ۴۳: از چوہڑ کوٹ یارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

چہ مے فرمایند علمائے دین دریں مسائل کہ:

(۱) اگر زنے بیوہ شود دوم بار نکاح کردن لازم است یا میخواہد کہ من نکاح نمی کنم کہ مے گوید کہ بنشینم روا ست یا نہ، خواہ جوان باشد یا درمیان سالہ باشد یا پیرزن بود، ہرچہ حکم شرع باشد تحریر فرمایند۔

(۲) چوں پدر در زندگی خود دختر را بکودکے در عقد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) کوئی عورت بیوہ ہوجائے تو کیا اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسرا نکاح کرے جبکہ وہ کہتی ہے میں نکاح نہیں کروں گی اور بغیر نکاح بیٹھوں گی، جوان، درمیانہ عمر یا عمر رسیدہ ہو، کیا اس کو بغیر دوسرے نکاح کے بیٹھنا جائز ہے جو شرعی حکم ہو تحریر فرمادیں۔

(۲) باپ نے بیٹی کا نکاح کسی بچے سے کیا اور خاوند

---

[1] صحیح بخاری باب ماکان النبی یتخولھم بالموعظۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶

نکاح آورد کہ صغیرست درخانہ خود دختر نشستہ ست محض ایجاب وقبول کردہ پدرش بمرد دختر دو سہ سال منقضی گردید کہ بالغہ است وکودک تاحال خورد، آیا شرعًا اکنوں بر برادران گناہ ست یا نہ، یا حوالۂ آں خورد بکنند؟ ایں چنیں کار برائے پدر مرحوم چگونہ باشد وچہ گناہ؟

بچہ ہے اس لیے باپ نے بیٹی کو اپنے گھر پر رکھا اور رخصتی نہ دی، باپ کے فوت ہونے پر بیٹی دو تین سال سے بالغ ہے اور لڑکا تاحال نابالغ ہے تو کیا اب لڑکی کے بھائیوں پر کوئی گناہ ہوگا اگر وہ نابالغ کے حوالے نہ کریں، یا گناہ نہ ہوگا؟ اور باپ مرحوم کے بارے میں بھی بتایا جائے کہ اس کا فعل درست تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا گناہ ہے؟ (ت)

الجواب

(۱) پیرزن را خود جبر بر نکاح نتواں کرد وجوان نیز اگر بر نفسِ خود اطمینان دارد واتباع رسم باطل ہنود نمی کنند از قید نکاح دیگر آزاد ماندنش می رسد کما دل علیہ حدیث ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا وبینہ فی اطائب التہانی آرے اگر بر خود اطمینان ندارد نکاح واجب ست واللہ تعالٰی اعلم۔

(۱) عورت بوڑھی ہو تو اسے نکاح پر مجبور نہ کیا جائے، اور اگر جوان ہے تو بھی اس پر جبر نہیں بشرطیکہ وہ اپنے نفس کو محفوظ رکھنے میں مطمئن ہو، اور ہندؤوں کی غلط رسم کی پیروی میں نکاح سے انکار نہ کرتی ہو، تو اس کو دوسرے نکاح کی قید سے آزاد رہنے کا حق ہے، جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا والی حدیث اس پر دال ہے، اور اس کو ہم نے اطائب التہانی میں بیان کیا ہے، ہاں اگر جوان عورت کو اپنے نفس کے بارے میں اطمینان نہ ہو تو پھر اس پر نکاح کرنا واجب ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۲) قاصرہ را نکاحیکہ پدر کرد فسخ نتواں نمود گو با غیر کفو ولغبن فاحش در مہر باشد صبی اگر مراہق شدہ زنش را مے خواہد بادو سپردن لازم ست، واللہ تعالٰی اعلم

نابالغہ کا نکاح جو والد نے کیا ہے وہ لازم ہے کفو میں ہو یا غیر کفو میں، پورے مہر سے ہو یا بہت کم مہر پر، لڑکا اگر قریب البلوغ ہو اور وہ بیوی کی رخصتی کا مطالبہ کرے تو رخصتی ضروری ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۵ از مقام گائے گھاٹ ڈاکخانہ ہلدی ضلع بلیا مرسلہ مولوی عبدالحی صاحب ۹ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت گنگی یہاں ایک ماہ سے آئی ہے اُس کے ساتھ اُس کا ایک لڑکا چار پانچ برس کا ہے، اس کے قبل یہ عورت یہاں سے دس۱۰ میل پر ایک گاؤں ہے وہاں پندرہ

مہینے سے تھی جب وہاں آئی تو اِدھر اُدھر پتا لگایا گیا مگر یہ پتا نہیں لگا کہ عورت کہاں کی ہے اور اس کا شوہر مرگیا ہے یا زندہ ہے اور لاپتا ہوگیا یا طلاق دے دیا، اب اس کو ایک شخص نے نکاح کرنے کے لیے رکھا ہے، بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر اس کا شوہر زندہ رہتا تو لڑکے کو نہ چھوڑتا، اب اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نکاح نہیں ہوسکتا،

فان المانع معلوم والمزیل مجھول وما ثبت بیقین لایزول الابیقین مثلہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ اس سے نکاح میں مانع (شادی شدہ) ہونا معلوم ہے اور مانع کو ختم کرنے والا (خاوند کا فوت ہونا یا طلاق دینا) معلوم نہیں ہے تو یقینی امر کا زوال بھی اس جیسے یقینی امر سے ہی ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۶: از ملیح آباد ضلع لکھنؤ مرسلہ محمد یوسف خاں صاحب ۱۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص حنفی المذہب بحلف کچہری میں بیان کرتا ہے کہ اُس نے ایک مسماۃ کے ساتھ عقدِ متعہ کیا اب ایسا شخص مذہب حنفی کے اندر داخل رہا یا نہیں؟ اور سُنّی حنفی لوگوں کو نماز میں اس کی امامت یا جماعت جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کا یہ فعل شرعاً کیا قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور ایسی حالت میں اس کی بیعت ارادت جو ایک بزرگ کے ہاتھ پر کی تھی قائم رہی یا نہیں؟ اور ایسے شخص کے افعال واقوال معتبر ہوں گے یا نہیں؟ اور حنفی سُنّی لوگ بعد اُس کے مرنے کے اُس شخص کی تجہیز و تکفین و نماز جنازہ پڑھنے کے شرعاً ذمہ دار ہیں یا نہیں؟

الجواب

متعہ بنصِ قرآنِ عظیم واجماعِ ائمہ اہلسنت بلاشبہہ باطل وحرام قطعی ہے،

قال تعالٰی: فمن ابتغٰی وراء ذٰلک فاولٰئک ھم العادون[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو شخص (بیویوں اور لونڈی مملوکہ کے علاوہ غیر کی خواہش کرتا ہے وہ حد سے متجاوز ہے۔ (ت)

شخصِ مذکور اس کے ارتکاب اور کچہری میں اعلان سے فاسق معلن ہُوا اُس کی امامت ممنوع اور اس کے پیچھے

---

[1] القرآن ۲۳/ ۷

نماز پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔ فتاوٰی حجہ میں ہے:

لوقدموا فاسقا یاثمون۔[1]

اگر فاسق کو امام بنایا تو وہ گنہگار ہوں گے (ت)

غنیہ میں ہے:

بناء علی ان کراھة تقدیمه کراھة تحریم لعدم اعتنائه بامور دینه فلا یبعد منه الاخلال ببعض شروط الصلوٰة وفعل ماینافیھا ھو الغالب بالنظر الی فسقه۔[2]

اس بنا پر کہ فاسق کو امام بنانے کی کراہت، کراہتِ تحریمی ہے، کیونکہ وہ دینی امور سے بے اعتنائی کرتا ہے تو کیا بعید ہے کہ وہ نماز کی بعض شرطوں میں خلل اور ان کے منافی عمل نماز میں کردے اس کے ظاہر حال سے یہی غالب گمان ہوتا ہے (ت)

اور جب ایک بدبودار چرطے کے لیے اس نے حرام قطعی کا ارتکاب کیا اور بیباک اتنا کہ کچہری میں اس کا خود اعلان کیا تو اُس کے قول فعل کا کیا اعتبار رہا، بلکہ معاذ اللہ مرتے وقت اس کے سلبِ ایمان کا خوف ہے۔ تاتارخانیہ و ردالمحتار وغیرہما میں ہے:

حکی ان رجلا من اصحاب ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه، خطب الی رجل من اصحاب الحدیث ابنته فی عھد ابی بکر الجوزجانی فابی الا ان یترك مذھبه، فیقرأ خلف الامام ویرفع یدیه عند الانحطاط ونحو ذٰلك فاجابه فزوجه فقال الشیخ بعد ماسئل عن ھذه واطرق راسه النکاح جائز ولکن اخاف علیه ان یذھب ایمانه وقت النزع لانه استخف بمذھبه الذی ھو حق عنده وترکه لاجل جیفة منتنة۔[3]

ایک شخص کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مقلد تھا اس نے (شافعی مسلک) ایک محدث کی لڑکی کی منگنی چاہی تو محدث صاحب نے حنفی مسلک چھوڑنے اور رفع یدین اور قرأتِ خلف الامام کرنے کی شرط پر رشتہ دیا جو اس نے قبول کرلیا اور محدث صاحب نے نکاح دے دیا' یہ واقعہ شیخ ابوبکر جوزجانی کے زمانے کا ہے، جب آپ سے اس واقعہ کے متعلق پُوچھا گیا تو آپ نے سوچ بچار کے بعد فرمایا: نکاح تو جائز ہے لیکن اس شخص کے بارے میں مجھے اندیشہ ہے کہ نزع کے وقت اس کا ایمان جاتا رہے کیونکہ اس نے اپنے پسندیدہ مذہب کی توہین کی ہے اور اسے بدبودار مردار

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بحوالہ فتاوٰی حجہ فصل فی الامامۃ مجتبائی دہلی ص ۲۷۹

[2] " " " ص ۲۷۹

[3] ردالمحتار کتاب الحدود مطلب اذا ارتحل الی غیر مذہبہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۹۰

کی خاطر چھوڑ دیا۔ (ت)

بلکہ متعہ کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی سوا اس کے کہ جس سے کیا وہ رافضیہ ہو اور رافضیہ حال سے نکاح بھی باطل ہے نہ کہ متعہ، تو یہ حرام در حرام ہوا۔ ظہیریہ و ہندیہ و حدیقہ ندیہ وغیرہا کتبِ معتمدہ میں ہے: احکامھم احکام المرتدین[1] (ان سے متعلق مرتدین کے احکام ہیں۔ت) بالجملہ وہ شرعاً سخت سزا کا مستوجب ہے مگر ارتکاب حرام کے باعث کافر نہ ہوا کہ اُس کی بیعت فسخ ہو جاتی یا اس کے مرنے پر مسلمان اُس کی تجہیز و تکفین و نماز کے ذمہ دار نہ رہیں بلکہ بہ سبب کبیرہ حنفیت سے بھی خارج نہ ہوگا اگر اسے حرام جان کر کیا ہو، ہاں اگر حلال جانا تو حنفیت کیا سنیت سے خارج ہو گیا ولا یخرج عن الاسلام لما لھم فیھا من الشبھۃ (شبہہ والی بات سے خارج از اسلام نہ ہوگا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از موضع نڈوا مہوا ڈاکخانہ بکھر باز ار ضلع بستی مرسلہ گل محمد میاں صاحب ۱۳ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ساکن مہداول میں اپنی سگی بھتیجی عاقل بالغ کو ایک شخص ساکن امرڈوبھا کے حوالے کردی چونکہ اس لڑکی کا باپ مدت سے انتقال کر گیا اور لڑکی کا چچا اُس کا مربی تھا وہ لڑکی جس شخص کے حوالے کردی اُس کو کہا گیا کہ تم اپنے گھر جاکر اس لڑکی سے نکاح کرلو، جمعہ کے روز روبرو گوا ہان معتبران کے نکاح کرلیا گیا، بعد چند یوم کے چچا کو اُس کے عزیزوں نے بہکا دیا، اُنھوں نے جھگڑا ڈال کر کے ایک مولوی بُلایا، مولوی صاحب نے یہ حکم دیا جمعہ کی نماز ادا کرنے کے پہلے نکاح جائز نہیں ہوتا ہے اس واسطے ہم لوگ یہ عریضہ آپ کی خدمت میں روانہ کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ سچ ہے کہ جمعہ کے روز نکاح ناجائز ہے برائے مہربانی یہ مسئلہ لکھ کر کے روانہ فرمادیں۔

الجواب

اُس شخص کا یہ کہنا محض غلط اور شریعت پر افترا ہے، نکاح ہر دن جائز ہے، ہاں اگر اذانِ جمعہ ہوگئی تو اُس کے بعد جب تک نماز نہ پڑھ لی جائے نکاح کی اجازت نہیں کہ اذان ہوتے ہی جمعہ کی طرف سعی واجب ہو جاتی ہے۔

قال تعالٰی یایھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الٰی ذکر اللہ و ذروا البیع[2]۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز اس کی اذان ہو تو اللہ تعالٰی کے ذکر کے لیے چل پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ (ت)

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ مطلب الاستخفاف بالشریعۃ کفر ای ردہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۳۰۵

[2] القرآن ۶۲/۹

پھر بھی اگر کوئی بعد اذان نکاح کریگا گناہ ہوگا مگر نکاح جائز و صحیح ہوجائے گا کما فی الھدایۃ فی البیع ان الکراھۃ للمجاور[1] (جیسا کہ ہدایہ میں بیع کے بارے میں ہے کہ کراہت مجاور یعنی ترک سعی کی وجہ سے ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۸: از اجمیر شریف ڈگی بازار مرسلہ سید زاہد حسین صاحب مالک و منیجر پریس اعلان الحق
۱۴ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص یا چند اشخاص نے خصوصًا یہ کہہ دیا ہو کہ فلاں شخص خواص منکوحہ سے ہے جو خواص باعصمت و عفت لکھی گئی ہو تو کیا وہ اولاد جائز ہے؟ اور وہ جدی ورثہ پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ کیا ایسی اولاد کی شرافت و نجابت میں کوئی شک و شبہہ ہے؟ خواص و کنیزک میں کیا فرق ہے اور ان کی تعریف کیا ہے؟

الجواب

خواص و کنیزک میں کوئی فرق نہیں وُہ عورت کہ بملک شرعی کسی کی ملک ہو اس کی کنیز ہے، پھر اگر دوسرے کی کنیز سے اُس کی اجازت سے اس نے نکاح کیا نکاح صحیح ہُوا، اور باپ اگر شریف و نجیب ہے تو اولاد بھی شریف و نجیب ہے کہ شرعًا نسب باپ سے لیا جاتا ہے۔

قال اللہ تعالٰی وعلی المولود لہ رزقھن[2] اللہ تعالٰی نے فرمایا: جس کا بچہ ہے اسی پر عورتوں کا خرچہ ہے۔(ت)

ہاں ہندوستان میں دربارہ کفاءت اُسے کم مانیں گے کہ یہاں کنیز کی اولاد کو کم درجہ سمجھتے ہیں اور اگر اپنی کنیز شرعی ہے تو اُس سے نکاح باطل ہے اور بلانکاح حلال ہے اگر کوئی ممانعت شرعیہ نہ ہو، بہرحال مولا کے جو اولاد اُس سے ہو صحیح النسب ہے اور ترکہ پدری پانے کی مستحق ہے جبکہ مولا نے اقرار کیا ہو کہ یہ میری اولاد ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۹: از دہلی پہاڑ گنج مسجد غریب شاہ مرسلہ سید محمد عبدالکریم صاحب ۹ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر جاہل لوگوں میں رواج ہے کہ اگر کوئی شخص مرگیا اور بعد عدت اس عورت نے برادری کے مرد سے نکاح کرنا چاہا تو اس مرنے والے کے لواحقین نے کچھ روپیہ نکاح کرنے والے سے نقد لے کر اس عورت کو نکاح کرنے دیا روپیہ کی تعداد دو سو سے تین سو تک لیتے ہیں، اگر ان کو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ روپیہ لینا جائز نہیں تو جواب دیا جاتا ہے کہ یہ تو پنچان کی رسوم ہے۔ اگر یہ رسوم نہ ہو تو تمام عورتیں

---

[1] ہدایہ کتاب البیوع فصل فیما یکرہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۷۰/۲
[2] القرآن ۲/ ۲۳۳

بیوہ کسی غیر مرد کے ساتھ بھاگ جائیں گی اور کوئی عورت برادری میں نکاح نہیں کرے گی، اب سوال یہ ہے کہ تمام وجوہات سوچ کر جیسے قرآن شریف اور حدیث شریف، فقہ شریف سے ثابت ہو ارشاد فرمائیں تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔

الجواب

یہ روپے حرام اور رشوت ہیں ان کا دینا لینا دونوں حرام، اور ان کے کھانے والے حرام خور۔ پنچوں کی رسم سے شریعت کا حرام حلال نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از ریاست رامپور مسئولہ سید احمد میاں صاحب برادر زادہ مولانا سید محمد عاشق صاحب علیہ الرحمۃ ۶ رمضان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خالد کا نکاح مسماۃ حیات النساء بیگم عرف رضیہ بیگم پردہ نشین بنتِ زید سے قرار پایا تھا، حسب قاعدہ شہود واسطے حصول اجازت واذن مسماۃ کے پاس گئے اور بعد حصول اجازت شہود نے قاضی کے روبرو جلسہ عام میں شہادت اس صورت سے ادا کی کہ سعادت النساء بیگم عرف رضیہ بیگم بنتِ زید نے اپنے نکاح کا اختیار عمرو وکیل کو دیا، چنانچہ قاضی نے باجازت عمرو وکیل بہ تعداد مہر مثل خالد کے ساتھ نکاح پڑھایا، آیا شرعاً نکاح مسماۃ مذکور کا خالد مذکور کے ساتھ صحیح ہُوا یا نہیں کیونکہ شہود نے بجائے نام حیات النساء عرف رضیہ بیگم بنت زید کے سعادت النساء بیگم عرف رضیہ بیگم بنت زید شہادت میں ادا کیا، سعادت النساء بیگم بنت زید کوئی نہیں ہے اور نہ سعادت النساء کا عرف رضیہ بیگم ہے، اس صورت کی غلطی سے نکاح منعقد ہُوا یا نہیں؟

الجواب

یہ طریقہ نکاح مخترع اہلِ ہند ہے وکیل بالنکاح مجاز توکیل نہیں، شہادت کہ اُن گواہوں نے دی باطل گئی نہ اُس کا کچھ اعتبار ہے، قاضی جس نے ایجاب کیا اگر اس نے ایجاب صحیح لفظوں سے کیا جن سے کم از کم دو حاضرانِ جلسہ جامعان شرائط شہادت کے نزدیک منکوحہ متمیز ہوگئی نکاح فضولی منعقد ہوگیا کہ رضیہ کی اجازت پر موقوف رہا اور اگر اس نے بھی ایجاب میں وہی لفظ سعادت عرف رضیہ بنتِ زید کہے تو نکاح باطل ہُوا کہ ان تینوں لفظوں کی مصداق وہاں کوئی عورت نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

لرجل بنتان کبری عائشۃ وصغری فاطمۃ اراد ان یزوج الکبری وعقد باسم فاطمۃ ینعقد علی الصغری ولو قال زوجت ابنتی الکبری فاطمۃ

ایک شخص کی دو بیٹیاں ہیں ایک بڑی جس کا نام عائشہ اور دوسری چھوٹی جس کا نام فاطمہ ہے، اس نے بڑی کا نکاح کرتے ہُوئے فاطمہ کا نام لیا تو چھوٹی کا نکاح ہوگیا، اور اگر نکاح کرتے ہُوئے اس نے

لاینعقد علی احدٰھما کذا فی الظہیریۃ۔[1]

یوں کہا کہ میں نے اپنی بڑی بیٹی فاطمہ کا نکاح دیا، تو کسی بیٹی کا نکاح نہ ہُوا۔ ظہیریہ میں ایسے ہے (ت)

ولوالجیہ میں ہے:

لاینعقد علی احدٰھما لانہ لیس لہ ابنۃ کبری بھذا الاسم[2] اھ ونحوہ فی الفتح[3] عن الخانیۃ ولا تنفع النیۃ ھٰھنا ولا معرفۃ الشھود بعد صرف اللفظ عن المراد۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کسی بیٹی کا نکاح نہ ہُوا کیونکہ اس کی کوئی بڑی بیٹی اس نام کی نہیں ہے اھ اور فتح میں خانیہ سے بھی یہی مروی ہے اور یہاں نیت اور گواہوں کا فہم کارآمد نہ ہوگا جبکہ اس نے مراد کے خلاف صریح لفظ استعمال کیا ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۱، ۵۲ از شہر میرٹھ اندرکوٹ مرسلہ عبدالرحمان صاحب عرف ننھے ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) اہلِ تسنّن و اہلِ تشیّع میں باہم عقد ہوسکتا ہے یا نہیں یعنی لڑکا فرقہ شیعہ کا ہو اور لڑکی اہلسنت وجماعت کی ہو ان دونوں میں باہمی نکاح مذہبِ اہلسنت کے عقائد کے موافق صحیح ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر کچھ عرصہ کے بعد لڑکی اہلِ تشیّع ہوجائے تو نکاح رہے گا یا نہیں؟

الجواب

(۱) عوام اُن تبرّائی روافض کو اہلِ تشیّع کہتے ہیں ان سے مناکحت حرام قطعی و باطل محض، اور قربت زنائے خالص ہے اگرچہ مرد سُنّی اور عورت اُن میں کی ہو، نہ کہ عکس کہ اشد غضب اللہ کا موجب ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی۔

(۲) اگر وقتِ نکاح سُنّی تھے پھر مرد معاذ اللہ اُن میں کا ہوگیا تو نکاح فوراً فسخ ہوگیا خواہ عورت نے بھی وہی مذہب اختیار کرلیا ہو یا نہیں،

لان ردۃ الرجل فسخ فی الحال بالاجماع ولا نکاح لمرتد مع احد ولو مرتدۃ مثلہ[4]

کیونکہ خاوند کے ارتداد سے فوراً نکاح فسخ ہوجاتا ہے بالاجماع، اور مرتد کا کسی سے بھی، حتی کہ اس جیسی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۰

[2] ولوالجیہ

[3] فتح القدیر کتاب النکاح نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۰۴

[4] فتاوٰی ہندیہ القسم السابع المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۲

کمافی الدرالمختار والفتاوی العالمکیریۃ وغیرھما۔ مرتدہ سے بھی نکاح جائز نہیں، جیساکہ درمختار اور فتاوٰی عالمگیری وغیرہما میں ہے۔(ت)

اگر عورت سُنیّہ رہی اور ہنوز خلوت نہ ہُوئی تھی تو ابھی اور ہو چکی تھی تو بعد عدت جس سے چاہے نکاح کرلے، اگر شوہر اسلام لے بھی آئے اس پر کچھ اختیار نہیں رکھتا لان المنفسخ لایعود (کیونکہ فسخ شدہ نکاح بحال نہیں ہوسکتا۔ت) اگر عورت معاذ اللہ ان میں کی ہوگئی اور مرد سُنّی رہا تو نکاح تو فسخ نہ ہوا علی مافی النوادر و حققنا الافتاء بہ فی ھذا الزمان فی فتاوٰنا (نوادر کی روایت کے مطابق اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے کہ اس زمانہ میں فتوٰی یہی ہے۔ت) مگر مرد کو اس سے قربت حرام ہوگئی جب تک اسلام نہ لائے لان المرتدۃ لیست باھل ان یطأھا مسلم او کافر او احد (کیونکہ مرتدہ عورت اس قابل نہیں رہی کہ کوئی بھی اس سے وطی کرے خواہ مسلمان مرد ہو یا کافر یا کوئی بھی ہو۔ت) ان مسائل کی تحقیق رسالہ ردالرفضہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۲: از نگینہ مرسلہ عبدالرشید صاحب سوداگر سب ایجنٹ برما آئل کمپنی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی عورت کا نکاح کسی ایسے شخص سے ہو جس کی ایک عورت اور بچے ہوں اور وہ شخص معاش اس قدر کافی رکھتا ہو کہ ان سب کی پرورش کے لیے نہایت کافی ہو، مرد میں کسی قسم کا نقص نہ ہو، عورت بوقتِ نکاح بالغ ہو، مہر ایک ہزار روپیہ ہو، نکاح مکان منکوحہ پر ہو، جس کو عرصہ تین سال پانچ ماہ ہُوئے ہوں شوہر نے بعد عقد پندرہ بیس مرتبہ مختلف اوقات میں کئی کئی یوم قیام کیا، کیا عورت منکوحہ کو تنسیخ نکاح کا دعوٰی کرنے کا حق ہے؟ بیانِ منکوحہ حسب ذیل ہے: میری پیدائش ایک ماہ بعد انتقالِ والد ہوئی ہے میں آغوشِ مادر میں پرورش پائی اور ہنوز والدہ کے پاس رہی، میری والدہ نے اس شخص کے ساتھ عقد کردیا، شخص مذکور نے یہ دھوکا دیا کہ نہ میری بیوی ہے نہ بچے، میری والدہ کے انتقال کو دو ماہ کا عرصہ ہُوا، میں والدہ کی وجہ سے مجبور تھی، اب میں خود مختار ہوں، بیان شوہر میں نے بیوی بچے ہونے کا اقرار کیا اور چھپایا نہیں، اس کا علم منکوحہ اور اُن کے جُملہ رشتہ داران کو ہے جس کی بابت تحریریں شوہر کے پاس ہیں ایسی حالت میں منکوحہ عورت کے صرف بیان پر کہ میرے شوہر کے پاس اور بیوی بچے موجود ہیں اور شوہر نے دھوکا دیا، نکاح میری لاعلمی میں ہُوا، کیا حکم شرع شریف ہے؟

الجواب

عورت کے عذرات باطل ہیں، برسوں سکوت و معاملہ زناشوئی کے بعد یہ مہملات پیش کرتی ہے، ماں کی زندگی کیا باعثِ مجبوری تھی، نہ بی بی بچوں کا عذر قابلِ سماعت، نہ مجبوری مانع جوازِ نکاح، اُس پر فرض ہے کہ شوہر کی اطاعت کرے، اس شیطانی خیال سے باز آئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۴ از شہر بریلی محلہ کٹرا گلی حکیم وزیر علی مسئولہ ولایت احمد صاحب ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ولایت احمد کا عقد قریشی بانو جس کی عمر قریب بیس سال سے زائد ہے اس کے ساتھ ہوا لیکن مسماۃ مذکورہ کی اجازت لینے کے لیے نہ وکیل صاحب گئے اور نہ گواہان گئے اور نہ مسماۃ مذکورہ سے اجازت باقاعدہ طور پر لی گئی صرف مسماۃ کے والد کی اجازت سے عقد پڑھا دیا گیا ایسی صورت میں عقد ہوا یا نہیں، اور مسماۃ مذکورہ ولایت احمد کی زوجیت میں رہتی ہے اور قریب ایک ماہ کے حمل بھی ہے حالانکہ والد مسماۃ سے کہا گیا کہ مسماۃ سے اجازت لینا چاہئے انھوں نے جواب دیا ہمارے یہاں ضلع بدایوں میں یہی قاعدہ ہے۔

الجواب

بالغہ کا عقد کہ بے اس کے اذن کے ہو بالغہ کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، اگر جائز کر دے جائز ہو جاتا ہے، رد کرے باطل ہو جاتا ہے، رخصت ہو کر شوہر کے یہاں جانا بھی اجازت ہے اذا کان غیر مسبوق بالرد (جبکہ پہلے بالغہ کی طرف سے اس کو رد نہ کیا گیا ہو۔ ت) خصوصاً یہاں تو حمل موجود ہے لہذا عقد نافذ ہو چکا اب اعتراض کی گنجائش نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۵ از ریاست رام پور محلہ زیارت ملا والی مرسلہ اکرام احمد خاں صاحب عرف چندا میاں ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ زید میں کہ زید کا نکاح اپنی برادری میں ایک عورت سے بایں صورت ہوا کہ گواہان نے مسماۃ مذکورہ کا نام ہندہ عرف خویلہ بنت عمرو جلسہ نکاح میں لے کر ادائے شہادت کی اس عورت مذکورہ کی تعریف و تعیین کما حقہ، نزد جلسہ ہو گئی اور کوئی شبہہ و اشتراک نزد زید و قرابت داران زید جو موجود تھے باقی نہیں رہا اور ایجاب و قبول ہو کر نکاح ہو گیا اور گواہان نکاح عورت مذکورہ کے قریبی رشتہ دار تھے جن کی گودوں میں عورت مذکورہ نے پرورش پائی ہے اب والدہ مسماۃ کہتی ہیں کہ نکاح صحیح منعقد نہیں ہوا اس لیے کہ نام عورت کا جلسہ نکاح میں غلط لیا گیا ہے اس کا نام کلثوم ہے، چنانچہ مہر میں اس کا نام کلثوم کندہ ہے حالانکہ سوائے مہر کے ہر جگہ اس کا نام ہندہ ہے حتی کہ تنخواہ جو مقررہ گورنمنٹ ہے اس کی وصول یابی کی رسیدوں میں بھی یہی نام ہندہ لکھا جاتا ہے اور نیز گورنمنٹ چٹھی میں بھی یہی نام درج ہوتا ہے اور جو عرائض گورنمنٹ میں قبل اس سے دی گئی ہیں ان میں بھی یہی نام تحریر ہے اور عمرو کے انتقال کے بعد جو درخواست باستحقاق وراثت دی گئی ہیں ان میں بھی یہی نام ہے غرضکہ عورت مذکورہ کے دونوں نام ہیں، ایسی حالت میں یہ نام غلط قرار دے کر نکاح کو غیر صحیح شرعاً مانا جائے گا یا یہ کہ عورت کے نام دونوں اور چونکہ ان دونوں

میں سے ہندہ بہ نسبت کلثوم کے زیادہ مشہور ہے اس لیے اس سے کافی طریق سے تعریف وتعیین عورت مذکورہ کی بوقت نکاح سمجھی گئی، اس بنیاد پر نکاح صحیح شرعی منعقد ہوگیا۔ امید کہ جواب صاف صاف مرحمت فرمائیے۔ بینوا توجروا

الجواب

اگر ہندہ اُس عورت کا نام ہے (نہ جس طرح عورتوں کو ہندہ سلمٰی مردوں کو زید عمرو سے تعبیر کرتے ہیں) اور اس نام اور صرف ذکر پدر بے ذکر جد سے حاضرین میں دو گواہان صالح شہادت نکاح مسلمہ نے اسے پہچان لیا تو نکاح صحیح ہوگیا اس کے دس نام اور بھی ہونا کچھ مضر نہیں لان المقصود التعریف لا تکثیر الحروف (کیونکہ مقصود پہچان ہے الفاظ کی کثرت مقصد نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۶ از چھم گاؤں ضلع پیرا بنگال مرسلہ سید عبد الاعفر صاحب ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ معتمد ومعتبر ایک گواہ مذکر سے بالغہ عورت کا نکاح درست ہوگا یا نہیں یعنی ایک گواہ سے نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

نکاح ایک گواہ سے نہیں ہوسکتا جب تک دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں عاقل بالغ مسلم نہ ہوں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۷ از گوپال ناگر پرگنہ پلیجیت مسئولہ نثار احمد صاحب ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے بھائی مرحوم عمر کی بی بی ہندہ سے بعد انقضائے میعاد عدت نکاح کی درخواست کی اس نے انکار کیا اور نہایت ناخوشی ظاہر کی تو زید کے رشتہ داران نے جبراً اذن لینا چاہا ہندہ نے رونا شروع کیا اور کہا کہ میں ہرگز رضامند نہیں تم جبر کرتے ہو اس وجہ سے کہ میرا کوئی عزیز ہمدرد یہاں موجود نہیں، اُن لوگوں نے کہا کہ رونا بھی اذن میں شامل، نکاح پڑھا کر مٹھائی تقسیم کردی، بعد ایک ماہ کے ہندہ اپنے والدین کے یہاں کسی حیلہ سے چلی آئی اور جانے سے انکار ہے کہ میں نے اذن نہیں دیا فرضی نکاح پڑھالیا میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔ تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

اگر اس نکاح کے بعد ہندہ نے زید کے ساتھ خلوت وصحبت بلا جبر واکراہ کی تو نکاح جب نافذ نہ تھا اب نافذ ہوگیا، اور اگر خلوت نہ کرنے دی یا وہ بھی بالجبر ہوئی تو ہندہ کی ناراضی سے وہ نکاح باطل محض ہوگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۸ از موضع میراں پور مسئولہ سید عاشق حسین ولد محمد حسین ۱۲ شعبان ۱۳۳۸ھ

علمائے دین ونائب رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ وقت نکاح کے وکیل کس طرف

کا ہونا چاہئے؟ اور شاہد کس طرف کے ہوں؟ اور ایک دینار سُرخ سلطانی کس قدر روپیہ کا ہوتا ہے اور کَے درجوں پر منقسم ہے اور تعداد کیا کیا ہے؟

الجواب

وکیل کسی طرف کا ضرور نہیں، اور دونوں طرف سے ہوسکتے ہیں، خواہ ایک طرف سے ہو، جدھر سے چاہیں۔ اور شاہد وُہ دو مرد یا ایک مرد دو عورت عاقل بالغ آزاد مسلم ہیں کہ ایجاب و قبول معاً سُنیں اور نکاح ہونا سمجھیں، وہ کسی کی طرف کے نہیں ہوتے، یہ جو رسم ہے کہ دو گواہ معین کرتے ہیں بے اصل ہے جتنے حاضران جلسہ اُس صفت کے ہیں سب خود ہی شاہد ہیں کوئی انھیں مقرر کرے یا نہ کرے۔ دینار شرعی ساڑھے چار ماشہ بھر سونے کا تھا اور سلاطین کے دینار کوئی معین نہیں مختلف تھے، دینار شرعی دس درم تھا کہ یہاں کے دو روپے پونے تیرہ آنے اور کچھ کوڑیاں ہوا، غالباً نکاح کے درجوں سے سائل کی مراد مہر کے درجے ہیں۔ مہر کا اقل درجہ وہی دس درم بھر چاندی ہے اور اکثر کے لیے حد نہیں جتنا بندھے اور مہر حضرت بتول زہرا چار سو مثقال چاندی تھا کہ یہاں کے ایک سو ساٹھ روپے بھر ہوئی۔ اور مہر اکثر ازواج مطہرات پانسو درم کہ یہاں کے ایک سو چالیس روپے ہوئے اور مہر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا و عنہن جمیعا میں دو روایتیں ہیں چار ہزار درم کہ گیارہ سو بیس روپے ہوئے یا چار ہزار دینار کہ گیارہ ہزار دو سو روپے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۹ از فتحپور محلہ قضیانہ مکان میر خیرات علی تحصیلدار مسئولہ محمد صادق ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہندہ بازاری عورت ہے اور وہ زید کے پاس بلا نکاح مدت تک رہی، زید نے بلا علم و اطلاع ہندہ کے قاضی کے سیاہہ میں اپنا ہندہ کے ساتھ نکاح درج کردیا، اس کے بعد ہندہ کی ماں وہیں لینے کی غرض سے آئی تو اُس وقت زید نے ہندہ سے کہا تو نہیں جاسکتی تیرے ساتھ میرا نکاح ہوگیا تب ہندہ کی ماں نے ہندہ سے کہا کہ ہمارا زیور اور کپڑا ہم کو دے دے تو مجھ سے حیلہ کر رہی ہے تیرا نکاح ہوگیا ہے۔ اس پر ہندہ نے جواب دیا کہ زیور اور کپڑا نہ دُوں گی اگر تم کہتی ہو کہ نکاح ہوگیا، تو جو کچھ ہونا تھا ہوگیا اگرچہ واقعی نکاح نہیں ہوا، اُس کے کچھ عرصہ بعد ہندہ زید کے پاس سے فرار ہوگئی تب زید نے کچہری فوجداری میں عورت کے بھگالے جانے کا دعوٰی کیا خارج ہوگیا، اس کے بعد طلب زوجہ کا دار القضاء میں دعوٰی کیا، قاضی صاحب نے بعد لینے ثبوت و تردید کے دعوٰی ڈگری کیا جس کو آٹھ برس کا عرصہ ہُوا تو آیا یہ نکاح درست ہُوا یا نہیں جبکہ واقعی عورت سے اجازت نہیں لی گئی اور وُہ دوسرے کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور یہ عورت بعد مفروری عرصہ دس بارہ سال سے زید کے ساتھ حرام کر رہی ہے۔

الجواب

زید کا بے اطلاع ہندہ سیاہہ میں اُس کے ساتھ اپنا نکاح ہونا درج کرا دینا نکاح نہیں، نہ ہندہ کا کہنا کہ اگر تم کہتی ہو کہ نکاح ہوگیا تو جو کچھ ہونا تھا ہوگیا کسی طرح حدِ نکاح میں آسکتا ہے تو ہندہ ضرور بے نکاحی تھی۔ رہی دار القضا کی ڈگری، اس کی تفصیل معلوم ہونی ضرور، دعوٰی کہ اس میں ہُوا شرائط شرعیہ پر صحیح تھا یا نہیں، ثبوت کیا گزرا اور وُہ قوانین شرعیہ پر صحیح تھا یا نہیں، حکم کس نے دیا، اور وُہ قاضی عند الشرع تھا یا نہیں، اگر ان میں ایک بات بھی کم ہے ہندہ بدستور بے نکاحی ہے زید کو اُس پر کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

(اس کے بعد پھر وہیں سے سوال آیا جو مع جواب منقول ہے)

یہ واقعہ حیدر آباد دکن کا ہے وہاں حکومت کی طرف سے عدالت قضا قائم ہے جس میں طلاق، خلع، نکاح، ترکہ، مہر، طلب زوجہ کے مقدمات حسبِ قانون شرع شریف دائر ہوتے اور فیصل ہوتے ہیں مگر قاضی صاحب جنھوں نے اس مقدمہ کو فیصل کیا ہے غیر متشرع تھے یعنی داڑھی مُنڈی ہُوئی لباس کوٹ پتلون مگر ساتھ ہی اس کے سفارش رشوت سے قطعی اجتناب رکھتے تھے اور گراہان جیسے فی زمانا حالت ہے اور ناکح صاحب بھی بہت معمولی طور پر پڑھے ہُوئے ہیں لہٰذا اس صورت واقعہ پر مسئلہ بالا کا کیا جواب ہوگا؟ بینوا توجروا

الجواب

جبکہ وُہ قاضی منجانب سلطنت اسلامیہ فصل قضا پر مقرر ہے، اگر اُس کے یہاں دعوٰی بروجہ صحیح شرعی ہُوا اور ثبوت بروجہ شرعی گزرا اور قاضی نے ثبوت نکاح کا حکم دیا تو نکاح ثابت ہوگیا ہندہ بغیر موت یا طلاق دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی،

كما فی الهداية وتنوير الابصار[1] وغيرهما من معتمدات الاسفار ورجحه المحقق على الاطلاق فی فتح القدير وقد قال امير المومنين علی كرم الله تعالٰی وجهه الكريم شاهداك زوجاك[2]۔ والله تعالٰی اعلم۔

جیسا کہ ہدایہ، تنویر الابصار وغیرہما کتب معتمدہ میں ہے اور فتح میں محقق علی الاطلاق نے اس کو ترجیح دی ہے اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ تجھے تیرے گواہوں نے بیاہ دیا ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۰: از ریاست جاورہ، لال املی مسئولہ ممتاز علی خاں اہلکار حساب ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی صحیح ولدیت زید سے مگر بوقتِ نکاح بکر قائم کرکے

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۹

[2] فتح القدیر باب المحرمات نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۵۶

ایجاب وقبول ہُوا ہے تو ایسا نکاح درست ہُوا یا نہیں ؟ نیز اس کا اصلی باپ یعنی زید زندہ موجود ہے بروقت نکاح نہ اس سے اجازت لی گئی نہ اُسے اطلاع دی، صورتِ مسئولہ میں اگر نکاح نہیں ہُوا تو کیا ہندہ اپنی منشا کے موافق اپنے کفو میں نکاحِ ثانی کرسکتی ہے ؟ ایامِ عدت کی قید ہے یا نہیں ؟ ہندہ بالغہ ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

اگر ہندہ اس جلسۂ نکاح میں حاضر نہ تھی اور اس کی طرف اشارہ کرکے نہ کہا گیا کہ اس ہندہ بنت بکر کا نکاح تیرے ساتھ کیا بلکہ ہندہ کی غیبت میں یہ الفاظ کہے گئے تو ہندہ کا نکاح نہ ہُوا، نہ اُسے طلاق کی حاجت، نہ عدت کی ضرورت، جس سے چاہے اپنا نکاح کرسکتی ہے کہ نکاح تو ہندہ بنت بکر کا ہُوا اور یہ ہندہ بنت بکر نہیں، ہاں اگر بکر نے اسے پرورش یا متبنیٰ کیا تھا اور وُہ عرف میں ہندہ بنت بکر کہی جاتی ہے اور اس کہنے سے اسی کی طرف ذہن جاتا ہے تو نکاح ہوگیا اب بغیر طلاق ہندہ کو مخلص نہیں۔ درمختار میں ہے :

غلط وکیلہا بالنکاح فی اسم ابیہا بغیر حضورھا لم یصح[1]۔ لڑکی کی غیر موجودگی میں اس کے وکیل نے لڑکی کے باپ کا نام غلط کہہ دیا تو نکاح صحیح نہ ہوگا (ت)

عالمگیری میں ہے :

قال امرأتہ عمرۃ بنت صبیح طالق وامرأتہ عمرۃ بنت حفص ولا نیۃ لہ لاتطلق امرأتہ فان کان صبیح زوج اُم امرأتہ و کانت تنسب الیہ وھی فی حجرہ فقال ذٰلک وھو یعلم نسب امرأتہ اولا یعلم طلقت امرأتہ[2]۔ کسی شخص نے طلاق دیتے وقت اپنی بیوی کا نام عمرہ بنت صبیح کو طلاق کہا جبکہ اس کی بیوی کا نام عمرہ بنت حفص ہے تو طلاق کے وقت اس شخص نے کوئی نیت نہ کی تو اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی، اور اگر اس کی بیوی عمرہ کی ماں کے دوسرے خاوند کا نام صبیح تھا اور یہ عمرہ اپنی ماں کے ساتھ صبیح کی پرورش میں رہی اس وجہ سے عمرہ صبیح کی طرف منسوب ہوتی ہے اور خاوند کو عمرہ کے اصل نسب کا علم ہے یا نہیں، دونوں صورتوں میں اس کی بیوی عمرہ کو طلاق ہوجائیگی۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ازمیرٹھ صدر بازار محلہ سوتی گنج مرسلہ مولوی محمد افضل صاحب کابلی تعلیم یافتہ مدرسہ منظر اسلام بریلی امام مسجد سوتی گنج ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

چہ مے فرمایند دریں مسئلہ کہ درملک ہند علماء فتوٰی کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان کے

---

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۷
[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی ایقاع الطلاق الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۵۸

دادند کہ بعد منگنی دختر دیگر جائے نکاح کردن مے تواند حقیر ناجائز پندارد چراکہ ایجاب وقبول از جانبین ثبوت شود از جانب بچہ گویند کہ "دے دو" از جانب دختر گویند "دے دیا" یا "دے چکا" یا "سگائی کرچکا" ایں الفاظ برائے وضع عقد ست اگر ایں طور گوینـد کہ "دیں گے" تو خیر، جناب مولایم عجیب افسوس کہ دیوبندی خذلہم اللہ دین او خراب و مسلمان را نیز بیخ کنی کردند اگر ایں فتوٰی غلط باشد از ایشاں ہزاراں نطفۂ زنا در عـالم منتشر شدہ تدارک ایں عمل بفرمایند۔

علماء فتوٰی دیتے ہیں کہ منگنی کے بعد لڑکی کا دوسری جگہ نکاح جائز ہے لیکن یہ ناچیز اس کو ناجائز سمجھتا ہے کیونکہ ایجاب وقبول جانبین سے ثابت ہوجاتا ہے لڑکے والے "دے دو" کہتے ہیں اور لڑکی والے "دے دی" یا "دے چکا" کہتے ہیں یا "سگائی کرچکا" کہتے ہیں۔ یہ الفاظ عقدِ نکاح کے لیے وضع ہیں، ہاں اگر لڑکی والے "دیں گے" کہیں تو خیر ہے۔ جناب میرے آقا عجیب افسوس ہے کہ دیوبندی جن کا دین خود خراب ہے وہ مسلمانوں کی بیخ کنی کررہے ہیں، اگر علماء کا یہ فتوٰے غلط ہو تو ان کی وجہ سے دُنیا میں ہزاروں نطفۂ زنا پھیلے ہوئے ہیں اس لیے اس عمل کا تدارک فرمادیں۔ (ت)

الجواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، لفظ "سگائی کرچکا" خود ظاہر است سگائی نسبت ووعدہ عقد را گویند نہ عقد را "دے دیا" یا "دے چکا" از انجا کہ مجلس مجلس وعدمی باشد نہ مجلس عقد ہمیں بر وعد محمول می شود نہ بر عقد در شرح امام طحاوی وفتح[1] و درمختار[2] و ردالمحتار ست لو قال ھل اعطیتنیہا فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد و ان کان للعقد فنکاح وچہ گونہ نکاح شود حالانکہ شرط او حضور دو گواہ ست کہ فہمند کہ ایں نکاح ست فی التنویر والدر وشرط حضور شاھدین فاھمین انہ نکاح علی المذھب بحر و اینجا

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، "سگائی کرچکا" کا لفظ خود ظاہر ہے کہ "سگائی" نسبت اور وعدۂ نکاح کو کہتے ہیں نہ کہ نکاح کو۔ لڑکی والوں کا "دے دیا یا دے چکا" کہنا مجلس وعدمیں وعدہ پر محمول ہوگا نہ کہ عقد نکاح پر، امام طحاوی کی شرح، فتح، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ اگر مرد نے کسی کو کہا تُو نے مجھے لڑکی دی، تو اس نے جواب میں کہا کہ میں نے دی۔ تو اگر یہ مجلسِ وعدہ اور منگنی ہو تو وعدہ اور منگنی ہے اور اگر مجلسِ عقد ہے تو نکاح ہے، پھر مسئولہ صورت میں نکاح کیسے ہوسکتا ہے جبکہ نکاح کے لیے دو گواہوں کی موجودگی بایں طور شرط ہے کہ وہ اس کو نکاح سمجھیں۔ تنویر اور در

---

[1] فتح القدیر کتاب النکاح مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۰۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار 〃 مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۶

اگر ہزار حاضر باشند ہیچ کس نکاح نہ فہمد کہ منگنی نزد ایشاں چیزے از مقدمات نکاح ست نہ نکاح۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

میں ہے نکاح میں دو گواہوں کا ہونا جو یہ سمجھیں کہ یہ نکاح ہے شرط قرار دیا گیا، یہ مذہب ہے بحر۔ اور یہاں مذکورہ صورت میں مجلس میں ہزار بھی ہوں تو کوئی بھی اس کو نکاح نہ سمجھیں گے کیونکہ منگنی کو وہ نکاح نہیں بلکہ اس کے مقدمات میں سے سمجھتے ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۶۲: از چونیاں ضلع لاہور مسئولہ ضیاء الدین انچارج اصطبل گورنمنٹ ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے حسبِ ہدایت والد خود جس نے اس کی ہدایت کی تھی کہ اپنی فلاں دختر کا ناطہ اپنے فلاں برادر حقیقی کو دینا تب سے راضی ہوگیا چنانچہ اپنے والد کی موجودگی اور چند مسلمانوں کی مجلس میں اپنے برادر حقیقی کو مخاطب کرکے کہا میں نے اپنی فلاں نام والی دختر بالغہ کا ناطہ تمہارے فلاں بالغ کو دے دیا، والدِ پسر نے قبول کرلیا، آیا ہر دو ولیوں کے ایجاب وقبول سے یہ نکاح منعقد ہوگیا یا نہیں؟ اگر ہوگیا تو اب والدِ دختر اس دختر کا اور جگہ نکاح کرسکتا ہے بغیر طلاق کے، اور ولی اور گواہان ونکاح خوانِ نکاحِ ثانی کے واسطے حکم شرعی کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

ناطا دینا عرف میں منگنی کرنے کو کہتے ہیں اور منگنی نکاح نہیں، اس صورت میں جب تک عقد نکاح نہ ہو والدِ دختر دوسری جگہ اس کا نکاح کرسکتا ہے، اور نکاح خواں وغیرہ پر کوئی الزام نہیں۔ اور اگر کہیں کے عرف میں ناطا کرنا نکاح کر دینے کو بھی کہتے ہیں تو وہاں دیکھا جائے گا کہ وہ مجلس جس میں یہ الفاظ ادا ہوئے عقد نکاح کے لیے تھی یا منگنی کے لیے، اگر منگنی کے لیے تھی تو وہی حکم ہے کہ نکاح نہ ہُوا، اور والدِ دختر کو اختیار ہے، اور اگر نکاح کے لیے تھی اور حاضرین میں سے کم از کم دو شخصوں نے کہ اس نکاح کے گواہ ہوسکتے ہوں وہ ایجاب وقبول سُنے اور سمجھے کہ یہ نکاح ہورہا ہے تو نکاح ہوگیا اب دوسری جگہ اس کا نکاح نہیں ہوسکتا، والدِ دختر اور نکاح خواں اور گواہانِ نکاحِ ثانی جن جن کو معلوم تھا کہ اس کا نکاح پہلے ہوچکا ہے سب مبتلائے حرام ہوں گے۔ درمختار میں ہے:

هل اعطیتنیها ان المجلس للنکاح فنکاح وان للوعد فوعد[1] واللہ تعالٰی اعلم

اگر ایک نے دوسرے کو کہا کیا تُو نے مجھے دی، دوسرے نے جواب میں "دی" کہا، تو اگر یہ مجلسِ نکاح ہو تو نکاح ہوگا، اور اگر مجلسِ وعدہ ہے تو منگنی ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۵

مسئلہ ۶۳: از دہلی پہاڑ گنج مسجد غریب شاہ مسئولہ سید عبدالکریم صاحب قادری رضوی ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

بخدمت جناب قبلہ حضرت مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب نائب رسول صلے اللہ علیہ وسلم دامت برکاتہم۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شریف زادہ نے ایک عورت کو جو قوم کی چماری تھی مسلمان باقاعدہ کیا اور اس سے نکاح کیا اور اپنے مکان میں لے گیا، جب اہل برادری کو معلوم ہُوا کہ اس نے خاندان قادریہ اور سادات کے بٹا لگادیا کہ چماری کو مسلمان کرکے نکاح پڑھ لیا اور پردہ میں بٹھالیا، وہ عورت دو سال سے بیوہ تھی، تمام اہل برادری اور تمام مسلمانوں اور ہندوؤں نے اس عورت کو بے پردہ کیا اور بے عزتی کی اور غیر محرموں نے مارپیٹ بھی کی اور اُسے تھانہ میں پہنچادیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس عورت نومسلمہ کے ساتھ ایسا کرنے کی اللہ و رسول جل وتعالٰی وصلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجازت دیتے ہیں یا نہیں؟ اور جو لوگ اس میں شریک ہُوئے وہ کس گناہ کے مرتکب ہیں یا جس نے مسلمان کرکے اسے اپنے نکاح میں لایا وہ گنہگار ہے اور اس سے ترکِ موالات کرنا برادری سے خارج کرنا اس کا حُقہ پانی بند کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ عورت کفو میں کب آسکتی ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

مسلمان کرنا باعثِ اجرِ عظیم ہے اور اس سے نکاح کرکے پردہ میں بٹھانا بھی کارِ خیر ہے اور اس بنا پر اسے برادری سے خارج کرنا ظلم ہے۔ اور اس مسلمہ عورت کے ساتھ یہ زیادتی اور مارپیٹ اور بے پردگی کی گئی سب حرام اور سخت حرام اور ظلم شدید تھا، ایسا کرنے والے حق العبد میں گرفتار ہیں اور اللہ و رسول اُن سے ناراض و بیزار ہیں جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ بالغ مرد کے لیے کفاءت کچھ شرط نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۴: از رامہ تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ محمد جی ۲۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مدعی کے تین شاہد شہادت دیتے ہیں کہ والدِ دختر نابالغہ نے سفر سے ایک خط اپنے بھائی کو لکھا کہ میری دختر نابالغہ فرحان بی بی کا ناتا یا نکاح جس جگہ تمہاری مرضی ہو کردو، ہم لوگ اُس کاغذ کے سامعین ہیں، بعدہٗ اُس وکیل والد کے ایک لڑکے نابالغ مسمّٰی کہمر کہ جس کا کوئی عصبہ زندہ نہیں ہے کنایہ نکاح کے طور پر کردیا تھا اور لڑکے معلوم کی طرف سے اُس کے ماموں نے اُس کے لیے قبول کرلیا ہے اور ہم نے یہ نکاح ہی سمجھا ہے، یہ تقریر شاہدین مدعی کی بتمامہٖ ہے، اب والدِ دختر معلومہ کا سفر سے بالکل منکر ہے اور گواہ اُس کے بھی منکر ہیں تقریر بالا سے، یا کہتے ہیں کہ ناتا ہوا ہے نہ نکاح حالانکہ وکیل فوت ہوگیا ہے اور کاغذ بھی گم ہوگیا ہے، قیمت کاغذ دی جائے گی۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بات صاف لکھئے ایجاب کس نے کیا، قبول کس نے کیا، ایجاب کے کیا لفظ تھے، قبول کے کیا لفظ تھے، لڑکی کا چچا جس کو اس کے باپ نے وکیل کیا تھا اس نے خود پڑھایا تھا یا کسی سے پڑھوایا تھا یا کسی نے بطورِ خود پڑھادیا تھا اور وہ وکیل والد اُس جلسے میں موجود تھا یا نہ تھا، اور جب والد لڑکے کا موجود تھا تو لڑکے کی طرف سے ماموں نے کیوں قبول کیا، والد پسر کے کہنے سے یا بطورِ خود، اور والد پسر نے اس پر کیا کہا، اور جب وُہ الفاظ کنایہ تھے تو ان لوگوں نے کس قرینہ سے نکاح ہونا سمجھا اور دختر کا والد کس بات سے منکر ہے اُس وکیل کرنے سے یا نکاح ہونے سے، اور وُہ خط ڈاک میں آیا تھا یا آدمی کے ہاتھ، اور یہ جو مدعی کے تین گواہ ہیں ان کے سامنے پڑھا گیا یا ان کے سامنے والد دختر نے لکھا تھا، اور یہ گواہ ثقہ پرہیزگار ہیں یا کیسے، ان سب باتوں کے مفصل جواب آنے پر جواب ہوسکے گا۔ قیمت کاغذ کی نسبت پہلے آپ کو لکھ دیا گیا کہ یہاں فتوٰی اللہ کے لیے دیا جاتا ہے بیچا نہیں جاتا، آئندہ کبھی یہ لفظ نہ لکھئے، فقط۔

مسئلہ ۶۵ ازرامہ تحصیل گوجرخاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مرسلہ محمد جی صاحب ۸ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

باپ نے برادر کو خط لکھا کہ میری دختر نابالغہ کا ناتہ یا نکاح جہاں تمہاری مرضی ہو کردو، مکتوب الیہ نے باجازت باپ کے ایک جگہ اس نابالغہ کا نکاح کردیا ایجاب کے لفظ یہ ہیں "دختر معلومہ فلاں لڑکے کو میں نے دی ہے" اور نابالغ لڑکے کی جانب سے قبول اس کے ماموں نے کیا ہے، اور تین گواہ کہتے ہیں کہ وُہ خط ہم نے خود سُنا ہے کہ باپ نے برادر کو اجازت نکاح دختر نابالغہ معلومہ دی ہے اور ہم نے مجلس میں ذکر نکاح کا سنا ہے اور نکاح کے وقت باپ سفر میں تھا اور خط بھی گم ہوگیا ہے اور بعد نکاح چند روز بعد مکتوب الیہ فوت ہوگیا۔ اب باپ سفر سے آیا ہے وہ کہتا ہے میں نے برادر کو کوئی اجازت نہیں دی اور اس کے گواہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل نہیں ہُوئی لیکن یہ گواہ باپ کے بہت فاسق ہیں اور تین گواہ جو بالا مذکور ہیں وُہ فاسق نہیں ہیں۔

الجواب

جبکہ باپ اُس خط کے لکھنے سے منکر ہے تو اُسے کسی شہادت کی حاجت نہیں، شہادت اُس کی ہونا چاہیے تھی کہ ہمارے سامنے اس نے یہ خط لکھا ہے، اس پر کوئی شہادت نہیں، گواہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے خط سُنا یہ شہادت کچھ معتبر نہیں، لہذا اجازت دینا ثابت نہیں، باپ کے انکار سے وُہ نکاح باطل ہوگیا جبکہ وُہ حلف سے کہہ دے کہ وُہ خط میں نے نہ لکھا تھا نہ میں نے بھائی کو اجازت دی تھی لان الخط یشبہ الخط ولاحجۃ الاالبینۃ اوالاقرار اوالنکول (کیونکہ خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے، گواہی، اقرار اور قسم سے انکار کے علاوہ کوئی حجت نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۶ تا ۷۲ از بنارس محلہ پتر کنڈہ مرسلہ جناب مولانا مولوی عبدالحمید صاحب پانی پتی زید کرمہ

۲۷ شعبان ۱۳۳۸ھ

علمائے دین ان مسائل میں کیا فرماتے ہیں:

(۱) نابالغ لڑکے اور لڑکی سے ایجاب وقبول کرانے سے نکاح صحیح ہوتا ہے یا نہیں ؟

(۲) یہاں دستور ہے کہ نکاح خواں نابالغ کے باپ یا کسی اور ولی سے اجازت لے کر دو گواہوں کے ساتھ نابالغہ دلہن کے پاس آتے ہیں اور اس کو پہلے کلمۂ شہادت و آمنتُ باللہ پڑھا کر کہتے ہیں کہ تمہارا نکاح بعوض عــہ مہر کے فلاں لڑکے مسمی فلاں سے ہوتا ہے تم نے قبول کیا کہو ہاں قبول کیا، اسی طرح تین بار کہلاتے ہیں، اس کے بعد نابالغ دولہا کے پاس آتے ہیں اور وہی سب کلمات پڑھا کر کہتے ہیں کہ فلاں کی لڑکی مسماۃ فلاں بعوض عــہ مہر کے تمہارے نکاح میں آتی ہے تم نے قبول کیا، کہو ہاں قبول کیا۔ اسی طرح تین بار کہتے ہیں۔ غرض دونوں جانب قبولیت ہوتی ہے ایجاب کا پتا نہیں، شرعًا یہ نکاح صحیح ہوجاتا ہے اور اس مجلس میں لبا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دلہن یا دولہا نابالغان کے وہ سب یا اور ولی موجود نہیں رہتے بلکہ وہ اپنے اور کاموں میں مشغول رہتے ہیں اس طریقہ میں شرعًا جو خرابی اور نقص ہو اس کی تصریح فرمائیں، اور شرعًا جو طریقہ نکاح مسنون کا ہو ارشاد فرمائیں۔

(۳) اگر ولی خطبہ مسنونہ پڑھنے یا صرف ایجاب وقبول کرنے پر قادر ہو تو غیر سے ایجاب وقبول کرانا کیسا ہے ؟

(۴) نکاح خواں کو اُجرت لینا اور دینا کیسا ہے ؟

(۵) اگر اُجرتِ نکاح اپنے مصرف میں نہ لائے بلکہ مسجد کے تیل اور چٹائی میں صرف کرے تو جائز ہے یا نہیں ؟

(۶) نوشہ کے سر پر پگڑی رکھنے کے واسطے اس کے پھوپھا یا بہنوئی کو بلاتے ہیں، جب تک یہ نہیں آتے دوسرا پگڑی نہیں رکھ سکتا، جب یہ آتے ہیں تو بغیر دس پانچ روپے لیے نہیں رکھتے، جب کم ہوتا ہے تو لینے پر انکار اور زیادتی پر اصرار کرتے ہیں، جب حسبِ مرضی پالیتے ہیں تو رکھ دیتے ہیں، اور بعض پھوپھا یا داماد قبل لینے کے رکھ دیتے ہیں اُس کے بعد جو ملا لے لیا، اور بعض کچھ اصرار کرکے اور زیادہ لیتے ہیں آیا شرعًا یہ لینا دینا کیسا ہے ؟ اور اس کو ضروری حق سمجھنا اور اس پر اہتمام و اصرار کرنا کیسا ہے ؟

(۷) شرعًا ولیمہ کی تعریف کیا ہے اور اس کی مدت کے روز تک ہے ؟

(الف) پہلے دعوت کرنا پھر بارات اور رخصتی کرکے دلہن لانا یہ ولیمہ ہے یا نہیں ؟

(ب) نابالغ کی رخصتی کے بعد چونکہ زفاف نہیں ہوتا تو بعد دلہن لانے کے دعوت کرنا ولیمہ مسنون ہے

یا نہیں ؟

(ج) اگر ولیمہ بارادہ سنت نہ کرے بلکہ خیال نام آوری و برادری سے سُرخ رُوئی مقصود ہو اور یہ کہتا رہے کہ چونکہ دس دفعہ بھائی لوگ کے یہاں کھا آئے ہیں لہذا برادری کو کھلانا ضرور ہے چاہے ہمارے پاس ہو یا نہ ہو، یہ دعوت کیسی ہے؟ اور مستطیع غیر مستطیع دونوں کا حکم فرمائیے۔

الجواب

(۱) نابالغ لڑکے اور لڑکی جن کا تلفظ کلام سمجھا جائے اور وہ الفاظ و معنیٰ کا قصد کرسکیں اُن کا ایجاب و قبول خود ہو یا دوسرے کی تلقین سے صحیح ہے، پھر اگر باجازت ولی ہے نافذ بھی ہے ورنہ اجازتِ ولی پر موقوف جبکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) اس کا جواب جوابِ سوال اوّل میں آگیا اور ان عقود میں جو کلام پہلے ہے وہ ایجاب ہے اگرچہ بلفظِ قبول ہو اور جو بعد کو ہو وہ قبول، اور جب باذنِ ولی ہو تو ولی کا وہاں موجود ہونا ضرور نہیں، اور بلا اذن ہو تو اس کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ اولیاء خود ایجاب و قبول کریں یا ان کی اجازت سے ان کے وکیل نابالغوں سے کہلوانے کی کوئی حاجت نہیں۔

(۳) کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۴) جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۵) جب جائز ہے تو مسجد میں دینا اور بہتر ہے، واللہ تعالٰی اعلم

(۶) یہ ایک مخترع رسم ہے، اسے ضروری سمجھنا ناجائز، اور اگر اصرار حدِ ناگواری تک ہو تو حرام، ورنہ آپس کے معاملات میں جن پر شرع سے منع وارد نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۷) شبِ زفاف کی صبح کو احباب کی دعوت کرنا ولیمہ ہے، رخصت سے پہلے جو دعوت کی جائے ولیمہ نہیں، یونہی بعد رخصت قبل زفاف اور ریا و ناموری کے قصد سے جو کچھ ہو حرام ہے، اور جہاں اسے قرض سمجھتے ہیں وہاں قرض اتارنے کی نیت میں حرج نہیں اگرچہ ابتداءً یہ نیت محمود نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از سلطان پورہ ہکرا سٹیٹ مسئولہ مرتضٰی خاں پی سارجنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس آفس

۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید قاضی ہے مگر وکالت کرتا ہے اُس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

وکالت کا پیشہ جس طرح آج کل رائج ہے شرعاً حرام ہے، ایسے شخص کو قاضی کرنے کی اجازت نہیں واللہ اعلم

مسئلہ ۴۴ از سلطان پور (اودھ) محلہ پرتاب گنج مرسلہ حافظ عبدالحمید و عبدالغنی صاحبان ۴ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ

زید نے پسر بکر سے اپنی لڑکی ہندہ کا نکاح بموجودگی خود کیا اور ہندہ کئی بار اپنی سسرال بھی گئی پھر مخاصمت کی وجہ سے رخصتی تین سال سے بند کر دی، ہندہ اپنے والد زید کی وجہ سے مجبور ہے، اب زید نے ایک دعوٰی فسخ نکاح کا اپنی لڑکی کے نام سے دائر کیا ہے کہ میرا نکاح نابالغی کی حالت میں ہُوا، زید کا بیان ہے کہ لڑکی کا نکاح میری عدم موجودگی میں ہُوا ہے کیونکہ میں شادی کا سامان مہیا کر کے کسی ضرورت سے ہفتہ عشرہ کے لیے کسی دوسرے شہر کو چلا گیا تھا بی بی نے میری بے اجازت نکاح کر دیا اس پر کچہری میں زید نیز اہلِ محلہ نے حلف اُٹھایا حالانکہ دعوٰی اس بنا پر خارج ہو گیا کہ بکر کے وکلا نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ زید خود موجود تھا اور زید کی اجازت سے قاضی نے نکاح پڑھایا، لہٰذا زید و معینِ زید کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور ایسے جھُوٹے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا؟

الجواب

حدیث میں ہے:

شاھد الزور لا تزول قدماہ حتی یوجب اللّٰہ لہ النار[1]	جھُوٹا گواہ وہاں سے اپنے پاؤں ہٹانے نہیں پاتا کہ اللہ تعالٰی اس کے لیے جہنم واجب کر دیتا ہے۔

گواہوں کا تو یہ حال ہے اور زید پر ان سب کے بار و بال ہے کہ وہی ان کو جھُوٹی شہادت پر باعث ہُوا۔ پھر انھوں نے عورت کو شوہر سے جُدا کرنا اور منکوحہ کو غیر منکوحہ ٹھہرانا چاہا یہ دُوسرا کبیرہ ہے۔ غرض یہ سب لوگ فاسق معلن ہیں ان کو امام بنانا گناہ، اور ان کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ، اور پڑھ لی ہو تو پھیرنی واجب۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۵ مسئولہ سید ایوب علی صاحب ساکن بریلی محلہ بہاری پور سگران

جو شخص وہابیہ سے میل جول اور باہمی شادی بیاہ رکھتا ہو اور یہ جانتے ہوئے کہ یہ وہابی ہے اُس کے یہاں شادی بیاہ کر سکتے ہیں جبکہ یہ معلوم ہے کہ وہابیہ سے اس کا میل جول ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

وہابیہ سے میل جول رکھنے والا ضرور وہابی ہے کہ وہابیہ کو گمراہ بددین نہیں جانتا تو خود گمراہ بددین ہے اور اُس کے ساتھ مناکحت ہو ہی نہیں سکتی، اور اگر ان کو گمراہ بددین جانتا اور کہتا ہے پھر بھی ان سے میل جول رکھتا ہے تو سخت فاسق بیباک ہے اُس کی مناکحت سے احتراز چاہیے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] تاریخ بغداد محمد بن علی دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۰۳
سنن ابن ماجہ باب شہادت الزور ص ۱۷۳، تاریخ کبیر باب ف ۱/ ۲۰۸

مسئلہ از موضع میرکلی پور ڈاکخانہ لاہرپور ضلع سیتاپور مسئولہ محمد حسین صاحب طالبعلم ۱۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے شادی کا پیام دیا اور اُس میں یہ اظہار کیا کہ لڑکا لہرپور کا ہے وہ لڑکا قصبہ ہرگام پور کا نکلا، مزید بریں نوشہ کے تعین عَلَم میں اختلاف رہا، لڑکی تو کہتی ہے کہ میرا نکاح عبدالرحمن بن کلو کے ساتھ پڑھا گیا اور قاضی کا بھی یہی قول ہے مگر گواہ لعل محمد بن منوں بتلاتے ہیں اور وکیل لعل محمد بن کلو کا مدعی ہے اور وہ لڑکا جو نوشہ بن کر آیا تھا وہ دراصل ہرگام کا تھا اور اس کا نام لعل محمد بن منوں تھا، اس صورت میں نکاح کس کے ساتھ ہُوا اور اس میں شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

رائج یُوں ہے کہ عورت یا اس کے ولی سے اذن لے کر دُولھا سے خطاب کرتے ہیں کہ فلاں کی فلاں لڑکی اتنے مہر پر تیرے نکاح میں دی، وہ کہتا ہے میں نے قبول کی۔ اس صورت میں جس سے خطاب کیا گیا اور اس نے قبول کیا اُسی کے ساتھ نکاح ہوا، کہیں کا رہنے والا ہو اور اس کا کچھ بھی نام ہو۔ پھر اگر بالغہ عورت یا نابالغہ کے ولی نے اُسی کے لیے اجازت دی تھی جب تو یہ نکاح نافذ ہوگیا اگر کوئی مانع شرعی نہ ہو ورنہ فضولی کا نکاح ہوا عورت یا اس کے ولی کی اجازت پر موقوف رہا، اگر جائز کیا جائے جائز ہوگیا، رَد کیا جائے باطل ہوگیا، یہ تو نکاح ہونے نہ ہونے کا حکم ہے، رہا یہ کہ نکاح ہُوا اور مرد نے دعوٰی کیا کہ میرے ساتھ اس کا نکاح ہُوا اور اُس عورت کے وکیل اور گواہوں کے بیان میں اختلاف ہُوا، کسی نے کسی کے ساتھ نکاح ہونا بیان کیا دوسرے نے کسی کے ساتھ، اگر دو گواہ شرعی عادل قابل قبول دعوی مدعی کے مطابق گواہی دے دیں گے دعوٰی ڈگری کر دیا جائے گا عورت و وکیل کچھ کہا کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از نوشہرہ تحصیل جامپور ضلع ڈیرہ غازی خاں مسئولہ عبدالغفور صاحب ۱۴ محرم ۱۳۳۹ھ

ایک شخص کہتا ہے کہ میری اپنی عورت کے ساتھ تن بخشی ہے، آیا شرعًا تن بخشی کوئی چیز معتبر ہے یا نکاح؟ بینوا توجروا

الجواب

تن بخشی پر قناعت صریح زنا ہے اگر اسے حلال جانے تو کافر،

انما کان ذٰلک من خصائصہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، قال تعالٰی خالصۃ لک من دون المؤمنین[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص میں سے ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا، یہ خالص آپ کے لیے ہے مومنین کے لیے نہیں۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

[1] القرآن ۵۰/۳۳

دوسرا مسئلہ ایک شخص نے دعائے خیر جلسہ میں کہہ دی کہ میں نے لڑکی اپنی اس شخص مثلاً زید کو دی، بعدہٗ وہ یعنی باپ لڑکی کا مرگیا اس کے وارثان نے اُس لڑکی کا عقد نکاح دوسرے شخص کو کردیا۔ آیا دعائے خیر جائز ہے یا وارثان کا نکاح جائز ہے؟

الجواب

دُعائے خیر سے اگر وعدہ سمجھا جاتا ہے تو وارثوں نے جو یہ نکاح کیا، جائز ہے۔ اور اگر اُسی وقت نکاح کردینا مقصود ہوتا ہے اور زید نے اُسی جلسہ میں قبول کیا اور دو۲ گواہوں نے معًا سُنا اور نکاح ہونا سمجھا تو نکاح ہوگیا تھا، دوسرا نکاح باطل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹ از رامہ تحصیل گوجرخان ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ تاج محمود صاحب ۵ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین زید کے بارے میں تین افراد شہادت دیتے ہیں کہ مدعی علیہ نے والد لڑکے کو بولا ہے کہ میں نے اپنی دختر نابالغہ فلانی تمہارے فلانے لڑکے کو دے دی ہے اس نے قبول لڑکے معلوم کے لیے کرلی ہے اور اس مجلس میں نہ ذکر نکاح کا ہُوا نہ خطبہ پڑھا گیا، نہ ذکر مہر کا ہوا، اس کے علاوہ مدعی علیہ بھی کہتا ہے کہ میں نے ارادہ ناطہ کا کیا ہے نہ نکاح کا، اب یہ نکاح ہوگا یا خطبہ یا ناطہ؟

(۲) قرینہ نکاح کا خطبہ اور ذکر مہر کا ہردو ہوویں گے یا فہم شہود نکاح کا فقط کافی ہوگا یا نیت ولیِ دختر پر ہے؟

الجواب

(۱) خطبہ پڑھا جانا یا ذکرِ مہر ہونا کچھ شرطِ نکاح نہیں، وہ مجلس اگر عقد کے لیے تھی عقد ہوگیا اور اگر مجلسِ وعدہ تھی اور حاضرین نے اسے وعدہ ہی سمجھا تو وعدہ ہُوا نکاح نہ ہُوا،

فی الدر المختار ان المجلس للوعد فوعد وللعقد فعقد[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے کہ اگر یہ مجلس وعدہ (منگنی) کے لیے ہے منگنی ہے اور مجلس نکاح ہے تو نکاح ہوگا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۲) نکاح بالفاظِ صریحہ میں نیت شرط نہیں، الفاظِ ایجاب وقبول ہونا اور دو شاہدوں کا سمجھنا کہ یہ نکاح ہو رہا ہے کافی ہے، ذکرِ مہر نہ ضرور نہ قرینہ اور خطبہ اگرچہ ضروری نہیں مگر قرینہ نکاح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۵

مسئلہ ازپنڈی گھیب ڈاک خانہ خاص ضلع اٹک مسئولہ مولوی غلام محی الدین امام و مدرس جامع مسجد ۲۰ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت عاقلہ بالغہ بعض غیر تعلقداروں یا کہ ان ذوی الارحاموں (جن کا ولایتِ نکاح میں کوئی حق نہیں) کے ورغلانے بہکانے پر کچہری میں جاکر درخواست پیش کرے کہ میں جوان ہوں اور اپنے حسبِ منشا نکاح کرنا چاہتی ہوں اور میرے والی مثلاً باپ یا کہ بھائی یا دیگر عصبوں سے مجھے روکتے ہیں سرکار کو اطلاع دیتی ہوں کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں جہاں طبیعت ہو نکاح کراؤں، والیوں کی رکاوٹ مجھے نہ ہو۔ اور کچہری گورنمنٹ اسے اجازت دے دے اور وہ جہاں چاہے نکاح کرالیوے، والی خوش ہوں یا ناراض۔ اگر اسی موقعہ پر ان ورغلانے والوں اور ذوی الارحاموں کو کوئی مولوی لکھے میاں! یہ تمھارا نکاح اچھا نہ ہوگا باپ یا دیگر والی کو تم ضرور مجلس نکاح میں بلاؤ تو وہ کہیں کہ لڑکی عاقلہ بالغہ جوانہ خودمختار ہے کسی والی کا کوئی ایک ذرہ تک تعلق نہیں ہم ابھی کرتے ہیں پھر جس مولوی نے توڑا تو دیکھا جائے گا مولوی کیا کرے گا جب کچہری نے اجازت دے دی۔

الجواب

یہ حالت غالباً اس صورت میں ہوتی ہے کہ عورت جس سے نکاح کرنا چاہتی ہے وہ غیر کفو ہو یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں ایسا کم کہ اس سے اولیائے زن کے لیے باعثِ ننگ و عار ہو، ایسا نہ ہو تو اس درجہ بے حیائی کیوں اختیار کرے اور اس صورت میں نکاح باطل محض ہے، جب تک ولی پیش از نکاح اُسے غیر کفو جان کر بالتصریح اجازت نہ دے۔ دُرمختار میں ہے:

(ویفتی) فی غیر الکفو (بعدم جوازہ اصلا) وھو المختار للفتوی لفساد الزمان[1]

غیر کفو میں نکاح کے عدم جواز کا فتوٰی دیا جائے گا اور یہی فتوٰی کے لیے مختار ہے کیونکہ زمانہ میں فساد برپا ہوچکا ہے (ت)

اولیاء پر لازم ہے کہ جب کفو پائیں تزویج میں جلدی کریں کہ ایسے وقائع سے ننگ و بے حیائی کا دروازہ نہ کھلے۔ حدیث میں ہے:

یا علی! لاتؤخر ثلثۃ الصلٰوۃ اذا اٰنت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت

اے علی (رضی اللہ عنہ)! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو نماز میں جب وقت ہو جائے، جنازہ میں جب حاضر

---

[1] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

لہا کفوا۔[1] ہوجائے، اور غیر شادی شدہ لڑکی کے نکاح میں جب اس کا کفو مل جائے۔(ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۲: شیخ سلامت اللہ قصبہ تلہر محلہ عمر پور ضلع شاہجہان پور پارچہ فروش ۷ اجمادی الاخری ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکی کی کتنی عمر تک نکاح ناجائز ہوتا ہے اور کتنی عمر ہو تو جائز ہوتا ہے؟

الجواب

نکاح کسی عمر میں ناجائز نہیں، اگر اُسی وقت کے پیدا ہوئے بچے کا نکاح اس کا ولی کر دے گا نکاح ہوجائے گا، ہاں پیٹ کے بچے کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ اذ لاولایۃ علی الجنین لاحد کما فی غمز العیون۔[2] کیونکہ پیٹ میں بچے پر کسی کو ولایت نہیں، جیسا کہ غمز العیون میں ہے(ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۳: مسئولہ عبدالعزیز صاحب از شہر محلہ کٹکوئیاں ۲۹ جمادی الاخرٰی ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو لڑکیاں توام اس صورت سے پیدا ہوئیں کہ دونوں کے کُولھوں کی ہڈیاں جُڑی ہُوئی تھیں اگر وہ بڑی کاٹ دی جاتی تو ان کے مرجانے کا خوف تھا، اب دونوں جوان ہُوئیں ان کی شادی کس طرح کی جاسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جُھوٹ اور بے اصل بات قائم کرکے شریعت کو تکلیف دینی سخت بیہودگی ہوتی ہے، کیا سائل ان لڑکیوں کو پیش کرسکتا ہے۔

مسئلہ ۸۴: از موضع دیورنیا ضلع بریلی مسئولہ عنایت حسین صاحب ۲۹ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ مضمون نکاح خوانی جائز ہے یا نہیں، واجد علی خاں کی لڑکی نام اس کا تم کو معلوم ہے، بالعوض مہر مؤجل مبلغ دوسو روپیہ سکہ انگریزی کے بوکالت فلاں اور بشہادت فلاں فلاں علاوہ نان نفقہ کے بیچ عقد نکاح تمھارے کے دی گئی تم کو قبول ہے؛ قبول کیا میں نے۔

الجواب

جائز ہے، جبکہ واجد علی خاں معروف ہو یعنی حاضرین سے دو گواہ پہچانیں کہ فلاں شخص ہے ورنہ اُس کے

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی باب اعتبار الکفاءۃ دار صادر بیروت ۷/ ۱۳۳

[2] غمز عیون البصائر للحموی، علی الاشباہ والنظائر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۴۰۶

باپ دادا کا بھی نام لیا جائے، اور بوکالت فلاں وشہادت فلاں اور علاوہ نان ونفقہ کے کہنا ایک زائد بات ہے جس کی حاجت نہیں، اور "دی گئی" کی جگہ "دی میں نے" کہے، اور وہ کہے جو نابالغہ کا ولی یا ولی کا وکیل یا بالغہ کا وکیل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۹: مسئولہ جناب مولوی انوارالحق صاحب تحصیل چونیاں ضلع لاہور بروز یک شنبہ بتاریخ ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ہندہ کے باپ کے چچا کا بیٹا جو ہندہ مذکورکا ولی تھا وہ چونیاں میں رہتا تھا اور اس کی والدہ نے اس مقام سے سات کوس کے فاصلہ پر ولی مذکور کی عدم موجودگی میں ہندہ کا نکاح پڑھا دیا اب جب ولی مذکور نے اپنی ناراضگی ظاہر کی تو نکاح والدہ کی اجازت سے جو ہوا تھا وہ کس واسطے باطل ٹھہرا، حالانکہ درمختار کی اختیار کردہ عبارت کے بعد لکھا تھا کہ:

واختار فی الملتقی مالم ینتظر الکفو الخاطب جوابہ واعتمدہ الباقانی ونقل ابن الکمال ان الفتوی علیہ[1]۔

ولی ابعد کا نکاح جائز ہوگا جب کفو والا رشتہ، ولیِ اقرب کے جواب کا انتظار نہ کرے، یہ صاحبِ ملتقی کا مختار ہے اسی پر باقانی نے اعتماد کیا ہے، ابن الکمال نے نقل کیا کہ فتوٰی اسی پر ہے (ت)

اور صاحب بزازیہ نے اسی قول کو اقرب الی الفقہ کہا ہے اور ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے کہ:

ھو الاصح وفی البحر عن المجتبٰی والمبسوط انہ الاصح وفی النھایۃ واختارہ اکثر المشائخ وصححہ ابن الفضل[2] انتہی۔

یہی اصح ہے اور بحر میں مجتبٰی اور مبسوط سے منقول ہے کہ یہی اصح ہے۔ اور نہایہ میں ہے کہ اکثر مشائخ نے اس کو اپنایا ہے اور ابن الفضل نے اس کی تصحیح کی ہے۔ انتہی (ت)

انہی عبارتوں سے جب معلوم ہوتا ہے کہ ولی عصبہ اقرب کی غیبت میں ولی بعید کو نکاح پڑھانے کا اختیار رہے تو والدہ کا نکاح کیا ہوا کس واسطے باطل کیا گیا فقط۔

(۲) مجلس خطبہ میں ناکح نے رُوبرو گواہان کے ہندہ کے باپ عمرو کو کہا کہ تُو نے اپنی لڑکی بکر کے لڑکے

---

[1] درمختار | باب الولی | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۴
[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۳۱۵

زید کو دی اس نے کہا "دی" پھر بکر کو کہا کہ تُو نے عمرو کی لڑکی ہندہ اپنے لڑکے زید کے واسطے قبول کی، اس نے کہا "قبول کی" یا حضرت، اس ایجاب اور قبول سے ہندہ کا نکاح ہُوا یا کہ نکاح کا وعدہ ہوا؟

الجواب

(۱) فی الواقع اقوال اس میں مختلف ہیں اور تصحیحیں بھی مختلف ہیں اور اصح التصحیحین یہی ہے جو درمختار میں ہے مگر درمختار کا یہ مطلب نہیں کہ سات کوس کے فاصلہ پر مالم ینتظر الکفو الخاطب صادق آجائے تفقہ فقط کتاب سے عبارت دیکھ لینے اور لفظی ترجمہ سمجھ لینے کا نام نہیں بلکہ مقصد شرع کا ادراک اور احوال بلاد وعباد پر نظر رکنِ اعظم تفقہ ہے، اسی درمختار میں ہے:

من لم یکن عالمًا اھل زمانہ فھو جاھل۔[1] جو اپنے زمانہ والوں کے حالات نہیں جانتا وُہ جاہل ہے (ت)

ہمارے بلاد میں نکاح ابکار کی حالت معلوم ہے مہینوں پیام سلام رہتے ہیں اگر بیٹی والوں کی مرضی بھی ہو تو جلد قبول کر دینے کو عیب جانتے ہیں یہ اُن کے یہاں مثل دائر و سائر ہے کہ بیٹی کا معاملہ کچھ بازار کا سودا نہیں ابھی جُوتیاں ٹوٹیں نہ چادریں پھٹیں ابھی سے اقبال کر دیا جائے اور ایسا تو کوئی بھی کفو خاطب نہیں کہ ولی اقرب سات کوس پر بیٹھا ہے اور وُہ اس سے اجازت لینے تک کا انتظار نہ کرے ہاں یہ وہی کرے گا جسے معلوم ہوگا کہ ولی اقرب اس پر رضا نہ دے گا ایسی تعلیل معتبر کرلینے میں ولایت قربٰی کا ابطال اور حکم شرع کا نقض ہے بلکہ عندالانصاف یہ روایت مفتی بہا تو روایت مسافت قصر سے بھی تنگ تر ہے ریل نے مسافت قصر کو گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت کر دیا، کون سا خاطب ہے کہ اتنی دیر کا انتظار نہ کرے گا و بقیۃ التفصیل فی فتاوی الفقیر (باقی تفصیل اس فقیر کے فتاوٰی میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۲) اگر وُہ مجلس وعدہ کی تھی اور وعدہ ہی مفہوم ہُوا تو وعدہ ہی ہوا نہ کہ نکاح، ورنہ نکاح۔

قال ھل اعطیتنیھا قال نعم ان المجلس للوعد فوعد وان للعقد فعقد۔[2] درمختار وغیرہ۔ اگر کہا کہ تُو نے مجھے لڑکی دی تو جواب میں ہاں کہا تو یہ بات مجلسِ وعدہ میں وعدہ اور مجلسِ نکاح میں نکاح ہوگی، درمختار وغیرہ (ت)

اس کی بنا وہاں کے رواج و متفاہم عرف پر ہے کما اشرنا الیہ (جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۵

[2] ؍؍ کتاب النکاح ؍؍ ؍؍ ۲/۳۱۵

مسئلہ مسئولہ لال محمد خیاط از پھپھوند ضلع اٹاوہ بروز دوشنبہ بتاریخ ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا، پھر اُسی مرد نے اُسی عورت کے ساتھ بحالتِ حمل نکاح کیا، بعد نکاح اس کے ساتھ مباشرت کی، اس صورت میں نکاح رہا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر وہ عورت بے شوہر تھی یا شوہر مرگیا یا طلاق دے دی تھی اور یہ حمل شوہر کا شرعاً نہیں قرار پا سکتا تھا یعنی اس کی موت اور طلاق سے دو برس کے بعد بچہ پیدا ہوا تو ان سب صورتوں میں نکاح صحیح ہوگیا، پھر اگر وہ حمل اسی زانی کا تھا تو اسے بعد نکاح پاس جانا بھی جائز تھا، اور دوسرے کا تھا تو نہیں، بہرحال اس مباشرت سے نکاح میں کوئی خلل نہیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم

مسئلہ از ضلع چھپرہ سارن ڈاکخانہ حدائی باغ بازار موضع چلدارہ مسئولہ شاہ حبیب احمد صاحب بروز دوشنبہ بتاریخ ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے خالد کو مع دو شاہد کے وکیل معین چند اشخاص کے مقابلہ اجازت دی کہ میری لڑکی جو فلاں نام کی ہے اس کا نکاح ولید سے دس ہزار روپیہ اور دو دینار سُرخ پر کردو، اب وکیلِ معین وقتِ ایجاب بجائے دس ہزار روپیہ کے دس ہزار درہم کا الفاظ زبان پر لایا۔ شاہد نے روکا کہ درہم چھوڑ و روپیہ کہو، وکیلِ معین نے یہ کہا کہ درہم روپے کو کہتے ہیں اور دینار اشرفی، یہاں پر درہم و دینار دونوں جمع ہے، لہٰذا اہلِ زبان کے نزدیک مستعمل روپیہ و اشرفی ہے۔ اس پر شاہدان و اہلِ مجلس تمام ساکت رہے، اور وکیل معین نے بایں الفاظ ایجاب و قبول کرایا کہ بنتِ فلاں بعوض مہر دس ہزار درہم سکہ رائج الوقت اور دو دینار سُرخ تمہاری زوجیت میں دیا تم نے قبول کیا، تین مرتبہ ایجاب و قبول کرا کے زبان سے کہہ دیا کہ تم کو کمی بیشی کرنے کی مجاز حق نہیں ہے، درہم سے دس ہزار روپیہ میری مراد ہے، اور سکّہ کی دوسری قید ہے جو اس وقت کا روپیہ ہے جو رائج ہے، اگر اس کے خلاف وکیلِ معین کرے گا تو اس کے نزدیک نکاح باطل ہوگا۔ اب فریقِ ثانی دوسرے روز معہ نوشہ و ہم جلیس اس کے و فریقِ اوّل میں یہ قصہ ہے کہ کتاب دیکھی جاتی ہے کہ لغت میں درہم کے معنی پیسہ ہے لہٰذا دو سو روپیہ سے بھی کم نکاح ہُوا، اور کوئی جُہلا فریقین یہ کہتا ہے کہ نکاح باطل ہُوا۔ بیان فرمائیے اجر و ثواب پائیے، فقط۔

الجواب

نکاح صحیح ہوگیا اور دس ہزار روپیہ اور دو دینار مہر ہوا۔ درہم پیسہ کو نہیں کہتے روپیہ ہی کو کہتے ہیں، ہاں

اگر اسے مطلق رکھتا تو درہم شرعی کا احتمال ہوتا جس کا وزن تین ماشے ایک رتی ۱/۵ رتی کا ہے اب کہ اس نے سکۂ رائج الوقت کہہ دیا احتمال قطع ہوگیا اور یقیناً یہی روپیہ مراد رہا جو سوا گیارہ ماشہ کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۸۹ از مقام سیپری علاقہ راجہ ضلع بریلی تحصیل آنولہ تھانہ سرولی روز چہارشنبہ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ
مسئولہ ننھے خاں صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس باب میں کہ اگر کوئی شخص کسی عورت خواہ باہر کی پھرنے والی یا طوائف سے نکاح کرلے تو وہ جائز یا ناجائز؟ اور بعد نکاح کے بے پردہ عورت باہر جاوے تو نکاح رہا یا نہیں؟ یا اس فعل پر اس کو طلاق دے دے اور مہر ادا کرے تو پھر کوئی حق اس کا ذمہ زوج کے رہا یا نہیں؟ اور نکاح میں ایجاب وقبول باہم کرلے اور گواہ وکیل نہ ہو تو نکاح جائز یا ناجائز؟ اگر بعد نکاح کے اس عورت کا فعل ناجائز عرصہ ایک یا دو یوم کے معلوم ہو تو زوج اس کو طلاق دے دے اور مہر ادا کرے تو طلاق ہوجاوے گی یا نہیں؟ اور بروقت نکاح تعدادِ مہر کم از کم کتنی ہونی چاہئے؟

الجواب

نکاح زنِ بے پردہ و بازاری سے بھی جائز ہے اور عورت کے بے پردہ نکلنے سے نکاح نہیں جاتا اور بعد طلاق مہر دینا لازم ہوتا ہے اور عدت تک کا نفقہ، پھر عورت کا کوئی حق مرد پر نہیں رہتا۔ نکاح میں وکیل کی ضرورت نہیں، نہ ایسے دو شخصوں کی ضرورت ہے جن کو گواہ سے نامزد کیا جائے، ہاں یہ ضرور ہے کہ دو مرد عاقل بالغ یا ایک مرد دو عورتیں عاقل بالغ (اور مسلمان عورت کے نکاح میں ان دونوں تینوں کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے) معاً ایجاب وقبول سُنیں اور سمجھیں کہ یہ نکاح ہورہا ہے، وہی لوگ شرعاً گواہ ہیں اگرچہ وہ لوگ گواہی کے لیے نامزد نہ کیے جائیں، بغیر اس کے نکاح نہیں ہوسکتا۔ طلاق اُسی دن دیں، خواہ جب دیں واقع ہوجائے گی۔ مہر کم از کم دس درم بھر چاندی ہے یعنی دو تولے ساڑھے سات ماشے بھر، یا یہاں کے روپے سے دو روپے پونے تیرہ آنے اور ایک پیسہ کے پانچویں حصے کے برابر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۹۰ و ۹۱ مسئولہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب محمود آبادی امام رسالہ پلٹن بریلی چھاؤنی ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

(۱) ماہِ محرم الحرام وصفر المظفر میں نکاح کرنا منع ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیوں؟

(۲) زید کی لڑکی (لے پالک) ربیبہ کا نکاح زید کے سگے بھائی بکر سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) نکاح کسی مہینے میں منع نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) جائز ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۹۲ بروز شنبہ ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

ایک عورت کا مرد فوت ہوگیا ہے مگر اس کی عدت پوری نہیں ہوئی اس کا نکاح پڑھنا جائز ہے؟ اگر کوئی پیش امام یا قاضی عدت کے اندر نکاح پڑھادے تو وہ نکاح ہوگا یا نہیں؟ اور اس نکاح پڑھانے والے کے نکاح میں کچھ فساد ہوگا یا نہیں، یا اس کا نکاح پڑھانے والے پیش امام کے لیے کچھ کفارہ آتا ہے یا نہیں؟ اور اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ صورتِ دیگر یعنی پیش امام نے ایک عورت کا نکاح عدت کے اندر پڑھادیا اور پھر دوسرے روز اس نے دو مسلمان کے روبرو اقرار کیا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی خدا کے لیے معاف کرو۔ انھوں نے اس کو کہا کہ پیش امام صاحب! آپ کا خود نکاح باطل ہوگیا ہے، تو اس نے کہا کہ اچھا میں نکاح دوبارہ چوری سے پڑھاؤں گا مگر برائے خدا مجھ کو اب معاف کرو آئندہ کو ایسا نہ کروں گا۔ مگر پھر اس کو کسی دوسرے مولوی صاحب نے کہہ دیا کہ تم کہہ دو کہ مجھ کو خبر نہ تھی میں نے بے خبری میں نکاح پڑھادیا۔ تو اس کے لیے شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ تو ایسے نکاح پڑھانے والے کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ اور جس نے اس کو ایسا جھوٹ کہنا سکھلایا کہ تم کہہ دو کہ مجھ کو خبر نہ تھی، تو اس سکھانے والے کے واسطے کیا حکم ہے؟ اور جو لوگ اس مجلس نکاح میں حاضر تھے اُن کا نکاح درست ہے یا کچھ خلل ہوا؟ اور ایسے نکاح پڑھانے والے کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے نکاح پڑھانے والے کو کچھ کفارہ دینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

عدت میں نکاح تو نکاح، نکاح کا پیغام دینا حرام ہے۔ جس نے دانستہ عدت میں نکاح پڑھایا اگر حرام جان کر پڑھایا سخت فاسق اور زنا کا دلال ہوا مگر اس کا اپنا نکاح نہ گیا، اور اگر عدت میں نکاح کو حلال جانا تو خود اس کا نکاح جاتا رہا اور وہ اسلام سے خارج ہوگیا۔ بہرحال اس کو امام بنانا جائز نہیں جب تک توبہ نہ کرے، یہی حال شریک ہونے والوں کا ہے، جو نہ جانتا تھا کہ نکاح پس از عدت ہو رہا ہے اس پر کچھ الزام نہیں، اور جو دانستہ شریک ہوا اگر حرام جان کر تو سخت گنہگار ہوا، اور حلال جانا تو اسلام بھی گیا، اور جس شخص نے امام کو جھوٹ بولنے کی تعلیم دی وہ سخت گنہگار ہوا، اس پر توبہ فرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۳ مسئولہ نور احمد ٹھیکہ دار از مقام پیلی بھیت چندوسی لہکرہ پار روز شنبہ ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق دی، دو تین روز کے بعد دوسرے شخص نے نکاح کرلیا، ابھی عدت گزری نہیں ہے، آیا اس کا نکاح ہوا یا نہیں؟ اگر نکاح نہیں ہوا تو تیس برس تک اس نے حرام کیا اور حرام کا مرتکب ہوا، اب ہم برادری والے اس پر جرمانہ ڈالنا چاہتے ہیں، شریعت اس میں کیا حکم لگاتی ہے اور ہم لوگ کون سی اس کو سزا دیں، جو حکم شریعت کرے اس کو ہم سزا دیں۔

آیا اس کو برادری سے علیحدہ کردیں یا کچھ لوگوں کو کھانا کھلوادیں، اس کا حکم حضور جلد روانہ فرمادیجئے کیونکہ یہاں پر جھگڑا پڑا ہوا ہے فقط۔

الجواب

وہ نکاح نہیں ہُوا، حرام محض ہُوا، اُن مرد و عورت پر فرض ہے کہ فوراً جُدا ہوجائیں، نہ ہوں تو برادری والے ان دونوں کو قطعاً برادری سے خارج کردیں۔ اُن سے بول چال، میل جول، نشست و برخاست سب یک لخت ترک کردیں، اس کے سوا یہاں کیا سزا ہوسکتی ہے، اور جبراً کھانا ڈالنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۹۴ مسئولہ عبداللطیف خاں دکاندار پیلی بھیت محلہ ڈوری لال بروز یکشنبہ ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بیوہ جس کا ایک لڑکا تھا اس نے اپنا نکاح زید سے کیا اور جو لڑکا عورت بیوہ یعنی اب زوجہ زید اپنے ہمراہی لے کر آئی تھی اس کا نام بکر ہے، زوجہ زید فوت ہوگئی اور کوئی اولاد زید سے نہیں ہوئی اور نہ کوئی اولاد زید کی تھی، بکر مذکور نے اپنا نکاح کسی عورت کے ساتھ کیا، جب بکر سے کوئی اولاد نہیں ہُوئی بکر نے اپنی زوجہ کو نکال دیا اور طلاق دے دی، بعد انقضائے مدتِ عدت کے زید نے اُس کے ساتھ نکاح کیا، آیا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے، وہ اس کی بہو نہیں، کہ بکر اس کا بیٹا نہیں، اس کی زوجہ کا بیٹا ہے۔

قال تعالٰی وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم[1] وقال تعالٰی واحل لکم ماوراء ذٰلکم[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی بننے والیوں سے (نکاح) حرام ہے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان مذکورہ محرمات کے علاوہ باقی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۵ از شاہجہان پور بروز شنبہ بتاریخ ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ماتوکم فی ہذہ الصورۃ ایہا العلماء الکرام، اول ہندہ کی نسبت اس کی رضا و رغبت سے زید کے ساتھ ہُوئی پھر ہندہ کی والدہ نے اس کا نکاح بکر کے ساتھ ہندہ کو اطلاع دئے بغیر کردیا، اور ہندہ سے یہ کہہ دیا کہ اگر تجھ سے کوئی نکاح کے متعلق دریافت کرے تو یہ کہہ دینا میری ماں کو اختیار ہے۔ جب ہندہ کو اپنے

---

[1] القرآن ۴/ ۲۳

[2] القرآن ۴/ ۲۴

نکاح کی اطلاع ہوئی جو بکر کے ساتھ کیا گیا تھا تو اس نے اس کو قبول نہیں کیا اور اپنی رضامندی سے اپنا نکاح زید کے ساتھ پڑھوالیا (اور اس لڑکی کے، سوائے ماں اور بہنوں کے اور کوئی نہ تھا، اور عمر لڑکی کی سترہ سال کی تھی) یعنی بالغ تھی، سوال یہ ہے ان صورتوں میں ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ صحیح ہُوا یا زید کے ساتھ؟ فقط

الجواب

اگر صورتِ واقعہ یہ ہے کہ ہندہ وقتِ نکاحِ بکر بالغہ تھی اور ماں نے بے اس کی اجازت کے اس کا نکاح کیا، جس کی خبر پاکر اس نے قبول نہ کیا اور اپنا نکاح زید سے کرلیا تو نکاحِ بکر باطل ہوگیا، اور اگر ہندہ کے کوئی مرد دادا پردادا کی اولاد کا کہ ولیِ نکاح ہوسکے، نہیں، یا زید جس سے ہندہ بالغہ نے رضائے خود نکاح کرلیا ہندہ کا کفو ہے یعنی مذہب، نسب، چال چلن، پیشے وغیرہ کسی بات میں ایسا کم نہیں کہ ہندہ کا اس سے نکاح ولیِ ہندہ کے لیے باعثِ ننگ و عار ہو، یا اگر وُہ کفو نہیں تو ولی نے پیش از نکاح اُسے ایسا جان کر اس سے نکاحِ ہندہ کی صریح اجازت دے دی تو ان صورتوں میں زید کا ہندہ سے نکاح صحیح اور لازم ہوگیا، اور اگر زید مذکور کفو نہیں اور ہندہ کے ولی نے پیش از نکاح اُسے غیر کفو جان کر صریح اجازت نہ دی تو ہندہ کا نکاح زید سے بھی باطل محض ہوا والمسائل کلہا منصوص علیہا فی الدر وغیرہ من الاسفار والغر (یہ تمام مسائل دُر وغیرہ کتب میں صراحۃً مذکور ہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۶ از ڈاک خانہ سندیلہ حاجی محلہ متھوا ضلع ہردوئی مرسلہ محمد عبدالوکیل صاحب بروز شنبہ ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ احدالفریقین سنّی المذہب ہے، اور دُوسرا فریق شیعہ امامیہ طریقہ رکھتا ہے، کیا ان دو اشخاص کے باہم عقدِ مناکحت شرعاً جائز ہے؟ اور یہ کہ ان سے پیدا شدہ اولاد ثابت النسب ہے یا نہیں؟

الجواب

نکاح اصلاً نہ ہوگا والمسألۃ فی الھندیۃ وغیرھا وقد فصلناھا غیر مرۃ فی فتاوٰنا (یہ مسئلہ ہندیہ وغیرہ میں ہے ہم نے کئی بار اسے اپنے فتاوٰی میں مفصل بیان کیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۷ از گونا ریاست گوالیار مقصود علی گرد آور بروز شنبہ بتاریخ ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

بحضور واقفانِ طریقت وعالمانِ نکاتِ شریعت، پیشوائے دینِ احمدی ورہنمائے احکاماتِ محمدی مدظلہ بعد آدابِ نیاز دست بستہ گزارش ہے کہ میں عقد تزویج سلطان احمد خاں میں عرصہ ایک سال کا ہُوا آئی اُس کا بھائی سلیمان خاں، ۷ ماہ تک میرے والدین کے پاس رہا، اس کی بدچلنی واوباشی سے میرے والدین نے اس سے

کہا کہ چلن اپنا سنبھالو، کاش میں ایسا چلن تمہارا خیال کرتا اپنی عورت کو تمہارے سامنے آنے کی اجازت نہ دیتا،
اس نے کہا میں ابھی جاؤں، والد نے کہا جاؤ سلام، وہ چلا گیا۔ میری والدہ کو والد نے یہ حکم دیا کہ آج سے تم
جس وقت اس کا منہ دیکھو گی نکاح سے خارج سمجھنا، میرا شوہر اس کو لایا، میری والدہ نے پردہ کیا، میرے
شوہر نے مجھ سے کہا کہ میرے بھائی کو تمہارے والدین نے علیحدہ کیا میں آج سے تم کو علیحدہ کرتا ہوں، تمہارا
مجھ سے کچھ واسطہ نہیں۔ میں روتی ہوئی اندر آئی وہ چلے گئے صبح کو کریم خاں کو شوہر کے پاس بھیجا، بلایا تو کہا میں
اُس چھوڑ چکا اب کیا واسطہ، اب اگر کعبہ بھی اس طرف ہو تو سر نہ جھکاؤں گا۔ گواہوں کے روبرو کہہ دیا۔ اس
دن سے قریب چھ ماہ کے منقضی ہونے بالکل میں متروکہ پڑی رہی، اب اس کی ہمشیر نے آکر اول یہ تجویز کیا کسی
صورت سے گھر میں لائے، پھر کہا طلاق کا قصور ہوگیا ہے اس کی تجویز اچھی طرح کرلیں گے کہ ہم اپنے دوسرے
بھائی سے نکاح کراکر طلاق دلاکر پھر تیسرا نکاح پڑھالیویں گے، کسی کو کچھ معلوم نہ ہوگا، یہ میں نے منظور نہیں کیا
اور نوٹس زرِ مہر کا دیا، تو اب دعوٰی رخصت کا کرتا ہے، لہذا دست بستہ ملتجی ہوں کہ میرا عقد سلطان احمد خاں
سے قائم رہا یا ساقط ہوا؟ زرِ مہر مؤجل کی میں حقدار ہوں یا نہیں؟ ایامِ عدت میرے ختم ہوچکے یا باقی ہیں؟
میں شوہر سابقہ سے اب تعلق ازدواج سابقہ کا رکھوں تو جائز ہے یا نہیں؟ عنداللہ جواب باصواب سے آگاہی
بخشی جائے کہ جس سے دینِ محمدی کے احکام میں کوئی قصور اس عاصیہ سے نہ سرزد ہو، اس کا اجر حضور کو اللہ تعالٰی
دے گا، یہ ریاست ہندوستانی ہے کوئی اس قدر لیاقت نہیں رکھتا جو شرعاً حکم دے ولیسراج کا برتاؤ ہے۔

الجواب

بیان مذکور اگر واقعی ہے تو عورت پر بائن طلاق ہوگئی اور نکاح سے نکل گئی اور تین طلاقیں نہ ہوئیں کہ
حلالہ کی حاجت ہو جس کے واسطے سلیمان خاں سے نکاح ہوکر طلاق لی جائے، زن و شوہر کی اگر ایک مکان
تنہا میں ایک جائی ہوچکی ہے تو کل مہر واجب الادا ہوگیا اور عورت پر روزِ طلاق سے تین حیض کی عدت لازم
ہوئی، تین حیض اگر شروع ہوکر ختم ہوگئے تو عدت سے نکل گئی ورنہ ابھی نہیں، اور اگر ابھی صرف نکاح ہوا ہے
اور ایک مکان میں زن و شوہر کی تنہائی نہ ہوئی تو نصف مہر ساقط ہوگیا اور نصف واجب الادا، اور عدت
اصلاً نہیں۔ اس طلاق کے بعد عورت اگر چاہے تو سلطان احمد خاں سے دوبارہ نکاح ہوسکتا تھا مگر وہ
کلمہ جو اس نے کہا کہ اگر اُدھر کعبہ بھی ہو تو سر نہ جھکاؤں گا، اسے علماء نے کلمۂ کفر لکھا ہے، لہذا اگر وہ اب
توبہ کرے اور تجدید اسلام، تو اس کا اُس سے نکاح ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۸: از جناب عثمان ایوب حاجی آدم جی حاجی یعقوب صاحبان ضلع بلاسپور سی پی ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ
ماقولکم ایہا العلماء الحنفیون رحمکم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ کہ اگر زید نے ایک جماعت کثیرہ کے روبرو

بکر سے اس کی دختر کو مانگا اور کہا کہ میں آپ کی دختر کو اپنے پسر کے واسطے مانگنے والا آیا ہوں اور بکر نے بھی بسمع و طاعت قبول کرلیا اور کپڑے و زیورات زید نے حاضر کیے اور بعد قبول و تقسیم شیرینی وغیرہ کے دختر کا بھیجنا بھجانا بھی خاطب کے یہاں برابر ہوتا رہا، درمیان میں کسی قدر شکر رنجی کے باعث بکر دختر موصوفہ کو دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے پر آمادہ ہے پس سائل سوال کرتا ہے کہ صورت مذکورۃ الصدر میں ایقاعِ نکاح ہُوا کہ نہیں، کیا صورت بالا میں بکر دخترِ موصوفہ کو کسی دوسرے کے نکاح میں دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا بالدلیل و توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب

جبکہ وُہ جلسہ منگنی کا تھا نہ کہ نکاح کا، تو صرف اتنے الفاظ سے کہ سوال میں مذکور ہُوئے نکاح منعقد نہ ہُوا، اُسے دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۹: از نظام علی خاں ولد امام علی خاں پرگنہ سہسوان ضلع بدایوں بھوانی پور خورد ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

ایک شخص ہمارے یہاں بھوانی پور خورد میں پیش امام تھا اس کی بیوی انتقال کرگئی اور اس کی سوتیلی ماں سے نکاح کرلیا ہے جو کہ اس کی سوتیلی ساس تھی یعنی اس کی بیوی کی سگی ماں نہ تھی، اب اس کی بابت ہم کو فتوٰی کی ضرورت ہے حضور کو تکلیف دیتے ہیں کہ اس مسئلہ کو خوب صحیح طور سے ہم کو آگاہ کیجئے گا نکاح درست ہے کہ نادرست ہے؟ وُہ کون آیت کلام پاک میں ہے کہ جس سے ناجائز ہے اور وہ کون آیت ہے کہ جس سے جائز ہے اور کون کون پارہ میں ہیں اور کون کون رکوع میں ہیں؟

الجواب

زوجہ کی سوتیلی ماں سے نکاح جائز ہے کہ سوتیلی ماں ماں نہیں ہوتی۔

قال اللہ تعالٰی ان امھٰتھم الا الّٰئی ولدنھم[1] وقال تعالٰی و احل لکم ما وراء ذٰلکم[2] و اللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کی مائیں صرف وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنم دیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کے ماسوا تمہارے لیے حلال قرار دی گئی ہیں (ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن ۵۸/۲

[2] " ۴/۲۴

مسئلہ مسئولہ منشی محمد حسین صاحب جے پوری از شاہجہان پور ۲۳ جمادی الاولی ۱۳۳۴ھ
بتوسط کنور جگندر پال سنگھ بی اے، ایل ایل بی، ڈپٹی کلکٹر

کیا فرماتے ہیں اس میں کہ زید کی نانی دو بہنیں ہیں، اصلی نانی کی لڑکی تو زید کی اصلی خالہ ہوئی اُس سے تو نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن نانی کی دوسری بہن کی لڑکی سے جو زید کی رشتہ میں خالہ ہے زید کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

ماں کی خالہ کی بیٹی سے نکاح جائز ہے، قال تعالیٰ و احل لکم ما وراء ذٰلکم[1] (اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ان کے ماسوا تمہارے لیے حلال قرار دی گئی ہیں۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از گیا فرحت باغ کوٹھی الیسری پرشاد سنگھ رئیس گیا مسئولہ مظہر الحق صاحب ۲۹ جمادی الاخری ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اپنے حقیقی ساڑھو (سانڈھو) کی لڑکی سے عقد و مناکحت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ساڑھو (سانڈھو) کی لڑکی اگر سالی کے بطن سے نہیں تو اس سے نکاح مطلقاً جائز ہے جبکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو، اور اگر سالی سے ہے یعنی اپنی زوجہ کی بھانجی، تو جب تک زوجہ اس کے نکاح میں ہے اس کی بھانجی سے نکاح حرام ہے، ہاں عورت کو طلاق دے دے اور عدت گزر جائے یا عورت مرجائے اس کی بھانجی سے نکاح جائز ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۰۲ مسئولہ مولوی عزیز الحسن صاحب قادری رضوی برکاتی پھپھوند ضلع اٹاوہ بتاریخ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ نبوی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے جامع بین الاختین کیا، اور اولادیں دونوں سے ہیں، پس از روئے شرع اقدس یہ اولادیں اور بیویاں جائز قرار پائیں گی یا نہیں؟ اور پانے ترکہ زید کی مستحق ہوں گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر دونوں سے ایک ساتھ نکاح کیا دونوں حرام، اور اگر آگے پیچھے کیا تو پہلی کا نکاح بے خلل، دوسری کا

---

[1] القرآن ۴/ ۲۴

حرام، پھر جب دوسری سے قربت کی پہلی سے قربت بھی حرام ہوگئی جب تک اسے جُدا کر کے عدت نہ گزر جائے، اولادیں بہرحال ولدالحرام ہیں جیسے وُہ نطفہ جو حالتِ حیض میں ٹھہرا مگر ولدالزنا نہیں۔ زید کا ترکہ ان سب اولاد کو ملے گا، ہاں دونوں سے معاً نکاح کیا تو دونوں زوجہ ورنہ پچھلی ترکہ نہ پائے گی، یہ سب اس صورت میں ہے کہ دونوں سے نکاح کیا ہو[عہ] اور اگر زوجہ نکاح میں ہے اور سالی سے زنا کیا تو زوجہ سے قربت بھی حرام نہ ہوگی نہ اس کی اولاد ولدالحرام ہوگی، سالی سے جو بچے ہوں گے ولدالزنا ہوں گے اور زید کا ترکہ نہ پائیں گے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۳: مرسلہ میاں محمد غوث صاحب ضلع اٹک ڈاکخانہ خود بتاریخ ۵ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ،

لاتنکح المرأۃ علی عمتہا والمرأۃ علی خالتہا[1] نسائی وغیرہ۔ نسائی وغیرہ میں ہے پھوپھی اور خالہ کی موجودگی میں ان کی بھتیجی اور بھانجی سے نکاح نہ کیا جائے۔ (ت) بینوا توجروا

جواب: صریحاً نص سے پایا جاتا ہے احل لکم ماوراء ذٰلکم[2] الاٰیۃ (ان مذکورہ محرمات کے سوا حلال ہیں۔ ت) تو حل ثابت ہوگئی، اور حدیث میں کلامی لاینسخ کلام اللہ وکلام اللہ ینسخ کلامی[3] (میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا اور اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے۔ ت) تو تطبیق کی کچھ حاجت نہ رہی، جب ناسخ ٹھہری تو حرمت اُٹھ گئی حل پر حکم پایا گیا۔

الجواب

لاتنکح المرأۃ علٰی عمتہا ولا علٰی خالتہا[4] پھوپھی اور خالہ کی موجودگی میں ان کی بھتیجی اور بھانجی سے نکاح نہ کیا جائے۔ (ت)

حدیث صحیح مشہور ہے، مع ہذا وُہ مخالفِ قرآن نہیں بلکہ آیہ کریمہ وان تجمعوا بین الاختین[5] (حرام ہے

[عہ] یعنی اگر ایک ساتھ نکاح کیا ہو یا آگے پیچھے مگر سب اولاد بعد جمع ہُوئی ہو ورنہ وہ اولاد جو دوسری کے نکاح اور قربت سے پہلے ہُوئی ولدالحرام نہیں ۱۲ مصطفٰی رضا قادری غفرلہ

[1] صحیح بخاری باب لاتنکح المرأۃ علی عمتہا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۶۶
[2] القرآن ۴/۲۴
[3] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ جبرون بن واقد الخ دارالفکر بیروت ۲/۶۰۲
[4] صحیح مسلم کتاب النکاح باب تحریم الجمع بین المرأۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۳
[5] القرآن ۴/۲۳

کردو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو ۔ت) کی تفسیر ہے کہ اختیت سے ہر علاقہ محرمیت مراد ہے علاوہ بریں کریمہ واحل لکم ماوراء ذلکم[1] (ان کے سوا حلال ہیں ۔ت) عام مخصوص منہ البعض ہے قال اللہ تعالٰی:

ولا تنکحوا المشرکٰت حتی یؤمن ولامۃ مؤمنۃ خیر من مشرکۃ ولو اعجبتکم[2] (مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو تاوقتیکہ وہ ایمان لائیں، اور مومن لونڈی، مشرکہ سے بہتر ہے اگرچہ مشرکہ تمہیں پسند ہو ۔ت)

حدیث کلامی لاینسخ کلام اللہ[3] (میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا۔ت) محض بے اصل ہے، خود صحاح احادیث کثیرہ میں ہے کہ ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، دیکھو ایسا نہ ہو کہ کوئی پیٹ بھرا بے فکر اپنی مسند پر تکیہ لگائے یہ کہے ہم نہیں جانتے جو قرآن میں حلال پائیں گے اسے حلال کہیں گے اور جو قرآن میں حرام پائیں گے اُسے حرام کہیں گے[4]، الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ[5] سُن لو مجھے قرآن دیا گیا اور قرآن کے ساتھ اس کا مثل، اور الا وان ماحرم رسول اللہ مثل ماحرم اللہ[6] سُنو بیشک جسے رسول اللہ نے حرام کیا وہ ایسا ہی حرام ہے جسے اللہ نے حرام کیا۔

خود رب العزت تبارک وتعالٰی قرآن عظیم میں کافروں کی حالت بیان فرماتا ہے:

ولا یحرمون ماحرم اللہ ورسولہ[7] کافر حرام نہیں جانتے اُن چیزوں کو جنھیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا۔

اور مسلمانوں سے فرماتا ہے:

ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ ومانھٰکم عنہ فانتھوا[8] جو کچھ رسول تم کو عطا فرمائیں اس کو لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن ۴/ ۲۴

[2] القرآن ۲/ ۲۲۱

[3] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ جبرون بن واقد دارالفکر بیروت ۲/ ۶۰۲

[4] سنن ابن ماجہ باب اتباع سنۃ رسول اللہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳

[5] سنن ابی داؤد باب فی لزوم السنۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۷۶

[6] سنن ابن ماجہ باب اتباع سنۃ رسول اللہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳

[7] القرآن ۹/ ۲۹

[8] القرآن ۵۹/ ۷

مسئلہ ۱۰۴: مرسلہ عنایت اللہ خاں صاحب موضع سسونہ ضلع رام پور ۷ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی نابالغ کے والدین نے اپنی برادری میں ایک لڑکے نابالغ سے نسبت یعنی منگنی کردی کچھ عرصہ کے بعد لڑکی کا باپ فوت ہوگیا اس کی ماں نے بوجہ تنگی معاش بلانکاح اُس لڑکے نابالغ کے باپ کو بُلا کر رخصت کردیا جس کے ساتھ نسبت ہوچکی ہے۔ اس نے اپنے مکان پر لے جاکر نکاح اپنے پسر نابالغ کے ساتھ پڑھوالیا، اب کچھ عرصہ کے بعد اُس کی ماں لڑکی کو رخصت کرالائی اور دوسری جگہ نکاح کردیا جس کو اب پانچ یا چھ سال ہوچکے ہیں، اب وہ شخص جس سے پہلے نکاح ہوا تھا دعویدار ہے کہ میرے ساتھ رخصت کرائی جاوے میری منکوحہ ہے۔ ماں لڑکی کی پہلے نکاح سے انکار کرتی ہے اور لڑکی بھی پہلے نکاح سے بے خبری بیان کرتی ہے، رخصت کرنے کا اور اس کی منگنی کا ماں اقرار کرتی ہے جس سے اُس وقت اجازتِ نکاح قرینہ سے پائی جاتی ہے گو کہ اب انکار کرتی ہے، لہٰذا ایسی صورت میں بموجب شرع شریف جو حکم صادر ہو فرمائیے کہ نکاح اول کا صحیح رہا یا دوسرے کا؟ کیونکہ بموجودگیِ ولی صرف رخصت کردینا اجازتِ نکاح ولی کی جانب سے کسی فضولی کو نکاح کرنے کے لیے کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ وہ نکاح یعنی نابالغی میں ہُوا تھا اور دُوسرا نکاح بالغ ہونے پر، اس پر عورت بھی راضی ہے۔

الجواب

جس نابالغ کا کوئی عصبہ ہو یعنی اُس کے دادا پردادا کی اولاد کا قریب تر مرد ہو وہ اس کے نکاح کا ولی ہے اُس کے ہوتے ماں کو بھی اختیار نہیں، وہ نکاح کہ لڑکے کے باپ نے پڑھوالیا اجازتِ ولی پر موقوف تھا، عصبہ ہو تو وہ ورنہ ماں اگر ولی کی اجازت ہوگئی تھی اور لڑکا اس کا کفو تھا یعنی مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن میں کسی بات میں ایسا کم نہ تھا کہ اس سے نکاح ولی کے لیے باعثِ ننگ وعار ہو تو نکاح پہلا صحیح ہوگیا اور دوسرا باطل ہے، ورنہ دوسرا صحیح ہوگیا اور پہلا باطل ہے لان البات اذا طرء علی موقوف ابطلہ (کیونکہ قطعی حکم جب موقوف حکم پر آجائے تو وہ موقوف کو باطل کردیتا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۵ تا ۱۰۶: مرسلہ عبدالسلام صاحب پوسٹ ماسٹر ڈاکخانہ دوسہ راج جے پور ۹ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین صورہائے مندرجہ ذیل میں:

(۱) لڑکی کے برس کی عمر میں بالغ شمار ہوتی ہے اگر بالغہ برضائے خود کسی کے ساتھ نکاح کرے تو وہ شرعًا درست ہے یا نہیں؟

(۲) زید نابالغ العمر ۱۱ سال جو ہندہ اور خالد کے حقیقی تایا کا لڑکا ہے وہ بولایت بکر کے جو زید کا چار پشت کے فاصلہ سے چچا ہوتا ہے ہندہ بعمر ۱۸ سال اور حقیقی برادر ہندہ سے خالد بعمر ۱۵ سال کے ولایت کا بمقابلہ ہندہ وخالد کے حقیقی نانی کے مدعی ہے۔ شرعًا زید کا یہ دعوٰی صحیح ہے یا نہیں یعنی ہندہ اور خالد کی ولایت اس صورت

حقیقی نانی کو پہنچتی ہے یا زید نابالغ تایا زاد بھائی کو یا بکر کو جو چار پشت کے فاصلہ سے چچا ہوتا ہے ؟

الجواب

(۱) لڑکی کم از کم نو برس میں اور زیادہ سے زیادہ پندرہ برس کی عمر میں بالغہ ہوتی ہے اس بیچ میں جب آثارِ بلوغ ظاہر ہوں بالغہ ہے ورنہ پندرہ سال پُورے ہونے پر حکمِ بلوغ دے دیا جائے گا اگرچہ آثارِ بلوغ کچھ نہ ظاہر ہوں ، بالغہ بے اذنِ ولی خود اپنا نکاح کر سکتی ہے مگر کفو میں ، یعنی جس سے نکاح کرے وہ مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن میں اس سے ایسا کم نہ ہو کہ اس کے ساتھ نکاح ہونا اس کے ولی کیلیے باعثِ ننگ و عار ہو ۔ اگر غیر کفو سے برضائے خود نکاح کرے گی اور ولی رکھتی ہے اور اس نے پیش از نکاح غیر کفو جان کر بالتصریح اجازت نہ دی تو نکاح اصلاً نہ ہوگا ، ہاں اگر کوئی ولی نہیں رکھتی یا ولی نے پیش از نکاح شوہر کو غیر کفو جان کر بالتصریح اجازت دی تو اس سے بھی نکاح صحیح ہوجائے گا ۔

(۲) خالدہ کی جب عمر پندرہ سال کامل ہے تو وہ شرعاً بالغ ہے اور اپنے نفس کا خود ولی ہے کسی ولی کا محتاج نہیں ، اور ہندہ کہ اٹھارہ سال عمر رکھتی ہے اس پر ولایت جبریہ کسی کو نہیں کہ خود بالغہ ہے اور ولایت غیر مجبرہ اُس کے بھائی کو ہے اُس کے ہوتے نانی یا بکر کوئی چیز نہیں ، اور زید نابالغ کو دوسرے کا ولی بنانا جنون ہے نابالغ کسی کا ولی نہیں ہوسکتا ، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۰۱ مرسلہ جناب ولی محمد صاحب بیتاب مدرس سررشتہ تعلیم ریاست ہلکر اندور بمبئی بازار

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ ایک کمسن لڑکی کا نکاح اُس کے دادا نے ایک نہایت ہی کمسن لڑکے زید سے کر دیا ، ہندہ اس وقت بالکل بالغہ ہے مگر زید نابالغ ، کم از کم پانچ برس اس کی بلوغت کو درکار ہیں ، ہندہ اور زید میں زن و شوہر کا تعلق ہونا کیا معنٰے بلکہ ہندہ کی آج تک اپنے میکہ سے رخصتی ہی نہیں ہُوئی ہے ، زید کے یہاں زید کے والد کی عین حیات سے جس کا انتقال یکایک ہوگیا اور گو مشتبہ مگر اب تک نامعلوم کسی نہ کسی وجہ سے اس سانحہ کی خبر زید کے چچا تک کو نہ دی گئی تھی ایک پردیسی نوجوان ملازم چلا آتا ہے زید کے والد مشتبہ جوانا مرگ کے بعد اس ملازم نے زید کے مکان میں وُہ رسوخ حاصل کیا کہ ہر سیاہ و سفید وہی کرتا ہے اور اس کے چوبیس گھنٹہ اس مکان میں رہنے سے جہاں کوئی دُوسرا بالغ مرد بطور رکن خاندان کے نہیں رہتا ہے زید کے خاندان کو ایک زمانہ حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور در پردہ موردِ اتہام ہے ۔ زید کے چچا نے سانحہ مذکورہ بالا سے متعجب ہوکر اس ملازم کے گزشتہ چال چلن کی نسبت جو تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ ابتداء سے یہ ایک آوارہ چلن شخص ہے حتی کہ اس کے والدین نے بھی اس کو مکان سے نکال دیا تھا اس کے بعد وہ عرصہ تک ناٹکوں میں ناچتا رہا گاتا بجاتا رہا ۔ اس تحقیق کے بعد متاثر ہوکر زید کے چچا نے جو زید کا جائز طور سے سرپرست ہے زید کی والدہ سے درخواست کی کہ اس

ملازم کو مکان سے علیحدہ کر دیا جائے، مگر زید کی والدہ نے یہ جواب دیا کہ ہرگز نہیں ہو سکتا چاہے کچھ بھی ہو، نہ ملازم مجھ سے نہ میں ملازم سے جُدا ہو سکتی ہُوں ۔ ان تمام وقوعات سے ہندہ بخوبی واقف ہے، وہ سسرال جانے سے خود کی عصمت دری اور آبروریزی کے خوف کے علاوہ اپنی جان معرضِ خطرہ میں سمجھتی ہے اس لیے سسرال ہرگز نہیں جانا چاہتی بلکہ اپنے خاندان کے حفظ آبرو کے لحاظ سے تفریق کے بعد دُوسرا نکاح کر لینا چاہتی ہے، اس صورت میں ہندہ کے لیے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

ہندہ کا باپ اگر نہیں اور دادا نے نکاح کر دیا اور ہندہ وقتِ نکاح نابالغہ تھی گو اب بالغہ ہے یا بالغہ تھی اُس سے اذن لے کر نکاح کیا یا بے اس کی اجازت کے نکاح کیا مگر بعد وصول خبر اس نے اجازت دی یا دادا آپ اذن لینے آیا تھا اور ہندہ نے سکوت کیا، تو ان سب صورتوں میں نکاح منجانب ہندہ لازم ہو گیا، اس کا فسخ ناممکن ہے، تفریق ہو تو موت یا طلاق سے، اور نابالغ کی طلاق باطل ہے، نہ اُس کی طرف سے اس کا کوئی ولی طلاق دے سکے ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بارہ برس ہُوئے کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہُوا لیکن ہندہ نے بوقتِ نکاح از بان سے ایجاب نہیں کیا تھا نہ انکار کیا بلکہ سکوت اختیار کیا، ایک دوسری عورت نے جو عروس کے پاس موجود تھی وکیل سے یہ کہہ دیا تھا کہ ہندہ منظور کرتی ہے ۔ ہندہ کا بیان ہے کہ اُس وقت میں بالکل خالی الذہن تھی نہ میرے دل میں اقرار تھا نہ انکار کا خیال بلکہ دوسرے خیالات رنج وغم ونئی زندگی شروع ہونے کے تردّدات میں مبتلا تھی، دریافت طلب یہ ہے کہ آیا یہ نکاح شرعًا درست ہُوا یا نہیں، تو زید وہندہ کو مواخذۂ عقبٰی سے بچنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ بینوا توجروا نیز عرض ہے کہ جواب جلد مرحمت ہو کیونکہ ہندہ مواخذۂ عقبٰی کے خیال سے نہایت خائف وترساں ہے، فقط۔

الجواب

ہندہ سے اذن لینے کون آیا تھا وہ سب سے قریب تر ہندہ کا ولی یا اُس ولی کا بھیجا ہُوا یا کون تھا؟ ہندہ کی رخصت ہوئی یا نہیں؟ قبل رخصت ہندہ کے کسی قول یا فعل سے اس نکاح کی خبر سُن کر اظہار رغبت یا نفرت ہُوا یا نہیں؟ ان تمام باتوں کی تفصیل پر جواب دیا جائے گا ان شاء اللہ تعالٰی۔

جواباتِ امورِ مستفسرہ

ہندہ کے والد کے چچازاد بھائی یعنی ہندہ کے رشتہ کے تایا اذن لینے گئے تھے، یہ یاد نہیں کہ اس وقت کس نے

انھیں اس کام پر متعین کیا تھا، بالعموم ایسے بزرگ خاندان جن سے لڑکی پردہ نہ کرتی ہو بھیجے جاتے ہیں، چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہُوا، ہندہ کا باپ اس شہر میں موجود نہ تھا اُس نے ہندہ کے ماموں کو اس نکاح کے مراسم و تقریبات ادا کرنے کے لیے بذریعہ خط مامور کیا تھا، یہ کہا جاسکتا ہے اذن لینے کے لیے ہندہ کے ماموں ہی نے وکیل کو متعین کیا ہوگا درحقیقت یہ یاد نہیں ہے، رخصت اس ہفتہ میں ہوگئی کوئی امر ہندہ کی رغبت و رضامندی کے خلاف نہ اس وقت نہ آج تک بارہ[۱۲] برس گزرنے کے بعد تک کوئی امر ایسا ظہور پذیر نہ ہُوا جس سے ہندہ کی نارضامندی ظاہر ہو بلکہ کمال اتحاد سے زن و شو بسر کرتے ہیں یہ سوال صرف ہندہ کے اس توہم کی بنا پر پیدا ہوا ہے کہ مبادا نکاح صحیح نہ ہوا ہو اور عند اللہ مواخذہ باقی رہے اس کا اطمینان مقصود ہے۔

الجواب

اگر صورتِ واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ ازانجا کہ اذن لینے والا ولی اقرب نہ تھا ہندہ کا سکوت اذن نہ ٹھہرے اور وہ نکاح نکاح فضولی ہُوا اور ہندہ کی اجازت پر موقوف رہا، مگر جبکہ پیش از رخصت ہندہ سے کوئی قول و فعل ایسا واقع نہ ہوا جس سے ہندہ کا اس نکاح سے ناراض ہونا سمجھا جاتا اور ہندہ برضا و رغبت رخصت ہو کر شوہر کے یہاں آئی تو وہ نکاح موقوف نافذ و تام ہوگیا، اس میں کوئی اندیشہ مواخذہ کا نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۹ تا ۱۱۱: از گونڈل کاٹھیاواڑ مسئولہ جناب سیٹھ عبدالستار بن اسمٰعیل رضوی تاریخ ۱۷ رجب ۱۳۳۴ھ روز شنبہ

(۱) یہاں پر یہ رواج ہو چلا ہے کہ وقتِ نکاح وکیل کے ہمراہ دو گواہ نہیں جاتے ہیں اور قاضی وکیل کی وکالت اور حاضرین کی شہادت سے نکاح پڑھا دیتا ہے آیا یہ امر عند الشرع محمود ہے یا مردود؟ نیز اس ترکیب سے مذہب حنفی میں نکاح صحیح ہوجائے گا یا نہیں؟ وکیل کو اپنے ساتھ دو گواہ کا رکھنا اور ان شاہدوں کو عورت کی اجازت سُننا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر اس طرح نہ کرکے بطریق ان مروجہ پر مدام عمل کرنے پر سب گنہگار رہیں یا نہیں؟

الجواب

وکیل کے ساتھ شاہدوں کی حاجت کچھ نہیں، اگر واقع میں عورت نے وکیل کو اذن دیا اور اُس نے پڑھا دیا نکاح ہوگیا، ہاں اگر عورت انکار کرے گی کہ میں نے اذن نہ دیا تھا تو حاکم کے یہاں گواہوں کی حاجت ہوگی، یہ تو کوئی غلطی نہیں، ہاں یہ ضرور غلطی ہے کہ وکیل ہوتا ہے کوئی اور، نکاح پڑھاتا ہے دُوسرا، مذہب صحیح و ظاہر الروایہ میں وکیل بالنکاح دوسرے کو وکیل نہیں کرسکتا، اس میں بہت دقتیں ہیں جن کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے، لہذا یہ چاہئے کہ جس سے نکاح پڑھوانا منظور ہے اُسی کے نام کی اجازت لی جائے یا اذن مطلق لے لیا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) نوشہ کا وقتِ نکاح سہرا باندھنا نیز باجے گاجے سے جلوس کے ساتھ نکاح کو جانا شرعاً کیا

حکم رکھتا ہے؟

الجواب

خالی پھولوں کا سہرا جائز ہے اور یہ باجے جو شادی میں رائج و معمول ہیں سب ناجائز و حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) ولیمہ شریف کا کھانا کھلانا شریعتِ مطہرہ کے کس حکم میں داخل ہے، اس کا تارک کیسا ہے؟ نیز جس شہر کے لوگوں میں سے کوئی بھی بعد نکاح ولیمہ نہ کرتا ہو بلکہ پہلے نکاح کے اول روز جس طرح کہ رواج ہے کھلا دیتا ہو تو ان سب لوگوں کے لیے شریعتِ نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حکم شریف کیا ہے؟

الجواب

ولیمہ بعد نکاح سنّت ہے اس میں صیغۂ امر بھی وارد ہے، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:

اولم ولو بشاۃٍ[1] ولیمہ کر اگرچہ ایک ہی دُنبہ یا اگرچہ ایک دنبہ۔ دونوں معنی محتمل ہیں اور اول اظہر تارکانِ سنت ہیں مگر یہ سُننِ مستحبہ سے ہے، تارک گنہگار نہ ہوگا اگر اُسے حق جانے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۲ از ضلع ہزاری باغ، ڈاک خانہ چترپور، مقام چترپور، مسئولہ محمد عبدالرب صاحب روز پنجشنبہ ۲۲ رجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین رحمہم اللہ تعالٰی اجمعین اس مسئلہ میں کہ زید کی بی بی نے بحالتِ شیرخوارگی اپنے بیٹے عمرو کے اندر مدت رضاعت بکر کو دودھ پلایا، بعدہٗ زید کی بی بی سے تین لڑکے مسمیان محمد سعید و محمد فاضل و محمد سلیم تولد ہوئے تو اب بکر کی لڑکی سے محمد سلیم جو برادرِ حقیقی عمرو کا ہے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ و بدرج عبارات کتب معتبرہ حنفیہ ارشاد ہو۔

الجواب

بکر کی لڑکی زوجہ زید کی اگلی پچھلی سب اولاد کی حقیقی بھتیجی ہے اور باہم مناکحت حرام قطعی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۳ مسئولہ جناب عبدالستار بن اسمٰعیل صاحب از شہر گونڈل، علاقہ کاٹھیاواڑ، یک شنبہ ۹ شعبان ۱۳۳۴ھ

بعض لوگ اپنی لڑکیاں اس ملک میں ہزار بلکہ ہزار روپیہ لے کر کفو یا غیر کفو سے نکاح کر دیتے ہیں اس میں بعض وقت عمر کا بھی خیال نہیں رکھتے، یعنی جو شخص زائد رقم دے اس سے نکاح کر دیتے ہیں، آیا ایسی رقم کا لینا والدین کے حق میں مباح ہے یا نہیں اگرچہ والدین غریب ہوں اور اس طرح پر رقم لے کر غیر کفو یا

---

[1] صحیح البخاری باب الصفرۃ للمتزوج قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۷۴-۷۵

بڑی عمر والے کے ساتھ نکاح کر دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

مال کے سبب اپنی اولاد کا نکاح غیر کفو سے اس کے حق میں بدخواہی ہے، اور یہ روپیہ رشوت میں داخل ہے، فتاوٰی خیریہ میں اس جزئیہ پر بحث فرمائی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۴: مسئولہ عابد خاں معرفت منشی خدا بخش صاحب ٹھیکیدار صدر بازار بریلی دوشنبہ ۱۰ شعبان ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس بارے میں کہ زید بکر کا چچا زاد بھائی ہے اور رضاعی بھی، زید کے صرف ایک حقیقی چھوٹا بھائی ہے، اور بکر کے ایک چھوٹا بھائی اور ایک بہن جو کہ حقیقی ہیں، اور بکر کی بہن دونوں بھائیوں سے چھوٹی ہے، تو زید کے چھوٹے بھائی کا نکاح بکر کی چھوٹی بہن سے جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ زید اور بکر آپس میں رضاعی بھائی ہیں۔

الجواب

بکر نے اگر زید کی ماں کا دودھ پیا ہے تو زید اور اس کا بھائی بکر کے بھائی ہوئے نہ کہ خواہر بکر کے، اور اگر زید نے بکر کی ماں کا دودھ پیا ہے تو زید خواہر بکر کا بھائی ہُوا نہ کہ زید کا بھائی۔ بہرحال زید کے بھائی اور بکر کی بہن میں نکاح جائز ہے لقولھم تحل اخت اخیہ رضاعًا (فقہاء کے قول کے مطابق بھائی کی رضاعی بہن حلال ہے۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۵ و ۱۱۶: مسئولہ عنایت حسین خاں محرر تھانہ دوسہ علاقہ ریاست جے پور ملک راجپوتانہ ۱۲ شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) کیا نابالغ لڑکی برضامندیِ خود اور خلاف مرضیِ ولی جائز کے اپنا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) بالغہ برضامندیِ خود اور خلاف مرضیِ ولی جائز کے اپنا نکاح غیر کفو میں کرے تو وُہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور اگر ولی نے قبل از نکاح غیر کفو میں نکاح کرنے سے منع کر دیا ہو اور پھر بھی کسی طرح پوشیدہ یا زبردستی کسی غیر کفو کے ساتھ لڑکی نے نکاح کر لیا ہو تو اس کے ولی کو اُس نکاح کے تنسیخ کا اختیار ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) ہرگز نہیں، ہاں ولی کے اذن سے کر سکتی ہے جبکہ سمجھ والی ہو یا بطور خود کرے اور ولی بعد اطلاع اسے جائز کردے تو جائز ہو جائے گا، رَد کردے تو باطل ہو جائے گا۔ درمختار میں ہے:

الولی شرط صحۃ نکاح صغیر[1] الخ اقول نابالغ کے صحتِ نکاح کے لیے ولی شرط ہے الخ اقول

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

الوجه تقدیر النفاذ فان الموقوف من الصحیح غیر انہ اراد بالصحۃ النفاذ علی التبادر۔ واللہ تعالٰی اعلم

اس کو درست کرنے کے لیے لفظ "نفاذ" مقدر ہے کیونکہ ولی کے بغیر نکاح موقوف ہوتا ہے جو کہ صحیح نکاح ہے مگر یہاں صحت سے مراد نفاذ ہے کیونکہ یہی متبادر ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۲) شرع میں غیر کفو وُہ ہے کہ نسب یا مذہب یا پیشے یا چال چلن میں ایسا کم ہو کہ اس کے ساتھ عورت کا نکاح اولیائے زن کے لیے باعثِ ننگ وعار ہو، ایسے شخص سے اگر بالغہ بطور خود نکاح کرلے گی نکاح ہوگا ہی نہیں اگرچہ نہ ولی نے منع کیا ہو نہ اس کے خلافِ مرضی ہو، یہ نکاح اُس صورت میں جائز ہوسکے گا کہ ولی نے پیش از نکاح اس غیر کفو بمعنی مذکور کی حالتِ مذکورہ پر مطلع ہوکر دیدہ ودانستہ صراحۃً بالغہ کو اس کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دے دی ہو، ان میں سے ایک شرط بھی کم ہو تو بالغہ کا کیا ہُوا وُہ نکاح باطل محض ہوگا اور ولی کو اس کے فسخ کرنے یا اس کا فسخ چاہنے کی کیا حاجت کہ فسخ تو جب ہو کہ نکاح ہولیا ہو، یہ تو سرے سے ہوا ہی نہیں۔ درمختار میں ہے:

یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

غیر کفو میں اصلاً نکاح کے ناجائز ہونے کا فتوٰی دیا جائے گا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

ہاں عوام کے محاورہ میں غیر کفو اسے کہتے ہیں جو اپنا ہم قوم نہ ہو مثلاً سیّد و شیخ یا شیخ اور پٹھان یا پٹھان اور مغل، ایسا غیر کفو اگر اس شرعی معنی پر غیر کفو نہ ہو تو بالغہ کا بے اذن ولی بلکہ بنا راضی ولی اُس سے نکاح کرلینا جائز ہے اور ولی کو اس پر کوئی حقِ اعتراض نہیں۔ درمختار میں ہے:

نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلارضی ولی[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم

عاقلہ بالغہ حرہ عورت کا نکاح ولی کی رضا کے بغیر بھی نافذ ہوتا ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۱: آگرہ چھاؤنی انجن گودام جی آئی پی ریلوے بابو محمد نیاز خاں اسٹورس کلرک روز چہارشنبہ ۳ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ

جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب کو بعد سلام سنّت اسلام ومحبت مشام آں کہ معلوم ہو کہ حضور کو میں تکلیف دیتا ہُوں کہ اس مسئلہ میں علماء کیا فرماتے ہیں میرے ایک عزیز کا عقد ایک مسماۃ کے ساتھ ہوا اور اُس مسماۃ کے والدین نے لڑکی کی رخصت ۵ ماہ کے بعد کی مگر اس درمیان میں ایک نقص مسماۃ کے، بعد ۳ ماہ کے خفیہ ظاہر ہُوا ہے کہ مسماۃ کو سفید کوڑھ و برص کہتے ہیں وُہ ہے، اور اس مسماۃ کے والدین سے دریافت

---

[1] و [2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

کرنے پر اب ظاہر کیا ہے کہ کچھ شکم کا داغ ہے، اوّل نکاح کے ظاہر نہ کیا۔ اگر مسماۃ کو رخصت کرکے نہ لایا جائے اپنے گھر پر، تو وُہ مہر کی مستحق ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور لڑکا اپنا خرچہ اس کے والدین سے لے سکتا ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب

نکاح صحیح و تام ہوگیا، دو باتوں سے ایک فرض ہے یا بھلائی کے ساتھ رکھنا یا اچھی طرح چھوڑ دینا۔ اگر قبلِ خلوت طلاق دی جائے گی آدھا مہر ساقط ہوجائے گا نصف واجب الادا ہوگا۔ شادی میں جو اُٹھا دیا، خرچ کردیا، اس کا تاوان کسی پر نہیں۔ ہاں جو زیور یا کپڑے چڑھاوے میں دیتے ہوں اور عورت کو اُن کا مالک کردینے کی وہاں رسم نہ ہو یہ تملیک نہ کبھی جاتی ہو نہ تملیک کی ہو تو اُن اشیاء کے واپس لینے کا شوہر کو اختیار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۸ از جبلپور پریس انجمن محمد یوسف یکشنبہ ۱۹ شوال ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین کہ ایک شخص حنفی المذہب نے اپنا نکاح قاضی شافعی المذہب یا اہلحدیث غیر مقلد سے بموجب قاعدۂ احناف پڑھوایا، پس اس کا نکاح جائز ہُوا یا نہیں؟ اور بصورت ناجائز ہونے نکاح حسبِ خیال مؤلف فتح المبین تجدیدِ نکاح کی ضرورت ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

اگر کوئی واقعی شافعی المذہب ہے تو شافعیہ مثل ہمارے اہلسنت ہیں اس میں تو کوئی حرج ہی نہیں جبکہ اس نے نکاح ایسے طور پر نہ پڑھایا ہو کہ وہ مذہبِ حنفی میں صحیح نہیں اور غیر مقلدین صرف تارکِ تقلید نہیں بلکہ ان کا مذہب بہت عقائدِ کفریہ پر مشتمل ہے جس کی قدرے تفصیل الکوکبۃ الشھابیہ میں ہے۔ نکاح پڑھوانا ایک تو بطورِ رسم ہوتا ہے جیسے نکاح خواں قاضی مقرر ہوتے ہیں یُوں پڑھوایا اور اس نے حنفی مذہب کے طور پر صحیح پڑھایا تو تجدیدِ نکاح کی حاجت نہیں، اور ایک نکاح پڑھوانا بطورِ تعظیم ہوتا ہے کہ اس کو معظم اور متبرک سمجھ کر اُس سے پڑھواتے ہیں، اگر یُوں پڑھوایا اور اس کو غیر مقلد نہ جانتا تھا کہ وہابیہ میں تقیہ بکثرت ہے تو یُوں بھی تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں جبکہ اُس نے صحیح طور پر پڑھایا ہو، اور اگر غیر مقلد جان کر اُسے معظم و متبرک سمجھا اور اس سے نکاح پڑھوایا تو نہ فقط تجدیدِ نکاح بلکہ تجدیدِ اسلام کی بھی حاجت ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۹ از راجپوتانہ کوٹہ محلہ رامپور متصل مسجد مومناں عبدالصمد ملازم بینڈ باجہ دوشنبہ شوال المعظم ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں، غیر مقلد شافعی ہیں یا نہیں؟ اور ہندہ بالغہ نو ماہ سے بیوہ ہے اور دو بچے بھی رکھتی ہے اپنے والدین کی بلا رضامندی و عدم موجودگی کے برضامندی و رغبتِ خود بلا خوف و ترغیب کے زید حنفی سے خود قاضی کے مکان پر جاکر بھراہی چند آدمی نکاح پڑھالیا۔ پھول و شیرنی و نئے کپڑے وغیرہ پہنے نہیں گئے، دو گواہ اور ایک وکیل اور قاضی نے ایجاب قبول ارکانِ نکاح پُورے طور پر ادا کرتے

کیا یہ نکاح ناجائز ہے؟ اور بعد نکاح زید ہندہ نے مثل زن وشوہر کے ہمبستری کی اور صرف تین دن ہندہ زید کے پاس رہی اور اب ہندہ نکاح سے منکر ہے اور اپنے بچاوے کے لیے کہتی ہے کہ غیر مقلد ہوں، اور شافعی مذہب میں بغیر ولی کے نکاح ناجائز ہے اس کے برخلاف قاضی و دو گواہ و وکیل حلفیہ نکاح ہونا بیان کرتے ہیں، قاضی حلفیہ یہ بیان کرتا ہے کہ ہندہ نے نکاح کے پیشتر اس کے دریافت کرنے پر کہا تھا کہ میں سنت جماعت یعنی حنفی ہوں، اس کا یقین ہونے پر قاضی نے نکاح پڑھایا، کیا ہندہ کا کہنا نکاح کے ناجوازی کے لیے صحیح ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

غیر مقلد شافعی نہیں بلکہ اہلِ بدعت واہوا و اہلِ نار ہیں۔ طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

فمن کان خارجا من ھؤلاء الاربعۃ فی ھذا الزمان فھو من اھل البدعۃ والنار[1] جو ان چار مذاہب سے خارج ہے اس دور میں تو وہ بدعتی اور جہنمی ہے (ت)

ہندہ نے جس سے نکاح کیا اگر وہ ہندہ کا کفو ہے یعنی مذہب نسب چال چلن پیشہ کسی بات میں ایسا کم نہیں کہ اس سے ہندہ کا نکاح اولیائے ہندہ کے لیے باعثِ ننگ و عار ہو تو بیشک نکاح صحیح و لازم ہوگیا، ہندہ کے انکار سے اب مٹ نہیں سکتا اگرچہ ہندہ واقع میں شافعیہ ہوتی۔ خلاصہ و درمختار میں ہے:

اذا سئل ماقول الشافعی فی کذا وجب ان یقول قال ابوحنیفۃ کذا[2] واللہ تعالٰی اعلم۔ جب حنفی سے سوال کیا جائے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کا اس مسئلہ میں قول کیا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول بتائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲: از ضلع پرتاب گڑھ مانک پور ظہور حسام چہار شنبہ ۲۲ شوال ۱۳۳۴ھ

زید محض غریب آدمی ہے جائداد وغیرہ کچھ نہیں رکھتا صرف پیشہ طبابت وغیرہ سے کام چلتا ہے اپنی لڑکی کی شادی کرنا چاہتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مہر سوا لاکھ روپے سے کم نہ ہوگا، عمرو جس کو لڑکی منسوب ہے وہ اس سے بھی زیادہ غریب ہے، غربت کی وجہ سے عمرو اس قدر دین منظور نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میں محض غریب آدمی ہوں سوا لاکھ روپیہ میں نے کبھی دیکھا بھی نہیں ہے، اس قدر مہر میں ہرگز قبول نہ کروں گا۔ غرضیکہ دریافت طلب یہ امر ہے کہ زیادتی اگرچہ غیر مستحسن ہے لیکن حیثیت کا کچھ لحاظ رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟ شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام نے حیثیتِ زوج کا کچھ لحاظ کیا ہے ایسی صورت میں کہ عمرو کی حیثیت سے کہیں زیادہ ہے نکاح سوا لاکھ مہر پر کیسا ہوگا اور اگر ہوگیا تو حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ اگر مہر ادا کرنے کی نیت نہ ہُوئی تو زنا ہوگا اور لڑکے حرامی، اس کے خلاف ہوگا یا نہیں؟ اور نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟ فقط

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الذبائح دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۳
[2] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۶

الجواب

حیثیت کالحاظ رکھنا مناسب ہے مگر نکاح ہر طرح ہو جائے گا اگرچہ نان شبینہ کے محتاج پر تمام خزائنِ دنیا کے برابر مہر باندھا جائے مہر نکاح میں اصل نہیں ولہذا نفی مہر کے ساتھ بھی نکاح صحیح ہے مہر مثل لازم ہوگا اور جب رقم معیّن کردی اگرچہ کسی قدر کثیر تو وہ ضرور ذمہ پر لازم ہوگی انسان اگرچہ بادشاہ ہفت اقلیم ہو اس کی حیثیت محدود ہے ذمّہ کی وسعت محدود نہیں اگرچہ محتاج محض ہو۔ حدیث میں فرمایا: المال غاد و رائح (مال صبح وشام آنے جانیوالی چیز ہے۔ ت) وہ کہ جنھیں روٹی نصیب نہ تھی آنکھوں دیکھتے والیِ ملک ہوگئے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ طرفین اُسے دین سمجھیں اور شوہر نیت ادا رکھے۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ محض مفلس تھے، نکاح کیا، مہر کثیر کی درخواست کی گئی، قبول فرمائی اور فرمایا: علی اللہ وعلی رسولہ المعال اللہ اور اس کے رسول پر بھروسہ ہے یعنی وہ عطا فرماویں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ خود قرآن عظیم فرماتا ہے:

ولو انہم رضوا ما اٰتٰہم اللہ ورسولہ وقالوا حسبنا اللہ سیؤتینا اللہ من فضلہ ورسولہ انا الی اللہ راغبون[1]

اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ راضی ہوتے اللہ و رسول کے دیے پر، اور کہتے اللہ ہمیں کافی ہے اب ہمیں دیتے ہیں اللہ و رسول اپنے فضل سے، بیشک ہم اللہ ہی کی طرف رُوئے نیاز لاتے ہیں۔

ایسی حالت میں کوئی الزام بھی نہیں بلکہ نکاح نیتِ صحیحہ اور حاجتِ صادقہ کے ساتھ کیا گیا ہے تو حسبِ وعدہ صادقہ حدیث صحیح اللہ عزوجل اس دین کا ضامن ہے، امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک بار خطبہ میں مغالاۃ فی المھور یعنی حیثیت سے زیادہ مہر باندھنے پر انکارِ شدید فرمایا، حاضرین میں سے ایک بی بی انھیں آیہ کریمہ اٰتیتم احدٰہن قنطارا[2] (تم ان عورتوں کو ڈھیر مال دیتے ہو۔ ت) تلاوت کی جس میں سونے کا ڈھیر عورت کے مہر میں مقرر کرنا جائز فرمایا گیا فوراً امیر المومنین نے انکار سے رجوع فرمائی اور بکمال تواضع فرمایا:

اللھم کل احد افقہ من عمر حتی المخدرات فی المحال[3]

اے اللہ! عمر سے ہر ایک زیادہ فقیہ ہے حتی کہ پردہ دار عورتیں بھی۔ (ت)

ہاں یہ ناجائز ہے کہ مہر باندھے اور ادا کی نیت نہ ہو اگرچہ اس کی حیثیت سے کتنا ہی کم ہو، اسی کو حدیث میں

---

[1] القرآن ۹/ ۵۹

[2] القرآن ۴/ ۲۰

[3] سنن الکبرٰی للبیہقی باب لاوقت فی الصداق الخ دار صادر بیروت ۷/ ۲۳۳

فرمایا ہے کہ وہ حشر میں زانی وزانیہ اٹھائے جائیں گے۔ یہ اس حدیث میں بھی نہیں کہ وہ شرعاً زانی زانیہ ہیں اور اولاد حرامی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۱: از بریلی محلہ ذخیرہ چہارشنبہ ۲۲ شوال ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو آپس میں حقیقی بھائی ہیں، زید کے لڑکے نے زوجۂ عمرو کی چھاتی اتفاقیہ درآنحالیکہ وہ سورہی تھی اور چار پانچ ماہ کی نو حاملہ بھی تھی یعنی پہلا حمل تھا اپنے منہ میں لے لی، زوجۂ عمرو کا بیان ہے کہ جس وقت میری آنکھ کھُلی تو میں نے لڑکے کو دیکھا کہ میری چھاتی اپنے منہ میں لیے ہُوئے اس طرح مُنہ چلا رہا ہے جیسے بچے دُودھ پیتے ہیں، مجھ کو نہیں معلوم کہ میرے اُس وقت دُودھ تھا یا نہیں، یا مجھ کو کوئی اثر دُودھ کا معلوم ہوا یا نہیں، میں نے لڑکے کو فوراً اپنی چھاتی سے علیحدہ کردیا اس واقعہ کو عرصہ قریباً سترہ اٹھارہ سال کا ہُوا اُس صورت میں ازرُوئے شرع زید کے لڑکے مذکور کا عمرو کی کسی لڑکی کے ساتھ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور نیز یہ کہ یہ مدت قلیل حمل کی عورت حاملہ کے اُتر آنے دُودھ کی ہے یا نہیں؟ زوجۂ عمرو کی عمر اُس وقت چوُدہ سال اور زید کے لڑکے کی عمر ایک سال کی تھی۔ بینوا توجروا

الجواب

جب تک دُودھ کا کوئی قطرہ جوف میں جانا معلوم وثابت نہ ہو حرمت ثابت نہ ہوگی، درمختار میں ہے:

یثبت بہ ان علم وصولہ بجوفہ من فمہ او انفہ لاغیر فلو التقم الحلمۃ ولم یدر ادخل اللبن فی حلقہ ام لا لم یحرم لان فی المانع شکا ولوالجیۃ۔[1]

اس سے ثابت ہوا کہ دُودھ کا حلق یا ناک کے ذریعہ پیٹ میں پہنچنے کا علم ہو، اس کے بغیر نہیں، اور اگر بچے نے پستان کا سر منہ میں ڈالا اور یہ معلوم نہ ہوسکا کہ بچے کے حلق سے دُودھ اُترا یا نہیں تو حرمت ثابت نہ ہوگی کیونکہ نکاح سے مانع میں شک پایا گیا، ولوالجیہ (ت)

دُودھ اُتر آنے کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں، عورت کے مزاج کی قوت اور خون کی کثرت پر ہے، کبھی بعد ولادت بھی نہیں اُترتا اور کبھی کنواری کے اُتر آتا ہے۔ درمختار میں ہے:

الرضاع المص من ثدی اٰدمیۃ ولو بکرا۔[2]

عورت خواہ باکرہ ہو، کے پستان کو چوسنا رضاع کہلاتا ہے (ت)

---

[1] درمختار باب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۲۱۲/۱

[2] ؎ ؎ ؎ ؎

یہ معاملہ عمر بھر کے حلال حرام اور اولاد کے حلالی اور حرامی ہونے کا ہے، عورت پر فرض ہے کہ جو بات واقعی ہو ظاہر کردے اخفاء نہ کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲ تا ۱۲۷ مسئولہ محمد اسحاق صاحب بر مکان قادر بخش دفعدار محلہ شاگرد پیشہ ریاست جاورہ ملک مالوہ چہارشنبہ ۲۹ شوال ۱۳۳۴ھ

مخدوم و مکرم جناب مولٰنا مفتی احمد رضا خاں صاحب دام مجدہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، التماس ہے کہ میں حضور عالی کو امورِ ذیل کے لیے تکلیف دیتا ہوں اُمید ہے کہ معاف فرمادیں گے۔ مسماۃ ہندہ کا نکاح بعمر گیارہ سال سوتیلے والد کی اجازت سے زید کے ہمراہ ہُوا، بعد نکاح ہندہ چند یوم زید کے گھر رہ کر والدین کے گھر چلی آئی اور وہاں سے بغیر اجازتِ زید ہندہ والدین کے ہمراہ چالیس کوس دُور جاکر سکونت اختیار کی اور قریبًا ایک سال ہندہ کو اپنے والدین کے گھر رہتے ہُوئے ہوگیا زید نے اب آن کر رخصت زوجہ کا دعوٰی کیا چونکہ اب ہندہ تیرھویں سال میں ہے اور اپنا بالغہ ہونا کہتی ہے اور بوقتِ نکاح نابالغہ تھی نکاح فسخ کرنا چاہتی ہے کہ میں نابالغہ تھی اور میرا نکاح سوتیلے والد کی اجازت سے ہوا میں فسخ کراؤں گی ایسی صورت میں شرع شریف کیا حکم دیتی ہے؟

الجواب

سائل کو چند امور کا جواب دینا چاہیے:

(۱) ہندہ کا کوئی ولی ہے یا نہیں؟ مثلاً جوان بھائی یا چچا یا چچا کا بیٹا یا دادا یا پردادا کی اولاد میں کوئی مرد؟

(۲) اگر ہے تو وہ وقت پر موجود تھا یا نہ تھا، اگر تھا تو خبرِ نکاح سُن کر کچھ بات کی یا نہیں؟ اور اگر کی تو کیا کہا؟

(۳) ہندہ کس مہینے اور وقت میں بالغہ ہوئی، کیا گھنٹہ منٹ تھا؟

(۴) وُہ کب سے دعوٰی فسخ کرتی ہے، اس کو کتنے دن ہوئے، کس مہینے تاریخ وقت میں اس دعوٰی کا لفظ مُنہ سے نکلا؟

(۵) جس سے نکاح ہوا وہ مذہب، نسل، چال چلن، پیشہ میں موافق ہے یا کم وبیش ہے تو کیا اور کس قدر؟

(۶) ہندہ کا نکاح یا رخصت اس کی ماں کی مرضی سے ہُوئی یا بلا مرضی؟

ان سوالوں کا جواب آنے پر جواب دیا جائے گا۔

جوابِ سوالات

(۱) ہندہ کا کوئی ولی مرد جیسا ارشاد ہُوا زندہ نہیں۔ ازواج میں ماں ہندہ کی حیات ہے۔

(۲) اس وقت کوئی زندہ نہ تھا۔

(۳) ہندہ یکم شوال ۱۳۳۴ھ روز سہ شنبہ کو بالغہ ہوئی بوقتِ ظہر قریب ڈھائی بجے کے، گھڑی نہ تھی کہ منٹ دیکھے جاتے۔

(۴) بالغہ ہونے کے دن یعنی یکم شوال ۱۳۳۴ھ روز سہ شنبہ تین بجے دعوے کا لفظ مُنہ سے نکلا۔

(۵) زید مذہب میں اہل سنت حنفی مسلمان ہے۔ نسب اچھا ہے، پٹھان، اور چال چلن اور پیشہ میں بھی موافق۔

(۶) ہندہ کا نکاح سوتیلے والد کی اجازت سے ہوا و نیز رخصت، حالانکہ ماں کی مرضی نہ تھی مگر خاوند کے کہنے سے اور زبردستی سے۔

الجواب

اگر یہ بیانات واقعی ہیں اور ہندہ کی ماں نے کہ صورت مذکورہ میں وہی ولی شرعی ہے اس کے نکاح کی اجازت نہ دی، نہ بعد کو جائز کرنے کا کوئی لفظ کہا، نہ کوئی فعل ایسا کیا کہ دلیلِ اجازت ہو تو یہ نکاح نکاحِ فضولی ہوا' اور والدۂ ہندہ کی اجازت پر موقوف تھا، اگر قبلِ بلوغِ ہندہ اس کی والدہ نے اس نکاح سے ناراضی اور اُس پر انکار ظاہر کر دیا تو جبھی وُہ نکاح باطل ہوگیا، اب ہندہ کو طلبِ فسخ کی حاجت نہیں، اور اگر والدۂ ہندہ اب تک ساکت رہی تھی انکار نہ کیا تھا اگرچہ ناراض تھی تو ہندہ کے بالغہ ہوتے ہی وہ نکاح موقوف، اب خود اس کی اجازت پر موقوف ہوگیا جب اُس نے اُس پر ناراضی ظاہر کی باطل ہوگیا، اور کسی دعوے کی ہندہ کو حاجت نہیں، اور اگر والدۂ ہندہ قبلِ بلوغِ ہندہ اُسے قولاً یا فعلاً جائز کر چکی تھی اور وُہ جائز کرنا شوہر کے جبر و اکراہِ شرعی سے تھا جب بھی ظاہر یہی حکم ہے کہ وُہ اجازت اجازت نہ ہُوئی، اور اگر بلحاظ شوہر تھا اگرچہ خود ناراض تھی تو اجازت یقیناً صحیح ہوگئی اور نکاح نافذ ہوگیا، اب ہندہ کو صرف خیار بلوغ رہا اس لیے کہ حسبِ بیانِ سائل شوہرِ ہندہ ہندہ کا کفو ہے، اس صورت میں ہندہ کو بالغ ہوتے ہی فوراً دعوٰی فسخ کرنا تھا اس نے بالغہ ہونے کے آدھے گھنٹے بعد دعوٰی کیا تو یہ دعوٰی نامسموع ہے اور نکاح لازم ہوچکا، اب ہندہ کے لیے اس میں کوئی چارۂ کار نہیں وبعید غایۃ البعد انہا لم تعلم بالنکاح الا بعد البلوغ حین ادعت الفسخ (یہ انتہائی بعید ہے کہ کسی لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد دعوٰیِ فسخ کے وقت ہی نکاح کا علم ہوا ہو۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۸ مسئولہ عبدالعزیز صاحب جمعدار انجنیری کوٹہ راجپوتانہ نیا پورہ چہار شنبہ ۱۹ ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ

قاضیِ شہر کے علاوہ اگر کوئی دوسرا شخص پابندِ شریعت شرع شریف کے مطابق نکاح پڑھا دے یا دیگر مسلمان نکاح پڑھا دے اور اس کا اندراج رجسٹرِ قاضیِ شہر میں نہ ہو تو کیا وُہ ناجائز ہے؟ اس کا جواب بھی دیجئے، فقط۔

18
18

الجواب

یہ نکاح خواں قاضی نہ شرعاً ضرور ہیں نہ اُن کے رجسٹر کی شرعاً حاجت، ہاں اندراج میں مصلحت ہے باقی جس سے چاہیں پڑھوائیں کوئی روک نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۹ از کوہ شملہ ولیر نگل لاج مرسلہ کفایت حسین صاحب روز یک شنبہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

مخزنِ علوم، معدنِ فنون، علمائے دین شرع متین، جناب مولوی صاحب قبلہ دام ظلکم یہ مسئلہ حضور کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے کہ خالہ زاد دو بھائی ہیں، ایک کی بی بی دوسرے بھائی کے لڑکے سے یعنی اپنے بھتیجے سے فعل ناجائز کرتی تھی سامنے شوہر کے، جبکہ شوہر فوت ہوگیا تو اسی بھتیجے کے ساتھ عقد کرلیا تو وہ عقد جائز ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب

شوہر کے بھتیجے سے بعد وفاتِ شوہر و انقضائے عدت نکاح جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۰ از کاٹھیاواڑ مقام اڑتیاں مرسلہ امین احمد صاحب پنجشنبہ ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

ایک شخص نے نکاح کیا، اس کا ارادہ یہ ہے تھوڑی یا زیادہ مدت بعد اس کو طلاق دے دے گا، یہ نکاح ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر نکاح میں کسی مدت کی قید نہ لگائے صرف دل میں ارادہ ہو کہ سال بھر یا ایک مہینے یا ایک ہی دن کے بعد طلاق دے دوں گا تو نکاح میں کوئی حرج نہیں، ہاں بلاوجہ بے سبب محض طلاق دینا منع ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۱ مرسلہ حاجی سید نعیم الدین صاحب مقام امام گنج ڈاک خانہ سندر گنج ضلع رنگپور بنگال ۲ صفر ۱۳۳۵ھ

کیا ارشاد فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی یتیمہ مظلومہ مسماۃ بہ الف بعمر صغیرہ نابالغہ ۱۱ یا ۱۲ سال کی اس کے چچا حقیقی کی عین موجودگی میں قہراً و جبراً اہل قریہ بطمع رشوت ایک عمر رسیدہ شخص سے یتیمہ الف کا عقد و نکاح کر دیا اور چچا حقیقی یتیمہ کا بخیال فتنہ منع کرنے سے قاصر رہا اور لڑکی یتیمہ سے بھی جبراً اذن لیا اور لڑکی قبل سے انکار کرتی تھی اور بوقت اذن بھی انکار کرتی رہی لہٰذا آج تک انکار کرتی ہے بعد عقد و نکاح چھ ماہ کے درمیان کئی بار مصنوعی شوہر کے مکان پر آمد و رفت کیا لیکن جبراً، لہٰذا ایک وقت کچھ کھا کر مرنے پر آمادہ ہوگئی تھی اس وجہ سے وارثان مظلومہ رخصتی کرا کے اس کے نانا کے مکان مقیم کیا ہے عرصہ چار سال سے زیادہ ہوا اور اس وقت عمر لڑکی الف کی قریباً ۱۶ یا ۱۷ سال کی ہے اور ایک سال سے بالغ کامل ہے اب

شخص عاقد وعقد وہندہ وارثان الف پرمستعد شر ہے اور رخصتی چاہتا ہے، لڑکی جانے سے انکار کرتی ہے، احتمال ہے رخصتی کرنے سے لڑکی جان بہلاک ہو، اس لیے دست بستہ عرض ہے کہ یہ ولایت واذن یتیمہ کا صحیح ہُوا یا نہیں، اور عقد ونکاح صحیح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسے عاقد وعقد وہندہ وعقد پڑھانے والوں پرکچھ حدشرع ہوسکتا ہے یا نہیں؟ امید کہ فی سبیل اللہ یتیمہ مظلومہ پر رحم فرمایا جائے، اور ان سب امور وں کی بشرطِ توفیق رفیق، تحقیق تحقیق خلاصہ بیان، قابلِ اطمینان، جواب باصواب صاف صاف مفصل بعبارت اردو مدلل بدلائل شرعیہ احمدیہ حنفیہ مزین بمہرودستخط تحریر صحیح عنایت فرماکر ممنون ومشکور فرمایا جائے، اور کارِ خیر وثواب عظیم میں داخل ہوجائیے، اور مجھ کو معصیت سے نجات دلائیے۔ بیّنوا توجروا

الجواب

حقیقت کا علم اللہ عزّوجل کو ہے، اگر یہ بیان واقعی ہے کہ الف اس وقت نابالغہ تھی اور اس کے چچا نے نہ اُس وقت اجازت دی نہ اُس سے پہلے، نہ خبرِ نکاح سُن کر کوئی قول وفعل دلیلِ اجازت اُس سے صادر ہوا اور الف کی رخصت اور چند بار شوہر کے یہاں جانا، یہ بھی اس کی بلا اجازت کے ہو، اور اُس وقت تک اُس نے کوئی کلمہ اُس نکاح کے رَد کا بھی نہیں کہا، نہ الف کے ہنوز کوئی اولاد ہوئی، تو ان سب شرائط کے ساتھ وہ نکاح الف کے بالغہ ہونے تک چچا کی اجازت پر موقوف تھا اور بعد بلوغ الف خود الف کی اجازت پر موقوف ہُوا، اب اگر یہ بیان واقعی ہے کہ بعد بلوغ الف سے کوئی قول وفعل مثبت اجازت صادر نہ ہُوا بلکہ اُسے اس نکاح پر انکار رہے تو ناراضی ظاہر کرتے ہی وُہ نکاح کہ موقوف تھا رَد ہوگیا، الف کو اختیار ہے کہ بعد عدت جس سے چاہے نکاح کرلے اگر خلوتِ صحیحہ واقع ہوچکی ہو جیسا کہ عبارتِ سوال سے ظاہر ہے، اور اگر خالی جانا آنا ہُوا اور ایک مکان میں تنہا تھوڑی دیر کے لیے بھی نہ ہُوئے تو عدت کی بھی حاجت نہیں، اور عاقد اُسے اگر اپنے تصرف میں لایا تو شرائط مذکورہ کے ساتھ مرتکبِ حرام ہُوا کہ نکاح موقوف میں قبلِ اجازت وطی حرام ہے اور وہ وطی کہ الف کی نابالغی میں واقع ہوئی دلیلِ اجازت نہیں ہوسکتی اگرچہ اس کی اجازت سے ہو، عقد پڑھانے والا اگر اس بدنیتی میں شریک تھا تو وُہ بھی گنہگار ہے ورنہ عقدِ موقوف فی نفسہٖ جُرم نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۲: مرسلہ حاجی ولد میاں صاحب از ضلع گونڈا ریاست بلرام پور بازار چوک ۸ صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے ہندہ سے جو زنا سے حاملہ تھی دیدہ ودانستہ حالتِ حمل میں نکاح کیا، بعد اُس کے چند آدمیوں نے مجبور کرکے ایک جلسہ میں تین طلاقیں دلوادیں، یہ نکاح اور طلاق جائز ودرست ہُوا یا نہیں؟ برتقدیر اول وضع حمل کے بعد جدید نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

جو عورت معاذ اللہ زنا سے حاملہ ہو اس سے نکاح صحیح ہے خواہ اس زانی سے ہو یا اس کے غیر سے۔ فرق اتنا ہے کہ زانی جس کا حمل ہے وہ اس سے قربت بھی کرسکتا ہے اور غیر زانی اگر نکاح کرے تو تا وضع حمل قربت نہیں کرسکتا، لئلا یسقی ماءہ زرع غیرہ[1] درمختار، وصح نکاح حبلی من زنا[1] تنویر الابصار۔ تاکہ دوسرے کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب نہ کرے، درمختار۔ زنا سے حاملہ کا نکاح صحیح ہے، تنویر الابصار (ت)

عدت زنِ شوہر دار پر ہوتی ہے، جب شوہر مرے یا طلاق دے اور ذات زوج کا حمل زوج ہی کا ٹھہرتا ہے قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: الولد للفراش وللعاھر الحجر[3] (بچے کا نسب نکاح والے کے لیے ہے زانی کو محرومی ہے۔ ت) آیہ کریمہ میں اولات الاحمال سے یہی مراد ہے صدر کلام میں خاص صورت طلاق ارشاد ہوئی ہے اور اسی کی تفصیل فرمائی گئی ہے،

یایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ[4]۔ اے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عورتوں کو طلاق دیتے وقت ان کی عدت کا پاس کرو اور عدت کا شمار کرو (ت)

حدیث مذکور بطلان نکاح حبلی من زنا پر ہرگز دلیل نہیں بلکہ اگر دلیل ہے تو صحتِ نکاح پر کہ فرمایا فرق بینھما مھذا ممکن ہے کہ وہ تفریق ارشاد ہوئی یعنی ایسی عورت رکھنے کے قابل نہیں، غرض صورت مستفسرہ میں عورت کا نکاح بیشک صحیح تھا اب اگر یہ شخص اس سے قربت کرچکا اس کے بعد طلاق دی، یا قربت نہ کی تھی تو ایک لفظ میں تین طلاقیں دیں، مثلاً یہ کہ تُو تین طلاق سے مطلقہ ہے، تو ان دونوں صورتوں میں طلاق مغلظہ ہوگئی اور بغیر حلالہ اس سے نکاح نہیں کرسکتا، اور اگر ہنوز قربت نہ کی تھی اور متفرق لفظوں میں تین طلاقیں دیں مثلاً تجھ پر طلاق ہے طلاق ہے تو طلاق بائن ہُوئی مغلظہ نہ ہُوئی بے حلالہ اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۳ - ۱۳۴: مرسلہ الف خاں صاحب مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ سانگو ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۲۳ صفر ۱۳۳۵ھ

(ا) یہ کہ بیوگان کا عقد مابین ایام عدت سہواً ہوجائے تو یہ درست ہے کہ نہیں یا بعد گزرجانے ایام مذکورہ

۱؎ درمختار شرح تنویر الابصار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹

۲؎ ؍؍ ؍؍ ؍؍

۳؎ صحیح مسلم باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۷۰

۴؎ القرآن ۶۵/۱

نکاح کیا جائے تو اس میں کس کی اجازت درکار ہوگی، عورت خود اپنے اختیار سے نکاح پڑھ سکتی ہے یا اس کے رشتہ دار یا کسی اور شخص موجودہ کی اجازت درکار ہوگی۔

(۲) ایسی عورت جس کا خاوند مرجائے اُس کا نکاح اس کے جیٹھ سے ہوسکتا ہے یا نہیں اور وہ کیسی حالت میں اور کس وقت کن شرائط پر۔

الجواب

(۱) عدت میں نکاح باطل وحرام محض ہے سہواً ہو خواہ قصداً رہا، بعد عدت اگر عورت نابالغہ ہے تو اجازتِ ولی مطلقاً درکار ہے، اور اگر بالغہ ہے تو دو صورتیں ہیں جس سے نکاح کیا چاہتی ہے اگر وہ اس کا کفو ہے یعنی مذہب نسب چال چلن پیشہ کسی بات میں ایسا کم نہیں کہ اُس سے اُس کا نکاح اس کے اولیاء کے لیے باعثِ ننگ و عار ہو جب تو یہ خود اختیار رکھتی ہے اجازتِ ولی کی حاجت نہیں، اور اگر غیر کفو ہے اور عورت کا کوئی ولی شرعی نہیں جب بھی اسے اپنے نفس کا اختیار ہے، اور اگر ولی شرعی ہے مثلاً بیٹا یا باپ یا دادا پر دادا کی اولاد کا کوئی مرد بترتیب فرائض تو جب تک وہ پیش از نکاح اسے غیر کفو جان کر اُس نکاح کی اجازت صراحۃً نہ دے گا عورت کے کئے نکاح نہ ہوسکے گا باطل محض ہوگا،

یفتی فی غیرالکفو بعدم جوازہ اصلا بہ یفتی لفساد الزمان[1] درمختار۔	فسادِ زمان کی وجہ سے غیر کفو میں اصلاً نکاح نہ ہونے کا فتوٰی دیا جائے گا، درمختار (ت)

(۲) بعد عدت جیٹھ سے نکاح جائز ہے جبکہ کوئی مانع مثل رضاعت یا مصاہرت یا جمع محارم نہ ہو اور نکاح کی وہی شرطیں ہیں جو ابتدائی نکاح میں ہوتی ہیں کوئی نئی شرط نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۵ از بلاسپور، سی پی، مرسلہ جناب حاجی دم٘ن حاجی یعقوب صاحبان ۱۶ شعبان ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں بعض علماء کہتے ہیں اگر جلسہ منگنی میں ایجاب وقبول ہوں تو بھی نکاح ہوگا اور شرط نکاح پائی گئی تو وہی جلسہ جلسۂ نکاح ہوگا جیسا کہ درمختار[عہ] وغایۃ الاوطار میں ہے، اور بعض مولوی کہتے ہیں وہ جلسہ جلسۂ نکاح نہ ٹھہرے گا

عہ درمختار میں ہے: کذا انا متزوجک او جئتک خاطبا[2] (یونہی اگر کہا: میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، یا میں تجھے نکاح کا پیغام دینے آیا ہوں۔ت)، غایۃ الاوطار میں ہے: "اس وعدے سے نکاح صحیح ہوجائے گا کہ مول چکانا نکاح میں رائج نہیں[3]۔" ۱۲ (م)

---

[1] درمختار | باب الولی | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۹۱

[2] درمختار | کتاب النکاح | " | ۱/ ۱۸۵

[3] غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار | " | نولکشور لکھنؤ | ۲/ ۴

اور الفاظ ایجاب وقبول وشواہد اس جلسہ منگنی میں غیر معتبر ہوگا، کون فریق حق پر ہے اور بر تقدیر قول بعض مولوی صاحب اس عبارتِ خلاصہ[عہ] کے کیا معنے ہوں گے۔

الجواب

عبارتِ خلاصہ کو اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں وہ اس امر میں ہے کہ ایجاب اگر نامتعین کے لیے واقع ہُوا تو وہ نکاح صحیح نہیں اور متعین کے لیے واقع ہُوا تو صحیح، اور اس مسئلہ میں حکم یہ ہے کہ ان الفاظ کو دیکھا جائے اگر وہ ایجاب وقبول کے لیے متعین ہیں تو نکاح ہوجائے گا اگرچہ جلسہ منگنی کا ہو اور اگر خطبہ وعقد میں متردد ہیں تو جلسہ کا اعتبار رہے گا، جلسہ منگنی کا ہے تو منگنی ٹھہرائیں گے اور نکاح کا ہے تو نکاح۔ درمختار میں ہے:

وکذا ھل اعطیتنیہا ان المجلس للنکاح فنکاح وان للوعد فوعد[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

یوں ہی کہا "کیا تُو نے اپنی لڑکی مجھے دی" نکاح کی مجلس میں نکاح اور وعدہ کی مجلس میں وعدہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۶: مرسلہ محمد اقبال و نور محمد صاحبان امام مسجد تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ ۹ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین رحمہم اللہ تعالٰی مفصلہ ذیل میں، ایک لڑکے کی ایک جگہ منگنی ہوئی تھی نکاح سے پیشتر کچھ عرصہ کے بعد لڑکے اور لڑکی کے والدین کے درمیان کسی خانگی امر کی وجہ سے ناموافقت پیدا ہوگئی جس سے لڑکی والے نکاح دینے سے منکر ہوگئے لڑکے کے والد نے کسی طرح لڑکی کو ورغلا کر چوری بوقت رات لڑکی کے میکے سے

عہ عبارت خلاصہ کی یہ ہے:

ابو الصغیرۃ اذا قال زوجت بنتی فلانۃ من ابن فلان بکذا وقال فلان قبلت لابنی ولم یسم الابن ان کان لہ ابنان او اکثر لایجوز وان کان لہ ابن واحد صح[2] ۱۲ (م)

نابالغہ کے باپ نے جب کہا میں نے اپنی بیٹی فلانی، فلاں کے بیٹے کو اتنے مہر میں دی، اس کے جواب میں دوسرے نے کہا میں نے اپنے بیٹے کے لیے قبول کی اور بیٹے کا نام ذکر نہ کیا، تو اگر اس کے بیٹے زیادہ ہوں تو نکاح نہ ہوگا، اور اگر ایک ہی بیٹا ہو تو نکاح صحیح ہوگا۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۵

[2] خلاصۃ الفتاوٰی " مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۵

نکال لیا اور فرار کرکے لے آیا۔ لڑکی چونکہ بالغ ہے اُس نے خود بخود شہر گوجرانوالے جاکر باوجود لڑکی کے والدین کی نارضامندی اور عدم موجودگی کے اپنے لڑکے سے نکاح کرالیا۔ اس سے طرفین میں بہت سا فساد برپا ہوگیا جس کی نوبت کچہریوں تک پہنچی۔ یہ امر دینی مصلحت کے برخلاف ہوتا ہے۔ امید ہوسکتی ہے کہ ایسی دست درازی آئندہ بھی ایسی کارروائیوں اور فتنوں کی بانی ہو، جس کا انسداد واجب امر ہے۔ کیا ایسے رخنہ انداز آدمیوں کے لیے شریعت میں کوئی سزا مقرر ہے؟ مفصل حال سے آگاہی فرمائیں، فقط۔

الجواب

بلاشُبہہ ایسے لوگ مفسد وفتنہ پرداز اور آبروریز فتنہ انگیز مستحق عذابِ شدید ووبالِ مدید ہیں، معاذ اللہ اگر ایسی جرأتیں روا رکھی جائیں تو ننگ وناموس کو بہت صدمہ پہنچے گا، کم سے کم اس میں شناعت یہ ہے کہ بلاوجہ شرعی ایذاءِ مسلم ہے۔ اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلماً فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ۔[1]	جس نے کسی مسلمان کو ناحق ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی۔

یہ نکاح جس سے ہُوا اگر وہ عورت کا کفو نہیں یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں ایسا کم ہے کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے زن کے لیے باعثِ ننگ وعار ہے جب تو یہ نکاح کہ زنِ بالغہ نے بے رضائے ولی خود کیا سرے سے ہُوا ہی نہیں باطل محض ہے۔ درمختار میں ہے:

ویفتی فی غیرالکفو بعدم جوازہ اصلا بہ یفتی لفساد الزمان۔[2]	فسادِ زمان کی وجہ سے غیر کفو میں نکاح کے عدمِ جواز کا فتوٰی دیا جائے گا (ت)

اور اگر کفو ہے تو والدین کو ناراض کرکے عورت کا بطورِ خود نکاح کرلینا خصوصاً وہ بھی اس طور پر جاکر عورت کے لیے سخت محرومی وناراضیِ الٰہی کا باعث ہے، اور امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک تو اب بھی نکاح نہ ہُوا کہ ان کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح باطل ہے، یہ کیا تھوڑی شناعت ہے کہ ایک امام برحق کے نزدیک عورت بے نکاحی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۴/ ۳۷۳

[2] درمختار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

مسئلہ ۱۳۷ بریلی، خوجی محلہ مرسلہ عظیم اللہ صاحب ۴ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ بجبر کرایا گیا حالانکہ زید کی منشاء ہرگز نہ تھی جس کے چند شاہد موجود ہیں۔ بوقت ایجاب قبول کرنے کے زید نے "ہُوں ہُوں" مثل عورات کے کہا اور رخصت نہ ہونے پائی کہ زید اپنے مکان کو چلا گیا، اور اس سے قبل بھی تاریخ مقرر پر زید اپنے گھر سے فرار ہوگیا تھا تو اس صورت میں نکاح زید کا ہندہ کے ساتھ ہُوا یا نہیں؟ مُہر سے مزین فرمایا جائے۔

الجواب

نکاح ہوگیا اگرچہ قبول میں صرف "ہُوں" جبراً کہا ہو،

فان الاکراہ ان تحقق لم یعمل فیما یستوی فیہ الجد والھزل کالنکاح والطلاق والعتاق فکیف مالیس باکراہ۔

جبر واکراہ اگر پایا گیا تو ان امور میں مؤثر (عذر) نہیں بنے گا جن میں قصد و مذاق مساوی ہے مثلاً نکاح، طلاق اور عتاق اور اگر ان امور میں جبر نہ ہو پھر کیا کہا جائے۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۸ محمد رحیم بخش عبدالحمید صاحبان از قصبہ فرح نگر ضلع گوڑگانوہ ۱۱ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید جبکہ پرورش ہوتا تھا اس کی نسبت (یعنی سگائی) ہندہ سے ہُوئی تھی اور زید ہندہ کے مکان پر کسی وجہ سے رہتا تھا یا پُرانی رشتہ داری کی وجہ سے رہتا تھا، ہندہ کی پھوپھی نے ہندہ کو گود لیا ہُوا تھا یعنی ہندہ کی پھوپھی لاولد یا بانجھ تھی، ہندہ کے گھر میں سوائے ہندہ کے زید سے کوئی پردہ نہیں کرتا تھا، ہندہ کی پھوپھی نے زید کے ساتھ اس قدر محبت بڑھائی جو کہ شفقت مادری سے زیادہ تر نظر آتی تھی، آخر کار زید سے سوال ہم بستری کا کیا، چونکہ اس زمانے میں زید بالکل بے خبر تھا یعنی خدا اور رسول اور نماز و روزہ سے بالکل بے خبر تھا، غرض دونوں کے باہم ناجائز دوستی کئی سال تک رہی، یہاں تک کہ زید اور ہندہ کے والدین نے شادی کردی، چونکہ میاں بیوی میں کمال درجہ اُلفت اور محبت ہُوئی اور ہندہ کی پھوپھی سے کچھ تعلق نہ رہا۔ اب چونکہ شادی کو تقریباً اٹھارہ سال گزر گئے اور تین بچے بھی ہوگئے، آج تک زید کو اس بات کا خیال تک نہ آیا اب زید ایک بزرگ سے شرفِ بیعت ہو کر خدا اور رسول کی اطاعت میں کمربستہ ہے اور اسی طرح ہندہ بھی پابندِ شرع ہے اور وہ بھی شرفِ بیعت ہوچکی ہے باوجود زید کو ہمیشہ کتب احادیث وفقہ سے کام رہتا ہے لیکن یہ مسئلہ آج تک اُس کی نظر سے نہیں گزرا اور نہ کسی سے ذکر سنا نہ اس بات کا خیال تھا، اب زید کتاب اکسیر ہدایت کا مطالعہ کر رہا تھا اس میں باب النکاح پر نظر پڑی، اُس میں یہ عبارت لکھی پائی کہ پھوپھی بھتیجی یک جا نکاح میں حرام ہیں۔ جب سے زید نے یہ عبارت پڑھی دیوانہ اور پاگل سا ہوگیا ہے کیونکہ نہ عورت یعنی بیوی کو چھوڑنے کا یارا ہے

اور نہ خدا اور رسول کے حکم کے برخلاف ہو کر رہنے کی طاقت ہے۔ اس کو چھوڑنا چاہیے یا طلاق دینا چاہیے تو اس کے والدین یہ دریافت کریں گے کہ ہماری لڑکی کی کیا خطا ہے، اور جُدائی بھی نہایت شاق گزرے گی، مبادا کوئی اور آفت پیدا ہو۔ زید کی بدکرداریوں کی آج تک کسی کو خبر نہ ہوئی اب یہ رُسوائی کیونکر لی جاوے۔ اب تمام کیفیت زید و ہندہ کی آنجناب میں ظاہر کردی، امیدوار ہُوں کہ آپ حکمِ شریعت سے بلا کسی لحاظ و مروت کے حکم فرمادیں، اور اگر اس گناہ کا کفارہ ہوسکتا ہو تو وہ بھی بتلا دیا جائے۔ اور اگر زید و ہندہ میں جُدائی کرانے کا حکم ہو تو تین لڑکیاں جو پیدا ہو چکی ہیں ان کو کیا کیا جائے اور مہر ہندہ کا مبلغ مائتین بندھا ہے وہ ادا کرنا ہوگا یا نہیں؟ حالانکہ ہندہ نے شبِ عروس کو اپنا مہر معاف کردیا تھا۔

الجواب

وھوالذی یقبل التوبۃ عن عبادہ ویعفو عن السیئات[1]
اللہ ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔

والحمد للہ رب العلمین، جو گناہ ہوا اس سے توبہ کرے استغفار کرے، باقی جو توہمات دربارۂ منکوحہ پیش آئے محض بے معنے ہیں، کسی عورت سے زنا کرنا اُس کی بھتیجی بھانجی کو حرام نہیں کرتا، نہ ان کے نکاح میں کوئی خلل آتا ہے۔ خلاصہ و درمختار وغیرہما میں ہے:

وطئ اخت امرأتہ لاتحرم علیہ امرأتہ[2]
سالی سے زنا کرنے کی وجہ سے بیوی حرام نہیں ہوگی (ت)

اکسیر ہدایت میں جو لکھا اس کا یہ مطلب ہے کہ پھوپھی بھتیجی دونوں ایک شخص کے نکاح میں ہونا یہ حرام ہے مثلاً بھتیجی نکاح میں ہے تو جب تک وہ نکاح میں رہے یا اگر اسے طلاق دے دے تو طلاق کی عدت جب تک نہ گزرے اُس وقت تک اس کی پھوپھی سے نکاح حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۹: مرسلہ سید عبداللہ صاحب ڈاک خانہ پچھم گاؤں پٹرہ، بنگال ۵ اشعبان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد گواہ کے مقابل بالغہ نومسلمان عورت کو کوئی نکاح کیا تو درست ہے یا نہیں؟ از رُوئے مہربانی جواب عنایت فرماکر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوویں اور مجھ کو سرفراز فرمادیں۔

الجواب

نکاح کے لیے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں گواہ ہونا لازم ہے، صرف ایک مرد کے سامنے ایجاب و

---

[1] القرآن ۴۲/ ۲۵

[2] درمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۸

قبول کرلینے سے نکاح نہیں ہوسکتا، وہو تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۴۰: مسئولہ برا کلو از موضع کرن پورہ ڈاک خانہ سیوان ڈویژن ضلع سارن چھپرا ۱۵ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں

	برادر	ہمشیرہ
مسماۃ زیتون دختر ہمشیرہ غفار پسر برادر غنی خاں موجود کی اولاد ہیں	سجاد میاں عمر تخمیناً ۲۱ یا ۲۲ برس	مسماۃ مولودن عمر تخمیناً ۱۳ یا ۱۴ برس
	دو بھائی بہن	

شادی گولاوٹ یعنی بدلین شرط پر میاں سجاد مذکور نے اپنا نکاح مسماۃ زیتون مذکور دختر غنی خاں سے کیا اور سجاد
مذکور اپنے ہمشیرہ مسماۃ مولودن کا نکاح ساتھ غفار پسر غنی خاں سے کیا اور تاریخ شادی روانگی و آمد بارات
کا بعد نکاح مذکورین کے تاریخ دوسرا مقرر تھا کہ اس درمیان میں جب تین روز سجاد کے سے بارات جانے
کو باقی تھا تب ہی مسماۃ زیتون اپنے باپ کے گھر سے باہر نکل گئی تب بعدہٗ غفار مذکور کی بارات بھی سجاد کے
نہیں آئی، اب درمیان اُس گھرانے اور اُس گھرانے کے تکرار رنجا رنجی تطویل کلامی پیش ہوگیا، سجاد کا مقولہ
ہے کہ جب زیتون میرے گھر میں نہیں آئی تھی تب الحال بوجہ نقص شرط نکاح بدلین کے رہی اُس خاندان کی بدچلنی
وغیرہ ظاہر ہوجانے سے ہرگز ہم اپنی ہمشیرہ مولودن کو اس خاندان میں نہیں جانے دیا نہ اب آنے دیں گے
اور نکاح مذکورین بوجہ شرط شکنی وعہد شکنی کے باطل ہوگیا، خدانخواستہ مسماۃ مولودن کی جان کو کوئی نقصان
پہنچ جاوے تو عجب نہیں ہے، عرض ہے صاف صاف فتوٰی اس کا حضور ارقام فرمادیں، والسلام!

ان لوگ کے والدین فوت کرگئے

سجاد میاں برادر　　مولودن ہمشیرہ

الجواب

نکاح میں کوئی شرط بدل کی نہ تھی اور ہوتی بھی تو نکاح شرط فاسد سے فاسد نہ ہوتا اور یہ بھی نہ سہی
تو شرط نکاحِ زیتون تھا وہ ہوگیا، بہرحال مولودن غفار خاں کی منکوحہ ہے اور سجاد کو اس کے روکنے کا کوئی حق
نہیں، سجاد اپنی منکوحہ زیتون کو تلاش کرکے اپنے قبضہ میں رکھے اور نہ رکھنا چاہے تو طلاق دے، مولودن کے
نکاح پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۱: از بدایوں مولوی محلہ کونچہ مولوی انوار حسین صدر اعلٰی مکان بخش والا مرسلہ حبیب اللہ صاحب
۱۲ شوال ۱۳۳۵ھ

مسماۃ ہندہ دختر مسماۃ خالدہ بیوہ ہے، اس کے دو بچّے نابالغ ہیں، زید پدر شوہر متوفی ہندہ کا

بچوں کو کھانے کو دیتا ہے مگر غیر کافی، ہندہ وخالدہ اپنی محنت کرکے بشمول زید بسر کرتے ہیں، زید یہ چاہتا ہے کہ ہندہ اس کے دوسرے لڑکے سے جس کی بیوی واولاد موجود ہے عقد نکاح باندھنے پر رضامند ہوجائے مگر ہندہ وخالدہ رضامند نہیں، دیگر اعزائے ہندہ عقدِ ثانی کو بُرا خیال کرتے ہیں، اور اگر ہندہ کی جوانی پر خیال کرکے رائے عقد کی دیتے ہیں تو ایسے شخص سے جس سے ہندہ وخالدہ کو اطمینان نہیں ہوتا اب خالدہ ایک شخص ثالث سے جس سے ہندہ بھی رضامند ہے اور ایک جگہ رہتے ہیں اس طرح عقد کرنا چاہتی ہے کہ دو ایک شخص عزیز تیسرے آدمی کے جس سے عقد کرنا چاہتی ہے واقف ہوں، اور خود واقف ہو تاکہ ہندہ بُرے خیال وافعال سے بچی رہے اور اولاد کی بابت نزاع پیدا نہ ہو، تو اس طرح عقد ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بخیال مزید احتیاط شخص ثالث جس سے عقد نکاح پر رضامند ہے ہندہ کو خطبہ نکاح پڑھ کر ایجاب وقبول ہندہ سے کراسکتا ہے یا عقد نکاح باندھنے کے واسطے شخص غیر کی ضرورت ہے؟

الجواب

نکاح پڑھانے کے لیے دوسرے شخص کی حاجت نہیں صرف مرد وزن ہوں اور ایک مرد دو عورتیں عاقل بالغ مسلم کہ معاً دونوں مرد وزن کا ایجاب وقبول سنیں اور سمجھیں کہ یہ نکاح ہورہا ہے، مگر ہندہ اگر ولی نہیں رکھتی یعنی دادا پر دادا کی اولاد میں کوئی مرد عاقل بالغ جب تو اسے اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے، ورنہ اگر یہ شخص جس سے نکاح کیا چاہتا ہے ہندہ کا کفو یعنی مذہب نسب چال چلن پیشے کسی بات میں ایسا کم نہیں کہ اس سے نکاح ہونا ولیِ ہندہ کے لیے باعثِ ننگ وعار ہو جب بھی ہندہ مختار ہے، اور اگر کفو نہیں تو جب تک ولی پیش از نکاح اُسے غیر کفو جان کر صراحۃً اجازتِ نکاح نہ دے گا نکاح ہوگا ہی نہیں اگرچہ ہزار اعلان کیا جائے علیہ الفتوٰی در مختار وغیرہ (فتوٰی اسی پر ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۲: از بہاری پور بریلی مسئولہ جناب مولوی نواب سلطان احمد خاں صاحب مورخہ ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

عرض در خدمت والیان شریعت محمدی وحامیانِ دین متین احمدی علمائے مقلدین مذہب حنفی یہ ہے کہ ایک شخص میر امام الدین نامی نے اپنی دختر عاقلہ بالغہ کا نکاح عبدالقدوس نامی کے ساتھ کردیا۔ نکاح کا ایجاب قبول ایک لیتق شخص نے کرایا، بستی کے سب لوگ حاضر تھے مگر قاضی صاحب جلسہ میں موجود نہ تھے تو یہ نکاح جو غیر قاضی سے پڑھایا جائز ہوا یا نہیں؟ اور ان دونوں قاضیوں کو کیا اختیارات ہیں اور اگر کسی شخص نے کسی خاص وجہ سے قاضی کو شادی میں دعوت نہیں دی تو اس پر کیا الزام آتا ہے، اور قاضی کا حق نکاح خوانی اس کو دینا چاہیے یا نہیں جبکہ غیر قاضی سے پڑھوایا، بینوا بیانا وافیا اجرکم اللہ اجرا کافیا۔

الجواب

قاضی کوئی شرطِ نکاح نہیں، آدمی جس سے چاہے پڑھوائے، چاہے مرد وزن دو گواہوں کے سامنے

خود ایجاب وقبول کرلیں اس نام کے قاضی کے لیے شرعاً کچھ اختیارات نہیں، نہ وہ اُجرت کا مستحق، جبکہ نکاح دوسرے نے پڑھایا، نہ قاضی کو دعوت نہ دینے میں کوئی الزام، یہ نکاح خوانی کے قاضی اسماء سمیتموھا انتم وآباؤکم ما انزل اللہ بہا من سلطٰن[1] (یہ اپنے بنائے نام ہیں، شرعی طور ان پر کوئی دلیل نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۳: از بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ حکیم ریاض الدین صاحب رضوی ۲۳ ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت بیوہ جو کہ اُس کے چھوٹے بھائی کی زوجہ تھی اُس سے نکاح کیا اور اُس کے ساتھ میں ایک دختر نابالغ تھی اُس دختر کا نکاح اُس کے سوتیلے باپ جو اُس کا پہلے تایا تھا اُس نے اپنی ولایت سے نابالغہ کا نکاح ایک لڑکے کے ساتھ کردیا لیکن لڑکی نکاح سے تاہنوز اپنے شوہر کے یہاں نہیں گئی اب ناکحین بالغ ہوئے تو ناکح اپنی منکوحہ کو اپنے گھر بلاتا ہے اور منکوحہ اُس کے گھر جانے سے انکار کررہی ہے اور کہتی ہے کہ تیرا چال چلن ٹھیک نہیں ہے میں تجھ سے نکاح توڑ دُوں گی، تو اس صورت میں لڑکی اپنا نکاح فسخ کرسکتی ہے یا لڑکے کو مجاز ہے کہ زبردستی اُسے لے جائے اور ولایت اس کے سوتیلے باپ کی درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

سوتیلا باپ ہونا تو کوئی وجہ ولایت نہیں، ہاں چچا ہونا سبب ولایت ہے اگر اس سے مقدم اور کوئی ولی نہ تھا اور یہ لڑکا جس سے اُس نے اس لڑکی کا نکاح کیا مذہب نسب یا پیشہ یا چال چلن میں ایسا کم نہ تھا کہ اُس سے اس لڑکی کا نکاح باعثِ ننگ وعار ہو تو نکاح ہوگیا، مگر اس لڑکی کو اختیار تھا کہ بالغہ ہوتے ہی فوراً اُس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کرے، جب تو اُسے فسخ کرنے کا اختیار ہے، اور اگر ذرا دیر لگائی تو اب نکاح لازم ہوگیا اختیارِ فسخ نہ رہا، اور اگر وقتِ نکاح ہی اُس لڑکے میں امورِ مذکورہ میں کوئی کمی تھی جس کے سبب اُس لڑکی کا نکاح باعثِ ننگ وعار ہو، جب نکاح سرے سے ہُوا ہی نہیں فسخ کی کیا حاجت! واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۴ تا ۱۴۷: از دلیل گنج پرگنہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت مرسلہ منشی محب اللہ صاحب ضلعدار نہر ۲۳ ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

وقتِ نکاح جو ایجاب وقبول کرائے جاتے ہیں اس میں اکثر اشخاص ایک دوسرے کے خلاف اعتراض کرتے ہیں،

(۱) زید کی لڑکی کہ نام اس کا تم کو معلوم ہے اور بالفعل اس نام کی اور کوئی لڑکی اس گھر میں موجود نہیں ہے بعوض مہر شرعی اس قدر روپے اور اس قدر دینار سُرخ سلطانی سکہ رائج الوقت سوائے نان نفقہ کے زیج نکاح

---

[1] القرآن ۷/ ۷۱

تمہارے کے آئی اور دی میں نے، قبول کی تم نے۔

(۲) باقی عبارت سب وہی ہے صرف بجائے لفظ "سوائے" کے علاوہ استعمال کرتے ہیں۔

(۳) میں سب عبارت وہی ہے صرف بجائے "سوائے" یا "علاوہ" کے لفظ "مع" استعمال کرتے ہیں۔

(۴) بعض شخص صرف یہ کہتے ہیں کہ بیچ نکاح تمہارے کے آئی اور دی میں نے، اور بعض صرف لفظ "آئی" کہتے ہیں اور بعض شخص صرف لفظ "دی" کہتے ہیں، اس میں کون سا لفظ استعمال کرنا چاہیے۔ اب اعتراض اس لفظ پر ہے کہ جب لفظ سوائے نان نفقہ کہا گیا تو نان نفقہ دُولہا کے ذمہ عائد نہ ہوا بلکہ صرف روپیہ مہر کا عائد ہوا جیسے کوئی شخص کہے کہ فلاں فلاں شئے فلاں شخص کو دی گئی سوائے پگڑی کے یعنی پگڑی نہیں دی گئی، اسی طرح لڑکی بالعوض اس قدر مہر کے نکاح میں دی گئی سوائے نان نفقہ کے یعنی اس لڑکی کا نان نفقہ دُولہا کے نکاح میں نہیں آیا، یہی اعتراض لفظ علاوہ کے کہنے سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ اور جب لفظ مع نان نفقہ کہا جاتا ہے تو معترض لوگ رجوع کرتے ہیں تعداد مہر کی طرف، اور کہتے ہیں کہ بالعوض اس قدر مہر شرعی مع نان نفقہ کے کہنے سے نان نفقہ مہر میں شامل ہوگیا، یعنی جب عورت نان نفقہ پائے تو وہ مہر مجرا دیا جائے اور تعین مہر کا روپیہ اس نان نفقہ کے حساب سے جب سب پا چکے تو پھر عورت نہ نان نفقہ پانے کی مستحق رہی اور نہ زر مہر کی، گویا وہ بے نان نفقہ اور مہر کے نکاح میں رہی، اپنے کھانے پینے کا انتظام عورت خود کرے۔ معروض فرمائیے کہ یہ الفاظ سوائے علاوہ مع کے استعمال کے نکاح درست ہوگا اور نان نفقہ بذمہ مرد عائد رہے گا یا نہیں؟ اور کون سے لفظ کے استعمال سے نان نفقہ عائد ہوگا اور کون سے نہیں؟

الجواب

یہ سب اوہام بھی ہیں اور ان کی بحث فضول بھی، اوہام تو یوں ہیں کہ جو رقم ذکر کی جاتی صرف مہر کے لیے مقصود ہوتی ہے، اور علاوہ اور سوا اور مع یہ سب مہر کی صفتیں ہوتی ہیں یعنی وہ مہر کہ نان نفقہ سے علاوہ یا اُن کے سوا یا اُن کے ساتھ ہے علاوہ اور سوا کے یہ معنے کہ اس کا وجوب اُن کے وجوب پر زائد ہے اور مع کے یہ معنے کہ یہ اور وہ وجوب میں شریک ہیں یہی مراد ہوتی ہے اور یہی مفہوم، اور ان سے بحث فضول، یُوں کہ نان ونفقہ ومہر ایسی چیز نہیں کہ اگر بالقصد ان کی نفی بھی کی جائے تو منتفی ہوجائیں یا نکاح میں کچھ خلل آئے، نکاح شروطِ فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا بلکہ وہ خود شرطیں ہی باطل ہوجاتی ہیں، اگر اس شرط پر نکاح کیا جائے کہ مہر کچھ نہ ہوگا جب بھی مہر شرعاً لازم ہوگا مہر مثل دینا آئے گا، اور اگر اس شرط پر نکاح کیا جائے کہ نان نفقہ کچھ واجب نہ ہوگا جب بھی اپنی صورتِ وجوب میں ضرور واجب ہوگا کہ قبل وجوب اسقاط مہمل ہے۔ حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

مابال اقوام یشترطون بشروط لیست فی کتاب اللہ من اشترط شرطا لیس فی کتاب اللہ

ایسی قوم کا کیا حال ہوا جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جن کی اجازت کتاب اللہ میں کسی طرح نہیں، ایسی شرطیں

فهو رد وان کانت مائة شرط شرط الله احق واوثق[1]

سو بھی ہوں تو وہ مردود ہوں گی، اللہ تعالٰی کی طرف سے جائز شرط زیادہ ثابت مضبوط ہے (ت)

بااینہمہ اگر ایسی عبارت چاہیں جس میں یہ اوہام پیدا نہ ہوں تو یُوں کہیں بعوض اتنے مہر کے کہ نان و نفقہ کا وجوب اس کے علاوہ ہے تیرے نکاح میں دی اور "آئی" سے "دی" بہتر ہے کہ یہ انشا میں صریح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۸: از مقام ہنگن گھاٹ محلہ نشان پورہ ضلع وردھا مرسلہ محمد اسمٰعیل صاحب مورخہ ۲۵ ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

جناب مولانا صاحب مدظلہ السلام علیکم، مندرجہ ذیل میں شرع شریف کا کیا حکم ہے تحریر فرمائیں، اللہ آپ کو اجر نیک عطا کرے۔ زید نے عمرو کی لڑکی سے نکاح کیا، نکاح کے وقت کسی قسم کی شرط وغیرہ نہ تھی، لڑکی رخصت ہوکر گھر آئی، چند روز کے بعد لڑکی کا والد لڑکی کو اپنے مکان میں لے گیا اور اب زید سے اس بات کا طالب ہے کہ وہ ایک اسٹامپ اس مضمون کا تحریر کردے کہ میں لڑکی کو اپنے وطن میں نہیں لے جاؤں گا یہیں اس کے والدین کے پاس اس شہر میں رکھوں گا، اگر زید اسٹامپ نہ لکھے گا تو لڑکی کی طرف سے میرا جواب ہے کہ اب میں لڑکی کو رخصت نہ کروں گا۔ دریافت طلب امور یہ ہیں کہ کیا عمرو کا یعنی لڑکی کے باپ کا یہ عذر معقول ہے اور وہ ایسی حالت میں لڑکی کو روک سکتا ہے؟

الجواب

اگر مہر کل یا بعض پیشگی دینا قرار نہ پایا تھا یا قرار پایا تھا اور وہ ادا ہوگیا تو لڑکی کے باپ کا یہ عذر بیجا ہے اور وہ اسے نہیں روک سکتا۔

قال اللہ تعالٰی واسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیویوں کو اپنے ساتھ سکونت دو گنجائش کے مطابق۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

ہاں اگر کوئی صورت خاص ہو کہ سفر بہت طویل ہے اور وہاں تنہائی میں لڑکی کو ضرر رسانی کا ظن غالب ہے تو اس کے ثبوت پر بے بندوبست کافی، وہاں لے جانے کی اجازت نہ دیں گے۔

قال اللہ تعالٰی ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن[3]، وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ

اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کو تنگی دینے کے لیے ضرر مت پہنچاؤ۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] صحیح بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۷۷

[2] القرآن ۶۵/۶

[3] ایضاً

وسلم لاضرر ولاضرار فی الاسلام[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

نے فرمایا: اسلام ضرر اور نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں دیتا (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۹: مرسلہ شیخ فضل احمد صاحب درزی بازار کٹرہ متصل کارخانہ میز کرسی یعقوب خاں مورخہ ۱۶ محرم الحرام ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے متین دریں مسئلہ کہ ایک عورت کے شوہر نے اپنی زوجہ کو طلاق دی عدت گزرنے نہ پائی تھی کہ عورت نے دوسرے شخص کے پاس جاکر کہا کہ تم میرے ساتھ نکاح کرلو ورنہ میں حرام کرنے پر تیار ہوں، اس نے یہ خیال کرکے کہ عورت حرام کرنے سے خراب ہوجائیگی اور اس عورت کو سمجھایا کہ تیری عدت گزرجائے بعدہ، نکاح کرلینا مگر عورت نے کسی طرح نہ مانا لہٰذا اس شخص نے مجبورًا اس عورت سے نکاح کرلیا تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ دیگر یہ کہ عرصہ آٹھ ماہ سے یہ عورت اسی شخص کے پاس ہے جس کے ساتھ دوبارہ نکاح کیا۔ بایں وجہ شفقت ومحبت دونوں میں حدِ اعتدال سے زیادہ ہوگئی کہ تھوڑی دیر کے واسطے بھی نگاہ سے اوجھل ہونا ایک کا دوسرے کو ناگوارِ خاطر ہوتا ہے۔ لہٰذا دوسرا نکاح اگر اس عورت کے ساتھ ناجائز ہو تو کس صورت سے جائز ہو اور خود بھی زوج وزوجہ پریشان ہیں کہ کیونکہ نکاح ہو اور اکثر اوقات ہم بستر بھی ہوئے ہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

وہ نکاح نہ ہوا زنائے خالص ہوا، اُن مرد وزن پر فرض ہے کہ فورًا جُدا ہوجائیں مرد اُسے چھوڑدے، پھر اگر پہلے کی طلاق کے بعد ابھی تین حیض نہ آئے ہوں تو انتظار فرض ہے یہاں تک کہ تین حیض شروع ہوکر ختم ہوجائیں، اور اگر ختم ہوگئے ہیں اور یہ دوسرا اس سے نکاح چاہتا ہے تو چھوڑنے کے بعد فورًا کرسکتا ہے، اور اگر عورت کسی تیسرے سے نکاح چاہے تو یہ دُوسرا جس دن چھوڑے اس کے بعد تین حیض شروع ہوکر ختم ہونا لازم ہے، اس سے پہلے تیسرے سے نکاح نہیں کرسکتی۔ دُرر میں ہے:

المطلقۃ اذا تزوجت فی عدتہا فوطئہا الثانی فرق بینہما وتداخلتا عندنا ویکون ماتراہ من الحیض محتسبا منہما جمیعا واذا انقضت العدۃ الاولی ولم تکمل الثانیۃ فعلیہا اتمام العدۃ الثانیۃ۔[2]

مطلقہ عورت نے اگر عدت میں کسی دوسرے سے نکاح کیا اور اس دوسرے نے اس سے جماع کرلیا، تو دونوں میں تفریق کی جائے گی اور دونوں عدتیں متداخل ہوجائیں گی، اور آنے والا حیض دونوں کا مشترکہ ہوگا، اور جب پہلی عدت پوری ہوجائے اور دوسری عدت پوری نہ ہو تو دوسری کو تمام کرے۔ (ت)

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۵۱۸۹ مکتبۃ المعارف الریاض ۶/ ۹۱

[2] درر شرح غرر باب العدۃ احمد کامل الکائنۃ دارسعادت بیروت ۱/ ۴۰۳

خانیہ و بحر و ردالمحتار میں ہے :

اذا تمت عدۃ الاول حل للثانی ان یتزوجھا لا لغیرہ مالم تتم عدۃ الثانی بثلاث حیض من حین التفریق[1]

جب پہلی عدت پُوری ہو جائے تو دوسرے خاوند کو اس سے نکاح حلال ہوگا ، تفریق کے بعد جب تک دوسری عدت کے تین حیض مکمل نہ ہو جائیں اس وقت تک کسی غیر کے لیے حلال نہ ہوگی - (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۰ تا ۱۵۱ از موضع بھوٹا بھوٹی لبسوٹو لانڈ ملک افریقہ مرسلہ جناب حاجی اسمٰعیل میاں ابن حاجی امیر میاں صدیقی حنفی قادری

(۱) زید سوال کرتا ہے کہ خدا نے مرد کو حکم دیا دو دو تین تین چار چار ، اور عورت کو کیوں نہیں ملا کہ تم دو دو تین تین چار چار مرد کرو -

(۲) ایک شخص زانی عورت کافرہ کو اسلام قبول کروا کے نکاح کیا اب وہ عورت حاملہ ہے مگر اُسی مرد سے جس کے ساتھ نکاح ہُوا ہے ، آیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں ؟ زید کہتا ہے کہ اگرچہ حاملہ اسی سے ہو جب بھی نکاح جائز نہیں اور شاہد و حاضرین کا ٹوٹ جاتا ہے ، مجموعہ خانی جلد ثانی ص ۳۹ :

در ہدایہ و کافی آوردہ است عورتے حربیہ در دار الاسلام آمد بر آں عورت عدت لازم نشود خواہ اسلام در دار حرب آوردہ باشد خواہ نیاوردہ باشد وایں قول امام اعظم ست رحمۃ اللہ علیہ ، و نزدیک امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی عدت لازم شود ، و باتفاق علماء بر کنیز کہ در تاخت گیرند عدت لازم نیست فاما استبراء لازم ست واگر حربیہ کہ در دار اسلام آمدہ است و حاملہ تا آں زمان کہ فرزند نزاید نکاح نہ کند دیگر روایت از امام آنست کہ نکاح درست ست اگر حاملہ باشد فاما نزدیکی باآں عورت شوہر نہ کند تا آں زمان کہ

ہدایہ اور کافی میں ہے کہ اگر کوئی حربی عورت دارالاسلام آجائے تو اس پر عدت لازم نہیں خواہ دارالحرب میں مسلمان ہوئی یا نہ ہوئی ، یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے - امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اس پر عدت لازم ہے اور جنگ میں گرفتار شدہ لونڈی پر عدت لازم نہیں ہے ، یہ سب کا اتفاق ہے ، اس پر صرف استبراء لازم ہے - اگر کوئی حاملہ عورت دارالحرب سے دارالاسلام آئی تو وہ بچہ کی پیدائش سے قبل نکاح نہیں کر سکتی - امام صاحب نے ایک دوسری روایت میں فرمایا کہ وُہ نکاح کر سکتی ہے لیکن بچّے کی پیدائش سے قبل اس سے جماع جائز نہیں ہے ، جس طرح زنا سے

---

[1] ردالمحتار باب العدۃ مطلب فی وطئ المعتدۃ بشبھۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۰۹

فرزند نزاید چنانچہ عورت را از زنا حمل ماندہ است خواستن او روا است و نزدیکی کردن روا نیست تا آں زمان کہ فرزند نزاید و اگر یکے از میان زن و شوہر مرتد شد فرقت میان ایشاں واقع شود اما طلاق واقع نشود ایں قول امام اعظم و امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی و نزدیک امام محمد اگر مرد مرتد شدہ است فرقت واقع شدہ است بے طلاق پس اگر مرد مرتد شدہ است و با زن نزدیکی کردہ باشد تمام مہر بر او لازم شود اگر نزدیکی نہ کردہ است چیزے از مہر لازم نشود و نفقہ نیز لازم نشود اگر خود از خانہ مرد بیروں آمدہ باشد و اگر خود از خانہ مرد بیروں نیامدہ باشد نفقہ بر مرد لازم شود۔[1]

حاملہ سے نکاح جائز مگر بچے کی پیدائش سے قبل اس سے جماع جائز نہیں ہے۔ اگر خاوند بیوی میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے تو دونوں کی فرقت ہو گی لیکن طلاق نہ ہو گی، یہ قول امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کا ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اگر صرف خاوند مرتد ہو جائے تو فرقت ہو جائے گی طلاق نہ ہو گی۔ تو خاوند کے مرتد ہونے کے بعد اگر اس نے بیوی سے جماع کیا تو مکمل مہر لازم ہو گا اور مرتد ہونے کے بعد جماع نہ کیا تو مہر اور نفقہ لازم نہ ہو گا بشرطیکہ عورت خود اس کے گھر سے علیحدہ ہو چکی ہو اور اگر وہ اسی کے گھر میں ہو تو نفقہ مرد پر لازم ہو گا۔ (ت)

الجواب

(۱) اللہ عزوجل فرماتا ہے: ان اللہ لا یأمر بالفحشاء[2] بیشک اللہ عزوجل بے حیائی کا حکم نہیں فرماتا۔ ایک عورت پر دو مردوں کا اجتماع صریح بے حیائی ہے، جسے انسان تو انسان جانوروں میں بھی جو سب سے خبیث تر ہے یعنی خنزیر، وہی روا رکھتا ہے۔ حرمتِ زنا کی حکمت نسب کا محفوظ رکھنا ہے ورنہ پتا نہ چلے کہ بچہ کس کا ہے۔ اگر عورت سے دو مردوں کا نکاح جائز ہو تو وہی قباحت کہ زنا میں تھی یہاں بھی عائد ہو، معلوم نہ ہو سکے کہ بچہ کس کا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) جسے زنا کا حمل ہو والعیاذ باللہ تعالٰی اور وہ شوہر دار نہ ہو اُس سے زانی وغیر زانی ہر شخص کا نکاح جائز ہے فرق اتنا ہے کہ غیر زانی کو اس کے پاس جانے کی اجازت نہیں جب تک وضعِ حمل نہ ہولے اور جس کا حمل ہے وُہ نکاح کرے تو اُسے قربت بھی جائز، درمختار میں ہے:

صح نکاح حبلٰی من زنا و ان حرم وطؤھا و دواعیہ حتی تضع لئلا

زنا سے حاملہ کا نکاح صحیح ہے اگرچہ اس سے وطی اور اس سے متعلقہ امور حرام ہیں جب تک وُہ بچے کو جنم نہ دے،

---

[1] مجموعہ خانی

[2] القرآن ۷/ ۲۸

19/19

يسقى ماءه زرع غيره اذ الشعر ينبت منه و لو نكح الزاني حل له وطؤها اتفاقا[1]۔

تاکہ اس کا پانی غیر کی کھیتی کو سیراب نہ کرے یہ اس لیے کہ جماع سے حاملہ کے بچے کو بال اُگتے ہیں، اور اس سے خود زانی نے نکاح کیا تو اس کو جماع بھی جائز ہے (ت)

زید کا قول محض غلط ہے اور اس کا کہنا اگرچہ حاملہ اُسی مرد سے ہے جب بھی نکاح جائز نہیں شریعت پر افترا ہے بلکہ صحیح و مفتی بہ یہ ہے کہ اگرچہ حمل دوسرے کا ہو جب بھی نکاح جائز ہے اور اس کا کہنا کہ شاہد و حاضران محفل کے ٹوٹ جاتے ہیں افترا، بر افترا ہے، مجموعہ خانی سے جو عبارت اُس نے نقل کی ہے صراحۃً اُس کے خلاف ہے۔

اگر عورت را از زنا حمل ماندہ است خواستن او رواست و نزدیکی کردن روانیست تا آنکہ نزاید۔

اگر عورت زنا سے حاملہ ہو جائے تو اس سے نکاح جائز اور جماع جائز نہیں جب تک بچے کو جنم نہ دے۔ (ت)

اور وُہ جو اسی سے نقل کیا کہ:

حربیہ کہ در دار الاسلام آمدہ است و حاملہ تا نزاید نکاح نہ کنند[2]۔

حربی عورت اگر دار الاسلام آجائے اگر حاملہ ہو تو بچے کی پیدائش تک وُہ نکاح نہ کرے (ت)

یہ اس میں ہے کہ حربی کافرکی حاملہ عورت دار الاسلام میں آکر مسلمان ہوگئی نہ کہ حمل زنا میں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۲ از (برہما) ڈاک خانہ چیگانگ محلہ میدنگ ضلع اکیاب مرسلہ محمد عمر صاحب ۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ما قولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی الفتاوٰی قاضی خان وان ترک الجمعۃ ثلاث مرات یصیر فاسقا کذا ذکر فی بعض المواضع وبہ اخذ شمس الائمۃ السرخسی رحمہ اللہ تعالٰی وذکر فی بعض المواضع انہ یبطل العدالۃ انتھی، و ان ترک الصلوٰۃ بالجماعۃ ولم یستعظم ذلک کما یفعل بہ العوام بطلت عدالتہ

حضرات علمائے کرام اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے، آپ کا کیا حکم ہے کہ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ اگر کسی نے تین جمعے ترک کر دئے تو وہ فاسق ہوگا، یوں ہی بعض مقامات پر مذکور ہے جس کو شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالٰی نے لیا ہے، اور بعض مقامات پر انھوں نے ذکر کیا کہ اس کی عدالت ختم ہو جائے گی اھ اور اگر کسی نے نماز با جماعت کو اہمیت نہ دیتے ہُوئے ترک کیا جیسا کہ عوام کرتے ہیں تو اس کی عدالت باطل

[1] درمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹

[2] مجموعہ خانی

وان ترکہا متاولا بان کان یضلل الامام او یفسق لایبطل عدالتہ ولایقبل شہادۃ من کان معروفا بالکذب[۱] انتہی وفی الدرالمختار لاتقبل شہادتہ الابتاویل بدعۃ الامام اوعدم مراعاتہ اھ[۲]

باطل ہوجائے گی، اور اگر اس نے اہمیت کے باوجود کسی تاویل وعذر کی بنا پر مثلاً امام کو گمراہ یا فاسق قرار دیتے ہوئے جماعت ترک کردی تو اس کی عدالت باطل نہ ہوگی، اور جو شخص جھوٹ بولنے میں مشہور ہو جائے تو اس کی شہادت مقبول نہیں اھ

اور درمختار میں ہے کہ ایسے شخص کی شہادت مقبول نہ ہوگی اِلّا یہ کہ وہ تاویل اور عذر مثلاً امام کے بدعتی ہونے یا شرعی امور کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے جماعت کو ترک کرے اھ (ت)

جب ان لوگوں کی عدالت باطل ہوگئی تو بوقتِ نکاح وطلاق شہود بنانے سے نکاح وطلاق صحیح ہوگا یا نہیں، چونکہ درمختار میں ہے: شہود عادل عند الشافعی[۳] (امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں عادل گواہ ہوں۔ ت) شہود عادل شرط ہے۔ اور رجعت کرنے کے بارہ میں اللہ تعالٰی فرماتا ہے: واشہدوا ذوی عدل منکم[۴] (دو عادل گواہ بناؤ۔ ت) اور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: لانکاح الا بولی وشاہدی عدل[۵] (ولی کے بغیر نکاح نہیں اور دو عادل گواہوں کے بغیر بھی۔ ت) اس عبارت مرقومہ اور بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق کو نکاح وغیرہ میں شہود بنانا معتبر نہیں، جب معتبر نہیں ہے تو ثانیۃً تجدیدِ نکاح کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

بلاشبہہ بلاعذر شرعی ترکِ جمعہ اور ترکِ جماعت کی عادت موجبِ فسق ومسقطِ عدالت ووجہِ ردِ شہادت ہے مگر نکاح میں جو شاہدین کی شرط ہے یہ وقت ادائے شہادت نہیں کہ عدالت کی حاجت ہو بلکہ وقت تحمل شہادت ہے اور اس میں عدالت کچھ ضرور نہیں، حنفی مذہب میں تصریح ہے کہ شاہدینِ نکاح اگر فاسق بھی ہوں حرج نہیں۔ درمختار میں ہے: ولوفاسقین اومحدودین فی قذف[۶] (اگرچہ دو گواہ فاسق ہوں یا قذف کی حد لگائے گئے ہوں۔ ت)

---

[۱] فتاوٰی قاضی خاں	کتاب الشہادات	نولکشور لکھنؤ	۵۳۲/۳
[۲] درمختار	باب الامامۃ	مطبع مجتبائی دہلی	۸۲/۱
[۳] ردالمحتار مع درمختار	کتاب النکاح	داراحیاء التراث العربی بیروت	۲۶۲/۲
[۴] القرآن ۶۵/۲			
[۵] السنن الکبرٰی للبیہقی	لانکاح الا بشاہدین عادلین	دارصادر بیروت	۱۲۵/۷
[۶] درمختار	کتاب النکاح	مطبع مجتبائی دہلی	۱۸۷/۱

حدیث میں جو ارشاد ہوا لانکاح الا بولی وشاھدی عدل[1] (ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں۔ ت) نفی بمعنی نہی ہے اور نہی منافی صحت نہیں بلکہ ہمارے نزدیک یہ نہی ارشادی ہے کہ بالغہ کے نکاح میں ولی بھی شرط نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۲: از شمس آباد ضلع کیمل پور علاقہ اٹک مرسلہ مولانا قاضی گیلانی صاحب ۱۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

بحضور لامع النور، موفور السرور، قاطع الشرور والفسق والفجور حضرت عالم اہل السنۃ والجماعۃ مجدد مائۃ حاضرہ زید مجدہم! بعد نیاز بے آغاز حضور نے فرمایا تھا کہ کتب خانہ فیض نشانہ میں عینی ہدایہ نہیں لہذا دو ورق بقدر حاجت ارسال خدمت فیضدرجت ہیں، مسئلہ خطبۂ نکاح بغیر کفو میں اس ملک کے علماء سخت مختلف ہیں بعض کتب عربیہ فارسیہ قلمی غیر مشہور میں لکھا ہے کہ تقسیم فواکہ وشکر با فاتحہ خوانی بلا ایجاب وقبول یا وعدہ کہ میں تم کو اپنی بیٹی دوں گا یا اس ارادہ پر کوئی تحفہ خوردنی یا پوشیدنی لیا تو بھی مثل ایجاب وقبول کے موجب انعقاد نکاح ہو گیا اور حدیث تحرم الخطبۃ علی خطبۃ اخیہ[1] (بھائی کی منگنی پر منگنی حرام ہے۔ ت) سے ان عبارتوں کو اور بھی تاکید دیتے ہیں اور عینی شرح ہدایہ کی عبارت کتاب النکاح میں لان الخطبۃ التزوج[2] (کیونکہ منگنی نکاح کے لیے ہوتی ہے۔ ت) ان کے مدعا کی پوری مثبت ہے ان کے نزدیک ایجاب وقبول لفظی یا کوئی قول وفعل اس پر دال ہو موجب نکاح ہے اگرچہ فتاوٰی مہدیہ وغیرہ کی عبارتیں ان کو بار بار دکھائی گئیں مگر وہ لوگ قاصر الفہم اپنی ہٹ سے باز نہیں آتے اور اس کا نام احتیاط فی الفروج رکھا ہے۔ حضور نے ایک بار فرمایا تھا کہ قلم ناسخ کی غلطی معلوم ہوتی ہے اور صحیح عبارت لان الخطبۃ للتزوج معلوم ہوتی ہے حضور کی یہ دُرفشانی نہایت اوفق واوجہ ہے مگر غرض یہ ہے کہ اس مسئلہ خطبہ کے متعلق کل مالہا وما علیہا مع ازالہ اوہام وابانۃ مرام ابحاث کے ساتھ بقدر چار پانچ ورق کے بزبان عربی حضور ارشاد فرمائیں۔ دوسری عبارت عینی کی:

وعنہ فی الرجل یشرب الشراب اوھو حائك یفرق بینھما وفی البسیط ذھبت الشیعۃ الٰی ان نکاح العلویات ممتنع علی غیرھم مع التراضی قال السروجی وھما قولان باطلان[3] انتہی

عینی سے روایت ہے کہ جو شراب کا عادی یا جولاہا ہے تو دونوں کی تفریق کر دی جائے گی، اور بسیط میں ہے کہ شیعہ کا مذہب ہے کہ علویات (سیدزادیوں) کا نکاح ان کے اولیاء کی رضامندی کے باوجود بھی غیر سے ممنوع ہے، سروجی نے کہا یہ دونوں قول باطل ہیں انتہی (ت)

---

[1] صحیح مسلم باب تحریم الخطبۃ علی خطبۃ اخیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۴

[2] عینی شرح ہدایہ فصل فی الحداد مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ ۲/۴۳۴

[3] " فصل فی الکفارۃ " ۲/۱۰۲

اور عبارت تو اس سے پہلے صاف ہے ھما کے مرجع ہی میں شبہہ ہے، اگر اس قاعدۂ اکثریہ پر کہ اصل مرجع میں مذکور قریب ہے قریب کے دو قول لیے جائیں جو کہ ایک شارب و حائک کا، دوسرا شیعہ والا ہے، تو اگرچہ شیعہ کے قول کا بطلان ظاہر ہے کہ ظاہر روایت میں بغیر تراضی اولیاء بھی نکاح درست ہے باوجود ثبوت اعتراض للولی، اور بروایت نوادر نادرست ہے لفساد الزمان فلو یکن ممتنعا (اس کی وجہ زمانے کا فساد ہے لہذا اصلاً ممنوع نہ ہوا۔ ت) مگر شارب الشراب یا حائک سے اگر اعلیٰ قوم کی عورت نے بغیر تراضی اولیاء کے نکاح کرلیا تو ظاہر روایت ہی کی رُو سے تو تفریق کی جائے گی جیسا کہ کل متون و شروح و فتاوٰے میں مذکور ہے، پس اس کے بطلان کی وجہ کیا ہے، سروجی حنفی مذہب کا ہے یا کہ غیر، اور کس طبقہ کا ہے، اور اس کی عبارت کا صاف مطلب کیا ہے۔ ملک خراسان کے اکثر حصص میں اکثر علمائے احناف اس کے قائل ہیں کہ کہ سیدزادی کا نکاح ہر شخص شریف و رذیل کے ساتھ درست ہے ولی راضی ہو یا خفا، اور فقہ کی کل کتابوں سے اغماض کرکے صرف دو عبارتوں پر مصر ہیں، ایک آیت سورۂ احزاب کے اول رکوع میں:

النبی اولٰی بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم[1] الخ

نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مومنین کی جانوں سے بھی ان کے لیے قریب تر ہیں اور آپ کی ازواج پاک مومنین کی مائیں ہیں الخ (ت)

کہ تحریم ازواج مطہرات کی رسول اللہ وازواج کی بنات واخوات وخالات کی طرف متعدی نہیں، جیسا کہ مدارک و خازن و احمدی و رُوح البیان وغیرہ میں ہے۔

اور دوسری عبارت قال السروجی الخ جو کہ ابھی عینی سے نقل ہوئی ان کو جواب دیا گیا ہے کہ ظاہر روایت و نوادر سے یہ عبارت مخالف نہیں کیونکہ ظاہر روایت میں بھی درست ہے مع اعتراض ولی، اور نوادر میں جو نادرست ہے تو وہ بوجہ فسادِ زمانہ ہے فلا تعارض ولا تصادم (ظاہر اور نادر روایات میں تعارض و تصادم نہیں ہے۔ ت) اس کے متعلق بھی حضور لامع النور کچھ تحریر فرمائیں۔

الجواب

بملاحظہ شریفہ مولٰنا المبجل المکرم ذی المجد والفضل والکرم مولٰنا مولوی قاضی غلام گیلانی صاحب دامت معالیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عبارت بنایہ صفحہ ۱۰۲ بہت صاف ہے، اوپر کی روایت سے موازنہ کرکے اس روایت کا مطلب واضح ہوتا ہے، امام احمد ابن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے دو روایتیں ذکر کیں، اول:

---

[1] القرآن ۳۳/ ۶

لابد من اعتبار الکفاءۃ ولا یسقط الا بتراضی الولی والمرأۃ۔[1] کفو کا اعتبار ضروری ہے صرف ولی اور خود لڑکی کی رضا سے اس کا اعتبار ساقط ہوسکتا ہے۔ (ت)

یہ ہمارے مذہب کے موافق ہے حتی کہ روایت حسن مفتی بہا کے بھی کہ اس میں بھی اگر بالغہ برضائے ولی قبل النکاح عالما بعدم الکفاءۃ غیر کفو سے نکاح کرے گی صحیح و نافذ ہوگا اور حقِ اعتراض بھی نہ رہے گا۔ دوسری:

وعنہ فی الرجل یشرب الشراب اوھو حائک یفرق بینھما۔[2] انہی سے مروی کہ شراب کا عادی یا جولاہا ہو تو دونوں میں تفریق کردی جائے گی۔ (ت)

یہ مطلق ہے وہ استثنائے تراضی یہاں نہیں یہاں بھی وہ استثناء ہو تو دونوں روایتیں ایک ہوجائیں، لاجرم اس کے اطلاق کا یہ حاصل کہ لحاظِ کفاءت حقا للشرع لازم تراضی زن و ولی سے بھی ساقط نہ ہوگا، اور گو سب کی رضا سے ایسا نکاح ہو قاضی جبرًا علیہم تفریق کردے گا، جیسے ہمارے یہاں بنت ممسوسہ لشہوت سے برضائے زن و اولیاء نکاح کرے یفرق بینھما (دونوں میں تفریق کردی جائے گی۔ ت) یہی حکم روافض نے دربارۂ علویات دیا کہ دوسرے سے اگرچہ قرشی ہو علویہ کا نکاح اگرچہ برضائے کُل ہو ممتنع ہے، ان دونوں قولوں کو امام سروجی فرماتے ہیں: باطلان (دونوں باطل ہیں۔ ت) اور وہ بیشک باطل ہیں، اگر بالغہ برضائے ولی حائک سے نکاح کرلے لایفرق بینھما (دونوں میں تفریق نہیں کی جائے گی۔ ت) اور علویہ بالغہ قرشی غیر علوی سے نکاح کرے اگرچہ بے رضائے ولی یا غیر قرشی سے برضائے ولی لایمتنع (منع نہیں کیا جائے گا۔ ت) امام سروجی ابوالعباس احمد قاضی مصر متوفی ۷۱۰ھ صاحب غایہ شرح ہدایہ اجلہ علمائے حنفیہ سے ہیں، اُس وقت تو فقیر نے قیاس سے گزارش کیا تھا کہ الخطبۃ للتزوج (منگنی نکاح کے لیے۔ ت) ہوگا، اب کتاب کا ورق کہ جناب نے بھیجا دیکھ کر یقین کرتا ہوں کہ بیشک لام ہی ہے، کاتب نے اس کتاب کو نسخ نہ کیا مسخ کیا ہے اسی لیے میں نے نہ خریدی، خطبہ کا غیر نکاح ہونا ایسا روشن ہے جیسے صبح کا غیر شمس ہونا، حاشا یہ احتیاط فی الفروج نہیں بلکہ احتیال فی الفروج ہے کہ منگنی ہوتے ہی منکوحہ بنالیں ولایقول بہ جاھل فضلا عن فاضل (کوئی جاہل بھی یہ بات نہ کہے گا چہ جائیکہ کوئی فاضل کہے۔ ت) کس قدر کثرتِ وافرہ سے نصوص ملیں گے جو خطبہ و تزوّج کی مباینت ثابت کریں گے سہ

ولیس یصح فی الاعیان شئی اذا احتاج النہار الی دلیل

(دن کی موجودگی بھی اگر کسی دلیل کی محتاج ہو تو پھر دنیا میں کوئی چیز ثابت نہیں قرار پائے گی۔ ت)

---

[1] البنایہ شرح ہدایہ فصل فی الکفاءۃ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ ۲/ ۱۰۲

[2] البنایہ شرح ہدایہ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

حدیث تحرم الخطبۃ علٰی خطبۃ اخیہ[1] (بھائی کی منگنی پر منگنی حرام ہے۔ ت) سے اس کی تائید جہل شدید، ورنہ حدیث یحرم السوم علٰی سوم اخیہ[2] (بھائی کے لگائے ہوئے بھاؤ پر بھاؤ لگانا حرام ہے۔ ت) سے نفس سوم کو عقد بیع کرلیں گے، بنایہ کی پہلی عبارت لاینبغی ان تخطب المعتدۃ ش لان الخطبۃ للتزوج ونکاح المعتدۃ لایجوز[3] (عدت والی عورت کو منگنی کا پیغام دینا مناسب نہیں، شرح میں ہے، کیونکہ منگنی نکاح کے لیے ہوتی ہے جبکہ عدت والی کو نکاح جائز نہیں۔ ت) تو ظاہر ہے کیا نکاح معتدہ کو "لاینبغی" کہا جاتا اس کی تحریم تو محرمات میں گزری، یہاں کاتب نے "لان" چھوڑ دیا ہے متن نے دو مسئلے بیان فرمائے ایک خطبہ صریحًا اسے منع فرمایا، شارح اس کی دلیل بتاتے ہیں کہ خطبہ تو بغرض تزوج ہی ہے اور تزوج معتدہ حرام، دوسرا خطبہ بالکنایہ، اسے جائز فرمایا کہ لاباس بالتعریض فی الخطبۃ (عدت والی کو کنایہ کے طور پر منگنی کے پیغام میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ ت) یعنی خطبہ ہو مگر نہ الفاظ صریحہ میں بلکہ کنایہ تو حرج نہیں، کیا کوئی مسلم بلکہ کوئی عاقل اس کے یہ معنٰی لے سکتا ہے کہ معتدہ سے نکاح بالکنایہ جائز ہے حاش للہ! دوسری عبارت:

ای لایجوز ان یقول صریحا ارید ان انکحك او اخطبك لان الخطبۃ للتزوج کما ذکرنا[4]

یعنی صراحتًا یہ کہنا کہ میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں یا میں تجھے پیام نکاح دیتا ہوں ناجائز ہے کیونکہ منگنی نکاح کے لیے ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا (ت)

جس میں کاتب نے "ای" کا "ان" اور للتزوج کا التزوج لکھا ہے اس میں ان صاحبوں کو غالبًا یہ دھوکا لگا کہ اخطب کو منصوب پڑھا اور انکح پر معطوف اور "ارید" کے تحت میں داخل مانا کہ یہ کہنا جائز نہیں کہ میں تجھ سے خطبہ کرنا چاہتا ہوں یوں سمجھ لیا خطبہ تزوج ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اخطب مرفوع حکائی اور اس کا عطف "ارید" پر ہے یعنی یہ کہنا جائز نہیں کہ میں تجھ سے نکاح کیا چاہتا ہوں نہ یہ کہنا جائز کہ میں تجھے خطبہ کرتا یعنی پیام نکاح دیتا ہوں، پھر اس کے صریح ہونے کی وجہ فرماتے ہیں کہ خطبہ تزوج ہی کے لیے ہوتا ہے تو "اخطبك" کے معنی بعینہٖ وہی ہوئے کہ "ارید ان انکحك" آیہ کریمہ شمل امہات تحریم ابدی عام کے لیے ہے، یہ بیشک ازواج مطہرات سے خاص ہے ورنہ ختنین کریمین سے تزویج بنات مکرمات نہ ہوسکتی اس سے یہ لازم سمجھنا کہ غیر ازواج مطہرات

---

[1] صحیح مسلم باب تحریم الخطبۃ علٰی خطبۃ اخیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۴

[2] ؎ ؎ باب تحریم البیع علٰی بیع اخیہ الخ ؎ ؎ ۲/۳

[3] و [4] البنایہ شرح ہدایہ فصل فی الحداد مکتبہ امدادیہ مکۃ المکرمہ ۲/۴۳۴

میں حلِ مطلق ہے سخت جہل ہے، کہاں تحریمِ مطلق کی نفی کہاں حلِ مطلق کا اثبات، یعنی سالبہ کلیہ کا نقیض موجبہ کلیہ، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۱ از موضع بین ضلع پٹنہ مرسلہ جناب سید مظفر حسین صاحب مورخہ ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بالغہ لڑکی ہندہ کی نسبت عمرو سے مقرر کی اور بکر کو وکیل بالنکاح اور ناکح مقرر کرکے خط لکھ بھیجا کہ ہندہ کا نکاح عمرو سے اکیس ہزار روپیہ دین مہر پر کردو، ان تمام باتوں کی اطلاع ہندہ کو ہے اگرچہ اجازت ہندہ سے موافق دستور ہندوستان نہیں مانگا گیا اور ہندہ کی کسی حرکات وسکنات سے عدم رضامندی اور ناراضگی بھی ظہور میں نہ آئی۔ بکر نے اکیس ہزار دین مہر پر عمرو سے ہندہ کا نکاح کرکے زید کے پاس خط لکھ بھیجا کہ فلاں تاریخ عمرو سے ہندہ کا نکاح اکیس ہزار پر کردیا آپ لڑکی کو خبر کردیجئے، زید نے اپنی لڑکی کو اطلاع دلوایا تو لڑکی نے قبول کرلیا۔ نکاح ایسی صورت میں قبول ہوا اور تجدید کی ضرورت تو نہیں ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اگر صورتِ واقعہ یہ ہے تو نکاح صحیح وتام نافذ ولازم ہوگیا اگر کوئی مانع شرعی مثل فساد مذہب وغیرہ نہ ہو تجدید کی حاجت نہیں، فان الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالۃ السابقۃ[1] کما فی الخیریۃ وغیرھا (کیونکہ بعد کی اجازت پہلی وکالت کی طرح ہے۔ جیسا کہ خیریہ وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ فصل فی نکاح الفضولی دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۷

باب المحرّمات

(محرمات کا بیان)

مسئلہ ۱۵۵: ۱۹ رجب ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے ابن الابن زید کو دُودھ پلایا، اب زید کا نکاح اپنی نواسی لیلٰی بنت سلمٰی سے کیا چاہتی ہے آیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

ہرگز جائز نہیں کہ جب زید نے اپنی دادی کا دُودھ پیا تو وہ اس کی ماں ہُوئی، اور جب وہ اس کی ماں ہُوئی تو اس کی ساری اولاد خواہ اس دُودھ سے پہلے پیدا ہوئی ہو یا بعد، سب اس کے بھائی بہن ہُوئے، اور جب وہ سب بہن بھائی ہیں تو ان کی بیٹیاں اس کی بھتیجیاں بھانجیاں ہیں، پس لیلٰی بھی کہ سلمٰی بنت ہندہ کی دختر ہے زید کی بھانجی ہے اور زید اس کا ماموں، اور ماموں بھانجی کا نکاح کہیں حلال نہیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما حتی ان المرضعۃ لو ولدت قبل ھذا الارضاع اوبعدہ اوارضعت رضیعا فالکل اخوۃ الرضیع واخواتہ واولادھم اولاد اخوتہ واخواتہ[1] اھ ملخصًا۔

دُودھ پینے والے بچے پر رضاعی ماں باپ اور ان کے اصول وفروع حرام ہوجاتے ہیں حتی کہ اگر دُودھ پلانے والی نے اس سے قبل یا بعد اس نے کوئی بچہ جنا ہو یا کسی کو دودھ پلایا ہو تو وہ سب اس کے بھائی بہن ہوں گے اور ان کی اولاد اس کے بھتیجے اور بھتیجیاں اور بھانجے اور بھانجیاں ہوں گی اھ ملخصا (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرضاع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۴۳

اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ بعض مدعیانِ علم کا یہ خیال کہ سلمٰی مادرِ لیلٰی زید سے پہلے پیدا ہوئی تھی تو دودھ میں شرکت نہ ہوئی، نہ سلمٰی اس کی بہن نہ لیلٰی اس کی بھانجی ٹھہری، محض جہالتِ فاحشہ ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۶ از خیر آباد مرسلہ حسین بخش صاحب رضوی یکم ربیع الاول ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو بکر کی بیٹی بیاہی ہے اور بکر نے دوسری عورت سے نکاح کیا، بعدہ بکر مرگیا، اب زید چاہتا ہے کہ اپنی سوتیلی خوشدامن سے نکاح کرے، یہ نکاح موافق حاشیہ عینی کے جائز ہے یا نہیں؟ اور زنِ مذکورہ قولہ تعالٰی وامھات نسائکم میں داخل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

نکاحِ مذکور بیشک جائز ہے، قال اللہ عزوجل: واحل لکم ما وراء ذلکم[1] (محرمات مذکورہ کے ماسوا تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ ت) علماء قاطبۃً متون وشروح وفتاوٰی میں محرمات صہریہ زوجاتِ اصول وفروع، اصولِ فروعِ زوجات بتاتے ہیں نہ زوجۂ اصول زوجہ وعدم الذکر فی امثال المقام ذکر العدم کما لایخفی (ایسے مقام میں ذکر نہ ہونا گویا نہ ہونے کا ذکر ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) اور سوتیلی ماں لفظِ امّھات میں ہرگز داخل نہیں، ورنہ آیۂ تحریم میں حرمت علیکم امھاتکم[2] (تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئی ہیں۔ ت) کے بعد ولا تنکحوا مانکح اٰباؤکم[3] (جن سے تمہارے آباء نے نکاح کیا تم ان سے نکاح نہ کرو۔ ت) کیوں فرمایا جاتا۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ سوتیلی ماں کی ماں اور اس کی بیٹی اور اس کی بہن سب حلال ہیں۔ اگر سوتیلی ماں بھی ماں ہوتی تو یہ عورتیں اس کی نانی، بہن، خالہ قرار پاتیں۔ علامہ خیر الدین رملی فرماتے ہیں:

لاتحرم بنت زوج الام ولا امہ ولا ام زوجۃ الاب ولا بنتھا[4]۔ ماں کے خاوند کی بیٹی اور اس کی ماں اور باپ کی دوسری بیوی کی ماں اور بیٹی حرام نہیں (ت)۔

اصل یہ ہے کہ ساس کی حرمت اس وجہ سے نہیں کہ وہ خسر کی زوجہ ہے بلکہ اس لیے کہ وہ زوجہ کی ماں ہے، سوتیلی ساس میں یہ وجہ نہیں لہذا اس کی حلت میں کوئی شبہہ نہیں۔ مسئلہ واضح ہے اور حکم ظاہر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۷ از رسنگھ پور کنڈیلی متصل جامع مسجد مرسلہ مولوی یقین الدین صاحب ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم، اما بعد کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ نصیبن اپنے خاوند

---

[1] القرآن ۴/ ۲۴
[2] القرآن ۴/ ۲۳
[3] القرآن ۴/ ۲۲
[4] فتاوٰی خیریہ فصل فی المحرمات دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۳

زید کی موجودگی میں بکر سے پھنسی ہُوئی تھی، زید اپنے روزگار کی وجہ سے دوسرے شہر میں رہتا تھا، مگر اپنی زوجہ نصیبن کو دُو برس تک کچھ خرچ نہ بھیجا، چنانچہ نصیبن علانیہ بکر کے گھر میں آگئی، اس کے ایک لڑکا بھی زید سے ہے نصیبن کو بکر کے یہاں پڑے ہُوئے عرصہ دس برس کا گزرا، اب بکر چاہتا ہے کہ اُس سے نکاح کرے، زید نے طلاق نہیں دی ہے مگر ہاں زید کی مرضی ہے کہ مسمّاۃ کچھ دے تو طلاق دے دوں۔ بکر درصورت طلاق نہ دینے زید کے نصیبن سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ عورت بے اذنِ شوہر گھر سے نکل جائے تو نکاح سے نکل جائے محض غلط ہے۔

قال تعالٰی:

واللاتی تخافون نشوزھن فعظوھن[1]، الاٰیۃ۔ تخافون تعلمون ومن النشوز الخروج بلا اذن۔

جن عورتوں کی نافرمانی کا احساس کرتے ہو ان کو نصیحت کرو، الآیۃ۔ یہاں تخافون بمعنی تعلمون اور نشوز سے مراد اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا ہے (ت)

معاذاللہ اگر ایسا ہو تو نکاح کی گرہ زنان ناقصات العقل والدین کے ہاتھ میں ہوجائے، جو عورت چاہے بے ارادہ شوہر سہل طور پر قیدِ نکاح سے آزادی حاصل کرے حالانکہ اللہ عزوجل نے نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں رکھی ہے۔ قال عزوجل:

بیدہ عقدۃ النکاح[2] یعنی الزوج فی قول علی وسعید بن المسیب وسعید بن جبیر وغیرھم رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

اسی (خاوند) کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ، سعید بن مسیّب اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم نے خاوند مراد لیا ہے۔ (ت)

اسی طرح عیاذاً باللہ عورت کے فسق وفجور سے بھی نکاح نہیں جاتا، قال اللہ تعالٰی:

واللاتی یأتین الفاحشۃ من نسائکم[3] سماھن مع ذلك نساءھم، وقال جل وعلا والذین یرمون ازواجھم[4] الاٰیۃ الٰی قولہ تبارك وتعالٰی ویدرؤ عنھا

تمہاری بیویوں میں سے جو فحش کاری کی مرتکب ہو۔ اس میں اس کے باوجود ان کو بیویاں فرمایا گیا ہے۔ اللہ جل وعلا نے فرمایا: وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں الآیۃ، اس عورت سے حد کو ساقط

---

[1] القرآن ۴/ ۳۴
[2] القرآن ۲/ ۲۳۷
[3] القرآن ۴/ ۱۵
[4] القرآن ۲۴/ ۶

العذاب[1] الآیۃ — کرو، الآیۃ تک۔ (ت)

پس جبکہ زید نے ہنوز طلاق نہ دی نصیبن بدستور اس کے نکاح میں باقی ہے اور بکر خواہ کسی کو، ہرگز اس سے نکاح حلال نہیں اگر کر بھی لیا، تاہم جیسے اب تک وُہ دونوں مبتلائے زنا رہے یُوں ہی اس نکاح بے معنی کے بعد بھی زانی وزانیہ رہیں گے اور یہ جھُوٹا نام نکاح کا کچھ مفید نہ ہوگا۔ قال تعالٰی: والمحصنٰت من النساء[2] (شادی شدہ پاکیزہ عورتیں۔ ت) پس چارۂ کار یہی ہے کہ بکر ونصیبن فوراً جُدا ہوجائیں اور اللہ عزوجل کے غضب سے ڈر کر اپنے ان کبیرہ گناہوں سے توبہ کریں پھر نصیبن زید کے پاس نہ رہنا چاہے تو اسے اختیار ہے کہ زید کو طلاق کے بدلے مال دے کر خواہ بغیر مال دئے طلاق حاصل کرے۔ قال المولٰی سبحانہ وتعالٰی:

فان خفتم الّا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ[3]۔ اگر تمھیں ڈر ہے کہ عدل کے طور پر وُہ دونوں حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو (خلع کے طور پر عورت کی طرف سے) فدیہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (ت)

جب زید طلاق دے دے تو اب تین حیض کامل گزرنے کے بعد نصیبن کو حلال ہوگا کہ بکر خواہ غیر بکر جس سے چاہے نکاح کرلے، قال سبحٰنہ وتعالٰی:

والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلٰثۃ قروء[4]۔ طلاق شدہ عورتیں اپنے کو تین حیض تک پابند رکھیں۔ (ت)

بکر ونصیبن اگر اس حکمِ الٰہی پر گردن رکھیں فبہا، اور اگر نہ مانیں اور اسی حالت پر رہیں یا بے طلاق حاصل کیے آپس میں نکاح کرلیں تو ایمان والے مرد اور ایمان والی بیبیاں انھیں یک لخت چھوڑ دیں، نہ اپنے پاس بیٹھنے دیں نہ خود ان کے پاس بیٹھیں۔ قال عزوجل:

واما ینسینك الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظٰلمین[5]۔ اور کبھی شیطان تجھے بھُول میں ڈال دے تو یاد آئے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھ۔ (ت)

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عالمِ حیاتِ زوجہ میں حقیقی سالی یا رشتہ کی سالی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

تا حیاتِ زوجہ جب تک اسے طلاق ہوکر عدت نہ گزر جائے اس کی بہن سے جو اس کے باپ کے نطفے

---

[1] القرآن ۲۴/ ۸
[2] القرآن ۴/ ۲۴
[3] القرآن ۲/ ۲۲۹
[4] القرآن ۲/ ۲۲۸
[5] القرآن ۶/ ۶۸

یا ماں کے پیٹ سے یا دُودھ شریک ہے نکاح حرام ہے۔ قال اللہ تعالٰی: وان تجمعوا بین الاختین[1] (منع ہے کہ تم دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو۔ ت) اور ان کے سوا زوجہ کی رشتہ کی بہنیں مثلاً چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی کی بیٹیاں اس کے شوہر پر ہر وقت حلال ہیں کل ذٰلك مصرح به فی کتب الفقه (ان تمام مسائل کی تصریح کتب فقہ میں موجود ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بھتیج بہو اور بھانج بہو سے نکاح درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

دونوں سے درست ہے، قال اللہ تعالٰی: واحل لکم ماوراء ذٰلکم[2] (اور مذکورہ محرمات کے علاوہ تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۰: ۵ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ از لکھنؤ محلہ علی گنج مرسلہ حافظ عبداللہ صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین جواب اس مسئلہ کا کہ ایک شخص نے اپنی سالی کی لڑکی کو واسطے اپنے لڑکے کے نکاح کے پرورش کیا، تقدیرِ ربی سے لڑکا انتقال کرلیا، بعدہ خود پرورش کنندہ کی بی بی فوت ہوگئی، اب پرورش کنندہ نے اپنی شادی اس لڑکی پرورش کردہ شدہ سے کرلی یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

قطعاً جائز ہے۔ قال اللہ تعالٰی، واحل لکم ماوراء ذٰلکم[3] (اور مذکورہ محرمات کے علاوہ تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ ت) ظاہر ہے کہ بیٹے کے لیے نیتِ نکاح ہونے سے وُہ بیٹے کی منکوحہ نہ ہوگئی جو حلائل ابنائکم الذین من اصلابکم[4] (تمہارے صلبی بیٹوں کے لیے حلال شدہ عورتیں تم پر حرام ہیں۔ ت) میں داخل ہوسکے، حلائل جمع حلیلہ ہے یعنی وُہ عورتیں تم پر حرام ہیں جو بذریعہ نکاح تمہارے صلبی بیٹوں کے لیے حلال ہوچکیں، یہاں نہ ابھی بیٹے سے نکاح ہُوا نہ یہ عورت اُس کے لیے حلال ہوئی باپ پر کیونکر حرام ہوسکتی ہے، اور اگر پرورش کے خیال سے ایسا کہا جائے تو بھی محض غلط۔ قرآن عظیم نے یوں فرمایا ہے:

وربائبکم التی فی حجورکم من نسائکم التی دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن تمہاری گود کی پالیاں تمہاری اُن عورتوں کی بیٹیاں جن سے تم ہم بستر ہو چکے اگر تم نے ان عورتوں سے ہم بستری

---

[1] القرآن ۴/ ۲۳
[2] القرآن ۴/ ۲۴
[3] القرآن ۴/ ۲۴
[4] القرآن ۴/ ۲۳

فلاجناح علیکم[1] نہ کی ہو تو ان کے ساتھ نکاح میں تم پر کچھ گناہ نہیں۔

دیکھو قرآن مجید تصریح فرماتا ہے کہ اپنی منکوحہ کی دختر اپنی گود کی پالی بھی حلال ہے جب تک منکوحہ سے خلوت نہ کی ہو اختیار رکھتا ہے کہ منکوحہ کو چھوڑ کر یا اس کے مرے پر اس سے نکاح کرلے تو سالی کی بیٹی پرورش کرنے سے کیوں حرام ہونے لگی، یہ محض ہندوانہ خیالات ہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۱ ۲۱ رجب ۱۳۰۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر کا نکاح عمرو کے ساتھ کردیا، عمرو نے طلاق نہیں دی، زید نے کچھ روپیہ بکر سے لے کر نکاح بکر کے ساتھ کردیا، اور بکر نے بھی طلاق نہیں دی، زید نے اور شخص ثالث کے ساتھ کچھ روپیہ لے کر نکاح کردیا، اس صورت میں یہ نکاح جائز ہوگئے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

یہ نکاح نہ ہوئے محض زنا ہوئے، قال اللہ تعالٰی، والمحصنٰت من النساء[2] (شادی شدہ عورتیں حرام ہیں۔ ت) عورت اب جس کے پاس ہے اُس پر قطعی فرض ہے کہ عورت کو اپنے پاس سے الگ کرے اور نکال دے، اور عورت پر فرض قطعی ہے کہ اس سے جُدا ہوجائے اپنے خاوند عمرو کے پاس آئے اور یہ روپیہ کہ زید نے بکر اور اس شخص ثالث سے لیا بالکل حرام قطعی اور رشوت بلکہ زنا کی خرچی تھا، زید پر فرض ہے کہ یہ روپیہ جس جس سے لیا ہے اسے واپس کرے، زید اور وہ شخص ثالث اور وہ عورت تینوں میں سے جو شخص ان احکام کی تعمیل نہ کرے مسلمان اُسے اپنی صحبت سے نکال دیں اور اس کے پاس اُٹھنا بیٹھنا ترک کریں۔ قال اللہ تعالٰی:

واما ینسینك الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظٰلمین[3] جب کبھی شیطان تجھے بھول میں ڈالے تو یاد آنے پر ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھو۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۲ ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا ایک بیٹا ہے اور ہندہ کی ایک بیٹی، زید کا بیٹا ہندہ سے نکاح کیا چاہتا ہے اور زید ہندہ کی بیٹی سے، اس صورت میں یہ دونوں نکاح ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ کتاب اللہ سے فرمائیے۔ بینوا توجروا

الجواب

یہ دونوں نکاح حلال ہیں، قال اللہ تعالٰی، واحل لکم ما وراء ذٰلکم[4] (محرمات مذکورہ کے ماسوا تمہارے لئے

---

[1] القرآن ۴/ ۲۳ [2] القرآن ۴/ ۲۴
[3] القرآن ۶/ ۶۸ [4] القرآن ۴/ ۲۴

حلال کی گئی ہیں۔ ت) ظاہر ہے کہ پسرِ زید کے لیے ہندہ اگر ہوگی تو باپ کی ساس ہوگی وذلك اذا تقدم نکاح زید (اور یہ جب ہے کہ زید کا نکاح پہلے ہوا ہو۔ ت) اور باپ کی ساس حلال ہے جبکہ وُہ اپنی نانی نہ ہو۔

فی رد المحتار قال الخیر الرملی لا تحرم ام زوجۃ الاب[1]۔ ردالمحتار میں ہے کہ خیرالدین رملی نے فرمایا کہ باپ کی ساس حلال ہے۔ (ت)

اور زید کے لیے ہندہ کی بیٹی اگر ہوگی تو بہو یعنی زوجہ پسر کی بیٹی ہوگی وھذا اذا سبق نکاح ابن زید (یہ جب ہے کہ زید کے بیٹے کا نکاح پہلے ہُوا ہو۔ ت) اور بہو کی بیٹی حلال ہے جبکہ وُہ اپنی پوتی نہ ہو۔

فی رد المحتار اما بنت زوجۃ ابنہ فحلال[2]۔ ردالمحتار میں ہے بیٹے کی بیوی کی بیٹی حلال ہے۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۳ از اوجین مرسلہ میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ ۲۹ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی سالی حقیقی سے صحبت کی اور عمرو نے سالی کے ساتھ نکاح، تو زید وعمرو کی اولین عورتوں پر طلاق عائد ہوتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ قرآن مجید و فرقانِ حمید میں ان تجمعوا بین الاختین الا ماقد سلف (منع ہے کہ تم دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو مگر جو ہو گزرا۔ ت) وارد ہے، اس مسئلہ میں جو حکم شرعاً ہو بُوا گانہ مع التشریح بحوالہ کتب بیان فرمائیں۔

الجواب

بموجودیِ زوجہ سالی سے نکاح حرام ہے اور اس پر فرض ہے کہ اُسے ہاتھ نہ لگائے اور فوراً چھوڑ دے اور زنا تو ہر حال حرام ہی ہے مگر سالی سے نکاح یا زنا کرنے سے زوجہ مطلقہ نہیں ہوتی۔ نہ آیت کا یہ مطلب ہے، نہ سالی سے زنا کے سبب زوجہ سے جماع حرام ہو۔ درمختار میں ہے:

فی الخلاصۃ وطی اخت امرأتہ لا تحرم علیہ امرأتہ[3]۔ خلاصہ میں ہے کہ سالی سے زنا کی وجہ سے بیوی حرام نہ ہوگی۔ (ت)

نہ سالی کے ساتھ فقط نکاح کرنے سے جماعِ زوجہ ممنوع ہوجائے جب تک سالی سے جماع واقع نہ ہو، ہاں اگر بعد نکاح سالی سے جماع کرلیا تو اب زوجہ سے جماع حرام ہوگیا یہاں تک کہ سالی کو چھوڑ دے اور اس کی عدت گزر جائے اُس وقت زوجہ سے جماع جائز ہوگا، یوں ہی اگر بے نکاح سالی سے جماع کیا مگر دیدہ ودانستہ

---

[1] فتاوٰی خیریہ فصل فی المحرمات دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۳

[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۹

[3] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۸

زنا نہ کیا بلکہ شبہہ اور دھوکے سے جماع واقع ہو تو بھی زوجہ سے جماع حرام ہوگیا جب تک اس جماعِ شبہہ کے سبب سالی پر جو عدت لازم آئی ہے ختم نہ ہوجائے۔

فی ردالمحتار فی مسئلۃ نکاح المرأۃ علی اختہا الثانی باطل ولہ وطئ الاولی الا ان یطأ الثانیۃ فتحرم الاولی الی انقضاء عدۃ الثانیۃ کما لو وطئ اخت امرأتہ بشبہۃ حیث تحرم امرأتہ مالم تنقض عدۃ ذات الشبہۃ ح عن البحر[1]۔

ردالمحتار میں بہن کی موجودگی میں سالی سے نکاح کے مسئلہ میں فرمایا کہ دُوسرا نکاح باطل ہے اور جب تک دوسری سے وطی نہ کی ہو پہلی سے جماع جائز ہے، اگر دوسری سے وطی کرلی ہو تو پہلی سے جماع اس وقت تک حرام ہے جب تک دوسری کی عدت نہ گزر جائے

جس طرح شبہہ کی بناء پر بیوی کی بہن سے جماع ہوجائے تو بیوی سے جماع حرام ہوجاتا ہے تاوقتیکہ شبہہ والی کی عدت پُوری نہ ہوجائے، یہ بحر سے منقول ہے۔ (ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۶۴ ازمارہرہ مطہرہ مرسلہ حضرت سید ظہور حیدر میاں صاحب قبلہ پنجم شوال ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ زید نے اپنی دختر ہندہ نابالغہ کا عقد بولایت اپنے ہمراہ بکر کردیا کہ جس کو عرصہ ایک سال کا گزرا زید کی زوجہ کو سفر درپیش آیا واسطے حفاظت ونگرانی بکر کو ہمراہ کردیا زوجہ زید نے بھراہی اپنے داماد بکر کے مع ایک خادمہ سفر گاڑی پر کیا شب کو سرائے میں بکر نے بارادہ فاسدہ ونیت خراب اپنی خوشدامن کی چارپائی پر آکر زبردستی کہا کہ میں پاؤں دابوں، ہرچند منع کیا لیکن زبردستی پاؤں دبانے شروع کردیے اور شکم پر ہاتھ پھیر کر قریب تھا کہ کمربند کھول ڈالے اور اپنا ازاربند اول کھول لیا تھا، نہایت مشکل وزبردستی سے بکر کو چارپائی سے علیحدہ کیا گیا، دوبارہ پھر قریب تین بجے شب کے بکر نے آکر چارپائی پر بیٹھ کر ارادہ دست درازی کا کیا زوجہ زید کی آنکھ کھُل گئی اور وُہ چیخ کر غل مچانے لگی کہ جس سے گاڑی بان اور خادمہ نے چونک کر چراغ سے دیکھا تو بکر تھا عذر بدتر از گناہ کرنے لگا کہ میں کتا مارنے آیا تھا یہ بات زوجہ زید یقین اور خوب مضبوطی سے از رُوئے مباہلہ وقسم شرعی کہتی ہے کہ بکر نے اول مرتبہ میرے شکم پر ہاتھ پھیر کر میرے ازاربند کھولنے کی نیت سے دست درازی کی تھی اور اپنا ازاربند کھول رکھا تھا اور اس وقت بکر کے دست وپا میں رعشہ سخت تھا اگر میں ناراض ہوکر زبردستی بکر کو چارپائی سے علیحدہ نہ کرتی تو بیشک میری عصمت بکر خراب کر ڈالتا اور اسی ارادہ سے دوبارہ پھر بکر آکر میری چارپائی پر بیٹھا اگر گاڑی بان وخادمہ چراغ لے کر نہ آتے اور نہ دیکھتے

---

[1] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۶

تو بکر ہر گز اپنے ارادہ سے باز نہ آتا، زید کو بعد دریافت اس حالت کے اپنی دختر ہندہ کے عقد میں شک پڑ گیا اور کہا کہ میں اب رخصت نہ کروں گا۔ تو اب جس حالت میں دونوں ولی اصلی یعنی والدین ہندہ زید مع زوجہ بکر سے بباعث اس حرکت کے ناراض ہیں تو نکاح ہندہ کا بکر سے باقی رہ گیا یا ٹوٹ گیا؟ اور اگر ٹوٹ گیا تو عقد ثانی اس کا خواہ بکر سے یا اور جگہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ دختر زید یعنی ہندہ نابالغہ ہے اور ولی یعنی والدین اس کے بکر سے ناراض ہیں تو ایسی حالت میں مسئلہ شریعت کیا ہے؟ اور اب معاملہ ہندہ و بکر کیا ہونا چاہئے؟ اور زوجہ زید جوان ہے جس سے یہ حرکت بکر نے کی۔ فقط، بینوا توجروا

الجواب

اس میں شک نہیں کہ اپنی منکوحہ کی ماں کے جسم کو بنظر شہوت کسی جگہ ہاتھ لگانے سے گو نکاح زائل نہیں ہوتا مگر عورت ہمیشہ ہمیشہ کو حرام ہو جاتی ہے، اور اس شخص پر واجب ہوتا ہے کہ اسے چھوڑ دے، لیکن اس قدر ضرور ہے کہ مس بحالت شہوت ہو یعنی ہاتھ لگانے کے وقت ہی معاً نعوظ (یعنی عضو تناسل کا قائم ہونا) پیدا ہو یا پہلے سے نعوظ تھا تو ایسی حالت میں زائد ہو جائے ورنہ اگر جس وقت مس کیا نعوظ نہ تھا جب مس ختم ہو چکا اس کے بعد پیدا ہوا یا نعوظ پہلے سے تھا اور مس کرنے میں کچھ زیادہ نہ ہوا بدستور رہا تو حرمت نہ ہوگی۔

فی الدر المختار العبرۃ للشھوۃ عند المس والنظر لابعدھما وحدھا فیما تحرك آلته او زیادته به یفتی[1] وفی ردالمحتار قوله او زیادته ای زیادۃ التحرك ان کان موجودا قبلهما قوله به یفتی قال فی الفتح وفرّع علیه مالو انتشر وطلب امرأته فاولج بین فخذی بنتها خطأ لا تحرم امها مالم یزد الانتشار[2]

درمختار میں ہے کہ دیکھنے اور چھونے کے وقت شہوت کا اعتبار ہے اس کے بعد والی شہوت معتبر نہیں، اور اس وقت معتبر شہوت کی حد یہ ہے کہ چھونے اور دیکھنے پر آلہ تناسل حرکت کرے یا اس وقت حرکت میں زیادتی پیدا ہو، اسی پر فتوی ہے۔ اور ردالمحتار میں ہے، اس کا قول زیادته اس سے مراد حرکت کی زیادتی ہے جبکہ پہلے حرکت موجود ہو، اس کا قول به یفتی، فتح میں کہا اور اس پر تفریع بیان کی کہ کسی کو انتشار ہوا، اپنی بیوی کی طلب کی تو بیوی کی بجائے (بیوی کے پہلے خاوند سے) بیٹی کی رانوں کو غلطی اور خطا سے استعمال کیا تو اس لڑکی کی ماں (بیوی) اس پر حرام

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۸۰

نہ ہوگی کیونکہ اس وقت انتشار زائد نہ ہُوا (بلکہ وہی انتشار موجود رہا جو پہلے بیوی کے لیے ہوا تھا)۔(ت)

اسی طرح یہ بھی ضرور ہے کہ مس برہنہ جسم پر ہو یا کسی ایسے باریک کپڑے پر سے کہ عورت کے جسم کی حرارت اس کے ہاتھ کو پہنچنے سے مانع نہ ہو، جیسے اس زمانہ میں جالی یا تنزیب کی کُرتیاں، ورنہ اگر ایسا سنگین کپڑا حائل تھا کہ جسمِ زن کی گرمی ہاتھ کو محسوس نہ ہونے دے تو حرمت نہیں اگرچہ مس بہزار شہوت واقع ہوا ہو۔

فی الدرالمختار واصل ممسوسة بشهوة ولو بشعر علی الرأس بحائل لایمنع الحرارة[1] فی رد المحتار فلو کان مانعا لاتثبت الحرمة کذا فی اکثر الکتب وکذا لو جامعها بخرقة علی ذکرہ[2]۔

درمختار میں ہے شہوت کے ساتھ مس شدہ عورت خواہ یہ مس عورت کے سر کے بالوں کا کسی ایسے پردہ اور کپڑے کے حائل ہونے کے باوجود ہو جو بدن کی حرارت پہنچنے کے لیے مانع نہ ہو، تو بھی اس عورت کے اصول حرام ہوجائیں گے۔ ردالمحتار میں ہے کہ اگر وہ کپڑا بدن کی حرارت کے لیے مانع ہو تو حرمت ثابت نہ ہوگی، اکثر کتب میں ایسے ہی ہے، اور یوں ہی اگر کسی عورت سے جماع کے وقت ذکر پر موٹا کپڑا لپیٹ لیا (جس سے آپس میں دونوں کے بدن کی حرارت نہ محسوس ہو سکے اور عورت کے باقی تمام بدن پر موٹا کپڑا ہو کہ کوئی حصہ بدن برہنہ مس نہ ہو)۔ (ت)

نیز ایک شرطِ حُرمت یہ ہے کہ حرکت انزال کی طرف مؤدی نہ ہو، اگر انزال ہوگیا حُرمت نہ ہُوئی۔

فی الدرالمختار هذا اذا لم ینزل فلو انزل مع مس او نظر فلا حرمة به یفتی ابن کمال[3]۔

درمختار میں ہے کہ حرمت تب ثابت ہوگی جب اس انتشار میں انزال نہ ہُوا ہو، اور اگر مس یا نظر کے وقت شہوت سے انزال ہوجائے تو حرمت ثابت نہ ہوگی، اسی پر فتوٰی ہے، ابن کمال۔ (ت)

غرض مَس یا نظر کے سبب حرمتِ مصاہرت ثابت ہونے میں یہ شرطیں ہیں، زوجۂ زید کا بیان جس قدر سوال میں مذکور اس سے کچھ نہیں کھُلتا کہ صورتِ واقعہ میں یہ متحقق تھیں یا نہیں، تین بجے شب کے واقعہ میں بکر کا صرف اس کی چارپائی پر آکر بیٹھنا اور دست درازی کا ارادہ کرنا بیان کرتی ہے مجرد ارادہ کوئی چیز نہیں، اور واقعۂ اوّل شب میں بھی کچھ نہیں کہتی کہ بکر کا پاؤں دبانا کپڑے پر سے تھا یا برہنہ پاؤں پر،

---

[1] درمختار | فصل فی المحرمات | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۸۸
[2] ردالمحتار | " " " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۲۸۰
[3] درمختار | " " " | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۸۸

اور شکم پر ہاتھ پھیرنا بھی کچھ خواہی نخواہی اس میں نص نہیں کہ برہنہ پیٹ پر ہاتھ پھیرا، نہ یہ معلوم کہ اس وقت زوجہ زید کی کُرتی کیسے کپڑے کی تھی، تو اس کے فقط اتنے بیان پر حکم حُرمت نہیں ہوسکتا جب تک صاف صاف تمام شرائط کا متحقق ہونا نہ ظاہر ہو۔ لہٰذا فقیر اس مسئلہ کے جواب میں صرف اس قدر حکم دے سکتا ہے کہ اگر بکر نے زوجہ زید کے پاؤں یا پیٹ خواہ کسی جسم پر برہنہ یا حائل نرم کے ساتھ بطور شہوت ہاتھ لگایا کہ اس حرکت کی حالت ہی میں اسے نعوظ پیدا ہوا یا پہلے سے تھا تو اسی حالت میں بڑھ گیا اور انزال واقع نہ ہوا تو بیشک ہندہ ہمیشہ ہمیشہ بکر پر حرام ہوگئی کہ کبھی کسی طریقہ سے اُسے ہاتھ نہیں لگا سکتا، اور اگر ان شرائط میں کچھ کمی تھی تو ہندہ بدستور اس کے لیے حلال ہے، پھر جس حالت میں حکم حرمت دیا جائے گا اس کا بھی یہ حاصل ہرگز نہیں کہ نکاح بالفعل ٹوٹ گیا، یہ محض خطا ہے بلکہ اُس وقت حکم صرف اس قدر ہوگا کہ ہندہ بکر پر حرام ابدی ہوگئی، بکر پر فرض کہ اُسے چھوڑ دے، اگر نہ چھوڑے گا سخت گنہگار ہوگا اور ہندہ کے حق میں بھی گرفتار ہوگا۔ قال اللہ تعالٰی:

فامساك بمعروف او تسریح باحسان[1]، و اذ قد فاته الامساك بالمعروف لزمه التسریح باحسان۔

بھلائی سے پاس رکھو یا اچھے انداز میں اس کو آزاد کردو۔ اس صورت میں پاس رکھنا ممکن نہیں رہا لہٰذا اس کو چاہیے کہ چھوڑ دے۔ (ت)

مگر جب تک وہ ترک نہ کرے یا حاکم شرع تفریق نہ کرے نکاح بیشک باقی ہے، دوسری جگہ ہرگز ہندہ کا نکاح جائز

عہ انظر ھھنا فان الدر خص المتارکۃ بالزوج وحقق الشامی انها تکون من المرأۃ ایضا وان لا فرق بینها وبین الفسخ، وقد تقرر ان حرمۃ المصاھرۃ تفسد النکاح وان فی النکاح الفاسد لکل منهما فسخه ولو بغیر محضر من صاحبه دخل بها اولا وانظر ان غیر البالغۃ ھل لها او لولیها فسخ نکاحها الفاسد تحرزا عن المعصیۃ ام ینتظر بلوغها اذ لا معصیۃ منها قبله والظاھر الاول فلیحرر ۱۲ (م)

یہاں غور کرنا چاہیے کیونکہ دُر نے متارکہ کا حق خاوند کیلئے خاص کیا ہے، جبکہ علامہ شامی نے کہا کہ عورت کو بھی متارکہ کا حق ہے کیونکہ اس میں اور فسخ میں کوئی فرق نہیں، اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حرمۃ المصاہرۃ نکاح کو فاسد کردیتی ہے، جبکہ نکاح فاسد میں خاوند و بیوی دونوں کو ایک دوسرے کی موجودگی ہو یا نہ ہو دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو فسخ کا حق ہے، اور یہ بھی قابل غور ہے کہ کیا نابالغہ کے فاسد نکاح میں نابالغہ یا اس کے ولی کو فسخ کا اختیار ہے تاکہ گناہ سے بچایا جاسکے یا اس کے بالغ ہونے کا انتظار کیا جائے گا اس بنا پر کہ اس سے قبل گناہ متصور نہیں، اور ظاہر پہلا احتمال ہے، اس کو واضح کرنا چاہیے۔ (ت)

[1] القرآن ۲/ ۲۲۹

نہیں، ہاں بعد متارکہ یا تفریقِ حاکمِ شرع پدرِ ہندہ کو اختیار ہوگا کہ بکر کے سوا جس سے چاہے نکاح کردے۔

فی الدر المختار بحرمۃ المصاھرۃ لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لھا التزوج باٰخر الا بعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ والوطء بھا لا یکون زنا[1]۔ وفی رد المحتار ای وان مضی علیھا سنون کما فی البزازیۃ وعبارۃ الحاوی الا بعد تفریق القاضی او بعد المتارکۃ اھ[2]۔

درمختار میں ہے حرمتِ مصاہرہ نکاح کو ختم نہیں کرتی حتی کہ متارکہ اور عدت گزرجانے کے بعد اس کا کسی دوسرے شخص سے نکاح اور وطی جائز ہوگی، اس سے قبل جائز نہیں (حرمتِ مصاہرۃ کے بعد متارکہ سے قبل خاوند کی وطی کو زنا نہ کہا جائے گا۔ ردالمحتار میں ہے اگرچہ کئی سال گزرجائیں، اور حاوی کی عبارت کے مطابق قاضی کی تفریق یا متارکہ کے بعد ہی وُہ نکاح کرسکے گی ۔ت) واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

مسئلہ ۱۶۵: ازمارہرہ مطہرہ مرسلہ جناب سید امیر حیدر صاحب قبلہ ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح بولایت خود وشوئے خود بکر سے کیا، بعدہ بوجہ نااتفاقی باہمی یہ خیال ہُوا کہ یہ نکاح کسی شکل سے توڑا چاہئے کہ دوسری جگہ نکاح ہوسکے، ہندہ سفر کو گئی، ہمراہی میں بکر اور ایک خادمہ اور ایک نابالغہ، چھ آدمی اور گاڑی بان جس سے پردہ نہ تھا گئے۔ سرائے میں کھانا کھاکر جو بچا ہندہ نے اپنے سرہانے رکھوالیا۔ چارپائی پر ہندہ اور نیچے فرش پر خادمہ بکر وچھوکری سوئے، ۱۲ بجے شب کے خادمہ مع چھوکری پیشاب کو گئی، بکر غافل سوتا تھا، ہندہ نے بآوازِ سخت پکارا کہ جلد ہوشیار ہو مجھے خوف معلوم ہوتا ہے، بکر پاس گیا اور فرش پر بیٹھنے کا ارادہ کیا، کہا کہ میری چارپائی پر بیٹھ جاؤ، وہ ایک گوشہ میں بیٹھ گیا اتنے میں خادمہ آگئی تو بکر سے بہ سہولت کہا اب تو جاکر سورہ، بکر اپنی جگہ پر سورہا، ۲ بجے شب کے بکر حقہ پینے اٹھا، مکان میں کتا جاتا معلوم ہُوا، حقہ گاڑی بان کو دے کر اندر آگیا، اندھیرا تھا، چارپائی کو ٹھوکر لگی، ہندہ نے خادمہ اور گاڑیبان کو پکارا، بکر نے فوراً کہا میں ہُوں کتا مارنے آیا ہُوں کہ کھانا خراب نہ کرے۔ سب سورہے، صبح کو ہندہ نے خادمہ سے کہا بکر نے میرے ساتھ بدنیتی کا ارادہ کیا، کہا کب؟ کہا جب تُو پیشاب کو گئی تھی، کہا مجھے ایسی کیا دیر ہُوئی تھی اور تم نے جبھی کیوں نہ کہا میں بکر سے پوچھتی ہوں، اُسے سخت قسم دے دی، پھر ہفتہ بھر ساتھ رہے کچھ ظاہر نہ ہوا، مکان پر آکر ہندہ نے بہتان باندھا، خادمہ اور گاڑی بان بقسم محض لاعلمی بیان کرتے ہیں اور بکر بھی اپنی بے قصوری کی صدہا قسمیں کھاتا ہے، آیا تنہا بیانِ ہندہ قابلِ وثوق ہے اور نکاح بکر قائم رہا یا گیا؟ بینوا توجروا

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۸۳

الجواب

تنہا ایک عورت کا بیان اصلاً قابلِ سماعت نہیں۔ قال اللہ تعالٰی: واشھدوا ذوی عدل منکم[1] (اپنے دو عادل گواہ بناؤ۔ ت) نکاح بحر یقیناً قائم ہے۔

حتی علی فرض صدقھا ایضا لان المذھب عندنا ان حرمۃ المصاھرۃ لاترفع النکاح، وانما تفسدہ فلابد من متارکۃ من زوج او تفریق من قاضٍ[2]، کما فی رد المحتار عن النھر عن الزیلعی (مفھوماً) واللہ تعالٰی اعلم

حتی کہ عورت کو سچا بھی تسلیم کیا جائے، اس لیے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ حرمتِ مصاہرہ نکاح کو ختم نہیں کرتی بلکہ اس کو فاسد کرتی ہے۔ لہذا خاوند کا متارکہ یا قاضی کی تفریق ضروری ہے، جیسا کہ ردالمحتار میں زیلعی کے حوالے سے نہر سے منقول ہے (ت)

مسئلہ ۱۹۶: از رامپور علاقہ جے پور ڈاک خانہ نڈاون مرسلہ منشی فرزند حسن صاحب ۲۸ ذی قعدہ ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت کو جس شخص کا حمل ہو قبل وضعِ حمل اُسی سے یا غیر سے نکاح کرنا اسے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب

حمل اگر حلال کا ہے (یعنی وہ جس میں شرعاً نسب ثابت ہو) تو قبل از وضع اس کا نکاح کسی غیر سے نہیں ہوسکتا۔ قال اللہ تعالٰی:

واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن[3]۔ حاملہ عورتوں کی عدت بچے کی پیدائش تک ہے (ت)

ہاں شوہر سے جس کا حمل ہے نکاح جائز، اس کی صورت یہ کہ بعد حمل رہنے کے شوہر نے طلاق دے دی تو اگرچہ ہنوز وضعِ حمل نہ ہو اس سے نکاح ہوسکتا ہے بشرطیکہ طلاق مغلظہ نہ ہو جس میں حلالہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

فی الدرالمختار ینکح مبانتہ بمادون الثلاث فی العدۃ وبعدھا بالاجماع لامطلقۃ بالثلث حتی یطأھا غیرہ بنکاح نافذ[4] (ملتقطا)

درمختار میں ہے کہ اپنی مطلقہ بائنہ سے عدت پوری ہونے سے قبل یا بعد نکاح کرسکتا ہے بالاجماع، تین طلاق والی سے نکاح نہیں کرسکتا جب تک کسی غیر شخص سے اس کا نکاح اور وطی نہ ہوجائے (ملتقطا) (ت)

---

[1] القرآن ۶۵/ ۲

[2] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۳

[3] القرآن ۶۵/ ۴ [4] درمختار باب الرجعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۰

اور اگر زنا کا حمل ہے (جس میں بچہ شرعاً مجہول النسب ٹھہرتا ہے) تو زانی وغیر زانی جس سے چاہے بے وضع حمل نکاح کرسکتی ہے کہ زنا کے پانی کی شرع میں اصلاً حرمت وعزت نہیں، مگر فرق اتنا ہے کہ اگر خود زانی ہی سے نکاح کرلیا جس کا حمل رہا تھا تو اسے صحبت کرنی بھی جائز ہوجائے گی اور غیر سے نکاح ہُوا تو جب تک وضع حمل نہ ہولے وہ ہاتھ نہیں لگاسکتا۔

فی الدرالمختار صح نکاح حبلی من زنا لا حبلی من غیرہ وان حرم وطؤھا ودواعیہ حتی تضع ولو نکحھا الزانی حل لہ وطؤھا اتفاقا اھ[1] ملخصًا۔ واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم بالصواب

درمختار میں ہے: زنا سے حاملہ کے ساتھ نکاح جائز ہے نہ کہ غیر زنا کی حاملہ سے جبکہ اسے وطی اور متعلقہ امور بچے کی پیدائش تک حرام ہیں، اور اس سے خود زانی نے نکاح کیا ہو تو وطی بھی بالاتفاق جائز ہے اھ ملخصًا (ت)

مسئلہ ۱۶۷: از آنولہ ۲۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و ہندہ بیوہ میں ناجائز طور کی ملاقات تھی، زید اس سے ارادہ نکاح رکھتا تھا، ہندہ کی بیٹی مسلمہ نابالغہ کو جس کی عمر نو برس کی ہے اُس کے چچا نے اپنی بیٹی ظاہر کرکے زید سے نکاح کردیا مگر ہنوز رخصت واقع نہ ہوئی، اب زید کو معلوم ہُوا کہ یہ اُسی ہندہ کی بیٹی ہے جس سے قبل اس نکاح کے زید کا ناجائز تعلق رہ چکا ہے، اس حالت میں اس نکاح کی نسبت کیا حکم ہے؟ اور زید بعد اس نکاح کے ہندہ سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

اگر یہ بیان واقعی ہے کہ زید اس نکاح سے پہلے ہندہ کو ناجائز طور پر ہاتھ لگاچکا تھا تو اس کا یہ نکاح کہ ہندہ کی بیٹی سے کیا گیا محض ناجائز وحرام ہوا، اس پر فرض ہے کہ فوراً اس سے دست بردار ہو اور بعد اس کے وہ ہندہ سے نکاح کرسکتا ہے،

فان نکاح البنات وان کان یحرم الامھات لکن اذا کان صحیحا ولا یصح النکاح مع بنت ممسوسۃ لحرمۃ المصاھرۃ۔

بیٹی سے نکاح کی وجہ سے ماں اگرچہ حرام ہوجاتی مگر اس وقت جب بیٹی سے صحیح نکاح ہو، اور حرمت مصاہرہ کی بنا پر شہوت کے ساتھ مَس شدہ عورت کی بیٹی سے نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ (ت)

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹

درمختار میں ہے :

حرم بالمصاھرۃ بنت زوجۃ الموطوئۃ و ام زوجتہ وجداتھا مطلقا بمجرد العقد الصحیح[۱]

بیوی سے وطی کرنے پر اس کی بیٹی حرمتِ مصاہرۃ کی بنا پر حرام ہوجاتی ہے اور بیوی کی ماں اور دادیاں بھی اس پر محض صحیح نکاح کی بنا پر حرام ہوجاتی ہیں (ت)

ردالمحتار میں ہے :

احترازعن النکاح الفاسد فانہ لایوجب بمجردہ حرمۃ المصاھرۃ بل بالوطء اومایقوم مقامہ من المس بشھوۃ والنظر بشھوۃ[۲] الخ

صحیح نکاح کا یہ حکم ہے، رہا فاسد نکاح تو صرف نکاح سے حرمتِ مصاہرہ ماں اور دادیوں کی نہ ہوگی بلکہ وطی سے ہوگی یا وطی کے قائم مقام امور شہوت سے دیکھنے اور چھونے سے ہوگی الخ (ت)

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۸ ازموضع دربھنگہ ڈاکخانہ روسڑا بازار مقام موتی پور مرسلہ ملا شیر علی صاحب ۵ جمادی الاولٰی ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت مریدہ از روئے شرع پیر پر حرام ہے یا حلال ؟ اور ازواجِ مطہرات حضرت خدیجہ وحضرت عائشہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مریدہ تھیں یا نہیں ؟ اس نکاح کی حرمت وحلت جو کچھ ہو بحوالہ حدیث وفقہ صاف صاف تحریر کریں۔ بینوا توجروا

الجواب

پیر کو اپنی مریدہ سے نکاح قطعاً حلال ہے[ع] اسے ممنوع جاننا کتاب وسنّت واجماعِ اُمت وقیاس

ع اس سے صاف ظاہر ہے کہ مریدہ کو اپنے پیر کے سامنے بے پردہ آنا ناجائز ہے۔ غضب تو یہ ہے کہ اس زمانے کے بعض جاہل بیباک متصوف اس جھوٹے مسئلہ کو کہ مریدہ بیٹی ہے دستاویز بنالیتے ہیں اور تمام عورتوں کو جوان کی مریدی کے جال میں پھنسی ہوتی ہیں حکم قطعی دیتے ہیں کہ ہمارے سامنے بے پردہ وحجاب آیا کرو، بلکہ تنہائیوں میں انھیں لے کر بیٹھتے ہیں، حالانکہ یہ باتیں حرام قطعی ہیں، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ کوئی پیر نہیں وہ خود اپنے سامنے عورتوں کو بے باکانہ آنے سے منع فرماتے، اور کبھی حضور پُرنور نے نامحرم عورت کو ہاتھ نہ لگایا، جو بیبیاں کہ حاضرِ خدمت ہوکر بیعت چاہتیں آپ ان سے (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[۱] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۷

[۲] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۷۸

چاروں دلائل شرع سے محض باطل وبے اصل ہے، قرآن عظیم سے یوں کہ مولٰی عزوجل نے حرام عورتیں گنا کر فرمایا:
واحل لکم ما وراء ذٰلکم[1] ان کے سوا سب عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔ لاجرم مریدہ بھی کہ ان محرمات میں ذکر نہ فرمائی اس حکم حلت میں داخل رہی، سنت سے یوں کہ نبی سے زیادہ پیر و مرشد کون ہے۔ خصوصاً ہمارے حضور پُرنور سید المرسلین صلے اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین وبارک وسلم کہ حضور تو تمام جہان کے پیر ہیں پھر حضور والاصلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے اپنی امتی بیبیوں ہی سے نکاح فرمایا جن میں حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبرٰی و حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما اعلٰی درجہ کی مریدہ اور اعلٰی درجہ کی بیبیاں ہیں، باتفاق علماء ثابت کہ جب اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نبوتِ عامہ کو ظاہر فرمایا، سب سے پہلے حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا شرفِ ارادت سے مشرف ہوئیں، بعض جاہلوں کی سمجھ میں یوں نہ آئے تو یہ مانیں گے کہ حضراتِ شیخین صدیق اکبر وفاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سب سے افضل واکمل مرید تھے، اولیاءِ کرام فرماتے ہیں:

تا جہان ست نہ ہمچو مصطفٰی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم پیرے بود نہ ہمچو ابوبکر صدیق مریدے۔

پُوری کائنات میں مصطفٰی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم جیسا نہ کوئی پیر ہے اور نہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ جیسا کوئی مرید ہے۔(ت)

وہ جاہلانہ خیال کہ پیری مُریدی کا رشتہ بعینہٖ مثل رشتہ نسب کے ہے، اگر سچا ہوتا تو مریدہ اپنی بیٹی ہوتی، مریدوں کی بیٹیاں پوتیاں ہوتیں۔ یونہی ختنین عثمان غنی وعلی مرتضٰے رضی اللہ تعالٰی عنہما کا نکاح بناتِ مطہرات حضور سید عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کیونکر ہو سکتا، اس تقدیر پر صاحبزادیاں بہنیں ہوتیں، مگر جہل وسفاہت کے مفاسد اس سے بھی زائد ہیں۔ اجماع سے یُوں کہ آج تک تمام عالم میں کوئی عالم اس نکاح کی حرمت کا قائل نہ ہوا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) زبانی بیعت لیتے، اور فرماتے تمہاری بیعت ہوگئی، کبھی ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت نہ لی شیطان کے مکر سے اللہ سبحٰنہ محفوظ رکھے۔ اور بعض جاہل مردوں کو ابلیس باتلبیس نے یُوں ورغلایا اور اُن کے ذہن میں یہ سمایا کہ جب ہمارے حالات ہمارے مرشد پر پوشیدہ نہیں تو پھر ہم کیوں اپنی عورتوں کا پیر جی سے پردہ کرائیں، پس بے غل وغش پیر صاحب بحالتِ موجودگی وعدم موجودگی صاحبِ خانہ کے زنانے میں جاتے اور وہیں آرام کرتے ہیں۔ یہ راقم آثم کا چشم دید تھا جو بیان میں آیا' والعیاذ باللہ تعالٰی۔ (مولوی نواب) سلطان احمد خاں بریلوی

---

[1] القرآن ۴/ ۲۴

فقہائے جملہ مذاہب کی کتابیں موجود، کسی نے مریدہ کو محرمات سے نہ گنا۔ قیاس سے یُوں کہ رشتہ استاذی وشاگردی بھی تو مثل رشتہ پیری ومریدی ہے، پیر واستاذ دونوں بجائے باپ کے مانے جاتے ہیں، خود حدیث میں فرمایا:

انما انا لکم بمنزلۃ الوالد اعلمکم[1]۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن حبان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

میں تمہارے لیے بمنزلہ والد ہوں تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔ اس کو احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن حبان نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بذریعہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کیا ہے (ت)

بلکہ پیری ومریدی بھی خود ایک اُستاذی وشاگردی ہے، اگر یہ خیالِ باطل ٹھیک ہوتا تو اپنی شاگرد عورت سے بھی نکاح حرام ہوتا اور عورت کو علم سکھانا نکاح جاتے رہنے کا باعث ہوتا کہ اب وہ اس کی بیٹی ہوگئی حالانکہ قرآن وحدیث سے زوجہ کو شاگرد کرنا اور اپنی شاگرد عورت کو نکاح میں لانا دونوں باتیں ثابت۔ قال اللہ تعالٰی:

یایھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا[2]۔

اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھروالوں کو دوزخ سے بچاؤ۔

ظاہر ہے کہ گھروالوں کو دوزخ سے بچانا بغیر مسائل سکھائے متصور نہیں کہ بچنا بے عمل اور عمل بے علم میسر نہیں، تو قرآن مجید صاف حکم فرماتا ہے کہ اپنی عورتوں کو علمِ دین سکھاؤ اور اُس پر عمل کی ہدایت کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رجل کانت لہ امۃ فغذاھا فاحسن غذاءھا ثم ادبھا فاحسن تادیبھا وعلمھا فاحسن تعلیمھا ثم اعتقھا وتزوجھا فلہ اجران[3]۔ رواہ الائمۃ احمد والبخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

یعنی جو کوئی کنیز رکھتا ہے اُسے کھلائے اور اچھا کھلائے پھر ادب سکھائے اور بہتر سکھائے اور علم پڑھائے اور خُوب پڑھائے، پھر اُسے آزاد کرکے اپنے نکاح میں لائے وہ شخص دوہرا ثواب پائے (اس کو احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

---

[1] سنن ابوداؤد باب کراہیۃ استقبال القبلۃ عند قضاء الحاجۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳

[2] القرآن ۶۶/۶

[3] صحیح بخاری باب تعلیم الرجل امتہ واہلہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۰

جاہلوں کی جہالت کہ مریدہ سے نکاح ناجائز بتائیں اور زن و شو دونوں کو بے تکلف مرید بنائیں، وہ دونوں اگر باپ بیٹی تھے یہ دونوں سگے بہن بھائی ہوئے، اس نکاح کو ممنوع جاننے والا شریعتِ مطہرہ پر کھلا ہوا افترا کرتا اور حلالِ خدا کو حرام ٹھہراتا ہے اُس پر توبہ فرض ہے، اللہ تعالٰی ہدایت بخشے، آمین! واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۹ ۱۳ شعبان معظم ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فی زماننا جو عقیدہ مروجہ شیعہ رکھتے ہیں علی الخصوص شیعہ لکھنؤ کے اُن کی دختر سے نکاح سُنّی کا درست ہے یا نہیں اور اولاد اس کی مستحق ترکہ پدری کی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

آج کل عام روافض تبرائی خذلہم اللہ تعالٰی عقائد کفریہ رکھتے ہیں اُن میں کوئی کم ایسا نکلے گا جو قرآن مجید میں سے کچھ گھٹ جانا نہ مانتا اور حضرت امیر المومنین مولی المسلمین علی مرتضٰے و باقی ائمہ اطہار کرم اللہ تعالٰی وجوہہم کو حضرات علیہ انبیائے سابقین علٰی نبینا الکریم وعلیہم افضل الصلٰوۃ والتسلیم سے افضل نہ جانتا ہو، اور یہ دونوں عقیدے کفر خالص ہیں، مجتہد لکھنؤ نے اپنے مُہری فتوے میں ان دونوں ملعون عقیدوں کی صاف تصریح کی جو اُن میں خود یہ اعتقاد (بالفرض) نہ بھی رکھتا ہو تاہم اس سے یہ اُمید نہیں کہ مجتہد کا فتوٰی دیکھ کر اُسے کافر جاننا درکنار، خود بھی اُس پر اعتقاد نہ لے آئے اور ایسے عقیدے والے کو اُس کے عقیدہ پر مطلع ہو کر جو کافر نہ جانے خود کافر ہے من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[1] (جس نے ان کے کفر اور عذاب میں شک کیا وُہ کافر ہے۔ ت) تو آج کل تبرائی رافضیوں میں کسی ایسے شخص کا ملنا جسے ضعیف طور پر بھی مسلمان کہہ سکیں شاید ایسا ہی دشوار ہوگا جیسے حبشیوں زنگیوں میں چمپئی رنگت کا آدمی یا سپید رنگ کا کوا، ایسے رافضیوں کا حکم بالکل مثل حکم مرتدین ہے[2] کما صرح بہ فی الظھیریۃ والھندیۃ والحدیقۃ الندیۃ وغیرھا من الکتب الفقھیۃ (جیسا کہ ظہیریہ، ہندیہ اور حدیقۃ الندیہ وغیرہا کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے۔ ت) پس دختر رافضیان جو ایسے ہی عقاید کفریہ رکھتی ہو اس سے سُنّی یا غیر سُنّی کسی کا نکاح نہیں ہوسکتا کہ مرتدہ اصلاً محلِ نکاح نہیں[3] کما نص علیہ فی الدر المختار والعالمگیریۃ وعامۃ الاسفار

---

[1] درمختار — باب المرتد — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۳۵۶

[2] فتاوٰی ہندیہ — باب فی احکام المرتدین — نورانی کتب خانہ پشاور — ۲/۲۶۴

[3] " " — القسم السابع المحرمات بالشرک — " " " — ۱/۲۸۲

(جیساکہ درمختار، عالمگیریہ اور عام کتب میں اس پر نص ہے۔ ت) اس سے جو اولاد ہوگی قطعاً ولد الزنا ہوگی اور ترکہ پدری سے مطلقاً محروم کہ ولد الزنا کے لیے شرعاً کوئی باپ ہی نہیں،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للعاھر الحجر[1]۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: زانی کے لیے محرومی ہے (ت)

اور اگر دختر مذکورہ خود ایسے عقائد نہیں رکھتی بلکہ مسلمان ہے تو مسلمان کا نکاح اس سے ہوسکتا ہے اولاد صحیح النسب ہوگی اور ترکہ پدری کی مستحق۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم

مسئلہ ۱۷۰: ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیعانِ مروّجہ کی اولاد حرامی ہے یا حلالی؟ اگر حرامی ہے تو عنداللہ حرامی عورت کا نکاح سُنّی مرد سے ہوجائے گا یا نہیں؟ اور اس کی اولادِ بطنی میں کچھ نقصان واقع ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

ان میں مرد یا عورت جس کا عقیدہ کفریہ ہو اولاد حرامی ہے،

اذ لانکاح لمرتد ولا لمرتدۃ اصلا حتی مع مثلہ فی الارتداد[2] کما نص علیہ الائمۃ الامجاد۔ مرتد مرد اور مرتد عورت کا بالکل کسی سے نکاح نہیں ہوسکتا حتی کہ ان جیسے مرتد سے بھی، جیساکہ اس پر ائمہ بزرگوار نے تصریح کی ہے (ت)

ہاں اگر زن وشوہر دونوں عقاید کفریہ سے پاک ہیں تو اولاد حلالی ہے، اور حرامی عورت رافضیہ کا نکاح سُنّی سے ہوسکتا ہے جبکہ وہ خود عقیدۂ کفریہ نہ رکھتی ہو، اس صورت میں اُس کی اولادِ بطنی میں کوئی نقصان نہیں، اور اگر وہ خود بھی اپنے ماں باپ کی مثل کوئی عقیدہ کفریہ رکھتی ہے تو خود بھی نطفۂ حرام ہے اور اس کی اولاد بھی حرامی، خواہ رافضی سے ہو یا سُنّی سے۔ اور اس سے کسی کا نکاح اصلاً ممکن نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۱: ایک شخص کا حمل ایک عورت کو رہا اور بعد معلوم ہونے حمل کے وہ عورت چاہتی ہے کہ راز فاش نہ ہو مابین حمل عقد درست ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

درست ہے اگرچہ غیر زانی سے ہو مگر وطی ودواعی اسے روا نہیں جب تک وضع نہ ہو، اور جو زانی سے

---

[1] صحیح مسلم باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۰

[2] فتاوٰی ہندیہ القسم السابع المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۲

نکاح کرے تو یہ بھی روا، ہاں تا وقتِ وضع اصلاً نکاح ناروا اُسی صورت میں ہے کہ حمل زنا سے نہ ہو کما فی الدر المختار وغیرہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۲: از نینی تال تحصیل کھٹیما تھانہ مجھولا موضع جمور مرسلہ سکندر شاہ ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ زید نے ہندہ کے ساتھ نکاح کیا، ہنوز ہندہ اس کے گھر میں موجود ہے کہ ہندہ کی دُوسری بہن سے بھی زید نے نکاح کرلیا اور دونوں عورتیں اس کے گھر میں موجود ہیں کسی کو طلاق نہیں دی ہے وہ دونوں بہنیں زید پر حلال ہیں یا حرام؟ دونوں بہنیں ایک بطن سے ہیں اور باپ ہر ایک کا جداگانہ تھا۔ بینوا توجروا

الجواب

صورتِ مذکورہ میں زید کا اپنی سالی سے نکاح حرام،

قال اللہ تعالٰی وان تجمعوا بین الاختین[1]۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: منع ہے کہ تم نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرو۔ (ت)

اُس پر فرض ہے کہ فوراً اسے چھوڑ دے، پھر اگر ابھی سالی سے صحبت نہیں کی جب تو ہندہ اس کیلئے حلال ہے اور اگر اس سے صحبت کرلی تو اب اپنی منکوحہ ہندہ کے پاس بھی جانا حرام ہوگیا جب تک سالی کو چھوڑ کر اس کی عدت نہ گزر جائے، جب اسے چھوڑے گا اور اس کی عدت گزر جائے گی اس وقت ہندہ کو ہاتھ لگانا جائز ہوگا۔

ہندیہ میں ہے:

ان تزوجھما فی عقدتین فنکاح الاخیرۃ فاسد ویجب علیہ ان یفارقھا ولو علم القاضی بذلك یفرق بینھما فان فارقھا قبل الدخول لا یثبت شیئ من الاحکام وان فارقھا بعد الدخول فلھا المھر ویجب الاقل من المسمی ومن مھر المثل وعلیھا العدۃ ویثبت النسب ویعتزل عن امرأتہ حتی تنقضی عدۃ اختھا کذا فی

اگر دو بہنوں سے علیحدہ علیحدہ نکاح کیا تو دوسری کا نکاح فاسد ہے اور اس پر مفارقت لازم ہے، اور اگر قاضی کو یہ معلوم ہو تو وہ دونوں میں تفریق کردے، اگر دُوسری کو دخول سے قبل علیحدہ کردیا تو نکاح کا کوئی حکم نہ ثابت ہوگا، اور اگر اس کو دخول کے بعد جدا کیا تو پھر اس کو مہر دینا ہوگا مہر مثل اور مقررہ سے جو کم ہو وہ واجب ہوگا اور اس پر عدت ہوگی اور نسب ثابت ہوسکے گا، اور پہلی سے اس وقت تک علیحدگی اختیار کرے

---

[1] القرآن ۴/۲۳

محیط السرخسی[1] واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

جب تک دوسری بہن کی عدت نہ گزر جائے۔ محیط سرخسی میں یونہی ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۳: ۱۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۲ھ

جس عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو اور مرد وعورت ہر دو حنفی مذہب کے ہیں تو عورت دوسرے شخص سے نکاح کرنے کا کس قدر مدت تک انتظار کرے؟ علمائے مذہب حنفیہ کے اس میں کیا حکم دیتے ہیں؟

الجواب

اتنی مدت کہ مرد کی عمر سے ستّر برس گزر جائیں یعنی اگر اب تک زندہ ہو تو ستّر برس کا ہو، مثلاً تیس۳۰ سال کی عمر میں مفقود ہوا تو عورت چالیس۴۰ برس انتظار کرے، اس مدت گزرنے پر قاضی اس کی موت کا حکم کرے، بعد حکم عورت چار مہینے دس دن عدت بیٹھے، عدت گزار کر جس سے چاہے نکاح کرے۔ فتح القدیر میں ہے:

عندی الاحسن سبعون لقولہ علیہ الصلٰوۃ والسلام اعمار امتی مابین الستین الی السبعین فکانت المنتہی غالبًا[2]۔

میرے نزدیک ستّر بہتر ہے کیونکہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا "میری امت کی عمر ساٹھ اور ستّر کے درمیان ہے۔" تو آخری حد غالبًا معتبر ہے۔ (ت)

جواہر اخلاطی میں ہے: انہ احوط واقیس[3] (یہی احتیاط اور قیاس کے زیادہ موافق ہے۔ ت) اسی میں ہے: وعلیہ الفتوی[4] (اسی پر فتوی ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

فی واقعات المفتین لقدری آفندی معزیا للقنیۃ انہ انما یحکم بموتہ بقضاء لانہ امر محتمل فمالم ینضم الیہ القضاء لایکون حجۃ[5]۔

واقعات المفتین میں ہے کہ قنیہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے آفندی نے کہا کہ موت کا حکم قاضی کے ذریعہ ہوگا کیونکہ احتمالی معاملہ ہے تو جب تک قاضی کا فیصلہ نہ مل جائے اس وقت تک محض مدت کا گزرنا حجت نہ ہوگا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح القسم الرابع المحرمات بالجمع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۷۸-۲۷۷
[2] فتح القدیر کتاب المفقود نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۷۴
[3] جواہر اخلاطی " قلمی نسخہ ص ۱۲۲
[4] " " "
[5] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۹

تنویر میں ہے :

بعدہ یحکم بموتہ فتعتد عرسہ للموت[1] (ملخصًا) — مدت گزرنے کے بعد خاوند کی موت کا حکم دیا جائے گا لہٰذا یہ عورت موت والی عدت پوری کرے گی (ملخصات)

ردالمحتار میں ہے : ای عدۃ الوفاۃ[2] (یعنی وفات والی عدت مراد ہے۔ ت) بہت کم سن رسیدہ مرد نو عمر عورتوں سے نکاح کرتے ہیں وہاں ایسی صورتیں واقع ہوتی ہیں کہ مرد ستر برس کا اور عورت جوان ہو، مثلاً پچاس پچپن برس کی عمر میں پندرہ برس کی عورت سے نکاح کیا اور مفقود ہوگیا تو جب اُس کی عمر سے ستر برس گزریں گے عورت تیس پینتیس برس کی ہوگی، اس عمر کی عورت بیشک نکاح کے قابل ہے اور نہ ہو تو حکم شرع کے لیے ہے نہ کہ اپنی خواہشِ نفس کے لیے۔ قرآن عظیم صاف فرمارہا ہے : والمحصنٰت من النساء[3] (شادی شدہ عورتوں میں سے۔ ت) پھر اس کے خلاف کی طرف راہ کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۴ : از کلکتہ امام باغ لین نمبر ۱۴ مسجد مرسلہ حافظ عزیز الرحمٰن صاحب ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد چچا مرنے کے چچی سے نکاح درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو کیا دلیل ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

درست ہے، دلیل اس کی قول اللہ عزوجل واحل لکم ماوراء ذٰلکم[4] (محرمات کے علاوہ عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ ت) ہے کہ حرام عورتوں کو شمار فرماکر ارشاد ہوا ان کے سوا عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔ حرام عورتوں میں چچی کو نہ شمار فرمایا نہ شرع میں کہیں اس کی تحریم آئی تو ضرور وہ حلال عورتوں میں سے ہے، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۷۵ : از آمود ضلع بھڑوچ گجرات کلاں مرسلہ سید غلام سرور ۲ رجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شریعتِ محمدی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا نام مسمی عبداللہ ہے اس کی ہمشیرہ کا نام نوربن تھا، مسماۃ نوربن کا نکاح مسمی ہدایت اللہ کے ساتھ ہوا، مسمی ہدایت اللہ کے نطفہ و

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب المفقود مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۶۹
[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۳۲
[3] القرآن ۴/۲۴
[4] القرآن ۴/۲۴

شکم مسماۃ نورن سے دو فرزند پیدا ہوئے، مسماۃ نورن مرگئی، بڑے فرزند کا بھی انتقال ہوگیا، چھوٹا فرزند زندہ ہے، مسمی عبداللہ مذکور کے دو دختر ہیں بعد مرنے اپنی بہن مسماۃ نورن کے اپنی بڑی دختر کا نکاح ہدایت اللہ موصوف سے کردی، دوسری دختر جو چھوٹی مسمی عبداللہ کی ہے، ہدایت اللہ کے فرزند سے نکاح پڑھادیا جاتا ہے، اوّل تو ہدایت اللہ کا عبداللہ سالا ہوا اور فرزند کا ماموں ہوا عبداللہ کا ہدایت اللہ بہنوئی ہوا اور لڑکا ہدایت اللہ کا عبداللہ کا بھانجا ہوا، جب عبداللہ کی دختر نکاح میں آئی فرزند کی سوتیلی والدہ ہوئی، سوتیلی ماں کی بہن حقیقی خالہ ہوئی اور ہدایت اللہ کا عبداللہ سسر ہوا و زید یا عبداللہ نانا ہوا، نکاح جائز ہے یا نہیں؟ مع مُہر نام کتاب عبارت عربی ترجمہ اردو خلاصہ تحریر فرمایئے، اس کا اجر اللہ آپ کو عطا کرے گا۔ بینوا توجروا

الجواب

فرزند ہدایت اللہ کا نکاح دخترِ عبداللہ سے جائز ہے، عبداللہ اس کا ماموں ہے نانا نہیں، سوتیلی ماں کا باپ نہ اپنا نانا، نہ سوتیلی ماں کی بہن اپنی خالہ، سوتیلی ماں کی حقیقی ماں یا بہن یا بیٹی سب سے نکاح جائز ہے اگرچہ وہ اپنے باپ کی ساس یا سالی یا دخترِ زن ہے۔ ردالمحتار میں ہے: لاتحرم ام زوجۃ الاب ولا بنتہا[1] (باپ کی منکوحہ کی ماں اور بیٹی حرام نہیں ہوتیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۶ تا ۱۷۷: از الہ آباد محلہ دوندے پور مکان مولوی احمد صاحب مرحوم مرسلہ مولوی عبید اللہ صاحب ۱۳ شعبان ۱۳۱۲ھ

بگرامی خدمت سامی منزلت، جامع الکمالات العلمیہ والعملیہ، حاوی الفنون الاصلیہ والفرعیہ، مخدوم معظم، مطاع مفخم، نیاز کیشاں جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب دامت فیوضہم از نیازمند عبید اللہ سلام مسنون خشوع و خضوع مشحون درقطعہ استفتا ابلاغ خدمتِ والا میں دو باتوں کے لیے بکمال ادب گزارش کرکے توجہ وجیہ کا امیدوار ہوں، ایک یہ کہ یہ دونوں مسئلے معرکۃ الآراء ہورہے ہیں فتوی بکمال تحقیق و تدقیق مبرہن و مدلل خوب بسط و تفصیل سے لکھے جائیں۔ دوم یہ کہ ان کی ضرورت اشد ہے دوسرے فتووں پر انھیں کو مقدم فرمایا جائے۔

صورتِ سوال یہ ہے، کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے مسماۃ ہندہ زوجہ اولٰی کو اپنے گھر سے نکال دیا اور دوسری عورت سے نکاح کیا، چند شخصوں نے سبب نکال دینے کا زید سے پوچھا، زید نے کہا میں نے اس کی ماں سے زنا کیا تھا اب معلوم ہوا کہ وہ مجھ پر حرام ہے اس لیے اس کو نکال دیا۔ بعدہٗ زوجہ ثانیہ کو طلاق دے کر زوجہ اولٰی ہندہ کو اپنے مکان میں لاکر رکھا اور اقرارِ زنا سے انکار کیا قاضی بلدہ کے سامنے شہادت اقرارِ زنا کی پیش ہوئی تو صورتِ مذکورہ میں اس شہادتِ اقرارِ زنا سے حرمت

---

[1] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۹

مصاہرت شرعًا ثابت ہو گی یا نہیں؟ اور ہندہ زید پر حرام ہو گئی یا کیا؟ ایک عالم صاحب نے فرمایا کہ اقرارِ زنا پر شہادت معتبر نہیں ہے، اس شہادت سے زنا ثابت نہیں ہوتا تو حرمتِ مصاہرت کیسے ثابت ہو گی، تحریر میں جلدی فرمائی جائے کہ اس مسئلہ میں بہت سے علماء مختلف ہیں۔

سوال دوم: اگر اقرار یہ کیا ہو کہ میں نے اُس کی ماں سے قبل اس کے نکاح کے زنا کیا تھا، تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بلاشبہہ صورتِ مستفسرہ میں حکمِ شرع میں حرمتِ مصاہرت ثابت ہو گئی، ہندہ زید پر حرام ابدی سمجھی جائیگی فان البینۃ کاسمھا مبینۃ (بیّنہ اپنے نام کی طرح واضح کرنے والا ہے۔ ت) جب شہادتِ شرعیہ سے زید کا اقرار بالزنا ثابت ہوا تو اس کے رَد کی طرف کیا سبیل کہ ثابت بشہادت بمنزلہ ثابت بمشاہدہ ہے، اس گواہی سے ثبوتِ زنا نہ ہونا مطلقاً ابطالِ شہادت یا تکذیبِ شہود یا ردِ مشہود بہ کی بنا پر نہیں کہ اُس سے نفسِ اقرار بھی ثابت نہ مانیے۔ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر پھر علامہ زین مصری بحر الرائق میں فرماتے ہیں:

ان شھد رجلان او رجل و امرأتان علی اقرار المقذوف بالزنا یدرؤ عن القاذف الحد وعن الثلثۃ ای الرجل والمرأتین لان الثابت بالبینۃ کالثابت بالمعاینۃ فکانا سمعنا اقرارہ بالزنا[1]۔

زنا سے متہم شخص کے اقرارِ زنا پر دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں نے شہادت دی تو اس سے فقہائے نے تہمت لگانے والے اور گواہ ایک مرد اور دو عورتوں سے حدِ قذف کو ساقط قرار دیا ہے کیونکہ گواہی سے ثابت شدہ چیز ایسے ہے جیسے دیکھی ہُوئی ہو، تو گواہوں کے بیان سے ثابت شدہ زنا کا اقرار ایسے ہے جیسے ہم نے خود سنا ہے (ت)

ثابت ہُوا کہ شہادتِ اقرار اگرچہ مثبتِ زنا ہونے کی اصلاً صلاحیت نہ رکھے کہ اثباتِ زنا میں شہادتِ زنان وشہادتِ دو مرد زنہار مسموع نہیں مگر مثبتِ اقرار بیشک ہے کہ اس کے لیے نصاب کامل ہے۔ نیز بحر میں ہے:

لوشھد رجلان انہ زنی واٰخران انہ اقر بالزنا فانہ لایحد قال فی الظھیریۃ ولایحد الشھود

دو مردوں نے گواہی دی کہ اس نے زنا کیا ہے اور دوسرے دو نے گواہی دی کہ اس نے زنا کا اقرار کیا ہے تو ایسی صورت میں اس کو زنا کی حد نہیں

---

[1] فتح القدیر باب حد القذف نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۱۱۱

ایضا وان شهد ثلثة بالزنا وشهد رابع علی الاقرار بالزنا فعلی الثلثة الحد اھ لان شهادة الواحد علی الاقرار لاتعتبر فبقی کلام الثلثة قذفا۔[1]

لگائی جائیگی۔ اور ظہیریہ میں کہا کہ گواہوں کو بھی حد نہ ہوگی، اور اگر تین مردوں نے زنا کی شہادت دی اور چوتھے نے زنا کے اقرار پر شہادت دی، تو تین پر حدِ قذف ہوگی کیونکہ اقرار کے ایک گواہ کی شہادت معتبر نہیں، تو تین گواہوں کی بات تہمت ہوجائیگی (ت)

دیکھو شہادتِ واحد و شہادتِ رجلین میں تفرقہ فرمایا کہ اول باطل و بیکار اور ثانی معتبر و مثبت اقرار حالانکہ اثباتِ زنا سے دونوں برکنار بلکہ اس شہادت سے ثبوت زنا نہ ہونے کی اور دو وجہیں ہیں:

اوّلاً وہ اقرار جوان سے ثابت ہُوا بیرونِ مجلس قضا تھا اور دارالقضا سے باہر کا اقرار مثبت زنا نہیں ہوتا۔ شرح نقایہ علامہ شمس قہستانی میں ہے:

الاقرار لم یعتبر عند غیر الامام حتی لو شهد وابذلك لم تقبل۔[2]

قاضی یا حاکم کی موجودگی کے بغیر اقرار معتبر نہیں حتی کہ اگر گواہ مجلس سے باہر کے اقرار کی شہادت دیں تو مقبول نہ ہوگی۔ (ت)

ثانیاً مشہود علیہ اگر مقر ہے تو شہادت کی کیا حاجت،

فانها انما تقام علی المنکر کما فی الدر وغیرہ ولا تجامع الاقرار الا فی بضع صور مذکورۃ فی الاشباہ لیست ھذہ منها۔

شہادت تو منکر کے خلاف ہوتی ہے جیسا کہ دُر وغیرہ میں ہے، اشباہ میں مذکور چند صورتوں کے علاوہ شہادت، اقرار کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی، اور یہ صُورت ان چند میں سے نہیں ہے۔ (ت)

اور منکر ہے تو اقرار سابق سے رجوع کرچکا اور اقرار بالزنا بعد رجوع مثبت زنا نہیں رہتا۔ تحفۃ الفقہاء و بدائع و تبیین الحقائق اور معین الحکام و جامع الرموز و بحرالرائق و غنیۃ ذوی الاحکام و ردالمحتار وغیرہا میں ہے،

واللفظ للعلامة الشرنبلالی عن الامام ملك العلماء الکاشانی لو اقر بالزنا اربع مرات فی غیر مجلس القاضی وشهد الشهود علی

ملک العلماء امام کاشانی سے منقول کے بارے میں علامہ شرنبلالی کے الفاظ یہ ہیں کہ اگر اپنے زنا پر مجلس قضاء سے باہر چار مرتبہ اقرار کرے اور اس

[1] بحرالرائق کتاب الحدود ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۵
[2] جامع الرموز " مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/۵۱۵

اقرارہ لاتقبل شہادتہم لانہ ان کان مقرا فالشہادۃ لغو لان الحکم للاقرار لا للشہادۃ وان کان منکرا فالانکار منہ رجوع والرجوع عن الاقرار فی الحدود الخالصۃ حقا للہ تعالٰی صحیح[1]

اقرار پر گواہ شہادت دیں تو قبول نہ ہوگی، کیونکہ اگر وہ شخص اقراری ہے تو حکم اس کے اقرار پر ہوگا اور گواہی کی وجہ سے نہ ہوگا اس لیے شہادت لغو ہوگی اور اگر وہ مجلسِ قضا میں منکر ہوجائے تو اس کا یہ انکار اپنے اقرار سے رجوع ہوگا۔ اور حدود جو کہ خالص اللہ تعالٰی کا حق ہیں ان میں رجوع صحیح ہے۔ (ت)

علماء کی یہ تعلیلیں جیسے کہ ثبوتِ زنا کی نفی فرماتی ہیں یونہی ثبوتِ اقرار کی تقریر فرمارہی ہیں تو اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ شہادت مذکورہ سے زید کا اقرار مزلور ثابت ہوگیا، اب یہ دیکھنا رہا کہ اثباتِ مصاہرت کو خاص ثبوتِ زنا درکار ہے یا ثبوتِ اقرار ہی کافی، بر تقدیرِ ثانی اس اقرار پر اصرار بھی ضرور یا بعد اقرار رجوع نامسموع، کلماتِ علماء باعلٰی نداء منادی کہ یہاں ثبوتِ زنا کی اصلاً حاجت نہیں، مجرد اقرار وہ بھی ایک بار بس ہے، یہاں تک کہ اگر ہزل و مزاح ہی میں کہہ دیا کہ اس شخص نے اپنی ساس کے ساتھ جماع کیا حرمتِ مصاہرت ثابت کردیں گے پھر ہزار بار کہا کرے میں نے جھوٹ کہا تھا ہرگز نہ سنیں گے، محیط ہندیہ خلاصہ و بحر الرائق و جامع الرموز و جوہرۃ القروی و درمختار وغیرہا معتمدات الاسفار میں ہے،

والنظم للدر فی الخلاصۃ قیل لہ ما فعلت بام امرأتک فقال جامعتہا تثبت الحرمۃ ولا یصدق انہ کذب ولو ہازلا[2] اھ۔

در کی عبارت ہے کہ خلاصہ میں ہے کہ ایک شخص سے کہا گیا کہ تُو نے اپنی ساس سے کیا کیا تو اس نے جواب میں کہا کہ میں نے اس سے جماع کیا، تو اس سے حرمت ثابت ہوجائے گی، اور اب اگر یہ کہے کہ میں نے تو مذاق میں جھوٹ بولا تھا، تو بھی نہیں مانا جائے گا اھ (ت)

خلاصہ و بحر و القروی وغیرہا میں ہے،

والاصرار لیس بشرط فی الاقرار بحرمۃ المصاھرۃ[3]۔

حُرمتِ مصاہرت سے متعلق اقرار میں اصرار شرط نہیں ہے۔ (ت)

یونہی اگر عورت سے بشرطِ دوشیزگی نکاح کیا وقت ارادۂ جماع غیر دوشیزہ پایا، عورت نے کہا تیرے

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الحدود ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۵۰
غنیۃ ذوی الاحکام حاشیہ دررغرر باب حد القذف مطبعۃ احمد کامل الکائنۃ بیروت ۲/ ۷۴
[2] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۸
[3] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الثالث فی حرمۃ المصاھرۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۱۰

باپ نے ازالہ کیا اُس نے تصدیق کر دی حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگئی۔ ظہیریہ و ہندیہ و شمنی و درمختار وغیرہ میں ہے :

واللفظ للد رتزوج بکرا فوجدھا ثیبا (ولفظ الاولین تزوج امرأۃ علی انہا عذراء فلما اراد وقاعہا وجدھا قد افتضت) وقالت ابوك فضنی ان صدقہا بانت بلا مھر و الالا، شمنی[1]

دُر کے الفاظ میں ہے کہ باکرہ سے نکاح کیا تو اس کو ثیبہ پایا، اور پہلی دونوں کتب کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک عورت سے باکرہ ہونے کی شرط پر نکاح کیا تو جماع کے وقت اس کی بکارت ٹوٹی ہوئی پائی، اور عورت نے کہا کہ تیرے باپ نے میری بکارت توڑی (یعنی دخول کیا) تو اگر اس نے بیوی کی بات کو سچ تسلیم کرلیا تو بیوی کا نکاح ختم ہو جائے گا اور مہر نہ ہوگا ورنہ نکاح ختم نہ ہوگا، شمنی۔ (ت)

ظاہر ہے کہ ان صورتوں سے ثبوتِ زنا محض ناممکن اخیرہ میں تو عورت کا بیان اور اس کی تصدیق کیا بکار آمد ہوسکتی ہے جہاں چار مردوں سے کم کی شہادت مردود ہو، اولے میں ایک بار اقرار وہ بھی بیرون دارالقضاء، وُہ بھی ہزل ومزاح کے موقع پرکیا قابلیت اثباتِ زنا رکھتا ہے، باایں ہمہ مجرد اقرار و تصدیق پر حرمتِ مصاہرت کا حکم ہوگیا اور بعد اقرار انکار بیکار رہا۔ اسی قدر تقریر ایضاح مقام وازاحت اوہام کو بس ہے بلکہ غور کیجئے تو فرع اوّل صورت مستفسرہ کا خاص نص ہے کہ جب اس کے صرف اس قول کو مثبت حرمت مانتے اور رجوع و انکار کو نامسموع جانتے ہیں، اور پُرظاہر کہ یہ اثبات اثبات فی القضاء ہی ہے کما اشرنا الیہ وفی ردالمحتار وغیرہ نصوا علیہ (جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور ردالمحتار وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ ت) اور عند القاضی بعد انکار طریقہ اثبات وہی بیّنہ تو صاف ثابت ہُوا کہ شوہر اگر بعد اقرار بالزنا انکار کرجائے اور بیّنہ عادلہ سے اس کا اقرار ثابت ہو قاضی فوراً حکمِ حُرمت کر دے گا وھو المقصود۔ انھی بیانوں سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ زنا بمادرِ زن پیش از نکاحِ زن اور اس کا عکس دونوں کا اقرار اس حکمِ حُرمت میں یکساں کہ حرمتِ ابدیہ دونوں طرح حاصل، اگرچہ ایک صورت میں سابقہ ہو، دوسری میں طاریہ، تو ہر طرح یہ اقرار اقرار بالمحرم ہے والرجل مواخذ باقرارہ (اور مرد اپنے اقرار کی بنا پر ماخوذ ہے۔ ت) ہاں اتنا تفاوت ہوگا کہ اقرارِ زنا قبل النکاح میں شوہر حقِ زن میں اس دعوی اسناد الی ماقبل النکاح میں مصدق نہ ہوگا کہ برتقدیر عدم دخول ابطال مہر یا بحالت دخول افساد تسمیہ مجرد اس کے کہنے سے مان لیں صرف اپنے حق

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

یعنی بطلان حل وفساد عصمت واخذ بالمتارکہ میں مصدق ہوگا لہذا حُرمت غیرمستندہ ثابت کرکے نصف مسمی یا کل علی التقدیرین لازم کردیں گے۔ بحرالرائق وردالمحتار میں ہے:

اذا اقر بجماع امها قبل التزوج لایصدق فی حقها فیجب کمال المهر المسمی ان کان بعد الدخول ونصفه ان کان قبله کما فی التجنیس۔[1]

اگر نکاح سے قبل کے ساس سے زنا، کا اقرار کرتا ہے تو اس اقرار کو بیوی کے حق مہر کے بارے میں سچ نہیں مانا جائے گا لہذا مقررہ مہر پورا دینا ہوگا بشرطیکہ یہ اقرار بیوی سے دخول کے بعد کیا ہو اور اگر دخول سے قبل یہ اقرار کیا تو نصف مہر واجب ہوگا، جیسا کہ تجنیس میں ہے۔ (ت)

اور یہ کوئی نئی بات نہیں کہ اقرار واحد من جہۃ مقبول اور من جہۃ مردود ہو اقرار حجت قاصرہ ہے ہمیشہ اس کی یہی شان ہوتی ہے کہ جہاں تک مقر پر اس کا ضرر ہے ماخوذ اور جتنا دوسرے پر الزام ہے منبوذ، ولہذا اگر کسی کی کنیز سے نکاح کیا اس نے پیش از دخول اس کے پسر کا بوسہ لیا شوہر کہتا ہے بوسہ لشہوت تھا حُرمت ثابت ہوگئی مگر حق اسقاطِ مہر میں مسموع نہ ہوگا نصف مہر دینا آئے گا جبکہ مولٰی شہوتِ کنیز وقصدِ افساد کو نہ مانتا ہو۔ ہندیہ میں ہے:

تزوج بامة رجل ثم ان الامة قبلت ابن زوجها قبل الدخول بها فادعی الزوج انها قبلته بشهوة وکذبه المولی فانها تبین من زوجها لاقرار الزوج انها قبلت بشهوة ویلزمه نصف المهر بتکذیب المولی ایاه انها قبلته بشهوة ولایقبل قول الامة فی ذلک لو قالت قبلته بشهوة کذا فی المحیط[2] اھ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم

ایک شخص نے کسی کی لونڈی سے نکاح کیا تو لونڈی نے قبل از دخول خاوند کے بیٹے کا بوسہ لے لیا تو خاوند نے دعوٰی کیا کہ اس نے یہ بوسہ شہوت کے ساتھ لیا ہے جبکہ لونڈی کا مالک خاوند کو جھٹلا رہا ہے' تو وہ لونڈی نکاح سے خارج ہوجائے گی کیونکہ خاوند نے شہوت کے ساتھ بوسے کا اقرار کیا ہے' اور مالک کی تکذیب کی وجہ سے خاوند پر نصف مہر لازم ہوگا اور یہاں لونڈی کے اقرار کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا کہ میں نے شہوت سے بوسہ لیا ہے۔ یونہی محیط میں ہے۔ (ت) واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کے مرنے پر سالی سے نکاح کیا

---

[1] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۸۳

[2] فتاوٰی ہندیہ القسم الثانی المحرمات بالصهریۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۶

اور پہلی عورت سے ایک دختر تھی اب یہ شخص مرگیا اور سالی منکوحہ بے اولاد نے دوسرے سے نکاح کیا اور مرگئی اب وہ جو دختر اُس شخص کی ہے جس نے اپنی سالی سے نکاح کیا تھا اور مرگیا تھا سالی کے دوسرے شوہر کو جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب

جائز ہے ، واللہ تعالٰی اعلم ۔

مسئلہ ۱۷۹ ہندہ نے زینب کا دُودھ پیا ہندہ کے بیٹے کو زینب کی دختر جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب

ناجائز ہے ، واللہ تعالٰی اعلم ۔

مسئلہ ۱۸۰ ایک شخص نے اپنی زوجہ کے دھوکے میں سہو سے اپنی ہمشیرہ یا خوشدامن کا ہاتھ از رُوئے شہوت کے پکڑا ، اس کے نکاح میں کچھ خلل ہوا یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب

ہمشیرہ کا ہاتھ پکڑنے سے نکاح میں کچھ خلل نہ آیا اور خوشدامن کا ہاتھ پکڑنے سے نکاح فاسد ہوگیا اگر اس سے شہوت پیدا ہوئی یا پہلے سے تھی تو زیادہ ہوگئی اور انزال نہ ہوا تو عورت ہمیشہ کو اس پر حرام ہوگئی ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۱ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین ایسی صورت میں کہ زید نے اپنی دختر زینب کا بکر کے ساتھ نکاح کیا اور بعد نکاح قبلِ رخصت بکر کو بلاتحقیق زبانی باتوں پر نامرد ٹھہرا کر بے طلاق دلوائے بحالتِ حیاتِ بکر کے زینب کا نکاح خالد کے ساتھ کردیا اور اس سے اولاد پیدا ہوئی پس ایسی صورت میں یہ نکاحِ ثانی جائز ہوا یا ناجائز ؟ بینوا توجروا

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں قطع نظر اس سے کہ تفریق بوجہ عنت کے لیے جو امور شرعاً درکار ہیں اُن میں سے یہاں ایک بھی نہ پایا گیا ، راساً بکر کا ایسا عنین ہونا ہی ثابت نہیں جس کی بنا پر زینب کو اختیارِ مخاصمہ و مطالبہ تفریق حاصل ہو اس لیے کہ ممکن تھا کہ وہ بالخصوص اس عورت سے نزدیکی پر قادر ہوتا جس صورت میں کہ زینب کی رخصت ہی نہ ہونے پائی اُس کے حق میں بکر کا نامرد ہونا کیسے ثابت ہوا ،

فی العالمگیریۃ ان کان یصل الی الثیب دون الابکار او الٰی بعض النساء دون البعض و ذٰلک لمرض بہ اوالضعف فی خلقہ اوکبرسنہ اوسحر

عالمگیریہ میں ہے جو شخص ثیبہ سے جماع کی طاقت رکھتا ہو باکرہ سے نہیں ، یا بعض عورتوں سے جماع کی طاقت رکھتا ہو اور دیگر بعض سے نہیں اور اس کی کمزوری مرض کی وجہ سے یا پیدائشی یا بڑھاپے یا جادو کی وجہ سے ہو

فهو عنین فی حق من لا یصل الیہا کذا فی النہایۃ۔[1]

تو ان عورتوں کے حق میں اس کو نامرد تصور کیا جائے گا جن سے جماع کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ نہایہ میں یوں ہے۔ (ت)

پس بلاشبہہ نکاح ثانی زینب کا محض ناجائز و باطل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۲ از اٹاوہ مرسلہ مولوی وصی علی صاحب نائب ناظر کلکٹری اٹاوہ ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لیلٰی و سلمٰی دو رضاعی بہنیں ہیں، لیلٰی سے زید نے نکاح کیا اب سلمٰی سے اس کے پسر عمرو بن جمیلہ کا نکاح ہو سکتا ہے یا وہ عمرو کی سوتیلی خالہ یعنی سوتیلی ماں کی رضاعی بہن سمجھ کر حرام مانی جائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں عمرو و سلمٰی کا نکاح جائز ہے کہ باپ کی سالی جبکہ اپنی حقیقی یا رضاعی ماں کی سگی یا سوتیلی یا مادری یا رضاعی بہن نہ ہو حلال ہے خواہ نسبی ہو خواہ رضاعی۔ قال اللہ تعالٰی:

واحل لکم ما وراء ذٰلکم[2] (محرمات مذکورہ کے سوا تم کے لیے حلال ہیں۔ ت)

سوتیلی خالہ کہ حرام ہے اس کے معنی حقیقی یا رضاعی ماں کی سوتیلی بہن نہ کہ سوتیلی ماں کی حقیقی یا رضاعی بہن۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۳ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے نکاح میں ایک عورت حرہ تھی دوسرا نکاح اُس نے ایک کنیز سے کیا، یہ نکاح صحیح ہُوا یا نہیں؟ اور کنیز کا مہر اس کے ذمہ کس قدر لازم ہوگا؟ اُس کنیز سے اُس کی اولاد بھی ہُوئی، اب زید نے انتقال کیا تو کنیز اور اس کی اولاد ترکہ پائیں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

زن حرہ پر لونڈی سے نکاح کرنا فاسد ہے،

فی الدرالمختار وصح نکاح حرۃ علی امۃ و لا یصح عکسہ انتہی[3] ملخصًا۔

درمختار میں ہے لونڈی پر حرہ عورت سے نکاح صحیح ہے اور اس کا عکس یعنی حرہ پر لونڈی سے نکاح صحیح نہیں ہے انتہی ملخصًا (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۲۲

[2] القرآن ۴/۲۴

[3] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹

اور زن منکوحہ بنکاح فاسد مستحق ارث نہیں،

فی الدر المختار من باب نکاح الکافر واجمعوا انھم لایتوارثون لان الارث انما ثبت بالنص علٰی خلاف القیاس فی النکاح الصحیح مطلقا فیقتصر علیہ ابن ملک[1]، وفیہ من کتاب الفرائض ویستحق الارث باحد ثلثۃ برحم ونکاح صحیح فلا توارث بفاسد ولا باطل اجماعا اھ[2]

درمختار کے "باب نکاح کافر" میں ہے کہ ائمہ کرام کا اجماع ہے کہ یہ آپس میں وارث نہ بنیں گے کیونکہ وراثت کا ثبوت نص میں قیاس کے خلاف ہے اور یہ صرف صحیح نکاح میں ہے اور اسی میں منحصر رہے گا، ابن ملک۔ اور اسی درمختار کے کتاب الفرائض میں ہے کہ وراثت کا استحقاق تین وجہ سے ہوتا ہے، رشتہ رحم اور صحیح نکاح کی بناء پر نکاح فاسد یا باطل سے باجماع استحقاق وراثت نہیں اھ (ت)

ہاں اگر وطی واقع ہوگئی تو مہر مسمی و مہر مثل سے جو کم ہوگا لازم آئے گا مثلاً اگر عقد پانسو روپے مہر پر بندھا ہے اور مہر مثل سو روپے ہے تو مہر مثل، اور درصورت عکس مہر مسمی یعنی جو عقد میں بندھا ہے واجب الادا ہوگا" اور جو عقد میں کچھ نہ بندھا یا بندھا معلوم نہیں ہوسکتا تو مہر مثل جس قدر ہو قرار پائے گا۔

فی الخلاصۃ الواجب فی النکاح الفاسد الاقل من المسمی ومن مھر المثل ان کان ھناک تسمیۃ[3]، فی الدر المختار ویجب مھر المثل فی نکاح فاسد بالوطی لابغیرہ ولم یزد مھر المثل علی المسمی ولوکان دون المسمی لزم مھر المثل ولولم یسم اوجھل لزم بالغا ما بلغ[4] انتھی مع التلخیص۔

خلاصہ میں ہے اگر مہر مقررہ ہو تو فاسد نکاح سے مہر مثل اور مقررہ سے جو کم ہو وہ واجب ہوگا۔ درمختار میں ہے کہ فاسد نکاح میں مہر مثل وطی سے واجب ہوتا ہے وطی کے بغیر مہر مثل واجب نہیں ہوتا اور مہر مثل مقررہ مہر سے زیادہ بھی نہیں کیا جائیگا اگرچہ مقررہ مہر سے مہر مثل کم ہو اور اگر مہر مقرر نہ ہو یا مقررہ معلوم نہ ہو تو اس صورت میں مہر مثل لازم ہوگا جتنا بھی ہو اھ ملخصاً (ت)

اور اولاد کہ نکاح فاسد میں وقت وطی سے چھ مہینے بعد پیدا ہوئی بالاجماع ثابت النسب و مستحق الارث ہے،

فی الدر المختار ویثبت النسب احتیاطا بلادعوۃ

درمختار میں ہے کہ نکاح فاسد میں بغیر دعوٰی احتیاطاً نسب

---

[1] درمختار باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۸

[2] درمختار کتاب الفرائض " ۲/۳۵۲

[3] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الثالث عشر فی النکاح الفاسد مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/۱۱

[4] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

وتعتبر مدته وهی ستة اشهر من الوطی والا لایثبت وهذا قول محمد وبه یفتی وقالا ابتداء المدة من وقت العقد کالصحیح ورجحه فی النهر بانه احوط۔[1] واللہ تعالٰی اعلم

ثابت ہوگی جبکہ مدت کا اعتبار ہوگا جو کہ وطی سے چھ ماہ تک ہے ورنہ نہیں، یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، اور امام اعظم و امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کے قول پر مدت کا اعتبار وقت نکاح سے چھ ماہ ہے جیسا کہ صحیح نکاح میں ہوتا ہے، نہر میں اس کو ترجیح دی گئی ہے کیونکہ اس میں زیادہ احتیاط ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۳: چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ (کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں۔ ت) کہ ہندہ زوجۂ بکر کسی تقریب خانگی میں بہت سی مستورات کے ہمراہ ایک مقام پر جہاں دروازہ پر پردہ لگا تھا موجود تھی اور اُس جلسہ میں زوجۂ زید بھی تھی، زوجۂ بکر دوپٹہ یا چادر زوجۂ زید کا اتفاق سے اوڑھے تھی، وقتِ شب تھا، روشنی کافی جیسا کہ تقریبات میں قاعدہ ہے موجود تھی، دریں اثنا، زید وہاں آیا اور ہندہ زوجۂ بکر مذکورہ بالا اپنا منہ جو کھلا تھا باہر پردہ کے لائی کہ زید مذکور نے اس کا بوسہ رخسار پر لیا، ہندہ نے و دیگر عورات نے اس کا مواخذہ زید سے کیا، اس وقت زید نے رُوبرو جملہ اور پانچ سات ذکور عادل کے یہ عذر کیا کہ میں نے اپنی زوجہ کے دھوکا میں بوسہ لیا تھا بوجہ اس کے کہ زوجۂ بکر یعنی ہندہ مذکور میری زوجہ کا چادر اوڑھے تھی اس دھوکا اور شبہہ سے بوسہ لیا تھا ہرگز دانستہ یہ فعل نہیں کیا، پس اب ہندہ مذکورہ کی لڑکی کا نکاح زید کے ساتھ از روئے شرع شریف کے درست ہے یا نادرست؟ اس امر پر حکم فرما کر دستخط خاص سے جواب تحریر فرمایا جائے عنداللہ ماجور ہوں گے۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اگر ثابت ہے کہ زید نے زوجۂ بکر کا بوسہ بنظرِ شہوت لیا تو اُس عورت کی سب اولاد ہمیشہ کے لیے زید پر حرام ہوگئی کسی طرح اس کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا، اور اگر نادانستہ نکاح کرلیا ہے تو فریقین پر واجب ہے کہ اُسے فسخ کردیں ورنہ سخت گنہگار ہوں گے، اور اگر شوہر فسخ پر راضی نہ ہو تو عورت بذاتِ خود فسخ کرسکتی ہے کما نص علیہ فی ردالمحتار (جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں اس پر نص ہے۔ ت) بلکہ امام محقق علی الاطلاق کمال الملۃ والدین محمد بن الہمام قدس سرہ العزیز نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں تصریح فرمائی ہے کہ جس طرح لبوں کا بوسہ لینا خواہی نخواہی بنظرِ شہوت قرار پائے گا یہاں تک کہ اگر وہ شخص ادعا کرے کہ یہ فعل مجھ سے بنظرِ شہوت نہ ہوا تو ہرگز قبول نہ کریں گے اور حکمِ حرمتِ ابدی دیں گے یہی حال بوسۂ رخسار کا ہونا چاہیے کہ یہ بھی بشہوت ہی ٹھہرے گا اور

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۱

بوسہ لینے والے کا انکار مسموع نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

وفی الفتح یتراٰی الحاق الخدین بالفم[1] — فتح میں ہے کہ رخسار بھی منہ سے ملحق قرار پائیں گے (ت)

اس طور پر صورت مستفسرہ میں مطلقاً حکم حرمت ہے اور اگر زید انکار شہوت کرے مسموع نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۵: از نجیب آباد ضلع بجنور محلہ نواب پور مرسلہ نیاز اللہ خاں ۵ ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا مدت تک، اور پھر اسی کی زندگی میں اس کی بیٹی سے بھی حرام کیا یہاں تک کہ دس برس تک اُسے گھر میں ڈال کر پردہ میں رکھ کر حرام کرتا رہا، اب زنا سے توبہ کرکے نکاح کرنا چاہتا ہے، آیا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

کسی وقت کسی حال اس سے نکاح نہیں ہوسکتا کہ ماں کے ساتھ حلال خواہ حرام کسی طرح صحبت کرنے بلکہ صرف بشہوت ہاتھ لگانے یا بوسہ لینے سے بیٹی ہمیشہ ہمیشہ کو حرام ہوجاتی ہے اور بیٹی کے ساتھ ان معاملات سے ماں۔ درمختار میں ہے:

حرم ایضا بالصھریۃ اصل مزنیتہ اراد بالزناء الوطء الحرام واصل ممسوستہ بشھوۃ والمنظور الی فرجھا الداخل وفروعھن[2] اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم۔

مزنیہ کی اصل بھی مصاہرۃ کے طور پر حرام ہوگی، زنا سے مراد حرام وطی ہے، اور شہوت کے ساتھ مس شدہ عورت اور جس کی فرجِ داخل پر شہوت سے نظر پڑی ہو کی اصل اور ان کی فرع حرام ہوں گی اھ ملخصا (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۶ تا ۱۸۸: از شاہ نگریا مرسلہ نیاز محمد خاں ۱۲ رجب ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل مندرجہ ذیل میں:

(۱) استاد کی بیٹی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۲) شاگرد اناث سے استاد کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۳) بھتیجے کا نکاح چچا کی بی بی سے درحالیکہ محارم سے نہ ہو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

[1] درمختار فصل المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] " " " "

الجواب

ان سب سے نکاح جائز ہے جبکہ محارم سے نہ ہوں۔ قال اللہ تعالٰی: واحل لکم ما وراء ذٰلکم[1] (محرمات مذکورہ کے ماسوا تمہارے لیے حلال ہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۹ از اٹاوہ مکان قاضی مظفر علی صاحب ڈگری نویس منصفی مرسلہ شیخ دیدار بخش صاحب

۲۳ صفر ۱۳۱۴ھ

ہندہ کا نکاح نو برس کی عمر میں ہُوا تھا، اس کا شوہر جو بالغ تھا تین ماہ بعد نکاح کے نینی تال کو چلا گیا وہاں اس نے اپنا نکاح کیا اور زوجہ ثانیہ سے اولاد ہُوئی، ہندہ شوہر سے نان ونفقہ کی طالب ہُوئی، اس نے کچھ التفات نہ کی، تب خواہانِ طلاق ہُوئی، طلاق بھی نہ دی، ایک عرصہ کے بعد زوجہ ثانیہ اور اولاد کو بھی چھوڑ کر کہیں چلا گیا، پانچ چار سال سے مفقود الخبر ہے، ہندہ اب اپنا دوسرا نکاح کیا چاہتی ہے اس معاملہ میں بنظرِ حالات جو مسئلہ شرعی ہو فرمائیے، اب عمرِ ہندہ پچیس ۲۵ سال کی ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب

ہرگز یُوں نکاح نہیں کرسکتی۔ قال اللہ تعالٰی: والمحصنٰت من النساء[2] (شادی شدہ عورتیں حرام ہیں۔ ت) اس پر لازم ہے کہ صبر وانتظار کرے یہاں تک کہ اس کے شوہر کی ولادت کو ستّر برس گزر جائیں، اس کے بعد اس کی موت کا حکم کیا جائے فی جواھر الاخلاطی یحکم بموتہ بعد سبعین سنۃ وعلیہ الفتوٰی[3] (جواہر اخلاطی میں ہے: گمشدہ کی عمر کے ستّر سال پُورے ہونے کے بعد اس کی موت کا حکم کیا جائے گا۔ اسی پر فتوٰی ہے۔ ت) ادعائے ضرورت وعذرِ جوانی حرام کو حلال نہیں کرسکتا، بہت کمسن لڑکیاں کہ بیوہ ہوجاتی ہیں باتباعِ رسمِ ہنود عمر بھر نامِ نکاح نہیں لیتیں، اس وقت ضرورت وجوانی کدھر جاتی ہے، ہزاروں وُہ ہیں جن کے شوہر زندہ موجود ہیں مگر ان کی طرف سے قطعاً برگشتہ و رُوگرداں، وُہ اپنی عمر کیونکر کاٹتی ہیں! یہ جو بعض کا زعم ہے کہ چار سال گزرنے پر عورت کو نکاحِ ثانی کا اختیار امام مالک کے مذہب میں حاصل ہوجاتا ہے محض جہل، اور امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب سے ناواقفی ہے ان کا مذہب یہ ہے کہ عورت حاکم شرع کے حضور مستغیثہ ہو وُہ بعد ثبوت مفقودی روزِ مرافعہ سے چار سال کی مہلت دے، اس کے گزرنے پر قاضی تفریق کرے اب عورت عدت پوری کرکے نکاح کرسکتی ہے

---

[1] القرآن ۴/ ۲۴

[2] القرآن ۴/ ۲۴

[3] جواہر الاخلاطی مسائل مفقود قلمی نسخہ ص ۱۲۲

پیش از حکم قاضی شرع اگر بیس برس گزر گئے تو وہ معتبر نہیں صرح بہ علماء المالکیۃ فی کتبھم (مالکی علماء نے اپنی کتب میں اس کی تصریح کی ہے۔ ت) اس مسئلہ کی تفصیل جلیل فتاوائے فقیر کتاب المفقود میں ہے۔ ت)
واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۰ از پٹنہ لودی کٹرہ مرسلہ مولانا مولوی عبدالوحید غلام صدیق صاحب بہاری ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۱۴ھ

حضرت مولانا اعزکم اللہ فی الدارین تسلیم۔ ایک شیعہ عورت سے سُنّی نے نکاح کیا آیا درست ہوگا یا نہیں؟ جلد فتوائے مرتب فرماکر روانہ کیجئے ضرورت شدید ہے، میری خاص رائے عدمِ مناکحت پر ہے، منکرین ضروریاتِ دین کافر ہیں اور کفر کے سبب نکاح مسلمان سے کب درست ہے۔ والسلام!

الجواب

شیعہ تین قسم ہیں:

اوّل غالی کہ منکر ضروریاتِ دین ہوں، مثلاً قرآن مجید کو ناقص بتائیں، بیاضِ عثمانی کہیں یا امیرالمومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ خواہ دیگر ائمہ اطہار کو انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم خواہ کسی ایک نبی سے افضل جانیں یا رب العزت جل وعلا پر بداء یعنی حکم دے کر پشیمان ہونا، پچتا کر بدل دینا، یا پہلے مصلحت کا علم نہ ہونا بعد کو مطلع ہوکر تبدیل کرنا مانیں، یا حضور پرنور سید المرسلین صلے اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم پر تبلیغ دین متین میں تقیہ کی تہمت رکھیں الٰی غیرذٰلک من الکفریات (اس کے علاوہ دیگر کفریات۔ ت) یہ لوگ یقیناً قطعاً اجماعاً کافر مطلق ہیں اور ان کے احکام مثل مرتد، فتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی ہندیہ وحدیقہ ندیہ وغیرہا میں ہے: احکامھم احکام المرتدین[1] (ان کے احکام مرتدین والے ہیں۔ ت) آج کل کے اکثر بلکہ تمام رفاض تبرائی اسی قسم کے ہیں کہ وہ عقیدۂ کفریہ سابقہ میں اُن کے عالم جاہل مرد عورت سب شریک ہیں الّا ماشاء اللہ (مگر جو اللہ تعالٰی چاہے۔ ت) جو عورت ایسے عقیدہ کی ہو مرتدہ ہے کہ اس کا نکاح نہ کسی مسلم سے ہوسکتا ہے نہ کافر سے نہ مرتد سے نہ اس کے ہم مذہب سے، جس سے نکاح ہوگا زنائے محض ہوگا اور اولاد ولد الزنا۔

دوم تبرائی کہ عقاید کفریہ اجماعیہ سے اجتناب اور صرف سبِ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ارتکاب کرتا ہو، ان میں سے منکران خلافت شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما اور انھیں بُرا کہنے والے فقہائے کرام کے نزدیک کافر ومرتد ہیں[2] نص علیہ فی الخلاصۃ والھندیۃ وغیرھما (خلاصہ اور ہندیہ وغیرہ میں اس پر نص ہے۔ ت) مگر مسلک محقق قول متکلمین ہے کہ یہ بدعتی ناری جہنمی کلاب النار ہیں مگر کافر نہیں، ایسی عورت سے نکاح اگرچہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴
[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۱

صحیح ہے مگر سخت کراہت شدیدہ سے مکروہ ہے۔

لما فی الحدیث عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتناکحوھم[1]۔ کیونکہ حدیث شریف میں حضور سید الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ ان سے نکاح نہ کرو(ت)

صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے ناقہ کو لعنت کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھڑوا دیا کہ ملعونہ ناقہ پر ہمارے ساتھ نہ رہ، پھر کسی نے اس ناقہ کو نہ چھوا[2]۔ حالانکہ ناقہ فی نفسہا مستحقِ لعنت نہیں، حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما پر لعنت کرنے والے بلاشبہہ لعنتِ الٰہی کے مورد ہیں،

اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللاعنون[3]۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان پر اللہ تعالٰی لعنت فرماتا ہے اور سب لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔(ت)

احادیث صحیحہ کثیرہ اس معنی پر ناطق ہیں تو ایک ملعونہ سے صحبت رکھنا کیونکر شرع مطہر کو گوارا ہوگا واللہ الہادی۔

سوم تفضیلی کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو خیر سے یاد کرتا ہو خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم کی امامت برحق جانتا ہو صرف امیر المومنین مولٰی علی کو حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما سے افضل مانتا ہو انہیں کفر سے کچھ علاقہ نہیں بدمذہب ضرور ہیں ایسی عورت سے بالاتفاق نکاح جائز ہے ہاں کراہت سے خالی نہیں کہ مبتدعہ ہے اگرچہ ہلکے درجہ کی بدعت سے خصوصاً اگر اس کی صحبت میں اپنے مذہب پر اثر پڑنے کا احتمال ہو تو کراہت شدید ہوجائے گی اور ظن غالب تو اشد بالغ بدرجہ تحریم۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۱: از احمد آباد گجرات دکن محلہ کالوپور متصل پور گلیان مرسلہ عبدالحکیم صاحب ولد عبدالغنی صاحب ۱۳ جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ ایک مرد نے ایک عورت سے نکاح کیا ابھی وہ عورت زندہ سلامت اُس مرد کے نکاح میں موجود ہے اب وہی مرد اس عورت کے بھائی کی نواسی سے نکاح کرنا چاہتا ہے آیا یہ جمع کرنا درمیان عورت اور اس کی بھتیجی کی بیٹی کے حلال ہے یا حرام؟ بینوا بیانا شافیا توجروا اجرا وافیا۔

الجواب

حرام ہے، اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ جو دو عورتیں آپس میں محرم ہوں یعنی ان میں سے جس کو مرد فرض کیا جائے دوسری اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو ایسی دو عورتوں کو جمع کرنا جائز نہیں، یہاں ایسا ہی ہے کہ

[1] کنز العمال حدیث ۳۲۴۹۸ و ۳۲۵۴۲ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۵۲۹ و ۵۴۲

[2] صحیح مسلم باب النہی عن لعن الدواب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲۳

[3] القرآن ۲/ ۱۵۹

اگر منکوحہ اولیٰ کو مرد فرض کرتے ہیں تو وہ دوسری اس کے بھتیجے کی بیٹی، اور جس طرح بھتیجی حرام ہے یونہی بھتیجے کی بیٹی، اور اگر اس دوسری کو مرد فرض کرتے ہیں تو وُہ پہلی اس کی ماں کی پھوپھی ہے اور جس طرح اپنی پھوپھی حرام ہے یونہی ماں کی۔ بحرالرائق میں ہے:

الاصل ان کل امرأتین لوکانت احداھما ذکرا والاخری انثی لم یجز للذکران یتزوج الانثی فانہ یحرم الجمع بینھما بالقیاس علی حرمۃ الجمع بین الاختین[1]

قاعدہ یہ ہے کہ ایسی دو عورتیں جن میں سے ایک کو مرد فرض کیا جائے تو ان کا آپس میں نکاح جائز نہ ہو کیونکہ ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت دو بہنوں کو جمع کرنے کی حرمت پر قیاس ہے۔ (ت)

نقایہ اور اس کی شرح جامع الرموز میں ہے:

وحرم علی المرء اصلہ وفرعہ وفروع اصلہ القریب من الاخوات لاب وام اولاحدھما وبناتھن وبنات الاخوۃ وان بعدت وصلبیۃ اصلہ البعید من عماتہ وخالاتہ لاب وام اولاحدھما وعماتھما اوعمات احدھما وان علت وخالاتھما اوخالات احدھما وان علت[2] واللہ تعالٰی اعلم

مرد کی اصل اور اس کی اپنی اولاد اور اس کے ماں باپ کی اولاد یعنی بہنیں، صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے یا دونوں کی طرف سے ہوں، اور ان بھائیوں اور بہنوں کی اولاد خواہ نیچے تک ہو، اور اوپر والے ماں باپ یعنی دادا دادی اور نانا نانی، اوپر تک کی صُلبی اولاد یعنی اُن کی پھوپھیاں اور خالائیں، ماں باپ دونوں کی طرف سے یا ایک کی طرف سے ہوں، اور ماں باپ کی حقیقی پھوپھیاں اور خالائیں ہوں یا صرف ماں یا باپ کی طرف سے ہوں، خواہ اوپر تک ہوں، سب اس پر حرام ہیں۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۲: از ضلع صاحب گنج گیا موضع کھرا ڈاکخانہ مخدوم پور مرسلہ شیخ نجم الدین حیدر صاحب ۳ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اس زوجہ سے دو بیٹے حسن وحسین پیدا ہوئے، بعد وفات ہندہ کے زید نے حفصہ سے نکاح کیا اس زوجہ سے چند اولاد پیدا ہوئی اور حفصہ نے اپنی بیٹی زبیدہ کے ساتھ حسین کے بیٹے بکر کو دُودھ پلایا۔ پس اس صورت میں بکر کا نکاح حسن کی بیٹی زاہدہ سے موافق شرع محمدی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] بحرالرائق فصل فی المحرمات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۹۵

[2] جامع الرموز شرح نقایہ کتاب النکاح مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۴۴۸ تا ۴۵۰

الجواب

تقریرِ سوال سے ظاہر ہے کہ زبیدہ دخترِ زید ہے اور یہ شیرِ حفصہ کہ بکر نے پیا زید ہی سے تھا، اگر صورتِ واقعہ یہی ہے تو بکر و زاہدہ میں نکاح حرام محض ہے کہ اس تقدیر پر بکر اپنے دادا زید کا بیٹا ہُوا اور اس کا بیٹا حسن اس کا سوتیلا بھائی، اور حسن کی بیٹی زاہدہ بکر کی سوتیلی بھتیجی، اور بھتیجی اگرچہ سوتیلی ہو چچا پر حرام قطعی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

یحرم من الرضاعۃ مایحرم من الولادۃ[1]۔ رواہ الجماعۃ الاابن ماجۃ عن ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

رضاعت سے سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو پیدائش (نسب) سے حرام ہیں۔ اس کو ابن ماجہ کے بغیر محدثین نے ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ (ت)

عالمگیری میں ہے :

یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعا حتی ان المرضعۃ لوولدت من ھذا الرجل اوغیرہ قبل ھذا الارضاع اوبعدہ اوارضعت رضیعا اوولد الرجل من غیرھذہ المرأۃ قبل ھذا الارضاع اوبعدہ اوارضعت امرأۃ من لبنہ رضیعا فالکل اخوۃ الرضیع واخواتہ واولادھم اولاداخوتہ واخواتہ کذا فی التھذیب[2]۔

دُودھ پینے والے بچے پر رضاعی ماں باپ اور ان کے اصول و فروع نسبی ہوں یا رضاعی سب حرام ہو جاتے ہیں، حتی کہ دُودھ پلانے والی عورت کا موجودہ خاوند سے یا کسی دوسرے سے، دودھ پلانے سے پہلے یا بعد کا بچہ ہو یا اس نے کسی بچے کو دودھ پلایا ہو، یا اس عورت کے خاوند کی کوئی اولاد اس عورت سے ہو یا کسی اور سے ہو، دُودھ پلانے سے پہلے کی ہو یا بعد کی ہو، یا کسی عورت نے اس مرد سے اترے ہُوئے دودھ کو کسی بچے کو پلایا ہو، تو یہ تمام، دودھ پینے والے بچے کے بہن بھائی ہوں گے، ———— اور ان کی اولاد اس بچے کے بھتیجے اور بھانجے ہونگے، تہذیب میں یوں ہے۔ (ت)

تفسیر نیشاپوری میں ہے :

---

[1] صحیح مسلم	کتاب الرضاع	قدیمی کتب خانہ کراچی	۱/۴۶۶
[2] فتاوٰی ہندیہ	〃	نورانی کتب خانہ پشاور	۱/۳۴۳

بنات الاخوة من الرضاع کل انثی ولدھا ابن الفحل الذی منہ اللبن[1] اھ ملخصًا

رضاعی بھتیجیاں، یہ تمام وہ لڑکیاں ہیں جو دودھ پلانے والی عورت کے اس خاوند کے بیٹے کی اولاد ہوں جس سے اس عورت کو دودھ اترا ہے اھ ملخصاً (ت)

ہاں اگر حفصہ کے یہ دُودھ زید سے نہ ہوتا تو بکر کی یہ رضاعت زاہدہ کو اُس پر حرام نہ کرتی،

لان الحسن وبکرا ح لم یشترکافی ام ولا اب فلم یکن الحسن الاعمۃ وبنت العم یحل مالم یوجد ما یمنع الحل۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

کیونکہ حسن اور بکر اس صورت میں ماں میں اور نہ ہی باپ میں شریک ہُوئے، تو حسن بکر کے لیے صرف چچا ہوا اور چچا کی لڑکی اگر کوئی اور مانع نہ ہو تو حلال ہوتی ہے۔ (ت) واللہ سبحانہٗ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۳ از شہر کہنہ مسئولہ امیر حید رصاحب ۹ رجب ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ متعہ کی حرمت کس آیت وحدیث سے اہل سنت کے یہاں ثابت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

والذین ھم لفروجھم حفظون ۰ الا علی ازواجھم اوما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین ۰ فمن ابتغی وراء ذٰلک فاولٰئک ھم العادون[2]۔

وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کو بچائے ہوئے ہیں مگر اپنی بی بیوں یا اپنی شرعی کنیزوں پر کہ ان پر کچھ ملامت نہیں تو جو اس کے سوا کوئی اور راہ طلب کرے تو وہی لوگ ہیں حد سے بڑھنے والے۔

ظاہر ہے کہ زنِ ممتوعہ نہ اس کی بی بی ہے نہ کنیز شرعی، تو یہ وہی تیسری راہ ہے جو خدا کی باندھی ہوئی حد سے جدا اور حرام وگناہ ہے۔ رب تبارک وتعالٰی مردوں سے فرماتا ہے:

محصنین غیر مسافحین ولا متخذی اخدان[3]۔

نکاح کرو بی بی بنا کر قید میں رکھنے کو نہ پانی گرانے اور نہ آشنا بنانے کو۔

عورتوں سے فرماتا ہے: محصنٰت غیر مسٰفحٰت ولا متخذات اخدان[4] قید میں آتیاں نہ مستی نکالتیاں نہ یار بناتیاں۔

---

[1] غرائب القرآن (تفسیر نیشاپوری) بیان ان نکاح الامہات و البنات الخ مصطفی البابی مصر ۵/۸

[2] القرآن ۲۳/۵-۶-۷

[3] القرآن ۵/۵

[4] القرآن ۴/۲۵

ظاہر ہے کہ متعہ بھی مستی نکالنے پانی گرانے کا صیغہ ہے نہ قید میں رکھنے بی بی بنانے کا۔ صحیح مسلم شریف میں حدیث حضرت سبرہ بن معبدہ جہنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا،

یاایھاالناس انی کنت اذنت لکم فی الاستمتاع من النساء وان اللہ عزوجل قد حرم ذٰلک الی یوم القیامۃ۔[1]

اے لوگو! میں نے پہلے تمہیں اجازت دی تھی عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کی، اور اب بیشک اللہ عزوجل نے اسے حرام کردیا قیامت تک۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن متعۃ النساء یوم خیبر وعن لحوم الحمر الانسیۃ۔[2]

بیشک رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے دن عورتوں سے متعہ اور گدھے کا گوشت حرام فرما دیا۔

جامع ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

قال انما کانت المتعۃ فی اول الاسلام کان الرجل یقدم البلدۃ لیس لہ معرفۃ فیتزوج المرأۃ بقدر ما یری انہ یقیم فتحفظ لہ متاعہ وتصلح لہ شانہ حتی اذا نزلت الآیۃ الاعلی ازواجھم اوما ملکت ایمانھم قال ابن عباس فکل فرج سواھما فھو حرام۔[3]

متعہ ابتدائے اسلام میں تھا مرد کسی شہر میں جاتا جہاں کسی سے جان پہچان نہ ہوتی تو کسی عورت سے اُتنے دنوں کے لیے عقد کرلیتا جتنے روز اس کے خیال میں وہاں ٹھہرنا ہوتا، وہ عورت اس کے اسباب کی حفاظت اُس کے کاموں کی درستی کرتی، جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی کہ سب سے اپنی شرمگاہیں محفوظ رکھو سوا بی بیوں اور کنیزوں کے، اس دن سے ان دو کے سوا جو فرج ہے وہ حرام ہوگئی۔

حازمی کتاب الناسخ والمنسوخ میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی غزوہ تبوک میں ہم نے کچھ عورتوں سے متعہ کیا،

فجاء رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لائے

[1] صحیح مسلم — باب نکاح المتعہ الخ — قدیمی کتب خانہ کراچی — ۱/ ۴۵۱
[2] صحیح بخاری — باب النہی عن نکاح المتعہ — " " " — ۲/ ۷۶۷
[3] جامع الترمذی — باب ماجاء فی نکاح المتعہ — نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی — ۱/ ۱۸۱

فنظر الیھن وقال من ھؤلاء النسوۃ، قلنا یارسول اللہ نسوۃ تمتعنا منھن، قال فغضب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی احمرت وجنتاہ، وتمعر وجھہ وقام فینا خطیبا، فحمد اللہ واثنی علیہ ثم نھی عن المتعۃ[1]

انھیں دیکھا اور فرمایا یہ عورتیں کون ہیں؟ ہم نے عرض کی یارسول اللہ! ان سے ہم نے متعہ کیا ہے۔ یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غضب فرمایا، یہاں تک کہ دونوں رخسارہ مبارک سُرخ ہوگئے اور چہرہ انور کا رنگ بدل گیا، خطبہ فرمایا اللہ تعالٰی کی حمد و ثناء بیان کی پھر متعہ کا حرام ہونا بیان فرمایا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۴: از ملک بنگالہ شہر چاٹگام کاکس بازار مرسلہ مولوی عبدالمجید صاحب ۳ رمضان مبارک ۱۳۱۵ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اندرینکہ نکاح کردن زوجہ برادر حقیقی صغیر خود جائزست یانہ؟ بینوا توجروا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چھوٹے سگے بھائی کی بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

[illegible]ت بالاتفاق بعد افتراق بموت یا طلاق برادر اصغر باشد یا اکبر۔ قال اللہ عزوجل، واحل لکم ما وراء ذالکم[2] واللہ تعالٰی اعلم

چھوٹے یا بڑے بھائی کے طلاق دینے یا فوتیدگی کے سبب جدائی کے بعد بالاتفاق جائز ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا محرمات مذکورہ کے سوا تمہارے لیے حلال ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] نصب الرایۃ بحوالہ الحازمی کتاب النکاح المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہا ریاض الشیخ ۳/ ۱۷۹

[2] القرآن ۴/ ۲۴

هبة النسا فی تحقیق المصاھرة بالزنا

۱۳۱۵ھ

(زنا سے حرمتِ مصاہرہ کے ثبوت میں تحقیقِ جلیل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۹۵ از بہار محلہ محلی پر مرسلہ سید محمد عبدالسبحان صاحب حنفی دوم شوال مکرم ۱۳۱۵ھ
و بار دوم از ملک بنگالہ ضلع ڈھاکہ ڈاکخانہ امیر آباد موضع بیر کاندب مرسلہ محمد زینت علی صاحب ۱۰ شوال مکرم ۱۳۲۵ھ

حضرت اقدس قبلہ وکعبہ دامت برکاتہم، آداب وتسلیم، عرض ہے ایک بات کا جھگڑا بہار شریف میں حضرات حنفیہ سلمہم اللہ ووہابیہ خذلہم اللہ کے درمیان پھیلا ہوا ہے، اس کا جواب جلد تر روانہ فرمائیے۔ زید نے اپنی ساس سے زنا کیا اور اس کی بی بی کو اس کا علم تھا تو اب زید پر وہ بی بی حرام ہوئی یا نہیں؟ اور اگر حرام ہوئی تو ضرورت طلاق دینے کی ہے یا نہیں؟ دوسرے وہ بی بی باوجود علم کے اپنے شوہر زید کے ساتھ رہی اور زید بھی وطی حسبِ دستور کرتا رہا اور بی بی سے اولاد بھی ہوئی تو وہ اولاد بعد فوت زید یا بی بی زید کے ترکہ کی مستحق ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی خلق من الطین بشرا تمام تعریفیں اس ذات کے لیے جس نے مٹی سے بشر کو

وجعل له نسبا و صهرا و افضل الصلٰوۃ والسلام علی سید الانام و اٰله الکرام وصحبه العظام علی الدوام ۔

پیدا فرمایا اور اس کے لیے نسب اور رشتۂ ازدواج بنایا ، بہترین صلوٰۃ وسلام کائنات کے آقا اور اس کی برگزیدہ آل اور اس کے صحابہ عظام پر دائمی ہو۔(ت)

زوجۂ زید اس پر حرام ہوگئی اگرچہ اسے اس واقعۂ شنیعہ کا علم بھی نہ ہوتا **اقول** و باللہ التوفیق اس کی دلیل جلیل قولِ مولیٰ عزوجل و تبارک و تعالےٰ ہے ،

وربائبکم الّتی فی حجورکم من نسائکم الّتی دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم[1]

تم پر حرام کی گئیں تمہاری گود کی پالیاں اُن عورتوں کی بیٹیاں جن سے تم نے صحبت کی پھر اگر تم نے اُن سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں ۔

اس آیۂ کریمہ میں زنِ مدخولہ کی بیٹی حرام فرمائی اور جس طرح وصف الّتی فی حجورکم یعنی اس کی گود میں پلنا بالاجماع شرطِ حرمت نہیں مثلاً زید کسی پچیس سال والی عمر کی عورت سے نکاح کرے اور اس کے پہلے شوہر سے اس کی ایک بیٹی چاردہ سالہ ہو جسے گود میں پالنا درکنار زید نے آج سے پہلے کبھی دیکھا بھی نہ ہو تو کیا زید کو حلال ہوسکتا ہے کہ اس لڑکی سے بھی نکاح کرلے اور مادر و دختر دونوں کو تصرف میں لائے لا الٰہ الا اللہ یہ ہرگز شریعت محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نہیں ، اسی طرح وصف نسائکم یعنی اُن مدخولات کا زوجہ ومنکوحہ ہونا بھی بالاتفاق شرط نہیں ، کیا لیلےٰ وسلمٰے ماں بیٹی دونوں جس کی کنیزِ شرعی ہوں اُسے حلال ہے کہ دونوں سے جماع کیا کرے ، مادر و دختر دونوں ایک کے پلنگ پر ، عیاذاً باللہ ، یہ شریعتِ محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے کس درجہ بعید ہے ، حالانکہ ہرگز کنیزیں نسائکم میں داخل نہ ان کی بیٹیوں پر ربائبکم صادق ، غالباً ان حراموں کو حلال بتاتے ہوئے غیر مقلد صاحب بھی شرم کریں ، تو ثابت ہوا کہ نکاح جس طرح بحکم تتمۂ آیت فان لم تکونوا دخلتم بھن تحریم دختر کے لیے کافی نہیں یونہی شرط وضروری بھی نہیں یعنی نہ وہ علت ہے نہ جزءِ علت ، اب آیۂ کریمہ میں نہ رہا مگر الّتی دخلتم بھن یعنی اُن عورتوں کی بیٹیاں جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ، معلوم ہوا صرف اسی قدر علتِ تحریم ہے اور یہ قطعاً مزنیہ میں بھی ثابت کہ وہ ایک عورت ہے جس کے ساتھ اس نے صحبت کی ، لاجرم بحکمِ آیت اس کی بیٹی اُس پر حرام ہوگئی ، نظیر اس کی اسی بیانِ محرمات میں قولہ عزشانہ ہے وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم[2] ہے حرام کی گئیں تم پر تمہارے اُن بیٹوں کی جوروئیں جو تمہاری پشت سے ہیں کہ جس طرح الذین من اصلابکم یعنی بیٹے کا اس کی پشت سے ہونا اخراج متبنّٰی کے لیے ہے نہ اخراج بیٹوں

---

[1] و [2] القرآن ۴/۲۳

بنفسہ کے واسطے، یونہی وصف حلائل یعنی بیٹے کی جورو ہونا بھی ملحوظ نہیں، بیٹے کی کنیز مدخولہ بھی ضرور حرام ہے اور وہ لفظ حلیلہ میں داخل نہیں، اور اگر اشتقاقی معنی لیجئے یعنی جو بیٹے پر حلال ہے تو اب عموم تحریم صحیح نہ رہے گا کہ بیٹے کی کنیز مطلقاً حرام نہیں جب تک مدخولہ نہ ہو، یہی حال و امھات نسائکم[1] کا ہے کہ حرام کی گئیں تم پر تمھاری عورتوں کی مائیں، یہاں پر بھی وصفِ زوجیت قید نہیں کہ کنیز مدخولہ کی ماں بھی بدلیل مذکور بالاتفاق حرام، بعینہٖ اسی دلیل سے ولا تنکحوا ما نکح اٰباؤکم من النساء[2] (اپنے باپوں کی منکوحہ بیویوں سے نکاح نہ کرو۔ ت) میں اگر نکاح بمعنی عقد لیجئے تو عقد غیر قید اور بمعنی وطی لیجئے تو وہ ہمارا عین مذہب، بالجملہ ان سب مواضع میں مطمح نظر صرف مدخولہ ہونا ہے اگرچہ بلا نکاح وبس، اب دخلتم بھن میں مولٰی عزوجل نے دخولِ حلال وحرام کی کوئی قید ذکر نہ فرمائی اور اس کے اطلاق میں دونوں داخل، تو جو مدعیِ تخصیص ہو دلیل پیش کرے اور دلیل کہاں بلکہ دلیل اس کے خلاف پر قائم، کیا جس نے اپنی منکوحہ سے صرف حالتِ حیض یا نفاس یا صوم یا اعتکاف یا احرام میں صحبت کی اس کی بیٹی اس پر قطعاً اجماعاً حرام نہ ہوئی حالانکہ یہ دخول حرام تھا بلکہ علمائے کرام نے بہت وہ صورتیں ذکر فرمائیں جن میں دخول تو دخول، عورت ہی کو اس کے لیے حلال نہیں کہہ سکتے اور اس سے وطی بالاتفاق موجب تحریم دختر موطوءہ ہوجاتی ہے مثلاً ایک کنیز دو مولٰی میں مشترک ہے ان میں سے جو اس سے مقاربت کرے گا دخترِ کنیز اس پر حرام ہوجائے گی، یونہی اپنے پسر کی کنیز یا اپنی کنیز کافرہ غیر کتابیہ یا اپنی اس عورت سے مجامعت جس سے ظہار کیا اور کفارہ نہ دیا، یہ سب بالاتفاق ان عورتوں کی بنات کو حرام کردیتی ہیں حالانکہ یہ عورات سرے سے خود ہی حلال نہ تھیں۔

اقول ان مسائل سے مسئلہ زن مظاہرہ تو استناد بالاتفاق کا بھی محتاج نہیں کہ اس پر خود قرآن عظیم دلیل شافی، ظہار بنصِ قرآن مزیلِ نکاح نہیں تو زن مظاہر بلاشبہہ نسائکم میں داخل، اور بعد وطی دخلتم بھن بھی حاصل، تو قطعاً اس کی دختر کو حکمِ حرمت شامل، زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور قبل صحبت ظہار کرلیا بعدہٗ مشغول بجماع ہوا اور کفارہ نہ دیا، کیا اس صورت میں اسے روا ہے کہ ہندہ کی بیٹی سے بھی نکاح کرلے، حاشَ للہ یہ شریعتِ محمد رسول اللہ نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حالانکہ بعد ظہار عورت بنصِ قرآن اس پر حرام ہوگئی اور جب تک کفارہ نہ دے اسے ہاتھ لگانا جائز نہ تھا، تو ثابت ہوا کہ نہ نکاح شرط نہ وطی کا بروجہ حلال ہونا لازم بلکہ مناط حرمت صرف وطی ہے اور حاصل آیت کریمہ یہ کہ جس عورت سے تم نے کسی طرح صحبت کی اگرچہ بلا نکاح اگرچہ بروجہ حرام، اس کی بیٹی تم پر حرام ہوگئی، یہی ہمارے ائمہ کرام کا مذہب، اور یہی اکابر صحابہ کرام مثل حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم وحضرت علامہ صحابہ عبداللہ بن مسعود وحضرت عالم القرآن عبداللہ بن عباس وحضرت اقرء الصحابہ

---

[1] القرآن ۴/ ۲۳

[2] القرآن ۴/ ۲۲

ابی بن کعب وحضرت عمران بن حصین وحضرت جابر بن عبداللہ وحضرت مفتیہ چار خلافت صدیقہ بنت الصدیق محبوبہ محبوب رب العالمین صلے اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین وجماہیر ائمہ تابعین مثل حضرات امام حسن بصری و افضل التابعین سعید بن المسیب وامام اجل ابراہیم نخعی وامام عامر شعبی وامام طاؤس وامام عطا بن ابی رباح وامام مجاہد وامام سلیمٰن بن یسار وامام حماد اور اکابر مجتہدین مثل امام عبدالرحمان اوزاعی وامام احمد بن حنبل و امام اسحاق بن راہویہ اور ایک روایت میں امام مالک بن انس کا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

اقول معہذا نکاح معنی وطی میں حقیقت ہے یا مجاز متعارف، قال قائلھم (شاعر نے کہا) ؎

التارکین علی طھر نساءھم والناکحین بشطی دجلۃ البقرا

(بیویوں کو طہر کی حالت میں چھوڑنے والے دجلہ کے کنارے گائے سے وطی کرتے ہیں۔ت)

وقال آخر (ایک دوسرے شاعر نے کہا) ؎

کبکر تحب لذیذ النکاح وتھرب من صولۃ الناکح

(باکرہ کی طرح کہ وہ جماع کی لذت کو پسند کرتی ہے اور خاوند کے حملہ سے فرار کرتی ہے۔ت)

تو کریمہ لا تنکحوا مانکح اباؤکم (اپنے باپوں کی منکوحہ عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ت) میں لا اقل محتمل تو ضرور اور امر فرج میں احتیاط واجب، توجانب تحریم ہی غالب، بلکہ اصل فرج میں حرمت ہے، توجب تک حل ثابت نہ ہو حرمت ہی پر حکم ہوگا پھر مصاہرت مصاہرت میں فرق نہیں تو نفس جماع ہی اگرچہ بروجہ حرام بلانکاح ہو علت تحریم رہے گا،

ولعلك ان رجعت الی کلماتھم دریت ان تقریر الدلیل علی ھذا الوجہ احسن مما قیل اذ لا یرد علیہ ما افادہ فی الفتح بل ھو اصح عندی من الکلام الاول ایضا کما یرشدك الیہ ماذکرتہ ھھنا علی ھامشہ و باللہ التوفیق۔

ہوسکتا ہے کہ جب آپ فقہاء کرام کے کلام کی طرف رجوع کریں تو آپ سمجھ جائیں کہ دوسرے قول کے مقابلہ میں دلیل کی یہ تقریر زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس پر فتح کا بیان کردہ اعتراض نہ ہوگا، بلکہ میرے نزدیک یہ پہلے کلام سے بھی اصح ہے جیسا کہ اس کے حاشیہ پر یہاں میرا ذکر کردہ بیان تیری رہنمائی کرے گا، اللہ تعالٰی سے ہی توفیق ہے۔(ت)

مخالف کے پاس اس کی حلت پر کوئی دلیل نہیں مگر حدیث لا یحرم الحرام الحلال[1] حرام حلال کو حرام

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی باب الزنا لایحرم الحلال دار صادر بیروت ۷/ ۱۶۹

نہیں کرتا۔ مگر یہ حدیث کس طرح مخالف کی دلیل ہو سکے جبکہ سخت ضعیف و ساقط و ناقابل احتجاج ہے، بیہقی باآنکہ انتصارِ شافعیت میں اہتمام شدید رکھتے ہیں اسے حدیث ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کرکے تضعیف کردی کما فی التیسیر شرح الجامع الصغیر[۱] (جیسا کہ جامع صغیر کی شرح تیسیر میں ہے۔ ت)

اقول دلیلِ ضعف کو یہی کافی کہ ام المؤمنین خود قائلِ حرمت کما تقدم (جیسا کہ گزرا۔ ت)، اگر اس باب میں خود ارشادِ اقدس حضور پُر نور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سُنے ہوتیں تو خلاف کے کیا معنے تھے لاجرم امام احمد نے فرمایا نہ وُہ ارشادِ اقدس سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے نہ اثرِ ام المؤمنین، بلکہ عراق کے کسی قاضی کا قول ہے کما فی الفتح[۲] (جیسا کہ فتح میں ہے۔ ت)، روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما میں عثمٰن بن عبدالرحمٰن وقاصی ہے جو سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قاتل عمرو بن سعد کا پوتا ہے۔ امام بخاری نے فرمایا ترکوہ[۳] محدثین نے اسے متروک کردیا۔ امام ابوداؤد نے فرمایا لیس بشیئ[۴] کوئی چیز نہیں۔ امام علی بن مدینی نے سخت ضعیف[۵] بتایا۔ نسائی و دارقطنی نے کہا متروک[۶] ہے۔ حتی کہ امام یحیٰی بن معین نے فرمایا یکذب[۷] جھوٹ بولتا ہے۔

اقول یہی عثمٰن حدیثِ ام المؤمنین صدیقہ کا بھی راوی ہے۔ روایتِ ابن حبان کتاب الضعفاء میں یُوں ہے:

حدثنا الحسن بن سفیٰن نا اسحٰق بن بھلول نا عبداللہ بن نافع نا المغیرۃ بن اسمٰعیل بن ایوب بن سلمۃ عن عثمٰن بن عبدالرحمٰن عن

ہمیں حدیث بیان کی حسن بن سفیان نے، انھوں نے اسحاق بن بہلول سے، انھوں نے عبداللہ بن نافع سے، انھوں نے مغیرہ بن اسمٰعیل بن ایوب بن سلمہ سے، انھوں نے عثمان بن عبدالرحمان سے، انھوں نے

---

[۱] التیسیر شرح الجامع الصغیر حرف لا مکتبہ امام شافعی ریاض سعودیہ ۲/ ۵۰۳
[۲] فتح القدیر فصل فی بیان المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۲۸
[۳] کتاب الضعفاء الصغیر مع التاریخ الصغیر باب العین مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۲۷۰
میزان الاعتدال حرف العین ترجمہ ۵۵۳۱ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۳
[۴] فتح القدیر فصل فی بیان المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۲۸
[۵] میزان الاعتدال حرف العین ترجمہ ۵۵۳۱ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۳
[۶] و [۷] " " " " "

ابن شہاب الزھری عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا قالت سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن الرجل یتبع المرأۃ حراما اینکح ابنتھا اویتبع الابنۃ حراما اینکح امھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایحرم الحرام الحلال انما یحرم ماکان بنکاح حلال۔

امام ابن شہاب زھری سے، انھوں نے عروہ سے، انھوں نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے، انھوں نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے سوال کیا گیا کہ کوئی شخص کسی عورت سے حرامکاری کرے تو کیا وہ اس عورت کی بیٹی یا ماں سے نکاح کرسکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا حرام، حلال کو حرام نہیں بناتا، حلال نکاح ہی حرام بناتا ہے۔ (ت)

ابن حبان نے اسے روایت کرکے کہا:

عثمان بن عبدالرحمان ھو الوقاصی یروی عن الثقات الاشیاء الموضوعات لا یجوز الاحتجاج بہ[1]۔

عثمان بن عبدالرحمان وہی وقاصی ہے ثقات سے موضوع خبریں روایت کردیتا ہے اس سے سند لانا حلال نہیں۔

ہاں سنن ابن ماجہ میں روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما یوں آئی:

حدثنا یحیٰی بن معلی بن منصور ثنا اسحٰق بن محمد الفروی ثنا عبداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لایحرم الحرام الحلال[2]۔

ہمیں حدیث بیان کی یحیٰی بن معلی بن منصور نے انھوں نے اسحٰق بن محمد فروی سے انھوں نے عبداللہ بن عمر انھوں نے نافع انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا، حرام، حلال کو حرام نہیں بناتا (ت)

اوّلاً اس میں اسحٰق بن ابی فروہ متکلم فیہ ہیں۔ امام عبدالحق نے احکام میں حدیث کو ذکر کرکے فرمایا: فی اسنادہ اسحٰق بن ابی فروۃ وھو متروک[3] اس کی سند میں اسحاق بن ابی فروہ ہے اور وہ متروک ہے، نقلہ عنہ المحقق فی الفتح (اسے فتح میں شیخ محقق نے اس سے نقل کیا ہے۔ ت) امام ابوالفرج نے

---

[1] العلل المتناہیہ بحوالہ ابن حبان حدیث ۱۰۲۱ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۲/ ۱۳۶
[2] سنن ابن ماجہ باب لایحرم الحرام الحلال ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۶
[3] فتح القدیر فصل فی بیان المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۲۸

علل متناہیہ میں فرمایا:

قد رواہ اسحٰق بن محمد الفروی عن عبد اللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا یحرم الحرام الحلال قال یحیٰی الفروی کذاب وقال البخاری ترکوہ[1]۔ انتہی

یعنی یہ حدیث اسحٰق بن محمد فروی نے بسندِ خود حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: حرام حلال کو حرام نہیں کرتا۔ امام یحیٰی بن معین نے فرمایا: فروی کذّاب ہے۔ امام بخاری نے فرمایا محدثین کے نزدیک متروک ہے۔ انتہی

وانا **اقول** وباللہ التوفیق سبحٰن من لاینسی (اور میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی سے ہی توفیق ہے پاک ہے وُہ ذات جو بھولتی نہیں۔ ت) حافظین جلیلین عبد الحق و ابی الفرج کو التباس واقع ہُوا اسحٰق بن ابی فروہ خواہ اسحٰق فروی، دو ہیں، ایک اسحٰق بن عبد اللہ بن ابی فروہ تابعی معاصر و تلمیذ امام زہری رجال ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ سے، یہی متروک ہے، اسی کو امام بخاری نے ترکوہ فرمایا کما فی تہذیب التہذیب و میزان الاعتدال وغیرھما (جیسا کہ تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال وغیرہما میں ہے۔ ت) تہذیب التہذیب میں ہے: قال ابوزرعۃ وجماعۃ متروک[2] (ابوزرعہ اور ایک جماعتِ ائمہ نے فرمایا: متروک ہے۔ ت) میزان میں ہے:

لواراحدا امشاہ وقال ابن معین وغیرہ لایکتب حدیثہ[3]۔

میں نے کسی کو نہ دیکھا کہ اسے رواں کیا یعنی اُس کی روایت کو کچھ بھی معتبر سمجھا ہو۔ امام ابن معین وغیرہ نے فرمایا اس کی حدیث لکھی تک نہ جائے۔

دونوں کتابوں میں ہے:

نھی احمد بن حنبل عن حدیثہ وقال ابراھیم الجوزجانی سمعت احمد بن حنبل یقول لاتحل الروایۃ عندی عن اسحٰق

امام احمد بن حنبل نے اس کی حدیث نقل کرنے سے منع فرمایا، ابراہیم جوزجانی نے کہا میں نے امام احمد بن حنبل کو فرماتے سُنا کہ میرے نزدیک اسحٰق بن ابی فروہ

---

[1] العلل المتناہیہ حدیث ۱۰۳۱ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۲/ ۱۳۶

[2] تہذیب التہذیب حرف الالف ترجمہ ۴۴۹ مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱/ ۲۴۱

[3] میزان الاعتدال " " ۷۶۸ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۹۳

بن ابی فروہ[1] سے روایت حلال نہیں۔

امام ترمذی نے ابواب الفرائض باب ماجاء فی ابطال میراث القاتل میں حدیث:

القاتل لایرث[2] بطریق اسحٰق بن عبداللہ عن الزھری عن حمید بن عبدالرحمٰن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کرکے فرمایا ھذا حدیث لایصح و اسحٰق بن عبداللہ بن ابی فروۃ قد ترکہ بعض اھل العلم منھم احمد بن حنبل[3]۔

قاتل وارث نہیں ہوگا، اس حدیث کو اسحٰق بن عبداللہ، انھوں نے زہری انھوں نے حمید بن عبدالرحمٰن انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرکے فرمایا یہ حدیث صحیح نہیں کہ اسحٰق بن عبداللہ بن ابوفروہ کو بہت سے اہلِ علم نے متروک قرار دیا ان میں سے امام احمد بن حنبل ہیں (ت)

ابوالفرج نے موضوعات میں حدیث:

الصبحۃ تمنع الرزق[4] بطریق اسمٰعیل بن ابی عیاش عن ابن ابی فروۃ عن محمد بن یوسف عن عمرو بن عثمٰن بن عفان عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کرکے کہا ھذا حدیث لایصح و ابن ابی فروۃ متروک[5] (ملخصًا)

الصبحۃ تمنع الرزق (صبح کو سونا رزق کی (برکت کے لیے مانع ہے) والی حدیث کو اسمٰعیل بن عیاش انھوں نے ابن ابی فروہ انھوں نے محمد بن یوسف انھوں نے عمرو بن عثمان بن عفان انھوں نے اپنے والد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرکے کہا یہ صحیح نہیں کیونکہ ابن ابی فروہ متروک ہے ملخصًا (ت)

امام خاتم الحفاظ نے لآلی میں اس پر تقریر فرمائی اور تعقبات میں بھی اس جرح پر جرح کی، غرض یہ بالاتفاق متروک ہے مگر قدیم ہے ۱۳۶ھ میں انتقال کیا قالہ ابن ابی فدیک[6] (یہ ابن ابی فدیک نے کہا ہے۔ ت) یا ۱۴۴ھ میں کما قالہ ابن سعد وغیر واحد وھذا ھو الصحیح[7] کما فی تھذیب

---

[1] میزان الاعتدال حرف الالف ترجمہ ۷۶۸ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۹۳
تہذیب التہذیب ترجمہ ۴۴۹ حیدرآباد، دکن ۱/۲۴۱
[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی ابطال میراث القاتل امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۳۲
[3] " " ابواب الفرائض " " " " " " "
[4] موضوعات ابن جوزی کتاب النوم نوم الصبحۃ دارالفکر بیروت ۳/۶۸
[5] " " " " " ۳/۶۸
[6] تہذیب التہذیب حرف الالف ترجمہ ۴۴۹ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۱/۲۴۲
[7] " " " " " " "

التہذیب (جیساکہ اس کو ابن سعد اور بہت سے حضرات نے بیان کیا ہے یہی صحیح ہے جیساکہ تہذیب التہذیب میں ہے۔ ت) یحییٰ بن معلی نے کہ طبقہ حادیہ عشرہ سے ہیں اسے کہاں پایا۔

دوم اس کے بھائی کے پوتے اسحٰق بن محمد بن اسمٰعیل بن عبداللہ بن ابی فروہ یہ تبع تابعین سے بھی نہیں، ان کے تلامذہ سے ہیں، رجال بخاری و ترمذی و ابن ماجہ سے، امام بخاری کے استاذ ہیں، ۲۲۶ھ میں انتقال کیا، یہ ہرگز متروک نہیں۔ امام بخاری نے خود جامع صحیح میں ان سے روایت کی تو وہ ان کی نسبت ترکوہ کیونکر فرماتے، ابن حبان نے انھیں ثقات میں ذکر کیا، اور ابوحاتم وغیرہ نے صدوق کہا، البتہ کلام سے خالی یہ بھی نہیں۔ امام نسائی نے کہا ثقہ نہیں۔ امام دارقطنی نے کہا ضعیف ہیں۔ ائمہ محدثین امام بخاری پر ان سے روایت کرنے میں معترض ہیں۔ امام ابوحاتم نے کہا مضطرب الحدیث ہیں آنکھیں جانے کے بعد یارہا ہوتا کہ جیسا کوئی سکھا دیتا ویسے ہی روایت کرنے لگتے۔ عقیلی نے کہا امام مالک سے بکثرت وہ حدیثیں روایت کیں جن پر اُن کا کوئی متابع نہیں۔ امام ابوداؤد نے سخت ضعیف کہا۔ امام الشان نے فرمایا آنکھیں جاکر حفظ خراب ہوگیا تھا۔ امام حافظ عبدالعظیم منذری کی ترغیب میں ہے:

اسحٰق بن محمد بن اسمٰعیل بن ابی فروۃ الفروی صدوق روی عنہ البخاری فی صحیحہ وقال ابوحاتم وغیرہ صدوق، وذکرہ ابن حبان فی الثقات ووھاہ ابوداؤد وقال النسائی لیس بثقۃ۔[1]

اسحٰق بن محمد بن اسمٰعیل بن ابی فروۃ الفروی صدوق ہے۔ اس سے بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور ابوحاتم وغیرہ نے کہا یہ صدوق ہے، اس کو ابن حبان نے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے، اور ابوداؤد نے اس کو کمزور بتایا ہے، اور نسائی نے کہا یہ ثقہ نہیں ہے۔ (ت)

میزان الاعتدال میں ہے:

ھو صدوق فی الجملۃ، صاحب حدیث، قال ابوحاتم صدوق ذھب بصرہ فربما لقن وکتبہ صحیحۃ، وقال مرۃ مضطرب، وقال العقیلی جاء عن مالک باحادیث کثیرۃ لایتابع علیھا، وذکرہ ابن حبان فی

وہ مجموعی طور پر صدوق ہے اور صاحب حدیث ہے۔ ابوحاتم نے کہا کہ یہ صدوق ہے اور اس کی نظر ضائع ہوگئی تھی اور بعض اوقات دوسرے کی بات مان لیتا تھا اور اس کی کتب حدیث صحیح ہیں، اور انھوں نے کبھی اس کو مضطرب قرار دیا ہے۔ اور عقیلی نے کہا کہ اس نے امام مالک سے کثیر روایات ذکر کیں لیکن ان کی

[1] الترغیب والترہیب باب ذکر الرواۃ المختلف فیہم الخ مصطفی البابی مصر ۴/۵۶۷

الثقات وقال النسائی لیس بثقة، وقال الدارقطنی لایترك، وقال ایضا ضعیف قد روی عنه البخاری ویوبخونه علی هذا، وکذا ذکره ابوداؤد ووهاه جداً[1]

تائید نہ ہوئی، اور اس کو ابن حبان نے ثقہ لوگوں میں شمار کیا ہے۔ اور نسائی نے کہا کہ ثقہ نہیں ہے، اور دارقطنی نے کہا کہ یہ متروک نہیں، اور ضعیف بھی کہا ہے۔ اور بخاری نے اس سے روایت کیا ہے اس وجہ سے امام بخاری پر طعن بھی ہوا ہے، ابوداؤد نے یوں ہی کہا اور اس کو بہت کمزور قرار دیا۔ (ت)

تقریب میں ہے: صدوق، کف فساء حفظه[2] (صدوق ہے، اس کا حفظ کمزور ہوگیا تھا۔ ت)

تہذیب التہذیب میں ہے: قال البخاری مات سنة ۲۳۶[3] (امام بخاری رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا وہ ۲۳۶ھ میں فوت ہوا۔ ت) بظاہر کہ اس حدیث کے راوی یہی اسحٰق بن محمد فروی متکلم فیہ ہیں نہ کہ وہ اسحٰق بن عبداللہ فروی متروک۔ بہرحال ایک موضع کلام تو اس کی سند میں یہ ہے۔

ثانیاً اقول دوسرا محل کلام اسحٰق مذکور کے شیخ عبداللہ میں ہے ائمہ محدثین کا ان میں کلام معروف ہے، امام ترمذی نے باب فیمن یستیقظ بللا ولایذکر احتلاما (باب جو نیند سے بیدار ہو کر کپڑے پر رطوبت پائے مگر احتلام یاد نہ ہو۔ ت) میں ایک حدیث ان سے روایت کرکے فرمایا:

عبداللہ ضعفه یحیٰی بن سعید من قبل حفظه فی الحدیث[4]

عبداللہ کو امام یحیٰی بن سعید قطان نے نقصانِ حافظہ کی رُو سے حدیث میں ضعیف بتایا۔

اُسی کے ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل (ابواب الصلوٰۃ، باب اول وقت کی فضیلت کے بیان میں۔ ت) میں ہے:

عبداللہ بن عمر العمری لیس ھو بالقوی عند اھل الحدیث[5]

عبداللہ بن عمر العمری محدثین کے نزدیک چنداں قوی نہیں۔

امام نسائی نے کہا قوی نہیں۔ امام علی بن مدینی نے کہا ضعیف ہیں۔ ابن حبان نے کہا:

کان ممن غلب علیه الصلاح والعبادة حتی

صلاح وعبادت نے ان پر یہاں تک غلبہ کیا کہ حفظ

---

[1] میزان الاعتدال حرف الالف ترجمہ ۷۸۵ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۹۹

[2] تقریب التہذیب " ترجمہ ۳۸۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۸۴

[3] تہذیب التہذیب " " ۴۶۶ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد بھارت ۱/ ۲۴۸

[4] جامع الترمذی ابواب الطہارۃ باب فیمن یستیقظ ویری بللا الخ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۶

[5] " " باب ماجاء فی الوقت الاول الخ " " ۱/ ۲۴

غفل عن حفظ الاخبار وجودۃ الحفظ للاٰثار ‏ احادیث سے غافل ہوئے حدیثیں خوب یاد نہ رہیں
فلما فحش خطؤہ استحق الترک[1] ۔ جب خطا بکثرت واقع ہوئی ۔ ترک کے مستحق ہوگئے ۔

امام احمد و یحیٰی سے ان کی توثیق کے اقوال بھی ہیں مگر قولِ فیصل یہ قرار پایا کہ حافظ الشان نے تقریب میں فرمایا،
ضعیف عابد[2] (کمزور عابد ہے ۔ ت)

ثالثاً اقول اس حدیث سے جواب کو وہی آیہ کریمہ و مسئلہ زن مظاہرہ کافی ظہار میں جماع حرام تھا پھر اس نے مظاہرہ کی دختر حلال کو کیونکر حرام کردیا ۔

رابعاً یہ حدیث جس طرح ابن ماجہ نے روایت کی کہ اگر کچھ قابلِ ذکر ہے تو یہی ، اگر اس کے ضعفِ سند سے قطع نظر بھی کی جائے تو اس میں کوئی قصد سوال اُس حدیث متروک و ساقط کی طرح نہیں صرف اتنا بیان ہے کہ حرام حلال کو حرام نہیں کرتا ، یہ اپنے ظاہر پر تو یقیناً صحیح نہیں ، کیا اگر قلیل پانی یا گلاب میں شراب یا پیشاب ڈال دیں تو اسے حرام نہ کردیں گے !

اقول کیا کوئی اگر زنا سے جنب ہو تو اسے نماز و قرأتِ قرآن و دخولِ مسجد و طوافِ کعبہ کہ حلال تھے حرام نہ ہوجائیں گے ! کیا اگر کوئی ظالم کسی مظلوم کی بکری کا گلا گھونٹ کر مار ڈالے تو اس کا یہ فعل کہ اگر اپنے مال کے ساتھ ہوتا جب بھی بوجہ اضاعتِ مال حرام تھا اور مال غیر کے ساتھ ظلماً حرام در حرام اس حلال جانور کو حرام نہ کردے گا ! کیا اگر کوئی شخص اپنی عورت کو ایک ہفتہ میں تین طلاقیں دے خصوصاً ایام حیض میں تو اس فعل حرام در حرام سے وہ زنِ حلال اس پر حرام نہ ہوجائے گی ! صدہا صورتیں ہیں جن میں حرام حلال کو حرام کردیتا ہے ، تو یہ اطلاق کیونکر مراد ہوسکتا ہے ، لاجرم تاویل سے چارہ نہیں کہ حرام من حیث ہو حرام حلال کو حرام نہیں کرتا ۔

اقول یعنی بول و شراب نے جو آب و گلاب کو حرام کیا نہ بوجہ اپنی حرمت کے بلکہ اس جہت سے کہ یہ نجس تھے اس سے مل کر اسے بھی نجس کردیا ، اب اس کی نجاست باعثِ حرمت ہوئی ، اور اگر کوئی شے طاہر حرام کسی حلال میں ایسی مل جائے کہ تمیز ناممکن ہو تو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ وہ حلال خود حرام ہوگیا بلکہ حلال اپنی حلت پر باقی ہے اور مخلوط کا تناول اس لیے ناجائز کہ بوجہ اختلاط اس کا تناول تناول حرام سے خالی نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اگر جدا ہوسکے اور جدا کرلیں تو حلال بدستور اپنی حلت پر ہو کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ۔ ت) یونہی زنا نے نماز وغیرہ کو اس حیثیت سے حرام نہ کیا کہ وہ زنا ہے کہ خصوصیتِ زنا کو اس میں کیا دخل ، بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ

---

[1] میزان الاعتدال ‏ حرف العین ‏ ترجمہ ۳۴۴۷ ‏ دار المعرفۃ بیروت ‏ ۲/۳۶۵
[2] تقریب التہذیب ‏ " ‏ " ۳۵۰۰ ‏ دار الکتب العلمیہ بیروت ‏ ۱/۵۱۶

فرج مشتہی میں ایلاج مشتہی ہے وقس علی ذلك البواقی (باقی کو اسی پر قیاس کرو۔ ت) اب ہم اسے تسلیم کرتے ہیں اور حدیث ہم پر وارد نہیں، یہاں بھی عورت سے زنا کرنے نے دخترِ زن کو اس بنا پر حرام نہ کیا کہ وہ زنا ہے کہ خصوصیتِ زنا کو اس میں بھی دخل نہیں بلکہ اُسی حیثیت سے حرام کیا کہ وہ وطی وادخال ہے تو دخلتم بھن صادق آیا اور دخترِ موطوءہ کی حرمت لایا تو اس حدیث ضعیف میں بھی مخالف کے لیے اصلاً حجت نہیں وللہ الحمد، محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں یہاں بعض احادیث اپنے مذہب کی مؤیدات ذکر فرمائیں از انجملہ:

قال رجل یارسول اللہ انی زنیت بامرأۃ فی فی الجاھلیۃ افانکح ابنتہا قال لاأری ذلك ولایصلح ان تنکح امرأۃ تطلع من ابنتہا علی ما تطلع علیہ منہا[1]۔

ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک عورت سے زنا کیا تھا اس کی بیٹی سے نکاح کرلوں۔ فرمایا: میری رائے نہیں اور نہ ایسا نکاح جائز ہے کہ تُو بیٹی کی اس چیز پر مطلع ہو جس چیز پر اس کی ماں کی مطلع تھا۔

اقول نیز اس کے مؤید ہے وُہ حدیث کہ غایہ سمعانیہ میں حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من نظر الی فرج امرأۃ بشھوۃ حرمت علیہ امھا و بنتہا[2]۔

جو کسی عورت کی فرج کو شہوت سے دیکھے اس پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہوجائیں۔

دوسری حدیث میں ہے:

ملعون من نظر الی فرج امرأۃ و بنتہا[3]۔

ملعون ہے جو کسی عورت اور اس کی بیٹی دونوں کی فرج دیکھے۔

عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

من نظر الی فرج امرأۃ وبنتہا لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ[4]۔

جو کسی عورت اور اس کی دختر دونوں کی فرج دیکھے اللہ تعالٰی روزِ قیامت اُس پر نظرِ رحمت نہ کرے۔

---

[1] فتح القدیر — فصل فی بیان المحرمات — نوریہ رضویہ سکھر — ۳/ ۱۲۹

[2] البنایہ شرح الہدایہ — فصل فی نکاح المحرمات — مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ — ۲/ ۴۱

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

[4] کنز العمال بحوالہ مصنف عبدالرزاق — حدیث ۴۵۷۰۵ — موسسۃ الرسالہ بیروت — ۱۶/ ۵۱۷

نیز مصنف میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

فی الذی یزنی بام امرأتہ قال حرمتا علیہ[1] واللہ تعالٰی اعلم

یعنی اپنی ساس سے زنا کرنے والے کی نسبت فرمایا کہ اس پر ساس اور عورت دونوں حرام ہوگئیں۔

اس حُرمت کے پیدا ہونے سے مرد و زن کو جُدا ہوجانا اور اس نکاح فاسد شدہ کا فسخ کردینا فرض ہوجاتا ہے مگر خود بخود نکاح زائل نہیں ہوجاتا، یہاں تک کہ شوہر جب تک متارکہ نہ کرے اور بعد متارکہ عدت نہ گزرے عورت کو روا نہیں کہ دوسرے سے نکاح کرے، اور قبل متارکہ شوہر کا اس سے وطی کرنا حرام ہوتا ہے مگر زنا نہیں کہ نکاح باقی ہے، ولہذا اُس وطی سے جو اولاد پیدا ہو صحیح النسب ہے ایسے نکاح کے ازالہ کو جو الفاظ کہے جائیں طلاق نہیں بلکہ متارکہ کہلاتے ہیں اگرچہ بلفظ طلاق ہوں یہاں تک کہ ان سے عدد طلاق کم نہیں ہوتا۔ درمختار میں ہے:

بحرمۃ المصاھرۃ لایرتفع النکاح حتی لایحل لھا التزوج بآخر الابعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ والوطئ بھا لایکون زنا[2]۔

حرمتِ مصاہرۃ سے نکاح ختم نہیں ہوتا لہذا دوسرے شخص سے نکاح نہیں کرسکتی جب تک خاوند متارکہ نہ کرے اور عدت نہ گزرجائے۔ اس دوران اگر خاوند نے وطی کی تو وہ زنا نہیں ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الذخیرۃ ذکر محمد فی نکاح الاصل ان النکاح لایرتفع بحرمۃ المصاھرۃ والرضاع بل یفسد حتی لو وطئھا الزوج قبل التفریق لایجب علیہ الحد اشتبہ علیہ اولم یشتبہ[3]۔

ذخیرہ میں ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل یعنی مبسوط کی بحث نکاح میں ذکر فرمایا کہ حرمتِ مصاہرت اور حرمتِ رضاعت کی بنا پر نکاح ختم نہیں ہوتا بلکہ فاسد ہوتا ہے لہذا اگر خاوند نے تفریق سے قبل وطی کرلی تو اس پر زنا کی حد نہیں ہوگی، اس کو کوئی اشتباہ ہو یا نہ ہو۔ (ت)

اسی میں ہے:

قال فی الحاوی والوطئ فیھا لایکون زنا

حاوی میں ہے کہ اس مدت میں وطی کو زنا نہ کہا جائیگا

---

[1] کنزالعمال بحوالہ مصنف عبدالرزاق حدیث ۴۵۶۹۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۵۱۶

[2] درمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۸

[3] ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۳

لانہ مختلف فیہ وعلیہ مہر المثل بوطئہا بعد الحرمۃ ولاحد علیہ ویثبت النسب[1]

کیونکہ یہ بات مختلف فیہ ہے جبکہ بیوی کے حرام ہونے کے بعد وطی کرنے سے مہر مثل لازم ہوگا اور بچہ ہو تو اس کا نسب ثابت ہوگا اور اس پر حد زنا نہ ہوگی (ت)

اسی میں ہے :

فی البزازیۃ المتارکۃ فی الفاسد بعد الدخول لاتکون الا بالقول کخلیت سبیلک او ترکتک ومجرد انکار النکاح لایکون متارکۃ اما لو انکر وقال ایضا اذھبی وتزوجی کان متارکۃ والطلاق فیہ متارکۃ لکن لاینقص بہ عدد الطلاق[2]

بزازیہ میں ہے کہ فاسد نکاح میں دخول کے بعد متارکہ صرف زبانی ہوسکتا ہے، مثلاً یہ کہے میں نے تجھے نکاح سے آزاد کیا یا یوں کہے میں نے تجھے چھوڑ دیا، اور صرف سابقہ نکاح سے انکار کو متارکہ نہ کہا جائے گا، ہاں اگر انکار کے ساتھ یہ بھی کہے کہ جا نکاح کر، تو متارکہ ہوجائے گا، اور اس موقعہ پر طلاق دینے سے متارکہ ہوجائے گا لیکن اس سے عدد طلاق کم نہ ہوگا۔ (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہُوا کہ اس حالت میں اگر شوہر نے نہ چھوڑا اور ناجائز طور ہندہ سے وطی کرتا رہا اور اولاد ہوئی تو وہ اولاد اپنے ماں باپ دونوں کی وارث ہے، ماں کی وراثت تو ظاہر کہ اولاد زنا بھی اپنی ماں کی میراث پاتی ہے کما نصوا علیہ والمسألۃ فی الدر وغیرہ (جیسا کہ فقہاء کرام نے اس پر نص کی ہے اور یہ مسئلہ دُر وغیرہ میں ہے۔ ت) اور باپ کی وراثت یوں کہ ابھی منقول ہوچکا کہ ایسی حالت کی اولاد ولدالزنا نہیں صحیح النسب ہے، ہاں زن وشو ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۹۶: از ریاست رامپور مرسلہ جناب نوشہ میاں صاحب ۲۰ محرم ۱۳۱۶ھ

جناب کا یہ فتوٰی جس کی نقل حاضر کی جاتی ہے علمائے رامپور کے حضور بغرض مہر پیش ہُوا جناب مفتی محمد لطف اللہ صاحب نے فرمایا یہ نقل ہے اور اس میں جو لکھا ہے کہ جو عورت ایسے عقیدہ کی ہو وہ مرتدہ ہے اس کا نکاح نہ کسی مسلمان سے ہوسکتا ہے نہ کافر سے نہ مرتد سے نہ اس کے ہم مذہب سے۔ مجھے اس میں تامل ہے اُس کے ہم مذہب سے نہ ہونے کی سند کیا ہے، مولوی صاحب (یعنی جناب) اس کی

---

[1] ردالمحتار باب المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۳

[2] ؎ ؎ ؎ ؎ ۲/ ۵۲-۲۵۱

سند لکھ کر مُہر فرمادیں تو مجھے مُہر کرنے میں عذر نہیں لہذا نقل فتوٰی مرسل خدمت ہے ۔ یہ فتوٰی جناب کا تحریر فرمایا ہوا ہے یا نہیں ؟ اگر ہے تو اس حکم کی سند کیا ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب

فی الواقع یہ فتوٰی فقیر ہی کا لکھا ہُوا ہے اور در بارۂ مرتد و مرتدہ حکم شرعی یہی ہے کہ اُن کا نکاح نہ کسی مسلم و مسلمہ سے ہوسکتا ہے نہ کافر و کافرہ سے ، نہ مرتد و مرتدہ اُن کے ہم مذہب خواہ مخالف مذہب سے ، غرض تمام جہان میں کہیں نہیں ہوسکتا ۔ مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے :

لایجوز المرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ وکذٰلک لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد[1]

مرتد شخص کو مرتدہ ، مسلمان یا اصلی کافرہ عورت سے نکاح جائز نہیں ، یُوں ہی مرتدہ عورت کسی مسلمان مرد کے لیے حلال نہیں ۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے :

لایجوز نکاح المرتدۃ لاحد والمجوسیۃ لاتحل للمسلم وتحل لکل کافر الا للمرتد[2]

مرتدہ کا نکاح کسی کے ساتھ جائز نہیں ، مجوسیہ مسلمان کو حلال نہیں وہ ہر اصلی کافر کے لیے حلال ہے اور مرتد کے لیے حلال نہیں ۔ (ت)

اسی میں ہے :

البیض اذا تزوج مبیضۃ بشہود و ولی ان کانا یظہران الکفر او احدھما کانا بمنزلۃ المرتدین لم یصح نکاحہما[3] اھ مختصرا ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔

منافق نے اگر منافقہ عورت سے اس کے ولی اور گواہوں کی موجودگی میں نکاح کیا اور اپنے کفر کو ان دونوں نے یا ان میں سے ایک نے ظاہر کردیا تو ان کا حکم بھی مرتدوں والا ہوگا اور ان کا نکاح صحیح نہ ہوگا اھ مختصراً ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۷ : از گلگت چھاؤنی جو سنال مرسلہ سید محمد یوسف علی صاحب ۷ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیعہ وغیرہ بدمذہبوں کے ساتھ شادی کرنا کیسا ہے ؟ بینوا توجروا ۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح القسم السابع المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۲

[2] فتاوٰی قاضی خاں " باب فی المحرمات نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۶۷

[3] ایضاً

الجواب

جو ان میں کوئی عقیدۂ کفر رکھتا ہے جیسے آج کل کے عام رافضی، اس کے ساتھ تو کسی کا نکاح ہو ہی نہیں سکتا یہاں تک کہ خود اس کے ہم مذہب کا بھی، اور جو بدمذہب عقاید کفر سے بچا ہو اس کے ساتھ نکاح اگرچہ بایں معنی درست کہ کرلیں تو درست ہو جائے گا زنا نہ ہوگا مگر بدمذہبوں کے ساتھ ایسا بڑا علاقہ پیدا کرنے سے دُور بھاگنا لازم، زوجیت وہ عظیم رشتہ ہے کہ خواہی نخواہی باہم اُنس ومحبت واُلفت پیدا کرتا ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

ومن اٰیٰتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ان فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون[1]۔

اللہ کی نشانیوں سے ہے کہ اس نے بنائیں تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے جوروئیں کہ تم ان کی طرف رغبت کرو اُن سے مل کر چین پاؤ اور تمھارے آپس میں دوستی اور مہر رکھی، بیشک اس میں ٹھیک نشانیاں میں سوچنے والوں کیلئے۔

اور بدمذہب سے دوستی پیدا ہونی اس کی محبت دل میں آنی دین کو سخت نقصان دیتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المرء مع من احب[2] آدمی کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الرجل علٰی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل[3]۔ رواہ ابوداؤد والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ باسناد حسن۔

آدمی اپنے خالص دوست کے دین پر ہوتا ہے تو غور کرے کہ کس سے دوستی کرتا ہے۔ (اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ت)

انہی آیات واحادیث سے یہ بھی واضح ہُوا کہ بدمذہب عورت کو نکاح میں لاتے وقت یہ خیال کرلینا کہ ہم اس پر غالب ہیں اُس کی بدمذہبی ہمیں کیا نقصان دے گی بلکہ اسے سُنّی کریں گے محض حماقت ہے یہ رشتہ تو دوستی میل رغبت میل محبت مہر پیدا کرتا ہے اور محبت میں آدمی اندھا بہرا ہو جاتا ہے، حدیث میں فرمایا:

حبك الشیئ یعمی ویصم[4]، رواہ احمد والبخاری

شَے کی محبت تجھے اندھا اور بہرا کردیتی ہے۔ اس کو احمد،

---

[1] القرآن ۳۰/ ۲۱

[2] صحیح مسلم — باب المرء مع من — قدیمی کتب خانہ کراچی — ۲/ ۳۳۲

[3] سنن ابوداؤد — باب من یؤمران یجالس الخ — آفتاب عالم پریس، لاہور — ۲/ ۳۰۸

[4] مسند احمد بن حنبل — مرویات ابوالدرداء — دارالفکر بیروت — ۶/ ۴۵۰

فی التاریخ و ابوداؤد عن ابی الدرداء وابن عساکر بسند حسن عن عبد اللہ بن انیس والخرائطی فی الاعتلال عن ابی برزۃ الاسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابوداؤد نے ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور ابن عساکر نے اس کو عبد اللہ بن انیس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور خرائطی نے اعتلال میں ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے (ت)

دل پلٹتے، خیال بدلتے کچھ دیر نہیں لگتی، اللہ عزوجل اپنے حفظ و امان ہی میں رکھے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان القلوب بین اصبعین من اصابع اللہ یقلبھا کیف یشاء[1]۔ رواہ احمد والترمذی والحاکم عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ ورجالہ رجال مسلم۔

دل اللہ تعالٰی کے خاص تصرف میں ہیں جس طرح چاہتا ہے ان کو پھیرتا ہے۔ اس کو حاکم نے، احمد اور ترمذی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور اس سند کے راوی رجال امام مسلم ہیں۔ (ت)

اور اپنی بیٹی دینا تو سخت قہر، قاتل زہر ہے کہ عورتیں مغلوب و محکوم ہوتی ہیں، قال اللہ تعالٰی: الرجال قوامون علی النساء[2] (مرد، عورتوں کے منتظم ہیں۔ ت) پھر انھیں شوہر کی محبت بھی ماں سے باپ سے تمام دنیا سے زیادہ ہوتی ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان للزوج من المرأۃ لشعبۃ ما ھی لشیئ[3]۔ رواہ ابن ماجۃ والحاکم عن محمد بن عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

خاوند کے لیے بیوی کو خاص محبت ہوتی ہے جو کسی دوسرے سے نہیں، اس کو ابن ماجہ اور حاکم نے محمد بن عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے (ت)

پھر وہ نرم دل بھی زائد ہیں، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رویدک یا انجشۃ بالقواریر[4]۔

اے انجشہ (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نرم و نازک عورتوں کے پاس کر۔ (ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل — مروی از عبد اللہ ابن عمر — دار الفکر بیروت ۲/ ۱۶۸

[2] القرآن ۴/ ۳۴

[3] مستدرک للحاکم — کتاب معرفۃ الصحابہ — دار الفکر بیروت ۴/ ۶۲

[4] صحیح البخاری — باب المعاریض مندوحۃ عن الکذب — قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۱۷

ناقصات العقل والدین بھی ہیں قاله رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کما فی الصحیح (یہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا ارشاد ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے۔ ت)

پھر یہ سب اس صورت میں ہے جہاں شوہر کا کفو عورت نہ ہونا مانع صحت نہ ہو ورنہ نکاح محض باطل ہوگا کما فصلناه فی فتاوٰنا (جیسے ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں مفصل بیان کیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۸: از پٹنہ محلہ لودی کٹرہ مرسلہ سید شاہ محمد کمال صاحب ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۱۶ھ

حضرت مولانا صاحب قبلہ! اگر کسی مرد نے اپنی رضاعی ساس اور رضاعی سالی کے ساتھ ایک دفعہ یا دو دفعہ زنا کیا ہو سہواً یا عمداً تو اس حالت میں بی بی کا نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟ اور اگر نکاح نہیں رہا تو پھر اس بی بی سے کسی طرح نکاح یا وہی بی بی اپنے شوہر پر پھر حلال ہو سکتی ہے یا نہیں؟ مگر قبل اس فعل کے اُس مرد کو اس مسئلے سے واقفیت نہ تھی۔ بینوا توجروا

الجواب

سالی اگرچہ خاص نسبی حقیقی ہو اُس سے معاذ اللہ زنا اگرچہ بار بار ہو عورت کو اصلاً حرام نہیں کرتا،

فی الدر المختار فی الخلاصة وطئ اخت امرأته لاتحرم علیه امرأته[1]

درمختار میں ہے کہ خلاصہ میں ہے کہ سالی سے وطی بیوی کو حرام نہیں کرتی۔ (ت)

ہاں اگر سالی سے شبہہ اور دھوکے میں وطی ہوجائے تو جب تک سالی اس وطی بالشبہہ کی عدت سے نہ نکلے مرد اپنی منکوحہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتا کیلا یلزم الجمع بین المحارم عدة (تاکہ عدت میں دو محرم عورتیں ایک کے لیے جمع نہ ہوں۔ ت) یہ حرمت اُتنے ہی دنوں کے لیے ہوگی بعد اختتام عدت عورت بدستور حلال ہوجائیگی

فی رد المحتار قوله لاتحرم ای لاتثبت حرمة المصاهرة فالمعنی لاتحرم حرمة مؤبدة والا فتحرم الی انقضاء عدة الموطوءة لوبشبهة قال فی البحر لو وطئ اخت امرأة بشبهة تحرم علیه امرأته مالم تنقض عدة ذات الشبهة[2]

ردالمحتار میں ہے اس کے قول "حرام نہیں" کا مطلب مصاہرت کی حرمت ابدی نہیں ہے ورنہ سالی کے ساتھ شبہ میں وطی سے اس کی بیوی عدت پوری ہونے تک حرام رہتی ہے۔ بحر میں کہا ہے کہ اگر سالی سے شُبہہ کی بنا پر وطی ہوجائے تو بیوی حرام رہتی ہے جب تک شبہ والی وطی کی عدت نہ گزر جائے۔ (ت)

---

[1] درمختار | فصل فی المحرمات | مجتبائی دہلی | ۱/۱۸۸

[2] ردالمحتار | " " " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۲۸۱

اور ساس اگرچہ رضاعی ہو یعنی زوجہ کی رضاعی ماں یا رضاعی نانی دادی عیاذاً باللہ اس سے زنا بلکہ دواعی وطی بھی یعنی بشہوت اس کے کسی جزوِ بدن کو چھو جانا اگرچہ ایسے حائل کے ساتھ کہ اس کے جسم کی گرمی اسے محسوس ہونے سے منع نہ کرے یا بشہوت اس کی فرج داخل پر نظر پڑ جانا جبکہ یہ دواعی دواعی رہیں یعنی ان سے انزال واقع نہ ہو اگرچہ وُہ زنا یا دواعی زنا دانستہ ہو یا بھول کر یا دھوکے سے یا کسی کے جبر و اکراہ سے بہرحال زوجہ کو حرام ابدی اور نکاح کو فاسد کردیتا ہے، عورت کو فوراً چھوڑ دینا اور اس نکاح فاسد شدہ کو فسخ کرنا واجب ہوجاتا ہے اب زوجہ کبھی اُس کے لیے حلال نہ ہوگی نہ کبھی اس سے نکاح کرسکتا ہے۔ یہی مذہب ہمارے جمیع ائمہ اور امام احمد اور امام مالک فی احد الروایتین (دو روایتوں میں سے ایک روایت میں۔ ت) اور اکابر صحابہ مثل امیر المومنین عمر فاروق اعظم و حضرت عبداللہ بن مسعود و حضرت عبداللہ بن عباس فی الاصح عنہ (ان سے اصح روایت میں۔ ت) اور حضرت ام المومنین صدیقہ و ابی بن کعب و جابر بن عبداللہ و عمران بن حصین اور جمہور تابعین مثل امام حسن بصری و امام شعبی و امام ابراہیم نخعی و امام طاؤس و امام عطا ابی رباح و امام مجاہد و امام سعید بن المسیب و امام سلیمن بن یسار و امام حماد بن ابی سلیمن وغیرہم ائمہ دین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا ہے۔

کما ذکرہ فی الفتح وغیرہ وفی الدر المختار حرم اصل مزنیۃ و ممسوسۃ بشھوۃ ولو لشعر علی الرأس بحائل لایمنع الحرارۃ و المنظور الی فرجھا الداخل وفروعھن مطلقا اذا لم ینزل فلو انزل مع مس اونظر فلا حرمۃ ولا فرق فیما ذکر بین عمد و نسیان وخطاء واکراہ[1] اھ ملتقطا ، وفی ردالمحتار قال فی البحر اراد بحرمۃ المصاھرۃ الحرمات الاربع حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسبا ورضاعا وحرمۃ اصولھا وفروعھا علی الزانی نسبا ورضاعا کما فی الوطئ الحلال[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

جیسا کہ اس کو فتح وغیرہ میں ذکر کیا ہے، اور درمختار میں ہے کہ مزنیہ اور وہ عورت جس کو حرارت بدنیہ سے مانع چیز کے بغیر شہوت کے ساتھ مَس کیا ہو خواہ سر کے بالوں کو مس کیا ہو اور وہ عورت جس کی فرج داخل پر شہوت سے نظر پڑی ہو تو ان عورتوں کے اصول و فروع اس مرد پر مطلقاً حرام ہوجاتے ہیں بشرطیکہ اس وقت اس کو انزال نہ ہوا ہو اور نظر یا مس کے وقت انزال ہوجائے تو حرمت ثابت نہ ہوگی، اس میں فرق نہیں خواہ قصداً ہو یا بھول کر یا خطاءً یا جبراً ہو اھ ملتقطا۔ اور ردالمحتار میں ہے بحر میں کہا ہے کہ حرمتِ مصاہرۃ سے چار حرام مراد ہیں، مرد پر عورت کے اصول و فروع نسبی و رضاعی اور عورت پر مرد کے اصول و فروع نسبی رضاعی، جیسا کہ وطی حلال میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار | فصل فی المحرمات | مجتبائی دہلی | ۱/۱۸۸
[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۲۷۹

ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار

۱۳۱۶ھ

(معزز خواتین کو جہنم کے کتوں کے نکاح میں دیتے ہوئے انہیں رسوائی سے بچانا)

مسئلہ ۱۹۹ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحامیانِ شرعِ متین اس بارہ میں کہ ایک عورت سنیہ حنفیہ جس کا باپ بھی سنی حنفی ہے اس کا نکاح ایک غیر مقلد وہابی سے کردینا جائز ہے یا ممنوع؟ اس میں شرعاً گناہ ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

مستفتی محمد خلیل اللہ خاں از ریاست رامپور دولت خانہ حکیم اجمل خاں صاحب

الجواب از دفتر تحفہ حنفیہ پٹنہ محلہ لودی کٹرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ۵

نکاح مذکور ممنوع وناجائز وگناہ ہے، غیر مقلدین زماں کے بہت عقاید کفریہ وضلالیہ کتاب "جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد" میں اُن کی تصانیف سے نقل کیے اور ان کا گمراہ و بدمذہب ہونا بروجہ احسن ثابت کیا اور حدیث ذکر کی کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بدمذہبوں کی نسبت فرمایا:

ولا تؤاکلوھم ولا تشاربوھم   یعنی ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ اور پانی نہ پیو

ولا تناکحوھم[1]۔ اور بیاہ شادی نہ کرو۔

اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی تفسیر سے نقل کیا ہے کہ :

ہر کہ با بدعتیان اُنس و دوستی پیدا کند نور ایمان و حلاوت آں از وے برگیرند[2] — جو شخص بدعقیدہ لوگوں سے دوستی اور پیار کرتا ہے اس سے نورِ ایمان سلب ہوجاتا ہے۔ (ت)

اور طحطاوی حاشیۂ درمختار سے نقل کیا :

من کان خارجا من ھذہ المذاھب الاربعۃ فی ذٰلک الزمان فھو من اھل البدعۃ والنار[3]۔ — جو اس زمانے میں ان چاروں مذہب سے خارج ہو وہ بدعتی اور دوزخی ہے۔

کثرت سے علمائے مشاہیر کی اس پر مُہریں ہیں ، بالجملہ اگر غیر مقلد عقیدۂ کفریہ رکھتا ہو تو اس سے نکاح محض باطل و زنا ہے کہ مسلمان عورت کا کافر سے نکاح اصلاً صحیح نہیں اور اگر عقیدۂ کفریہ نہ بھی رکھتا ہو تو بد مذہب سے مناکحت بحکم آیت وحدیث منع ہے ، حدیث اوپر گزری ، اور آیت یہ ہے قال اللہ تعالٰی :

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار[4]۔ — نہ میل کرو ظالموں کی طرف کہ تمھیں چھوئے گی آگ دوزخ کی۔

ناظم ندوہ نے اپنے فتوے عدم جواز نکاح حنفیہ وشیعہ مطبوعہ مطبع نظامی میں اسی آیت سے استدلال کیا ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الساطر الوازر المعتصم بذیل سیدہ ومولاہ امیر المومنین سیدنا الصدیق العتیق التقی عبدالوحید غلام صدیق الحنفی الفردوسی العظیم آبادی عفا عنہ ربہ ذوالایادی۔

فتوائے علمائے پٹنہ

(۱) اصاب من اجاب (جو جواب دیا گیا ہے درست ہے۔ ت)

حافظ محمد فتح الدین پنجابی (صدر مجلس اہلسنت پٹنہ ، مقیم مرشد آباد)

---

[1] الضعفاء الکبیر ترجمہ ۱۵۳ احمد بن عمران دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۲۶
کنز العمال حدیث نمبر ۳۲۴۶۸ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۱/ ۵۲۹

[2] تفسیر عزیزی پارہ ۲۹ آیۃ ودّوا لوتدھن فیدھنون کے تحت افغانی دار الکتب لال کنواں دہلی ص ۵۶

[3] طحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۳

[4] القرآن ۱۱/ ۱۱۳

(۲) ھذا ھو الحق الصریح وماسواہ باطل قبیح (یہ جواب حق صریح ہے اور اس کے سوا باطل قبیح ہے۔ ت)

محمد امیر علی (مرحوم) سابق ہیڈ مولوی نارمل اسکول پٹنہ

فتوائے علمائے بہار

(۱) مبسملا و محمدا ومصلیا اما بعد ما قالہ العلامہ وافادہ الفہامہ حق صریح ومحقق صحیح جدیر بالاعتماد وحقیق بالاستناد ودونہ خرط القتاد ولاینکرہ الا اھل الغی والعناد والبغی والفساد۔

بسملہ، تحمید اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود کے بعد، جو کچھ حضرت علامہ فہامہ نے کہا وہ واضح حق، مثبت وصحیح، لائق اعتماد واستناد ہے اور اس کا خلاف مشکل ہے، اور سوائے گمراہ، ہٹ دھرم، باغی اور فسادی کے کوئی اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ (ت)

کتبہ خویدم الطلبہ ابو الاصفیا محمد عبد الواحد خاں رامپوری بہاری عفاعنہ

(۲) من کان من زمرۃ محمد بن عبد الوھاب ممن یتھمون عامۃ امۃ مرحومۃ بالشرك والکفر علی زعمھم الفاسد وفھمھم الکاسد فھو من الزنادقۃ والملاحدۃ ولایجوز بہ المناکحۃ والمخالطۃ وکذلك من کان من الغیر المقلدین من یرکن الی المجسمیۃ والمشبھیۃ والرافضۃ فی السوء۔

جو شخص اپنے زعم فاسد اور فہم کاسد کی بناء پر شرک وکفر کے ساتھ متہم کرنے والے محمد بن عبد الوہاب کے گروہ سے تعلق رکھنے والا ہے وہ شخص زندیق وملحد ہے اس کے ساتھ نکاح اور میل جول ناجائز ہے، اور یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جو غیر مقلدین میں سے اور مجسمیہ، مشبہیہ اور روافض کی طرف میلان رکھتا ہو۔ (ت)

حررہ محمد یوسف بہاری

(۳) اصاب من اجاب جزی اللہ المحقق المدقق وحامی السنۃ وماحی البدعۃ مولانا منتظم التحفۃ خیر

مجیب نے درست جواب دیا۔ محقق، مدقق، سنت کے حامی، بدعت کو مٹانے والے، ہمارے سردار اور تحفہ حنفیہ کے منتظم کو اللہ تعالٰی

الجزاء ۔ واللہ اعلم بالصواب و الیہ المرجع والمآب ۔

بہترین جزا عطا فرمائے۔ اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اسی کی طرف ہی لوٹنا ہے (ت)

جناب مولانا حکیم (ابوالبرکات) استھانوی بہاری

(۴) حامدا ومصلیا قد صح ما فی ھذہ الفتوی کیف لاوھی مملوۃ من الروایات الفقھیۃ المعتبرۃ والاحادیث الصحیحۃ فالمجیب مصیب بلا امتراء جزاہ اللہ سبحٰنہ بفضلہ الاوفی خیر الجزاء حیث صرف ھمۃ العلیا و بذل جھدہ بالنھج الاعلی فی رد الکلمات السفلی من اجاب فقد اصاب ودونہ خرط القتاد، واللہ اعلم بالصواب فقط ۔

اللہ تعالٰی کی حمد کرتے اور نبی کریم پر درود بھیجتے ہوئے کہتا ہوں کہ جو کچھ اس فتوٰی میں ہے درست ہے کیسے نہ ہو جبکہ یہ فتوٰی معتبر فقہی روایات اور صحیح احادیث سے لبریز ہے اور مجیب بلاشبہہ مصیب ہے۔ اللہ تعالٰی اپنے بے انتہا فضل سے مجیب کو جزائے خیر عطا فرمائے جس نے کلمات سفلی کے رد میں اپنی بلند ہمتی اور سعی بلیغ کو کامل طریقے سے بروئے کار لایا۔ مجیب نے درست کہا جس کے خلاف کہنا مشکل و ناممکن ہے واللہ تعالٰی اعلم بالصواب فقط۔ (ت)

حررہ خویدم الطلبۃ الراجی الی رحمۃ ربہ المنان السید محمد سلیمان اشرف البھاری المرادی عفی عنہ

(۵) حامدا ومصلیا، الجواب حق فماذا بعد الحق الا الضلال ۔

اللہ تعالٰی کی حمد کرتے اور نبی اقدس پر درود بھیجتے ہوئے کہتا ہوں کہ جواب حق ہے اور حق کے بعد سوائے گمراہی کے کچھ نہیں (ت)

کتبہ خادم الطلبہ خاکسار سید ناظر حسین بہاری المرادی

فتوائے علمائے بدایوں

(۱) المجیب مصیب (جواب درست ہے۔ ت)

محب الرسول عبدالقادر قادری

(۲) لاریب فیہ (اس میں کوئی شک نہیں۔ ت)

مطیع الرسول محمد عبدالمقتدر قادری

(۳) الجواب صحیح (جواب صحیح ہے۔ ت)

محمد عبدالقیوم قادری

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

الحمد للہ الذی لم یرتض الطیبات الا للطیبین الاخیار وترك الخبیثین للخبیثات الاقذار والصلوٰۃ والسلام علی من امرنا بالتجنب عن کلاب النار وعلٰی اٰلہ وصحبہ الشاھرین سیوفھم علٰی رؤس المبتدعین الفجار۔

اُس اللہ تعالٰی کے لیے حمد ہے جس نے طیبات کو صرف طیب لوگوں کے لیے منتخب فرمایا اور خبیث خبیث لوگوں کیلئے چھوڑ رکھا ہے اور صلوٰۃ وسلام اس پر جس نے ہمیں جہنم کے کتوں سے بچنے کا حکم فرمایا ہے اور آپ کے آل و اصحاب پر جو بدعتی فاجر لوگوں پر اپنی تلواریں لہرا رہے ہیں (ت)

فی الواقع صورت مستفسرہ میں وُہ نکاح یا تو شرعاً محض باطل وزنا ہے یا ممنوع وگناہ۔ سائل سنّی صاحب معاملہ سُنّی وسنیہ، برادرانِ سنّت ہی سے خطاب ہے اور انھیں کو حکم شرع سے اطلاع دینی مقصود کہ ایک ذرا بنگاہ غور ملاحظہ فرمائیں، اگر دلیل شرعی سے یہ احکام ظاہر ہوجائیں تو سنّی بھائیوں سے توقع کہ نہ صرف زبانی قبول بلکہ ہمیشہ اسی پر عمل فرمائیں گے اور اپنی کریمہ عزیزہ بنات واخوات کو ہلاک وابتلا اور دین وناموس میں گرفتاری بلا سے بچائیں گے وباللہ التوفیق۔ وہابی ہو یا رافضی جو بدمذہب عقاید کفریہ رکھتا ہے جیسے ختم نبوت حضور پر نور خاتم النبیین صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا انکار یا قرآن عظیم میں نقص ودخل بشری کا اقرار، تو السوں سے نکاح باجماع مسلمین بالقطع والیقین باطل محض وزنائے صرف ہے اگرچہ صورت صورت سوال کی عکس ہو یعنی سُنّی مرد ایسی عورت کو نکاح میں لانا چاہے کہ مدعیانِ اسلام میں جو عقائد کفریہ رکھیں ان کا حکم مثل مرتد ہے کما حققنا فی المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ المکفرۃ (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ والمکفرۃ" میں تحقیق کی ہے۔ ت) ظہیریہ وہندیہ وحدیقہ ندیہ وغیرہا میں ہے: احکامھم مثل احکام المرتدین[1] (ان کے احکام مرتدین والے ہیں۔ ت) اور مرتد مرد خواہ عورت کا نکاح تمام عالم میں کسی عورت ومرد مسلم یا کافر مرتد یا اصلی کسی سے نہیں ہوسکتا۔ خانیہ وہندیہ وغیرہما میں ہے:

واللفظ للاخیرۃ لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولامسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط۔[2]

دوسری کے الفاظ یہ ہیں مرتد کے لیے کسی عورت، مسلمان، کافرہ یا مرتدہ سے نکاح جائز نہیں، اور یونہی مرتدہ عورت کا کسی بھی شخص سے نکاح جائز نہیں، جیسا کہ مبسوط میں ہے۔ (ت)

---

[1] حدیقہ ندیہ الاستخفاف بالشریعۃ کفر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۳۰۵

[2] فتاوٰی ہندیہ القسم السابع المحرمات بالشرک کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۲

اور اگر ایسے عقائد خود نہیں رکھتا مگر کبرائے وہابیہ یا مجتہدین روافض خذلہم اللہ تعالٰی کہ وُہ عقاید رکھتے ہیں انھیں امام وپیشوا یا مسلمان ہی مانتا ہے تو بھی یقیناً اجماعاً خود کافر ہے کہ جس طرح ضروریاتِ دین کا انکار کفر ہے یونہی اُن کے منکر کو کافر نہ جاننا بھی کفر ہے۔ وجیز امام کردری و درمختار و شفائے امام قاضی عیاض وغیرہا میں ہے:

واللفظ للشفاء مختصراً اجمع العلماء ان من شك فی کفرہٖ وعذابہ فقد کفر[1]

شفاء کے الفاظ اختصاراً یہ ہیں، علماء کا اجماع ہے کہ جو اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ کافر ہے۔ (ت)

اور اگر اس سے بھی خالی ہے ایسے عقائد والوں کو اگرچہ اس کے پیشوایانِ طائفہ ہوں صاف صاف کافر مانتا ہے (اگرچہ بدمذہبوں سے اس کی توقع بہت ہی ضعیف اور تجربہ اس کے خلاف پر شاہد قوی ہے) تو اب تیسرا درجہ کفریات لزومیہ کا آئے گا کہ ان طوائف ضالہ کے عقائد باطلہ میں بکثرت ہیں جن کا شافی ووافی بیان فقیر کے رسالہ الکوکبۃ الشہابیۃ فی کفریات ابی الوہابیۃ (۱۳۱۲ھ) میں ہے اور بقدر کافی رسالہ سل السیوف الھندیۃ علی کفریات بابا النجدیۃ (۱۳۱۲ھ) میں مذکور، اور اگر کچھ نہ ہو تو تقلیدِ ائمہ کو شرک اور مقلدین کو مشرک کہنا ان حضرات کا مشہور و معروف عقیدۂ ضلالت ہے یونہی معاملات انبیاء و اولیاء و اموات واحیاء کے متعلق صدہا باتوں میں ادنٰی ادنٰی بات ممنوع یا مکروہ بلکہ مباحات و مستحبات پر جابجا حکمِ شرک لگا دینا خاص اصل الاصول وہابیت ہے جن سے اُن کے دفاتر بھرے پڑے ہیں، کیا یہ امور مخفی و مستور رہیں، کیا اُن کی کتابوں زبانوں رسالوں بیانوں میں کچھ کمی کے ساتھ مذکور رہیں، کیا ہر سنّی عالم و عامی اس سے آگاہ نہیں کہ وُہ اپنے آپ کو موحد اور مسلمانوں کو معاذ اللہ مشرک کہتے ہیں آج سے نہیں شروع سے ان کا خلاصۂ اعتقاد یہی ہے کہ جو وہابی نہ ہو سب مشرک۔ ردالمحتار میں اسی گروہ وہابیہ کے بیان میں ہے:

اعتقدوا انھم ھم المسلمون وان من خالف اعتقادھم مشرکون[2]

ان کا اعتقاد یہ ہے کہ وہی مسلمان ہیں اور جو عقیدہ میں ان کے خلاف ہو وُہ مشرک ہے۔ (ت)

فقیر نے رسالہ النھی الاکید عن الصلاۃ وراء عدی التقلید (۱۳۰۵ھ) میں واضح کیا کہ خاص مسئلہ تقلید میں ان کے مذہب پر گیارہ سو برس کے ائمہ دین و علمائے کاملین و اولیائے عارفین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین معاذ اللہ سب مشرکین قرار پاتے ہیں خصوصاً وُہ جماہیر ائمہ کرام وسادات اسلام وعلمائے اعلام جو تقلیدِ شخصی پر سخت شدید تاکید فرماتے اور اس کے خلاف کو منکر و شنیع و باطل و فظیع

---

[1] کتاب الشفاء القسم الرابع الباب الاول دار سعادت بیروت ۲/۲۰۸
درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مجتبائی دہلی ۱/۳۵۶
[2] ردالمحتار باب البغاۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۱

بتاتے رہے جیسے امام حجۃ الاسلام محمد غزالی و امام برہان الدین صاحب ہدایہ و امام احمد ابوبکر جوزجانی و امام کیا ہراسی و امام ابن سمعانی و امام اجل امام الحرمین و صاحبان خلاصہ و ایضاح و جامع الرموز و بحر الرائق و نہر الفائق و تنویر الابصار و درمختار و فتاوٰی خیریہ و غمز العیون و جواہر اخلاطی و ملتقیہ و سراجیہ و مصفٰی و جواہر و تتارخانیہ و مجمع و کشف و عالمگیریہ و مولانا شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی و جناب شیخ مجدد الف ثانی وغیرہم ہزاروں اکابر کے ایمان کا تو کہیں پتا ہی نہیں رہتا اور مسلمان تو نرے مشرک بنتے ہیں یہ حضرات مشرک گر ٹھہرتے ہیں والعیاذ باللہ سبحٰنہ وتعالٰی، اور جمہور ائمہ کرام فقہائے اعلام کا مذہب صحیح و معتمد و مفتی بہ یہی ہے کہ جو کسی ایک مسلمان کو بھی کافر اعتقاد کرے خود کافر ہے۔ ذخیرہ و بزازیہ و فصول عمادی و فتاوٰی قاضی خاں و جامع الفصولین و خزانۃ المفتین و جامع الرموز و شرح نقایہ برجندی و شرح وہبانیہ و نہر الفائق و درمختار و مجمع الانہر و احکام علی الدرر و حدیقہ ندیہ و عالمگیری و ردالمحتار وغیرہا عامہ کتب میں اس کی تصریحات واضحہ ہیں کتب کثیرہ میں اسے فرمایا: المختار للفتوٰی[1] (فتوٰی کے لئے مختار ہے۔ ت) شرح تنویر میں فرمایا: بہ یفتی[2] (اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے۔ ت) یہ افادۂ تصحیحات اُس قول اطلاق کے مقابل ہیں کہ مسلمانوں کو کافر کہنے والا مطلقاً کافر اگرچہ محض بطور دشنام کہے نہ از راہِ اعتقاد۔ جامع الفصولین میں ہے:

قال لغیرہ یا کافر قال الفقیہ الاعمش البلخی کفر القائل وقال غیرہ من مشائخ بلخ لایکفر فاتفقت ھذہ المسألۃ ببخاری اذا جاب بعض ائمۃ بخاری انہ کفر فرجع الجواب الٰی بلخ فمن افتی بخلاف الفقیہ الاعمش رجع الٰی قولہ وینبغی ان لایکفر علٰی قول ابی اللیث وبعض ائمۃ بخاری والمختار للفتوٰی فی جنس ھذہ المسائل ان قائل ھذہ المقالات لو اراد الشتم ولا یعتقدہ کافرا لایکفر ولو

کسی نے غیر کو کہا "اے کافر" تو امام اعمش فقیہ بلخی نے فرمایا وہ کافر ہوگیا اور ان کے علاوہ دیگر مشائخ نے فرمایا: وہ کافر نہ ہوگا، اور یہی مسئلہ بخارٰی میں پیش آیا تو بخارٰی کے بعض ائمہ نے فرمایا: وہ کافر ہوگیا۔ جب یہ جواب بلخ پہنچا تو جن لوگوں نے امام اعمش فقیہ کے خلاف فتوٰی دیا تھا انھوں نے رجوع کرکے اعمش کے قول سے اتفاق کرلیا اور ابواللیث اور بخارٰی کے بعض ائمہ کے نزدیک کافر نہ کہنا مناسب ہے جبکہ اس قسم کے مسائل میں فتوٰی یہ ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے والے نے اگر گالی مراد لی ہو اور کفر مراد نہ لیا تو کافر نہ ہوگا، اور اگر اس نے

---

[1] جامع الفصولین — فی مسائل کلمات الکفر — اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۱

[2] درمختار — باب التعزیر — مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

اعتقد کافر اکفر[1] اھ باختصار۔ — کفر کا اعتقاد کیا تو وہ کافر ہے اھ اختصاراً (ت)

تو فقہائے کرام کے قول مطلق و حکم مفتی بہ دونوں کے رو سے بالاتفاق ان پر حکم کفر ثابت، اور یہی حکم ظواہر احادیث صحیحہ جلیلہ سے مستفاد صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایما امرئ قال لاخیہ کافر فقد باء بھا احدھما[2] زاد مسلم ان کان کما قال والا رجعت الیہ[3]۔ — جو کسی کلمہ گو کو کافر کہے ان دونوں میں ایک پر یہ بلا ضرور پڑے گی، اگر جسے کہا وہ فی الحقیقۃ کافر ہے تو خیر، ورنہ یہ کفر کا حکم اسی قائل پر پلٹ آئے گا۔ (ت)

نیز صحیحین وغیرہما میں حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث سے ہے:

لیس من دعا رجلا بالکفر او قال عدو اللہ ولیس کذلک الاحار علیہ[4]۔ — جو کسی کو کفر پر پکارے یا خدا کا دشمن بتائے اور وہ ایسا نہ ہو تو اس کا یہ قول اسی پر پلٹ آئے۔

طرفہ یہ کہ ان حضرات کو ظواہر احادیث ہی پر عمل کرنے کا بڑا دعوٰی ہے، تو ثابت ہوا کہ حدیث وفقہ دونوں کے حکم سے مسلمان کی تکفیر کرنے والے پر حکم کفر لازم، نہ کہ لاکھوں کروڑوں ائمہ و اولیاء و علماء کی معاذ اللہ تکفیر ان صاحبوں کا خلاصہ مذہب ابھی رد المحتار سے منقول ہوا کہ جو وہابی نہیں سب کو مشرک مانتے ہیں اسی بنا پر علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی نے انہیں خوارج میں داخل فرمایا اور وجیز کردری میں ارشاد ہے:

یجب اکفار الخوارج فی اکفارھم جمیع الامۃ سواھم[5]۔ — خوارج کو کافر کہنا واجب ہے اس بنا پر کہ وہ اپنے ہم مذہب کے سوا سب کو کافر کہتے ہیں۔

لاجرم الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ میں فرمایا:

ھؤلاء الملاحدۃ المکفرۃ للمسلمین[6]۔ — یعنی یہ وہابی ملحد بے دین کہ مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔

---

[1] جامع الفصولین — فی مسائل کلمات الکفر — اسلامی کتب خانہ کراچی — ۲/ ۳۱۱
[2] صحیح البخاری — باب من اکفر اخاہ الخ — قدیمی کتب خانہ کراچی — ۲/ ۹۰۱
[3] صحیح مسلم — باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم یا کافر — " " " — ۱/ ۵۷
[4] " " " " " " " "
[5] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ — نوع فیما یتصل بہا مما یجب اکفارہ الخ — نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۱۸
[6] الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ — المکتبۃ الحقیقۃ استنبول ترکی — ص ۳۸

پھر یہ بھی ان کے صرف ایک مسئلہ ترکِ تقلید کی رُو سے ہے باقی مسائل متعلقہ انبیاء و اولیاء وغیرہم میں ان کے شرک کی اُونچی اُڑانیں دیکھئے۔ فقیر نے رسالہ اکمال الطامۃ علٰی شرك سوی بالامور العامۃ میں کلام الٰہی کی ساٹھ۶۰ آیتوں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تین سو۳۰۰ حدیثوں سے ثابت کیا ہے کہ ان کے مذہب نامہذب پر نہ صرف اُمّتِ مرحومہ بلکہ انبیائے کرام وملائکہ عظام وخود حضور پُر نور سیّد الانام علیہ وعلیہم افضل الصلاۃ والسلام حتی کہ خود رب العزّۃ جل وعلا تک کوئی بھی شرک سے محفوظ نہیں ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلیّ العظیم، پھر ایسے مذہب ناپاک کے کفریات واضح ہونے میں کون مسلمان تامل کرسکتا ہے، پھر یہ عقاید باطلہ ومقالات زائغہ جب ان حضرات کے اصول مذہب ہیں تو کسی وہابی صاحب کا ان سے خالی ہونا کیونکر معقول، یہ ایسا ہوگا جس طرح کچھ روافض کو کہا جائے تبرا وتفضیل سے پاک ہیں اور بالفرض تسلیم بھی کرلیں کہ کوئی وہابی صاحب کسی جگہ کسی مصلحت سے ان تمام عقائد مردودہ و اقوال مطرودہ سے تحاشی بھی کریں یا بالفرض غلط فی الواقع ان سے خالی ہوں تو یہ کیونکر متصور کہ ان کے اگلے پچھلے چھوٹے بڑے مصنف مؤلف واعظ مکلب نجدی دہلوی بنگالی بھوپالی وغیرہم جن کے کلام میں اُن اباطیل کی تصریحات ہیں یہ صاحب ان سب کے کفر یا اقل درجہ لزوم کفر کا اقرار کریں کیا دنیا میں کوئی وہابی ایسا نکلے گا کہ اپنے اگلے پچھلوں پیشواؤں ہم مذہبوں سب کے کفر ولزوم کفر کا مقر ہو اور جتنے احکام باطلہ سے کتاب التوحید و تقویۃ الایمان وصراط مستقیم وتنویر العینین وتصانیف بھوپالی وسورج گڑھی وبٹالوی وغیرہم میں مسلمانوں پر حکم شرک لگایا جو معاذ اللہ خدا ورسول وانبیاء وملائکہ سب تک پہنچا اُن سب کو کفر کہہ دے حاش للہ ہرگز نہیں، بلکہ قطعاً انھیں اچھا جانتے امام وپیشوا وصلحائے علما مانتے اور اُن کے کلمات واقوال کو بامعنی و مقبول سمجھتے اور اُن پر رضا رکھتے ہیں اور خود کفریات بکنا یا کفریات پر راضی ہونا بُرا نہ جاننا اُن کے لیے معنی صحیح ماننا سب کا ایک ہی حکم ہے، اعلام بقواطع الاسلام میں ہمارے علمائے اعلام سے ان امور کے بیان میں جو بالاتفاق کفر ہیں نقل فرمایا:

من تلفظ بلفظ کفر یکفر وکذا کل من ضحك علیہ اواستحسنہ اورضی بہ یکفر[1]۔

جس نے کفریہ کلمہ بولا اس کو کافر قرار دیا جائے گا، یونہی جس نے اس کلمہ کفر پر ہنسی کی یا اس کی تحسین کی اور اس پر راضی ہُوا اس کو بھی کافر قرار دیا جائیگا۔ (ت)

---

[1] اعلام بقواطع الاسلام ملحق بسبل النجاۃ مطبعہ حقیقۃ استانبول ترکی ص ۳۶۶

بحرالرائق میں ہے :

من حسن کلام اھل الاھواء وقال معنوی او کلام لہ معنی صحیح ان کان ذٰلک کفرا من القائل کفر المحسن[1]

جس نے بے دینی کی بات کو سراہا یا بامقصد قرار دیا، یا اس کے معنی کو صحیح قرار دیا تو اگر یہ کلمہ کفر ہو تو اس کا قائل کافر ہوگا اور اس کی تحسین کرنے والا بھی۔(ت)

تو دنیا کے پردے پر کوئی وہابی ایسا نہ ہوگا جس پر فقہائے کرام کے ارشادات سے کفر لازم نہ ہو اور نکاح کا جواز و عدم جواز نہیں مگر ایک مسئلہ فقہی، تو یہاں حکم فقہا ہی ہوگا کہ ان سے مناکحت اصلاً جائز نہیں خواہ مرد وہابی ہو یا عورت وہابیہ اور مرد سُنّی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم اس باب میں قول متکلمین اختیار کرتے ہیں اور ان میں جو کسی ضروری دین کا منکر نہیں نہ ضروری دین کے کسی منکر کو مسلمان کہتا ہے اُسے کافر نہیں کہتے مگر یہ صرف برائے احتیاط ہے در بارۂ تکفیر حتی الامکان احتیاط اسی میں ہے کہ سکوت کیجئے، مگر وہی احتیاط جو وہاں مانع تکفیر ہوئی تھی یہاں مانع نکاح ہوگی کہ جب جمہور فقہائے کرام کے حکم سے ان پر کفر لازم تو ان سے مناکحت زنا ہے تو یہاں احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے دور رہیں اور مسلمانوں کو باز رکھیں، للہ انصاف کسی سُنّی صحیح العقیدہ معتقد فقہائے کرام کا قلب سلیم گوارا کرے گا کہ اس کی کوئی عزیزہ کریمہ ایسی بلا میں مبتلا ہو جسے فقہائے کرام عمر بھر کا زنا بتائیں، تکفیر سے سکوت زبان کے لیے احتیاط تھی اور اس نکاح سے احتراز فرج کے واسطے احتیاط ہے یہ کون سی شرع ہے کہ زبان کے باب میں احتیاط کیجئے اور فرج کے بارے میں بے احتیاطی، انصاف کیجئے تو بنظر واقع حکم اسی قدر سے منقح ہولیا کہ نفس الامر میں کوئی وہابی ان خرافات سے خالی نہ نکلے گا اور احکام فقہیہ میں واقعات ہی کا لحاظ ہوتا ہے نہ احتمالات غیر واقعیہ کا،

بل صرحوا ان احکام الفقۃ تجری علی الغالب من دون نظر الی النادر۔

بلکہ انھوں نے تصریح کی ہے کہ فقہی احکام کا مدار غالب امور بنتے ہیں، نادر امور پیش نظر نہیں ہوتے (ت)

اور اگر اس سے تجاوز کرکے کوئی وہابی ایسا فرض کیجئے جو خود بھی ان تمام کفریات سے خالی ہو اور ان کے قائلین جملہ وہابیہ سابقین ولاحقین سب کو گمراہ و بدمذہب مانتا بلکہ بالفرض قائلان کفریات مانتا اور لازم الکفر ہی جانتا ہو اُس کی وہابیت صرف اسی قدر رہ کر باوصف عامیت تقلید ضروری نہ جانے اور بے صلاحیت اجتہاد پیروی مجتہدین چھوڑ کر خود قرآن و حدیث سے اخذ احکام روا مانے تو اس قدر میں شک نہیں کہ یہ فرضی شخص بھی آیہ کریمہ قطعیہ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون[2] (اگر نہیں جانتے تو اہل ذکر (علماء) سے پوچھو۔ ت)

---

[1] بحرالرائق باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۲۴

[2] القرآن ۱۶/ ۴۳

اور اجماع قطعی تمام ائمہ سلف و خلف کا مخالف ہے یہ اگر بطور فقہاء لزوم کفر سے بچ بھی گیا تو خارق اجماع و متبع غیر سبیل المومنین و گمراہ و بددین ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا جس طرح متکلمین کے نزدیک دو قسم پیشین کافر بالیقین کے سوا باقی جمیع اقسام کے وہابیہ، اب اگر عورت سُنّیہ بالغہ اپنا نکاح کسی ایسے شخص سے کرے اور اس کا ولی پیش از نکاح اس شخص کی بدمذہبی پر آگاہ ہو کر صراحۃً اس سے نکاح کیے جانے کی رضامندی ظاہر نہ کرے خواہ یوں کہ اُسے اس کی بدمذہبی پر اطلاع ہی نہ ہو یا نکاح سے پہلے اس قصد کی خبر نہ ہوتی یا بدمذہب جانا اور اس ارادہ پر مطلع بھی ہُوا مگر سکوت کیا صاف رضا کا مظہر نہ ہوا، یا عورت نابالغہ ہو اور ولی مزوج اب وجد کے سوا یا اب وجد ایسے جو اس سے پہلے اپنی ولایت سے کوئی تزویج کسی غیر کفو سے کر چکے ہوں یا وقت تزویج نشے میں ہوں ان سب صورتوں میں یہ بھی نکاح باطل و زنائے خالص ہوگا کہ بدمذہب کسی سنیہ بنت سنّی کا کفو نہیں ہو سکتا اور غیر کفو کے ساتھ تزویج میں یہی احکام مذکورہ ہیں، درمختار میں ہے:

الکفاءۃ تعتبر فی العرب والعجم دیانۃ ای تقوی فلیس فاسق کفوا الصالحۃ نہر[1]

عربی اور عجمی لوگوں کے کفو میں دیانت اور تقوٰی کا اعتبار ہے تو فاسق شخص نیک عورت کا کفو نہ ہوگا، نہر (ت)

غنیہ میں ہے:

المبتدع فاسق من حیث الاعتقاد وھو اشد من الفسق من حیث العمل[2]

اعتقادی فاسق، عملی فاسق سے زیادہ برا ہے (ت)

تنویر الابصار و شرح علائی میں ہے:

لزم النکاح بغیر کفو ان المزوج ابا وجدا لم یعرف منھما سوء الاختیار وان عرف لایصح النکاح اتفاقا وکذا لوسکران بحر وان المزوج غیرھما لایصح النکاح من غیر کفو اصلا[3]

اگر باپ یا دادا نے نکاح کیا تو غیر کفو میں بھی یہ نکاح لازم ہوگا بشرطیکہ باپ اور دادا نے اس سے قبل اختیار کو غلط استعمال نہ کیا ہو، اور اگر وہ غلط اختیار استعمال کر چکا ہو تو بالاتفاق یہ نکاح صحیح نہ ہوگا، اور اگر باپ یا دادا نشے میں ہوں تب بھی بالاتفاق نکاح صحیح نہ ہوگا (بحر) اور نکاح والد اور دادا نے نہ کیا تو غیر کفو میں نکاح صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

---

[1] درمختار | باب الکفاءۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۵

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی | فصل فی الامامۃ | سہیل اکیڈمی لاہور | ص ۵۱۴

[3] درمختار شرح تنویر الابصار | باب الولی | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۲

اُنہی میں ہے :

نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضی ولی ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان فلا تحل مطلقۃ ثلثا نکحت غیر کفو بلا رضی ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ۔[1]

عاقلہ بالغہ نے ولی کی رضا کے بغیر نکاح کیا تو نکاح نافذ ہوگا اور غیر کفو میں عدم جواز کا فتوٰی دیا جائیگا اور یہی فتوی کیلئے مختار ہے کیونکہ زمانہ میں فساد آگیا ہے، تو مطلقہ ثلاثہ بھی اگر ولی کی رضا کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرے تو پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی جبکہ ولی کو یہ معلوم ہو کہ وہ غیر کفو ہے یاد رکھو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

لا یلزم التصریح بعدم الرضا بل السکوت منہ لا یکون رضی وقولہ بلا رضی یصدق بنفی الرضی بعد المعرفۃ وبعدمھا وبوجود الرضی مع عدم المعرفۃ ففی ھذہ الصور الثلثۃ لا تحل وانما تحل فی الصورۃ الرابعۃ وھی رضی الولی بغیر الکفؤ مع علمہ بانہ کذلک اھ[2] اھ الکل مختصرا۔

ولی کو اپنی عدم رضامندی کے اظہار کے لیے تصریح ضروری نہیں ہے بلکہ اس بارے میں اس کا خاموش رہنا ہی عدم رضا ہے، اس کے قول "بغیر رضا" کا مصداق کفو غیر کفو کے علم کے بعد اور اسی طرح علم کے بغیر رضا کی نفی اور غیر کفو کا علم نہ ہونے پر رضامندی، ان تین صورتوں میں حلال نہ ہوگی، صرف چوتھی صورت میں حلال ہے اور وہ یہ ہے کہ ولی کو غیر کفو کا علم ہو اور اس کے باوجود وہ نکاح پر راضی ہو اھ تمام اختصاراً (ت)

اس تقریر منیر سے اس شبہہ کا ایک جواب حاصل ہُوا جو یہاں بعض اذہان میں گزرتا ہے کہ جب اہل کتاب سے مناکحت جائز ہے تو مبتدعین اُن سے بھی گئے گزرے، غیر مقلد مسلم ہے پھر نکاح مسلم ومسلمہ میں کیا توقف، اہل کتاب سے مناکحت کے کیا معنے، آیا یہ کہ زن مسلمہ کا کتابی کافر کے ساتھ نکاح حاش للہ یہ قطعاً اجماعاً اخبث حرام اور لاکھ زنا سے بدتر زنا ہے یا یہ کہ مسلمان مرد کا کتابیہ کافرہ کو اپنے نکاح میں لانا، اس کے جواز وعدم جواز سے ہم ان شاء اللہ تعالٰی عن قریب بحث کریں گے یہاں اسی قدر کافی ہے کہ مسئلہ دائرہ میں عورت سنیہ اور مرد وہابی کے نکاح سے بحث ہے، عورت کا مرد پر قیاس کیونکر صحیح، آخر وُہ کیا فرق تھا جس کے لیے شرع مطہر نے کتابی سے مسلمہ کا نکاح زنا مانا اور مسلم کا کتابیہ سے صحیح جانا، اگر مسلمان مرد کسی کافرہ کو اپنے تصرف میں لاسکے تو کیا ضرور ہے

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار — باب الولی — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۱۹۱

[2] ردالمحتار — " — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۲/۲۹۷

کہ سنیہ عورت بھی بدمذہب کے تصرف میں جاسکے ، عورت کے لیے کفاءتِ مرد بالاجماع ملحوظ جس کی بنا پر احکام مذکورہ متفرع ہُوئے اور مرد بالغ کے حق میں کفاءتِ زن کا کچھ اعتبار نہیں کہ دناءتِ فراش وجہ غیظ مستفرش نہیں ہوتی ،

فی الدر المختار الکفاءۃ معتبرۃ من جانب الرجل لان الشریفۃ تابی ان تکون فراشا للدنی و لا تعتبر من جانبھا لان الزوج مستفرش فلا تغیظہ دناءۃ الفراش[1] ملخصاً

درمختار میں ہے کہ کفو مرد کی طرف سے معتبر ہے کیونکہ شریف عورت ، حقیر مرد کی بیوی بننے سے انکاری ہوتی ہے اور عورت کی طرف سے مرد کیلئے ہم کفو ہونا معتبر نہیں ہے کیونکہ خاوند تو بیوی بنالیتا ہے خواہ عورت ادنیٰ ہو ، وہ اس وجہ سے عار نہیں پاتا ، ملخصاً (ت)

وہابی تو بدمذہب گمراہ ہے اگر کوئی زن شریفہ بے رضائے صریح ولی بوجہ مذکور کسی سنی صحیح العقیدہ صالح حائک سے نکاح کرلے یا ولی غیر اب وجد اپنی صغیرہ کو کسی ایسے سے بیاہ دے تو ناجائز و باطل ہوگا یا نہیں ، ضرور باطل ہے پھر یہ سُنّی صالح کیا ان سے بھی گیا گزرا ، اور نکاح مسلم و مسلمہ میں کیوں بطلان کا حکم ہوا ، ھذا و لنرجع الی ما کنا فیہ (اس کو محفوظ کرو اور ہمیں اپنی بحث کی طرف لوٹنا چاہیے ۔ت) یہ صورتیں بطلان نکاح بوجہ عدم کفاءت کی تھیں اور اگر ان کے سوا وُہ صورت ہو جہاں عدم کفاءت مانع صحت نہیں تو پہلے اتنا سمجھ لیجئے کہ عرف فقہ میں جواز دو معنی پر مستعمل ، ایک بمعنی صحت اور عقود میں یہی زیادہ متعارف ، یہ عقد جائز ہے یعنی صحیح مثمر ثمرات مثل افادۂ ملک متعہ یا ملک یمین یا ملک منافع ہے اگرچہ ممنوع و گناہ ہو جیسے بیع وقت اذان جمعہ ۔ دوسرے بمعنی حلت اور افعال میں یہی زیادہ مروج ، یہ کام جائز ہے یعنی حلال ہے ، حرام نہیں ، گناہ نہیں ، ممانعتِ شرعیہ نہیں ۔ بحرالرائق کتاب الطہارۃ بیان میاہ میں ہے :

المشائخ تارۃ یطلقون الجواز بمعنی الحل وتارۃ بمعنی الصحۃ وھی لازمۃ للاول من غیر عکس والغالب ارادۃ الاول فی الافعال والثانی فی العقود[2]

مشائخ لفظ "جواز" کو کبھی حلال ہونے کے معنیٰ میں اور کبھی صحیح ہونے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں جبکہ صحیح ہونا حلال ہونے کو لازم ہے ، غالب طور پر افعال میں حلال ہونے اور عقود میں صحیح ہونے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے (ت)

اسی طرح علامہ سید احمد مصری نے حاشیہ در میں نقل کیا اور مقرر رکھا ۔ درمختار میں ہے :

---

[1] درمختار | باب الکفاءۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۴

[2] بحرالرائق | کتاب الطہارۃ | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/۶۶

یجوز رفع الحدث بما ذکر[1] الخ (مذکور چیز کے ساتھ حدث کو ختم کرنا جائز ہے الخ۔ ت)

اس پر ردالمحتار میں کہا:

یجوز ای یصح وان لم یحل فی نحو الماء المغصوب وھو اولی ھنا من ارادۃ الحل وان کان الغالب ارادۃ الاول فی العقود والثانی فی الافعال[2]۔

یجوز یعنی یصح، اگرچہ حلال نہ ہو۔ مثلاً غصب شدہ پانی کے ساتھ، اور یہی معنیٰ یہاں بہتر ہے بجائیکہ حلال والا معنیٰ مراد لیا جائے اگرچہ صحیح غالب طور پر عقود میں اور حلال افعال میں استعمال ہوتا ہے۔ (ت)

درمختار کتاب الاشربہ میں ہے:

صح بیع غیر الخمر مامر ومفادہ صحۃ بیع الحشیشۃ والافیون قلت وقد سئل ابن نجیم عن بیع الحشیشۃ ھل یجوز فکتب لایجوز فیحمل علی ان مرادہ بعدم الجواز عدم الحل[3]۔

مذکورہ چیزوں میں سے غیر خمر کی بیع صحیح ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ حشیش اور افیون کی بیع صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابن نجیم سے حشیش کی بیع کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ جائز ہے تو انھوں نے جواب میں لکھا لایجوز۔ ان کا مقصد عدم جواز سے عدم حل ہے (ت)۔

بالجملہ جواز کے یہ دونوں اطلاق شائع و ذائع ہیں اور ان کے سوا اور اطلاقات بھی ہیں جن کی تفصیل سے

عہ فقد یطلق بمعنی النفاذ کما قال فی کفاءۃ التنویر امرہ بتزویجہا امرأۃ فزوجہ امۃ جاز[4] ای نفذ لان الکلام ثمہ فی النفاذ لا فی الجواز افادہ السادات الثلثۃ المحشون ح ط ش[5]۔

اور کبھی جواز کا اطلاق "نفاذ" پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ تنویر کے کفاءۃ کے باب میں ہے، اگر کسی نے دوسرے کو کہا کہ کسی عورت سے میرا نکاح کر دے تو اس نے لونڈی سے نکاح کر دیا تو جائز ہے یعنی نافذ ہے کیونکہ یہاں نفاذ میں بات ہو رہی ہے جواز میں بحث نہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] درمختار	کتاب الطہارۃ	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۳۵
[2] ردالمحتار	"	داراحیاء التراث العربی بیروت	۱/۱۲۲
[3] درمختار	کتاب الاشربہ	مطبع مجتبائی دہلی	۲/۲۶۰
[4] "	باب الکفاءۃ	"	۱/۱۹۵
[5] ردالمحتار	"	داراحیاء التراث العربی بیروت	۲/۳۲۵

یہاں بحث نہیں، اب اس صورت خاصہ میں جواز بمعنی صحت ضرور ہے یعنی نکاح کردیں تو ہوجائے گا اور حل بمعنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وھو اخص من وجہ من الصحۃ والحل جمیعا فقد ینفذ عقد ولا یصح ولا یحل کالبیع عند اذان الجمعۃ الٰی اجل مجھول وقد یصح و یحل ولا ینفذ کبیع فضولی مستجمعا شرائط الصحۃ والحل قال فی رد المحتار ظاھرہ ان الموقوف من قسم الصحیح وھو احد طریقین للمشائخ وھو الحق[1] الخ وقد یطلق بمعنی اللزوم قال فی رھن الدر القبض شرط اللزوم کما فی الھبۃ[2] اھ قال الشامی قال فی العنایۃ ھو مخالف لروایۃ العامۃ قال محمد لا یجوز الرھن الا مقبوضا اھ وفی السعدیۃ انہ علیہ الصلٰوۃ والسلام قال لا تجوز الھبۃ الا مقبوضۃ والقبض لیس بشرط الجواز فی الھبۃ فلیکن ھنا کذلک اھ وحاصلہ ان یفسر ھنا ایضا الجواز (باقی برصفحہ آیندہ)

اس فائدے کو تین بزرگوار محشی حضرات ـــــــ یعنی حلبی طحطاوی اور شامی نے بیان کیا، اور یہ معنی پہلے دو معنی یعنی صحیح اور حلال ہونے سے خاص من وجہ ہے کیونکہ کبھی عقد صحیح اور حلال نہ ہونے کے باوجود نافذ ہوتا ہے جیسے جمعہ کی اذان کے بعد بیع مجہول مدت کے ادھار پر ہو، اور کبھی عقد حلال اور صحیح ہوتا ہے لیکن نافذ نہیں ہوتا، جیسا کہ فضولی کی وُہ بیع جو حلال اور صحیح ہونے کی شرائط کی جامع ہو۔ رد المحتار میں کہا کہ موقوف بیع صحیح کی قسم ہے اور یہ مشائخ کے استعمال کے دو طریقوں میں ایک ہے اور یہی حق ہے الخ اور جواز بمعنی لزوم بھی استعمال ہوتا ہے۔ درمختار کے مسئلہ رہن میں ہے کہ قبضہ لزوم کے لیے شرط ہے جیسا کہ ہبہ میں ہوتا ہے اھ، اس پر علامہ شامی نے کہا کہ عنایہ میں کہا ہے کہ یہ عام روایت کے خلاف ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ رہن، قبضہ کے بغیر صحیح نہیں اھ اور سعدیہ میں ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا کہ ہبہ قبضہ کے بغیر جائز نہیں، جبکہ ہبہ کے جواز کے لیے قبضہ شرط نہیں ہے، مناسب ہے کہ یہاں بھی یونہی ہو اس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں رہن کے معاملہ میں بھی امام محمد کے قول میں جواز کی تفسیر لزوم کے ساتھ کی جائے نہ کہ صحت کے ساتھ جیسا کہ فقہائے نے ہبہ میں کیا یعنی لایجوز کا معنی یہی

---

[1] رد المحتار	کتاب البیوع	دار احیاء التراث العربی بیروت	۴/۳
[2] درمختار	کتاب الرہن	مطبع مجتبائی دہلی	۲/۲۶۵

عدم حرمت وطی بھی حاصل یعنی اس میں جماع زنا نہ ہوگا وطی حرام نہ کہلائے گا،

وذٰلك كقوله عزّ وجل واحل لكم ماوراء ذٰلكم مع ان فيهن من يكره نكاحهن تحريما كالكتابية كما سيأتي فعلمان الحل بهذا المعنى لاينافي الاثم في الاقدام على فعل النكاح فافهم واحفظ كيلا تزل والله الموفق.

اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد "تمھارے لئے حلال کی گئی ہیں محرمات کے سوا" حالانکہ غیر محرمات میں وُہ عورتیں بھی شامل ہیں جن سے نکاح مکروہ تحریمہ ہے جیسا کہ کتابیہ عورت کے بارے میں آئندہ بیان ہوگا' تومعلوم ہُوا کہ اس معنی میں حلال، نکاح کرنے کے اقدام پر گناہ کے منافی نہیں ہے، اس کو سمجھو اور یاد رکھو تاکہ غلط فہمی نہ ہو اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہی ہے۔ (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

باللزوم لا بالصحة كما فعلوا في الهبة اھ[1] مختصرًا وفي مداينات غمز العيون لوجاز اي لزم تاجيله لزم ان يمنع المقرض عن مطالبة قبل الاجل ولا جبر على المتبرع اھ[2] وهو اخص مطلقا من الصحة والنفاذ فقد يصح الشئ وينفذ ولا لزوم كتزويج العم من كفؤ بمهر المثل ولا لزوم لموقوف فهو ظاهر ولا لفاسد لانه واجب الفسخ، ومن وجه من الحل فقد يلزم ولا يحل كالبياعات المكروهة، والله تعالٰی اعلم ۱۲ منه غفرله (م)

لایلزم ہو (یعنی قبضہ کے بغیر رہن جائز تھا ہے لازم نہیں) اھ مختصرًا۔ اور غمز العیون کے مداینات میں ہے لوجاز یعنی مہلت لازم ہوگی تو لازم ہے کہ قرضخواہ کو مدت پوری ہونے سے قبل مطالبہ سے منع کیا جائے جبکہ قرض کی نیکی کرنے والے پر جبر نہیں ہوسکتا اھ اور جواز بمعنی لزوم، نفاذ اور صحت کے معنی سے خاص مطلق ہے کیونکہ کبھی چیز صحیح اور نافذ ہوتی ہے اور لازم نہیں ہوتی، جیسا کہ چچا زاد کا مہر مثل کے ساتھ کفوء میں لڑکی کا نکاح کرنا صحیح اور نافذ ہے مگر لازم نہیں کیونکہ یہ موقوف ہے اور موقوف چیز لازم نہیں ہوتی، اور یہ ظاہر ہے، اور فاسد بھی لازم نہیں کیونکہ وہ واجب الفسخ ہے اور جواز بمعنی لزوم جواز بمعنی حل سے خاص من وجہ ہے، کیونکہ کبھی چیز لازم ہوتی ہے مگر حلال نہیں ہوتی جیسا کہ مکروہ بیع کا حکم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۸

[2] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۴۷-۲۴۶

عبارات درمختار وغیرہ تجوز مناکحۃ المعتزلۃ لانا لا نکفر احدا من اھل القبلۃ وان وقع الزاما لھم فی المباحث[1] (معتزلہ سے نکاح جائز ہے ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے اگرچہ بحث کے طور پر ان پر کفر کا الزام ثابت ہے۔ت) کے یہی معنی ہیں، پُر ظاہر کہ نکاح عقد ہے اور ابھی بحرالرائق وطحطاوی و ردالمحتار سے گزرا کہ عقود میں غالب وشائع جواز بمعنی صحت ہے مگر وہ عدم جواز بمعنی ممانعت واثم کے منافی نہیں۔ فتح القدیر وغنیہ و بحرالرائق وغیرہا میں ہے:

یراد بعدم الجواز عدم الحل ای عدم حل ان یفعل وھو لاینافی الصحۃ[2]	عدمِ جواز سے عدمِ حل مراد لیا جاتا ہے یعنی اس کا کرنا حلال نہیں اور یہ صحیح کے منافی نہیں۔(ت)

رہا جواز فعل بمعنی عدم ممانعت شرعیہ یعنی بدمذہبوں سے سنیہ عورت کا نکاح کردینا روا ومباح ہو جس میں کچھ گناہ ومخالفت احکام شرع نہ ہو یہ ہرگز نہیں، ارشاد مشائخ کرام المناکحۃ بین اھل السنۃ و اھل الاعتزال لا تجوز[3] کے یہی معنی ہیں یعنی سنیوں اور معتزلیوں میں مناکحت مباح نہیں۔ فتاوی خلاصہ میں فرمایا:

المسألۃ فی مجموع النوازل[4] یہ مسئلہ مجموع النوازل امام فقیہ احمد بن موسٰی کشّی تلمیذ امام مفتی الجن والانس عارف باللہ سیدنا نجم الدین عمر النسفی میں ہے۔

اُسی میں فرمایا: کذا اجاب الامام الرستغفنی[5] امام رستغفنی نے ایسا ہی جواب ارشاد فرمایا۔

ردالمحتار میں نہایہ امام سغناقی سے ہے انھوں نے اپنے شیخ سے نقل کیا وُہ فرماتے تھے:

الرستغفنی امام معتمد فی القول والعمل ولو اُخذنا یوم القیٰمۃ للعمل بروایتہ ناخذہ کما اخذنا[6]	یعنی رستغفنی امام معتمد ہیں قول وفعل میں، اگر روزِ قیامت اُن کی روایت پر عمل میں ہم سے گرفت ہوئی تو ہم ان کا دامن پکڑیں گے کہ ہم نے ان کے ارشاد پر عمل کیا۔

---

[1] درمختار | فصل فی المحرمات | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۸۹
[2] فتح القدیر | باب الامامۃ | مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر | ۱/۳۰۴
[3] بحرالرائق | فصل فی المحرمات | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۳/۱۰۲
[4] خلاصۃ الفتاوٰی | کتاب النکاح جنس آخر فی الاجازۃ | مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ | ۲/۶
[5] " " " " " " " " " "
[6] ردالمحتار

وجیز امام کردری میں ہے :

سمعت عن ائمة خوارزم انه یتزوج من المعتزلی ولایزوج منھم کما یتزوج من الکتابی ولایزوج منھم ولعله اخذ ھذا التفصیل من کلام ابی حفص السفکردری[1]

میں نے بعض ائمہ خوارزم سے سُنا کہ معتزلی کی بیٹی تو بیاہ لے اور اپنی بیٹی ان کے نکاح میں نہ دے، جس طرح یہودی نصرانی کی بیٹی بیاہ لیتا ہے اور اپنی بیٹی اُن کے نکاح میں نہیں دیتا اور ممکن ہے کہ ان امام نے یہ تفصیل امام ابوحفص سفکردری کے قول سے اخذ کی۔

یہ دوسرا جواب ہے اس شبہہ کا، کہ مبتدعین کتابیوں سے بھی گئے گزرے ثم اقول وباللہ التوفیق (پھر میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی ہی سے ہے۔ ت) اگر نظر تحقیق کو رخصت جولان دیجئے تو بدمذہب سے سُنیہ کی تزویج ممنوع ہونے پر شرع مطہر سے دلائل کثیرہ قائم ہیں مثلاً :

دلیل اوّل : قال عزوجل واما ینسینك الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظّٰلمین[2]

اور اگر شیطان تجھے بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

بدمذہب سے زیادہ ظالم کون ہے اور نکاح کی صحبت دائمہ سے بڑھ کر کون سی صحبت، جب ہر وقت کا ساتھ ہے، اور وہ بدمذہب تو ضرور اس سے ناویدنی دیکھے گی ناشنیدنی سُنے گی اور انکار پر قدرت نہ ہوگی اور اپنے اختیار سے ایسی جگہ جانا حرام ہے جہاں منکر ہو اور انکار نہ ہوسکے نہ کہ عمر بھر کے لیے اپنے یا اپنی قاصرہ مقسورہ عاجزہ مقہورہ کے واسطے اس فضیحہ شنیعہ کا سامان پیدا کرنا۔

دلیل دوم : قال تبارك وتعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا) :

ومن اٰیٰتہٖ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودّۃ ورحمۃ[3]

اللہ کی نشانیوں سے ہے کہ اس نے تمھیں میں سے تمھارے جوڑے بنائے کہ ان سے مل کر چین پاؤ اور تمھارے آپس میں دوستی ومہر رکھی۔

اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علٰی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۱۲

[2] القرآن ۶/۶۸

[3] القرآن ۳۰/۲۱

ان للزوج من المرأۃ لشعبۃ ماھی لشیئ۔[1] رواہ ابن ماجۃ والحاکم عن محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

عورت کے دل میں شوہر کے لیے جو راہ ہے کسی کے لیے نہیں (اس کو ابن ماجہ اور حاکم نے محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

آیت گواہ ہے کہ زن وشوئی وُہ عظیم رشتہ ہے کہ خواہی نخواہی باہم انس ومحبت والفت ورافت پیدا کرتا ہے، اور حدیث شاہد ہے کہ عورت کے دل میں جو بات شوہر کی ہوتی ہے کسی کی نہیں ہوتی، اور بدمذہب کی محبت سمِ قاتل ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ومن یتولھم منکم فانہ منھم[2] تم میں جو ان سے دوستی رکھے گا وُہ انھیں میں سے ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المرء مع من احب[3]۔ رواہ الائمۃ احمد والستۃ الا ابن ماجہ عن انس والشیخان عن ابن مسعود واحمد ومسلم عن جابر وابوداؤد عن ابی ذر والترمذی عن صفوان بن عسال وفی الباب عن علی وابی ھریرۃ وابی موسٰی وغیرھم رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

آدمی کا حشر اُسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے (اس کو امام احمد اور ابن ماجہ کے ماسوا صحاح ستّہ کے ائمہ نے روایت کیا ہے حضرت انس سے اور بخاری ومسلم نے ابن مسعود سے، احمد ومسلم نے جابر سے، ابوداؤد نے ابوذر سے، اور ترمذی نے صفوان بن عسال سے، اور اس باب میں علی، ابوہریرہ، ابوموسٰی وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی روایت ہے۔ت)

دلیل سوم: قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰے نے فرمایا):

لاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ[4] اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور بدمذہبی ہلاک حقیقی ہے۔

قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا): ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ[5] (اور خواہش کے

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابہ دار الفکر بیروت ۴/ ۶۲
سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز باب ماجاء فی البکاء علی المیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۵

[2] القرآن ۵/ ۵۱

[3] سنن ابوداؤد کتاب الادب آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۴۳

[4] القرآن ۲/ ۱۹۵ [5] القرآن ۳۸/ ۲۶

پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی۔ت) اور صحبت خصوصاً بد کا اثر پڑ جانا احادیث و تجارب صحیحہ سے ثابت۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما مثل الجلیس الصالح و جلیس السوء کحامل المسك و نافخ الکیر فحامل المسك اما ان یحذیك و اما ان تبتاع منه و اما ان تجد منه ریحا طیبة و نافخ الکیر اما ان یحرق ثیابك و اما ان تجد منه ریحا خبیثة۔[1] رواہ الشیخان عن ابی موسٰی رضی اللہ تعالٰی عنه۔

اچھے اور برے ہمنشین کی کہاوت ایسی ہے جیسے ایک کے پاس مُشک ہے اور دوسرا دھونکنی پھونکتا وُہ مشک والا یا تجھے مفت دے گا یا تُو اس سے مول لے گا، اور کچھ نہیں تو خوشبو ضرور آئے گی، اور دھونکنی والا تیرے کپڑے جلادے گا یا تجھے اس سے بدبُو آئے گی۔ (اسے شیخین (امام بخاری ومسلم) نے ابوموسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم:

مثل جلیس السوء کمثل صاحب الکیران لم یصبك من سوادہ اصابك من دخانه۔[2] رواہ ابوداؤد والنسائی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه۔

بُرا ہمنشین دھونکنے والے کی مانند ہے تجھے اس کی سیاہی نہ پہنچے تو دُھواں تو پہنچے گا۔ (اس کو ابوداؤد اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کیا۔ت)

تیسری حدیث صریح میں فرماتے ہیں صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ایاکم و ایاھم لا یضلونکم و لا یفتنونکم۔[3] رواہ مسلم۔

گمراہوں سے دُور بھاگو، انھیں اپنے سے دور کرو، کہیں وُہ تمھیں بہکا نہ دیں، کہیں وہ تمھیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔ (اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ت)

چوتھی حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اعتبروا الصاحب بالصاحب۔[4] رواہ ابن عدی

مصاحب کو مصاحب پر قیاس کرو (اس کو ابن عدی

---

[1] صحیح بخاری باب المسك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۳۰

[2] سُنن ابوداؤد باب من یومران یجالس آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۰۸

[3] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰

[4] کنز العمال بحوالہ عبداللہ ابن مسعود حدیث ۲۴۷۳۰ مکتبۃ التراث الاسلامی حلب ۹/۱۱

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ حسن لشواھدہ۔

نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور اس کے شواہد کی بنا پر اس حدیث کو انھوں نے حسن قرار دیا۔ت)

پانچویں حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاك وقرین السوء فانك بہ تعرف[1]۔ رواہ ابن عساکر عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

بُرے ہمنشین سے دُور بھاگ کہ تُو اسی کے ساتھ مشہور ہوگا (اس کو ابن عساکر نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

ماشیئ ادل علی الشیئ ولا الدخان علی النار من الصاحب علی الصاحب[2]۔ ذکرہ التیسیر

کوئی چیز دوسری پر اور نہ دُھواں آگ پر اس سے زیادہ دلالت کرتا ہے جس قدر ایک ہمنشین دوسرے پر۔(اس کو تیسیر میں ذکر کیا گیا۔ت)

عقلاء کہتے ہیں گوش زدہ اثرے وارد نہ کہ عمر بھر کان بھرے جانا۔ پھر اس کے ساتھ **دُوسرا مؤید** شوہر کا اس پر حاکم ہونا۔ مجربین کہتے ہیں: الناس علٰی دین ملوکھم[3] (لوگ اپنے حکمرانوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ت) **تیسرا مؤید** عورت میں مادہ قبول وانفعال کی کثرت، وہ بہت نرم دل ہیں جلد اثر پذیر ہیں یہاں تک کہ اہلِ تجربہ میں موم کی ناک مشہور ہیں، خود رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: رویدك یا انجشۃ بالقواریر[4] (اے انجشہ! آبگینوں کو بچا کر رکھو۔ت) **چوتھا مؤید** ان کا ناقصات العقل والدین ہونا، یہ بھی رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا کما فی الصحیحین (جیسا کہ صحیحین میں ہے۔ت) **پانچواں مؤید** شوہر کی محبت، جس کا بیان آیت وحدیث سے گزرا اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حبك الشیئ یعمی ویصم[5]۔ رواہ احمد والبخاری

محبت اندھا بہرا کر دیتی ہے (اسے احمد و بخاری

[1] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر حدیث ۲۴۸۴۴ مکتبۃ التراث الاسلامی حلب ۹/۴۳

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث ماقبل کے تحت مکتبۃ امام شافعی الریاض السعودیہ ۱/۲۰۲

[3] المقاصد الحسنۃ حرف النون حدیث ۱۲۳۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۴۴۱

[4] صحیح بخاری باب المعاریض مندوحۃ عن الکذب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۱۷

[5] سنن ابوداؤد کتاب الادب باب فی الھوٰی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۴۳

فی التاریخ وابوداؤد عن ابی الدرداء و ابن عساکر بسند حسن عن عبد اللہ بن انیس و الخرائطی فی الاعتلال عن ابی برزۃ الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

نے اپنی تاریخ میں اور ابوداؤد نے ابودرداء سے، اور ابن عساکر نے سندِ حسن کے ساتھ عبداللہ بن انیس سے اور خرائطی نے اعتلال میں ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

الرجل علیٰ دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل[1] رواہ ابوداؤد والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسند حسن۔

آدمی اپنے محبوب کے دین پر ہوتا ہے تو دیکھ بھال کر کسی سے دوستی کرو (اسے ابوداؤد اور ترمذی نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ ت)

مسلمانو! اللہ عزوجل عافیت بخشے دل پلٹتے خیال بدلتے کیا کچھ دیر لگتی ہے قلب کو قلب کہتے ہی اس لیے ہیں کہ وُہ منقلب ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثل القلب مثل الریشۃ تقلبھا الریاح بفلاۃ[2] رواہ ابن ماجۃ عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دل کی حالت اُس پر کی طرح ہے کہ میدان میں پڑا ہو اور ہوائیں اسے پلٹے دے رہی ہوں۔ (اس کو ابن ماجہ نے ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

نہ کہ عورتوں کا سا نرم و نازک دل اور اس پر یہ صحبت وسماع متصل پھر واسطہ حاکمی محکومی کا اور اُس کے ساتھ مہر و محبت کا غضب جذبہ باعثوں داعیوں کا یہ متواتر و فور اور مانع کہ عقل و دین تھے اُن میں نقصان و قصور تو اس تزویج میں قطعاً یقیناً عورت کی گمراہی و تبدیل مذہب کا مظنہ قویہ ہے اور یہ خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنا ہے کہ بنصِ قطعی قرآن ممنوع و ناروا ہے شرع مطہر جس چیز کو حرام فرماتی ہے اس کے مقدمہ و داعی کو بھی حرام بتاتی ہے مقدمۃ الحرام حرام (حرام کا پیش خیمہ بھی حرام ہوتا ہے۔ ت) مقدمۂ مسلمہ ہے،

قال اللہ تعالیٰ (اللہ تعالےٰ نے فرمایا):

ولا تقربوا الزنیٰ انہ کان فاحشۃ و

زنا کے پاس نہ جاؤ بیشک وُہ بے حیائی ہے اور

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الادب باب من یؤمران یجالس آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۸

[2] سنن ابن ماجہ باب فی القدر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰

ساء سبیلا[1] ۔ بہت بُری راہ ۔

جس طرح زنا حرام ہوا زنا کے پاس جانا بھی حرام ہُوا اور یہ خیال کہ ممکن ہے اثر نہ ہو محض نافہمی اور عقل و نقل دونوں سے بیگانگی ہے داعی کے لیے مفضی بالدوام ہونا ضرور نہیں آخر بوس وکنار ومس و نظر دواعی وطی داعی ہی ہونے کے باعث حرام ہُوئے مگر ہرگز مستلزم ومفضی دائم نہیں۔

دلیل چہارم : قال المولی تبارك وتعالی (مولٰی تبارک وتعالٰی نے فرمایا) :

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض[2] ۔ مرد حاکم و مسلط ہیں عورتوں پر بسبب اُس فضیلت کے جو اللہ نے ایک کو دوسرے پر دی۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

اعظم الناس حقا علی المرأۃ زوجھا[3] ۔ رواہ الحاکم وصححہ عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔ عورت پر سب سے بڑھ کر حق اُس کے شوہر کا ہے (اسے حاکم نے روایت کیا اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اس کی تصحیح کی۔ ت)

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

لوکنت اٰمرا احدا ان یسجد لاحد لامرت النساء ان یسجدن لازواجھن لما جعل اللہ لھم علیھن من الحق[4] ۔ ولوکان من قدمہ الی مفرق رأسہ قرحۃ تنجس بالقیح والصدید ثم استقبلتہ فلحستہ ما ادت حقہ[5] ۔ رواہ ابوداؤد والحاکم بسند صحیح عن قیس بن سعد بن عبادۃ واحمد اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ غیر خدا کو سجدہ کرے تو البتہ عورتوں کو حکم کرتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں بسبب اُس حق کے کہ اللہ عزوجل نے اُن کے لیے ان پر رکھا ہے۔ اور اگر شوہر کی ایڑی سے مانگ تک سارا جسم پھوڑا ہو جس سے پیپ اور گندا پانی جوش مارتا ہو عورت آکر اپنی زبان سے اسے چاٹ کر صاف کرے تو خاوند کا حق ادا نہ کیا (اس کو ابوداؤد

---

[1] القرآن ۱۷/ ۳۲

[2] القرآن ۴/ ۳۴

[3] مستدرک للحاکم کتاب البر والصلۃ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۵۰

[4] سنن ابی داؤد باب فی حق الزوج علی المرأۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۱

المستدرک للحاکم کتاب النکاح دارالفکر بیروت ۲/ ۱۸۷

[5] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند انس بن مالک " ۳/ ۱۵۹

والترمذی عن انس بن مالك وفصل السجود احمد وابن ماجة وابن حبان عن عبدالله بن ابی اوفی والترمذی وابن ماجة عن ابی هریرة و احمد عن معاذ بن جبل و الحاکم عن بریدة الاسلمی رضی الله تعالٰی عنهم اجمعین۔

اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ قیس بن سعد بن عبادہ، اور احمد اور ترمذی نے انس بن مالک سے، اور احمد، ابن ماجہ اور ابن حبان نے عبدالعزیز بن ابی اوفی سے سجدہ کی فصل میں، اور ترمذی اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے، اور احمد نے معاذ بن جبل اور حاکم نے بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے (ت)

الغرض شوہر عورت کے لیے سخت واجب التعظیم ہے اور بدمذہب کی تعظیم حرام۔ متعدد حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام[1]۔ رواہ ابن عدی وابن عساکر عن ام المؤمنین الصدیقة والحسن بن سفیان فی مسندہ وابونعیم فی الحلیة عن معاذ بن جبل والسجزی فی الابانة عن ابن عمر وکابن عدی عن ابن عباس والطبرانی فی الکبیر وابونعیم فی الحلیة عن عبدالله بن بسر والبیهقی فی شعب الایمان عن ابراهیم بن میسرة التابعی المکی الثقة مرسلا فالصواب ان الحدیث حسن بطرقه۔

جس نے کسی بدمذہب کی توقیر کی اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد کی (اس کو ابن عدی اور ابن عساکر نے ام المومنین عائشہ صدیقہ اور حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں اور ابونعیم نے حلیہ میں معاذ بن جبل سے اور سجزی نے ابانۃ میں ابن عمر سے اور ابن عدی نے ابن عباس سے اور طبرانی نے کبیر میں اور ابونعیم نے حلیہ میں عبداللہ بن بُسر اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابراہیم بن میسرۃ تابعی مکی سے مرسل طور پر روایت کیا ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ اپنے طرق پر یہ حدیث حسن ہے۔ ت)

علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ مبتدع تو مبتدع فاسق بھی شرعاً واجب الاہانۃ ہے اور اُس کی تعظیم ناجائز۔ علامہ حسن شرنبلالی مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:

الفاسق العالم تجب اهانته شرعا فلا یعظم[2]۔

فاسق عالم کی شرعاً توہین ضروری ہے اس لئے اس کی تعظیم نہ کی جائے۔ (ت)

---

[1] شعب الایمان حدیث نمبر ۹۴۶۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷/۶۱

[2] مراقی الفلاح فصل فی بیان الاحق بالامامۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۵

امام علامہ فخر الدین زیلعی تبیین الحقائق، پھر علامہ سید ابو السعود ازہری فتح المعین، پھر علامہ سید احمد مصری حاشیۂ درمختار میں فرماتے ہیں:

قد وجب علیھم اھانتہ شرعا[1] ان پر اس کی اہانت ضروری ہے (ت)

علامہ محقق سعد الملۃ والدین تفتازانی مقاصد و شرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

حکم المبتدع البغض والعداوۃ والاعراض عنہ والاھانۃ والطعن واللعن[2] بدمذہب کے لیے حکم شرعی یہ ہے کہ اس سے بغض و عداوت رکھیں، روگردانی کریں، اس کی تذلیل و تحقیر بجا لائیں، اُس سے لعن و طعن کے ساتھ پیش آئیں۔

لاجرم ثابت ہوا کہ بدمذہب کو سُنّیہ کا شوہر بنانا گناہ و ناجائز ہے۔

دلیل پنجم: قال العلی الاعلی جل وعلا (اللہ بلند و اعلیٰ نے فرمایا:) والفیا سیدھا لدی الباب[3] ان دونوں نے زلیخا کے سید و سردار یعنی شوہر کو پایا دروازے کے پاس۔ ردالمحتار باب الکفاءۃ میں ہے:

النکاح رق للمرأۃ والزوج مالک[4] نکاح سے عورت کنیز ہوجاتی ہے اور شوہر مالک۔ اور رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا تقولوا للمنافق یاسید فانہ ان یک سیدا فقد اسخطتم ربکم عزوجل[5] رواہ ابوداؤد و النسائی بسند صحیح عن بریدۃ بن الحصیب رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ منافق کو "اے سردار" کہہ کر نہ پکارو کہ اگر وہ تمہارا سردار ہو تو بیشک تم نے اپنے رب عزوجل کو ناراض کیا۔ (اس کو ابوداؤد اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ بریدہ بن حصیب رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

حاکم نے صحیح مستدرک میں بافادۂ تصحیح اور بیہقی نے شعب الایمان میں ان لفظوں سے روایت کی کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] طحطاوی علی الدرالمختار باب الامامۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۴۳
[2] شرح مقاصد المبحث الثامن حکم المومن دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۲/۲۷۰
[3] القرآن الکریم ۱۲/۲۵
[4] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۷
[5] سنن ابی داؤد کتاب الادب آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۲۴

اذا قال الرجل للمنافق یا سید فقد اغضب ربہ[1] — جو شخص کسی منافق کو "سردار" کہہ کر پکارے وہ اپنے رب عزوجل کے غضب میں پڑے۔

امام حافظ الحدیث عبدالعظیم زکی الدین منذری نے کتاب الترغیب والترہیب میں ایک باب وضع کیا۔

الترھیب من قولہ لفاسق او مبتدع ، یا سیدی ، او نحوھا من الکلمات الدالۃ علی التعظیم[2] — یعنی ان حدیثوں کا بیان جن میں کسی فاسق یا بدمذہب کو "اے میرے سردار" یا کوئی کلمہ تعظیم کہنے سے ڈرانا۔

اور اس باب میں یہی حدیث انھیں روایات ابی داؤد ونسائی سے ذکر فرمائی۔ جب صرف زبان سے "اے میرے سردار" کہہ دینا باعث غضب رب جل جلالہ ہے تو حقیقۃً سردار و مالک بنالینا کس قدر سخت موجب غضب ہوگا والعیاذ باللہ رب العالمین۔

دلیل ششم : یا ایھا الناس ضرب مثل فاستمعوا لہ[3] واللہ لا یستحیی من الحق[4] — اے لوگو! ایک مثل کہی گئی اُسے کان لگا کر سنو۔ بیشک اللہ عزوجل حق بات فرمانے میں نہیں شرماتا۔

ایحب احدکم ان تکون کریمتہ فراش کلب فکرھتموہ[5] — کیا تم میں کسی کو پسند آتا ہے کہ اس کی بیٹی یا بہن کسی کتے کے نیچے بچھے تم اسے بہت برا جانو گے۔

رب جل وعلیٰ نے غیبت کو حرام ہونا اسی طرز بلیغ سے ادا فرمایا:

ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ[6] — کیا تم میں سے کوئی پسند رکھتا ہے کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے، تو یہ تمھیں برا لگا۔

---

[1] مستدرک للحاکم — کتاب الرقاق — دار الفکر بیروت — ۳۱۱/۴
شعب الایمان — حدیث ۴۸۸۳ — دار الکتب العلمیہ بیروت — ۲۳۰/۴
[2] الترغیب والترھیب — الترھیب من قولہ لفاسق او مبتدع یا سیدی الخ — مصطفی البابی مصر — ۵۷۹/۳
[3] القرآن الکریم ۷۳/۲۲
[4] القرآن الکریم ۵۳/۳۳
[5] سنن ابن ماجہ — ابواب النکاح — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ص ۱۳۹
مسند احمد بن حنبل — مروی از مسند علی رضی اللہ عنہ — دار الفکر بیروت — ۸۶/۱
[6] القرآن الکریم ۱۲/۴۹

25
25

سنیو سنیو اگر سُنّی ہو تو بگوش سُنو لیس لنا مثل السوء التی صارت فراش مبتدع کالتی کانت فراشا لکلب ہمارے لیے بُری مثل نہیں جو عورت کسی بد مذہب کی جورو بنی وہ ایسی ہی ہے جیسے کسی کتے کے تصرف میں آئی، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کوئی چیز دے کر پھیر لینے کا ناجائز ہونا اسی وجہ نیق سے بیان فرمایا:

العائد فی ھبتہ کالکلب یعود فی قیئہ لیس لنا مثل السوء[1]
اپنی دی ہُوئی چیز پھیرنے والا ایسا ہے جیسے کُتّا قے کرکے اُسے پھر کھالیتا ہے، ہمارے لیے بُری مثل نہیں؛

اب اتنا معلوم کرنا رہا کہ بد مذہب کُتّا ہے یا نہیں؟ ہاں، ضرور ہے بلکہ کُتّے سے بھی بدتر و ناپاک تر، کُتّا فاسق نہیں اور یہ اصل دین و مذہب میں فاسق ہے، کُتّے پر عذاب نہیں اور یہ عذاب شدید کا مستحق ہے، میری نہ مانو سید المرسلین صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث مانو، ابوحازم خزاعی اپنے جزء حدیثی میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اصحاب البدع کلاب اھل النار[2] بدمذہبی والے جہنمیوں کے کتے ہیں۔

امام دارقطنی کی روایت یوں ہے:

حدثنا القاضی الحسین بن اسمٰعیل نا محمد بن عبد اللہ المخرمی نا اسمٰعیل بن ابان نا حفص بن غیاث عن الاعمش عن ابی غالب عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھل البدع کلاب اھل النار[3]۔

(قاضی حسین بن اسمٰعیل نے محمد بن عبد اللہ مخرمی سے انھوں نے اسمٰعیل بن ابان سے انھوں نے حفص بن غیاث سے انھوں نے اعمش سے انھوں نے ابوغالب سے انھوں نے ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) بدمذہب لوگ دوزخیوں کے کُتّے ہیں۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۱/۲۱۷
[2] فیض القدیر شرح جامع الصغیر حدیث ۱۰۸۰ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۵۲۸
کنز العمال بحوالہ ابی حاتم الخزاعی " ۱۰۹۴ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۱۸
[3] کنز العمال بحوالہ قط فی الافراد عن ابی امامہ " ۱۱۲۵ " " " ۱/۲۲۳

ابونعیم حلیہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اھل البدع شر الخلق و الخلیقۃ [1] — بدمذہب لوگ سب آدمیوں سے بدتر اور سب جانوروں سے بدتر ہیں۔

علامہ مناوی نے تیسیر میں فرمایا:

الخلق الناس و الخلیقۃ البھائم [2] — خلق سے مراد لوگ اور خلیقہ سے مراد جانور ہیں (ت)۔

لاجرم حدیث میں ان کی مناکحت سے ممانعت فرمائی۔ عقیلی و ابن حبان حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰے عنہ سے راوی، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا تجالسوھم، ولا تشاربوھم، ولا تواکلوھم ولا تناکحوھم [3] — بدمذہبوں کے پاس نہ بیٹھو، ان کے ساتھ پانی نہ پیو، نہ کھانا کھاؤ، ان سے شادی بیاہ نہ کرو۔

دلیل ہفتم: کتابیہ سے نکاح کا جواز عدم ممانعت و عدم گناہ صرف کتابیہ ذمیہ میں ہے جو مطیع الاسلام ہو کر دارالاسلام میں مسلمانوں کے زیرِ حکومت رہتی ہو وہ بھی خالی از کراہت نہیں بلکہ بے ضرورت مکروہ ہے۔

فتح القدیر وغیرہ میں فرمایا:

الاولی ان لا یفعل ولا یأکل ذبیحتھم الا للضرورۃ [4] — بہتر یہ ہے کہ بلا ضرورت ان سے نکاح نہ کرے اور نہ ذبیحہ کھائے۔ (ت)

مگر کتابیہ حربیہ سے نکاح یعنی مذکورہ جائز نہیں بلکہ عند التحقیق ممنوع و گناہ ہے، علمائے کرام وجہ ممانعت اندیشہ فتنہ قرار دیتے ہیں کہ ممکن کہ اس سے ایسا تعلقِ قلب پیدا ہو جس کے باعث آدمی دارالحرب میں وطن کر لے نیز بچے پر اندیشہ ہے کہ کفار کی عادتیں سیکھے نیز احتمال ہے کہ عورت بحالتِ حمل قید کی جائے تو بچہ غلام بنے۔ محیط میں ہے:

یکرہ تزوج الکتابیۃ الحربیۃ لان الانسان لا یأمن ان یکون بینھما ولد فینشأ علٰی طبائع اھل الحرب ویتخلق باخلاقھم فلا — حربیہ کتابیہ عورت سے نکاح مکروہ ہے کیونکہ انسان اس بات سے بے فکر نہیں ہو سکتا کہ اس سے بچہ پیدا ہو تو وہ اہل حرب میں پرورش پائیگا اور انکے طور طریقے اپنائے گا اور پھر مسلمان اس بچے

---

[1] حلیۃ الاولیا ترجمہ ابو مسعود موصلی دار الکتاب العربی بیروت ۸/۲۹۱

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ما قبل مکتبہ امام شافعی الریاض سعودیہ ۱/۳۸۳

[3] الضعفاء الکبیر للعقیلی حدیث ۱۵۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۲۶

[4] فتح القدیر فصل فی بیان المحرمات نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۳۵

يستطيع المسلم قلعه عن تلك العادة[1] — ان کی عادات چھوڑنے پر قادر نہ ہوگا۔ (ت)

فتح اللہ المعین میں علامہ سید احمد حموی سے ہے:

عم مالو كانت حربية ولكن مكروه بالاجماع لانه ربما يختار المقام في دار الحرب ولانه فيه تعريض ولده للرق فربما تحبل وتسبي معه فيصير ولده رقيقا وان كان مسلما وربما يتخلق الولد باخلاق الكفار[2] — جوازِ نکاح کا حکم کتابیہ حربیہ کو بھی شامل ہے لیکن یہ مکروہ ہے بالاجماع، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ بیوی کی وجہ سے دارالحرب میں قیام پسند کرلے، اور اس لیے بھی کہ اس میں بچے کو غلامی میں مبتلا کرنے کی سبیل ہوسکتی ہے کہ اس کی وہ حاملہ بیوی مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوجائے تو بچہ بھی ماں کی وجہ سے قیدی ہوکر غلام بن جائے اگرچہ وہ مسلمان ہے نیز وہ بچہ دارالحرب میں کفار کی عادات کو اپنا سکتا ہے۔ (ت)

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں بعد عبارت مذکورہ فرمایا:

وتكره الكتابية الحربية اجماعا لانفتاح باب الفتنة من امكان التعلق المستدعي للمقام معها في دار الحرب وتعريض الولد على التخلق باخلاق اهل الكفر وعلى الرق بان تسبى وهي حبلى فيولد رقيقا وان كان مسلما[3] — حربیہ کتابیہ بالاجماع مکروہ ہے کیونکہ اس سے فتنے کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ ہے وہ یہ کہ بیوی سے تعلق مسلمان مرد کو دارالحرب میں رہنے پر آمادہ کرسکتا ہے اور بچے کو کفار کی عادات کا عادی بنانے کا راستہ ہے نیز بچے کی غلامی کے لیے راستہ ہموار کرنے کی کوشش ہے کیونکہ ہوسکتا ہے وہ بیوی حاملہ ہوکر مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوجائے تو بچہ بھی ماں کی وجہ سے غلام بنے اگرچہ وہ مسلمان ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله والاولى ان لا يفعل يفيد كراهة التنزيه في غير الحربية وما بعده يفيد كراهة التحريم في الحربية[4] — اس کے قول کہ "بہتر ہے نہ کرے" سے یہ فائدہ ملتا ہے کہ کتابیہ غیر حربیہ سے نکاح مکروہ تنزیہی ہے جبکہ اس کا مابعد میں حربیہ کے بارے میں مکروہ تحریمی ہونے کا فائدہ دیتا ہے (ت)

---

[1] بحرالرائق بحوالہ المحیط فصل فی المحرمات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۰۳

[2] فتح المعین " " " ۲/۲۰

[3] فتح القدیر " نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۳۵

[4] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۸۹

اہل انصاف ملاحظہ کریں کہ جو اندیشے ائمہ کرام نے وہاں مرد اور اولاد کے لیے پیدا کیے وہ زائد ہیں یا یہ جو یہاں عورت و اولاد کے لیے ہیں، وہاں مرد کا معاملہ ہے یہاں عورت کا، وہ حاکم ہوتا ہے یہ محکومہ، وہ مستقل ہوتا ہے یہ متلونہ، وہ مؤثر ہوتا ہے یہ متاثر، وہ عقل و دین میں کامل ہوتا ہے یہ ناقصہ، وہ اگر دار الحرب میں متوطن ہوگیا تو گنہگار ہوا دین نہ گیا یہ اگر اس کی صحبت میں مبتدعہ ہوگئی تو دین ہی رخصت ہوا۔ بچہ بعد شعور اپنے باپ کی تربیت میں رہتا ہے وہاں باپ مسلم ہے یہاں بدمذہب، وہاں کافروں کی عادتیں ہی سیکھنے کا احتمال ہے یہاں خود مذہب کے بدل جانے کا قوی مظنہ، وہاں اگر غلام بنا تو ایک دنیوی ذلت ہے آخرت میں ہزاروں غلام کروڑوں آزادوں سے اعز و اعلیٰ ہوں گے یہاں اگر رافضی وہابی ہوگیا تو اخروی ذلت دینی فضیحت ہے، وہاں غلامی ایک احتمال ہی احتمال تھی اور یہاں یہ بدانجامی مظنون قوی، تو وہاں وہ اندیشے اگر کراہت تنزیہیہ لاتے یہاں یہ ظنون کراہت تحریمیہ تک پہنچ جاتے۔ ہم اوپر گزارش کر چکے ہیں کہ شرعاً جو چیز حرام ہے اس کے مقدمات و دواعی بھی حرام ہوتے ہیں، اور جب کہ وہاں ان کے سبب کراہت تحریم مانیں تو یہاں ان کے باعث کھلی تحریم رکھی ہے۔ یہ تیسرا جواب ہے اس شبہہ کا کہ یہ ان سے بھی گئے گزرے، مع ہذا شرع مطہر میں اگرچہ وہ مبتدع جس کی بدعت حد کفر کو نہ پہنچی آخرت میں کفار سے ہلکا رہے گا ان کا عذاب ابدی ہے اور اس کا منقطع اور بعد موت دنیوی احکام میں بھی خفت ہوگی مگر اس کے جیتے جی اس کے ساتھ برتاؤ کافر ذمی کے برتاؤ سے اشد ہے اور اس کی وجہ ہر ذی عقل پر روشن، کافر ذمی سے ہرگز وہ اندیشہ نہیں جو اس دشمن دین مدعی اسلام و خیر خواہی مسلمین سے ہے وہ کھلا دشمن ہے اور یہ مار آستین، اس کی بات کسی جاہل سے جاہل کے دل پر نہ جمے گی کہ سب جانتے ہیں یہ مردود کافر ہے خدا و رسول کا صریح منکر ہے، اور یہ جب قرآن و حدیث ہی کے حیلے سے بہکائے گا تو ضرور اسرع و اظہر ہے والعیاذ باللہ رب العلمین۔ امام حجۃ الاسلام محمد محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں،

ان کانت البدعۃ بحیث یکفربھا فامرہ اشد من الذمی لانہ لایقر بجزیۃ ولا یسامح بعقد ذمۃ و ان کان ممالا یکفربہ فامرہ بینہ و بین اللہ اخف من امر الکافر لامحالۃ ولکن الامر فی الانکار علیہ اشد منہ علی الکافر لان شر الکافر غیر متعد

وہ بدعت جو مسلمان کو کفر میں مبتلا کر دے تو ایسا کافر بدعتی دار الاسلام میں ذمی کافر سے بدتر ہے کیونکہ وہ جزیہ کا پابند نہیں بنتا اور نہ ہی وہ عقد ذمہ کی پروا کرتا ہے اور اگر بدعت ایسی ہو جس کی وجہ سے بدعتی کو کافر نہیں کہا جا سکتا تو ایسے بدعتی کا معاملہ کافر کی نسبت سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ضرور خفیف ہے لیکن اس کی تردید کا معاملہ کافر کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہے کیونکہ کافر کا شر مسلمانوں کے لیے اتنا نقصان دہ

فان المسلمین اعتقدوا کفرہ فلا یلتفتون الی قولہ اذ لایدعی الاسلام و اعتقاد الحق اما المبتدع الذی یدعوا الی البدعۃ ویزعم ان ما یدعوالیہ حق فھو سبب لغوایۃ الخلق فشرہ متعد فالاستحباب فی اظہار بغضہ ومعاداتہ والانقطاع عنہ وتحقیرہ والتشنیع علیہ ببدعتہ وتنفیر الناس عنہ اشد[۱]

نہیں کیونکہ مسلمان اس کے کافر ہونے کی وجہ سے اس کی بات کو قابلِ التفات نہیں سمجھتے کیونکہ وہ اسلام اور حق کا مدعی نہیں بنتا لیکن گمراہ بدعتی اپنی بدعت کو حق قرار دے کر لوگوں کو اس طرف دعوت دیتا ہے اس لیے وُہ عوام الناس کو گمراہ کرنے کا سبب بنتا ہے لہٰذا اس کا شر زیادہ مؤثر ہے' ایسے شخص کو بُرا جاننا اس کی مخالفت کرنا، اس سے قطع تعلق کرنا، اس کی تحقیر کرنا، اس کا رَد کرنا اور لوگوں کو اس سے متنفر کرنا زیادہ باعثِ اجر وثواب ہے۔ (ت)

یہ چوتھا جواب ہے اُس شُبہہ کا الحمدُ ﷲ آفتابِ حق بے حجاب سحاب متجلّی ہوا اور دلائل واضحہ سے نہ صرف وہابی بلکہ ہر بدمذہب کے ساتھ سُنّیہ کی تزویج کا باطل محض یا اقل درجہ ممنوع وگناہ ہونا ظاہر ہوگیا، ہاں ہمارے بعض بھائیوں کا بعض متقشف وہابیہ کے فریب سے دھوکا یا کہ یہ عذر باقی ہے کہ یہ احکام تو ان کے لیے ہیں جو مذہبِ اہلسنت سے خارج ہیں اور وہابی ایسے نہیں فلاں فلاں وہابی تو سُنّی ہیں، اس کا جواب اسی قدر بس ہے کہ عزیز بھائیو! دینِ حق کے فدائیو! دیکھو یہ دام در سبزہ میں دھوکے میں نہ آیو، بھلا وہابی صاحب جو چاہیں بکیں وہاں نہ خوفِ خدا نہ خلق کی حیا، مگر پیارے سنّیو! تم نے یہ کیونکر باور کرلیا کہ بعض وہابی اہلسنت ہیں۔ عزیزو! کیا یہ اس کہنے سے کچھ زیادہ عجیب تر ہے کہ فلاں رات دن ہے یا فلاں نصرانی مومن ہے۔ جب سنّت و وہابیت سے صاف مباین ہے تو ان کا اجتماع کیونکر ممکن ہے۔ ہاں یُوں کہتے تو ایک بات تھی کہ فلاں فلاں لوگ جو وہابی کہلاتے ہیں وہابی نہیں اہلسنت ہیں۔ بہت اچھا، چشم ما روشن دلِ ما شاد، خدا ایسا ہی کرے، اگر واقع اس کے مطابق ہے تو ہمارا کیا ضرر، اور اس فتوے پر اس سے کیا اثر، فتوٰی میں زید وعمرو کسی کی تعیین نہ تھی، سائل نے وہابی کی نسبت سوال کیا مجیب نے وہابی کے باب میں جواب دیا فلاں اگر وہابی نہیں سُنّی ہے اس سوال وجواب دونوں سے بری ہے۔ فتوٰی کی صحت میں کیا شک پروری ہے۔ پھر عزیز بھائیو! یہ تنزلی جواب اس کے تسلیم ادعا پر مبنی ہے، ابھی امتحان کا مرحلہ باقی و دیدنی ہے، زبان سے کہہ دینا کہ ہم وہابی نہیں گنتی کے لفظ ہیں کچھ بھاری نہیں،

الٓمّٓ ﴿۱﴾ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اس زبانی کہہ دینے پر

---

[۱] احیاء العلوم کتاب الالفۃ والاخوۃ بیان مراتب الذین یبغضون فی اللہ مکتبہ ومطبعۃ المشہد الحسینی القاہرہ مصر ۲/ ۱۶۹

وھم لایفتنون[1]

چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی۔

لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالٰی ہمیں کافی ہے اور وہ اچھا وکیل ہے کوئی حرکت اور کوئی قوت اللہ تعالٰی عظیم وبلند کی مشیت کے بغیر نہیں ہے۔ (ت)

بہت اچھا جو صاحب مشتبہ الحال وہابیت سے انکار فرمائیں امورِ ذیل پر دستخط فرماتے جائیں ع

کھوٹے کھرے کا پردہ کُھل جائے گا چلن میں

(۱) مذہب وہابیہ ضلالت وگمراہی ہے۔

(۲) پیشوایانِ وہابیہ مثل ابن عبدالوہاب نجدی و اسمٰعیل دہلوی و نذیر حسین دہلوی و صدیق حسن بھوپالی اور دیگر چھُٹ بھیے آروی بٹالی پنجابی بنگالی سب گمراہ بددین ہیں۔

(۳) تقویۃ الایمان وصراط مستقیم ورسالہ یکروزی وتنویر العینین تصانیفِ اسمٰعیل اور ان کے سوا دہلوی و بھوپالی وغیرہما وہابیہ کی جتنی تصنیفیں ہیں صریح ضلالتوں گمراہیوں اور کلماتِ کفریہ پر مشتمل ہیں۔

(۴) تقلیدِ ائمہ فرض قطعی ہے بے حصول منصب اجتہاد اُس سے رُوگردانی بددین کا کام ہے، غیر مقلدین مذکورین اور ان کے اتباع واذناب کہ ہندوستان میں نامقلدی کا بیڑا اٹھائے ہیں محض سفیہان نامشخص ہیں ان کا تارک تقلید ہونا اور دوسرے جاہلوں اور اپنے سے اجہلوں کو ترک تقلید کا اغوا کرنا صریح گمراہی وگمراہ گری ہے۔

(۵) مذاہبِ اربعہ اہلسنّت سب رشد وہدایت ہیں جو ان میں سے جس کی پیروی کرے اور عمر بھر اسی کا پیرو رہے، کبھی کسی مسئلہ میں اُس کے خلاف نہ چلے، وہ ضرور صراط مستقیم پر ہے، اُس پر شرعًا کوئی الزام نہیں ان میں سے ہر مذہب انسان کے لیے نجات کو کافی ہے تقلیدِ شخصی کو شرک یا حرام ماننے والے گمراہ ضالین متبع غیر سبیل المومنین ہیں۔

(۶) متعلقاتِ انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء مثل استعانت ونداء وعلم وتصرف بعطائے خدا وغیرہ مسائل متعلقہ اموات واحیاء میں نجدی ودہلوی اور اُن کے اذناب نے جو احکام شرک گھڑے اور

---

[1] القرآن الکریم ۲۹/ ۲

عامۂ مسلمین پر بلاوجہ ایسے ناپاک حکم جڑے یہ اُن گمراہوں کی خباثت مذہب اور اس کے سبب انھیں استحقاق عذاب و غضب ہے۔

(۷) زمانہ کو کسی چیز کی تحسین و تقبیح میں کچھ دخل نہیں، امر محمود جب واقع ہو محمود ہے اگرچہ قرونِ لاحقہ میں ہو، اور مذموم جب صادر ہو مذموم ہے اگرچہ ازمنۂ سابقہ میں ہو۔ بدعتِ مذمومہ صرف وُہ ہے جو سنّتِ ثابتہ کے ردّ و خلاف پر پیدا کی گئی ہو، جواز کے واسطے صرف اتنا کافی ہے کہ خدا و رسول نے منع نہ فرمایا، کسی چیز کی ممانعت قرآن و حدیث میں نہ ہو تو اسے منع کرنے والا خود حاکم و شارع بننا چاہتا ہے۔

(۸) علمائے حرمین طیبین نے جتنے فتاوے و رسائل مثل الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ وغیرہا ردِ وہابیہ میں تالیف فرمائے سب حق و ہدایت ہیں اور ان کا خلاف باطل و ضلالت۔

حضرات! یہ جنت سنت کے آٹھ باب ہادیٔ حق و صواب ہیں، جو صاحب بے پھیر پھار بے حیلۂ انکار بکشادہ پیشانی ان پر دستخط فرمائیں تو ہم ضرور مان لیں گے کہ وہ ہرگز وہابی نہیں، ورنہ ہر ذی عقل پر روشن ہوجائیگا کہ منکر صاحبوں کا وہابیت سے انکار نرا حیلہ ہی حیلہ تھا، مسمے پر جمنا اور اسم سے رمنا، اس کے کیا معنے ع

منکر می بودن و در رنگ مستاں زیستن

(منکر ہونا اور مستوں کے رنگ میں جینا۔ ت)

واللّٰہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم[1]۔ (اللہ تعالٰی جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔ ت)

الحمدُ للہ کہ یہ مختصر بیان تصدیق منظرِ حق و تحقیق اوائل عشرۂ اخیرۂ ماہ مبارک ربیع الاول شریف سے چند جلسوں میں بدرسمائے تمام اور بلحاظِ تاریخ "ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار" نام ہوا، وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا و مولٰنا محمد و اٰلہ و اصحابہ اجمعین والحمد للہ رب العٰلمین۔

مسئلہ ۲ غرہ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سنّی المذہب ہے اور ہندہ زوجہ شیعی مذہب رکھتی ہے اور باہم کسی طریقہ پر عقد بھی ہوگیا ہے ایسی حالت میں شرعاً ہمبستری یعنی مجامعت جائز ہے اور ایسی حالت میں جو اولاد ہوگی وہ نطفہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

آج کل کے روافض تبرائی علی العموم کافر مرتد ہیں شاید شاذ و نادر اُن میں کوئی مسلمان نکل سکے،

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۳

جیسے کوؤں میں سپید رنگ کا کوا۔ ایسی عورت سے نکاح محض باطل ہے اور قربت صریح زنا، اور اولاد یقیناً ولد الزنا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۱: از کلکتہ سندریا پٹی ۹-۱ متصل مسجد ناخدا دکان کتب شیخ فخر الدین مرسلہ نظیر حسن صاحب ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

بعالی خدمت جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب دام افضالہ پس از سلام مسنون الاسلام آنکہ زید نے اپنی سگی یعنی حقیقی بہن کی لڑکی کی لڑکی سے بحکم ایک عالم کے عقد کیا یہ از روئے شرع شریف کے عند الاحناف جائز ہے یا ناجائز ہے؟ مفصل تحریر فرمائیے، بینوا توجروا۔

الجواب

عقد مذکور زنائے محض ہے حرام قطعی ہے سخت عظیم شدید گناہ کبیرہ ہے، نہ فقط حنفیہ بلکہ شافعیہ مالکیہ حنبلیہ تمام اُمتِ مرحومہ کے اجماع سے حرام ہے نص قرآن عظیم سے حرام ہے۔ قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا):

حرمت علیکم امھتکم وبنتکم واخوتکم وعمتکم وخلتکم وبنت الاخ وبنت الاخت[1] تم پر تمھاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں حرام کی گئی ہیں۔ (ت)

اس آیۂ کریمہ میں رب عزوجل نے بنات کا لفظ تین جگہ ارشاد فرمایا کہ حرام کی گئیں تم پر تمھاری بیٹیاں، بھائی کی بیٹیاں، بہن کی بیٹیاں۔ اگر بنات یعنی بیٹیاں پوتی نواسی کو بھی شامل تو ضرور بھائی بہن کی پوتی، نواسی بھی اسی حکم میں داخل۔ اور اگر شامل نہیں تو خود اپنی پوتی نواسی بھی حکمِ آیت میں داخل نہیں تو اس جاہل بیباک کے طور پر وہ حلال ٹھہرے گی، لقولہ تعالٰی: واحل لکم ماوراء ذٰلکم[2] (تمھارے لیے ان کے ماسوا حلال قرار دی گئی ہیں۔ ت) لاجرم کتبِ تفسیر میں اسی آیت کریمہ سے بھائی بہن کی پوتی نواسی کا حرام ابدی ہونا ثابت فرمایا اور کُتب فقہ میں اُنھیں بھتیجی بھانجی میں داخل مان کر محارمِ ابدیہ میں گنایا۔ معالم التنزیل میں ہے:

یدخل فیھن بنات اولاد الاخ والاخت وان سفلن[3] ان محرمات ابدیہ میں بھائی اور بہن کی اولاد کی بیٹیاں خواہ نیچے تک ہوں، داخل ہیں (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[2] " " " ۴/ ۲۴

[3] معالم التنزیل حرمت علیکم امھتکم الخ کے تحت مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۰۱

تفسیر کبیر میں ہے :

النوع الثانی من المحرمات البنات کل انثی یرجع نسبہا الیك بالولادۃ بدرجۃ اوبدرجات باناث اوبذکور فھی بنتك النوع السادس والسابع بنات الاخ وبنات الاخت والقول فی بنات الاخ وبنات الاخت کالقول فی بنات الصلب فھذہ الاقسام السبعۃ محرمۃ فی نص الکتاب بالانساب والارحام[1] اھ ملتقطا

محرمات کی دوسری قسم بیٹیاں ہیں وُہ تمام لڑکیاں جن کا نسب ایک درجہ یاکئی درجوں کے مرد اورعورتوں کے واسطہ سے تیری طرف بطور ولادت لوٹتا ہے وہ سب کی سب تیری بیٹیاں ہیں، اور چھٹی اور ساتویں قسم بھائی اور بہن کی بیٹیاں ہیں، اور بھائی اور بہن کی بیٹیوں کا حکم بھی اپنی صُلبی بیٹیوں کی طرح ہے، تو یہ سات اقسام نسب اور ارحام کی وجہ سے قرآنی نص سے حرام ہیں اھ ملتقطا (ت)

تفسیر بیضاوی وتفسیر ارشاد العقل میں ہے :

بنات الاخ وبنات الاخت تتناول القربی والبعدی[2]

محرمات میں بھائی اور بہن کی بیٹیاں قریب ہوں یا بعید ہوں سب شامل ہیں۔ (ت)

تفسیر جلالین میں ہے :

وبنت الاخ وبنت الاخت وتدخل فیھن اولادھن[3]

بھائی اور بہن کی بیٹیوں میں ان بیٹیوں کی اولاد بھی داخل ہے۔ (ت)

فتوحاتِ الٰہیہ حاشیہ جلالین میں ہے :

فشملت العبارۃ بنت ابن الاخ وان سفل وبنت ابن الاخت وان سفل[4]

یہ عبارت بھتیجوں اور بھانجی کی بیٹیوں کو بھی اگرچہ نیچے تک ہوں شامل ہے۔ (ت)

ملتقی الابحر میں ہے :

تحرم علی الرجل اختہ وبنتہا وبنت اخیہ

مرد پر اس کی بہن اور اس کی بھانجی اور بھتیجی اور ان

---

[1] تفسیر کبیر تحت الآیۃ حرمت علیکم امھاتکم مطبعۃ البہیۃ مصر ۱۰/ ۲۹-۲۸
[2] تفسیر بیضاوی " " " " " مصطفی البابی مصر ۱/ ۸۳
[3] تفسیر جلالین " " " " " اصح المطابع دہلی ص ۷۳
[4] فتوحاتِ الٰہیہ حاشیہ جلالین " " " " " مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۷۰

وان سفلتا[1] | کی اولاد نیچے تک حرام ہے (ت)

نقایہ میں ہے:

حرم اصلہ وفرعہ وفرع اصلہ القریب[2] | مرد پر اس کے اصول و فروع اور اصل قریب (باپ، ماں) کے فروع حرام ہیں (ت)

شرح وقایہ میں ہے:

وبنات الاخوۃ والاخوات وان سفلت فیحرم جمیع ھؤلاء[3] | بھتیجیاں اور بھانجیاں نیچے تک سب حرام ہیں (ت)

اصلاح میں ہے:

حرم علی المرء اصلہ وفرعہ واختہ وفرعھا وفرع اخیہ[4] | مرد پر اس کے اصول و فروع اور اسکی بہن اور بھائیوں کی اولاد حرام ہے (ت)

درر میں ہے:

واختہ وبنتھا وان سفلت[5] | بہن اور اس کی بیٹیاں نیچے تک حرام ہیں (ت)

فتح القدیر میں ہے:

تدخل فی بنات الاخ والاخت بناتھن وان سفلن[6] | بھتیجیوں اور بھانجیوں میں ان کی بیٹیاں بھی نیچے تک داخل ہیں (ت)

اختیار شرح مختار و خزانۃ المفتین میں ہے:

وبنات الاخ وبنات الاخوات وان سفلن فھن محرمات بنص الکتاب نکاحا | بھتیجیاں اور بھانجیاں نیچے تک محرمات ہیں جن سے نکاح، وطی اور اس کے دواعی کی ابدی حرمت

---

[1] ملتقی الابحر | باب المحرمات | مؤسسۃ الرسالۃ بیروت | ۱/۲۳۹
[2] النقایۃ مختصر الوقایۃ | کتاب النکاح | نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی | ص ۵۲
[3] شرح وقایہ | المحرمات من النساء | مجتبائی دہلی | ۲/۱۱
[4] اصلاح
[5] درر الحکام | کتاب النکاح | احمد کامل الکائنۃ دار السعادت بیروت | ۱/۳۳۰-۳۲۹
[6] فتح القدیر | فصل فی بیان المحرمات | نوریہ رضویہ سکھر | ۳/۱۱۸

ووطأ ودواعيه على التابيد[1] — کتاب اللہ کی نص سے ثابت ہے۔ (ت)

فتاوی قاضی خاں وغیرہا میں ہے:

وبنات الاخوات وان سفلن[2] — بھانجیاں نیچے تک (ت)

محیط سرخسی وفتاوی عالمگیری میں ہے:

وكذا ابنات الاخ والاخت وان سفلن[3] — یونہی بھتیجیاں اور بھانجیاں نیچے تک (ت)

انوار امام یوسف اردبیلی شافعی میں ہے:

المحرمات على التابيد بالنسب الامهات وان علت والبنات وان سفلت وبنات الاخوة والاخوات وان سفلت[4] — نسبی طور پر ابدی محرمات مائیں اوپر تک، بیٹیاں نیچے تک، بھتیجیاں اور بھانجیاں نیچے تک ہیں۔ (ت)

اس جاہل احمق نکاح کرنے والے پر فرض ہے کہ فوراً فوراً اس اپنی سگی بیٹی سے جُدا ہو جائے اور اس اجہل اضل عالم ظالم پر لازم کہ از سرِ نو کلمہ اسلام پڑھے اپنے اُس ناپاک ملعون فتوے سے توبہ کرے اپنی عورت سے نکاح از سرِ نو کرے۔ "اعلام بقواطع الاسلام" میں ہے:

ومن ذلك (اى من المكفرات) ان يستحل محرما بالاجماع كالخمر واللواط ولو في مملوكه الخ[5] — کافر بنانے والی چیزوں میں سے کسی ایسی چیز کو حلال بنا لینا جس کی حرمت پر اجماع ہے مثلاً شراب، لواطت خواہ اپنے مملوک سے ہو الخ (ت)

خلاصہ وہندیہ میں ہے:

من اعتقد الحرام حلالا اوعلى القلب يكفر[6] — جو شخص حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرنے پر عقیدہ رکھے وہ کافر ہے (ت)

الٰہی! اس زمانہ پُرفتن کے ہر فتنہ و شر سے تیری پناہ، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

---

[1] الاختیار لتعلیل المختار — فصل فی المحرمات — دار فراس للنشر والتوزیع بیروت — ۸۵/۳

[2] فتاوی قاضی خاں — باب فی المحرمات — نولکشور لکھنؤ — ۱۶۵/۱

[3] فتاوی ہندیہ — فی بیان المحرمات — نورانی کتب خانہ پشاور — ۲۷۳/۱

[4] انوار الاعمال الابرار

[5] الاعلام بقواطع الاسلام — ملحق بسبل النجاۃ — مکتبۃ حقیقۃ دار الشفقت استنبول ترکی — ص ۳۵۳

[6] فتاوی ہندیہ — احکام المرتدین — نورانی کتب خانہ پشاور — ۲۷۲/۲

مسئلہ ۲۰۲ از نواب گنج ضلع بریلی مکان تحصیلدار ظہور الاسلام صاحب مرسلہ حضرت سید نور عالم میاں صاحب مارہروی
۵ رجب ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع شریف اساطین فرقہ اہل سنّت و جماعت متبعین ملتِ حنفیہ اس باب میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کی زندگی میں اس کی خواہر حقیقی علینی سے نکاح کیا اور بعد نکاحِ خواہر زن مگر قبل خلوتِ صحیحہ یا اس سے خلوتِ صحیحہ کے بعد پہلی بی بی کو طلاق دے دی ان دونوں صورتوں میں یہ نکاح عند الشرع درست و جائز ہُوا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

جب ایک بہن نکاح میں ہو دُوسری سے نکاح حرام قطعی ہے،

قال اللہ تعالٰی وان تجمعوا بین الاختین[1] اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: حرام ہے دونوں بہنوں کو جمع کرنا۔ (ت)

تو یہ نکاح ضرور حرام و ناجائز ہوا اور پہلی زوجہ کو اس نکاح فاسد کے بعد پیش از خلوت خواہ بعد خلوت طلاق دے دینا اُس حرام کو حلال اُس فاسد کو صحیح اُس ناجائز کو جائز نہیں کرسکتا، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر اوّلاً زوجہ کو طلاق دے اور ہنوز اس کی عدت نہ گزری ہو کہ اس کی بہن سے نکاح کرلے یہ نکاح حرام ہوگا تو یہاں کہ پہلے اس کی خواہر سے نکاح کرلیا بعد کو طلاق دی کیونکر حلال ہوسکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

حرم الجمع بین المحارم نکاحا وعدۃ ولو من طلاق بائن[2] وہ عورتیں جو آپس میں محرم ہوں ان کو نکاح اور عدت خواہ طلاق بائن کی عدت ہو، میں جمع کرنا حرام ہے۔ (ت)

شخص مذکور پر فرض ہے کہ فوراً فوراً اس دوسری کو چھوڑ دے پھر اگر پہلی کی عدت گزر چکی ہے تو اُسے اختیار ہوگا کہ اُس دُوسری کو چھوڑ کر ابھی مع‌ًا اس سے نکاح کرلے ورنہ اتنا انتظار فرض ہے کہ اُس پہلی کی عدت گزر جائے اُس کے بعد اُس دوسری سے نکاح صحیح بروجہ شرعی کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۳ ۵ رجب ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ معاذ اللہ ساس سے زنا کے باعث جب منکوحہ حرام ہوجائے تو اس سے پردہ بھی فرض ہوجاتا ہے یا وہ مثل محارم کے ہوجاتی ہے کہ دیکھنا، چھونا، تنہا مکان میں رہنا جائز ہے۔ بیّنوا توجروا

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳
[2] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۸

الجواب

مذہب اصح یہی ہے کہ حرمتِ مصاہرت اگرچہ معاذ اللہ زنا سے ناشئ ہُوئی ہو عورت کو مثل محارم کے کردیتی ہے تو نظر و مس بشہوت تو قطعاً حرام ہوگئے اور بلاشہوت میں حرج نہیں جبکہ اپنے یا عورت کے لیے حدوثِ شہوت کا اندیشہ نہ ہو، بحالتِ اندیشہ بلاشہوت بھی دیکھنا چُھونا حرام ہوگا بلکہ اگر شک بھی ہو کہ شاید مجھے یا عورت کو شہوت پیدا ہو، نہ ہوجب بھی حکم حُرمت ہے، اور تنہا ایک مکان میں جانے کی تو اصلاً اجازت نہیں کہ یہ خواہی نخواہی مظنہ شہوت ہے خصوصاً منکوحہ میں جو ایک زمانے تک اس کے نکاح میں رہ چکی اور باہم حجاب و تکلف مرتفع رہا تھا تو عند الانصاف جبکہ منکوحہ سے معاذ اللہ حرمتِ مصاہرت پیدا ہو اُسے مثل اجنبیہ تصوّر کرنے ہی میں احتیاط ہے وباللہ العصمۃ، درمختار میں ہے:

ینظر الرجل من محرمه هی من لا یحل له نکاحها ابدا بنسب او بسبب ولو بزنا، الی الرأس والوجه والصدر والساق والعضد ان امن شهوته وشهوتها وان لم یأمن اوشاهی لا یحل النظر والمس، کشف الحقائق لابن سلطان والمجتبٰی اھ[1] ملتقطا۔

محرم وُہ عورت ہے جس سے ابدی طور پر نکاح حرام ہو، نسب کی وجہ سے محرم ہو یا کسی سبب کی وجہ سے، وہ سبب زنا ہی کیوں نہ ہو۔ شہوت کا خدشہ نہ ہو تو ایسی محرم عورتوں کے سر، چہرہ، سینہ، پنڈلی اور بازو کو دیکھنا مرد کے لیے جائز ہے، اور اگر مرد یا عورت کو شہوت کا خدشہ ہو یا کوئی ان میں سے حالتِ شہوت میں ہو تو پھر محرم کو چُھونا اور دیکھنا جائز نہیں، کشف الحقائق ابن سلطان اور مجتبٰی اھ ملتقطا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله ولو بزنا ای ولو کان عدم حل نکاحها له بسبب زناه باصولها او فروعها قال الزیلعی وقیل انها کالاجنبیة والاول اصح اعتبارا للحقیقة لانها محرمة علیه علی التابید[2]۔

اس کا قول "اگرچہ زنا سے ہو" یعنی اس سے نکاح حلال نہ ہونے کی وجہ اس کے اصول یا فروع سے زنا ہو۔ زیلعی نے کہا کہ ایسی عورت کا چُھونے اور دیکھنے میں اجنبی عورت جیسا حکم ہے جبکہ پہلا قول اصح ہے کیونکہ اس کے ابدی حرام ہونے کی حقیقت کا اعتبار رہوگا۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قوله او شك معناه استواء الامرین

اس کا قول "او شک" اس کا معنی یہ ہے کہ شہوت اور

[1] درمختار فصل فی النظر والمس مجتبائی دہلی ۲/۲۴۱

[2] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۳۵

تاتارخانیہ۔[1] | عدم شہوت دونوں کا احتمال مساوی ہو، تاتارخانیہ (ت)

درمختار میں ہے:

والخلوۃ بالمحرم مباحۃ الا الاخت رضاعا والصھرۃ الشابۃ[2] | محرم عورتوں سے خلوت مباح ہے مگر رضاعی بہن اور جوان ساس سے جائز نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی القنیۃ وفی استحسان القاضی الصدر الشھید وینبغی للاخ من الرضاع ان لایخلو باختہ من الرضاع لان الغالب ھناک الوقوع فی الجماع، اھ، وافاد العلامۃ البیری ان ینبغی معناہ الوجوب ھنا[3] اھ مافی رد المحتار قلت فاذاکان الغالب ذلک فی الاخت رضاعا فما ظنک فی التی کانت تحتہ زمانا وقد ذاق کل عسیلۃ صاحب، نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

قنیہ اور قاضی الصدر الشہید کے استحسان میں ہے کہ رضاعی بھائی کو رضاعی بہن کے ساتھ تخلیہ مناسب نہیں کیونکہ تخلیہ جماع کا موجب ہوتا ہے، غالب یہی ہے اھ، اور علامہ بیری نے مفید بات کی ہے کہ یہاں ینبغی کا معنٰی وجوب ہے۔ ردالمحتار کا بیان ختم ہوا۔ قلت (میں کہتا ہوں کہ۔ ت) جب رضاعی بہن کے متعلق غالب امر یہ ہے تو اس عورت کے بارے میں کیا خیال ہے جو مدت بھر اس کی بیوی رہی ہو اور یہ مرد وعورت دونوں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوتے رہے ہوں۔ ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کی دُعا کرتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۲: از مارہرہ مطہرہ مدرسہ درگاہ معلٰی مرسلہ مولوی رحمت اللہ صاحب ۱۰ رجب المرجب ۱۳۱۰ھ

زید نے ہندہ کے ساتھ عرصہ پندرہ برس کا ہوا کہ نکاح کیا، لڑکا بھی پیدا ہوا پھر زید چلا گیا اور اب تک اس کی خبر نہ لی، نہ نان نفقہ دیا، چندبار اس کو واسطے دینے طلاق کے تحریر کیا، جواب نہ دیا، اب ہندہ دوسرا عقد کرنا چاہتی ہے بخیال حالات زمانہ نہ معلوم کیا امرنامناسب آئندہ پیش آئے، اس وقت بجز ندامت اہل دنیا و الزام شرع کچھ سُود نہ ہوگا، پس یہ ازرُوئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

---

[1] ردالمحتار | فصل فی النظر والمس | داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۵
[2] درمختار | فصل فی النظر والمس | مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۱
[3] ردالمحتار | فصل فی النظر والمس | داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۶

الجواب

جب تک موت یا طلاق نہ ہو حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی والمحصنٰت من النساء[1] اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: شادی شدہ عورتیں (ت)

چارۂ کار نالش ہے ورنہ صبر، ورنہ یہ نکاح خود کیا حرام نہ ہوگا تو وہم آیندہ سے بچنے کے لیے قصداً حرام کاری کے کیا معنٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۵ تا ۲۰۸: از بنگالہ ضلع سلہٹ ڈاک خانہ کمال گنج موضع پھول ٹولی مرسلہ مولوی عبدالغنی صاحب ۱۹ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) سید سید شیخ شیخ پٹھان پٹھان، آیا ان قوموں میں بڑے بھائی کی لڑکی اور چھوٹے بھائی کا لڑکا اس صورت میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید و عمرو حقیقی چچازاد بھائی ہیں اب زید عمرو کی دختر کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے جائز ہے یا نہیں؟ اور غیر حقیقی میں کیا حکم ہے؟

(۳) آپس میں بھائی اور بہنوں سوائے نسبی اور رضاعی کے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۴) زید کا دادا غیر حقیقی ہے اب زید اس غیر حقیقی دادا کی دختر سے نکاح کرنا چاہتا ہے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ان سب صورتوں میں یعنی اپنے حقیقی چچا کی بیٹی یا چچازاد بھائی کی بیٹی یا غیر حقیقی دادا کی اگرچہ وہ حقیقی دادا کا حقیقی بھائی ہو، اور رشتے کی بہن جو ماں میں ایک نہ باپ میں شریک نہ باہم علاقہ رضاعت جیسے ماموں خالہ پھوپھی کی بیٹیاں یہ سب عورتیں شرعاً حلال ہیں جبکہ کوئی مانع نکاح مثل رضاعت و مصاہرت قائم نہ ہو۔

قال اللہ تعالٰی واحل لکم ما وراء ذٰلکم[2] اللہ تعالٰی نے فرمایا: محرمات کے علاوہ عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔ (ت)

نقایہ میں ہے:

حرم اصلہ وفرعہ وفرع اصلہ القریب مرد پر اس کے اصول و فروع اور اصل قریب (ماں باپ)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

وصلبیۃ اصلہ للبعید۔[1]

کے فروع (بہن بھائی) اور اصل بعید (دادا اور اوپر والے) باپوں کے صُلبی رشتے حرام ہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

حلال بنت عمہ وعمتہ وخالہ وخالتہ لقولہ تعالٰی واحل لکم ماوراء ذٰلکم[2] اھ قلت ویدخل فیھم اعمام ابیہ وجدہ وان علا وامہ وجدتہ وان علت وعماتھم واخوالھم وخالاتھم کما دخلن فی قولہ تعالٰی وعمّٰتکم وخٰلٰتکم کما فی التبیین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی لڑکیاں حلال ہیں، کیونکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ محرمات کے ماسوا سب عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔ قلت (میں کہتا ہوں۔ت) ان میں ماں، باپ، دادا اور دادی کے چچوں اور ان کے ماموں، خالاؤں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں بھی حلال ہونے میں داخل ہیں، جیسا کہ تبیین میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۹ مرسلہ مولوی عبدالحمید صاحب ۶ محرم ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی دو بہنیں اور ایک بیٹی ہے اور اُن کا نکاح بھی ہوگیا ہے، اب آیا زید کی لڑکی کو زید کی دونوں بہنوں کے شوہر سے پردہ کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اور بعد مرنے ایک ہمشیرہ کے اُس کے شوہر سے زید کی لڑکی کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؛ اور اس سے بھی پردہ اس حالت میں ہے یا نہیں؛ اور جس بہن کا شوہر زندہ ہے اُس سے بھی نکاح درست ہے یا نہیں؛ بیّنوا بالدلیل توجروا باجر الجزیل۔

الجواب

پھوپھی یا خالہ یا بہن اور اسی طرح جتنی عورات عورت کی محارم ہیں ان کی زندگی میں ان کے شوہروں سے عورت کا نکاح اگرچہ حرام،

واصلہ قولہ عزوجل وان تجمعوا بین الاختین[3] وفی الحدیث لاتنکح المرأۃ علی عمتھا ولا علی

اور اس کا اصل — اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد "حرام ہے دو بہنوں کو جمع کرنا" اور حدیث میں ہے کہ پھوپھی اور

---

[1] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۲

[2] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۷

[3] القرآن الکریم ۴/۲۳

خالتها[1] خالہ کے ہوتے ہوئے ان کی بھتیجی اور بھانجی سے نکاح نہ کیا جائے۔ (ت)

26
26

مگروہ عورت کے محارم نہیں ہوجاتے کہ اُن سے نکاح صرف اُس حالت تک حرام جب تک اُس کی پھوپھی یا خالہ یا بہن یا کوئی محرم عورت ان کے نکاح میں ہے بعد افتراق بموت یا طلاق اُن کے شوہروں سے عورت کا نکاح حلال ہے اور محرم وہ ہوتا ہے جس سے کبھی کسی حال میں نکاح نہ ہوسکے اس کی حرمت ابدیہ ہو جیسے باپ، بیٹا، بھائی، بھتیجا، بھانجا وغیرہم، اور جو محرم نہیں وہ اجنبی ہے اس سے پردہ کا ویسا ہی حکم ہے جیسے اجنبی سے، خواہ فی الحال اس سے نکاح ہوسکتا ہو یا نہیں، اگر حرمت فی الحال عدم پردہ کے لیے کافی ہوتو چاہیے کہ زن شوہردار کا تمام جہان میں کسی سے پردہ نہ ہو کہ جب تک وہ اپنے شوہر کے عقد عصمت میں ہے کسی کو اس سے نکاح روا نہیں۔ قال اللہ تعالٰی، والمحصنٰت من النساء[2] (منکوحہ عورتیں حرام ہیں۔ ت) اسی طرح جس مرد کے نکاح میں چار عورتیں موجود ہوں چاہیے کہ اس سے کسی عورت شوہردار خواہ بے شوہر کا پردہ نہ ہو کہ جب تک ان چار میں سے کسی سے بذریعہ موت یا طلاق جدائی نہ ہو پانچواں نکاح اسے حلال نہیں، غرض یہ سب ہندی ہوسیں اور جاہلانہ رسمیں ہیں، شرع مطہر میں پھوپھا اور خالو اور بہنوئی اور جیٹھ اور دیور اور چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں کے بیٹوں اور راہ چلتے اجنبی سب کا ایک حکم ہے بلکہ ان سے زیادہ احتیاط لازم ہے کہ نرے اجنبی سے طبعی حجاب ہوتا ہے نہ اسے جلد ہمت پڑسکتی ہے نہ وہ بے تکلف گھر میں آسکتا ہے بخلاف ان کے۔ ولہذا حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی گئی یا رسول اللہ ارأیت الحمو یا رسول اللہ! جیٹھ دیور کا حکم ارشاد ہو، فرمایا، الحمو موت[3] یہ تو موت ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ اس بیان سے تمام مراتب سوال کا جواب منکشف ہوگیا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۰: ازعثمان پور ڈاک خانہ کوٹھی ضلع بارہ بنکی مرسلہ محمد حسن یار خاں صاحب
۲۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی سُنی المذہب کو اپنی دختر شیعی تبرائی و قاذف حضرت

---

[1] صحیح مسلم باب تحریم الجمع بین المرأۃ وعمتہا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۳
صحیح بخاری باب لاتنکح المرأۃ علی عمتہا " " " ۲/۷۶۶
[2] القرآن الکریم ۴/۲۴
[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۴/۱۴۹

صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے عقد نکاح میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے اور کوئی سُنّی باوجود ناجائز سمجھنے کے بھی ایسا کرے تو اس کی بابت شرعاً کیا حکم ہے؟ جواب مختصر و مدلل مرحمت فرمایا جائے، بینوا توجروا۔

الجواب

معاذ اللہ رافضی قاذف باجماعِ مسلمین کافر ملعون ہے یہاں تک کہ جو اُسے کافر نہ جانے خود کافر ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

لاشك فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا[1]۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا پر تہمت لگانے والے کے کفر میں کوئی شک نہیں الخ (ت)

اسی کے باب البغاۃ میں ہے:

لان ذٰلك تکذیب صریح القرآن[2]۔

کیونکہ تصریح قرآن کی تکذیب ہے۔ (ت)

جو شخص اپنی دختر یا خواہر ایسے کے نکاح میں دے وہ یقیناً دیّوث ہے، وہ اپنی بہن بیٹی کو صریح زنا کے لیے دینے والا ہے، حدیث ارشاد فرماتی ہے کہ اس پر جنت حرام ہے اللہ تعالٰی روزِ قیامت اُس پر نظرِ رحمت نہ فرمائیگا۔

احمد والنسائی والحاکم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند حسن عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ثلٰثۃ لاینظر اللہ الیھم یوم القیامۃ العاق لوالدیہ والمرأۃ المترجلۃ المتشبھۃ بالرجال والدیوث[3]۔

(احمد، نسائی اور حاکم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سندِ حسن کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کیا۔ ت) تین شخصوں پر اللہ تعالٰی روزِ قیامت نظر نہ کرے گا ماں باپ کو آزار دینے والا اور مردانی عورت یعنی مردوں کی وضع بنانے والی اور دیّوث۔

وروی الحاکم والبیھقی فی الشعب بسند صحیح عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثلٰثۃ لایدخلون الجنۃ العاق لوالدیہ

(حاکم اور بیہقی نے شعب الایمان میں بسندِ صحیح روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ ت) تین شخص جنت میں نہ جائیں گے ماں باپ کا نافرمان اور

---

[1] ردالمحتار | باب المرتد | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۳/۲۹۴
[2] ردالمحتار | باب البغاۃ | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۳/۳۱۰
[3] مسند احمد بن حنبل | مروی از مسند عبداللہ بن عمر | دارالفکر بیروت | ۲/۱۳۴
سنن النسائی | کتاب الزکوٰۃ | نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی | ۱/۳۵۷

والدیوث والرجلۃ النساء[1]

دیوث اور مردوضع عورت۔

الطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما، ثلثۃ لایدخلون الجنۃ ابدا الدیوث والرجلۃ من النساء ومدمن الخمر[2]

(طبرانی نے کبیر میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت) تین شخص جنت میں کبھی نہ جائیں گے: دیوث اور مردانی وضع کی عورت اور شرابی۔

والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۱ تا ۲۱۲ از موضع مذکور بوساطت نواب نثار احمد خاں صاحب بریلوی ۱۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) زید باوجود علم ہونے کے حقیقی دو بہنوں کو اپنے عقد میں لایا اور دونوں کے ساتھ اوقات بسر کرتا ہے، اہلِ اسلام اس حرکت سے مانع ہوئے لیکن زید نے کچھ خیال نہ کیا، نہ دونوں میں سے کسی کو جدا کیا، مسلمانوں نے مجبور ہوکر زید سے اجتناب اختیار کیا مگر بعض اشخاص نے زید کا ساتھ دیا تو از روئے شرع شریف مسلمانوں کا یہ اجتناب حق ہے یا نہیں؟ اور زید و نیز اس کے ہمراہیوں کے یہاں خورونوش اور سلام علیک جائز ہے یا نہیں؟ اور زید کو کون سی عورت جائز ہے اولٰی یا ثانیہ؟ یا دونوں ناجائز ہیں؟ جواب مدلل مرحمت فرمائیے، بینوا توجروا۔

(۲) سُنّی کو اپنی دختر شیعی کے نکاح میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے اور کوئی سُنّی باوجود ناجائز سمجھنے کے ایسا کرے تو اس کی بابت شرعاً کیا حکم ہے اور جو کہ سُنّی و شیعہ کی قرابت زمانہ سلف سے اس وقت تک جاری ہے اس کا کیا باعث ہے آیا اُس وقت میں علمائے دین نے اس طرف کچھ توجہ نہیں فرمائی یا اُس وقت کے شیعہ سے اِس وقت کے شیعہ میں کچھ فرق ہے؟ اس کی وجہ مدلل زیب قلم فرمائیے کہ سائل کی خلش و معترضین کا اعتراض دفع ہو جواب مختصر و مدلل مرحمت فرمایا جائے، بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) اولٰی وثانیہ کہنے سے واضح ہُوا کہ دونوں سے معاً نکاح نہ کیا تھا اس صورت میں ثانیہ سے نکاح

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب الایمان ثلاثۃ لایدخلون الجنۃ الخ دار الفکر بیروت ۱/ ۷۲
شعب الایمان باب فی الغیرۃ والمذاء الخ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۴۱۲

[2] مجمع الزوائد باب فیمن لایرضی لاہلہ بالخبث دار الکتاب بیروت ۴/ ۳۲۷

حرام ہُوا لقولہ تعالٰی : وان تجمعوا بین الاختین[1] (حرام ہے دو بہنوں کو جمع کرنا۔ ت) اور جب تک اسے ہاتھ نہ لگایا تھا زوجہ حلال تھی اسے ہاتھ لگاتے ہی وہ بھی حرام ہوگئی، اب جب تک اس دوسری کو چھوڑ کر اس کی عدت نہ گزر جائے زوجہ کو بھی ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں۔ زید پر فرض ہے کہ اسے ترک کردے۔ جب اس کی عدت بعد متارکہ گزر جائے گی اُس وقت زوجہ اس کے لیے حلال ہوگی۔

فی رد المحتار الثانی باطل ولہ وطء الاولٰی الا ان یطأ الثانیۃ فتحرم الاولٰی الی انقضاء عدۃ الثانیۃ کما لو وطی اخت امرأتہ بشبھۃ حیث تحرم امرأتہ مالم تنقض عدۃ ذات الشبھۃ ح عن البحر[2]۔

ردالمحتار میں ہے: دوسرا نکاح باطل ہے، اس کو پہلی سے وطی جائز ہے، لیکن اگر دوسری سے وطی کرلی تو پہلی دُوسری کی عدت گزر جانے تک حرام ہوگی جیسا کہ اگر شُبہ کے طور بیوی کی بہن سے وطی ہو جائے تو بیوی اُس وقت تک حرام رہتی ہے جب تک شبہ والی کی عدت نہ گزر جائے، حلبی بحوالہ بحر۔ (ت)

مسلمانوں کا یہ اجتناب حق ہے، قال اللہ تعالٰی : فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظٰلمین[3]۔ ظالموں کے ساتھ یاد آنے پر مت بیٹھو۔ (ت)

زید سے، جب تک تائب نہ ہو، ابتداءً سلام ممنوع ہے کہ وُہ فاسق معلن اور گناہ کبیرہ پر مُصر ہے۔

فی الدر المختار یکرہ السلام علی الفاسق لو معلنا[4] الخ وفی رد المحتار عن فصول العلامی لایسلم علی الشیخ المازح الکذاب واللاغی ولا علی من یسب الناس او ینظر وجوہ الاجنبیات ولا علی الفاسق المعلن ولا علی من یغنی اویطیر الحمام مالم تعرف توبتھم[5]۔

درمختار میں ہے کہ فاسق کو سلام کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ وُہ اعلانیہ فسق کرتا ہو الخ، اور ردالمحتار میں ہے فصول علامی سے مروی ہے کہ جھُوٹے اور مذاق کرنے والے بُوڑھے، لغویات بولنے والے، لوگوں کو گالی گلوچ کرنے والے، اجنبی عورتوں کو دیکھنے والے، اعلانیہ فسق کرنے والے، گانے والے اور کبوتر بازی کرنے والے کو اُس وقت تک سلام نہ کیا جائے جب تک اس کی توبہ کا علم نہ ہو جائے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[2] ردالمحتار باب المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۶

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[4] درمختار فصل البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[5] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دار احیاء التراث بیروت ۵/ ۲۶۷

اور اس کے ساتھ کھانے پینے سے بھی احتراز چاہیے۔ سنن ابی داؤد و جامع ترمذی میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لما وقعت بنو اسرائیل فی المعاصی نھتھم علماؤھم فلم ینتھوا فجالسوھم فی مجالسھم و اکلوھم و شاربوھم فضرب اللہ قلوب بعضھم ببعض فلعنھم علٰی لسان داؤد و عیسٰی بن مریم[1] الحدیث۔

جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑے اُن کے مولوی مانع آئے انھوں نے نہ مانا، اب وہ مولوی ان کے پاس بیٹھے، ساتھ کھانا کھایا پانی پیا تو اللہ تعالٰی نے اُن میں ایک کے دل دوسرے پر مارے اور ان سب کو ملعون کردیا داؤد اور عیسٰی بن مریم علیہم الصلٰوۃ والسلام کی زبان پر۔ (الحدیث)

زید کا ساتھ دینے والے اگر خاص اس گناہ میں اس کے مدد و معاون ہوئے جب تو ظاہر کہ وہ بھی زید کے مثل بلکہ اس سے بدتر ہیں، قال اللہ تعالٰی: لا تعاونوا علی الاثم والعدوان[2] (گناہ اور دشمنی پر ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔ ت) حدیث میں ہے:

من مشی مع ظالم لیعینہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خرج من الاسلام[3]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والضیاء فی المختارۃ عن اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جو کسی ظالم کے ساتھ مدد دینے کو چلے اور وہ جانتا ہو کہ یہ ظالم ہے وہ اسلام سے نکل جائے (اس کو طبرانی نے کبیر میں اور ضیاء نے مختارہ میں اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

اور اگر اسی قدر ہو کہ زید سے باوصف اس حرکت کے راضی ہیں جب بھی بدلیل حدیث مذکور بنی اسرائیل شریک گناہ و مستحقِ توہین و تذلیل ہیں، حدیث میں ہے:

الذنب شؤم علٰی غیر فاعلہ (الٰی قولہ) وان رضی بہ شارکہ[4]۔ رواہ فی مسند الفردوس عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

یعنی گناہ کرتا ایک ہے اور اس کا وبال اوروں پر بھی پڑتا ہے کہ جو اس پر راضی ہو وہ بھی شریک گناہ ہے۔ (اس کو مسند فردوس میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] جامع ترمذی ابواب التفسیر سورۃ المائدۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۳۰
[2] القرآن ۵/ ۲
[3] المعجم الکبیر حدیث اوس بن شرحبیل حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/ ۲۲۷
[4] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۳۱۶۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۴۹

(۲) آج کل کے عام رافضی منکرانِ ضروریاتِ دین اور باجماعِ اُمّت کفار مرتدین ہیں کما حققناہ فی فتاوٰنا وفی المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ المکفرۃ (جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں اور اپنے رسالہ "المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ المکفرۃ" میں کردی ہے۔ ت) علاوہ اور کفریات کے دو کفر توان کے عالم وجاہل مرد وعورت سب کو شامل ہیں، مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کو انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم سے افضل ماننا، اور جو کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل کہے کافر ہے، اور قرآن عظیم سے معاذ اللہ صحابہ کرام وغیرہم اہلسنّت کا چند پارے یا سورتیں آیتیں گھٹا نا کچھ الفاظ تغیر تبدیل کردینا اور جو قرآن عظیم کے ایک حرف ایک نقطے کی نسبت ایسا گمان کرے کافر ہے۔ قال اللہ تعالٰی: انّا نحن نزّلنا الذکر وانّا لہ لحافظون[1] (ہم نے ذکر نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ ت) ان کے مجتہد حال نے یہ عقائد باطلہ اور دیگر عقیدۂ کفریہ صاف صاف لکھ کر اپنی مُہر کردی ان میں جو کوئی خود ان عقائد کا معتقد نہ بھی ہو تو مجتہد کو کافر ہرگز نہ کہے گا بلکہ جناب قبلہ وکعبہ ہی مانے گا اور جو منکر ضروریاتِ دین کو معظم دینی جانے یا کافر ہی نہ کہے خود کافر ہے۔ بزازیہ و درمختار وغیرہما میں ہے: من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[2] (جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا وُہ کافر ہے۔ ت) لہٰذا جزم کیا جاتا ہے کہ آج کل رافضیوں میں کوئی مسلمان ملنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کوّوں میں سپید رنگ، اور ایسوں کے ساتھ مناکحت حرام قطعی وزنائے خالص ہے جو اپنی بہن بیٹی ان کو دے دیوّث ہے، اس عقد باطل کے ذریعہ سے جو نام اس کی بہن بیٹی کو ملنے والے ہیں ان میں ہلکے نام یہ ہیں: زانیہ، فاجرہ، قحبہ، فاحشہ، روسپی، رنڈی، بدکار۔ جو اسے پسند کرتا ہو اس کبیرہ فاحشہ پر اقدام کرے ورنہ اللہ عزوجل کے غضب سے ڈرے، اور اگر بالفرض کوئی رافضی ایسا ملے جسے مسلمان کہہ سکیں تو حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما پر صرف تبرا بھی فقہائے کرام کے نزدیک مطلقاً کفر ہے کما نص علیہ فی الخلاصۃ و الفتح والدر وغیرھا من الاسفار الغر (جیسا کہ خلاصہ، فتح، دُر وغیرہا مشہور کتب میں اس پر تصریح ہے۔ ت) تو فقہا کے طور پر ہر تبرائی کے ساتھ مناکحت میں وہی احکام ہوں گے اور بالفرض غلط اس سے بھی محفوظ ملے تو آخر گمراہ بددین ہونے میں تو شبہہ نہیں اور ایسے کو بیٹی دینا شرعاً گناہ وممنوع ہے،

کما بیناہ فی رسالۃ مفردۃ فی ھذا الباب سمیناھا ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار۔ جیسا کہ ہم نے اس کو علیحدہ ایک رسالہ میں بیان کیا ہے جو اس موضوع سے متعلق ہے جس کا نام ہم نے "ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار" رکھا ہے (ت)

ائمہ متقدمین سلف صالحین سے ہرگز یہ امر ثابت نہیں اور اگر نادراً شاید کہیں وقوع ہُوا ہو تو اُس کا منشا اُس کے رفض پر اطلاع نہ پانا اور رافضی کے دین میں تقیہ ہونا وامثال ذٰلك من الاعذار (اور اس قسم کے

---

[1] القرآن الکریم ۱۵/۹ [2] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۶

دیگر عذر۔ ت) ہوگا اس وقت اور پہلے کے روافض میں اتنا فرق بھی ہے کہ اول اتنی آزادی نہ تھی عام طور پر انکار ضروریات دین کی جرأت و تمادی نہ تھی رافضی تو اب پیدا ہوئے زناکاری وحرام خواری تو اُن سے بھی ہزاروں برس پہلے رائج ہے، کیا علمائے دین نے اس طرف کچھ توجہ نہ فرمائی یا اس وقت کے زنا وأکل حرام سے اُس وقت کے زنا وحرام کو کچھ فرق ہے، حاشا علمائے دیندار ہر قرن وطبقہ وزمانہ میں منع فرماتے آئے، ماننا نہ ماننا عوام کا فعل ہے اور ہدایت کرنا نہ کرنا اللہ عزوجل کے اختیار۔ یہی حال گمراہوں سے میل جول کا ہے کہ علمائے اہل حق صحابہ وتابعین وائمہ دین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین قرناً فقرناً منع فرماتے آئے، رسائل رد ندوہ خصوصاً فتوائے جدیدہ فقیر مسمّٰی بہ "فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین" ملاحظہ ہوں، پھر اگر عوام نہ مانیں یا دنیا پرست مولوی ضلالت کی طرف بلائیں تو اس کا کیا علاج اور علمائے اہل حق پر کیا الزام، والی اللہ المشتکی من ضعف الاسلام (لوگوں کے ضعفِ اسلام کی شکایت اللہ تعالٰی ہی کے دربار میں ہے۔ ت) ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۳ ۸ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے شوہر نے طلاق بائن دی، درمیان عدت کے ہندہ نے نکاح ثانی کرلیا، بعد نکاح کے تخمیناً ایک سال کے شوہر ثانی ہندہ کا باہر چلا گیا اور کچھ خبر گیران نہ ہوا، اب کچھ کم ایک سال کے بعد بتحریک ورثہ ہندہ ونیز بخواہش خود ہندہ کو اپنے پاس بلانا چاہتا ہے لیکن اب ہندہ ورثہ ہندہ اس کے یہاں بھیجنے پر رضامند نہیں اور نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ نکاح درمیان عدت کے جائز نہیں تھا اب نکاح ثالث کسی شخص دیگر سے کرنا چاہتی ہے آیا یہ نکاح بلا طلاق جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر اس دوسرے شخص کو وقتِ نکاح معلوم تھا کہ عورت ہنوز عدت میں ہے یہ جان کر اُس سے نکاح کرلیا جب تو وہ زنائے محض تھا عدت کی کچھ حاجت نہیں نہ طلاق کی ضرورت بلکہ ابھی جس سے چاہے نکاح کرے جبکہ شوہر اول کی عدت گزر چکی ہو، اور اگر اُسے عورت کا عدت میں ہونا معلوم نہ تھا تو طلاق کی اب حاجت نہیں مگر متارکہ ضرور ہے یعنی شوہر کا عورت سے کہنا کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا یا عورت کا اس سے کہہ دینا کہ میں تجھ سے جدا ہوگئی، اس کے بعد عدت بیٹھے عدت کے بعد جس سے چاہے نکاح کرے۔ درمختار میں ہے:

لاعدۃ لوتزوج امرأۃ الغیر عالمابذٰلک ودخل بھا وبہ یفتی[1] دُوسرے کی منکوحہ عورت سے یہ جانتے ہوئے کہ منکوحہ ہے' نکاح اور دخول کرنے سے عدت نہ ہوگی۔ اسی پر فتوٰی ہے (ت)

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۹

ردالمحتار میں ہے:

امانکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ فالدخول فیہ لایوجب العدۃ ان علم انھا للغیر[1]

غیر کی منکوحہ اور معتدہ کو جانتے ہوئے بھی اس سے نکاح اور دخول کی وجہ سے عدت واجب نہ ہوگی (ت)

اُسی میں ہے:

فسخ ھذا النکاح یصح من کل منھما بمحضر الاٰخر اتفاقا والفرق بین المتارکۃ والفسخ بعید کذا فی البحر[2]

ان مرد وعورت میں سے ہر ایک کی طرف سے اس نکاح کا فسخ باتفاق دوسرے کی موجودگی میں متارکہ سے صحیح ہوجاتا ہے کیونکہ متارکہ اور فسخ میں یہاں فرق بعید ہے، جیسا کہ بحر میں ہے۔ (ت)

اُسی میں علامہ خیر الدین رملی سے ہے: الحق عدم الفرق ولذا اجزم بہ المقدسی[3] (فرق نہ ہونا ہی حق ہے، اسی لیے مقدسی نے اس پر جزم کیا ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۴: از شہر کہنہ لاڈلے میاں صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرح متین اس مسئلہ میں کہ زید کی حقیقی بہن کی رضاعی بہن زید کے نکاح میں آسکتی ہے یانہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

حقیقی بہن کی رضاعی بہن ہونا خود یہ رشتہ موجب حرمت نہیں جبکہ اس کے ساتھ کوئی وجہ حرمت نہ پائی جائے، مثلاً اگر حقیقی بہن کی رضاعی بہن یُوں ہے کہ اُس نے اس کی ماں یا باپ کا دودھ پیا ہے تو وُہ خود اس کی بھی رضاعی بہن ہُوئی اور اس پر حرام ہے، اور اگر یُوں ہے کہ زید کی بہن نے اُس لڑکی کی ماں کا دُودھ پیا یا دونوں نے تیسری عورت کا دُودھ پیا جس سے زید کو کوئی علاقہ نہیں تو اس صورت میں وُہ لڑکی زید پر حرام نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۵: از مقام بیاورہ ایجنسی بھوپال ملک مالوہ مرسلہ محمد عاشق علی صاحب اہلکار نظامت ۲۹ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سائلہ اپنی حیات میں بخواہش اولاد چاہتی ہے کہ میرا

---

[1] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۰

[2] و [3] ردالمحتار " " " ۲/ ۳۵۲

شوہر میری ہمشیرہ حقیقی بیوہ کے ساتھ اپنا عقد کرلیوے اور شوہر اس کا رضامند ہے جو کچھ کہ حکم شرع شریف سے ہو آگہی بخشی جائے۔

الجواب

جب زوجہ مرجائے یا اسے طلاق دے اور عدت گزرجائے تو اُس وقت زوجہ کی بہن سے نکاح جائز ہوتا ہے بغیر اس کے حرام قطعی اور مثلِ زنا ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: وان تجمعوا بین الاختین[1] (حرام ہے جمع کرنا دو بہنوں کو۔ ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فلا تعرضن علی بناتکن ولا اخواتکن[2] اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو (اے میری ازواج!) مجھ پر مت پیش کرو۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۶
۱۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح سالی کی لڑکی سے بعد فوت بی بی کے درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زوجہ کا انتقال ہوتے ہی فوراً اس کی بھتیجی بھانجی سے نکاح جائز ہے،

لعدم الجمع نکاحا ولاعدۃ اذلاعدۃ علی الرجل کما حققہ فی العقود الدریۃ۔ بوجہ عدم اجتماع کے نکاح اور عدت میں کیونکہ مرد پر عدت نہیں ہوتی جیسا کہ عقود الدریہ میں تحقیق فرمائی۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۷
مسئولہ ثناء اللہ صاحب متصل سرائے خام ۵ جمادی الاولٰی ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا بعد نکاح کے چھ مہینے کے واسطے سفر کو گیا داماد کو اور اپنی بیوی کو مع لڑکی کے مکان پر چھوڑ گیا، بعد واپس آنے سفر کے دیکھا کہ بیوی منکوحہ اپنی کو حاملہ پایا، بعد تحقیقات کے معلوم ہوا کہ حاملہ داماد سے ہوئی تھی، آیا لڑکی اُس کی داماد کے نکاح سے علیحدہ ہوگئی یا نہیں؟ اور طلاق کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور پھر اس لڑکی کا بذمہ داماد رہا یا نہیں؟ اور زوجہ اس کی بعد وضع حمل کے اُس کی رہی یا نہیں؟ اور داماد کے نکاح میں اُس کی زوجہ

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[2] مسند امام احمد بن حنبل خطب علی رضی اللہ عنہ ومواعظہ دارالفکر بیروت ۶/ ۳۰۹

آسکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

چھ مہینے بلکہ دو سال سے ایک دن کم کے بعد واپس آکر عورت کو حاملہ پانے سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ وہ حمل دوسرے کا ہے، اور بدگمانی قطعی حرام ہے، اور تحقیقات اگر بذریعہ شہود ہے یعنی لوگوں نے گواہی دی کہ اس کی زوجہ نے داماد سے زنا کیا تو یہ قریب بہ ناممکن ہے، شہادت کے لیے عدالت درکار ہے، جو یہاں گویا عنقا ہے، پھر ثبوتِ زنا کے لیے چار مرد عادل کا مشاہدہ ضرور کہ اُنھوں نے اپنی آنکھ سے اُس کا اندام اُس کے بدن میں سُرمہ دانی میں سلائی کی طرح دیکھا، یہ کہاں متصوّر! لوگ محض قرائن و قیاسات پر اُڑا دیتے ہیں، اس پر اعتبار حلال نہیں، اور وہ سب شرعًا اسّی اسّی کوڑے کے مستحق ہوتے ہیں۔

یعظکم اللہ ان تعودوا لمثلہ ابدا ان کنتم مؤمنین[1] اللہ تعالٰی انھیں فاسق فرماتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ ایمان رکھتے ہو تو پھر ایسی بات زبان سے نہ نکالنا۔

تحقیقات کا تو یہ حال ہے یہ تو تہمتِ زنا رکھنے کا حکم تھا، ہاں ثبوتِ مصاہرت کے لیے دو گواہ بھی کافی ہیں، اگرچہ صرف مس بشہوت کی گواہی دیں، اور اگر کوئی گواہ نہ ہو تو عورت اور داماد اپنے حال سے خوب آگاہ ہیں اور اُن کا رب اُن سے زیادہ اُن کا حال جانتا ہے، اگر واقعی اُس نے بشہوت اُس عورت کے بدن کو صرف ہاتھ ہی لگایا تو جب بھی اس کی منکوحہ ہمیشہ کے لیے اُس پر حرام ہوگئی، وہ اُس کی بیٹی ہوگئی اور ساس تو اُس کی ماں تھی ہی، اب وہ دونوں ماں بیٹیاں اس پر ابدالآباد تک حرام ہیں، کسی طرح کبھی اُن سے نکاح نہیں ہوسکتا، اُس پر فرض ہے کہ اپنی زوجہ کو چھوڑ دے اور اُس کا مہر ادا کردے۔ زوجۂ زید بدستور نکاح میں ہے زنا کے سبب اس کے نکاح میں خلل نہ آیا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۸: ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے نکاحِ ثانی کیا، اس کے ایک لڑکی شوہرِ اوّل سے ہے، اب اُس کا نکاح شوہرِ ثانی کے بھائی سے کرنا چاہتی ہے جو اس لڑکی کا سوتیلا چچا ہے، یہ نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ماں کا شوہرِ ثانی نہ اپنا باپ ہے، نہ اس کا بھائی اپنا چچا نہ سگا نہ سوتیلا۔ سوتیلا چچا وہ ہے کہ اپنے

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۷

باپ کا سوتیلا بھائی ہو، نہ وہ کہ سوتیلے باپ کا بھائی ہو، یہ نکاح حلال ہے، قال تعالٰی: واحل لکم ماوراء ذٰلکم[1] (محرمات کے ماسوا عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۹ ۲۰ رجب المرجب ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس امر میں کہ زید کے پدر و مادر سے خسر اور خوشدامن کو بوجہِ ناروا ناراضی پیدا ہوئی لہذا زید کی زوجہ کو خسر و خوشدامن نے طلب کیا، زید اور پدر و مادرِ زید نے کہا کہ ناراضی فیمابین کی دُور ہوجائے تو زوجہ کو بھیجیں گے، اس پر بکر کے مکان سے کہ وہاں بتقریب دنیاوی زوجہ زید کی گئی تھی زبردستی جاکے خسر کے بھیجے ہُوئے آدمی اور خوشدامن زوجہ کو لے گئے اب جب زید نے چاہا کہ میری زوجہ میرے گھر آئے تو خسر اور خوشدامن مجیب ہُوئے کہ زید نے تو طلاق دے دی اور جھُوٹے گواہ بھی بنائے، اور ارادہ دوسرے شخص سے نکاح کرنے کا خسر و خوشدامن رکھتے ہیں، پس یہ نکاحِ ثانی بدون طلاق زوج اول کے جائز ہوگا یا ناجائز اور وطی زوج ثانی سے حرام ہوگی یا حلال؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جبکہ صورت واقعہ یہ ہے تو نکاحِ ثانی محض باطل ہوگا اور زوج ثانی سے وطی زری زنا ہوگی، جتنے لوگ اس سخت شدید کبیرہ عظیمہ میں اس حال سے آگاہ ہوکر شریک ہوں گے سب سخت گنہگار و مستحق عذاب نار ہوں گے اور اُن میں پہلے عذابِ دوزخ کا استحقاق جھُوٹے گواہوں کو ہوگا جن کی ناپاک گواہی ایسے ناپاک فاحشہ بات کی تمہید ہوگی۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منّا من خبب امرأۃ علی زوجھا۔[2] رواہ الامام احمد وابن حبان والبزار والحاکم و قال صحیح واقرہ عن بریرۃ وابوداؤد والحاکم بسند صحیح عن ابی ھریرۃ وابو یعلی بسند جید والطبرانی فی الاوسط عن ابن عباس و فی الصغیر ونحوہ فی الاوسط عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

جو کسی عورت کو اس کے شوہر سے بگاڑ دے وہ ہمارے گروہ سے نہیں (اسے امام احمد، ابن حبان، بزار اور حاکم نے صحیح کہہ کر اور دوسروں نے ثابت مان کر حضرت بریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اور ابوداؤد اور حاکم بسندِ صحیح ابوہریرہ سے اور ابویعلٰی نے سندِ جید سے اور طبرانی نے اوسط میں ابن عباس سے اور طبرانی صغیر میں اوسط کی مثل عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

[2] سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب فیمن خبب امرأۃ علی زوجہا آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۶

جب کسی کی عورت کو شوہر سے بگاڑ دینے پر یہ حکم ہے تو معاذاللہ عورت کو شوہر سے توڑ کر دوسرے کے نکاح میں کرادینا کیسا اشد و اخبث ظلم ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عدلت شهادة الزور بالاشراك بالله، عدلت شهادة الزور بالاشراك بالله، عدلت شهادة الزور بالاشراك بالله، ثم قرأ فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور[1] رواه ابوداؤد والترمذی وابن ماجة عن خريم بن فاتك رضی الله تعالیٰ عنه۔

جھوٹی گواہی بُت پُوجنے کے برابر کی گئی، جھوٹی گواہی بُت پُوجنے کے برابر کی گئی، جھوٹی گواہی بُت پوجنے کے برابر کی گئی (تین بار اسے فرماکر) حضور نے یہ آیت اُس کی سند میں پڑھی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بچو ناپاکی سے کہ وُہ بُت ہیں اور بچو جُھوٹی گواہی سے۔ (اس کو ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے خریم بن فاتک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لن تزول قدما شاهد الزور حتی یوجب الله له النار[2] رواه ابن ماجة والطبرانی فی الکبیر والحاکم وصحح سنده عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما۔

ہرگز جُھوٹے گواہ کے پاؤں جگہ سے ہٹنے نہ پائیں گے کہ اللہ تعالےٰ اس کے لیے جہنم واجب کردے گا۔ (اسے طبرانی نے کبیر میں اور ابن ماجہ اور حاکم نے سند کو صحیح قرار دے کر عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ت)

جب مطلق جُھوٹی شہادت کا یہ وبال ہے جس میں پیسہ دو پیسہ مال پر جُھوٹی گواہی بھی داخل تو شہادت کذب سے کسی کے ناموس کو برباد کردینا کس قدر سخت موجب غضبِ الٰہی ہوگا والعیاذ باللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت دے۔ آمین! واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۲۰: از بدایوں مولوی ٹولہ مسئولہ شیخ نذر اللہ صاحب ۳۰ شوال ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک مسجد کا امام ہے ایک عورت اس کے نکاح میں تھی، بعدہٗ اس کی حقیقی بہن سے نکاح کرلیا، اب وہ دونوں سگی بہنیں اُس کے پاس ہیں، جب اُس سے کہا جاتا ہے

---

[1] سنن ابی داؤد باب فی شہادۃ الزور آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۰-۵۱
سنن ابن ماجہ " " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۷۳
[2] " " " " " " " "

تو کہتا ہے یہ امام شافعی کے مذہب میں جائز ہے۔ اس صورت میں اسے امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

دو بہنوں کا ایک شخص کے نکاح میں ہونا حرام قطعی ہے، اس کی حرمت ایسی نہیں کہ کسی امام نے اپنے اجتہاد سے نکالی ہو جس میں دوسرے امام کو خلاف کی گنجائش ہو، نہ اس کی حرمت کسی حدیثِ احاد سے ہے کہ جسے وہ حدیث نہ پہنچے یا اُس کی صحت اُسے ثابت نہ ہوئی وہ انکار کر سکے بلکہ اس کی حرمت قرآن عظیم نے خاص اپنی نص واضح صریح سے ارشاد فرمائی ہے کہ:

حرمت علیکم امهاتکم وبنتکم واخواتکم (الٰی قوله عزوجل) وان تجمعوا بین الاختین[1] الآیۃ

حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں، (اللہ عزوجل کے اس قول تک) اور یہ کہ اکٹھی کرو دو بہنیں۔ الآیۃ

دیکھو جس طرح آدمی پر اُس کی ماں بہن بیٹی حرام ہے اسی طرح دو بہنوں کو جمع کرنا اس پر حرام ہے۔ زید نے امام شافعی پر سخت جھوٹ افترا کیا اور اب تک تو وہ اس ناپاک فعل سے فقط حرام کار و مرتکب کبیرہ و مستحق عذابِ نار تھا اب اُسے مسلمانوں کے اماموں میں مختلف فیہ مان کر اس کی حرمت قطعیہ کا منکر ہوا اور اُس کا کام سرحدِ کفر تک پہنچا، اُس کا معاملہ بہت سخت ہوگیا اُسے امام بنانا حرام ہے اُس کے پیچھے نماز محض باطل ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ جب تک وہ اپنے اس ناپاک فعل سے باز نہ آئے اُس دوسری کو الگ کرکے جدا نہ کرے اپنے اُس نجس تر قول سے توبہ نہ کرے نئے سرے سے تجدید اسلام نہ کرے جب تک اُس کے پاس نہ بیٹھیں اُس سے میل جول نہ کریں ورنہ خوف کریں کہ اس کی آگ انھیں بھی نہ پھونک دے۔ قال اللہ تعالٰی:

واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة[2] واللہ تعالٰی اعلم

ایسے فتنہ سے بچو جو صرف ظالموں تک محدود نہ رہے گا (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۱: مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب ساکن امرتسر کٹرہ حکیماں نزیل بریلی ۵ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو زوجہ تھیں، زوجہ اولٰی سے ایک بیٹا عمرو اور ثانیہ سے تین بیٹے بکر، خالد، ولید ہوئے۔ عمرو کا بیٹا سعید ہوا، سعید کی دختر لیلٰی تھی، لیلٰی کی دختر سلمٰی ہے، یہ سلمٰی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[2] ؎ ؎ ۸/ ۲۵

عمرو کے بیٹے سعید کی نواسی عمرو کے سوتیلے بھائیوں بکر و خالد و ولید پر حرام ہے یا حلال ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سلمٰی اپنی ماں لیلیٰ کے اُن سب سوتیلے داداؤں پر ایسے ہی حرام ہے جیسے اس کے سگے دادا عمرو پر۔ وہ ان سب کی بیٹی ہے، اُسے ان میں سے کسی کے لیے حلال جاننا نصِ قطعی و اجماعِ اُمت کا انکار اور موجبِ کفر ہے۔

قال اللہ تعالٰی :

حرمت علیکم امھٰتکم وبنٰتکم واخواتکم وعمّٰتکم وخالٰتکم وبنٰت الاخ وبنٰت الاخت[1]۔	تمھاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں تم پر حرام کی گئی ہیں۔ (ت)

اللہ تعالٰی بھائی کی بیٹیوں کو حرام فرماتا ہے اور بھائی عام ہے سگا ہو خواہ سوتیلا، ماں جدا ہو خواہ باپ جدا، اور بیٹیاں عام ہیں خواہ بھائی کی اپنی بیٹی ہو یا پوتی یا نواسی یا اس کے بیٹے یا بیٹی کی بیٹی، پوتی، نواسی آخر تک۔ عالمگیریہ میں ہے :

اما الاخوات فالاخت لاب وام والاخت لاب والاخت لام وکذا بنات الاخ والاخت وان سفلن[2]۔	بہنوں کا حرام ہونا تینوں قسم، سگی، باپ یا ماں کی طرف سے بہن کو شامل ہے اور اسی طرح بھائی اور بہن کی بیٹیوں کے بارے میں نیچے تک (ت)

تفسیر کبیر میں بیان بنت صلبی میں ہے :

کل انثٰی یرجع نسبھا الیک بالولادۃ بدرجۃ او بدرجات باناث او بذکور فھی بنتک[3]۔	ہر وہ عورت جس کا صلبی نسب ایک درجہ یا کئی درجات سے مرد و عورت کے ذریعہ تیری طرف پلٹے وہ تیری بیٹی ہے (ت)

اسی میں ہے :

القول فی بنات الاخ وبنات الاخت کالقول فی بنات الصلب فھذہ الاقسام السبعۃ محرمۃ فی نص الکتاب بالانساب[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم	بھتیجیوں اور بھانجیوں کا حکم صُلبی بیٹیوں کی طرح ہے، تو سات قسم کی یہ عورتیں نسب کی بنا پر قرآنی نص سے حرام ہیں (ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[2] فتاوٰی ہندیہ باب فی بیان المحرمات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۷۳

[3] تفسیر کبیر تحت آیت حرمت علیکم امھاتکم الخ مطبع بالمطبعۃ البہیۃ المصریۃ ۱۰/ ۲۸

[4] " " " امھاتکم الذی ارضعنکم الخ " " " ۱۰/ ۲۹

مسئلہ ۲۲۲ از پورن پور ضلع پیلی بھیت ۱۴ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں، زید اپنی عورت چھوڑ کر مرگیا، عورت بیوہ اندر ایام عدت کے عمرو سے مرتکب زنا کی ہوئی حاملہ، حمل زنا کا قرار پاگیا، عدت کے ایام اب گزر گئے، عمرو مستدعی نکاح کا اسی عورت سے ہے، اب نکاح جائز ہے اور وطی کرنا قبل استبرا کے بھی جائز ہے یا نہیں؟ اور کفارہ ذمہ زانی و زانیہ کے عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ جواب سے مشرف فرماکر داخل اجر و حسنات ہوں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ وفاتِ شوہر کی عدت گزر گئی تو اب عورت کو نکاح جائز ہوگیا اور وضعِ حمل کا انتظار زانی خواہ غیر زانی کسی کو ضرور نہیں کہ حمل جو اثنائے عدتِ وفات میں حادث ہو اُس سے عدتِ موت کہ چار مہینے دس دن ہے نہیں بدلتی۔ ردالمحتار میں ہے:

فی النھر ان المعتدۃ لو حملت فی عدتھا ذکر الکرخی ان عدتھا وضع الحمل ولم یفصل و الذی ذکرہ محمد ان ھذا فی عدۃ الطلاق اما فی عدۃ الوفاۃ فلا تتغیر بالحمل وھو الصحیح کذا فی البدائع[1]

نہر میں ہے کہ اگر عدت کے دوران معتدہ کو حمل ہوجائے تو کرخی نے کہا کہ اس کی عدت وضعِ حمل یعنی بچے کی پیدائش تک ہوگی، اس کی تفصیل بیان نہ کی کہ کون سی عدت میں یہ حکم ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے جو ذکر فرمایا وُہ یہ ہے کہ مذکورہ حکم طلاق کی عدت کا ہے لیکن عدتِ وفات ہو تو اس کا حکم تبدیل نہ ہوگا، یہی صحیح ہے جیسا کہ بدائع میں ہے۔ (ت)

فرق اتنا ہے کہ خود عمرو جس کے زنا سے یہ حمل رہا ہے وہ اب اگر نکاح کرے تو اسے فی الحال وطی جائز ہے اور دوسرے شخص سے نکاح ہو تو نکاح صحیح ہے مگر اسے تا وضعِ حمل زنا عورت کو ہاتھ لگانا ناجائز ہوگا۔ درمختار میں ہے:

صح نکاح حبلی من زنا وان حرم وطؤھا و دواعیہ حتی تضع لو نکحھا الزانی حل لہ وطؤھا اتفاقا[2]

زنا سے حاملہ عورت سے نکاح جائز ہے اگر اس سے وطی اور اس کے داعیہ بچے کی پیدائش تک حرام ہے لیکن اگر زانیہ حاملہ سے خود اس کا زانی نکاح کرے تو اس کو وطی بالاتفاق حلال ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب العدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۴

[2] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۹

زانی و زانیہ پر جو حد شرع مطہر نے لازم فرمائی ہے وہ یہاں کہاں، مگر توبہ فرض ہے اور اللہ عزوجل کا عذاب سخت ہے والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۳ تا ۲۲۶ از اکبر آباد مرسلہ محمد عبدالرزاق صاحب پانی پتی اڈیٹر رسالہ ہمدرد اسلام آگرہ ۹ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص نے اپنے لڑکے کی شادی اپنے حقیقی بھائی کی بیٹی سے کردی یا تایا یا چچازاد دو بھائیوں نے آپس میں اپنے لڑکے اور دوسرے بھائی کی بیٹی سے نکاح کردیا تو ازروئے شرع شریف یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں اور چچازاد بہن تایازاد بھائی پر اور تایازاد بھائی کی دختر چچازاد بھائی کے پسر پر حلال ہے یا نہیں؟

(۲) اگر جائز اور حلال ہے تو جو شخص اس حکم کو نہ مانے اور یہ کہے کہ گو یہ مسئلہ شرع شریف کا ہے لیکن ہم اس پر عمل نہیں کرتے کہ ہماری برادری اور باپ داداؤں سے کبھی ایسا نہیں ہوا تو ایسے لوگوں سے ملنا جلنا اور برادرانہ برتاؤ رکھنا کیسا ہے اور نیز ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اگر کوئی گروہ ایسے نکاح کرنے والے کا حقہ پانی، میل جول برادرانہ بند کردیں اور اس نکاح کو ننگ و ناموس قومی تصور کریں تو اُن سے میل جول رکھنا چاہئے یا نہیں؟

(۴) اگر ایسے لوگوں کی مخالفت سے ماں باپ ناراض ہوں تو باطاعت والدین گو مخالفتِ شرع شریف ہوجائے اُن سے میل جول رکھنا چاہئے یا اطاعتِ شریعت مقدم رکھے گو والدین ناراض ہوجائیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

دو بھائی حقیقی ہوں خواہ عم زادہ، اُن میں ہر ایک کی اولاد دوسرے کی اولاد پر قطعاً یقیناً باجماعِ اُمت جائز و حلال ہے، چچا ماموں خالہ پھوپھی کی اولاد کو بہن بھائی کہنا ایک مجازی بات ہے جسے ہرگز آیہ کریمہ محارم کے کلمات اخواتکم یا بنٰت الاخ و بنٰت الاخت (تمہاری بہنیں یا تمہاری بھتیجیاں اور بھانجیاں۔ت) کسی اسلامی مذہب میں شامل نہیں بلکہ نصِ قطعی قرآن عظیم گواہ ہے کہ یہ عورتیں ہرگز بہنوں میں داخل نہیں۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

یا ایھا النبی انا احللنا لک ازواجک التی اٰتیت اجورھن وما ملکت یمینک مما افاء اللہ علیک و بنٰت عمک

اے نبی! بیشک ہم نے حلال کیں تمہارے لئے تمہاری زوجات جن کے مہر تم نے دئے اور تمہاری کنیزیں جو اللہ نے تمہیں غنیمت میں دیں اور تمہارے چچا کی

وبنٰت عمّتك وبنٰت خالك وبنٰت خٰلٰتك[1] الاٰیة۔ — بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور ماموؤں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں۔ الآیۃ

ہاں ہنود عنود نے انھیں حقیقی بہن بھائی کی طرح سمجھا ہے جیسے متبنّٰی کو بزعم باطل بیٹا اور اُس کی زوجہ کو حقیقی بہو کے مثل جانتے ہیں، مشرکانِ عرب اس پچھلے مسئلے میں مشرکانِ ہند کے ہم خیال تھے جس پر اُن سُفہا نے نکاحِ حضرت ام المومنین زینب رضی اللہ تعالٰی عنہا پر طعن و اعتراض کیے اور قرآنِ عظیم نے اُن کے شیطانی خیال اُن کے مُنہ پر مار دیے۔ قال اللہ تعالٰی:

فلما قضی زید منھا وطرا زوجنکھا لکیلا یکون علی المؤمنین حرج فی ازواج ادعیائھم اذا قضوا منھن وطرا[2]۔ — جب زید نے اس سے اپنی حاجت پُوری کرلی تو اس کو ہم نے آپ سے بیاہ دیا تاکہ مومنین کو اپنے منہ بولے بیٹوں کی مدخولہ مطلقہ بیویوں سے نکاح کے بارے حرج نہ ہو۔ (ت)

مگر عم و عمّہ و خال و خالہ کی بیٹیوں کو مشرکین عرب بھی بہن نہ جانتے تھے ان سے مناکحت اُن میں بھی رائج تھی اور مسلمانوں میں بھی ہمیشہ رائج تھی اور اب تمام ممالک اسلامیہ میں شائع و ذائع ہے اُس کی سب سے اعلٰی نظیر حضرت امام حسن مثنّٰی و حضرت فاطمہ صغرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما کا نکاح ہے کون نہیں جانتا کہ حضرت امام حسن مثنّٰی حضرت امام حسن مجتبٰی کے صاحبزادے ہیں اور حضرت فاطمہ صغرٰی حضرت امام حسین شہید کربلا کی صاحبزادی رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، پھر یہ اُن کے نکاح میں تھیں، حضرت امام عبداللہ محض رضی اللہ تعالٰی عنہ انھی دونوں پاک مبارک والدین سے پیدا ہوئے اُنھیں محض اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ دنیا میں پہلے شخص تھے جن کے ماں باپ دونوں حضرت بتول زہرا صلی اللہ تعالٰی علٰی ابیہا الکریم وعلیہا وسلم کی اولاد امجاد ہیں۔ باپ حضرت خاتونِ جنّت کے پوتے اور ماں اُن کی پوتی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے:

لما مات الحسن بن الحسن بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہم ضربت امرأتہ القبۃ علی قبرہ سنۃ[3]۔ — جب حسن بن حسن بن علی (رضی اللہ تعالٰی عنہم) فوت ہُوئے تو ان کی بیوی نے ایک سال تک ان کی قبر پر خیمہ لگایا۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۶

[2] 〃 〃 ۳۳/ ۳۷

[3] صحیح بخاری کتاب الجنائز باب مایکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۷

ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ہے :

(امرأته) فاطمة بنت الحسین بن علی رضی اللّٰه تعالٰی عنهم وهی ابنة عمهم[1]

بیوی سے مراد فاطمہ بنت حسین بن علی (رضی اللہ تعالٰی عنہم) ہے جو ان کی چچا زاد ہیں۔ (ت)

یہ نیا مسئلہ خاص مشرکین ہند کی گھڑت ہے وُہ بھی ہندوستان کے بعض شہروں کے لیے بعض دیگر مثل دکن کے سکان کو شاید وہ بھی حلال مانتے ہیں۔ ہنود عنود کو تو آسان ہے کہ اُن کا امام ہوائے نفس وشیطان ہے، عجب اس سے جو دعوٰی اسلام رکھے قرآن عظیم کو اپنا امام جانے اور پھر خلافِ قرآن مسائلِ شیطان مانے والعیاذ باللہ رب العالمین، غالباً یہ ایسے ہی لوگوں کے ناپاک اوہام ہوسکتے ہیں جن کے باپ دادا ہندو تھے اسلام لائے تھوڑا زمانہ گزرا ہو اور یہ جاہل بے شعور اور صحبتِ اہلِ علم سے دُور، دل میں وہی خیالات بے معنی جمے ہُوئے ہیں اور موروث ہونے کے باعث گویا طبیعت ثانیہ ہوگئے ہیں اب کہ حکمِ قرآن عظیم معلوم ہُوا طبعی گھن کہ اس سے چڑھی ہوئی ہے اس کے امتثال سے مانع آتی ہے جیسے کوئی پُرانا پُجاری برہمچاری خوبی قسمت سے مشرف بہ اسلام ہوجائے اور اُس کے سامنے نوجوان گئی کا نفیس عمدہ فربہ تازہ سُرخ بریاں خوشبو خوشنما نرم چکنا چٹپٹا سلونا گوشت پیش کیا جائے تو عادتِ قدیمہ کے باعث یکایک اُس کی ہمت اس لذیذ نوالے کے لیے یاری نہ دے گی بلکہ دیکھتے ہی آنکھ بند ہوجائے گی، اگر فی الواقع ان لوگوں کے انکار کا صرف اسی قدر منشا ہے خوب جانتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں کہ یہ نکاح حلال ہیں ان میں کوئی قباحت نہیں، اور ہنود کہ انھیں حرام سمجھتے ہیں یہ اُن کا شنیع وقبیح زعم ہے بااینہمہ اُس عادتِ قدیمہ کے سبب اُس سے جھجکتے بچتے ہیں جب تو کفر نہیں مگر یہ خیال ناپاک رسومِ کفر کا بقیہ ہے اُن پر فرض ہے کہ اُسے دل سے دُور کریں اور پُورے پُورے اسلام میں داخل ہوں ورنہ عذابِ الٰہی کے منتظر رہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے :

یٰایها الذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافة ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن انه لکم عدو مبین ○ فان زللتم من بعد ما جاءتکم البینٰت فاعلموا ان اللّٰه عزیز حکیم ○ هل ینظرون الا ان یاتیهم اللّٰه فی ظلل من الغمام والملٰئکة وقضی الامر والی اللّٰه

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بیشک وہ تمھارا صریح دشمن ہے پھر اگر لغزش کرو بعد اس کے کہ تمھارے پاس آچکیں روشن آیتیں تو جان رکھو اللہ زبردست حکمت والا ہے یہ لوگ کس انتظار میں ہیں مگر یہی کہ آئے ان پر اللہ کا عذاب بادل کی گھٹاؤں میں

---

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب الجنائز قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۲۹

ترجع الامور[۱] ۝

اور فرشتے اور ہو چکے ہونے والی، اور اللہ ہی کی طرف پھرتے ہیں سب کام۔

جلالین شریف میں ہے:

نزل فی عبد اللہ بن سلام واصحابہ لما عظموا السبت عـــہ وکرھوا الابل بعد الاسلام ادخلوا فی السلم الاسلام کافۃ ای جمیع شرائعہ (ملخصا)[۲]

جب عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں نے ہفتہ کا دن منانا چاہا اور سابقہ دین کے پیش نظر اونٹ کے گوشت کو ناپسند کیا تو آیہ کریمہ ادخلوا فی السلم کافۃ نازل ہوئی یعنی داخل ہوجاؤ سلم میں، سلم سے مراد اسلام ہے یعنی یہ کہ پوری شریعت اسلامیہ کو اپناؤ (ملخصاً)۔ (ت)

یعنی جب علمائے یہود مشرف باسلام ہوئے عادت قدیمہ کے باعث اونٹ کے گوشت سے کراہت کی کہ یہود کے یہاں اونٹ حرام تھا اور تعظیم شنبہ کا عزم کیا کہ یہود میں ہفتہ معظم تھا اس پر حق سبحنہ وتعالٰی نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی کہ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو اس کے سب احکام مانو ورنہ عذاب الٰہی کے منتظر رہو والعیاذ باللہ تعالٰی۔ اگر یہ لوگ نہ مانیں تو مسلمانوں کو چاہئے ان سے میل جول نہ کریں خصوصاً جن سفہائے وہ ناپاک کلمہ کہا کہ "گو یہ مسئلہ شرع کا ہے مگر ہم الخ" اور جنھوں نے ایسے نکاح کرنے والے کو برادری سے خارج کردیا وہ سخت ظالم اور شدید مجرم ہیں مسلمانوں کو اُن سے احتراز ضرور ہے، قال اللہ تعالٰی:

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار[۳] ۝

ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمھیں چھوئے گی دوزخ کی آگ۔

ان کے پیچھے نماز ممنوع ہے کہ وہ اس تعصب وتشدد کے باعث فاسق معلن ہوئے اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اسے امام بنانا گناہ، کما نص علیہ فی الغنیۃ وغیرھا وحققناہ فی النھی الاکید (جیسا کہ اس پر غنیہ وغیرہا میں نص کی ہے اور ہم نے اس کی تحقیق اپنے رسالہ النہی الاکید میں کی ہے۔ ت)

عـــہ مصدر منہ قولہ تعالٰی ویوم لا یسبتون لا تأتیھم والمعنی تعظیم السبت ۱۲ منہ غفرلہ (م)

یہ مصدر ہے، اسی سے ہے اللہ تعالٰی کا قول "یوم لا یسبتون لا تأتیھم" روز ہفتہ کے علاوہ دنوں میں مچھلیاں انکے پاس نہ آتیں اور اس سے مراد روز ہفتہ کی تعظیم ہے۔ (ت)

۱؎ القرآن الکریم ۲/ ۲۰۸ تا ۲۱۰

۲؎ تفسیر جلالین زیر آیۃ ادخلوا فی السلم کافۃ اصح المطابع دہلی ص ۳۱

۳؎ القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

اس صورت میں حتی الوسع کوشش کرے کہ والدین راضی رہیں اور ان کی مخالطت سے بھی نجات ملے ورنہ ظاہری مخالطت اس قدر کہ منجر بہ معصیت نہ ہو مجبورانہ محض والدین کے دکھانے تک بجالائے،

فان ایذاءھما من اشد الکبائر ولیست مخالفتھم علی ما وصفنا فی السوء والشناعۃ مثل العقوق ومن ابتلی ببلیتین اختار اھونھما وقد کان سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما حامل لواء صفین مع ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ طاعۃ لہ من دون قتال مع علمہ ان الحق مع امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ وکان یعتذر عن ذلک بان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امرہ بطاعۃ ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

والدین کو اذیت دینا گناہ کبیرہ ہے، اور بُری باتوں اور غلط امور میں ان کی مخالفت والدین کی نافرمانی جیسی بات نہیں ہے، اور جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو وہ دونوں میں سے آسان کو اختیار کرے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے والد کے حکم پر جنگ صفین میں علم بردار تھے اور جنگ میں شرکت نہ چاہتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس جنگ میں حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم حق پر ہیں انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے والد کی اطاعت کی پابندی کے حکم کے عذر سے والد کی موافقت کی۔ (ت)

اور اگر معاذ اللہ اُس انکار کی وجہ یہ ہو کہ اس نکاح کو واقع میں حرام جانتے اور حکمِ شرع کو باطل مانتے مسئلۂ کفار کو صحیح وحسن سمجھتے ہیں جب تو صریح کفار مرتدین ہیں اُن سے میل جول قطعی حرام۔ اب اس صورت میں اُن کی عورتیں ان کے نکاح سے نکل گئیں ان سے ہمبستری زنا ہوگی اولاد ہوئی تو ولدالزنا ہوگی اُن کے پیچھے نماز باطل محض، ان سے میل جول میں والدین کی اطاعت ناجائز، ان سے مخالفت وجدائی لازم، اگرچہ ماں باپ ناراض ہوں، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی[1]۔ رواہ البخاری[ف] ومسلم وابوداؤد والنسائی عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ۔

اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں۔ (اس کو بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا۔ ت)

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل بقیہ حدیث الحکم بن عمرو الغفاری رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۵/ ۶۶

ف: بخاری ۲/ ۱۰۷۸، مسلم ۲/ ۱۲۵، سنن ابی داؤد ۱/ ۳۵۲ اور سنن النسائی ۲/ ۱۸۶ اسکے الفاظ یوں ہیں:
لاطاعۃ فی معصیۃ اللہ انما الطاعۃ فی المعروف۔ نذیر احمد سعیدی

غمز العیون میں ہے :

اتفق مشائخنا ان من رأی امر الکفار حسنا فقد کفر حتی قالوا فی رجل قال ترك الکلام عند اکل الطعام حسن من المجوس او ترك المضاجعة عندھم حال الحیض حسن فھو کافر۔[1]

ہمارے مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کفار کے شعائر کو پسند کرنے والا کافر ہے، حتی کہ انھوں نے فرمایا کہ جو شخص مجوسیوں کے شعار، کھانا کھاتے وقت بات چیت کے ترک، کو اچھا کہے یا حالتِ حیض میں بیوی کے ساتھ ایک بستر میں لیٹنے کے ترک کو مجوسیوں کی وجہ سے اچھا کہے وہ کافر ہے (ت)

اور اتنا حکم تو پہلی صورت میں بھی ہے کہ جس نے وُہ الفاظ انکار کے احتیاطاً تجدیدِ اسلام وتجدیدِ نکاح کرلے۔

جامع الفصولین میں ہے :

قال لخصمه حکم الشرع کذا فقال خصمه من برسم کار می کنم لبشرع نے قیل کفر وقیل لا۔[2]

جس نے اپنے مقابل کو کہا کہ حکم شرع یُوں ہے اور مقابل کہے میں مروّجہ رسم پر عمل پیرا ہُوں شرع پر نہیں، تو بعض نے فرمایا وہ کافر ہوگیا اور بعض نے فرمایا نہ ہوا۔ (ت)

درمختار میں ہے :

فی شرح الوھبانیة للشرنبلالی ما یکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا وما فیه خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة وتجدید النکاح۔[3] واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

شرح وہبانیہ شرنبلالی میں ہے کہ متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہوجاتا ہے، حالتِ کفر کی اولاد اولادِ زنا ہوگی، اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ واستغفار اور تجدیدِ نکاح کا حکم دیا جائے گا ـــــ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم، اور اس جل مجدہ کا علم اتم واکمل ہے (ت)

مسئلہ ۲۲۷: از ملک بنگالہ ضلع پٹنہ ڈاکخانہ بنگاشی موضع مختارگاتی مرسلہ مصلح الدین صاحب ۱۲ شوال المکرم ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حقیقی بھانجی کی بیٹی سے نکاح جائز

---

[1] غمز العیون مع الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۹۵

[2] جامع الفصولین فصل فی تنفیذ الوصیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/۳۱۰

[3] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مجتبائی دہلی ۱/۳۵۹

ہے یا نہیں؛ بادلیل عنایت ہو۔ بینوا توجروا

الجواب

حرام قطعی ہے وُہ خود اُس کی بیٹی ہے،

قال اللہ تعالٰی و بنت الاخت[1] وھن یشملن بناتھا من بطنھا و من ابنھا و من بنتھا و ان سفلن. واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا، اور بھانجیاں، جبکہ یہ لفظ بھانجی کی بیٹیوں، پوتیوں اور نواسیوں کو نیچے تک شامل ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۸

چہ مے فرمایند علمائے دین و حامیِ شرع متین دریں مسئلہ کہ اگر مردے از طریق اہلِ سنت و جماعت و زنے از طریق اہلِ شیعہ و باہم مرد و زن صیغہ نکاح مروجہ بطریق اہل سنت و جماعت خوانده باشد و ہنوز خلوت صحیحہ بلکہ رسم رخصت مروجہ ہندوستان نہ شدہ باشد و حالا باہم رضامندی نہ دارد، آیا نکاح صحیح ست یا نہ؟ بینوا توجروا۔

علمائے دین و حامیِ شرع متین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ مرد اہلِ سنت وجماعت ہو اور عورت اہلِ شیعہ میں سے، ان دونوں کا نکاح اہل سنت و جماعت کے طریقہ پر ہوا، اور ابھی خلوتِ صحیحہ بلکہ رخصتی بھی نہ ہوئی، جیسا کہ ہندوستان کا طریقہ ہے، جبکہ ابھی رضامندی نہیں، تو ایسا نکاح صحیح ہے یا نہیں، بیان کرو اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب

آں زن اگر لبلامت قلب خود از عقائد مکفرہ بری ست نکاح صحیح شد و بعد نکاح عدم رضائے او را اعتبارے نے و حکما سپردِ شوہر کردہ شود و اگر در رنگ عامہ روافض زمانہ عقیدہ مکفرہ دارد نکاح باو باطل محض ست نہ سنی را رسد نہ رافضی نہ یہودی نہ مجوسی ہیچ کس را لان المکفر من اھل الھوی کالمرتد حکمہ والمرتدۃ لاینکحھا مسلم ولا کافر اصلی ولا مرتد

اگر وُہ عورت خود دل سے عقائد کفریہ سے توبہ کر چکی ہے اور بری ہو چکی ہے تو نکاح صحیح ہے اور نکاح کے بعد عدم رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں، ایسی عورت کو حکماً شوہر کے سپرد کیا جائے گا، اور اگر وہ عورت موجودہ عام روافض جیسے کفریہ عقیدے رکھتی ہو تو اس سے نکاح باطل ہے۔ سنی، رافضی اور مجوسی کسی کے لیے بھی وُہ جائز و حلال نہیں، کیونکہ اہلِ ہوٰی میں سے جن کو کافر قرار دیا گیا ہو وہ مرتد کی طرح ہیں

---

[1] القرآن الکریم ۴/۲۳

مثلہا کما نصوا علیہ آرے اگر وقت نکاح از کفر بری بود تا آنکہ نکاح صحیح شد وحالا ارتکاب او کند تا از حبالہ نکاح بدر آید ایں حیلت و مکیدہ فاسدہ اش ہم بر روئے زن زنند و حکم ببقائے نکاح و وجوب تسلیم نفس کنند کما ھو المختار الاٰن للفتوی علی ما حققناہ فی فتاوٰنا ۔ و اللہ تعالٰی اعلم۔

اور مرتد والا حکم رکھتے ہیں اور مرتدہ سے کسی مسلمان، اصلی کافر یا اس جیسے مرتد کو نکاح جائز نہیں، جیسا کہ فقہاءِ کرام نے اس پر تصریح کی ہے۔ ہاں اگر نکاح کے وقت کفر سے بری تھی تو نکاح صحیح ہُوا مگر اس کے بعد اب وُہ عقائد کفریہ کا اظہار بطور حیلہ و مکر اس لیے کرتی تاکہ نکاح سے خلاصی حاصل کرے تو اس کے حیلہ و مکر و فریب کو اس کے منہ پر دے مارا جائے اور نکاح کا حکم باقی رکھا جائے اور اس کو خاوند کے سپرد کرنا ضروری ہے جیسا کہ آج کل فتوٰی میں مختار یہی ہے جس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں کردی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۹ تا ۲۳۱: مسئولہ جناب مولوی بشیر احمد صاحب علی گڑھی مدرس اول مدرسہ منظرِ اسلام بریلی ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں :

(۱) سوتیلی خالہ سے نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) کوئی شخص اگر ساس یا سالی سے آشنائی اور صحبت کرے تو عورت اس کے نکاح سے باہر ہوجاتی ہے اور اس کی عدت ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

(۳) ایسی دو عورتوں کا ایک وقت میں نکاح میں لانا کہ اگر ایک کو مرد اور ایک کو عورت قرار دیا جائے تو صورت محرمات میں آجائیں تو درست ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب

(۱) خالہ سگی ہو یا سوتیلی، مثل ماں کے حرام قطعی ہے۔ قال اللہ تعالٰی ، وخالٰتکم[1] (اور تمہاری خالائیں۔ت) درمختار میں ہے : الاشقاء وغیرھن[2] (سوتیلی وغیرہ۔ت) ہاں منکوحہ پدر کہ اس کی ماں نہیں اُس کی سگی بہن بھی حلال ہے جبکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو۔ قال تعالٰی ، و احل لکم ماوراء ذٰلکم[3] (تمہارے لیے ان محرمات کے ماسوا حلال کی گئی ہیں۔ت) مگر وہ اس کی خالہ نہیں کہ جس کی بہن ہے وہ اس کی ماں نہیں ہے مگر مجازاً اور ادعائے مجاز بے قرینہ مدفوع و نامسموع، اور بالفرض غلط اگر سوتیلی ماں کی بہن

---

[2] درمختار کتاب النکاح باب فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۷

[3] القرآن الکریم ۴/۲۴

بھی سوتیلی خالہ ہو تو ماں کی سوتیلی بہن یقیناً سوتیلی خالہ ہے بلکہ وہی اطلاقاً اکثر اور فہماً اظہر تو بعض عمائد غیر مقلدین سے تحلیل حرام وتضلیل عوام کے دونوں الزام مدفوع نہیں ہوسکتے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) سالی سے زنا عورت کو حرام نہیں کرتا، ساس کو بہ شہوت ہاتھ لگانے ہی سے عورت ہمیشہ کو حرام ہوجاتی ہے کہ کسی طرح اُس کے لیے حلال نہیں ہوسکتی مگر نکاح نہیں جاتا بلکہ متارکہ ضرور ہے مثلاً عورت سے کہہ دے میں نے تجھے چھوڑا یا ترک کردیا، متارکہ کے بعد عدّت واجب ہوگی جبکہ عورت سے خلوت کرچکا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) دو عورتیں کہ ان میں جس کو مرد فرض کریں دوسری اس پر ہمیشہ حرام ہو ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں خواہ ایک وقت میں خواہ مختلف اوقات میں، جیسے ماں بیٹی کہ بعد فرض ماں بیٹا یا باپ بیٹی ہوں گی اور اگر ایک کو مرد فرض کیے سے دوسری اس پر حرام ابدی ہو مگر دوسری کو مرد ٹھہرانے سے وہ پہلی حرام نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرسکتے ہیں جیسے ساس بہو کہ ساس مرد ہو تو وہ خسر اور بہو ہیں، بہو خسر پر ہمیشہ حرام ہے اور اگر بہو مرد ہو تو اب ساس سے کوئی رشتہ نہیں وہ اس کے لیے حلال ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۲ ۲۳۳ از تحصیل ستارگنج ڈاک خانہ خاص ضلع نینی تال مرسلہ الٰہی بخش صاحب کاریگر

ہادیٔ دین شرع متین جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب دام مجدہم، بعد سلام علیکم دست بستہ کے التماس ہے آپ کی ذات مجمع کمالات ہم عاصیوں کے لیے باعث افتخار ہے اور ہر مشکل مسئلہ میں آپ سے عقدہ کشائی ہوکر کارِ ثواب میں داخل ہوکر کار نیک کے پابند ہوسکتے ہیں۔

(۱) ایک عورت بیوہ نے اپنی لڑکی نابالغ کو لڑکے کی زوجیت میں دیا، بعد تھوڑی مدت میں وہ لڑکی نابالغ مرگئی، بعد تھوڑی مدت کے اس عورت نے جو بیوہ پہلے سے تھی اب اُس نے اپنے داماد سے نکاح کرلیا ہے اور اس نکاح سے اب ایک بچہ موجود ہے، آیا یہ نکاح درست ہے یا حرام ہے؟

(۲) ایک شخص نے ایک عورت بیوہ سے نکاح کرلیا، اس عورت بیوہ کا جو پہلا خاوند تھا اس سے ایک لڑکا تھا جو اب عورت کے دوسرے نکاح کرنے پر ہمراہ آیا تھا وہ لڑکا جوان ہوکر مرگیا اور اس کی ماں بھی مرگئی، اب اس جوان لڑکے کی بیوی بیوہ ہے اور اب اس لڑکے کا باپ یعنی اب سوتیلا ہے اور یہ سوتیلا باپ اس سوتیلے لڑکے کی بیوہ بیوی کو یعنی اب اپنی سوتیلی بہو کو یعنی اب سوتیلے بیٹے کی بیوی بیوہ کو نکاح میں لایا چاہتا ہے اور حرام بھی کیا ہے اور اسی وجہ سے وہ بیوہ بہو حاملہ ہے اور اس کا حمل قریباً چار ماہ کا ہے اور اسی قدر عرصہ اس کے خاوند کو مرے ہوئے گزرا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعد مرنے اپنے سوتیلے بیٹے کے وہ شخص اپنی

سوتیلی بہو کے ساتھ فعل کرتا رہا اب یہ نہیں معلوم کہ حمل بیٹے کا ہے یا باپ کا، البتہ قرین قیاس یہ ہے کہ سوتیلے بیٹے کا یعنی اُس کے شوہر کا ہے کیونکہ اُس کے شوہر کو مرے ہوئے بھی عرصہ چار ماہ کا گزرا ہے، آیا بعد وضع حمل کے نکاح ہونا یعنی سوتیلے بیٹے کی بیوہ بیوی سے خسر سوتیلے کا جائز ہے یا ناجائز؟ والسلام۔ دوسرے مسئلہ کا اصل قصہ مختصر یہ ہے کہ سوتیلے بیٹے کی بیوہ بیوی کو سوتیلا خسر اپنے نکاح میں لا سکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

(۱) ساس پر داماد مطلقاً حرام ہے اگرچہ اُس کی بیٹی کی رخصت بھی نہ ہوئی ہو اور قبلِ رخصت مرگئی ہو۔ قال اللہ تعالٰی: و امھات نسائکم[1] (اور تمہاری بیویوں کی مائیں تم پر حرام ہیں) یہ نکاح حرام محض ہوا، وہ بچہ ولد الحرام ہُوا، اُن دونوں پر کہ حقیقۃً ماں بیٹے ہیں فرض ہے کہ فوراً جُدا ہوجائیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) جبکہ یہ بھی احتمال ہے کہ اُس بیوہ کا یہ حمل اپنے شوہر کا ہو، تو جب تک وضعِ حمل نہ ہو اس سے نکاح قطعی حرام ہے، بعد وضعِ حمل نکاح کرسکتا ہے لقولہ تعالٰی: وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم[2] (اور تمہارے نسبی بیٹوں کی بیویاں حرام ہیں۔ ت) مع قولہ تعالٰی واحل لکم ماوراء ذلکم[3] (اللہ تعالٰی کے اس قول کے پیشِ نظر: اور تمہارے لیے ان کے ماسوا حلال کی گئی ہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۴: مسئولہ مولوی محمد امانت الرسول صاحب از رامپور محلہ سیلا تالاب

سوتیلی ماں کو اگر باپ تین طلاقیں دے دے لڑکا اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ مدلل تحریر ہو، والسلام۔ بیّنوا توجروا

الجواب

اللہ لاالٰہ الا اللہ، سوتیلی ماں حقیقی ماں کے برابر حرام قطعی ہے۔ اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں ماں کی حُرمت سے پہلے سوتیلی ماں کی حرمت بیان فرمائی ہے، اذ قال اللہ تعالٰی (جبکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ ت):

ولا تنکحوا ما نکح اٰبائکم الی قولہ تعالٰی انہ کان فاحشۃ و مقتا وساء سبیلا[4]۔ نہ نکاح کرو اُن عورتوں سے جن سے تمہارے باپ نکاح کرچکے، بیشک وہ بے حیائی اور خدا کو دشمن اور نہایت بُری راہ ہے۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳۵: از شہر مسئولہ مولوی حافظ امیر اللہ صاحب ۱۴ ذی القعدہ ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص عدت میں نکاح پڑھوا دیتا ہے اور ریتو بصن کو صرف

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳
[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۳
[3] القرآن الکریم ۴/ ۲۴
[4] " " ۴/ ۲۲

جماع سے بچنے پر حمل کرتا ہے، صحیح ہے یا غلط؟ اور اس شخص کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

عدت میں نکاح حرام قطعی ہے بلکہ نکاح تو بڑی چیز ہے، قرآن عظیم نے عدت میں نکاح کے صریح پیام کو بھی حرام فرمایا، نکاح بعد عدت کرلینے کے وعدہ کو بھی حرام فرمایا صرف اس کی اجازت دی ہے کہ دل میں خیال رکھو یا کوئی پہلو دار بات ایسی کہو جس سے بعد عدت ارادۂ نکاح کا اشارہ نکلتا ہو، صاف صاف یہ ذکر نہ ہو کہ میں بعد عدت تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، یہاں تک کہنا بھی حرام ہے، تو خود نکاح کرلینا کیونکر حلال ہوگا، پھر پہلو دار بات بھی عدت وفات والی سے کہنا جائز ہے، عدت طلاق والی سے باجماع امت وہ بھی جائز نہیں۔ قال اللہ عزوجل (اللہ عزوجل نے فرمایا۔ ت):

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا فاذا بلغن اجلهن فلا جناح علیکم فی ما فعلن فی انفسهن بالمعروف واللہ بما تعملون خبیر ولا جناح علیکم فیما عرضتم به من خطبة النساء او اکننتم فی انفسکم علم اللہ انکم ستذکرونهن ولکن لا تواعدوهن سرا الا ان تقولوا قولا معروفا ○ ولا تعزموا عقدة النکاح حتی یبلغ الکتٰب اجله واعلموا ان اللہ یعلم ما فی انفسکم فاحذروہ واعلموا ان اللہ غفور حلیم[1] ○

یعنی تم میں جو لوگ مریں اور عورتیں چھوڑیں وہ عورتیں چار مہینے دس دن اپنی جانوں کو روکے رہیں، جب عدت پوری ہوجائے پھر جو کچھ اپنے معاملہ میں موافق شرع کریں اس کا تم پر الزام نہیں، اور خدا جانتا ہے تمہیں ان سے نکاح کا خیال گزرے گا مگر باہم نکاح کا وعدہ خفیہ بھی نہ کر رکھو، ہاں اُس طریقہ معلوم پر کنایۃً کچھ کہہ سکتے ہو اور جب تک عدت پُوری نہ ہو نکاح کا قصد بھی نہ کرو، اور جان لو کہ اللہ تمہارے دلوں کی بات جانتا ہے تو اس سے ڈرو، اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا حلم والا ہے یعنی عذاب نہ آنے پر مغرور نہ ہو کہ وہ حلیم ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

قوله لا باس بالتعریض فی الخطبة اراد المتوفی عنها زوجها اذ التعریض لایجوز فی المطلقة بالاجماع[2]

خاص وفات کی عدت والی عورت سے کنایہ کے طور پر پیام نکاح میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ طلاق کی عدت والی سے بالاجماع کنایہ بھی جائز نہیں (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۴-۳۵

[2] فتح القدیر باب فی العدة المکتبة النوریة الرضویہ سکھر ۴/ ۱۶۵

اگر کوئی شخص عدت میں نکاح پڑھا دیا کرتا اور اسے حرام و زنا جانتا تو اتنا ہوتا کہ وہ سخت مرتکب کبائر اور زانی زانیہ کا دلال ہوتا مگر وہ جو اسے جائز بتاتا اور قرآن عظیم میں تحریف کرکے یتربصن کو فقط منع جماع پر حمل کرتا ہے وہ ضرور منکر قرآن مجید ہے اور اس پر یقیناً کفر لازم، اس پر فرض ہے کہ توبہ کرے اور اپنے اس قول ناپاک کو جھٹلائے اور نئے سرے سے اسلام لائے، اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳۶: از سلون شریف ضلع رائے بریلی احاطہ شاہ صاحب مرسلہ مولوی محمد عمر صاحب مدرسہ اسلامیہ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ

جناب مولانا صاحب مجدد مائۃ حاضرہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، زنِ فاحشہ رنڈی وغیرہ سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو بعد توبہ یا بغیر توبہ بھی؟ اگر بعد توبہ جائز ہے تو توبہ کی قید کیوں ہے؟ کتابیہ سے تو بلا توبہ جائز ہو اور اس سے بلا توبہ جائز نہ ہو، عقل سلیم خلاف حکم کرتی ہے، اور اگر ناجائز ہے تو کیوں؟ والسلام! بینوا توجروا۔

الجواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، زنِ فاحشہ سے نکاح جائز ہے اگرچہ تائب نہ ہوئی ہو، ہاں اگر اپنے افعالِ خبیثہ پر قائم رہے، اور یہ تاقدرت انسداد نہ کرے تو دیوث ہے اور سخت کبیرہ کا مرتکب، مگر یہ حکم اس کی اس بے غیرتی پر ہے، نفسِ نکاح پر اس سے اثر نہیں، حق سبحانہ وتعالٰی نے محرمات گنا کر فرمایا:

واحل لکم ما وراء ذٰلکم[1] (اور تمھارے لیے محرمات کے ماسوا حلال کی گئی ہیں۔ ت) رہی آیہ کریمہ:

والزانیۃ لاینکحھا الا زان او مشرک وحرم ذٰلک علی المؤمنین[2]	زانیہ سے صرف زانی مرد یا مشرک نکاح کرے اور یہ مومنین کے لیے حرام ہے۔ (ت)

اس میں چار تاویلیں ماثور ہیں، ان میں سے اول کی دو فقیر کے نزدیک اصح و احسن ہیں۔

تاویل اوّل: نکاح سے عقد ہی مراد ہے، پہلے زانیہ سے نکاح حرام تھا پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ یہ قول سیدنا سعید بن مسیب رضی اللہ تعالٰی عنہما کا ہے اور بغوی نے اسے ایک جماعت کی طرف منسوب کیا۔ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کی تصحیح کی، کتاب الام میں فرماتے ہیں:

اختلف اھل التفسیر فی ھذہ الاٰیۃ اختلافا	اہل تفسیر نے اس آیہ کریمہ میں واضح اختلاف کیا ہے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴
[2] ؍؍ ؍؍ ۲۴/ ۳

متباينا فقيل هي عامة ولكن نسخت بقوله تعالٰى وانكحوا الايامٰى الخ وقد رويناه عن سعيد بن المسيب وهو كما قال وعليه دلائل من الكتاب والسنة فلا عبرة بما خالفه اھ بمحصوله، نقله في عناية القاضي[1]۔

بعض نے کہا کہ یہ عام ہے لیکن اللہ تعالٰی کے قول وانکحوا الایامٰی الخ کے نازل ہونے پر منسوخ ہوگئی ہے، اور اس قول کو ہم نے سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے اور وہ ان کے قول کے مطابق درست ہے اور اس پر قرآن وحدیث سے دلائل ہیں، تو اس کے مخالف قول کا اعتبار نہ ہوگا، اس کا خلاصہ ختم ہُوا، جس کو عنایۃ القاضی میں نقل کیا ہے۔ (ت)

تفسیراتِ احمدیہ میں ہے:

هذا هو الذي اختاره الفقيه ابو الليث و قال ان الأية منسوخة او معناها الزاني لاينكح الا زانية او مثلها اھ[2]۔

اسی کو فقیہ ابو اللیث نے مختار قرار دیا ہے اور کہا کہ یہ آیت منسوخ ہے یا اس کا معنٰی یہ ہے کہ زانی زانیہ یا اس جیسی عورتوں سے نکاح کرے اھ (ت)

اقول الذي رأيت من لفظ الفقيه في بستانه قال سعيد بن جبير والضحاك معناها الزاني لايزني الا بزانية مثله وهكذا روي عن عبد الله ابن عباس رضي الله عنهما وقد قيل ان الأية منسوخة لأن رجلا سأل رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم فقال ان امرأتي لاترد يد لامس، فقال طلقها، فقال اني احبها، قال صلى الله تعالٰى عليه وسلم فامسكها اھ[3] فقوله معناها الزاني لاينكح صوابه لايزني وجزمه بان الفقيه جزم بالنسخ غير ظاهر

اقول (میں کہتا ہوں۔ ت) میں نے جو کچھ فقیہ مذکور کی کتاب "بستان" دیکھی ہے وُہ یہ ہے کہ سعید بن جبیر اور ضحاک نے فرمایا کہ اس آیت کا معنٰی یہ ہے کہ زانی صرف اپنے جیسی زانیہ سے زنا کرتا ہے، اور ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسی طرح مروی ہے۔ اور بعض نے کہا کہ آیہ کریمہ منسوخ ہے کیونکہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ذکر کیا کہ میری بیوی کسی چھُونے والے کے ہاتھ کو رَد نہیں کرتی، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اس کو طلاق دے۔ تو اس شخص نے کہا کہ مجھے اس سے محبت ہے، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تو پھر طلاق نہ دے اھ۔ تو اس کا قول کہ

[1] عنایۃ القاضی حاشیہ تفسیر البیضاوی زیر آیہ ماقبل دار صادر بیروت ۶/۳۵۷

[2] تفسیرات احمدیہ " مطبع کریمیہ بمبئی ص ۵۴۵

[3] بستان العارفین علی ہامش تنبیہ الغافلین الباب الحادی والسبعون ترویج الزانیۃ دار الزہراء للطباعۃ والنشر ص ۱۰۳

من کلام الفقیه۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ابواللیث نے کہا اس کا معنٰی "لاینکح" درست نہیں مگر میرے حوالے کے مطابق صحیح یہ ہے کہ انھوں نے معنٰی "لایزنی" بتایا ہے، اور انھوں نے بطور اعتماد کہا کہ ابواللیث نے فسخ کو مختار قرار دیا، یہ بات ابواللیث کے کلام سے ظاہر نہیں ہوتی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

رغائب الفرقان میں ہے:

قیل انہ صار منسوخا امابالاجماع وھو قول سعید بن المسیب، و زیف بان الاجماع لاینسخ ولاینسخ بہ، و اما بعموم قولہ تعالٰی "وانکحوا الایامٰی فانکحوا ماطاب لکم" وھو قول الجبائی وضعف بان ذلك العام مشروط بعدم الموانع السببیۃ والنسبیۃ، ولیکن ھذا المانع ایضا من جملتھا[1] اھ **اقول** مانسب الی الجبائی فھو۔[عہ]

بعض نے کہا کہ منسوخ ہے یا اجماع کے ساتھ یہ قول سعید بن مسیب کا ہے یہ موقف کمزور ہے کیونکہ اجماع نہ منسوخ ہوتا اور نہ ناسخ ہوتا ہے۔ یا منسوخ ہے اللہ تعالٰی کے ارشاد "وانکحوا الایامٰی فانکحوا ماطاب لکم" کے ساتھ، اور یہ جبائی کا قول ہے۔ اور یہ بھی ضعیف قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس آیت میں بیان کردہ اباحت، سببی یا نسبی مانع کے نہ ہونے کے ساتھ مشروط ہے اور زنا بھی ان موانع میں سے ایک مانع ہے اھ **اقول** جبائی کی طرف منسوب ہے تو وہ (اس سے آگے عبارت دستیاب نہیں ہوسکی)۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۷: از فرید آباد ڈاک خانہ غوث پور ریاست بہاولپور مرسلہ مولوی نور احمد صاحب فریدی دوازدہم محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

شرعًا قبل متارکہ و تفریق بین المحارم غیر مدخولہ سے کسی دوسرے کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور قاضی شرعًا کون ہے؟ بوقتِ ضرورت فسخ و تفریق اس ملک ریاست بہاولپور اسلامیہ میں جو تحت قبضہ نصارٰی ہے کون حقِ فسخ و تفریق بالا رکھتا ہے؟ علما کا ہے یا گردآور قاضیان سرکار کا یا محض حکام کا؟ اور حکام بعض صاحبِ اسلام ہیں بعض اہلِ ہنود، ان میں کوئی امتیاز ہے یا سب اس کا حق رکھتے ہیں اس

[عہ] افسوس کہ یہ فتوٰی اسی قدر منقول ملا، آگے دستیاب نہ ہوسکا، جتنا ملا اتنا چھاپ دیا۔ باقی اگر کبھی آئندہ کہیں مل سکا تو وہ بھی ان شاء اللہ تعالٰی علیحدہ یا بطور تبرک چھاپ دیا جائے گا یا کسی حصہ آئندہ میں۔ (مرتب)

---

[1] رغائب الفرقان (تفسیر نیشاپوری) زیر آیہ ماقبل مصطفی البابی مصر ۱۲/ ۵۸

ریاست اسلامی میں دو عورات ایک شخص سے یکے بعد دیگرے نکاح کرچکی ہیں اور بحکم شرعی وان تزوجھما علی التعاقب صحّ الاول وبطل الثانی (آپس میں دو محرم عورتوں سے اگر یکے بعد دیگرے نکاح کیا تو پہلا صحیح ہُوا دُوسرا باطل ہے۔ت) متارکہ یا تفریق ثانیہ کی ضرورت ہے لیکن ناکح متارکہ نہیں کرتا، تفریق لازمی ہے، دریافت طلب یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اسلامی ریاست میں مسلمان حاکم کہ وہابی، رافضی، قادیانی، نیچری وامثالہم سے نہ ہو نائب شرع ہے مگر یہاں نہ قاضی کی حاجت نہ متارکہ شوہر کی ضرورت کہ نکاح راسًا فاسد واقع ہوا، عورت تنہا اُس کے فسخ کا اختیار رکھتی ہے، شوہر سے کہہ دے میں نے اس حرام کو چھوڑا پھر اگر مجامعت نہ ہُوئی تو ابھی، ورنہ بعد عدت جس سے چاہے نکاح کرلے۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

یثبت لکل واحد منھما فسخہ ولو بغیر محضر من صاحبہ دخل بھا اولا فی الاصح خروجا عن المعصیة فلاینافی وجوبہ بل یجب علی القاضی التفریق بینھما۔[1]

مرد وعورت دونوں کو فسخ کا حق ہے اگرچہ دونوں میں ایک غیر حاضر ہو، دخول ہوچکا ہو یا نہیں، اصح قول یہی ہے۔ تاکہ گناہ سے علیحدگی ہوجائے تو یہ متارکہ قاضی کی تفریق کے وجوب کے منافی نہیں ہے بلکہ قاضی پر الگ کرنا ان دونوں کو واجب ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ فی الاصح وقیل بعد الدخول لیس لاحدھما فسخہ الابحضرة الاٰخر، قولہ یجب علی القاضی ای ان لم یتفرقا۔[2]

اس کا قول "فی الاصح" اور بعض نے کہا کہ دخول کے بعد ایک کی تفریق دوسرے کی موجودگی کے بغیر جائز نہیں، اور اس کا قول کہ قاضی پر واجب ہے یعنی اس وقت جب دونوں نے آپس میں تفریق نہ کی ہو۔ (ت)

اُسی میں ہے:

فسخ ھذا النکاح من کل منھما بمحضر الاٰخر اتفاقا والفرق بین المتارکة والفسخ بعید

اس نکاح کا فسخ دونوں ایک دوسرے کی موجودگی میں کریں، یہ متفقہ مسئلہ ہے، اور یہاں متارکہ اور

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۱

[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۱

كذا في البحر[1]

فسخ کا فرق بعید ہے۔ بحر میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

اسی میں خیریہ سے ہے:

الحق عدم الفرق ولذا جزم به المقدسی فی شرح نظم الکنز[2]

حق یہی ہے کہ دونوں میں فرق نہیں ہے، اسی لیے مقدسی نے اس پر نظم الکنز کی شرح میں جزم کیا ہے۔ (ت)

بحر الرائق میں ہے:

رجحنا (فی باب المھر) الثانی انها تکون من المرأة ایضا ولذا ذکر مسکین من صورها ان تقول له تركتك۔[3]

ہم نے باب المہر میں ثانی کو ترجیح دی ہے یہ عورت کو بھی حق ہے، اسی لیے مسکین نے اس کی صورت کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ عورت کہہ سکتی ہے کہ میں نے تجھ سے علیحدگی کرلی ہے۔ (ت)

اس مسئلہ کی تمام تحقیق ہمارے فتاوٰی میں ہے اور یہاں اس کی حاجت نہیں کہ عورت کے فسخ کو متارکہ کہیں یا نہیں، اُسے فسخ کا اختیار بلاشبہہ بالاتفاق ہے دفعًا للمعصیۃ (گناہ کو ختم کرنے کیلئے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۸: از مین پوری محلہ زیر قلعہ راجہ مرسلہ سعد اللہ صاحب معمار ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ

ہندہ بیوہ نے زید سے تعلق ناجائز پیدا کیا، اور سنا ہے کہ چند حمل بھی ساقط ہوئے اور ہندہ نے اپنی دختر کا کہ وُہ بھی صغر سنی میں بیوہ ہوگئی تھی زید کے ساتھ جس سے خود تعلق ناجائز رکھتی تھی بلا رضامندی دختر خود بجبر عقد کردیا تو یہ نکاح درست ہوا یا نہیں، اور اب اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ بلا طلاق ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر صورت واقعہ یہ ہے یہ نکاح حرام محض ہے۔ زید پر فرض ہے کہ وُہ اسے چھوڑ دے۔ زید کے چھوڑنے کے بعد عدت کے دن پورے کرکے جس سے چاہے نکاح کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳۹: از جے پور راجپوتانہ چاندپول بازار متصل دکان گوبندرام فوٹو گرافر مرسلہ حافظ رحیم بخش صاحب خرادی ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

حرمت مصاہرت کے لیے عورت کا مشتہاۃ ہونا ضروری ہے،

---

[1] و [2] رد المحتار باب المہر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۲

[3] بحر الرائق باب العدۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۴۶

هذا اذا کانت حیۃ مشتہاۃ اما غیرھا یعنی المیتۃ وصغیرۃ لم تشتہ (فلا) تثبت الحرمۃ بھا اصلا، درمختار[1]۔

حرمتِ مصاہرہ تب ہوگی جب عورت زندہ اور شہوت والی ہو، لیکن اگر مردہ ہو یا صغیرہ غیر شہوت والی ہو تو حرمت مصاہرہ ہرگز ثابت نہ ہوگی، درمختار۔ (ت)

اور مشتہاۃ کم سے کم نوسال کی لڑکی ہوسکتی ہے تو عبارت ذیل بھی:

اویزداد انتشارًا ای ان تکون منتشرۃ قبلہ حتی قیل من انتشرت اٰلتہ وطلب امرأتہ لوطیھا فاولجھا بین فخذی بنتھا لاتحرم علیھا امھا مالم یزداد انتشارا، ووجود الشھوۃ من احدھما یکفی[2]۔

یا انتشار زیادہ ہوجائے، یعنی آلہ تناسل پہلے منتشر تھا اس پر یہاں تک کہا گیا کہ اگر اس نے آلہ تناسل کے انتشار کے بعد بیوی کو طلب کیا ہو، یا طلب کرتے ہوئے غلطی سے بیوی کی بیٹی کی ران پر ڈال دیا تو اس لڑکی کی ماں حرام نہ ہوگی جب تک لڑکی کو چھوتے ہوئے انتشار زیادہ نہ ہوا ہو، اور چھوتے وقت مرد یا عورت میں سے ایک کا شہوت میں ہونا حُرمت کے لیے کافی ہے۔ (ت)

جو شرح چلپی کے صفحہ ۹۲ کے متعلقہ حاشیہ پر درج ہے نوسال یا اس سے زائد کی لڑکی کے واسطے معلوم ہوتی ہے یا آنکہ دس سال کی لڑکی پر بھی یہ مسئلہ عائد ہوسکتا ہے یعنی حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجائے گی یا کیا؟

الجواب

ثبوت حرمت مصاہرت کے لیے مشتہاۃ ہونا ضروری ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ عامہ کتب میں تصریح ہے اور وجود الشھوۃ من احدھما یکفی[3] (دونوں میں سے ایک کا شہوت سے ہونا کافی۔ ت) کے یہ معنی نہیں کہ صرف یہ مشتہی اور دختر غیر مشتہاۃ یا عورت مشتہاۃ ہو اور لڑکا غیر مشتہی تو حرمت ثابت ہوجائے یہ کسی کا بھی قول نہیں بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ مشتہی ہو اور وہ مشتہاۃ اور بالفعل شہوت ایک کی طرف سے ہو مثلاً اس کے سوتے میں مس بشہوۃ کیا کہ اُسے اطلاع بھی نہ ہُوئی تو حرمت ہوگئی کہ وجود من احدہما کافی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴: از ماہم ڈاک خانہ نمبر ۱۶ بمبئی مرسلہ حاجی محمد سلیمان ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ

زید کا نکاح زید کی بھتیجی کی دختر سے حلال ہے یا حرام یعنی زید و بکر حقیقی دونوں بھائی ایک باپ مادر کی پشت سے ہیں، اب زید کا نکاح بکر کی نواسی سے حلال ہے یا نہیں؟ جیسا خدا و رسول کا حکم ہو قرآن مجید

---

[1] درمختار | باب فی المحرمات | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۸۸

[2] ذخیرۃ العقبٰی حاشیہ شرح وقایہ | کتاب النکاح | منشی نولکشور لکھنؤ | ۲/۱۷۹

[3] ایضاً

حدیث، فقہ سے حکم صادر فرمائیں، بھتیجی کی لڑکی سے اور بھانجی کی لڑکی سے اور بھتیجے کی بیٹی اور بھانجے کی لڑکی سے نکاح درست ہے اور بھتیجی وبھانجی سے تو حرام ہے مگر ان کی اولاد آل سے جائز ہے یا حرام ہے؟

الجواب

حرام قطعی ہے، یہ سب اس کی بیٹیاں ہیں، جیسے بھتیجی بھانجی ویسے ہی ان کی اور بھتیجوں اور بھانجوں کی اولاد، اور اولاد اولاد کتنے ہی دور سلسلہ جائے سب حرام ہیں، بنات پوتیوں نواسیوں دُور تک کے سلسلے سب کو شامل ہے جس طرح فرمایا گیا: حرمت علیکم امھتکم وبنتکم[1] تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں۔ اور ماؤں میں دادی نانی، پردادی، پرنانی جتنی اوپر ہوں سب داخل ہیں، اور بیٹیوں میں پوتی، نواسی، پرپوتی، پرنواسی جتنی ہوں نیچے سب داخل ہیں، یوں ہی فرمایا: وبنٰت الاخ وبنٰت الاخت[2] تم پر حرام کی گئیں بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں۔ ان میں بھی بھائی بہن کی پوتی، نواسی، پرپوتی، پرنواسی جتنی دُور ہوں سب داخل ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۱: از ضلع بہرائچ محلہ ناظرہ پورہ بمکان سید منصب علی صاحب عرضی نویس مرسلہ سید نصیر الدین صاحب ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید مذہب اہل السنۃ والجماعت نے ایک عورت شیعہ کے مطابق مذہب شیعہ صیغہ پڑھایا اور نکاح بطریق اہلسنت نہیں کیا اور مدۃ العمر دونوں اپنے اپنے مذہب پر قائم رہے، ایسی حالت میں جو اولاد ہوئی وہ جائز یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب

آج کل تبرائی رافضی علی العموم مرتدین ہیں اور مرتد مرد خواہ عورت سے دنیا بھر میں کسی کا نکاح نہیں ہوسکتا، جو کچھ اولاد ہوگی ولد الحلال نہیں ہوسکتی۔ عالمگیری میں فتاوٰی ظہیریہ سے ہے:

یجب اکفار الروافض فی قولھم برجعۃ الاموات الی الدنیا الٰی ان قال واحکامھم احکام المرتدین[3]۔

رافضیوں کے اس قول پر کہ "فوت شدہ لوگ دنیا میں پھر واپس آئیں گے" ان کی تکفیر واجب ہے اور یہاں تک کہ انہوں نے فرمایا ان کے احکام مرتدین والے ہیں (ت)

اسی میں مبسوط سے ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[2] " " ۴/ ۲۳

[3] فتاوٰی ہندیہ باب فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ وکذلک لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد[1]

مرتد کو کسی مرتدہ عورت، یا مسلمان یا اصلی کافر عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں، اور یُوں ہی مرتدہ عورت کا بھی کسی ایک سے نکاح جائز نہیں۔ (ت)

اس کے بعد صیغہ و نکاح کی بحث کی کچھ حاجت نہیں، سُنّیوں کے طور پر نکاح ہوتا تو کب ہوسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۲ از میران پور کٹرہ تحصیل تلہر ضلع شاہجہان پور متصل چوکی مرسلہ قاضی تفضل حسین صاحب نائب ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

حاملہ عورت کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی تحریر فرمائیے کہ بُوڑھے آدمیوں کے نکاحوں کا کیا حال ہے؟

الجواب

عورت جسے حلال سے حمل ہو دوسرے شخص سے اُس کا نکاح باطل محض ہے جب تک بچہ پیدا نہ ہولے، اور اگر بے شوہر عورت اور حمل زنا کا ہے تو اس سے نکاح ہوسکتا ہے۔ پھر اگر وُہ ہی نکاح کرے جس کا یہ حمل ہے تو وُہ پاس بھی جاسکتا ہے، اور اگر دوسرا شخص نکاح کرے تو جب تک بچّہ پیدا نہ ہولے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ کما فی الدرالمختار وغیرہ (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ ت) بُوڑھا نابالغ کے حکم میں ہے اس کا نکاح ولی کی اجازت سے ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

مسئلہ ۲۲۳ زید نہایت بدچلن تھا اب وہ مفقود الخبر ہے اور زید کی عورت کو گزراوقات کرنا دشوار ہے اور زید کے باپ نے اُس عورت کو نظرِ بد سے دیکھا اور زنا کیا اس صورت میں وہ عورت اپنا نکاح کرنا چاہتی ہے تاکہ اپنی گزراوقات کرے اور اس حرام سے بچے، اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

معاذ اللہ اگر یہ زنا ثابت ہو اور اُس کا ثابت ہونا بہت دُشوار ہے تو عورت اپنے شوہر پر ضرور ہمیشہ ہمیشہ حرام ہوگئی مگر نکاح سے نہ نکلی جب تک شوہر اپنی زبان سے اسے چھوڑنے کا کوئی لفظ نہ کہے۔ درمختار میں ہے:

بحرمۃ المصاھرۃ لایرتفع النکاح حتی لایحل لھا التزوج الابعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ والوطء بھا لایکون زنا[2]۔

حرمتِ مصاہرۃ سے نکاح ختم نہیں ہوتا اور عورت دوسرے کو اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک متارکہ اور اس کی عدت پُوری نہ ہوجائے۔ اس دوران وطی کو زنا نہیں قرار دیا جائے گا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فی المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۲

[2] درمختار باب فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

اُسی میں ہے :

تجب العدۃ بعد الوطء لا الخلوۃ للطلاق لا للموت من وقت التفریق او متارکۃ الزوج وان لم تعلم المرأۃ بالمتارکۃ فی الاصح[1] اھ قال الشامی خص الشارح المتارکۃ بالزوج کما فعل الزیلعی لان ظاہر کلامھم انہا لا تکون من المرأۃ اصلا مع ان فسخ ھذا النکاح یصح من کل منھما بمحضر الاخر اتفاقا والفرق بین المتارکۃ و الفسخ بعید کذا فی البحر وفرق فی النھر بان المتارکۃ فی معنی الطلاق فیختص بہ الزوج اما الفسخ فرفع العقد فلا یختص بہ وان کان فی معنی المتارکۃ ورد الخیر الرملی بان الطلاق لا یتحقق فی الفاسد فکیف یقال ان المتارکۃ فی معنی الطلاق فالحق عدم الفرق ولذا جزم بہ المقدسی فی شرح نظم الکنز الخ وتمامہ فیما علقناہ علی البحر[2] اھ ذکر فیہ استناد الرملی بما لیس لہ بل علیہ کما

نکاح فاسد میں وقت تفریق یا متارکہ سے عورت پر وطی سے طلاق والی عدت ہوگی محض خلوت سے یہ عدت واجب ہوگی اور نہ ہی خاوند کی موت سے موت کی عدت ہوگی۔ عورت کو متارکہ کا علم نہ بھی ہو تب بھی خاوند کے متارکہ سے عدت لازم ہوگی اھ شامی نے کہا کہ شارح نے متارکہ کو خاوند کے ساتھ مختص کیا جیسا کہ امام زیلعی نے کیا ہے کیونکہ ظاہر کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ متارکہ کا حق عورت کو نہیں ہے حالانکہ اس نکاح کا فسخ مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے کی موجودگی میں بالاتفاق جائز ہے اور متارکہ اور فسخ میں فرق بعید ہے۔ بحر میں یوں ہی ہے جبکہ نہر میں فرق بتایا گیا ہے کہ متارکہ طلاق کی طرح ہے اس لیے طلاق کی طرح خاوند ہی متارکہ کر سکتا ہے، اور فسخ نکاح کو کالعدم قرار دینے کا نام ہے اس لیے یہ خاوند سے مختص نہ ہوگا، اگرچہ متارکہ کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ اس کو خیر الدین رملی نے رد کر دیا اور کہا کہ فاسد نکاح میں طلاق کی ضرورت نہیں ہوتی تو وہاں متارکہ، طلاق کے معنیٰ میں کیسے کہا جا سکتا ہے، لہٰذا حق یہی ہے کہ متارکہ اور فسخ میں کوئی فرق نہیں، اسی لیے مقدسی نے نظم الکنز کی شرح میں اس پر جزم کا اظہار کیا ہے۔ اور یہ تمام بحث بحر پر ہمارے حاشیہ میں ہے اھ وہاں شامی نے

---

[1] درمختار باب فی المہر مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱
[2] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۵۲

بینہ فی منحۃ الخالق و بالجملۃ فلا یثبت من کلامھم الا اختصاص الزوج بالمتارکۃ ثم لایشم خلافہ اصلا، **اقول** وقول النھر ان المتارکۃ فی معنی الطلاق معناہ ان المتارکۃ فی الفاسد فی معنی الطلاق فی الصحیح فلا یمسہ ما ذکر الرملی و ایدہ الشامی و اما الاستشکال بقولھم کما فی الدر یثبت لکل واحد منھما فسخہ ولو بغیر محضر من صاحبہ دخل بھا اولا فی الاصح خروجا عن المعصیۃ فلا ینافی وجوبہ بل یجب علی القاضی التفریق بینھما[1] اھ **فاقول** یترآءی لی واللہ تعالٰی اعلم ان ھذا فیما اذا وقع فاسدا کما اذا انکحھا بلا شھود او بعد ما مس امھا وذلک لانہ لم یثبت لہ الید الشرعیۃ علیھا اصلا وکان لکل منھما فسخہ ازالۃ للمعصیۃ وما ذکروا ھھنا من تخصیص المتارکۃ بالزوج فھو

خیرالدین رملی کی جو دلیل ذکر کی وُہ ان کے حق میں نہیں بلکہ ان کے خلاف ہے، جیسا کہ انھوں نے منحۃ الخالق میں اس کو ذکر کیا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ فقہاءِ کرام کے کلام سے متارکہ کا خاوند کے ساتھ خاص ہونا ہی ثابت ہوتا ہے، اور اس کے خلاف کی بُو تک محسوس نہیں ہوتی۔ **اقول** نہر کے قول میں کہ متارکہ، طلاق کے معنی میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے فاسد نکاح میں متارکہ طلاق کے قائم مقام ہے صحیح قول میں، لہذا رملی کا اعتراض بے جا ہے اس کی تائید علامہ شامی نے کی ہے۔ باقی رہا وہ اشکال جو فقہاء کی اس عبارت سے پیدا ہوتا ہے جس کو دُر میں اختیار کیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو فسخ کا اختیار ہے اگرچہ ایک دوسرے کی غیر حاضری میں ہو، دخول ہُوا ہو یا نہ، تاکہ گناہ سے اجتناب ہو سکے، اور یہ آپس کا متارکہ قاضی پر تفریق کے وجوب کے منافی نہیں ہے بلکہ قاضی دونوں میں تفریق کا حکم دے گا اھ **فاقول** واللہ تعالٰی اعلم مجھے جو معلوم ہوتا ہے وُہ یہ کہ مرد اور عورت دونوں کو بہرصورت فسخ کا اختیار اس صورت میں ہے جبکہ نکاح ابتداءً ہی فاسد منعقد ہوا ہو جیسے بغیر گواہوں کے نکاح یا منکوحہ کی ماں کو پہلے شہوت سے چھُو چکا ہو، کیونکہ اس صورت میں خاوند کا بیوی پر شرعی حق ثابت ہی نہیں ہوتا اس لیے دونوں کو ایک دوسرے سے متارکہ کا حق ہے تاکہ گناہ کا ازالہ ہو جائے، اور فقہاءِ کرام نے جو یہ کہا کہ متارکہ خاوند کا ہی حق ہے وُہ

---

[1] درمختار باب فی المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

فیما اذا طرأ الفساد فھو لا تتفرد بالفسخ لانه لیس دفعا بل رفع لید شرعیة ثبتت للزوج فلابد من متارکته والحکمة فیه ان لو جوزنا تفردھا فیه بالفسخ لشاعت الفتن فکل امرأة ترید ان تفارق زوجھا تقبل ابنه مثلا بشھوة فیفسد النکاح فتفسخه مبتدءة وتنکح من شاءت وھذا باب یجب سدہ۔

اس صورت میں ہے جبکہ ابتداءً نکاح صحیح ہوا ہو اور بعد میں فساد اس پر طاری ہُوا ہو، تو اس صورت میں اکیلی عورت کو فسخ کا حق نہیں کیونکہ یہ گناہ کا دفاع نہیں بلکہ ثابت شدہ شرعی حق کا خاتمہ ہے اس لیے خاوند کی طرف سے متارکہ ضروری ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر اس صورت میں عورت کو مستقل طور پر فسخ کا حق دیا جائے تو فتنہ برپا ہوگا کہ جب بھی عورت اپنے خاوند سے علیحدگی چاہے تو وہ مثلاً خاوند کے بیٹے کا شہوت سے بوسہ لے لے اور خود نکاح کو فاسد کر کے جہاں چاہے نکاح کرتی پھرے تو اس فتنہ کا سدِّباب ضروری ہے۔(ت)

یہاں کہ شوہر مفقود ہے اور حرمت موجود ہے، عورت پر لازم کہ حاکم شرع کے حضور مرافعہ کرے اور وہ ثبوت لے، اگر دو گواہانِ عادل سے پدرِ زید کا زوجۂ زید کے ساتھ فعلِ بد کا ارتکاب ثابت ہولان ھذا ھو نصاب ثبوت حرمة المصاھرة وان لم یثبت به الزنا فی حق الحد (کیونکہ یہ حرمتِ مصاہرہ کے ثبوت کے لیے نصاب ہے اگرچہ اس سے حد کے معیار پر زنا ثابت نہیں ہوتا۔ت) تو ان دونوں مرد وزن میں تفریق کردے، روزِ تفریق سے عورت تین حیض کی عدت کرے اُس کے بعد نکاح ثانی جائز ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۴ از شہر بریلی مسئولہ عبدالجلیل صاحب طالب علم ۲۹ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور بکر آپس میں حقیقی برادر ہیں، زید عمر میں بکر سے بڑا ہے اور بکر عمر میں چھوٹا ہے زید سے۔ زید کے پاس ایک لڑکی ہے اور اس سے زید کو ایک نواسی بھی ہے، بکر کے پاس ایک لڑکا ہے، اس صورت میں زید اگر اپنی نواسی سے اپنے برادر حقیقی کے لڑکے کے ساتھ نکاح کردے تو نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

چچا کی نواسی سے نکاح جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۵ از رنگون مرسلہ جناب سیٹھ عبدالستار ابن اسمٰعیل صاحب قادری برکاتی رضوی ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی سوتیلی والدہ کی سگی ہمشیرہ سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

سوتیلی ماں ماں نہیں، قال اللہ تعالٰی، ان امھتھم الا الّٰئی ولدنھم[1] (تمہاری مائیں وُہی ہیں جنھوں نے تمھیں جنم دیا ہے۔ت) اس کی سگی بہن سے نکاح جائز ہے۔ قال تعالٰی، واحل لکم ماوراء ذٰلکم[2] (محرمات کے علاوہ عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳۶ از رامپور مرسلہ فاروق حسن صاحب ایڈیٹر اخبار دبدبۂ سکندری ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ نادرۃ الوقوع میں کہ زید اپنے بیٹے عمرو کی زوجہ ہندہ سے فعل حرام کا مرتکب ہُوا، اب مابین عمرو و ہندہ کے نکاح باقی ہے یا نہیں؟ اور اگر عورت خود اقرار کرے کہ زید جو میرے شوہر کا باپ ہے وُہ مجھ سے بالجبر وطی کیا ہے اور زید منکر ہے تو کیا حکم؟ اور اگر زید و ہندہ دونوں اقرار کریں وقوعِ وطی کا تو کیا حکم؟ پھر اگر وقوعِ وطی کو شہادات سے ثابت کیا جائے تو شاہدوں کی شہادات کی صورت کیسی ہونی چاہیے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اس فعل سے عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوجاتی ہے مگر نکاح زائل نہیں ہوتا، نہ عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے جب تک شوہر متارکہ نہ کرے، مثلاً کہے میں نے تجھے چھوڑا اور عدت گزرے اُس کے بعد نکاح دوسرے سے کرسکے گی۔ درمختار میں ہے:

بحرمۃ المصاھرۃ لایرتفع النکاح حتی لایحل لھا التزوج باٰخر الابعد المتارکۃ و انقضاء العدۃ[3]

حرمتِ مصاہرۃ سے نکاح ختم نہیں ہوتا اسی لیے دوسرے شخص سے اس عورت کا نکاح اس وقت تک جائز نہیں جب تک متارکہ اور اس کی عدت پوری نہ ہوجائے۔ (ت)

عورت کا بیان کوئی چیز نہیں جب تک شوہر اس کی تصدیق نہ کرے۔ درمختار میں ہے:

لان الحرمۃ لیست الیھا قالوا وبہ یفتی فی جمیع الوجوہ بزازیۃ[4]

کیونکہ حرمت کا فیصلہ عورت کے ہاتھ نہیں ہے اور فقہاء کرام نے فرمایا تمام صورتوں میں اسی پر فتوی ہے۔ بزازیہ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲

[2] " " ۴/ ۲۴

[3] درمختار باب فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۸

[4] " باب الرضاع " " " ۱/ ۲۱۴

اور اگر پدرِ شوہر بھی اقرار کرے جب بھی شوہر پر حجت نہیں۔

لانہ یرید ازالۃ ملک ثابت بشھادۃ واحد لاسیما وھی علی فعل نفسہ وشھادۃ المرء علی فعل نفسہ لاتقبل کما نصوا علیہ قاطبۃ۔

کیونکہ ثابت شدہ ملکیت کو وہ ایک گواہی سے ختم کرنا چاہتا ہے خصوصاً جبکہ اس ایک گواہ کی شہادت اپنے فعل پر ہو جبکہ اپنے فعل پر کسی شخص کی شہادت مقبول نہیں، جیسا کہ اس پر تمام فقہاء کرام نے تصریح کی ہے۔(ت)

ہاں اگر شوہر کے قلب میں اس کا صدق واقع ہو تو اُس پر واجب ہے کہ عورت کو اپنے اوپر حرام جانے اور متارکہ کر دے۔ بزازیہ پھر ہندیہ میں ہے:

فان وقع عندہ صدقہ وجب قبولہ[1]۔

تو اگر اس کے دل میں اس کا صدق واقع ہو تو اسے قبول کرنا اس پر واجب ہے۔(ت)

یا دو شاہد عدل کی گواہی سے یہ امر ثابت ہو اگرچہ اسی قدر کہ اس کے باپ نے اُسے بشہوت مس کیا یا بشہوت بوسہ لیا کہ حرمت کو اسی قدر بس ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

تقبل الشھادۃ علی اللمس والتقبیل عن شھوۃ فی المختار[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

شہوت کے ساتھ چھونے اور بوسہ لینے پر شہادت قبول کی جائے گی مختار قول میں۔(ت) واللہ اعلم

مسئلہ ۲۴۷: از بنڈیل اسٹیشن وڈاک خانہ ضلع ہوگلی مرسلہ حقاخاں صاحب ۶ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اپنے خاص دادا کی پرنتنی اور جو کہ اپنے خاص دادا کی بھانجی کی لڑکی ہوتی ہے اور ایک رشتہ سے اپنی چچیری چچی ہوتی ہیں اُن سے عقد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

پردادا کی پرنواسی، دادا کی بھانجی کی بیٹی، چچیری خواہ حقیقی چچی، اس میں کوئی رشتہ ممانعتِ نکاح کا نہیں، اس سے نکاح جائز ہے جبکہ رضاعت وغیرہ کوئی مانع شرعی نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۸: از ضلع پورینہ ڈاکخانہ فارس گنج از دکان بخشی شاہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی خوشدامن سے قصداً وطی کی اب اس کی بی بی کا نکاح اُس کے ساتھ قائم رہا یا نہیں یا پھر اُس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الفصل الثانی فی العمل بخبر الواحد فی المعاملات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۲

[2] درمختار باب المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۸

یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جس نے اپنی منکوحہ کی حقیقی ماں سے وطی کی یا اُسے قصداً خواہ کسی طرح بشہوت ہاتھ لگایا اُس کی عورت اُس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی، کبھی نہ اُسے رکھ سکتا ہے نہ کسی حال میں اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے اُس پر فرض ہے کہ عورت کو فوراً چھوڑ دے تاکہ وُہ اس کے نکاح سے باہر ہوجائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۴۹ از ٹانڈہ چھنگا ڈاک خانہ درو ضلع بریلی مرسلہ ہدایت اللہ صاحب پارچہ فروش ۸ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ مریم و مسماۃ سکینہ کی والدہ ایک ہے لیکن باپ دونوں کے علیحدہ علیحدہ ہیں، اب مسماۃ مریم کی ایک دختر ہے جس کا نکاح مسماۃ مریم نے بکر کے ساتھ کردیا ہے، اب بکر اپنی زوجہ کی خالہ کو جس کا نام سکینہ ہے نکاح میں لانا چاہتا ہے، نزدیک اللہ و رسول کے یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؛ بینوا توجروا۔

الجواب

سکینہ سے اُس کا نکاح حرام ہے، ہاں جب اس کی یہ عورت مرجائے یا یہ اس کو طلاق دے دے اور عدت گزر جائے اُس وقت سکینہ سے نکاح کرسکے گا، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۵۰ از موضع لال پور ڈاک خانہ موہن پور ملک بنگال مرسلہ منیر الدین احمد کرلوی لال پوری ۸ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اخت علاتی کی لڑکی کی لڑکی کے ساتھ نکاح حلال ہے یا حرام ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اپنی علاتی بہن کی پوتی سے نکاح حرام قطعی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۵۱ از موضع میونڈی ڈاک خانہ شاہی ضلع بریلی مرسلہ سید امیر عالم حسن صاحب ۱۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا نکاح کسی عورت سے کیا اور اس عورت کی ایک دختر بھی پہلے شوہر کی اُس کے ساتھ تھی، بعد چند مدت کے اس عورت کا انتقال ہوگیا، اب زید یہ چاہتا ہے کہ میں اس لڑکی کے ساتھ اپنا نکاح کرلُوں تو یہ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں اگرچہ بی بی گھر میں ہو یا نہ ہو اور اگر ایسا کرلیا ہو تو کیا حکمِ شریعت ہے ایسے لوگوں کے لیے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر اس عورت سے خلوت نہ ہُوئی تھی تو اُس کے بعد اس کی بیٹی سے نکاح کرسکتا ہے ورنہ حرام، اور اگر کرلیا تو جُدا کردینا اور جُدا ہوجانا فرض قطعی۔ قال اللہ تعالٰی:

وربائبکم التی فی حجورکم من نسائکم التی دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن فلاجناح علیکم[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

تمہاری مدخولہ بیویوں کی وُہ بیٹیاں جو تمہارے پاس زیرِ پرورش ہیں، اور اگر بیویوں سے دخول نہ کیا ہو تو تمہیں ممانعت نہیں۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۲: از موضع بھونی ڈاکخانہ امریا ضلع پیلی بھیت مرسلہ محمد نور صاحب ۲۷ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی عبدالرزاق نے ایک مسماۃ محمودہ عرف نورجہاں کے ساتھ نکاح کیا اور اُس کے بعد اس کی بہن جو ایک ماں سے پیدا ہوئی ہیں مگر باپ دونوں کا دو ہیں اس کا نام مسماۃ نجبن ہے نکاح کرلیا، عرصہ تقریبًا چھ ماہ سے زائد ہوگیا، مسلمانوں نے یہاں کے اس کو بہت بُرا سمجھا اور اُس سے کہا کہ ایک عورت کو دونوں میں سے طلاق دے دو، مگر نہیں سمجھا، اس پر مسلمانوں نے اپنا رسم ترک کردیا تو وُہ مجبور رہوگیا، مسماۃ نورجہاں زوجۂ اول سخت بیمار ہوگئی تو اس کے پاس لوگوں کا آنا جانا شروع ہوگیا اس نے خواہش کی میری طلاق ہوجائے تو افضل ہے، اور مسماۃ نورجہاں اب عرصہ ایک ہفتہ سے کسی جگہ بلا اجازتِ شوہر گھر سے چلی گئی ہے اور ہنوز مفقود الخبر ہے، اب عبدالرزاق و نورجہاں مفقود الخبر کی خواہش یہ تھی کہ ہم میں باہمی طلاق ہوجائے اور مسماۃ نجبن سے نکاح ہوجاوے تو مناسب ہو، ایسی صورت میں مسماۃ نورجہاں کو طلاق دے سکتا ہے یا نہیں اور نجبن سے دوبارہ نکاح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نورجہاں کو طلاق دینے کے بعد اُس کی عدّت گزر جائے یعنی اُسے تین حیض آکر ختم ہوجائیں اُس کے بعد نجبن سے نکاح کرسکتا ہے ورنہ حرام حرام حرام۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۳: از ہوڑہ محلہ بینا پاڑہ مدرسہ دارالعلوم مرسلہ میر احسان علی صاحب مدرس ۵ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جس نے اپنی عورت کو طلاق دے دیا ایک ہفتہ ہُوا طلاق دے کر، اور جس شخص سے اب نکاح ہوگا وہ عورت اُسی شخص کے گھر ہے مگر وہ شخص باہر رہتا ہے

---

[1] القرآن الکریم ۴/۲۳

اندر مکان کے نہیں جاتا، کہتا ہے کہ جب تک نکاح نہ ہوگا اندر نہ جاؤں گا اور عورت کی دایہ وغیرہ سے جانچ کرایا گیا کہ حمل تو نہیں ہے، معلوم ہُوا کہ حمل نہیں ہے اُس صورت میں اگر نکاح کر دیا جائے تو گناہ تو نہیں ہوسکتا؛ جلدی اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ شیطان ہر وقت بہکاتا ہے، اس صورت میں جلد نکاح کر دیا جاوے اس پر کیا حکم ہے؛ صرف گناہ کا خیال کرکے ایسا ہو کہ عدت کے اندر نکاح کر دیا جاوے حمل نہیں ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

عدت کے اندر نکاح حرام حرام حرام۔ نکاح تو نکاح، نکاح کا پیام دینا حرام۔ اگر نکاح ہوا اور قربت ہو تو زنا ہوگا، اس سے زیادہ یہاں شیطان کا بہکانا اور کیا ہے جسے خود چاہ رہے ہو، عورت کو ایام عدت شوہر ہی کے مکان پر پورے کرنے فرض ہیں وہاں سے نکلنا حرام ہے، اب کہ نکل آئی ہے، فرض ہے کہ فوراً شوہر کے یہاں چلی جائے اور وہیں عدت کے دن پورے کرے، اگر یہاں سے وہاں تک تین دن کی راہ نہ ہو، ورنہ اطمینان کی جگہ رہے، اس شخص کے یہاں جب تک ہرگز نہ رہے جس سے اندیشہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۵۴ از مقام ٹانڈہ چھنگا ڈاک خانہ درو تحصیل کچھا مرسلہ عبداللہ صاحب ملیب بنجارہ ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مریم و سکینہ ہمشیرہ حقیقی ہیں لیکن باپ دونوں کے جدا ہیں ایک خیاط دوسرا نداف، اب مریم کی ایک دختر ہے جس کا نام فاطمہ ہے اور فاطمہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوگیا ہے اب زید اپنی زوجہ کی حقیقی خالہ کو نکاح میں لاکر دونوں سے ہمبستر ہو رہا ہے اس صورت میں اللہ و رسول کا کیا حکم ہے عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کیا دونوں نکاح جائز ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حرام حرام قطعی حرام، اس پر فرض ہے کہ اپنی زوجہ کی خالہ کو چھوڑ دے اور جب تک اُس کی عدت گزرے زوجہ کو ہاتھ لگانا بھی اس پر حرام ہے جب اُس کی خالہ عدت سے نکل جائے اُس وقت اسے اپنی زوجہ کے پاس جانا حلال ہوگا وھو تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۵۵ از سلطان پور ملک اودھ مرسلہ عبدالخالق صاحب عرائض نویس کچہری دیوانی ۸ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی تین شادیاں ہوئیں، زوجہ اول سے ایک لڑکی پیدا ہُوئی اور اس کی شادی زید کے حقیقی بھتیجے کے ساتھ ہُوئی اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جو زید کی حقیقی نواسی ہوئی، اور زید کی تیسری شادی جو ہُوئی اس سے تین لڑکے ہیں اب زید اس اپنے لڑکے یعنی نرینہ کی شادی اپنے حقیقی بھتیجے کی لڑکی کے ساتھ کیا چاہتا ہے پس ایسی حالت میں جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حرام حرام حرام، وُہ صرف اس کے بھائی کی پوتی نہیں جو اس کے بیٹے کو حلال ہو تو وہ اس کی نواسی بھی ہے تو اس کے بیٹے کی بھانجی ہے اگرچہ بیٹا اور زوجہ سے ہے اور وہ بیٹی اور سے تھی بہر حال بھانجی ہے اور بھانجی حرام۔ قال اللہ تعالیٰ: و بنٰت الاخت[1] (اور تمھاری بھانجیاں حرام ہیں۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۵۶ از شہر آگرہ کلو گلی نائی منڈی مرسلہ رحیم بخش صاحب مالک کارخانہ رحیم شو فیکٹری ۱۶ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید جو پابند مذہب اہل سنت وجماعت تھا اس نے اپنا عقد نکاح مسماۃ ہندہ کے ساتھ کیا جو مذہب اہل شیعہ رکھتی تھی، زید نے اپنے بیٹے عمرو کا نکاح جو بطن ہندہ سے پیدا ہُوا تھا بحالت نابالغی بکر کی لڑکی حلیمہ نابالغہ کے ساتھ کر دیا اور بوجہ نابالغی منکوحہ حلیمہ کی وداع نہیں ہُوئی حلیمہ نجیب الطرفین اہلسنت والجماعت ہے۔ زید بقضائے الٰہی فوت ہوگیا، زید کی بیوہ ہندہ نیز اس کی تمام اولاد ہر طریقہ سے پابند اہل تشیع ہے، عمرو اب بالغ ہو کر چاہتا ہے کہ اپنی زوجہ کو رخصت کرا کے لے جائے، حلیمہ بھی اب چونکہ بالغہ ہے وُہ اپنے عقد میں ایک غیر مذہب کے آدمی شیعہ کو منظور نہیں کرتی اور اس کے ساتھ جانا نہیں چاہتی نیز والدین حلیمہ بھی اب وداع سے انکاری ہیں، اندریں صورت یہ نکاح حلیمہ کا جو بحالت نابالغی ایک شیعہ کے ساتھ ہُوا تھا ازروئے شرع شریف جائز رہا یا باطل؟ اور حلیمہ اپنا عقد نکاح کسی دوسری جگہ کرسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

آج کل جو لوگ شیعہ کہلاتے ہیں یعنی تبرائی رافضی اُن کے ساتھ نکاح باطل محض ہے، اگر حلیمہ اور اُس کے اولیا سب راضی ہیں تو اللہ ورسول راضی نہیں، حلیمہ کو حرام ہے کہ اپنے آپ کو اُس کی زوجیت میں سمجھے۔ فتاوٰی ظہیریہ و حدیقہ ندیہ و عالمگیریہ میں مثال روافض کے لیے ہے احکامھم احکام المرتدین[1] (ان کے احکام مرتدین والے ہیں۔ ت) نیز عالمگیری میں ہے:

لا یجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ وکذٰلک لا یجوز نکاح المرتدۃ مع احد[2] واللہ تعالیٰ اعلم۔

مرتد کا مرتدہ، مسلمہ اور اصلی کافرہ عورت سے نکاح جائز نہیں، اور یُوں ہی مرتدہ کو بھی کسی سے نکاح جائز نہیں۔ (ت) واللہ تعالیٰ اعلم

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ والاستخفاف بالشریعۃ کفر ای ردہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۳۰۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ فصل المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۲

مسئلہ ۲۵۷: از شمس آباد ضلع کیمل پور مرسلہ مولانا مولوی قاضی غلام گیلانی صاحب ۱۶ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید خود عرصہ تیرہ ۱۳ برس سے ملک افریقہ میں رہتا ہے اُس کی خوشدامن کہتی ہے کہ اُس نے میرے ساتھ فعل بد کیا ہے اس پر دوگواہ اس امر کے معائنہ کے ہیں کہ ایک کہتا ہے کہ میں نے بوقت دوپہر کے فلاں مقام میں دونوں کو عین مشغولی میں دیکھا، دوسرا کہتا ہے کہ دونوں کو کپڑے پہنتے ہوئے دیکھا ہے، اُس موضع کے کل لوگ ہر ایک مکان کے ایک دو آدمی جن کا مجموعہ ۵۰ نفر ہوتے ہیں یہی کہتے ہیں کہ قرائن قاطعہ سے ہم لوگ جانتے ہیں کہ زید اور اس کی خوشدامن باہم بدمعاش تھے اور ان کے ناجائز تعلق میں کوئی شک نہ تھا، برابر دو برس تک دونوں کا باہم اختلاط اور انبساط رہا، جب ان دو گواہوں نے اُن کو ایسی کریہہ صورت میں دیکھا تب سے زید فرار کر گیا اور ایک دوسرے سے کہہ گیا کہ اب میری عورت غیر مدخولہ جو کہ اس خوشدامن کی دختر ہے میرے اوپر حرام ہے جس کو اُس کا دل چاہے دے دے، اس کی عورت اب عرصہ آٹھ دس برس سے جوان ہے اور خورونوش وسکونت کی اس کو بہت تکلیف ہے اور غالب گمان ہے کہ کہیں حرامکاری میں مبتلا ہو جائے، پس اگر کوئی عالم افقہ واورع اُس علاقہ کا بموجب عبارت حدیقہ ندیہ:

واذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور کلھا مفوضۃ الی العلماء یصیرون ولاۃ[1]	جب زمانہ موثر حکمران سے خالی ہو تو تمام فیصلہ طلب امور علماء کے سپرد ہوں گے اور وہ والی قرار پائیں گے۔ (ت)

کہ اُس غائب کے باپ کے رُوبرو یا اس کی طرف سے کسی کو وکیل کر کے اُس پر سمع دعوٰی وشہادت کر کے تفریق کا حکم دے دے تو درست ہوگا یا نہیں، اور اگر درست ہے تو چونکہ غائب ولایت قاضی میں نہیں لہٰذا اُس کی طرف سے مسخر پکڑنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؛ شامی جلد ۳ ص ۳۵۳ میں باب القضاء میں وفی البحر والمعتمد ان القضاء علی المسخر الخ (بحر میں ہے مسخر کے خلاف فیصلہ صادر کرنے سے متعلق معتمد قول الخ۔ ت) کے متعلق ہے:

وتفسیر المسخران ینصب القاضی وکیلا عن الغائب لیسمع الخصومۃ علیہ وشرطہ عند القائل بہ ان یکون الغائب فی ولایۃ القاضی[2]	اور مسخر کی تفسیر یہ ہے کہ قاضی کسی غائب شخص کی طرف سے کسی کو وکیل بنائے تاکہ وہ غائب کے خلاف الزامات کو سن سکے، لیکن اس کے جواز کے قائل کے ہاں یہ شرط ہے کہ وہ غائب شخص اس قاضی کے علاقہ میں ہو۔ (ت)

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ النوع الثالث من انواع العلوم الثلاثۃ الخ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

[2] ردالمحتار فصل فی الحبس مطلب فی القضاء علی المسخر داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۳۹

الجواب

صورت مسطورہ اگر واقعی ہے تو اصلاً نہ کسی قضا کی حاجت نہ تفریق کی ضرورت۔ نہ مسخ در کار نہ قضا علی الغائب، عورت کو اختیار ہے فی الحال جہاں چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے، یہ دو حال سے خالی نہیں، یہ حُرمتِ مصاہرت یا تو نکاحِ دختر سے پہلے ہوئی یا بعد، اگر پہلے ہُوئی تو نکاح سرے سے فاسد و مردود واقع ہُوا، عورت بذاتِ خود اسے فسخ کر سکتی ہے اگرچہ شوہر کی غَیبت میں کہ وہ معصیت ہے اور اعدامِ معصیت سب پر واجب، کما حققناہ فیما علی رد المحتار علقناہ (جیسا کہ ردالمحتار کے حاشیہ میں ہم نے اس کی تحقیق کی ہے۔ت) درمختار میں ہے:

(و) یثبت لکل واحد منهما فسخه و لو بغیر محضر من صاحبه دخل بها اولا فی الاصح خروجا عن المعصیة فلاینافی فی وجوبه۔[1]

اور دونوں مرد اور عورت کے لیے اس نکاح کو ایک دوسرے کی موجودگی کے بغیر بھی فسخ کرنا جائز ہے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو اصح قول میں تاکہ گناہ کو ختم کیا جاسکے، اور یہ بات قاضی پر تفریق کے وجوب کے منافی نہیں ہے۔(ت)

اور اگر وہ حرمتِ مصاہرت بعد نکاح واقع ہُوئی تو نکاح فاسد تو ہو گیا مگر بلا متارکہ فسخ نہ ہوگا اور عورت کو دُوسری جگہ نکاح کا اختیار نہ ہوگا اور یہ متارکہ صرف شوہر ہی کر سکتا ہے کما بیّنا و به وفقنا علی ابن عابدین علقنا (جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور ردالمحتار کے حاشیہ میں ہمیں اسی کی توفیق دی گئی۔ت) درمختار میں ہے:

بحرمة المصاهرة لایرتفع النکاح حتی لایحل لها التزوج باٰخر الابعد المتارکة و انقضاء العدة و الوطی بها لایکون زنا۔[2]

حرمتِ مصاہرہ سے نکاح ختم نہیں ہوتا اسی لیے عورت کو دوسرے شخص سے نکاح اس وقت تک جائز نہیں جب تک متارکہ کے بعد عدت نہ گزر جائے، اس دوران خاوند کی اس سے وطی کو زنا کا حکم نہ دیا جائیگا۔(ت)

اُسی میں ہے:

مبدؤها (ای العدة) فی النکاح الفاسد بعد التفریق من القاضی بینهما او المتارکة

عدت کی ابتدا متارکہ یا قاضی کی تفریق کے بعد ہوگی، متارکہ سے مراد خاوند کا مدخولہ بیوی سے علیحدگی کا اعلان

---

[1] درمختار | باب فی المهر | مجتبائی دہلی | ۱/۲۰۱
[2] ؍؍ | باب فی المحرمات | ؍؍ ؍؍ | ۱/۱۸۸

ای اظہار العزم من الزوج علی ترك وطئھا لا مجرد العزم لو من خولۃ[1] ہے صرف وطی کے ترک کا عزم کافی نہیں ہے۔(ت)

یہاں تک کہ زید نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اب یہ میری عورت غیر مدخولہ میرے اوپر حرام ہے جس کو اس کا دل چاہے دے دے بالاتفاق متارکہ ہوگیا اور نکاح فسخ ہوگیا قضاء قاضی کی کچھ حاجت نہیں، نہ غیر مدخولہ کو عدت کی حاجت، اُس وقت جس سے چاہے نکاح کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۸ ازقصبہ ایرانواں محلہ سادات ضلع فتحپور مرسلہ سید محمد رفیع صاحب ۲۸ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی فقیرے نے مسماۃ ببیا کا (جبکہ اس کی گود میں مسماۃ حفیظن اُس کی لڑکی دُودھ پیتی تھی) اندر ایام رضاعت کے دودھ پیا، اُسی مسماۃ ببیا کے دوسری لڑکی مسماۃ فہیمن پیدا ہوئی، اب فقیرے مذکور کا نکاح مسماۃ فہیمن کے ساتھ کیا گیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو مسماۃ فہیمن کسی دوسرے مرد سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور فہیمن کو فقیرے سے طلاق حاصل کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ببیا کی اگلی پچھلی سب لڑکیاں فقیرے کی حقیقی بہنیں ہیں اور ان میں کسی سے اُس کا نکاح نہیں ہوسکتا حرام محض ہے، اس پر فرض ہے فہیمن کو فوراً چھوڑ دے اور وہ نہ چھوڑے تو فہیمن پر فرض ہے کہ فوراً اس فاسد نکاح کو فسخ کردے اور عدت کے بعد جس سے چاہے نکاح کرلے۔ درمختار میں ہے:

یثبت لکل واحد منھما فسخہ ولو بغیر محضر من صاحبہ دخل بھا اولا فی الاصح خروجا عن المعصیۃ فلاینافی وجوبہ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم

مرد وعورت ہر ایک کو فسخ کا حق حاصل ہے خواہ دوسرے کی موجودگی ہو یا نہ ہو، دخول کیا ہو یا نہ، اصح قول میں، تاکہ گناہ کو ختم کیا جاسکے، اور یہ بات قاضی پر جوب تفریق کے منافی نہیں ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۹ ازموضع خورد مئو ڈاک خانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنکی مرسلہ صفدر علی صاحب ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد فوت ہونے بیوی کے، بیوی کی خالہ وعمہ سے نکاح جائز

---

[1] درمختار باب فی العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۸

[2] " باب فی المہر " " " ۱/۲۰۱

ہے یا ناجائز؟ اور لڑکے کے طلاق دینے پر یا لڑکے کے مرجانے پر بہو کے ساتھ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب

زوجہ کے مرنے پر اس کی خالہ وعمّہ سے نکاح جائز ہے۔ قال تعالٰی، واحل لکم ماوراء ذٰلکم[1] (اور محرمات کے سوا عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ ت) اور بیٹا مرجائے خواہ طلاق دے دے اس کی زوجہ سے نکاح ہمیشہ ہمیشہ کو حرام ہے۔ قال تعالٰی، وحلائل ابنائکم[2] (اور تمہارے بیٹوں کی بیویاں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۰ از پرسونہ پرگنہ بریلی مرسلہ شیخ کریم اللہ و منشی الہ دین و معین الدین وسعدی و شیخ مسیت زمیندار و بندو خاں و واحد مکھیا و غلامی ۲۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

جناب عالی! گزارش ہے کہ مسمی میڈو نورباف نے نکاح کیا تھا، اس کی بی بی کے ساتھ ایک لڑکی آئی تھی اس کے ساتھ مسمی میڈو مذکور نے حرکت ناشائستہ کی اور ایک لڑکا بھی پیدا ہوا ہے اب اس کو علیحدہ کردیا ہے وہ اپنی خطا معاف کرانا چاہتا ہے، حضور پُرنور اس امر میں کیا فتوٰی فرماتے ہیں؟ فقط

الجواب

اُس کی عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی، اس پر فرض ہے کہ فوراً اسے چھوڑ دے اور اب کبھی اُس سے کسی طرح نکاح نہیں کرسکتا، نہ کبھی کسی طرح اس لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے، یہ اس کی بیٹی کی جگہ ہے اور بی بی ماں کی جگہ ہوگئی، دونوں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئیں، دونوں کو فوراً جدا کردے اور سچے دل سے تائب ہو اور نماز کی پُوری پابندی کرے تو اُسے ملالیں ورنہ ہمیشہ برادری سے خارج رکھیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۱ از پیران پٹن معرفت اسٹیشن میانہ محلہ قصاب واڑہ مرسلہ کمال بھائی یارو بھائی ۲۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً بکر کے دو فرزند ہیں ایک کا نام زید ہے دوسرے کا عمرو، زید کا نکاح ہونے سے ایک دختر پیدا ہوئی جس کا نام فاطمہ ہے، اب فاطمہ کی شادی ہونے سے فاطمہ کے ایک دختر پیدا ہوئی جس کا نام مریم ہے، اب مریم کا نکاح عمرو کے ساتھ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ اور اس میں دودھ کا تعلق کسی طرف سے اور کسی ذریعہ سے کسی کا بھی نہیں؟ اور یہ جو دونوں فرزند

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴
[2] " " ۴/ ۲۳

بکر کے ہیں یعنی زید وعمرو ان دونوں کی والدہ الگ الگ ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

زید عمرو کا بھائی ہے، فاطمہ عمرو کی بھتیجی ہے، مریم عمرو کی بھتیجی کی بیٹی ہے۔ جیسے بھتیجی حرام ہے یونہی بھتیجی کی بیٹی حرام ہے، بھتیجی بیٹی ہے اور بھتیجی کی بیٹی نواسی۔ عمرو مریم کا نانا ہے، نانا کے لیے نواسی کیسے حلال ہوسکتی ہے، قال اللہ تعالٰی: وبنٰت الاخ[1] تم پر بھائی کی بیٹیاں حرام ہیں۔ بیٹیوں میں نواسیاں پوتیاں بھی داخل ہیں، جیسے فرمایا، حرمت علیکم امھٰتکم وبنٰتکم[2] تم پر حرام ہیں تمھاری مائیں تمھاری بیٹیاں۔ بیٹیوں میں نواسی پوتی داخل نہ ہوں تو آدمی پر خود اُس کی پوتی نواسی کہاں سے حرام ہوگی کہ قرآن مجید میں تو بیٹیاں حرام فرمائیں اور یہ محرمات گنا کر فرمایا:

واحل لکم ما وراء ذٰلکم[3] ان کے سوا اور جو رہیں وہ تم پر حلال ہیں۔

بالجملہ بھائی کی نواسی حرام ہونے سے انکار قرآن واسلام سے انکار ہے۔ نقایہ میں ہے:

حرم علی المرء اصلہ وفرعہ وفرع اصلہ القریب[4] الخ۔ مرد پر اس کے اصول وفروع اور اصلِ قریب یعنی ماں باپ کے فروع حرام ہیں الخ (ت)

جامع الرموز میں ہے:

من الاخوات لاب وام او لاحدھما وبنات الاخوۃ وان بعدت[5] واللہ تعالٰی اعلم سگی بہنیں یا ماں یا باپ کی طرف سے بہنیں اور بھتیجیاں نیچے تک۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۲: ازشہر بریلی سبزی منڈی مسئولہ کبیر احمد صاحب ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی نواسی زوجہ اول سے اور زید کا لڑکا زوجہ ثانیہ سے جس کو ایک شخص غیر نے پالا ہے، کیا پسرِ زید زید کی نواسی کی لڑکی سے عقد کرسکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

حرام ہے، وُہ اس کی بھانجی کی بیٹی ہے اس کی نواسی کی جگہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳ [2] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[3] ؍؍ ؍؍ ۴/ ۲۴

[4] مختصر الوقایۃ فی مسائل الھدایۃ کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۲

[5] جامع الرموز کتاب النکاح مکتبۃ الاسلام گنبد قاموس ایران ۱/ ۴۴۹

مسئلہ ۲۶۳ از فتح پور محلہ سیدواڑہ مرسلہ نورخاں محرر، محمدیارخاں وکیل ہائی کورٹ
۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور بکر دونوں کی عورتیں رشتہ میں سگی بہنیں تھیں، زید کی بی بی کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں، منجملہ اُن کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی مرگئی، اور ایک لڑکی بیوہ موجود ہے، اور بکر کی بی بی کا ایک لڑکا بن بیاہا موجود ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جب زید کا پہلا لڑکا پیدا ہوا ہے تو بکر کے اس لڑکے نے اپنی خالہ یعنی زید کی بی بی کا دُودھ پیا تھا، بعد اس کے تین اولاد بعد زید کی یہ لڑکی پیدا ہوئی جو اس وقت بیوہ موجود ہے، اس سے بکر کے کنوارے لڑکے کا نکاح درست ہے یا ہوسکتا ہے جبکہ بکر کے بیٹے نے زید کی بی بی کا دُودھ پیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ زید کی بی بی کا دودھ بکر کے بیٹے نے پیا ہے اور زید کی بیٹی یہ اُس دُودھ شریکی بھائی کی تیسری اولاد کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

ان دونوں کا نکاح حرام قطعی ہے، وہ آپس میں سگے بھائی بہن ہیں، تین یا تیس اولاد کے بعد اس لڑکی کا پیدا ہونا زید اور زید کی بی بی کو بکر کے بیٹے کے ماں باپ ہونے سے خارج نہ کرے گا، نہ ان کی کسی اولاد کو پسر بکر کے بھائی بہن ہونے سے۔ قال اللہ تعالٰی: و اخواتکم من الرضاعۃ[1] (اور تمہاری رضاعی بہنیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۴ از نواب گنج ضلع بریلی مرسلہ سید نثار حسین صاحب ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

زید کی زوجہ ہندہ کی ہمشیرہ زاہدہ ہے، زاہدہ کے زید سے بلانکاح لڑکا پیدا ہوا، ہندہ کے ساتھ زید کا نکاح رہا یا نہیں؟ اور زاہدہ کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ہندہ بدستور اُس کے نکاح میں ہے، سالی کے ساتھ زنا حرام ہے مگر عورت کو حرام نہیں کرتا، زاہدہ سے جب تک ہندہ اس کے نکاح میں ہے نکاح نہیں کرسکتا، اگر ہندہ مرجائے تو اسی وقت یا یہ اُسے طلاق دے دے تو عدت گزرنے پر زاہدہ سے نکاح کرسکے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۵ از لاہور مسجد بیگم شاہی مسئولہ مولوی احمد الدین صاحب ۶ رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

زید نے ہندہ سے نکاح کیا بحالت نابالغی ہندہ زید نے اُس سے وطی کی، بعد وطی ہندہ کو طلاق دے دی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

اُس نے عمرو سے نکاح کیا عمرو سے ہندہ کے لڑکی پیدا ہوئی تو یہ لڑکی زید پر حرام ہے یا نہیں؟ ماں سے محض نکاح بیٹی کو حرام کرتا ہے یا نہیں، یونہی بیٹی سے نکاح ماں کو؟ دونوں میں وطی شرطِ حرمت ہے یا نہیں؟ اور وطی کے لیے کیا بلوغ مدخولہ شرط ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

شریعت مطہرہ کا حکم یہ ہے کہ بیٹی سے مجرد نکاح ماں کو حرام ابدی کرتا ہے وطی کی شرط نہیں۔ قال تعالٰی:

وامھٰت نسائکم[1] (تمہاری بیویوں کی مائیں۔ ت) اور وطی ہو تو بدرجۂ اولٰی نکاحًا ہو تو بالاجماع اور بلا نکاح ہو تو ہمارے نزدیک اور ماں سے مجرد نکاح بیٹی کو حرام نہیں کرتا جب تک وطی نہ ہو، قال تعالٰی:

وربائبکم التی فی حجورکم من نسائکم التی دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم[2] تمہاری مدخولہ بیویوں کی وُہ بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں، اور اگر تم نے بیویوں سے دخول نہ کیا تو تم پر ممانعت نہیں۔ (ت)

ہاں اگر وطی ہو تو تحریم لائے گی اسی تفصیل پر کہ نکاح میں بالاجماع اور بلا نکاح ہمارے نزدیک تو وہ صغیرہ نابالغہ جس سے زید نے صحبت کی پھر طلاق دے دی اور اس نے دوسرے سے نکاح کیا اور اس سے اس عورت کے بیٹی پیدا ہوئی یہ بیٹی قطعًا شوہر اول پر حرام ہے کہ بعد صحبت کے دخلتم بھن صادق آگیا بلوغ کی شرط نہیں، ہاں اگر صغیرہ چار پانچ برس کی بچی ہو جہاں ایلاج حشفہ ممکن نہ ہو تو البتہ حُرمت نہ ہوگی کہ صحبت نہ ہوگی اور مدخولہ کی ماں مطلقًا حرام ہے خواہ مدخولہ بالحلال ہو یا بالحرام، اور زوجہ کی والدہ ابدًا اپنی ماں کی طرح ہے زوجہ کے مرنے یا طلاق ہو کر عدت گزرنے کے بعد بھی کسی طرح حلال نہیں ہوسکتی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۶ ازموضع سندھولی ضلع بریلی مسئولہ غفور صاحب ۲۷ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ علاوہ چچی وپھوپھی وممانی و دادی و نانی و والدہ وغیرہ کے رشتہ داروں میں کس عورت سے نکاح جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

چچی اور ممانی سے بھی نکاح جائز ہے۔ نسبی رشتوں میں چار قسم کی عورتیں حرام ہیں،

ایک وُہ کہ یہ جن کی اولاد سے ہے جیسے ماں، دادی، نانی کتنے ہی اوپر کی ہوں۔

دوسری وُہ جو اس کی اولاد ہیں جیسے بیٹی، پوتی، نواسی کتنے ہی نیچے کی ہوں۔

تیسری وُہ جو اس کے ماں یا باپ کی اولاد خواہ اولاد در اولاد جیسے بہن، بھانجی، بھتیجی اور ان کی

---

[1] و [2] القرآن الکریم ۴/۲۳

اور بھائیوں بھتیجوں کی اولاد کتنی ہی دُور ہوں۔
چوتھی وہ کہ ماں باپ کے سوا اور جن کی اولاد سے یہ شخص ہے جیسے دادا، دادی، نانا، نانی کتنے ہی اوپر کے ہوں اُن کی خاص اپنی اولاد جیسے اپنی پھوپھی خالہ یا اپنے ماں یا دادا یا دادی یا نانا یا نانی کی پھوپھی خالہ، ان لوگوں کی اولاد کی اولاد حرام نہیں جیسے پھوپھی کی بیٹی یا خالہ کی بیٹی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۶۷ از موضع سندھولی ضلع بریلی مسئولہ غفور صاحب ۲۷ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک کنواری لڑکی کا حمل زید سے رہ گیا اس کے والدین نے عمرو کے ساتھ نکاح کر دیا، اب علمائے دین کی خدمت بابرکت میں استغاثہ ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ جس کا نطفہ ہے اُسی کے ساتھ نکاح جائز ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عمرو کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے۔

الجواب

نکاح عمرو سے بھی جائز ہے مگر عمرو کو اس کے پاس جانا منع ہے جب تک بچہ نہ ہو لے، یہ اُس صورت میں ہے کہ حمل زنا کا ہو، اور اگر زنا نہ ہوا بلکہ شبہہ اور دھوکے سے زید اس کے ساتھ ہمبستر ہوا تو بیشک جب تک بچہ نہ ہو لے دوسرے سے نکاح جائز ہی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۶۸ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا پھر اس کی بہن کو بھی گھر میں ڈال لیا اب زید کا ہندہ سے وطی کرنا کیسا ہے اور دونوں بہنوں کی اولاد کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

الجواب

اگر دوسری کو بلا نکاح گھر میں ڈال لیا تو پہلی سے وطی بدستور جائز ہے اس سے جو اولاد ہو گی اولاد حلال ہے اور اس دوسری سے صحبت حرام و زنا ہے اس سے جو اولاد ہو گی ولد الزنا ہو گی۔ اور اگر دوسری سے بھی نکاح کر لیا تو جب تک اسے ہاتھ نہ لگایا پہلی سے وطی حلال ہے، لیکن جس وقت اس دوسری کو ہاتھ لگائے گا پہلی سے قربت بھی حرام ہو جائے گی، جب تک اس دوسری کو چھوڑے اور اُس کی عدت گزرے اس وقت تک پہلی بھی حرام ہے، اس صورت میں دونوں عورتوں سے اس کے بعد جو اولاد ہو گی اگرچہ اسی کی ٹھہرے گی ولد الزنا نہ ہو گی مگر ولد الحرام ہو گی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۹ ۳ ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

زید کے والد نے زید کی زوجہ سے زنا بالجبر کیا، عورت نے زید سے کہہ دیا، اس پر زید نے اپنی عورت کو طلاق دے دی جس کو عرصہ تین ماہ کا ہو گیا اُس کے بعد زید سے عورت نے کہا کہ تم نے مجھ پر تہمت رکھا تھا اس لیے

میں نے یہ غلط بات بیان کی۔ زید نے عورت کو طلاق دی اب وُہ اپنی اُسی عورت کو نکاح میں رکھ سکتا ہے؟

الجواب

اگر زید نے صرف عورت کے بیان پر اُس کو طلاق دے دی تو طلاق ہوگئی مگر ہمیشہ کے لیے اس کا زید پر حرام ہونا ثابت نہ ہُوا جب تک زید خود اس بیان کی تصدیق نہ کرے لیکن سائل نے بیان کیا کہ زید نے تین طلاقیں دیں، زید گنہ گار ہُوا اور عورت سے اب بغیر حلالہ کے نکاح نہیں کر سکتا، یُوں اُسے رکھے گا تو حرام ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶: مرسلہ قاضی محمد ابراہیم وقاضی نیاز الدین صاحبان صدیقی صابون فروش سفید دروازہ اندر جھانسی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں، ایسی عورتیں جو آوارہ ہیں بے پردہ رہتی ہیں کُھلے بندوں چلتی پھرتی ہیں، زنا بھی ان سے ثابت ہو اور حمل بھی گرائے گئے ہوں یا طوائف وغیرہ، تو ایسی عورتوں کا نکاح بلا استبراء رحم جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا خدا آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔

الجواب

اگر وُہ کسی کی منکوحہ نہیں تو بلا استبراء رحم بلکہ خاص حالتِ زنا میں اس سے نکاح جائز ہے مگر حمل خود اُس ناکح کا نہ ہو تو اسے قربت جائز نہیں جب تک وضع حمل نہ ہوجائے لئلا یسقی ماءہ زرع غیرہ درمختار[1] (تاکہ اس کا پانی دوسرے کی کھیتی کو سیراب نہ کرے، درمختار۔ ت)

مسئلہ ۲۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں:

ایک شخص نے اپنے حقیقی بیٹے کی بی بی سے زنا کیا اور عورت اس کی مقر ہے مرد یعنی جس نے زنا کیا اُس کو تمام برادری کے لوگوں نے علیحدہ کر دیا اُس سے بات چیت سب بند ہے سلام وغیرہ سب لوگ نہیں کرتے اور مرد زانی نہ اقرار کرتا ہے نہ انکار بلکہ جب لوگ کہتے ہیں کہ تو نے بڑا بھاری گناہ کیا تو کہتا ہے کہ خطا ہوتی کیا کریں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ عورت کیا اب خاوند اصلی کے پاس رہ سکتی ہے اور اُس کے لیے حلال ہے یا کہ دوسرے شخص سے نکاح کرلے اور کیا اس عورت کو خاوند سے طلاق لینے کی بھی ضرورت ہے اور کیا جب تک کہ وُہ طلاق نہ دے اُس وقت تک غیر سے نکاح نہیں کر سکتی؟ بعض مولوی صاحب کہتے ہیں کہ بلا طلاق دئے غیر سے نکاح نہیں کر سکتی اور بعض یہ کہتے ہیں کہ طلاق کی ضرورت نہیں وُہ عورت اپنے خاوند اصلی کے لیے حرام ہوگئی اور کیا یہ عورت مہر لے سکتی ہے؟

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹

الجواب

شوہر اگر مانتا ہے کہ ایسا ہوا تو عورت اس پر ہمیشہ کو حرام ہوگئی، کسی حیلہ سے اس کی زوجیت میں نہیں آسکتی، اس پر فرض ہے کہ اُسے فوراً جُدا کردے متارکہ کرے، مثلاً کہہ دے میں نے تجھے چھوڑا۔ بے اس کے دُوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی اس لیے زیادہ طلاق کی بھی حاجت نہیں، اور اگر شوہر کو امر مذکور کا وقوع تسلیم نہیں تو صرف عورت کے کہنے سے ثبوت نہیں ہوسکتا، اگر شوہر نے طلاق نہ دی وُہ اس کی عورت ہے اور دی تو جیسی طلاق دی ویسا حکم۔ اگر تین طلاقیں دیں تو بے حلالہ اس سے نکاح نہیں کرسکتا۔ رہا مہر وہ تمام صورتوں میں مطلقاً لازم ہے مہر متاخر میں عورت کو لینے کا اختیار بعد متارکہ یا طلاق یا موت ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۷۲ ازمقام اکلترہ ضلع بلاسپور مسئولہ حامد علی صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی سے زنا کیا، اب کیا یہ بیوی اپنے اصلی شوہر جو کہ زانی کا لڑکا ہے کے پاس رہ سکتی ہے؟ اور اگر نہیں رہ سکتی تو دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے اور شوہر اوّل سے مہر لینے کی مستحق ہے کہ نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

یہ کہ زنا کیا، جھُوٹ بک دینے سے ثابت نہیں ہوسکتا اس کے لیے چار شاہد چاہئیں، بغیر اس کے زید کا باپ اگر اقرار بھی کرے اور زید باور نہ کرے تو اس کا اقرار زید پر حجت نہیں، ہاں اگر شہادتِ شرعیہ سے ثابت ہوجائے یا زید اُس کی تصدیق کرے تو عورت زید پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی مگر ابھی نکاح سے نہ نکلی، دُوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی جب تک زید اُسے نہ چھوڑے، اور اس صورت میں زید پر فرض ہوگا کہ فوراً اُسے چھوڑ دے، اس کے بعد عورت عدّت کرے بعد عدّت سوائے زید کے جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے، زید پر اس کا مہر بہرحال لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۷۳ از کولمبو سیلون مسئولہ عبدالقادر صاحب ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رشتہ داروں کی کن کن عورتوں سے نکاح کرسکتے ہیں اور کن سے ناجائز؟ مفصل تحریر فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب

وُہ شخص جن کی اولاد میں ہے جیسے باپ، دادا، نانا، جو اس کی اولاد میں ہو جیسے بیٹا، پوتا، نواسا، اُن کی بیبیوں سے نکاح حرام ہے اور خسر کی بی بی سے بھی حرام ہے جبکہ وُہ اپنی زوجہ کی حقیقی ماں ہو باقی رشتہ داروں کی بیبیوں سے اُن کی موت یا طلاق وانقضائے عدّت کے بعد نکاح جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۷۴ تا ۲۷۶: ازکوہ رانی کھیت کوٹھی انجنیر اسپیل مرسلہ غلام محمد صاحب ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

(۱) شیعہ مذہب کا نکاح سُنّی مذہب کی لڑکی کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؛ لڑکا اور اس کا باپ شہادت دلاتے ہیں کہ ہم سُنّی مذہب ہیں اور اگر تم شیعہ سمجھتے ہو تو اپنے دل کے اطمینان کے واسطے ہمیں سُنّی مذہب کرلو، اور جو اُن کے ہم وطن ہیں وُہ کہتے ہیں ہم لوگ شیعہ ہیں اور اُن کے گاؤں میں سُنّی مذہب رہتے ہیں اور اُن کے خاندان سے واقف ہیں کہ یہ سُنّی مذہب ہیں اس پر یہاں کے مسلمان کہتے ہیں کہ انھیں ہم نے ہمیشہ شیعہ مذہب کا برتاوا کرتے دیکھا، اور بعض مسلمان کہتے ہیں کہ ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ لڑکے شیعہ مذہب میں نہیں ہیں اور اُن کے والد کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہتے۔

(۲) اور دو شخص نے یہ کہا کہ لڑکی کا باپ اور لڑکے کی ماں کچھ تعلق رکھتے ہیں اس پر لڑکی کے باپ نے قرآن شریف لاکر کہا اس کو اٹھاؤ، وُہ انکار کیا اور چلا گیا اور کوئی ثبوت نہ ہوا۔

(۳) جب برات گئی اور لڑکی کا بھائی مولانا صاحب کے پاس گیا کہ نکاح پڑھانے کو آئیں گے یا نہیں، تو انھوں نے کہا میں نہیں آؤں گا تو کون آئے گا، نکاح کے وقت وُہ نہیں آئے اور کہا کہ جو کوئی ان کا نکاح پڑھائے گا اس کی عورت طلاق ہوجائے گی۔ بینوا توجروا

الجواب

(۱) رافضیوں میں تقیہ ہے، بے حاجت بھی تقیہ کرتے ہیں، حاجت کے وقت کا کیا اعتبار اور اشتباہ مٹانے کی کیا صورت کہ تقیہ وُہ ملعون چیز ہے جس کا کرنے والا سب کچھ کہہ لے گا، خالص اسلام بولے اور دل میں کفر بھرا ہوگا، رافضیوں کی شہادت کہ یہ سُنّی ہے کیا معتبر ہوسکتی ہے، رافضی کی گواہی کچھ معتبر نہیں لا ایمان لھم (ان کا ایمان ہی نہیں۔ت) بعض مسلمانوں کی گواہی کہ یہ شیعہ نہیں اور مسلمانوں کی شہادت کہ انھیں شیعی برتاؤ کرتے دیکھا، یہ شہادت اثبات ہے اور وُہ شہادت نفی جو مقبول نہیں، لہٰذا یہ نکاح ہرگز نہ کیا جائے، قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیف وقد قیل[1] (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کیسے ہوسکتا ہے جبکہ یہ بات کہہ دی گئی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) ایسے خالی بیانوں سے ناجائز تعلق ثابت نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) اُس کے رافضی ہونے کے سبب جس نے نکاح پڑھانے سے انکار کیا بہت اچھا کیا اور وُہ حکم

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم باب الرحلۃ فی المسألۃ النازلۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹

جو اس نے بیان کیا اگرچہ مطلق نہیں مگر اتنا ضرور ہے کہ جب رافضی کے ساتھ سُنّیہ کا نکاح جائز و حلال جانا تو خود اس کی عورت نکاح سے نکل جائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۷۷: از رانی کھیت صدر بازار مسئولہ محمد ابراہیم خاں صاحب ۱۴ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک خان تبّت کا اور اس کا لڑکا اپنے آپ کو سنت جماعت بتاتے اور قرآن شریف کی رُو سے اپنا طریقہ سنّت جماعت بتاتے ہیں اور قریب ۳۰، ۲۵ سال سے رانی کھیت میں رہتے ہیں، اب سب لوگ ان کو رافضی مذہب کا کہتے ہیں، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ سُنّی کی لڑکی کا نکاح ایسے شخص سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یہ شخص غریب ہے سب لوگ عداوت سے رافضی کہنے لگے ہیں ان کے سب طریقے روزے، زکوٰۃ، نماز کے اہل سنت وجماعت کی طرح ہیں۔ رانی کھیت کی مسجد کے مولانا نے جن کا نام عبدالرحمن ہے نکاح نہیں پڑھایا کہ رافضی کا نکاح سُنّی سے نہیں ہوسکتا عداوت سے سب مسلمان ایک ہوگئے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بلاوجہ عداوت سے سب مسلمانوں کا ایک ہوجانا معقول نہیں اور رافضیوں کا تقیہ معلوم ہے اور نکاح امرِ عظیم ہے احتیاط لازم ہے۔ حدیث میں فرمایا: کیف وقد قیل¹ (کیسے ہوسکتا ہے جبکہ یہ بات کہہ دی گئی ہے۔ ت) ہو تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۷۸: از لکھنؤ بنگال بنک ڈاکخانہ حضرت گنج مسئولہ عبدالرحیم خاں صاحب

مسئلہ ذیل میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید کی سسرال کے رشتہ کے ماموں کا لڑکا اور زید کی لڑکی سے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

اپنے حقیقی ماموں کے بیٹے سے بیٹی کا نکاح جائز ہے، سسرال کے رشتہ کا ماموں تو بہت دُور ہے جبکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو مثل رضاعت وغیرہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۷۹: از شہراکیاب تھانہ کیوکتو موضع کاؤنچی بازار مرسلہ مولوی سکندر علی صاحب بنگالی طالب علم مدرسہ نیازیہ خیرآباد ضلع سیتاپور ۱۱ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

ما قولکم ما حکم اللہ تعالٰی فی ھذہ تمہاری کیا رائے ہے کہ اللہ تعالٰی کا کیا حکم ہے اس

---

¹ صحیح بخاری کتاب العلم باب الرحلۃ فی المسألۃ النازلۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹

المسألۃ شخصے قاسم زنے راکہ در قرابتش بنت بنت رضاعی مربرادر حقیقی قاسم باشد بحبالۂ نکاحش آورد وظن او چناں بود کہ موافق مذہب خود جائزست، از علماہم استفتا نمودہ بود، ایشاں بصحت نکاحش قضا نمودند، پس ازچندے علمائے احناف بعدم جواز نکاحش فتوٰی می دادند وجماعت مسلمین را باو مجالست ومواکلتش منع می کنند مادامیکہ تفریق نکاحش نکنند۔

مسئلہ میں، کہ قاسم نامی ایک شخص نے اپنے قریبیوں میں سے ایک عورت جو کہ قاسم کے حقیقی بھائی کی رضاعی نواسی ہے' سے نکاح کیا اور اس کا خیال تھا کہ اپنے مذہب میں یہ جائز ہے اور اس نے علماء سے بھی پوچھا تو اُنھوں نے بھی اسے جائز کہا، اس کے بعد چند حنفی علماء نے اس نکاح کے ناجائز ہونے کا فتوٰی دیا اور مسلمانوں کو نکاح کرنے والوں کے ساتھ میل جول اور کھانے پینے سے منع کر دیا تاوقتیکہ وہ اس نکاح کو ختم کرکے علیحدگی اختیار نہ کرلیں۔ (ت)

جواب بنگالیاں

برتقدیر صدق مسئول عنہا علمائے شریعت غرّا و فضلائے طریقت بیضا بالخاصہ فقہائے مذہب حنیف وعلمائے ملت منیف می نگارند کہ چوں علمائے مذہب مستترہ شاں مجتہد باشد یا مقلد ظنًّا یا سہوًا عملے کنند وحکمے بکارے صادر نمایند وقضا برآں تنفیذ فرمایند، پس آں دانستند ووقوف یافتند کہ ہماں عمل وفعل زایشاں بظہور پیوستہ لطبق مذہب شاں نپرداختہ ومشرب یکے از ائمہ دیگرے کہ معدود ومحدود بہ سنت جماعت ست درپیوستہ پس باردیگر تنقیض وتردید آنہا کردن روا وجائز نباشد بل ہمیں مسلک تقلید نمودہ کہ ہم خالی از تلفیق دارد ہماں عمل وفعل را لامحالہ صحیح ودرست دارند ونیز ازیں تقلید ظنی از مذہب مستترہ خود خارج نشوند ومنسوب بداں مذہب دیگر نگردند پس مناکحت قاسم بدیں منوال ہمیں مقال صادق ست کہ لاریب ولامحالہ

مسئولہ صورت کے صدق پر علمائے شریعت اور طریق حق کے ناقلین خصوصاً فقہائے مذہب حنیف اور علمائے ملت لکھتے ہیں کہ جب مروجہ مذاہب کے مجتہد یا مقلدین میں سے کوئی اپنے ظن سے یا غلطی سے کسی کام کا حکم صادر کریں اور اس پر فیصلہ بطور قضاء نافذ کردیں اور بعد میں معلوم ہو کہ یہ عمل یا کام ان کے مذہب کے خلاف ہے اور کسی دوسرے اہلسنت کے امام کے مسلک میں جائز ہے تو اس عمل اور کام کو کالعدم کرنا جائز نہیں بلکہ دوسرے جائز قرار دینے والے مسلک کی تقلید میں اس کو جائز اور نافذ رکھنا چاہیے، اس سے اپنے مروجہ مذہب سے خروج اور دوسرے مذہب کو اختیار کرنا لازم نہ آئے گا، پس قاسم مذکور کا مذکورہ نکاح اگرچہ حنفی مذہب کے خلاف ہے مگر اہلِ ظواہر کے مسلک مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی جو کہ

صحیح و نافذ گردیدہ است اگرچہ بالفرض والتقدیر
مخالفت مذہب حنفی آمدہ لیکن بمسلک اہل ظواہر کمثل
امام ہمام شافعی علیہ رضوان الباری وغیرہ کہ
مسلوک و مشمول اہلسنت جماعت ست برداختہ و درپیوستہ
کہ علمائے احناف بظن جواز مذہب شان مظنون
شدہ بنت بنت رضاعی را مر برادر حقیقی قاسم مذکور
بود حکم نکاحش دادہ بودند بحالتیکہ در تحت حجاب
ممنوعات کلیہ حنفیہ محجوب و مستور بودہ و در ضمن ضابطہ
مامور بہا محللات اہل ظواہر کہ ہمچوں شافعی وغیرہ
ہستند مکشوف و مظہر ماندہ پس ہرگز علماء احناف را
نمی رسد کہ تفریق و افساد در نکاحش کنند کہ آں مستلزم
تحقیر و تنکیر سنت جماعت گردد و حقارت یکے را
از سنت عند اللہ بموجب ضلالت قرار دادہ
كما قال العلامة ابن عابدين الشامي الحنفي
في رد المحتار ناقلاً عن العلامة الشرنبلالي
في عقد الفريد، ان له التقليد بعد العمل كما
اذا صلى ظانا صحتها على مذهبه ثم تبين
بطلانها في مذهبه وصحتها على مذهب غيره
فله تقليده ويجتزئ بتلك الصلوة على
ما قال في البزازية انه روي عن
ابي يوسف انه صلى الجمعة مغتسلاً من الحمام ثم اخبر
بفارة في بئر الحمام، فقال ناخذ بقول اخواننا
من اهل المدينة اذا بلغ الماء قلتين لم يحمل
خبثاً[1] اھ وايضا فيه تحت قول الدر المختار

اہلسنت و جماعت میں یکہاں نکاح درست ہوا، نیز علمائے
احناف نے جب غلطی سے اس نکاح مذکورہ کو جائز
گمان کیا تو ان کے گمان میں جائز ٹھہرا کہ حقیقی بھائی
کی رضاعی نواسی سے قاسم کا نکاح درست قرار
دے کر کر دیا اور ان کی نظر میں حنفی مسلک کی ممانعت کا
قاعدہ مستور رہا اور اب امام شافعی جیسے اہل ظواہر کے
مسلک پر اس کا جواز معلوم ہوا تو اب علمائے احناف کو
ہرگز جائز نہیں کہ وہ اس نکاح کو فاسد کریں اور تفریق
کریں، کیونکہ جماعت کی اور ایک سنت اور مسلک کی
تحقیر لازم آئے گی جو کہ عند اللہ گمراہی کا موجب ہے،
جیسا کہ علامہ شامی نے علامہ شرنبلالی سے رد المحتار
میں عقد الفرید سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کو
عمل کے بعد بھی دوسرے کی تقلید جائز ہے جیسا کہ اپنے
مذہب کے مطابق نماز کو صحیح سمجھ کر ادا کیا اور بعد میں
معلوم ہوا کہ اس کے مذہب میں صحیح نہیں ہوئی مگر
دوسرے امام کے مذہب میں صحیح ہو گئی تو اب دوسرے
امام کی تقلید کرتے ہوئے نماز کو صحیح قرار دینا جائز
بشرطیکہ نماز پڑھتے وقت اس نے تحری کی ہو، جیسا کہ
بزازیہ میں فرمایا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے
مروی ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ حمام کے پانی سے جمعہ
کا غسل کیا پھر بعد میں بتایا گیا کہ حمام میں چوہا مرا ہوا ہے
تو آپ نے فرمایا کہ ہم اپنے بھائی اہل مدینہ کے مسلک کو
اپناتے ہوئے کہ جب پانی دو قلے ہو تو ناپاک نہیں ہوتا اس
پر عمل پیرا ہیں اھ اور نیز انھوں نے درمختار کے قول

---

[1] رد المحتار مطلب فی حکم التقلید والرجوع عنہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۱

واما المقلد الخ نقله فی القنیة عن المحیط
وغیره وجزم به المحقق فی فتح القدیر و
تلمیذه العلامة قاسم وادعی فی البحر ان
المقلد اذا قضی بمذهب غیره وبروایة
ضعیفة او بقول ضعیف نفذ، واقوی ماتمسك
به مافی البزازیة عن شرح الطحاوی اذا لم
یکن القاضی مجتهدا وقضی بالفتوی
ثم تبین انه علی خلاف
مذهبه نفذ ولیس لغیره
نقضه وله ان ینقضه کذا
عن محمد وقال الثانی لیس
له ان ینقضه ایضا[1]، لان
امضاء الفعل کامضاء القاضی
لاینقض[2]، ودلیل مذهب الظاهر
کہ ملحق بہ سنت جماعت ست ومخالفت
فرعی درباب رضاعت باحناف می دارند
ہمچوں امام ہمام شافعی وغیرہ ہستند ہمیں
ست چنانچہ شارح مسلم امام نووی در شرح
آں مے نگارند ولم یخالف فی هذا
الا اهل الظاهر وابن علیة فقالوا
لاتثبت حرمة الرضاع بین الرجل و
الرضیع ونقله المازری

"اما المقلد" کے تحت فرمایا کہ قنیہ نے محیط وغیرہ سے
نقل کیا اور اس پر فتح القدیر میں محقق اور ان کے شاگرد
علامہ قاسم نے جزم کیا ہے اور بحر میں دعوٰی کے طور پر
کہا کہ قاضی مقلد نے اگر غیر کے مذہب یا ضعیف قول یا
روایت پر فیصلہ دے دیا تو وہ نافذ ہوگا اور اس سلسلہ
میں بہترین استدلال بزازیہ کی شرح طحاوی سے منقول
عبارت ہے کہ جب قاضی مجتہد نہ ہو اور کسی کے فتوٰی
پر فیصلہ کر دیا ہو تو بعد میں اگر معلوم ہُوا کہ اس نے اپنے
مذہب کے خلاف فیصلہ دیا ہے تو فیصلہ نافذ رہے گا،
اور دُوسرا قاضی اس کو رَد نہیں کرسکتا، ہاں وُہ خود
کالعدم کرسکتا ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے یوں
منقول ہے، اور دوسرے امام یعنی ابو یوسف رحمہ اللہ
تعالٰی نے فرمایا کہ خود اس قاضی کو بھی کالعدم کرنے کا
حق نہیں کیونکہ عمل ہوجانے پر گویا کہ قاضی نے نافذ
کردیا ہے اور نافذ شدہ کو کالعدم نہیں کہا جاسکتا، اور
اہل ظواہر کا مذہب بھی اہلسنت میں شامل ہے اور
اور اس کا صرف فروعی اختلاف رضاعت کے بارے میں
احناف سے ہے یہ بھی امام شافعی کی طرح ہیں، چنانچہ
شارح مسلم شریف امام نووی نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے
کہ اس میں صرف اہل ظاہر اور ابن علیہ کا خلاف ہے کہ وُہ
کہتے ہیں دُودھ پینے والی لڑکی اور مرد کے درمیان رضاعت
کی حرمت ثابت نہیں ہوتی، اور اس کو مازری نے

---

[1] رد المحتار مطلب فی حکم التقلید والرجوع عنہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۲
[2] " " " " " " " " " ۱/۵۱

عن ابن عمر وعائشة (رضی اللہ تعالٰی عنہما)
واحتجوا بقوله تعالٰی وامهٰتكم التی
ارضعنكم واخواتكم من الرضاعة و
لم یذكر البنت والعمة كما ذكرهما فی
النسب[1] وامام ابو عیسٰی ترمذی در جامع ترمذی شان
می آرند حدثنا الحسن ابن علی اخبرنا ابن
نمیر عن هشام ابن عروة عن ابیه
عن عائشة قالت جاء عمی من
الرضاعة یستأذن علی فابیت
ان اذن له حتی استأمر
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم
فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه
وسلم فلیلج علیك فانه عمك قالت انما
ارضعتنی المرأة ولم یرضعنی الرجل قال فانه
عمك فلیلج علیك هذا حدیث حسن
صحیح والعمل علی هذا عند بعض اهل
العلم من اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیه
وسلم وغیرهم كرهوا لبن الفحل و
الاصل فی هذا حدیث عائشة و
وقد رخص بعض اهل
العلم فی لبن الفحل والقول
الاول اصح[2] رواه الترمذی

عبداللہ بن عمر اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے نقل
کیا ہے اور اصحابِ ظواہر نے اپنی دلیل میں کہا کہ اللہ
تعالٰی نے دُودھ پلانے والی تمہاری ماؤں اور تمہارے
رضاعی بھائیوں کو ذکر کیا ہے اور بیٹی اور پھوپھی کو ذکر
نہیں کیا جس طرح ان کو نسب میں بیان فرمایا ہے۔ اور
امام ترمذی نے اپنی جامع ترمذی میں بیان کیا ہے کہ
ہمیں حدیث بیان کی حسن بن علی انھوں نے ابن نمیر
انھوں نے ہشام انھوں نے اپنے باپ عروہ انھوں نے حضرت
عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا انھوں نے فرمایا
میرا رضاعی چچا آیا اور اس نے میرے ہاں آنے کی
اجازت چاہی تو میں نے انکار کیا حتی کہ میں نے حضور
علیہ الصلٰوۃ والسلام سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا وہ
تیرے ہاں داخل ہوسکتا ہے کیونکہ وہ تیرا چچا ہے تو حضرت
عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے عرض کیا کہ مجھے تو عورت نے
دُودھ پلایا ہے مرد نے نہیں پلایا۔ تو آپ صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم نے فرمایا وہ تیرا چچا ہے وہ داخل ہوسکتا ہے۔
یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور اس پر عمل ہے بعض صحابہ کرام کا
اور ان کے غیر نے دودھ والے خاوند یعنی رضاعی باپ کے داخل
ہونا مکروہ کہا ہے، اور اصل ثبوت حضرت عائشہ کی
حدیث ہے، اور بعض اہلِ علم نے دُودھ والے باپ
(رضاعی باپ) کو داخل ہونے کی اجازت دی ہے،
اور پہلا قول صحیح ہے اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

---

[1] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الرضاع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۶۶
[2] جامع الترمذی ابواب الرضاع باب ماجاء فی لبن الفحل امین کمپنی دہلی ۱/۱۳۷

وقال الشامی ونظیر ھذہ مانقلہ العلامۃ بیری فی اول شرحہ علی الاشباہ عن شرح الھدایۃ لابن شحنۃ ونصہ اذا صح الحدیث وکان علی خلاف المذھب عمل بالحدیث ویکون ذٰلک مذھبہ ولایخرج مقلدہ عن کونہ حنفیا بالعمل بہ فقد صح عن ابی حنیفۃ امام الاعظم انہ قال اذا صح الحدیث فھو مذھبی وقد حکی ذٰلک ابن عبدالبر عن ابی حنیفۃ وغیرہ من الائمۃ[1] الخ وقاضی خاں وصاحب ہدایہ ہماں مذہب اہلِ ظاہر نقل بالتصریح فرمودہ اند کما قال فی فتاوٰی قاضی خاں وقال الامام الھمام الشافعی الحرمۃ لاتثبت فی جانب الاب و الفقہاء یسمون ھٰذہ المسألۃ لبن الفحل[2] وقال فی الھدایۃ وفی احد قولی الشافعی لبن الفحل لایحرم لان الحرمۃ لشبھۃ البعضیۃ واللبن بعضھا لابعضہ[3] ہرگاہ از دلائل کتب فقہائے حنفیہ مبین و مبرہن گردید کہ تزویج قاسم نامی نزد علمائے حنفی روا و درست گردیدہ وازاں مذہب حنفی بیروں

اور شامی نے کہا کہ اور اس کی نظیر وہ ہے جس کو علامہ بیری نے اشباہ پر اپنی شرح کے ابتداء میں ہدایہ کی شرح سے نقل کیا یہ شرح ابن شحنہ کی ہے جس کی عبارت یہ ہے جب حدیث صحیح ہے جو کہ مذہب کے مخالف ہے تو عمل حدیث پر ہوگا، ــــــــــــ اور یہی امام کا مذہب ہوگا اور اس حدیث پر عمل سے مقلد، امام صاحب کی تقلید سے خارج نہ ہوگا کیونکہ امام ابوحنیفہ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: جب حدیث صحیح ہو تو وہ میرا مذہب ہے۔ اس کو ابن عبدالبر نے امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ سے نقل کیا ہے الخ قاضی خان اور صاحب ہدایہ نے اہل ظواہر کا مذہب صراحۃً یہی ذکر کیا ہے جیسا کہ فتاوٰی قاضی خان میں کہا کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی باپ کی جانب سے رضاعت کی حرمت ثابت نہیں کرتے۔ اور فقہاء کرام نے اس مسئلہ کو "لبن الفحل" (خاوند کا دودھ) کا عنوان دیا ہے، اور ہدایہ میں کہا کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے ایک قول میں رضاعی باپ حرام نہیں ہوتا کیونکہ رضاعت میں حرمت جزئیت کی وجہ سے ہوتی ہے جبکہ دودھ عورت کا جز ہے مرد کا نہیں، بہرحال حنفی فقہ کی کتب میں مذکور دلائل سے ثابت ہے کہ قاسم نامی شخص کا مذکورہ نکاح درست ہوجاتا ہے اور اس کو درست ماننے سے حنفی مذہب

---

[1] ردالمحتار مطلب صح عن الامام انہ قال اذا صح الحدیث فھو مذہبی احیاء التراث بیروت ۱/۴۶
[2] فتاوٰی قاضی خاں باب الرضاع نولکشور لکھنؤ ۱/۱۸۹
[3] الہدایہ مکتبہ عربیہ کراچی ۲/۳۳۱

نہ آمدہ باوجود آں اگر جماعت مسلمین بروئے زبان طعن و لعن بر کشایند پس عند اللہ ماخوذ شوند و عند الناس مستحق سزا کما ھو فی کتب الفقہ من اذی مسلما بقول او بفعل ولو بغمز العین عزر[1] پس ایشان ما دامیکہ تائب و آئب نہ شوند از مواکلت و مشاربت جماعت مسلمین خارج کردہ شوند چنانچہ وارد شدہ کہ و ایاك و مجالسۃ الشریر فقط واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ احکم و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و آلہ و صحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

سے خارج ہونا لازم نہیں آتا، اس کے باوجود اگر مسلمان اس پر لعن طعن کریں گے تو عند اللہ مجرم ہوں گے اور قانون میں سزا کے مستحق ہوں گے جیسا کہ کتبِ فقہ میں ہے کہ اگر کسی نے مسلمان کو اپنے قول، فعل یا اشارہ سے اذیت دی تو وہ قابلِ سزا ہے۔ پس ایسے لوگ جب تک توبہ اور رجوع نہ کریں تو ان سے مل کر کھانا پینا منع ہے جیسا کہ وارد ہے کہ "شریر کی مجلس سے بچو" فقط واللہ تعالٰی اعلم، اس جل مجدہ کا علم کامل ہے، ہماری آخری بات یہ ہے کہ الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔ (ت)

الراقم احقر الحقیر محمد عظیم الدین کیوکتوی بہاریاروی خلف الہدی شیخ اکبر علی سلمہ، بانی مسجد مہتمم مدرسہ اسلامیہ محلہ دتی۔

تحریر دیگر بہ تائید آں

آرے مذاہب ائمہ اربعہ جملگی در حق ست و حق بہماں دائر ست اگرچہ مجتہد مطلق یا مقلد محض بمذہب شان عملے و فعلے قضا کند بعدہ دانستہ کہ مخالف مذہب شان و موافق مذہب دیگرے کہ معدود ولسنت جماعت ست بخطائے ظن شان ملصق گشتہ فقہا احناف روا نمی دارند کہ بار دیگر آں را ابطال و افساد کنند تا موجب تحقیر و تنفیر بمذاہب ائمہ سنت جماعت

ہاں چاروں مذہب حق ہیں اور حق انہی میں دائر ہے، اگر کوئی مجتہد مطلق یا مقلد محض ان کے مذہب پر کوئی عمل یا فعل کرتے ہوئے فیصلہ کرے اور بعد میں معلوم ہو جائے کہ اس کے مذہب کے مخالف ہے اور دوسرے کے مذہب کے موافق ہے اور یہ دوسرا مذہب اہل سنت میں شمار ہو تو اس فیصلہ کو فقہائے احناف باطل و فاسد کرنا جائز نہیں کرتے تاکہ اہل سنت وجماعت کے ائمہ کرام کی تحقیر وتنفیر

---

[1] درمختار باب التعزیر مجتبائی دہلی ۱/۳۲۶

لازم نیاید آں خطائے عظیم و سخط جسیم باشد عند اللہ
تعالیٰ لہذا علماء زاں ابا و انکار فرمودند
و در تواریخ بروایت صحیح مروی شدہ کہ بارے
در مجلس شریف حضرت پیران پیر غوث الاعظم شیخ
محی الدین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ از کسے مذکور
شدہ بود کہ امام احمد حنبل در اجتہاد پایہ چنداں ندارند
لہذا در مذہب شاں جماعت قلیل دارند مجرد
استماع آں حضرت پیران پیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
چیں بر جبیں آوردہ و غضبناک شدہ فرمودند کہ ازیں
تاریخ عبد القادر بمذہب احمد حنبل رضی اللہ تعالیٰ
عنہ تقلید نمودہ و پیش ازیں بمذہب امام مالک بودند
سبحان اللہ ما اعظم شانہ و ما اکبر شانہم و فخر عالم صلی اللہ
علیہ وسلم در شان ائمہ اربعہ رحمۃ من اللہ و سعۃ من اللہ
فرمودند و نقل السیوطی عن عمر ابن عبد العزیز
اختلاف ائمۃ الھدی رحمۃ من اللہ
تعالیٰ علیٰ ھذہ الامۃ کل یتبع ما صح
عندہ وکلھم علیٰ ھدی وکل یرید اللہ
وتمامہ فی کشف الخفاء ، پس
تزویج قاسم نزد فقہائے حنفی بہ تصحیح آوردہ
اگرچہ بالفرض مخالفت مذہبی روے دادہ واز
حنفیت نیز بیروں نیامدہ کما حررہ المجیب
للہ درہ واجرہ ولقد نظرت ھذا
الفتوی بامعان النظر و
تصفحت ھذہ المسألۃ بصفحات
الکتب الفقھیۃ الحنفیۃ فوجدت صحیحا

لازم نہ آئے ، اور اس فیصلہ کو غلط کہنا عند اللہ بڑا گناہ
ہے اس لیے علمائے کرام اس سے پرہیز کرتے ہیں ،
تاریخ میں صحیح روایت موجود ہے کہ حضرت پیر پیران
غوث اعظم شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کی مجلس میں ایک شخص نے ذکر کیا کہ امام احمد بن حنبل
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد میں کوئی اہم مقام نہیں ہے
یہی وجہ ہے کہ ان کے مقلدین کی تعداد بہت کم ہے۔
حضرت پیر پیران سنتے ہی جلال میں آگئے اور فرمایا کہ میں
(عبد القادر) آج سے امام احمد بن حنبل کا مقلد ہو رہا
ہوں جبکہ آپ پہلے امام مالک رضی اللہ عنہ کے مقلد تھے
سبحان اللہ! اس کی شان اعظم و اکبر ہے ۔ فخر عالم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ کی
رحمت و وسعت ہونے کی شان میں فرمایا جس کو امام سیوطی
نے نقل فرمایا کہ عمر بن عبد العزیز سے روایت ہے کہ
ہدایت کے اماموں کا اختلاف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے
اس امت کے لیے ، ہر ایک نے جس کو صحیح سمجھا
وہی اس نے اپنایا اور تمام ائمہ ہدایت پر ہیں اور
تمام اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہیں ، اس کا تمام
بیان کشف الخفاء میں ہے ، لہذا قاسم مذکور کا
نکاح حنفی فقہاء کے نزدیک درست ہے اگرچہ
بالفرض مذہب کے مخالف ہے اور حنفیت سے بھی
خارج نہیں ہوتا جیسا کہ مجیب نے تحریر کیا ہے اس کا
اجر و نفع اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرمائے ۔ میں نے اس
فتویٰ کو گہری نظر سے دیکھا اور فقہ حنفی کی کتب میں اس کی میں نے
چھان بین کی تو میں نے اسکو صحیح مطابق قرآن اور موافق ثواب پایا ہے

مطابقا بالکتاب وموافقا للصواب واللہ اعلم بحقیقۃ الحال والیہ المرجع والمآل۔ کتبہ الحقیر الراجی الٰی رحمۃ ربہ الخلاق عبد الرزاق الکیوکوی غفرلہ۔

اور اللہ تعالٰی ہی حقیقت زیادہ جانتا ہے اور اسی کی طرف رجوع ہے۔ اس کو اللہ تعالٰی کی رحمت کے امیدوار عبدالرزاق کیوکتوی غفرلہ نے لکھا ہے۔(ت)

الجواب

ایں ہمہ جہل شدید وضلال بعید وافترا بر شرع مجید ست نکاح با بنت بنت الاخ بعینہٖ ہمچو نکاح با دختر خود ست نسبًا باشد یا رضاعًا و حرام قطعی ست باجماع ائمہ دین ونص قرآن مبین و صحاح احادیث سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین نسبت جوازش بامام شافعی خواہ بامام دیگر از ائمہ مسلمین خطائے محض ست و ایں بنگالیاں کہ فتوی بجوازش دادہ بودند علما نہ بودند بہزاراں درجہ بدتر از جہلا بودند وایشاں کہ فتوی ملعون ایشاں را نافذ می کنند ہمہ با حرام خدا را حلال می نمایند ہمچو کساں را حرام وسخت حرام ست کہ تصدی بافتا کنند درحدیث فرمود من افتی بغیر علم لعنتہ ملٰئکۃ السماء والارض[1] ہر کہ بے علم فتوی دہد ملائکہ آسمان و زمین بر او لعنت کنند آں حکم جواز وایں فتوائے نفاذ ہر دو ملعون ست و بر آں حاکمان وایں مفتیان توبہ فرض ست ورنہ مسلمان از مجالست ایشاں احتراز ورزند ودر ہیچ امر فتوی از ایشاں خواستن حرام ست قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتخذ الناس رؤسا جہالا فسئلوا

یہ تمام شدید جہالت اور انتہائی گمراہی ہے اور شریعت پر افترا ہے۔ بھائی کی نواسی سے نکاح ایسے ہے جیسا کہ اپنی بیٹی سے، نواسی نسبی ہو یا رضاعی۔ اور قرآن وحدیث اور اجماع سے یہ حرام قطعی ہے۔ اس کے جواز کی نسبت امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی یا کسی اور امام المسلمین کی طرف کرنا خطائے محض ہے، اور جن بنگالیوں نے اس کے جواز کا فتوٰی دیا ہے وہ عالم نہیں بلکہ ہزار درجہ جاہلوں سے بھی بدتر ہیں، جنھوں نے بھی یہ ملعون فتوٰی نافذ کیا انھوں نے اللہ تعالٰی کے حرام کو حلال کیا اور اسی طرح وہ حضرات جنھوں نے اس کی تصدیق کی انھوں نے حرام ترین کی تصدیق کی، حدیث شریف میں ہے کہ جس نے علم کے بغیر فتوی دیا اس پر زمین وآسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں، لہٰذا جنھوں نے یہ فتوٰی دیا اور جنھوں نے اس کو نافذ کیا دونوں ملعون ہیں۔ نافذ کرنے والے حاکم اور مفتیوں پر توبہ فرض ہے ورنہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان سے بائیکاٹ کریں اور آئندہ ان سے کوئی فتوٰی طلب کرنا حرام ہے۔ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ لوگ جاہلوں کو رہنما بنائیں گے تو جب ان سے سوال

---

[1] کنز العمال ابن عساکر عن علی حدیث ۲۹۰۱۸ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۱۹۳

فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا[1] مفتیان خشم نکنند اینکہ گفتہ شد خیر خواہی ایشان بود، حرام خدا را حلال گرفتن و زنائے پدر با دخترش روا داشتن نہ سہل کارے ست، ہر کہ بر ہمچو ضلالت قطعیہ تنبیہ کرد مستوجب شکر است نہ مستحق شکایت واللہ یہدی من یشاء الٰی صراط مستقیم[2] و بر آں ناکح زانی فرض ست کہ دختر را از تصرف خود واگزارد و بر آں منکوحہ مزنیہ فرض ست کہ بپائے کہ دارد از زنائے پدرش بگریزد فوراً فوراً ورنہ آناں و مزوجان آناں و مجوزان اینہا ہمہ عذاب شدید الٰہی را منتظر باشند، نسأل اللہ العفو و العافیۃ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، امام اجل ابوزکریا نووی کہ احد الشیخین مذہب امام شافعی ست و نص او ہمچو نص امام شافعی ست رضی اللہ تعالٰی عنہم در شرح صحیح مسلم فرماید اما الرجل المنسوب ذٰلک اللبن الیہ لکونہ زوج المرأۃ او وطئہا بملک او شبہۃ فمذہبنا ومذہب العلماء کافۃ ثبوت حرمۃ الرضاع بینہ وبین الرضیع

کیا جائے گا تو بغیر علم فتوٰی دینگے خود بھی گمراہ ہونگے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ ان مفتیوں کو یہ کہتے ہوئے خوفِ خدا نہیں کہ یہ خیر خواہی ہے۔ اللہ تعالٰی کے حرام کردہ کو حلال بنانا اور باپ کا بیٹی سے زنا کو جائز کرنا کوئی آسان کام ہے، ہرگز نہیں، اور جس شخص نے ان کو اس گمراہی پر تنبیہ کی وہ شکریہ کا مستحق ہے نہ کہ شکایت کا، اور اللہ تعالٰی جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔ اس نکاح کرنے والے زانی پر فرض ہے کہ وہ فوراً لڑکی کو آزاد کردے اور جدائی اختیار کرے، اور منکوحہ مزنیہ پر لازم ہے کہ اپنی توفیق کے مطابق رضاعی باپ کے زنا سے فوراً بچے اور جدائی اختیار کرے ورنہ یہ دونوں اور نکاح کو نافذ کرنے والے اور جائز کرنے والے سب اللہ تعالٰی کے شدید عذاب کا انتظار کریں۔ ہم اللہ تعالٰی سے عافیت اور معافی کا سوال کرتے ہیں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ شافعی مسلک کے شیخین میں سے ایک برگزیدہ امام ابوزکریا نووی جن کی نص امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے منصوص کی طرح ہے، انہوں نے شرح مسلم شریف میں فرمایا ہے کہ وہ شخص جس کی طرف یہ دودھ منسوب ہے کیونکہ یہ عورت کا خاوند ہے یا لونڈی کا مالک یا شبہہ کی بنا پر وطی کی ہے تو اس کے متعلق ہمارا اور تمام علماء کا مذہب ہے کہ اس کے اور دودھ پینے والے بچے کے درمیان

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰
[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۳

ويصير ولد اله واولاد الرجل اخوة الرضيع واخواته ويكون اخوة الرجل اعمام الرضيع واخواته عماته، ويكون اولاد الرضيع اولاد الرجل ولم يخالف في هذا الا اهل الظاهر وابن علية[1] ایں تصریح صریح ایں امام شافعیہ بیں کہ مذہب ما وجملہ علماء تحریم ست ودر وخلاف نہ کردند جز فرقہ ظاہریہ وابن علیہ طرفہ آنکہ مجیب عبارت مذکورہ نووی ازینجا نقل کرد کہ لم يخالف في هذا الخ وصدر کلام کہ فرمودہ بود کہ مذہب ما و مذہب جملہ علماء تحریم ست در پردہ اخفا داشت وامام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ را ظلماً از اہل ظاہر شمرد حالانکہ ظاہریہ طائفہ ایست مخالف ائمہ اربعہ وسائر مجتہدین شاہ عبدالعزیز صاحب گفتہ اند داؤد ظاہری ومتبعانش را از اہل سنت وجماعت شمردن درچہ مرتبہ از جہل و سفاہت ست رافضیاں کہ ظاہریہ را سنی گرفتہ باقوال ایشاں بر اہلسنت اعتراض می کردند شاہ صاحب جوابش دادند کہ فرقہ ظاہریہ ہرگز از اہلسنت نیست، ایں جہل وسفاہت شماست کہ ایشاں را سنی گرفتہ بر سنیاں طعن مے کنید، امام ابن حجر مکی شافعی در کف الرعاع فرماید و اعلم

حرمتِ رضاع ہوگی اور یہ اس بچّے کا باپ ہوگا اور اس کی دوسری اولاد اس بچّے کے بہن بھائی ہوں گے اور اس شخص کے اپنے بھائی بہن اس بچّے کے لیے چچا اور پھوپھی ہوں گے اور اس بچّے کی اولاد اس شخص کی اولاد قرار پائے گی، اس میں اہلِ ظاہر وابن علیہ کے بغیر کسی کو اختلاف نہیں۔ شافعی حضرات کے امام کی صاف تصریح ہے کہ ہم اور تمام علماء اس تحریم پر متفق ہیں اور ہمارا یہ مذہب ہے اس میں فرقہ ظاہریہ اور ابن علیہ کے بغیر کسی نے خلاف نہ کیا، تعجب ہے کہ مجیب نے امام نووی کی صرف اتنی عبارت کہ "مخالفت نہیں کی" کو نقل کیا اور اس سے پہلی عبارت کہ "ہمارا تمام علماء کا مذہب، تحریم ہے" کو چھپالیا اور پھر امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کو غلط طور پر اہلِ ظواہر میں شمار کردیا، حالانکہ ظاہریہ فرقہ تمام ائمہ اور مجتہدین کے خلاف ہے، شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ داؤد ظاہری اور اس کے پیروکاروں کو اہلسنت سے شمار کرنا انتہائی جہالت ہے، رافضیوں نے ظاہریہ فرقہ کو اہلسنت کہہ کر ان کی باتوں کی وجہ سے اہلسنت پر اعتراض کیے ہیں، شاہ صاحب نے جواب میں رافضیوں کو فرمایا کہ ظاہری فرقہ ہرگز اہلسنت نہیں ہے ان کو اہلسنت کہنا تمہاری انتہائی جہالت ہے جس کی وجہ سے تم سُنّیوں پر اعتراض کرتے ہو۔ امام ابن حجر مکی شافعی اپنی کتاب کف الرعاع میں فرماتے ہیں: جاننا

---

[1] شرح صحیح مسلم للنووی   کتاب الرضاع   قدیمی کتب خانہ کراچی   ۱/۴۶۶

ان الائمة صرحوا بان الظاهرية لايعتد بخلافهم ، ولايجوز تقليد احد منهم لانهم سلبوا العقول حتى انكروا القياس الجلی[1]، نیز فرمودلانهم اصحاب ظاهرية محضة تكاد عقولهم ان تكون مسخت ، ومن وصل الى انه يقول ان بال الشخص في الماء تنجس او في اناء ثم صبه في الماء يتنجس كيف يقام له وزن، ويعد من العقلاء فضلا عن العلماء[2] ، ہمچناں دیگر اکابر شافعیہ تصریح بلبن فحل کردہ اند و در مذہب خود بوئے از خلاف نداده اند واجلۂ اکابر او را مذہب ائمہ اربعہ اصحاب ایشاں وفقہائے امصار گفتہ اند امام احمد عسقلانی شافعی در ارشاد الساری فرمود فيه دليل على ان لبن الفحل يحرم حتى تثبت الحرمة في جهة صاحب اللبن كما تثبت في جانب المرضعة فان النبي صلى الله عليه وسلم اثبت عمومة الرضاع والحقها بالنسب وهذا مذهب الشافعي

چاہئے کہ ائمہ کرام نے تصریح کی ہے کہ ظاہریہ فرقہ کے مخالف ہونے کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی ان میں سے کسی کی تقلید جائز ہے، کیونکہ وہ مسلوب العقل لوگ ہیں حتی کہ وہ قیاس جلی کا بھی انکار کرتے ہیں۔ نیز انھوں نے فرمایا کہ یہ لوگ محض ظاہری ہیں تقریباً بے عقل ہیں اور یہاں تک کہہ گئے اگر کوئی شخص پانی میں پیشاب کرے تو ناپاک ہے اور اگر کسی برتن میں پیشاب کرکے پانی میں ڈال دے تو پانی پاک ہے ناپاک نہ ہوگا۔ تو ایسے لوگ کس شمار میں ہیں، ان کو اہل عقل میں شامل کرنا کیسے مناسب ہے چہ جائیکہ ان کو علماء میں شمار کیا جائے، اسی طرح دیگر شوافع حضرات نے بھی اس کے بارے میں واضح تصریحات کی ہیں اور انھوں نے اس مسئلہ میں کہیں بھی اختلاف ظاہر نہیں کیا اور بڑے بڑے ائمہ شوافع نے اس مسئلہ کو متفق علیہ اور چاروں اماموں کا مسلک قرار دیا ہے اور کہا کہ ائمہ کے اصحاب اور علاقوں کے تمام فقہاء کا یہی مسلک ہے چنانچہ امام احمد عسقلانی شافعی نے اپنی کتاب ارشاد الساری میں فرمایا: اس میں یہ دلیل ہے کہ جس مرد کا دودھ ہے وہ حرمت پیدا کرتا ہے چنانچہ جس طرح دودھ والی عورت کی طرف سے حرمت ثابت اسی طرح اس کے مرد کی طرف سے بھی حرمت ثابت ہوگی کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رضاعی چچا کا اثبات

---

[1] کف الرعاع — القسم الرابع عشر باب في بيان ان امرد صغيرة او كبيرة — دار الكتب العلمية بيروت — ص ۱۴۴

[2] 〃 — تنبيه ادلة التحليل والرد عليها — 〃 〃 〃 — ۱۲۸

دابی حنیفه وصاحبیه ومالك واحمد کجمهور الصحابة والتابعین وفقهاء الامصار[1]، امام حافظ قسطلانی شافعی در فتح الباری فرماید ذهب الجمهور من الصحابة والتابعین وفقهاء الامصار کابی حنیفة وصاحبیه ومالك والشافعی واحمد واتباعهم الی ان لبن الفحل یحرم[2] امام ابویوسف اردبیلی شافعی در کتاب الانوار فرماید والفحل الذی منه اللبن ابوه واولاده من المرضعة وغیرها اخوته واخواته[3]، علامہ زین الدین شافعی تلمیذ ابن حجر مکی در قرۃ العین فرماید تصیر المرضعة امه وذو اللبن اباه وتسری الحرمة من الرضیع الی اصولهما وفروعهما وحواشیهما نسبا ورضاعا[4] تا این جا ہمہ نصوص کبرائے شافعیہ است وصاحب البیت ادری بما فی البیت وصاحب الدار ادری، امام اجل قاضی عیاض مالکی در شرح صحیح مسلم فرماید لم یقل احد من ائمة الفقهاء واهل الفتوی باسقاط حرمة لبن الفحل

فرمایا اور نسب کی طرح قرار دیا ہے اور یہی مذہب امام شافعی، ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا ہے جس طرح کہ صحابہ اور تابعین اور تمام علاقوں کے علماء کا یہی مذہب ہے۔ اور امام قسطلانی شافعی نے فتح الباری میں فرمایا کہ تمام صحابہ، تابعین اور فقہاء ابوحنیفہ، ان کے صاحبین، مالک، شافعی اور احمد اور ان کے تمام متبعین کا مذہب یہ ہے کہ دُودھ والا مرد بھی حرام ہوتا ہے۔ امام یوسف اردبیلی شافعی نے کتاب الانوار میں فرمایا کہ جس مرد سے عورت کو دُودھ اترا وُہ دُودھ پینے والے بچّے کا باپ ہے اور اس کی تمام اولاد خواہ اس مرضعہ سے ہو یا کسی دوسری عورت سے وُہ سب اس بچّے کے بہن بھائی ہوں گے۔ علامہ زین الدین شافعی ابن حجر مکی کے شاگرد قرۃ العین میں فرماتے ہیں کہ دُودھ پلانے والی، ماں، اور دُودھ والا مرد باپ ہوگا، اور پھر یہ حُرمت بڑھ کر بچّے سے مرد و عورت کے اصول و فروع اور ان کے نسبی اور رضاعی متعلقین تک سرایت کرجاتی ہے، تمام نصوص شافعی حضرات کی اس مسئلہ میں یہی ہیں، جبکہ گھر والا گھر کی باتوں کو زیادہ جانتا ہے، برگزیدہ امام قاضی عیاض مالکی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ائمہ فقہاء اور اصحابِ فتوٰی میں سے کسی نے بھی دُودھ والے خاوند کی حرمت کو

---

[1] ارشاد الساری کتاب الرضاع باب لبن الفحل دار الکتاب العربی بیروت ۸/ ۳۲

[2] فتح الباری کتاب النکاح " " " دار المعرفۃ بیروت ۹/ ۳۱-۱۳۰

[3] الانوار لاعمال الابرار

[4] قرۃ العین مع شرح فتح المعین ارکان النکاح مطبعہ عامر الاسلام تروزنگاڈی کیرلہ ص ۳۹۰

الا اھل الظاھر وابن علیة والمعروف
عن داؤد موافقة الائمة الاربعة[1]
امام جلیل بدرالدین محمود عینی در عمدۃ القاری
فرمایند لبن الفحل یحرم وھو قول
ابی حنیفة ومالک والشافعی واحمد
واصحابھم وقال القاضی عیاض لم یقل
احد من الائمة الخ[2] (ملخصا) این ست
نقول ونصوص ائمہ اجلہ ثقات اثبات ونسبتے کہ
درخانیہ وہدایہ واقع شد معارضش نتواں بود در
نقل مذہب غیر بارہا زلت روی نماید یکے از اکابر
شافعیہ تحلیل زنا بحربیہ در دارالحرب، ودیگرے
اجلہ شافعیہ حلتِ غراب بحضرت امام اعظم
نسبت کرد وہردو باطل است ودر ہمیں ہدایہ
حلتِ متعہ بامام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ
نسبت نمود حالانکہ بامام مالک بروے حدِ زنا
مے زنند کما ھو قول عبد اللہ
ابن الزبیر رضی اللہ تعالٰی
عنھما اذ قال جرّب علی نفسک
لان فعلتھا لارجمنک باحجارک[3]
بخلاف حنفیہ ودیگر ائمہ کہ حرام دانند
وتا حد نرسانند بالجملہ جواز این نکاح باطل
است ہرگز نہ مذہب امام شافعی است

ساقط نہیں کیا ماسوائے ابن علیہ اور اہل ظاہر حضرات
کے، اور داؤد ظاہری سے نقل مشہور ہے کہ وہ بھی
ائمہ اربعہ کے موافق ہے۔ برگزیدہ امام بدرالدین عینی نے
عمدۃ القاری میں فرمایا ہے کہ دودھ والے خاوند کی
حرمت تمام ائمہ ابوحنیفہ، شافعی، مالک اور احمد
اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے اور امام قاضی عیاض
نے فرمایا کہ کسی امام نے اس حرمت کے اسقاط کا
قول نہیں کیا، یہ ہیں تمام ثقہ ائمہ کی نصوص جو ان
سے منقول ہیں، اور وہ جو خانیہ اور ہدایہ میں اس کے خلاف
ان ائمہ کی طرف منسوب ہے وہ ان نصوص کے معارض
نہیں ہوسکتا کیونکہ بارہا دوسرے کے مذہب کو نقل کرنے میں اکثر لغزش
ہو جاتی ہے، شافعی مسلک کے اکابرین میں سے
ایک نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف یہ منسوب کردیا کہ ان کے
نزدیک دارالحرب میں حربی عورت سے زنا جائز ہے اور
دوسرے نے امام ابوحنیفہ کی طرف کوّے کے حلال ہونے
کی نسبت کردی جبکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں، اور
اسی ہدایہ میں امام مالک کی طرف متعہ کے حلال ہونے
کی نسبت کردی گئی حالانکہ امام مالک ایسے شخص پر
حدِ زنا لگاتے ہیں جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ
تعالٰی عنہما کا قول ہے کہ یہ تجربہ کرکے دیکھ اگر تو کریگا
تو میں تجھے تیرے ہی پتھروں سے رجم کروں گا بخلاف حنفیہ
اور دیگر ائمہ کہ وہ متعہ کو حرام کہتے ہیں مگر حد نہیں لگاتے،

---

[1] شرح صحیح مسلم للقاضی عیاض مالکی
[2] عمدۃ القاری باب لبن الفحل ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر ۲۰/ ۹۷
[3] صحیح مسلم باب نکاح المتعۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۲

نہ مذہب ہیچکس از ائمہ مجتہدین متبوعین رضی اللہ تعالٰی
عنہم اجمعین ، ابن علیہ مردے از محدثین است
عداد او در مجتہدین ائمہ نیست و اگر باشد متفرد
است و ظاھریہ خود مبتدعانند و مبتدع را
در اجماع اعتبارے نیست و وفاقش ملحوظ نشود
و بخلافش خلل نہ پذیرند ، لانھم لیسوا
من الائمۃ علی الاطلاق کما
فی التوضیح وغیرہ لیسوا
من امۃ الاجابۃ وانما ھم
من امۃ الدعوۃ ، کما فی
مرقاۃ المفاتیح وغیرھا ، وخود
درخصوص ظاھریہ از امام ابن حجر مکی گزشت
کہ مخالفت ایشاں اصلاً قابل التفات نیست ،
پس دریں مسئلہ حکم بخلاف را زنہار مساغ نیست
اولاً خلاف سنت مشہورہ است کہ ان اللہ
حرم من الرضاع ما حرم من
النسب[1] ، این حدیث بالفاظ متنوعہ و
روایات متکاثرہ در دواوین اسلام مروی
ومنقول است واز صدر اسلام تا حال
میان علماء متلقی بالقبول ہمیں امام ترمذی در
ہماں جامع فرماید والعمل علی ھذا عند عامۃ اھل العلم
من اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

خلاصہ یہ کہ یہ نکاح باطل ہے اور کسی بھی امام
خواہ شافعی ہوں یا کوئی اور، مجتہدین میں سے کسی کے
مذہب میں جائز نہیں ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم ،
ابن علیہ کا شمار محدثین میں تو ہوتا ہے مگر مجتہدین میں
نہیں، اور اگر بالفرض ہو بھی تو وہ دوسرے ائمہ سے
الگ تھلگ ہے ۔ رہا ظاہریہ فرقہ تو وہ بدعتی فرقہ ہے
جبکہ اجماع کے معاملہ میں بدعتی کا اعتبار نہیں ہوتا، اس
کی موافقت اور مخالفت کا کوئی اثر اجماع پر نہیں پڑتا
کیونکہ یہ ائمہ میں سے نہیں ہیں، جیسا کہ توضیح وغیرہ
میں ہے، اور امتِ اجابہ میں سے نہیں بلکہ وہ امتِ
دعوت میں سے ہیں جیسا کہ مرقاۃ المفاتیح وغیرہ
میں ہے ۔ اور خود ظاہریہ فرقہ کے بارے میں امام ابن حجر
مکی کا قول گزرا کہ ان کی مخالفت قابلِ التفات نہیں ہے
لہٰذا اس مسئلہ میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں **اولاً**
اس لیے کہ اس کا خلاف سنتِ مشہورہ کے خلاف ہے
جو کہ یہ ہے جو نسب کی بناء پر حرام فرمایا ہے وہ رضاعت
کی بناء پر بھی اللہ تعالٰی نے حرام فرمایا ہے، یہ حدیث
مختلف الفاظ کے ساتھ کثیر روایات میں ہے اور
اسلام کی قانونی کتب میں مروی ومنقول ہے اور ابتداءِ
اسلام سے آج تک علماء کے درمیان مقبول ہے، امام
ترمذی نے اپنی جامع میں فرمایا کہ اس پر عام صحابہ اور
بعد والوں کا عمل ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے

---

[1] جامع الترمذی ابواب الرضاع امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۳۶

وغیرھم لا نعلم بینھم فی ذٰلک اختلافا[1] وحکم برخلاف سنّت مشہورہ نافذ نہ شود، در تنویر الابصار است اذا رفع الیہ حکم قاض آخر نفذہ الا ماخالف کتابًا او سنۃً مشھورۃً او اجماعًا[2] ثانیًا مخالف اجماع من یعتد باجماعھم افتادہ است کما تقدم بیانہ وامام شعرانی شافعی در میزان الشریعۃ الکبرٰی فرمود اتفق الائمۃ علٰی انہ یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب[3] وحکم برخلاف اجماع نفاذ نیست، ائمہ ثقات اثبات ازحکایات شاذہ غافل نبودند بلکہ خود ذکر نمودہ اند باز تصریح فرمودہ کہ دریں مسئلہ جز ظاھریہ و ابن علیہ کسے راخلاف نیست چنانکہ از امام قاضی عیاض مالکی وامام ابوزکریا نووی شافعی و امام محمود عینی حنفی گزشت فمن الغریب نسبۃ الغراب الیھم علٰی ما وقع فی فتح المغیث واگر بالفرض اینجا قولے ضعیف محکی بود کما اول بہ فی الفتح الفقھی، پس حکم وفتوٰے بر قول ضعیف و مرجوح خود جہل وخرقِ اجماع است کمافی تصحیح القدوری

اور سنّت مشہورہ کے خلاف حکم نافذ نہیں ہوسکتا، اور تنویرالابصار میں ہے کہ جب ایک قاضی کے پاس دُوسرے قاضی کا حکم پہنچے تو اس کو نافذ کرے بشرطیکہ کتاب اللہ، سنّتِ رسول اللہ اور اجماع کے خلاف نہ ہو، ثانیًا اس لیے کہ جن لوگوں کا اجماع معتبر ہے اُن کے اجماع کے بھی خلاف ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے، اور امام شعرانی نے میزان الشریعۃ الکبرٰی میں فرمایا ہے کہ ائمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ جو رشتہ نسب کی وجہ سے حرام ہے وُہ رضاع کی وجہ سے بھی حرام ہے اور اجماع کے خلاف حکم نافذ نہیں ہوسکتا، اور کسی مسئلہ کو ثابت قرار دینے والے ائمہ ثقات خود بھی شاذ حکایات سے غافل نہیں ہوتے بلکہ خود ان کو ذکر کرتے ہیں، نیز اُنھوں نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ اس مسئلہ کا ظاہریہ اور ابن علیہ کے بغیر کسی نے خلاف نہیں کیا، جیسا کہ امام قاضی عیاض، ابوزکریا نووی شافعی اور امام محمود عینی حنفی سے گزرا فتح المغیث میں ان حضرات کی طرف شاذ امور کو منسوب کرنا تعجب کی بات ہے، اگر بالفرض یہاں کوئی ضعیف قول نقل کیا گیا ہو جیسا کہ فتح القدیر میں تاویل کی گئی ہے تو بھی ضعیف قول اور مرجوع قول پر فتوٰی دینا خود جہالت اور اجماع کے خلاف ہے جیسا کہ علامہ قاسم

---

[1] جامع الترمذی | ابواب الرضاع | امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی | ۱/۱۳۷

[2] درمختار شرح تنویر الابصار | کتاب القضاۃ باب فی المجلس | مجتبائی دہلی | ۲/ ۷۹-۸۰

[3] میزان الشریعۃ الکبرٰی | کتاب الرضاع | مصطفی البابی الحلبی مصر | ۲/۱۳۸

للعلامۃ قاسم والدر المختار، **ثالثًا** حکم بخلاف قاضی مجتہد راست مقلد را روا نبود برخلاف امام خود حکم کردن در تنویر الابصار است قضٰی فی مجتہد فیہ بخلاف رأیہ لاینفذ مطلقا وبہ یفتٰی[1] ودر درمختار است ؎

ولوحکم القاضی بحکم مخالف
لمذھبہ ما صح اصلا یسطر[2]

در رد المحتار آورد اما المقلد فلا یملک المخالفۃ[3]

مجیب عبارتش از سابق ولاحق قطع کردہ آورد و خود در قدر منقول خود لفظ ادعی ندید **رابعًا** اگر از ہمہ گزرند قضاء شرعی چیزیست کہ رفع خلاف مے کند، نہ کہ دو حرف خوانند و خود را بر مسند افتاء نشانند، ہرچہ خواہند بر زبان رانند، وخلاف مرتفع شود، و مذہب مردود و مندفع حاشا اللہ لایقول بہ جاھل فضلا عن فاضل نسأل اللہ العفو والعافیۃ، واللہ تعالٰی اعلم۔

فقیر مصطفٰی رضاخاں قادری نوری غفرلہ

کی تصحیح القدوری میں اور درمختار میں ہے، **ثالثًا** مخالف کے قول پر فیصلہ کا اختیار صرف مجتہد قاضی کو ہے، مقلد کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے امام کے قول کے خلاف فیصلہ کرے۔ تنویر الابصار میں ہے کہ قاضی کا مجتہد فیہ میں اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ مطلقًا نافذ نہ ہوگا اور اسی پر فتوٰی ہے۔ اور درمختار میں ہے کہ اگر قاضی نے اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ دیا تو نافذ نہ ہوگا اور یہ صحیح نہ ہوگا، اور ردالمحتار میں کہا: لیکن مقلد اپنے مذہب کی مخالفت نہیں کرسکتا مجیب نے ان کی عبارت سیاق وسباق سے کاٹ کر پیش کی اور خود اس نے جو ان کی عبارت نقل کی اس میں لفظ ادعی کو نہ دیکھا، **رابعًا** یہ کہ اگر مذکورہ امور کو نظر انداز بھی کردیں تو قضاء شرعی طور پر ایسا اہم عہدہ ہے کہ جس میں جمہور کے خلاف کو ختم کیا جاتا ہے، نہ کہ چند حرف پڑھ لئے اور مسندِ قضاء پر بیٹھ کر جو کچھ چاہے اس کو زبان پر جاری کردے اور یہ خیال نہ کرے کہ میرے فیصلہ سے خلاف قوی اور مذہب کمزور ہوگا، اللہ تعالٰی کا خوف ہو تو خلاف والا قول جاہل بھی نہ کرے چہ جائیکہ کوئی فاضل کرے، اللہ تعالٰی سے عافیت اور معافی کی درخواست ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ فقیر مصطفٰی رضاخاں قادری نوری غفرلہ

---

[1] درمختار متن تنویر الابصار باب القضاۃ فصل فی الحبس مجتبائی دہلی ۲/۸۰
[2] درمختار " " " " ۲/۸۰
[3] ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۳۵

فی الواقع نکاحِ مذکور باطل وحرام محض ست و برآں کس از دخترِ دخترِ برادرِ خودش فوراً فوراً جدا شدن فرض است تزویجِ ایناں جہل و تنفیذِ او ظلمِ شدید۔ واللہ تعالٰی اعلم

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

فی الواقع نکاح مذکور باطل اور محض حرام ہے، اس شخص پر لازم ہے کہ فوراً فوراً اپنے بھائی کی نواسی سے جُدائی اور علیحدگی اختیار کرے۔ اس نکاح کو نافذ کرنا اور جائز کہنا جہالت اور ظلمِ شدید ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

رسالہ

الجلی الحسن فی حرمۃ ولد اخی اللبن

۱۳۰ھ

(اولادِ رضیع اور اولادِ مرضعہ کے درمیان حُرمتِ نکاح کا عمدہ اور روشن بیان)

کسی کم علم نے ایک غلط فتوٰی درباب جوازِ نکاح مابین اولادِ رضیع و مرضعہ لکھ دیا تھا وہ فتوٰی بذریعہ مولوی اکرام الدین صاحب امام و خطیب مسجد وزیر خاں اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی تک پہنچا تو آپ نے اس کے رد میں مندرجہ ذیل فتوٰی المسمّٰی بہ الجلی الحسن فی حرمۃ ولد اخی اللبن مستند بنصوص صحیحہ و مبرہن بہ براہینِ شرعیہ تحریر فرمایا،

وھو ھذا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی خلق الانسان فجعلہ نسبا وصھرا وجعل الرضاع کالنسب فوھب بہ محرمیۃ اخری والصلوۃ والسلام علی من ھدانا للصواب

اللہ تعالٰی کے لیے سب تعریفیں جس نے انسان کو پیدا فرمایا تو اس کو نسب اور سسرالی رشتہ سے نوازا اور رضاعت کو نسب کی مثل بنایا تو اس کے سبب ایک اور محرمیۃ عطا کی، صلوۃ وسلام اس ذات پر جس نے ہمیں درستگی

ووعد علیہ جزیل الثواب فاعظم البشری واوجب التثبت فی الافتاء وحرم الاجتراء فاوعد علیہ وعید انکرا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی اٰلہ وصحبہ والمنتمین الیہ دنیا واخری، اٰمین!

کی رہنمائی فرمائی اور اس پر بھاری ثواب کا وعدہ فرمایا تو بشارت عظیم فرمائی اور جس نے فتوٰی دینے میں مضبوطی کو واجب اور جسارت کو حرام فرمایا تو جسارت پر سخت وعید فرمائی، اللہ تعالٰی کی رحمت اور سلام ہو آپ پر اور آپ کی آل واصحاب پر اور ان سب پر جو آپ کی طرف دُنیا و آخرت میں منسوب ہوں، آمین (ت)

مسئلہ ۲۸۰: از لاہور مرسلہ مولوی اکرام الدین صاحب بخاری امام وخطیب مسجد وزیرخاں مرحوم ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ ہجری المقدس

جناب مستطاب، مجمع مآب، قدوۃ الابرار واسوۃ الاخیار، زین الصالحین وزبدۃ العارفین، علامۃ العصر فرید الدہر، عالم اہل السنۃ، مجدد مائۃ حاضرہ، استاذ زمان ومقتدائے جہان، لازوال نتیجہ خاطرہ، درۃ تاج الفیضان وثمرۃ شجرۃ ضمیرہ باکورۃ بستان العرفان السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بعد اتحاف اساس تسلیمات حورا صورت کہ رخسارہ صفا امارا تش از تکلف حلل عبارت مستغنی ست در نظر آں سلیمان ملک عرفان معروض دارم التجاء مخلصانہ بخدمت والا مرتبت اینست کہ فتوٰی بہمراہی مکتوب ارسال داشتہ شد موافق رائے مبارک عالی سطرے نوشتہ بنام نیازمند ارسال نمایند، الٰہی سلامت باشند ثم السلام، کتبہ المسکین محمد اکرام الدین بخاری عفاعنہ الباری۔

نورانی اور روشن تسلیمات کے تحائف جن کا رخ زیبا لباس الفاظ کے تکلف کا محتاج نہیں، سلطنت عرفان کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کے بعد مخلصانہ التجا ہے کہ مکتوب ہذا کے ساتھ ایک فتوٰی ارسال خدمت ہے اپنی رائے عالی کے موافق چند سطریں تحریر فرما کر اس نیازمند کے نام روانہ فرمادیں اللہ تعالٰی سلامت رکھے، والسلام۔ کتبہ المسکین محمد اکرام الدین بخاری عفاعنہ الباری۔ (ت)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی حقیقی بہن کا دُودھ پیا ہے، اس شخص اور اس کی بہن سے اولاد پیدا ہُوئی ہے، یہ بھائی بہن اپنی اولاد کا آپس میں نکاح کرنا چاہتے ہیں، ان کی اولاد کا نکاح شرعًا آپس میں درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: شخص مذکور کی اولاد کا نکاح اس کی بہن مرضعہ کی اولاد کے ساتھ جائز ہے کیونکہ حرمت رضاعت خاص رضیع کے لیے ثابت ہوتی ہے۔ رضیع کے اصول وفروع کے لیے حرمت مذکورہ ثابت نہیں ہوتی، پس دُودھ پینے والے پر دُودھ پلانے والی بمعہ جمیع فروع واصول کے حرام ہے، فروع رضیع پر فروع مرضعہ ہرگز حرام

نہیں ہوسکتا، چنانچہ شرح وقایہ وغیرہ میں محرمات بالرضاعہ کو اس شعر میں درج کیا ہے: ؎

از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند
وز جانب شیر خوارہ زوجان و فروع

(دودھ پلانے والی کی جانب سے تمام رشتے حرام ہوں گے اور شیر خوار کی جانب سے وہ اور اس کا زوج یا زوجہ، اور اس کے فروع حرام ہوں گے۔ ت)

تحرم المرضعۃ و زوجہا علی الرضیع ویحرم قومہا علی الرضیع کما فی النسب و تحرم فروع الرضیع علی المرضعۃ و زوجہا ویحرم زوجا الرضیع علی المرضعۃ و زوجہا[1] کذا فی شرح الوقایۃ ص ۹۳۔

دُودھ پلانے والی خود، اس کا خاوند اور اس کی قوم دُودھ پینے والے پر حرام ہوگی جیسے نسب میں حرام ہیں، اور دُودھ پینے والے کے فروع دودھ پلانے والی اور اس کے خاوند پر حرام ہیں، اور خود دودھ پینے والا اور اس کا زوج یا زوجہ دودھ پلانے والی اور اس کے زوج پر حرام ہیں، شرح وقایہ میں ایسے ہی ہے ص ۹۳ (ت)

اس عبارت سے واضح ہُوا کہ حرمتِ رضاعت رضیع کے لیے ثابت ہے، رضیع کی اولاد پر مرضعہ کی اولاد جائز ہے، بنابریں شخص مذکور کی اولاد اپنی ہمشیرہ کی اولاد پر حلال ہے، آپس میں ان کا نکاح درست ہے۔

الجواب

انّا للہ و انّا الیہ راجعون، انّا للہ و انّا الیہ راجعون، انّا للہ و انّا الیہ راجعون،

حرام قطعی حلال کردیا گیا، محارم سے زنا حلال کردیا گیا، چچا بھتیجی کا نکاح حلال کردیا گیا، پھوپھی بھتیجے کا نکاح حلال کردیا گیا، ماموں بھانجی کا عقد حلال کردیا گیا، خالہ بھانجی کا زنا حلال کردیا گیا، خلاصہ یہ ہے کہ گویا ماں بیٹے کا نکاح حلال کردیا گیا، باپ بیٹی کا زنا حلال کردیا گیا، لا الٰہ الّا اللہ ولاحول ولا قوۃ الّا باللہ۔ اوّل یہ قیامت مراد آباد میں ایک وہابی خیال مولوی عالم صاحب نے اُٹھائی اور غیر مقلدوں کے پیشوا نذیر حسین مع ذریات نے اس پر مُہر لگائی، یہاں سے اس کا رد ہوکر گیا، وُہ پرانا سیانا رجوع کرگیا۔ اور دوسرا فتوٰی اُس کی حرمت میں لکھا اور پہلے کا یہ عذر بدتر از گناہ پیش کیا کہ،

قبل ازیں فتوائے مولوی عالم صاحب کہ در حلت آں نوشتہ بودند براعتماد ایشاں بہ نظر سرسری

اس سے پہلے مولوی عالم صاحب کے فتوٰی پر جو کہ اس کے حلال ہونے میں انھوں نے لکھا تھا

---

[1] شرح وقایہ کتاب الرضاع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۷

مُہرمن کردہ شد۔ ان پر اعتماد کرتے ہُوئے سرسری نظر سے میری مُہر لگادی گئی۔ (ت)

حلال وحرام خصوصاً معاملۂ فروج میں نظر سرسری کا عذر اپنی کیسی صریح بددیانتی اور آتشِ جہنم پر سخت جرأت و بیباکی کا کھلا اقرار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجرؤکم علی الفتیا اجرؤکم علی النار[1] تم میں سے جو فتووں پر زیادہ جرأت کرتا ہے وہ آگ پر زیادہ جرأت کرتا ہے۔ (ت)

خیر یہ تو غیر مقلدی کے لازم بیّن ہے مگر "بر اعتماد ایشاں" نے انکے اجتہاد کی جان پر پُوری قیامت توڑدی۔ اے سبحان اللہ! مجتہدی کا دعوٰی اور ایک ادنٰی سے ادنٰی مقلد پر حلال وحرام میں یہ تکیہ بھروسا۔ اور اس "کردہ شد" کے لطف کو تو دیکھئے، کیا شرمایا ہُوا صیغہ مجہول ہے، گویا انھوں نے خود اس پر مُہر نہ کی کوئی اور کرگیا، اللہ یوں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور ائمہ کے مقابلہ کا مزہ چکھاتا ہے نسأل اللہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ ت) اس کی تفصیل اُسی زمانہ میں رسالہ سیف المصطفٰی علی ادیان الافترا میں لکھی گئی۔ دوبارہ اسی زنائے محارم کو حلال کرنے کی سخت اشد آفت کلکتہ سے اُٹھی، کوئی صاحب مولوی لطف الرحمٰن بردوانی ہیں انھوں نے جہان بھر کے تمام علماء کو مخاطب کرکے ایک عربی طویل سوال چھپوایا اور یہاں بھیجا، بفضلہٖ تعالٰی اُس کے جواب میں یہاں سے عربی رسالہ نقد البیان لحرمۃ ابنۃ اخی اللبان اعلٰی مباحث و دلائل فقہ و نصوص پر مشتمل تصنیف ہوکر بھیج دیا گیا، جس نے بحمد اللہ تعالٰی سارا اُبال بٹھاکر جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا[2] (حق آیا اور باطل زائل ہوا بیشک باطل زوال پذیر ہے۔ ت) کا نقشہ کھینچ دیا۔ اب سہ بارہ یہ بلائے عظیم لاہور سے اُٹھنے کو رہ گئی تھی، گویا ہر سولھویں سال اس وبال میں اُبال آتا ہے، پہلے ۱۲۹۸ھ میں اُٹھا پھر ۱۳۱۴ھ میں، اب ۱۳۳۰ھ میں۔ وہابیہ کو ایسے فتوے زیب دیتے تھے کہ اُن کے قلوب اوندھے کردئے جاتے ہیں مگر اس بار صدمہ سخت تر ہے کہ ہمارے بعض سُنّی علمائے اس میں شرکت کی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ابھی چند ہی مہینے تو ہُوئے کہ فقیر نے اس واقعہ ہائلہ نذیر حسین دہلوی کو اپنا رسالہ تازہ کاسر السفیہ الواھم فی ابدال القرطاس الدراھم میں ذکر کیا اور وُہ چھپ کر شائع ہوگیا، احباب نے یا تو اُس ضروری تصنیف کو براہِ بے پرواہی ملاحظہ نہ فرمایا، یا اس قدر جلد بھول گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ فقیر از انجا کہ "نقد البیان" میں بہ تقریب

---

[1] کنز العمال حدیث ۲۸۹۶۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/۱۸۴
[2] القرآن الکریم ۱۷/۸۱

از باق او ہام بر دواتی اس مسئلہ کی تحقیق بازغ کرچکا ہے، یہاں صرف چند نصوص ہندی کی چندی کرکے عرض کرے کہ کسی طرح اس دھوکے کا سدِّباب تو ہو، آخر یہ فتنہ کتنی بار اُٹھے گا!

نص ۱: رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب[1]۔ رواہ الائمۃ احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد وابن ماجۃ عن ام المؤمنین الصدیقۃ واحمد ومسلم والنسائی وابن ماجۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

جو کچھ نسب سے حرام ہے وہ دودھ سے بھی حرام ہے۔ (اس کو ائمہ کرام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اور امام احمد، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ ت)

بھانجا بھانجی، بھتیجا بھتیجی نسب سے حرام ہیں یا نہیں؛ ضرور ہیں، تو دُودھ سے بھی قطعاً حرام ہیں، اور شک نہیں کہ اپنی نسبتی ماں کی رضاعی اولاد اپنی بہن بھائی ہے، تو اس اولاد کی نسبتی اولاد اپنے سے یہی رشتے رکھتی ہے۔ اسے یُوں سمجھئے مثلاً زید کی ماں ہندہ کا دودھ عمرو نے پیا، تو عمرو اور زید رضاعی بھائی ہوئے۔ اگر کہے نہ ہُوئے تو ہندہ مرضعہ کی بیٹی لیلٰی بھی عمرو رضیع کی بہن نہ ہوگی کہ جب ہندہ کا بیٹا زید عمرو کا بھائی نہ ہوا، تو ہندہ کی بیٹی لیلٰی کس رشتہ سے عمرو کی بہن ہوجائے گی حالانکہ وہ بہ نصِ قطعی قرآن عمرو کی بہن ہے۔

قال اللہ تعالٰی، وامھٰتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ[2]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمہاری مائیں جنھوں نے تمھیں دُودھ پلایا اور تمھاری رضاعی بہنیں۔ (ت)

وعلٰی ہذا القیاس باقی صورتیں، اور جب مرضعہ کی سب اولاد رضیع کے بہن بھائی ہوگئے تو رضیع کی اولاد اولادِ مرضعہ کے لیے یقیناً اپنے بہن بھائی کی اولاد ہے اور اپنے بہن بھائی کی اولاد یقیناً قطعاً اجماعاً حرام ہے، تو پھوپھی بھتیجے یا چچا بھتیجی یا خالہ بھانجے یا ماموں بھانجی کا زنا کیونکر حلال ہوسکتا ہے! ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نص ۲: صحیحین میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما اور صحیح مسلم میں امیرالمومنین مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے ہے، اُنھوں نے حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ! حضور کے چچا حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صاحبزادی قریش میں سب سے زائد خوبصورت نوجوان ہیں حضور چاہیں تو ان

---

[1] صحیح مسلم کتاب الرضاع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۶۷

[2] القرآن الکریم ۴/۲۳

نکاح فرمالیں، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

انہا لاتحل لی انہا ابنۃ اخی من الرضاعۃ ویحرم من الرضاعۃ مایحرم من الرحم۔[1]

وہ میرے لیے حلال نہیں وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے، اور جو کچھ نسبی رشتہ سے حرام ہے وہ دودھ سے بھی حرام ہے۔

دُوسری حدیث کے لفظ یہ ہیں:

اما علمت ان حمزۃ اخی من الرضاعۃ وان اللہ حرم من الرضاعۃ ما حرم من النسب۔[2]

تمہیں معلوم نہیں کہ حمزہ میرے دودھ شریک بھائی ہیں اور اللہ نے جو رشتے نسب سے حرام فرمائے وُہ دودھ سے بھی حرام فرمائے ہیں۔

صاف ارشاد ہے کہ رضاعی بھائی کی بیٹی حرام ہے جب بھائی نے اپنی بہن کا دودھ پیا وہ اپنی بہن کے بیٹے کا رضاعی بھائی ہوگیا تو اس کی بیٹی بہن کے بیٹے کے لیے کیونکر حلال ہوسکتی ہے!

نص ۳: نیز صحیحین میں زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے درہ بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے بارے میں فرمایا:

لو لم تکن ربیبتی ماحلت لی انہا لابنۃ اخی من الرضاعۃ ارضعتنی واباہا ثویبۃ۔[3]

یعنی اول تو میری ربیبہ ہے کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی بیٹی ہے اور اگر ربیبہ نہ بھی ہوتی جب بھی میرے لیے حلال نہ ہوتی کہ اس کے باپ ابوسلمہ میرے رضاعی بھائی تھے مجھے اور اُن کو ثویبہ نے دُودھ پلایا ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم۔

یہ بھی اُسی طرح نص صریح ہے کہ رضاعی بھائی کی بیٹی حرام ہے۔

نص ۴ و ۵: مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں شرح السنۃ امام بغوی رحمۃ اللہ تعالٰی سے شرح حدیث اول میں ہے:

فی الحدیث دلیل علی ان حرمۃ الرضاع کحرمۃ النسب فی المناکح فاذا ارضعت المرأۃ رضیعا یحرم علی الرضیع و اولادہ من

یعنی اس حدیث میں دلیل ہے کہ نکاحوں کے بارے میں دودھ اور نسب کی حرمت ایک سی ہے، تو جب کوئی عورت کسی بچّہ کو دُودھ پلائے تو اس رضیع اور

---

[1] صحیح مسلم کتاب الرضاع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۶۷

[2] مسند امام احمد " دارالفکر بیروت ۱/۲۷۵

[3] صحیح مسلم " قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۶۸

اقارب المرضعة کل من یحرم علی ولدھا من النسب[1] | رضیع کی اولاد پر مرضعہ کے وُہ سب رشتہ دار حرام ہوجائیں گے جو مرضعہ کی نسبی اولاد پر حرام ہیں۔

یہ عام نص صریح ہے کہ رضیع کی تمام اولاد پر مرضعہ کی تمام اولاد حرام ہے۔

نص ۶: تفسیر نیشاپوری میں دُودھ کی بھتیجیوں بھانجیوں کے بیان میں ہے:

کذٰلك بنات من ارضعت امك[2] | یعنی اسی طرح جس کو تیری ماں نے دُودھ پلایا۔ وُہ مرد تھا تو اس کی بیٹیاں تیری بھتیجیاں ہوگئیں، اور عورت تھی تو اس کی بیٹیاں تیری بھانجیاں ہوگئیں اور یہ سب بنت الاخ و بنت الاخت میں داخل اور حرام ہیں۔

نص ۷: مستخلص شرح کنز میں ہے،

تحرم زوجۃ الرضیع علی زوج المرضعۃ و کذا بناتہ و بنات بناتہ علی زوج المرضعۃ وابنائہ کذا افھم من شرح الوقایۃ[3] | یعنی رضیع کی بی بی مرضعہ کے شوہر پر حرام ہے یونہی رضیع کی بیٹیاں نواسیاں مرضعہ کے شوہر اور اس کے بیٹوں پر حرام ہیں، شرح وقایہ کا مفاد یہی ہے۔

نص ۸: ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث کہ صحیحین بخاری و مسلم میں ہے:

جاء عمی من الرضاعۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ عمك فلیلج علیك[4] ھذا مختصر۔ | میرے رضاعی چچا آئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: دُودھ کا چچا بھی چچا ہے، اُن سے پردہ کی حاجت نہیں۔ (مختصراً)

شیخ محقق نے لمعات میں رضاعی چچا کی یہ تفسیر فرمائی:

بان ام ابیھا ارضعتہ او امہ ارضعت اباھا[5]۔ | یعنی دُودھ کے چچا یُوں کہ یا تو ام المومنین کی دادی نے انھیں دُودھ پلایا یا اُن کی ماں نے ام المومنین کے باپ کو دودھ پلایا۔

یہ صورت دوم تصریح صریح ہے کہ اپنی ماں نے جسے دُودھ پلایا اس کی بیٹی اپنی بھتیجی اور محرم ہے۔

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المحرمات مکتبہ امدادیہ ملتان ۶/۲۳-۲۲۲

[2] غرائب القرآن (نیشاپوری) حرمت علیکم امھاتکم کے تحت مصطفی البابی مصر ۵/۸

[3] مستخلص الحقائق کتاب الرضاع دلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۲/۹۹

[4] صحیح مسلم " قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۶۶

[5] لمعات التنقیح

نص ۹ و ۱۰ : امام اجل ابوزکریا نووی شرح صحیح مسلم اور امام بدرالدین عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں شوہر مرضعہ کی نسبت فرماتے ہیں :

واللفظ للنووی فمذھبنا ومذھب العلماء کافۃ ثبوت حرمۃ الرضاع بینہ وبین الرضیع ویصیر ولدالہ ویکون اولاد الرضیع اولاد الرجل[1] (ملخصاً)

امام نووی کے الفاظ میں ہمارا اور تمام علماء کا مذہب یہ ہے کہ رضیع اور شوہر مرضعہ میں حرمتِ رضاعت ثابت ہوجاتی ہے، رضیع اس کا بچہ ہوجاتا ہے اور رضیع کی اولاد اس شخص کی اولاد ہوجاتی ہے،

یعنی اولادِ رضیع جس طرح مرضعہ کی پوتا پوتی نواسا نواسی باجماعِ قطعی ہے یُونہی باجماعِ مذاہبِ اربعہ جملہ ائمہ وفقہاء وہ شوہرِ مرضعہ کے بھی پوتے نواسے ہیں، اور باجماعِ امت مرد مرا اپنے ماں باپ کے پوتا پوتی نواسا نواسی اپنے لیے حرام قطعی اور اپنے بھتیجا بھتیجی بھانجا بھانجی ہیں۔

نص ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ : فتح القدیر، بحرالرائق، طحطاوی، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وغیرہا میں ہے :

انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم احال مایحرم من الرضاع علی مایحرم من النسب ومایحرم من النسب مایتعلق خطاب تحریمہ بہ وقد تعلق بما عبرعنہ بلفظ الامھات والبنات واخواتکم وعماتکم وخالاتکم وبنات الاخ وبنات الاخت فماکان من مسمی ھذہ الالفاظ متحققامن الرضاع حرم فیہ[2]

یعنی رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دودھ کی حرمتوں کو نسب کی حرمتوں پر حوالہ فرمایا کہ جو نسب سے حرام ہے دُودھ سے بھی حرام ہے، اور نسب سے وُہ حرام ہیں جن سے خطابِ الٰہی تحریم کے ساتھ متعلق ہوا، اور وُہ اُن سے متعلق ہوا ہے، جن پر ماں اور بیٹی اور بہن اور پھوپھی اور خالہ یا بھائی کی بیٹی یا بہن کی بیٹی کا لفظ صادق آئے، تو دُودھ کے رشتوں میں جن جن پر یہ لفظ صادق آئیں وُہ بھی حرام ہیں۔

ظاہر ہے کہ اپنی ماں نے جسے دُودھ پلایا اس پر بہن یا بھائی کا لفظ صادق ہے اور اس لیے وُہ اپنے اوپر حرام ہے تو اس کی اولاد پر اپنے بھائی یا بہن کے بیٹے بیٹی کا لفظ صادق ہے لاجرم وہ بھی قطعاً حرام ہیں۔

نص ۱۵ : فتاوٰی بزازیہ میں ہے :

الاصل الکلی فی الرضاع ان کل امرأۃ

یعنی دودھ کے رشتوں میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اس

---

[1] شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم کتاب الرضاع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۶

[2] بحرالرائق کتاب الرضاع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۲۶-۲۲۵

انتسبت الیك او انتسبت الیها بالرضاع او انتسبتما الٰی شخص واحد بلا واسطۃ او احدکما بلا واسطۃ والاٰخر بواسطۃ فھی حرام[1]

سے چار قسم کی عورتیں حرام ہیں، اوّل وہ جو دودھ کے سبب تیری طرف منسوب ہو، یعنی تیری بیٹی پوتی نواسی کہلائے یہ رضاعی بیٹی ہوئی۔ دوسرے وہ کہ دودھ کے سبب تو اُس کی طرف منسوب ہو یعنی اس کا بیٹا پوتا نواسا ٹھہرے یہ رضاعی ماں ہوئی۔ تیسرے وہ کہ تُو اور وُہ دونوں ایک شخص کے بیٹا بیٹی قرار پائیں، یہ رضاعی بہن بھائی ہُوئے۔ چوتھے وہ کہ تم میں ایک تو اس شخص کا بیٹا یا بیٹی ٹھہرے اور دوسرا اُس شخص کا پوتا پوتی نواسا نواسی یہ رضاعی خالہ پھوپھی بھتیجی بھانجی ہوئے۔ اور اگر تو پوتا نواسا ہے اور وُہ بیٹی تو وُہ تیری پھوپھی یا خالہ ہُوئے، شک نہیں کہ صورتِ مسئولہ میں دُودھ پلانے والی بہن کی اولاد بلا واسطہ اس کے بیٹا بیٹی ہے اور دُودھ پینے والے بھائی کی اولاد اُس مرضعہ بہن کی پوتا پوتی، تو یہ تحریم کی خاص چوتھی صورت ہے۔

نص ۱۶: برجندی شرح نقایہ میں ہے:

بنت الاخ تشتمل البنت النسبیۃ للاخ الرضاعی[2]

رضاعی بھائی کی بیٹی بھی بھتیجی میں داخل ہے۔

نص ۱۷ و ۱۸: شرح وقایہ و درر شرح غرر میں ہے:

بنت الاخت تشتمل البنت النسبیۃ للاخت الرضاعیۃ[3]

رضاعی بہن کی بیٹی بھی بھانجی میں داخل ہے۔

نص ۱۹ و ۲۰ و ۲۱ و ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ و ۲۵: متون معتمدۂ مذہب کنز الدقائق، وقایہ، نقایہ، اصلاح، غرر، ملتقی، تنویر میں ہے:

واللفظ للغرر حرم تزوج اصلہ وفرعہ واختہ وبنتھا وبنت اخیہ والکل رضاعًا[4] (ملخصًا)

(غرر کے الفاظ میں) یعنی آدمی پر اس کے اصول و فروع اور بہن اور بہن کی بیٹی اور بھائی کی بیٹی سے نکاح حرام ہے، اور یہ سب دودھ کے رشتہ سے بھی حرام ہیں۔

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ — الرابع فی الرضاع — نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۱۵

[2] شرح نقایہ للبرجندی — کتاب النکاح — مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۲/ ۶

[3] شرح وقایہ — کتاب النکاح — مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲

درر شرح غرر — ″ — احمد کامل الکائنۃ فی دار سعادت بیروت ۱/ ۳۳۰

[4] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام — ″ — ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ۱/ ۳۲۹-۳۳۰

نص ۲۶: یونہی متن وافی میں لایحل للرجل ان یتزوج بامه و بنته واخته وبنات اخته و بنات اخیه فرماکر شرح کافی میں فرمایا:

اعلم ان من ذکرنا من المحرمات من اول الفصل الی ھنا تحرم من الرضاع ایضاً[1]۔

یعنی ماں اور بیٹی اور بہن اور بھانجی اور بھتیجی حرام ہیں اور یہ جتنی محرمات شروع سے یہاں تک ہم نے ذکر کیں سب دودھ کے رشتہ سے بھی حرام ہیں۔

نص ۲۷: تبیین الحقائق میں ہے:

یحرم علیه جمیع من تقدم ذکرہ من الرضاع وھی امه و اخته وبنات اخوته[2] الخ۔

یعنی جتنی عورتیں مذکور ہوئیں سب دودھ کے رشتہ سے بھی حرام ہیں رضاعی ماں اور بیٹی اور بہن اور رضاعی بہن اور بھائی کی بیٹیاں۔

نص ۲۸: درمختار میں ہے:

حرم علی المتزوج ذکرا او انثی اصله وفرعه وبنت اخیه واخته وبنتھا والکل رضاعاً[3]۔

یعنی ہر مرد و عورت پر اس کے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، بھتیجا بھتیجی، بہن اور بھائی بہن کے بیٹا بیٹی خواہ یہ رشتے نسب سے ہوں یا دودھ سے، حرام ہیں۔

نص ۲۹: جوہرہ نیرہ میں ہے:

کذلك بنات اخیه وبنات اخته من الرضاعة لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب[4]۔

یعنی نسبی کی طرح رضاعی بھائی بہن کی بیٹیاں بھی حرام ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جو نسب سے حرام ہے وہ دودھ سے بھی حرام ہے۔

ان تمام نصوص جلیلہ میں بالاتفاق بلاخلاف صاف صاف واشگاف تصریحیں فرمائیں کہ رضاعی بھائی بہن کی بیٹیاں، بھانجی، بھتیجی نسبی کی طرح حرام قطعی ہیں، اور شک نہیں کہ اخوت رشتہ متکررہ ہے کہ دونوں

---

[1] کافی شرح وافی

[2] تبیین الحقائق فصل فی المحرمات مطبع الکبری الامیریہ مصر ۲/۱۰۳

[3] درمختار " " " مجتبائی دہلی ۱/۱۸۷

[4] الجوہرۃ النیرہ کتاب النکاح مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۶۸

طرف سے یکساں قائم ہوتا ہے، جس طرح مرضعہ کا بیٹا رضیع کا بھائی ہوا۔ واجب کہ یُوں ہی رضیع پسرِ مرضعہ کا بھائی ہو یہ محال ہے کہ زید تو عمرو کا بھائی ہو اور عمرو زید کا بھائی نہ ہو، اور جب رضیع اولادِ مرضعہ کا یقیناً اجماعاً بھائی ہے جس سے انکار کسی ذی عقل بلکہ فہیم بچّے کو بھی متصور نہیں، اور جملہ ائمہ و نصوص مذہب صریح قطعی تصریحیں فرمارہے ہیں کہ رضاعی بھائی کی بیٹی حرام ہے تو رضیع کی اولاد مرضعہ کی اولاد کے لیے کیونکر حلال ہوسکتی ہے، یہ یقیناً نصوص قطعیہ و اجماعِ اُمّت کے خلاف ہے۔ ائمہ نے صاف ارشاد فرمایا ہے کہ رضاعی بھائی کی بیٹی حرام ہے اور رضیع اور پسرِ مرضعہ دونوں یقیناً آپس میں رضاعی بھائی ہیں، تو ان میں ہر ایک کی بیٹی دوسرے پر حرام قطعی ہے، کیا کوئی عاقل یہ بھی گمان کرسکتا ہے کہ ایک بھائی کی بیٹی تو دوسرے پر حرام ہو اور اس دوسرے بھائی کی بیٹی اس بھائی کے لیے حلال ہو۔ شرع، عرف، عقل، نقل کسی میں بھی اس لغو بیہودہ فرق کی گنجائش ہوسکتی ہے؟ حاشا ہرگز نہیں۔

نص ۳۰: شرح وقایہ میں فرمایا: ؎[1]

از جانب شیردہ ہمہ خویش شوند — و زجانب شیرخوارہ زوجان و فروع

(دُودھ پلانے والی کی جانب سے تمام رشتے حرام ہوں گے اور شیرخوار کی جانب سے وُہ اور اس کا زوج یا زوجہ اور اس کے فروع حرام ہوں گے۔ ت)

یہ شعر نقایہ و شرح الکنز للملّا مسکین میں بھی مذکور ہے۔ فاضل چلپی و فاضل قرہ باغی محشیانِ شرح وقایہ و علامہ برجندی شارح نقایہ نے تو اس پر ایک حرف بھی نہ لکھا اور علامہ قہستانی نے دو سطریں فارسی میں لکھ دیں جن سے ظاہری الفاظ کے سوا مغزِ مطلب کی کچھ توضیح نہ ہوئی عہ[2] اور علامہ سید ابوالسعود ازہری نے فتح اللہ المعین میں آدھی سطر اس کے ترجمہ عربی کی لکھی جو شعر کے صرف ایک مصرع کا بھی آدھا ہی ترجمہ ہے عہ۲[3] بسبب

عہ: حیث قال یعنی شیردہندہ و شوہرش با فرزندانش پدران و مادران و خواہرانِ ایشاں خویش شیرخوارہ شوند و شیرخوارہ و زنش یا شوہرش با فرزندان خویش شیردہندہ و شوہرش شوند ۱۲ منہ (م)

یُوں کہا یعنی دُودھ پلانے والی اور اس کا خاوند، اُن کی اولاد، والدین، بھائی اور اُن کی بہنیں شیرخوار کے رشتہ دار ہوں گے اور دُودھ پینے والا اس کی بیوی یا خاوند، اولاد سمیت دودھ پلانے والی اور اس کے خاوند کے رشتہ دار ہوں گے ۱۲ (ت)

عہ۲: حیث قال معنی البیت ان زوجات الرضیع وفروعہ یحرمن علٰی ابیہ ۱۲ منہ (م)

یوں کہا شعر کا معنٰی یہ ہے کہ دُودھ پینے والے کی بیویاں اور اس کی اولاد اپنے رضاعی باپ پر حرام ہیں ۱۲ (ت)

---

[1] شرح وقایہ کتاب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۷
[2] جامع الرموز للقہستانی فصل فی المحرمات مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۵۰۱
[3] فتح المعین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۳

متاخر لکھنوی صاحب نے بھی عمدۃ الرعایہ میں نرے ترجمہ پر قناعت کی، فقط ایک حرف زائد کیا وہ بھی غلط۔

حیث قال مفاد المصرع الاول ان من جانب المرضعة وکذا زوجها یکون الکل ذا قرابة من الرضیع ای الذین لهم قرابة محرمة من النسب فیدخل فیه المرضعة و زوجها و اقرباؤهما ومفاد المصرع الثانی ان من جانب الرضیع انما یثبت القرابة للمرضعة و زوجها من فروعه واحد زوجیه[1] انتهی۔

انھوں نے یُوں کہا پہلے مصرع کا مفاد یہ ہے کہ دودھ پلانے والی اور اس کے خاوند کی جانب سے تمام رشتے دُودھ پینے والے کے قریبی ہوں گے یعنی ان کے وُہ رشتے جو نسبی طور پر حرام ہوتے ہیں، تو اس میں دُودھ پلانے والی اور اس کا خاوند اور ان دونوں کے اقرباء داخل ہوں گے۔ اور دوسرے مصرع کا مفاد یہ ہے کہ دودھ پینے والے کی جانب سے دودھ پلانے والی اور اس کے زوج پر تمام فروع اور اس کے زوج یا زوجہ کی قرابت ثابت ہوگی' انتہی (ت)

ظاہر ہے یہ محض ترجمہ ہے، صرف اتنا زائد ہے کہ ہمہ سے مراد محارم نسبی ہیں، یہ غلط ہے بلکہ ماں باپ کے جتنے علاقہ والے اولاد پر حرام ہوتے ہیں نسبی ہوں خواہ رضاعی خواہ صہری' وہ خود ماں باپ کے محارم ہوں یا نہ ہوں' جہاں جہاں معنی محرم فی النسب موجود ہو سب مراد ہیں، مثلاً رضاعی ماں باپ کے رضاعی ماں باپ بیٹا بیٹی پوتا پوتی نواسا نواسی رضیع و رضیعہ پر حرام ہیں حالانکہ وہ رضاعی ماں باپ کے محارم رضاعی ہیں نہ کہ نسبی' یوں ہی رضاعی ماں باپ کے سوتیلے ماں باپ رضیع و رضیعہ پر حرام ہیں کہ وُہ رضیع کے رضاعی نانا دادا کی بیبیاں ہیں اور رضیعہ کے رضاعی نانی دادی کے شوہر حالانکہ وہ رضاعی ماں باپ کے محارم صہری ہیں نہ کہ نسبی۔ یونہی رضاعی باپ کے دوسری بی بی رضاعی ماں کا دوسرا شوہر رضیع و رضیعہ پر حرام ہیں کہ وُہ ان کے سوتیلے ماں باپ ہیں حالانکہ وُہ رضاعی ماں باپ کے محارم ہی نہیں بلکہ حلیل و حلیلہ ہیں، تو قرابت محرمہ اور نسبیہ دونوں قیدیں غلط ہیں بلکہ سرے سے لفظ قرابت ہی ٹھیک نہیں کہ مصرع اول میں لفظ ھمہ مرضع و مرضعہ کے زوجین کو بھی یقیناً شامل، اور زوجیت داخلِ قرابت نہیں۔ تفسیر نیشاپوری میں ہے:

امك من الرضاع کل انثی ارضعتك او ارضعت من ارضعتك[2]

تیری رضاعی ماں سے مراد یہ ہے کہ ہر وُہ عورت جس نے تجھے یا تیری رضاعی ماں کو دُودھ پلایا ہو (ت)

ہندیہ میں ہے:

المحرمات بالصهریة اربع فرق الرابعة

نکاح کی وجہ سے محرمات کے چار گروہ ہیں، چوتھا

---

[1] عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح الوقایہ کتاب الرضاع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۷

[2] غرائب القرآن (نیشاپوری)، تحت آیۃ حرمت علیکم امهاتکم الخ مصطفی البابی مصر ۵/ ۸

نساء الآباء والاجداد من جهة الاب والام وان علوا کذا فی الحاوی القدسی[1]۔

ماں باپ کی طرف سے سگے باپ دادوں کی بیویاں اگرچہ یہ باپ دادے اوپر تک ہوں۔ حاوی القدسی میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

پھر لکھا:

المحرمات بالرضاع کل من تحرم بالقرابۃ و الصھریۃ کذا فی محیط السرخسی[2]۔

رضاعی محرمات وُہ تمام جو قرابت اور نکاح سے حرام ہوتے ہیں، محیط سرخسی میں یوں ہی ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لا یجوز لہ ان یتزوج بامہ ولا بموطوءۃ ابیہ ولا ببنت امرأتہ کل ذٰلک من الرضاع[3]۔

اس کو یہ جائز نہیں کہ وُہ ماں، باپ کی وطی کردہ (بیوی) اور اپنی بیوی کی بیٹی ان رضاعی رشتوں سے نکاح کرے۔ (ت)

غرض فقیر نے نہ دیکھا کہ اس شعر کا ایضاح کسی نے کیا ہو، اور اہلِ زمانہ کو اُس کی فہم میں دقتیں بلکہ سخت لغزشیں ہوتی ہیں لہذا بقدرِ حاجت اس کی شرح کردینی مناسب۔

فاقول وباللہ التوفیق (پس میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ ت) اصل علتِ حرمت جزئیت ہے کہ نسب میں ظاہر اور رضاع میں کرامتِ انسان کے لیے شرع کریم نے معتبر فرمائی اور عرف میں بھی معروف و مشتہر ہوئی جس کے لحاظ سے امھتکم الّتی ارضعنکم فرمایا اور زوجیت کا مرجع بھی جانبِ جزئیت ہے کما حققہ فی الھدایۃ والکافی والتبیین وغیرھا (جیسا کہ ہدایہ، کافی اور تبیین وغیرہ میں تحقیق ہے۔ ت) مگر زوجیت میں اُس کا تحقق نہایت غموض میں ہے کہ مدارک عامہ اُس تک وصول سے قاصر، لہذا صاحبِ ضابطہ نے شعر میں دو علاقے رکھے، ایک زوجیت دوسرا جزئیت، عام ازیں کہ نسباً ہو یا رضاعاً، پھر دو شخصوں میں علاقہ جزئیت کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اُن میں ایک دوسرے کا جُز ہو، دوسرے یہ کہ دونوں تیسرے کے جُز ہوں۔ صورتِ اُولٰی میں دو قسمیں پیدا ہوئیں، اصول جن کا تو جُز ہے یعنی باپ، دادا، نانا، ماں، دادی، نانی جہاں تک بلند ہوں نسباً خواہ رضاعاً، اور فروع، جو تیرے جُز ہیں یعنی بیٹا، پوتا، نواسا، بیٹی، پوتی، نواسی جہاں تک نیچے جائیں۔ اور صورتِ ثانیہ میں تین صورتیں ہیں:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح فی بیان المحرمات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۴

[2] ″ ″ ″ ″ ۱/۲۷۷

[3] تبیین الحقائق کتاب الرضاع مطبع الکبرٰی الامیریہ مصر ۲/۱۸۳

(۱) دونوں ثالث کے جزءِ قریب ہوں، یہ عینی یا علاتی یا اخیافی بھائی یا بہنیں یا بہن بھائی ہُوئے، عام ازیں کہ دونوں اس کے جزءِ نسبی ہوں یا دونوں رضاعی یا ایک نسبی ایک رضاعی۔

(۲) اُن میں ایک تو ثالث کا جزءِ قریب ہو اور دُوسرا بعید۔ یہ اُنھی تعمیموں کے ساتھ عمومت اور خؤلت کا رشتہ ہوا، جزءِ قریب اپنے یا اپنے باپ یا ماں یا دادا یا دادی یا نانا نانی کے چچا ماموں خالہ پھوپھی، اور جزءِ بعید اُنھی نسبتوں پر اُن کے مقابل بھتیجا بھانجا بھتیجی بھانجی۔

(۳) دونوں ثالث کے جزءِ بعید ہوں جیسے ایک شخص کا پوتا اور نواسی۔ یہ تیسری صُورت تحریم سے ساقط ہے خالص نسب[۱] میں بھی حلال ہے تو حرمت میں چار صورتیں ہیں:

اوّل اصل، دوم[۲] فرع۔ یہ دونوں کتنے ہی نزدیک یا دُور ہوں تو فروع میں فروع الفروع اور فروع فروع الفروع لاالیٰ نہایہ سب داخل ہیں۔ یُونہی اصول میں اصول الاصول اور اصول اصول الاصول الیٰ غایۃ المنتہیٰ۔ سوم[۳] اصل قریب کی فرع اگرچہ بعید ہو جیسے ماں یا باپ کی پوتی نواسی اور ان کی اولاد و اولادِ اولاد

چہارم[۴] اصل بعید کی فرع قریب جیسے پھُوپھی کہ دادا کی بیٹی ہے یا خالہ کہ نانا کی یا دادا کی پھوپھی کہ پردادا کے باپ کی بیٹی ہے یا اس کی خالہ کہ دادا کے نانا کی بیٹی ہے وقس علیہ (اور قیاس اسی پر ہے۔ ت) چار یہ اور پانچواں علاقہ زوجیت انھیں شیردہ اور شیرخوارہ ہر ایک کی طرف نسبت کرنے سے دس[۱۰] ہُوئے۔ پھر اصل تعلق رضیع اور مرضعہ میں پیدا ہوتا ہے، رضیع اس کا جزء ہوتا ہے، اور مرضعہ اس کی اصل، اور جب وُہ ماں ہُوئی تو جس مرد کا دُودھ تھا وُہ ضرور باپ ہوگیا، اور اُن کے فروع قریبہ اس کے اصل قریب کے فرع قریب، اور فروع بعیدہ اس کے اصل قریب کے فرع بعید، اور اُن کے اصول اس کے اصول کہ اصل کی اصل اصل ہے۔ لاجرم جانب شیردہ سے سب علاقے متحقق و موجبِ تحریم ہُوئے، مگر فرع کی اصل نہ اپنی اصل ہونا لازم نہ فرع تو شیرخوارہ کے اصول کو شیردہ سے کچھ تعلق نہ ہوا، اور جب خود اصول غیر متعلق رہے تو اصول کے فروع قریبہ یا بعیدہ اس حیثیت سے کہ اُن اصول کے فروع ہیں کیا علاقہ رکھیں گے کہ اُن کا علاقہ تو بواسطۂ اصول ہوتا، وُہ خود بے تعلق ہیں، ہاں فرع کی فرع ضرور فرع ہوتی ہے تو جانب شیرخوارہ سے صرف دو[۲] علاقے ثابت و باعثِ حرمت ہوئے۔

زوجیت و فرعیت ـــــ اب ان کی تفصیل اور ہر ایک میں معنے خویش شوند سمجھئے (ازجانب شیردہ)

اوّل زوجین یعنی مرضعہ کا شوہر کہ یہ دُودھ جو رضیعہ نے پیا اُس کا نہ تھا دوسرے شوہر کا تھا، یا مرضع کی زوجہ کہ رضیع نے اسکا دودھ نہ پیا بلکہ دوسری زوجہ کا، یا مرضع و مرضعہ کے اصول میں نزدیک و دُور کسی کی زوج و زوجہ کہ سلسلۂ شیر ان سے نہ ہو، یہ سب رضیع و رضیعہ پر حرام ہیں اور یہاں **خویش شوند** کے معنے یہ ہیں کہ وُہ رضیعین کے سوتیلے ماں باپ یا سوتیلے دادا دادی نانا نانی ہوگئے۔

دوم اصل کہ خود مرضع و مرضعہ ہیں یعنی وُہ عورت جس نے دُودھ پلایا اور وُہ مرد جس کا یہ دودھ تھا اور اُن کے

اصول نسبی و رضاعی پدری و مادری منتہی تک اور یہاں خویش کے یہ معنے ہیں کہ مرضع و مرضعہ رضیعین کے ماں باپ ہوگئے اور ان کے اصول ان کے سگے دادا دادی نانا نانی۔

سوم فرع کہ خود رضیعین ہیں اور رضیعین کے جملہ فروع نسبی و رضاعی پسری و دختری انتہا تک، اور یہاں یہ معنے کہ یہ سب مرضع و مرضعہ کے بیٹا بیٹی پوتا پوتی نواسا نواسی ہوگئے۔

چہارم اصل قریب کی فرع یعنی مرضعین کے نسبی، رضاعی فروع و فروع الفروع آخر تک اور یہاں یہ معنی کہ یہ سب رضیعین کے بہن بھائی، بھتیجا بھتیجی، بھانجا بھانجی ہوگئے۔ پھر وہ اگر مرضع و مرضعہ دونوں کی فرع و فرع الفرع ہیں تو عینی اور صرف مرضع کے فروع ہیں تو علاتی اور صرف مرضعہ کے تو اخیافی۔

پنجم اصل بعید کی فرع قریب یعنی مرضعین کے اصول و اصول الاصول نسبی و رضاعی کے فروع قریب نسبی خواہ رضاعی، اور یہاں یہ معنے کہ یہ سب رضیعین یا رضیعین کے اصول رضاعی کے چچا ماموں پھوپھی خالہ ہوگئے۔

(از جانب شیرخوارہ) اوّل زوجین یعنی رضیع کی زوجہ اور رضیعہ کا شوہر یا رضیع و رضیعہ کے فروع نسبی و رضاعی میں کسی کے زوج و زوجہ کہ یہ سب مرضعین پر حرام ہوگئے، اور یہاں یہ معنے کہ وہ مرضعین کے دُور یا نزدیک کے داماد اور بہو ہوگئے۔

دوم فرع کہ رضیعین کی تمام اولاد و اولاد اولاد جہاں تک جائے نسبی ہو یا رضاعی، سب مرضعین کی اولادِ اولاد ہوگئے، مگر رضیعین کے اصول یا فروع قریبہ و بعیدۂ اصول کو مرضعین سے کچھ علاقہ نہ ہوا۔ الحمد للہ شعر کے یہ معنے ہیں۔ ان تمام تاصیلات و تفریعات پر کہ ہم نے ذکر کیں اگر نصوص لائیں موجبِ اطالت ہو اور حاجت نہیں کہ اوّل تو بحمد اللہ تعالٰی یہ سب مسائل خادمِ فقہ پر خود ظاہر، ثانیاً ان پر نصوص کتبِ مذہب میں دائر و سائر۔ والحمد للہ فی الاوّل والاٰخر مسئلہ نے بحمد اللہ تعالٰی وضوحِ تام پایا۔ اب فتوائے خلاف کی طرف چلئے اگرچہ حاجت نہ رہی:

اوّلاً اس تشریح سے کُھل گیا کہ یہ شعر تحریم صورت مسئولہ میں نصِ صریح تھا جسے برعکس دلیل تحلیل گمان کیا گیا، کاش اتنا ہی خیال کرلیا جاتا کہ جانب شیرخوارہ سے فروع کا خویش مرضعین ہوجانا کیا معنے دے رہا ہے فروع شیرخوارہ شیردہ کے خویش ہوجانے میں کوئی معنے محتمل ہی نہیں سوا اس کے کہ شیرخوارہ کی اولاد شیردہ کی اولادِ اولاد ہوگئی، پھر وہ اولادِ شیردہ پر کیونکر حلال ہوسکتی ہے، کون سی شریعت میں ہے کہ اپنے ماں باپ کی پوتی نواسی اپنے لیے حلال ہو جس بچّہ سے چاہے پُوچھ دیکھئے کہ ماں باپ کی پوتی اپنی بھتیجی ہوتی ہے اور نواسی اپنی بھانجی اور تمام جہان جانتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں بھتیجی اور بھانجی حرام قطعی ہیں۔ سُوئے اتفاق سے یہ گمان ہُوا کہ فروعِ شیرخوارہ کو شیردہ کے خویش بتایا ہے نہ کہ اولادِ شیردہ کے۔ اور نہ جانا کہ یہاں شیردہ کے خویش ہونے کو اولادِ شیردہ کے لیے خویش ہونا قطعاً لازم بیّن ہے، یہ کیونکر متصور کہ آدمی کی ماں باپ کی اولاد

اپنی کوئی نہ ہو، شیر دہ کی طرف اضافت بوجہ اصالت ہے کہ اوّل اُسی کے لیے ثابت ہو کر باقیوں کی طرف سرایت کرتی ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا:

حقیقۃ الحال ان حقیقۃ البعضیۃ تثبت بین المرضعۃ والرضیع فاثبتت حرمۃ الابنیۃ ثم انتشرت لوازم تحریم الولد[1]۔

حقیقت حال یہ ہے کہ دُودھ پلانے اور دودھ پینے والوں کے درمیان جزئیتِ حقیقیہ پائی جاتی ہے جو ابنیت کی حُرمت کو ثابت کرتی ہوئی بچّے کی تحریم کے تمام لوازمات میں پھیل جاتی ہے۔ (ت)

ثانیاً کاش مفتی نے اپنی ہی عبارت کو شعر سے ملا کر دیکھا ہوتا تو بہ نگاہِ اولین کھل جاتا کہ دونوں طرفین نقیض پر ہیں۔ شعر تو صاف بتا رہا ہے کہ حرمت رضاعت رضیع کی طرف زوجین وفروع رضیع کو شامل ہوتی ہے اور آپ کہتے ہیں خاص رضیع کے لیے ہوتی ہے رضیع کے فروع کے لیے نہیں ہوتی صاف صاف نفی واثبات کا خلاف ہے اس کی نظیر اس سے بہتر کیا ہوسکتی ہے کہ زید کے بیٹے کے لیے ماں حلال ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

حرمت علیکم امھٰتکم[2] (تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئی ہیں۔ ت)

ثالثاً آگے تفریع میں فرماتے ہیں: "پس فروع رضیع پر فروعِ مرضعہ ہرگز حرام نہیں۔" آپ کی اس اصل بے اصل کی یہ پُوری تفریع تو ہُوئی، جب آپ کے نزدیک حرمتِ رضاعت جانبِ رضیع میں صرف رضیع کی ذات پر مقصور ہے، اس کے اصول کی طرح فروع کو بھی شامل نہیں، تو تفریع یوں کیجیے کہ فروعِ رضیع خود مرضع و مرضعہ پر بھی حرام نہیں جس طرح اصولِ رضیع ان پر حرام نہیں، وہاں تک تو بھانجی بھتیجی حلال ہُوئی تھی اب پوتی نواسی حلال ہوگئی۔

رابعاً عبارتِ شرح وقایہ کا جو مفاد ٹھہرایا کاش اتنا ہی ہوتا کہ عبارت اس سے بے علاقہ محض ہوتی مگر زنہار ایسا نہیں بلکہ عبارت یقیناً قطعاً اس کا رَد کر رہی ہے عبارت جس شے کی خاص حرمت بیان کرنے کو لکھی گئی، اس اختراعی مفاد نے وہی حلال کردی جیسا کہ بحمداللہ تعالٰی آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا آخر نہ دیکھا کہ نص ہفتم میں مستخلص نے عبارتِ شرح وقایہ کا کیا مطلب ٹھہرایا۔

خامساً بلکہ نص ۱۰ و ۲۱ میں دیکھئے کہ خود امام شارح وقایہ نے کیا فرمایا اور اپنا مطلب کیا بتایا۔ الحمدللہ اس روشن مسئلہ کا روشن تر کرنا جس طرح مقصودِ فقیر تھا کہ ہر ہر بات سمجھ کر کے پڑھادی جائے بوجہ اتم

---

[1] فتح القدیر کتاب الرضاع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۳۱۴

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

حاصل ہوگیا، احباب پر تو یہ سخت شدید عظیم فرض ہے، السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ (پوشیدہ کی پوشیدہ اور علانیہ کی علانیہ۔ت) معاملہ حرام قطعی کا ہے جس سے اغماض ناممکن تھا، رجوع الی الحق میں عار نہیں بلکہ تمادی علی الباطل میں۔ اور معاذ اللہ اس باطل و مہمل فتوے پر عمل ہوکر اگر نکاح ہوگیا تو یہ زنا اور زنا بھی کیسا زنائے محارم۔ اس کا عظیم وبال تمام فتوٰی دہندوں پر رہے گا، اور ہر حرکت ہر بوسہ ہر مس کے وقت روزانہ رات دن میں خدا جانے کتنے کتنے بار یہ کبائر وجرائم ان سب کے نامۂ اعمال میں ثبت ہوتے رہیں گے۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من اُفتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ[1]۔ رواہ ابوداؤد والدارمی والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

جسے بغیر علم کے فتوٰی دیا گیا تو اس کا گناہ فتوٰی والے پر ہے۔ اس کو ابوداؤد، دارمی اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ اللہ تعالٰی زیادہ علم والا ہے اور اس جل مجدہ کا علم کامل و محکم ہے۔ (ت)

کتبہ

العبد المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

○ الجواب صحیح والمجیب نجیح۔
مصطفٰی رضا خان قادری عرف ابوالبرکات محی الدین

○ الجواب صحیح۔
نواب مرزا عبدالغنی قادری سُنّی حنفی بریلوی

○ الجواب صحیح۔ واللہ اعلم
محمد عبدالرب عرف محمد رضا خان قادری

○ الجواب صحیح۔
محمد امجد علی اعظمی

---

[1] سُنن ابوداؤد | کتاب العلم | آفتاب عالم پریس لاہور | ۲/۱۵۹
المستدرک | " | دارالفکر بیروت | ۱/۱۲۶

○ فقیر غفر اللہ القدیر نے مجدد مائۃ حاضرہ، صاحبِ حجت قاہرہ، علامہ رحلہ، امام المسلمین اعلحضرت مولانا وسیدنا ومفیدنا ومفیضنا مولوی محمد احمد رضا خان صاحب متع اللہ تعالٰی الناس بافاداتہ الٰی یوم الدین کے جواب کو بنظرِ غائر حرفاً حرفاً دیکھا عین صواب پایا جزاہ اللہ خیر الجزاء وکالہ بالمکیال الاوفی فقط

فقیر قادری وصی احمد حنفی

○ الجواب صحیح وموثق بنصوص الصحیحۃ وروایات المستند جزاہ اللہ خیر الجزاء فی الدارین لراقم الفاضل الجلیل وعلامۃ النبیل اٰیۃ من اٰیات اللہ۔

حکیم مفتی سلیم اللہ ناظم انجمن نعمانیہ، لاہور

جواب صحیح اور صحیح نصوص اور مستند روایات سے مضبوط کیا ہوا ہے، اللہ تعالٰی دونوں جہان میں جواب لکھنے والے عالم جلیل، علامہ نبیل، اللہ تعالٰی کی نشانیوں میں سے نشانی کو بہتر جزا عطا فرمائے۔ (ت)

○ ماحققہ عمدۃ العلماء الاعلام زبدۃ الفقہاء الکرام قدوۃ الفضلاء العظام امام النبلاء الفخام قاطع ورید المردۃ اللئام مظہر الکلمات العرفانیۃ کاشف الاٰیات الربانیۃ حامی السنۃ واھل السنۃ ماحی اٰثار الکفر والبدعۃ وحید العصر فرید الدھر مجدد الزمان سیدنا العریف الماھر مولانا المولوی محمد احمد رضا خان سلمہ اللہ المنان فھو حق صراح وصدق قراح والحق احق بالاتباع وفقنا اللہ تعالٰی وسائر المسلمین والصلٰوۃ والسلام علٰی ختم المرسلین واٰلہ وصحبہ حماۃ الدین۔

کتبہ العبد المفتقر الٰی ربہ الاکبر

محمد عمر المرادآبادی۔

بلند علماء میں عمدہ، فقہاء کرام میں منتخب، بڑے فضلاء کے مقتدار، بڑے ماہرین کا امام، سرکش ملعونوں کی رگ کاٹنے والے، عرفانی کلمات کو ظاہر کرنے والے سنت اور اہلسنت کی حمایت کرنے والے، کفر و بدعت کے آثار کو مٹانے والے، اپنے زمانہ کے بے مثل، زمانے کے یکتا، مجددِ زمان، ہمارے آقا مشہور ماہر مولانا مولوی محمد احمد رضا خان، اللہ تعالٰی منّان ان کو سلامت فرمائے، نے جو تحقیق فرمائی وہ خالص حق، صاف سچ، جبکہ حق ہی اتباع کے قابل ہے۔ اللہ تعالٰی ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق دے، صلٰوۃ وسلام ہو خاتم المرسلین اور ان کی آل پر اور دین کی حمایت کرنے والے صحابہ پر۔ (ت)

○ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔ اللہ تعالٰی کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل سے میری آنکھوں کو اس پاکیزہ تحقیق کے انوار سے روشن کیا، اللہ تعالٰی جزاء عطا فرمائے حضرت مجیب کو جن کی تحقیق کا ایک ایک حرف صدق وصواب ہے ومن اعرض عنہ فھو من الجاھلین (جس نے اس سے

رُوگردانی کی وُہ جاہلوں میں سے ہے۔ ت) فی الواقع حضرت مجدد صاحب دامت برکاتہم کی ذات والاصفات حضرت حق کی ایک شانِ رحمت ہے، اور بے شمار برکات کا مجموعہ، کتنے اندھوں کی آنکھیں کھول دیں، اور ہزار ہا نابیناؤں کو بینا بنادیا، اللہ تعالٰی ایسے فاضل جلیل کو مدت ہائے دراز تک باین فیض رسانی سلامت رکھے، آمین بحرمت سید المرسلین صلوٰۃ اللہ تعالٰی علیہ وسلامہ۔ بیشک اس مسئلہ کے ایضاح میں تحقیق کے خزانے کھول دئے ہیں اور نادان مفتی کی غلطی کو خوب آشکار کرکے سمجھادیا ہے، اللہ تعالٰی اپنے بندوں کو سیدھی راہ چلائے، آمین!

العبد المعتصم بحبل اللہ المتین محمد نعیم الدین خصہ اللہ بمزید العلم والیقین

مسئلہ ۲۸۱ ازموضع بہار ضلع بریلی مسئولہ عبدالرحمن خاں صاحب ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکے نے سُنا کہ میرے والد نے میری بی بی کے ساتھ زنا کیا ہے اس پر اس کو غصہ آیا اور اپنی بی بی کو مارا اور طلاق دے کر مکان سے علیحدہ کردیا یعنی نکال دی، لڑکی نے اپنے مہر کی نالش کردی، مہر اس کا جو کچھ تھا اس کی ڈگری ہوگئی، لڑکے کا وکیل کہتا ہے کہ طلاق اس نے غصہ میں دی اس وجہ سے طلاق نہیں ہُوئی، اور لڑکی کا وکیل کہتا ہے کہ طلاق ہوگئی، اس صورت میں کون سچا ہے؟ کون سے وکیل کی بات مانی جائے؟ یعنی طلاق ہُوئی کہ نہیں ہوئی؟ بیّنوا توجروا

الجواب

اگر یہ صحیح ہے اور ثبوتِ شرعی سے ثابت ہے کہ اُس کے باپ نے اس کی بی بی سے زنا کیا جب تو وہ عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی، اس پر فرض تھا کہ اسے فوراً جدا کردے، جو طلاق دی یہ جُدا کرنا ہی ہُوا اور اب وُہ اسے کبھی واپس نہیں لے سکتا۔ اور اگر امرِ مذکور ثبوتِ شرعی سے ثابت نہ ہو نہ لڑکے نے اس کی تصدیق کی ہو تو یہ طلاق طلاق ہُوئی اور مجرد غصہ کا عذر مسموع نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۲ تا ۲۸۴ ازغازی پور محلہ بربہنہ برمکان منشی واجد علی صاحب مسئولہ محمد ادریس صاحب ۲۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید عمر ۱۶ سال، بی بی عمر ۲۵ سال سے جو کہ رشتہ میں زید کی ممانی ہوتی ہے ہمیشہ مذاق و تفریح کرتا رہا ہو کسی وقت میں زید نے جمیلہ کا ہاتھ یا پیر پکڑ لیا ہو اور ایک مرتبہ بوسہ بھی لے لیا ہو ازرُوئے شہوت و مذاق کے، کچھ عرصہ کے بعد بکر جو کہ رشتہ میں زید کا باپ ہے صغرٰی سے جو کہ جمیلہ کی لڑکی ہے نکاح کرنا چاہتا ہے اور زید ازرُوئے شرم وحیا کے اس بات کو ظاہر نہیں کرسکتا ہے تو ایسی حالت میں نکاح ہوگا یا نہیں؟ اگر نہ ہو تو اور کوئی صورت جواز کی نکل سکتی ہے ازروئے کفارہ کے

یا نہیں ؟

(۲) اور اگر نکاح کردیا ہو اس وقت میں کیا صورت ہوسکتی ہے ؟

(۳) اور ہماری طرف ممانی اور بھاوج سے مذاق اور تفریح کرنا کچھ عیب میں داخل نہیں۔

الجواب

بھاوج یا ممانی سے ایسا مذاق حرام قطعی ہے اور کرنے والا اور وُہ عورت دونوں فاسق ، اور ان کے شوہر باپ بھائی اگر اس پر راضی ہوں دیوث ہیں ، اور دیوث پر جنّت حرام ۔ اور صغرٰی سے بکر کا نکاح حلال ہے ، دُرمختار میں ہے : اما بنت زوجۃ ابیہ و ابنہ فحلال[1] (اور اپنے باپ کی زوجہ یعنی سوتیلی ماں کی بیٹی جو باپ کے نطفے سے نہیں اور اپنے بیٹے کی زوجہ کی بیٹی جو بیٹے کے نطفہ سے نہیں وہ حلال ہیں ۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۵ - ۲۸۶ از موضع دیورنیا ضلع بریلی مسئولہ عنایت حسین صاحب ۲۹ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ :

(۱) ایک بہن کا لڑکا ہے اور دوسری بہن کی دختر کی لڑکی ہے یہ نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) سالی حقیقی سے نکاح اس وقت میں جائز ہے کہ اپنے بیٹے کا نکاح بھی سالی کی دختر سے کیا جائے اور برتقدیر جائز بھی ہے تو پہلے کس کا نکاح ہو ؟ بیّنوا توجروا

الجواب

(۱) ہاں جائز ہے ، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) جب عورت مرجائے یا اُسے طلاق دے اور عدت گزر جائے تو سالی سے نکاح جائز ہے ، اور سالی کی بیٹی سے اپنے بیٹے کا نکاح مطلقاً جائز ہے ، خواہ پہلے اس کا نکاح کرے یا اپنا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۷ از مدرسہ رحمانیہ رائے بریلی مسئولہ محمد ابراہیم صاحب ۲۸ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ زید کی دوسری زوجہ ہے اور زید کی زوجہ اولٰی کے چند لڑکے ہیں اُن میں سے ایک لڑکے نے ہندہ سے کئی بار اظہارِ تعشق کیا اور کہا کہ ہم تم بھاگ چلیں ، اور کتنی بار اپنا آلت منتشر ہندہ کے ہاتھ میں بلا حجاب کسی کپڑے کے پکڑا دیا ، کئی بار بوسہ لے لیا ، اور دو مرتبہ آمادہ زنا ہوگیا یہاں تک کہ ازار کھول دیا اور پُوری کوشش کی کہ دخول کرے ، مگر ایک مرتبہ کسی نے آواز دے کر بُرا بھلا کہا اور ایک مرتبہ ہندہ پُوری کوشش کرکے بھاگ نکلی ، ان وجوہ سے ہندہ کا پردہ عصمت

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۷

جاکی نہیں ہُوا مگر ان سب صورتوں میں ہندہ متنفر تھی اور اس کو کبھی شہوت نہیں ہُوئی اور ہر مرتبہ ہندہ نے اپنے شوہر زید کو خبر دی مگر اس نے سمجھا دیا کہ لڑکے کا معاملہ ہے بدنامی بہت ہوگی اس کا اظہار نہ کرو، مگر لڑکے کو بہت بُرا بھلا کہا اور ساتھ کھانا چھوڑ دیا اور مارا بھی، مگر لڑکا اپنی حرکات ناشائستہ سے باز نہیں آیا۔ اب ایسی صُورت میں ہندہ زید پر حرام ہوگی یا نہیں ؛ اور اگر حرام ہوگئی تو وُہ اپنا نکاح دوسرا بلا طلاقِ زید کرسکتی ہے یا نہیں ؛ اور اگر نکاح کرسکتی ہے تو عدت بیٹھنا ہوگا یا نہیں ؛ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ پسرِ زید نے زنِ زید سے یہ افعالِ خبیثہ کئے کہ قطعاً بہ شہوت تھے تو زنِ زید زید پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی اگرچہ زنِ زید کی طرف سے شہوت نہ ہونا تسلیم کر لیا جائے کہ مَس میں ایک طرف سے شہوت کافی ہے، درمختار میں ہے : تکفی الشھوۃ من احدھما[1] (دونوں میں سے ایک کا شہوت سے ہونا کافی ہے۔ ت)

مگر نکاح زائل نہ ہُوا، زید پر لازم ہے کہ عورت سے متارکہ کرے یعنی اسے چھوڑ دے، مثلاً کہے میں نے تجھے چھوڑا۔ اس کے بعد عورت عدت کرے اس کے بعد دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے، زید یا پسرِ زید سے کبھی نہیں کرسکتی، زید کی بیٹی کی جگہ ہوگئی اور پسرِ زید کی ماں کی جگہ تھی ہی۔ جب تک زید متارکہ نہ کرے اور عدت نہ گزرے دوسرے سے نکاح حرام ہے۔ درمختار میں ہے :

بحرمۃ المصاھرۃ لایرتفع النکاح حتی لایحل التزوج باٰخر الابعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ۔[2]	حرمتِ مصاہرہ سے نکاح ختم نہیں ہوتا تا وقتیکہ بعد متارکہ عدت نہ گزر جائے دوسرے شخص سے نکاح جائز نہیں۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۸: از روضۂ حضرت مجدد الف ثانی سرہند شریف مسئولہ عبدالقادر صاحب مدرس درگاہ شریف

۳۰ رمضان شریف ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرزائی مذہب شخص کی دختر نابالغہ سے جو عقد نکاح ہوگیا ہے وُہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز ؛ دختر مذکورہ اپنے مذہب کو کچھ نہیں جانتی ہے، والد اس کا انتقال کرچکا ہے صرف اس کی والدہ نے نکاح ایک حنفی مذہب سے کر دیا ہے، ایسی صُورت میں شرعاً کیا حکم ہے اُس کو علیحدہ کر دیا جائے یا تا وقتِ بلوغ رکھا جائے۔ بیّنوا توجروا

---

[1] درمختار | فصل فی المحرمات | مجتبائی دہلی | ۱/۱۸۸

[2] " | " | " | "

الجواب

مرزائی مرتدہیں کماھو مبین فی حسام الحرمین (جیساکہ حسام الحرمین میں واضح بیان کیاگیا ہے۔ ت) اور مرتد مرد ہو یا عورت اس کا نکاح کسی مسلمان یا کافر اصلی یا مرتد غرض انسان یا حیوان جہان بھر میں کسی سے نہیں ہو سکتا، جس سے ہوگا زنائے محض ہوگا۔ عالمگیری میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولامسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذلک لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط۔[1]

مرتد کے لیے مرتدہ، مسلمہ یا اصلی کافرہ عورت سے نکاح جائز نہیں، اور اسی طرح مرتدہ عورت کا بھی کسی مرد سے نکاح جائز نہیں، جیساکہ مبسوط میں ہے۔ (ت)

عورت اگرچہ نابالغہ ہے سال دو سال کی ناعاقلہ بچی نہ ہوگی اور عقل وتمیز کے بعد اسلام و ارتداد صحیح ہیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

اذا ارتد صبی عاقل صح کاسلامہ۔[2]

بچہ اگر مرتد ہوجائے تو اس کا ارتداد صحیح ہے جیسے اس کا اسلام لانا صحیح ہے۔ (ت)

سمجھ وال ہونے کی حالت میں اگر اس نے مرزائیت قبول کی یا اتنا ہی جانا کہ مرزانبی یا مسیح یا مہدی تھا تو اسی قدر اُس کے مرتدہ ہونے کو بس ہے۔ تجربہ ہے کہ یہ مرتد لوگ بہت بچپن سے اپنی اولاد کو اپنے عقائد کفریہ سکھاتے ہیں تو سائل کا کہنا کہ اپنے مذہب کو کچھ نہیں جانتی ہے بعید از قیاس ہے۔ پھر ان لوگوں میں سے ایسی قرابتِ قریبہ رکھنا بارہا منجر بہ فتنہ وفساد مذہب ہوتا ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی، تو سلامت اسی میں ہے کہ اس کو فوراً جُدا کر دیا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۹: از ریاست فریدکوٹ کوٹھی ملیرگنج مسئولہ علیم الدین صاحب فراش ۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ غیر مقلدوں کے ساتھ تعلقات رکھنا اور ان کے ساتھ رشتہ ناتا اپنے لڑکے لڑکی کا جائز ہے یا حرام؟ اور اگر حرام ہے تو حنفی المذہب اپنی لڑکی کو کسی طور سے واپس لے سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

غیر مقلدوں سے میل جول حرام ہے اور ان سے مناکحت ناجائز کما بیناہ فی رسالتنا ازالۃ العار

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب فی المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الجہاد باب المرتد مجتبائی دہلی ۱/۳۶۱

بحجر الکرائم عن کلاب النار (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار میں بیان کیا ہے۔ت) وہابیت ارتداد ہے اور مرتد مرد ہو یا عورت اُس کا نکاح تمام جہان میں کسی سے نہیں ہوسکتا، نہ کافر سے نہ مرتد سے، نہ مسلمان سے، نہ انسان سے، نہ حیوان سے، جس سے ہوگا زنائے خالص ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولامسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذلک لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط[1]۔

مرتد کو مرتدہ، مسلمہ اور اصلی کافرہ عورت سے نکاح جائز نہیں، اور یُوں ہی مرتدہ کو بھی کسی مرد سے نکاح جائز نہیں۔ مبسوط میں ایسے ہی ہے۔(ت)

حنفی اگر اس میں مبتلا ہُوا ہو تو اپنی لڑکی اسی دعوے سے واپس لے کہ نکاح ہُوا ہی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۰: از مندسورہ مالوہ اے 'وی' ایم، سکول ریاست گوالیار مسئولہ محمد عبدالمجید صاحب مدرس

۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ ایک بیوہ عورت حاملہ ہوگئی اور بروقت تحقیقاتِ پولیس مسماۃ مذکورہ نے بیان کیا کہ یہ حمل خاص میرے داماد کا ہے، ایسی حالت میں منکوحۂ داماد مسماۃ مذکورہ کی حرام ہُوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

فقط اُس عورت کے کہنے سے داماد پر اُس کی منکوحہ حرام نہیں ہوسکتی، یا تو ثبوت شرعی ہو یا داماد اقرار کرے، اُس وقت اُس کی منکوحہ پر حرام ابدی ہونے کا حکم دیا جائے گا ورنہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۱: از بستی محلہ دکھن دروازہ دُھنیا ٹولہ مسئولہ بقرعیدن صاحب ضلعدار محکمہ افیون

۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ دو برس سے مفرور ہوگئی ہے اور نہ طلاق دی نہ اُس کا کچھ پتا ہے کہ زندہ ہے یا مرگئی، زید اپنی بی بی کی حقیقی بہن سے چاہتا ہے کہ نکاح کروں، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ناجائز، قال تعالٰی: وان تجمعوا بین الاختین[2] (دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب فی المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۲

[2] القرآن الکریم ۴/۲۳

زید اگر چاہتا ہے تو زوجہ کو طلاق دے اور تا انقضائے عدت انتظار کرے اس کے بعد اُس کی بہن سے نکاح کرسکتا ہے، انقضائے عدت یہاں ظنِ غالب سے لیا جائے گا فانه ملتحق فی الفقهیات بالیقین (فقہ میں یہ یقین سے ملحق ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۲ و ۲۹۳ : از احمد نگر دکن گنج بازار متصل مسجد شاہی مسئولہ محمد ابراہیم صاحب خطیب حنفی قادری ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

(۱) زید و عمرو حقیقی بھائی ہیں، عمرو اپنے پوتے کے ساتھ زید کی لڑکی کا نکاح کرانا چاہتا ہے جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے چھ ماہ کی عمر میں زینب کا دودھ ہندہ کے ساتھ پیا اور ہندہ کی عمر چار سال کی تھی، کیا زینب کی تیسری لڑکی سے زید کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

(۱) یہ نکاح جائز ہے کہ حقیقی پھوپھی نہیں رشتہ کی پھوپھی ہے۔ قال تعالٰی: واحل لکم ماوراء ذلکم[1] (اور ان کے سوا جو رہیں وہ تمھیں حلال ہیں۔ ت) یعنی بھتیجی سے بیٹے کا نکاح جائز ہے حالانکہ وہ رشتہ میں اس کی بہن ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) زینب زید کی ماں ہوگئی اور زینب کی جتنی اگلی پچھلی اولاد ہے سب زید کی بہن بھائی، زینب کی کسی لڑکی سے زید کا نکاح جائز نہیں۔ قال تعالٰی: واخواتکم من الرضاعة[2] (اور تمھاری رضاعی بہنیں حرام ہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۴ : مولوی عبداللہ صاحب بہاری مدرس مدرسہ منظر الاسلام بریلی ۲۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو حقیقی بہنیں اُن کا نکاح زید و اُس کے حقیقی لڑکے کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ اور جن لوگوں میں ایسا جائز ہے اُن کے واسطے شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب

شرعًا جائز ہے کہ ایک بہن کا نکاح باپ اور دوسری کا بیٹے سے ہو، اس میں کچھ حرج نہیں جبکہ کوئی مانع شرعی اور وجہ سے نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۵ : از شاہجہان پور مسئولہ خان بہادر فصیح الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر ۲۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان عورت یا مرد کسی دوسرے مذہب کے مرد یا عورت

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴ [2] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

سے مثلاً بُدھ، جین، ہندو، دہریہ وغیرہ سے مناکحت کرسکتا ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں کہ وُہ غیر مذہب والا مرد یا عورت اسلام قبول نہ کرے اور اپنے مذہب پر قائم رہے، اگر نہیں کرسکتا ہے تو اس بارہ میں احکامِ کلامِ مجید کیا ہیں؟ براہِ مہربانی اُن آیاتِ شریفہ کو درج فرمایا جائے۔ بیّنوا توجروا

الجواب

مسلمان عورت کا نکاح مطلقاً کسی کافر سے نہیں ہوسکتا، کتابی ہو یا مشرک یا دہریہ یہاں تک کہ ان کی عورتیں جو مسلمان ہوں انھیں واپس دینا حرام ہے۔ قال تعالٰی:

یاایھا الذین اٰمنوا اذا جاء کم المؤمنٰت مھٰجرات فامتحنوھن اللہ اعلم بایمانھن فان علمتموھن مؤمنات فلا ترجعوھن الی الکفار لا ھن حل لھم ولاھم یحلون لھن[1]

اے ایمان والو! جب تمھارے پاس اسلام لانے والی عورتیں کافروں کا دیار چھوڑ کر آئیں تو ان کی آزمائش کرو، اللہ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو، پھر اگر تمھیں آزمائش سے ان کا ایمان ثابت ہو تو انھیں کافروں کو واپس نہ دو۔ نہ مسلمان عورتیں کافروں کے لیے حلال ہیں اور نہ کافر مسلمان عورتوں کے لیے حلال ہیں۔

مسلمان مرد کافرہ کتابیہ سے نکاح کرسکتا ہے، قال تعالٰی:

الیوم احل لکم الطیبٰت وطعام الذین اوتوا الکتٰب حل لکم وطعامکم حل لھم والمحصنٰت من المؤمنٰت والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم اذا اٰتیتموھن اجورھن[2]

آج کے دن ستھری چیزیں تمھارے لیے حلال کی گئیں اور کتابیوں کا ذبیحہ تمھارے لیے حلال ہے اور تمھارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور تمھارے لیے حلال کی گئیں پارسا مسلمان عورتیں اور عفت والی کتابیہ عورتیں جب تم اُنھیں ان کے مہر دو۔

لیکن غیر کتابیہ سے مسلمان مرد کو نکاح حرام ہے، قال تعالٰی:

لا تنکحوا المشرکٰت حتی یؤمن ولامۃ مومنۃ خیر من مشرکۃ ولو اعجبتکم[3]

مشرکہ یعنی غیر کتابیہ سے نکاح نہ کرو جب تک ایمان نہ لائیں اور بیشک ایک مسلمان باندی کافرہ غیر کتابیہ سے اچھی ہے اگرچہ وہ کافرہ تمھیں پسند آئے۔

یہ حکم کافران اصلی کا ہے، مرتد و مرتدہ کا نکاح تمام عالم میں کسی سے نہیں ہوسکتا، نہ مسلم سے، نہ کافر سے، نہ اصلی

---

[1] القرآن الکریم ۶۰/۱۰
[2] القرآن الکریم ۵/۵
[3] القرآن الکریم ۲/۲۲۱

سے نہ مرتد سے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذٰلک لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد، کذا فی المبسوط[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم

مرتد کو کسی مرتدہ، مسلمہ یا اصلی کافرہ عورت سے نکاح جائز نہیں اور یُوں ہی مرتدہ کو بھی کسی مرد سے نکاح جائز نہیں، مبسوط میں یُونہی ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۶: از بنگال مدرسہ معین الاسلام ڈاک خانہ جنگل آباد اہل موضع کادکاکسی ضلع جسر مسئولہ عبدالصمد صاحب ۲۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے اپنے بیٹے کی بی بی یعنی اپنی بہو سے زنا کیا اب وُہ بی بی مذکورہ اپنے شوہر کے لیے حلال رہے گی یا نہیں؟ اور دونوں کے درمیان نکاح باقی رہے گا یا طلاق ہوگئی؟ اگر طلاق ہوگئی تو کس قسم کی؟ اور علّت طلاق ہونے کی کیا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب

لوگ اپنی طرف سے خیالات باطلہ باندھ لیتے یا فقط دو ایک شخصوں یا صرف عورت کے کہنے پر اتہام لگاتے ہیں اس کا تو کچھ اعتبار نہیں بلکہ شہادت عادلہ شرعیہ ہو یا شوہر تصدیق کرے اُس وقت حرمت کا حکم دیا جائے گا، عورت ہمیشہ کے لیے اپنے شوہر پر حرام ہو جائے گی کہ اُس کے باپ کی مدخولہ ہوگئی اور باپ کی مدخولہ بیٹے پر حرام ابدی ہے۔ قال تعالٰی: ولاتنکحوا مانکح اٰباؤکم[2] (جن سے تمہارے باپ نکاح کرلیں تم ان سے نکاح نہ کرو۔ ت) مگر طلاق نہ ہوئی، نہ نکاح سے خارج ہوئی جب تک شوہر متارکہ نہ کرے، مثلاً اس سے کہے میں نے تجھے چھوڑ دیا یا جُدا کیا۔ جب یہ کہے گا اور عدت گزر جائے گی اُس وقت عورت کسی تیسرے شخص سے نکاح کرسکے گی، اُن دونوں باپ بیٹوں پر تو ہمیشہ کے لیے حرام ہے، شوہر پر فرض ہے کہ اُسے متارکہ کردے کہ اب اُسے رکھ نہیں سکتا تو چھوڑنا لازم۔ قال تعالٰی: فامساك بمعروف اوتسریح باحسان[3] (تو بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا۔ ت) درمختار میں ہے:

وبحرمۃ المصاھرۃ لایرتفع النکاح حتی

حرمتِ مصاہرہ سے نکاح ختم نہیں ہوتا حتّٰی کہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب فی المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۲
[2] القرآن الکریم ۴/۲۲
[3] القرآن الکریم ۲/۲۲۹

لا یحل لھا التزوج باٰخر الا بعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

جب تک متارکہ اور عدت پوری نہ ہوجائے کسی دوسرے کے لیے حلال نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۷: از سوا والہ ڈاک خانہ ریڑھ ضلع بجنور مسئولہ حکیم عبدالرحمان ۵ شوال ۱۳۳۹ھ

ماقولکم رحمکم اللہ (اللہ آپ پر رحم کرے آپ کا کیا فرمان ہے۔ ت) کہ زید نے اپنے لڑکے عمرو کی زوجہ سے زنا بالجبر کیا یا زنا کی نیت کی جس کا اقرار دونوں کرتے ہیں، اس صورت میں یہ عورت عمرو کی مطلقہ ہوگئی یا نہیں؟ اور کون سی طلاق واقع ہوئی؟ عدت بھی ہوگی یا نہیں؟ عمرو کے لیے یہ عورت کسی طرح پھر بھی حلال ہوسکتی ہے یا نہیں؟ وقوعِ زنا، نیتِ زنا، دواعی زنا، تینوں میں کچھ فرق ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

یہی استفتاء اس سے قبل مولانا عزیز الرحمن صاحب مفتی دیوبند کی خدمت میں ارسال کیا تھا جس کے جواب میں بوجہ انتقال مولانا محمود الحسن صاحب نوراللہ مرقدہٗ انھوں نے یہ مختصر جواب دیا تھا کہ:

"اگر عمرو اس کا مقر نہیں ہے تو اس کے حق میں اس کی عورت حرام نہیں ہوئی۔" انتہی

چونکہ یہ فیصلہ برتے پنچایت برادری طے ہونے والا ہے اس لیے ضرورت ہے کہ کل مسئول عنہا امور کا جواب دیکھنے پر اگر حکم ہو تو برادری میں ان سے انقطاع یا حقہ پانی بندی کی سزائے مروج دے سکتے ہیں یا نہیں؟ یا محض ان سے جرمانہ وصول کرکے غربا و مساکین کی دعوت کرائی جائے اور وہ جرمانہ مسجد یا اور کسی نیک کام میں صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

محض نیتِ زنا سے کچھ نہیں ہوتا اور بیٹے پر اس کی زوجہ حرام ابدی ہونے کے لیے صرف دواعی بھی کافی ہیں، اگر عمرو کے قلب پر ان کا صدق جمتا ہے تو لازم ہے کہ وہ عورت کو اپنے اوپر حرام سمجھے،

فان التحری من دلائل الشرع وقول فاسق معتبر اذا وقع التحری علٰی صدقہ۔

کیونکہ تحری (سوچ کے بعد فیصلہ) شرعی دلائل میں ہے اور فاسق کا قول تحری سے تصدیق کے بعد معتبر قرار پاتا ہے (ت)

یونہی اگر عمرو نے اُن کی تصدیق کی تو عورت کی حرمتِ ابدی کا حکم ہے لان الاقرار حجۃ ملزمۃ (کیونکہ اقرار اپنے اوپر لازم کرنے کے لیے دلیل ہے۔ ت) اور اگر نہ اس نے اُن کی تصدیق کی نہ اس کے قلب پر ان کا صدق

---

[1] درمختار باب فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

جنا ہے تو عورت اس پر حرام نہ ہوئی لان الاقرار حجۃ قاصرۃ لاتتعد والمقر (کیونکہ اقرار کمزور دلیل ہے اس لیے مقر کا غیر اس سے متاثر نہیں ہوتا۔ ت) پھر جن صورتوں میں عورت اس پر حرام مانی جائے گی ہمیشہ کے لیے حرام ہوگی، کسی طرح ان باپ بیٹوں کے لیے حلال نہیں ہوسکتی مگر ہنوز طلاق نہ ہوئی، عمرو پر فرض ہوگا کہ اُسے چھوڑ دے اور اُس کے چھوڑنے کے بعد عورت پر عدت لازم ہوگی، بعد عدت کسی تیسرے سے نکاح کرسکے گی۔ درمختار میں ہے:

وبحرمۃ المصاھرۃ لایرتفع النکاح حتی لایحل لہا التزوج باٰخر الابعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ[1]۔
حرمت مصاہرہ نکاح کو ختم نہیں کرتی حتی کہ دوسرے شخص سے نکاح، متارکہ اور اس کے بعد عدت گزر جانے کے بغیر جائز نہیں۔ (ت)

اگر بصورت حرمت عمرو عورت کو رکھے تو مسلمان اس سے میل جول چھوڑ دیں مگر جرمانہ لینا حرام ہے اور اُسے مسجد میں صرف کرنا اور دیوبندیوں سے فتوٰی پوچھنا حرام اور ان کے فتوٰی پر عمل کرنا حرام اور انھیں مولٰنا یا نور اللہ مرقدہ کہنا حرام۔ تمام علمائے کرام حرمین شریفین نے شانِ اُلوہیت وشانِ رسالت میں ان کی سخت گستاخیوں کے سبب ان کی تکفیر پر اتفاق کیا اور حسام الحرمین میں فرمایا: من شك فی عذابه وکفرہ فقد کفر[2] یعنی جو اُن کے اقوالِ ملعونہ پر مطلع ہو کر ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی کافر۔ والعیاذ باللہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۸ تا ۳۰۰: مسئولہ مولانا مولوی احمد مختار صاحب میرٹھی مورخہ ۸ شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ

(۱) ما قولکم ایہا العلماء الکرام (اے علمائے کرام! آپ کا کیا ارشاد ہے۔ ت) مرزا غلام احمد قادیانی کو مجدد، مہدی، مسیح موعود اور پیغمبر صاحبِ وحی والہام ماننے والے مسلم ہیں یا خارج از اسلام اور مرتد۔

(۲) بشکل ثانی اُس کا نکاح کسی مسلمہ یا غیر مسلمہ یا ان کی ہم عقیدہ عورت سے شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(۳) بصورتِ ثانیہ جس عورت کا نکاح ان لوگوں کے ساتھ منعقد کیا گیا ہے اُن عورات کو اختیار حاصل ہے کہ بغیر طلاق لیے اور بلا عدت کسی مرد مسلم سے نکاح کرلیں۔ بینوا اٰجرکم اللہ تعالٰی

الجواب

(۱) لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت ملنے کا جو قائل ہو

---

[1] درمختار | باب فی المحرمات | مجتبائی دہلی | ۱/۱۸۸
[2] حسام الحرمین | مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور | ص ۱۳

وہ تو مطلقاً کافر مرتد ہے اگرچہ کسی ولی یا صحابی کے لیے مانے۔ قال اللہ تعالیٰ:

ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین[1] — لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ (ت)

وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: انا خاتم النبیین لانبی بعدی[2] — حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں (ت)

لیکن قادیانی تو ایسا مرتد ہے جس کی نسبت تمام علمائے کرام حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے کہ من شك فی کفرہ فقد کفر[3] (جس نے اس کے کفر میں شک کیا وہ کافر ہوگیا۔ ت) اُسے معاذ اللہ مسیح موعود یا مہدی یا مجدد یا ایک ادنیٰ درجہ کا مسلمان جاننا درکنار جو اُس کے اقوالِ ملعونہ پر مطلع ہو کر اُس کے کافر ہونے میں ادنیٰ شک کرے وُہ خود کافر مرتد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) قادیانی عقیدے والے یا قادیانی کو کافر مرتد نہ ماننے والے مرد خواہ عورت کا نکاح اصلاً ہرگز زنہار کسی مسلم کافر یا مرتد اُس کے ہم عقیدہ یا مخالف العقیدہ غرض تمام جہان میں انسان حیوان جن شیاطین کسی سے نہیں ہوسکتا جس سے ہوگا زنائے خالص ہوگا۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ وکذلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد، کذا فی المبسوط[4]۔ — مرتد کو کسی مرتدہ، مسلمہ یا اصلی کافرہ عورت سے نکاح جائز نہیں اور ایسے ہی مرتدہ کو کسی مرد سے نکاح جائز نہیں۔ جیسا کہ مبسوط میں ہے۔ (ت)

اُسی میں دربارۂ تصرفاتِ مرتد ہے:

منہا ما ھو باطل بالاتفاق نحو النکاح فلا یجوز لہ ان یتزوج امرأۃ مسلمۃ ولا مرتدۃ ولا ذمیۃ ولا حربیۃ ولا مملوکۃ[5]۔ واللہ تعالیٰ اعلم — بعض وُہ چیزیں جو بالاتفاق باطل ہیں جیسے نکاح تو اس کے لیے کسی مسلمہ، مرتدہ اور اصلی کافرہ اور ذمی عورت حربیہ اور لونڈی سے نکاح باطل ہے (ت) واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) جس مسلمان عورت کا غلطی خواہ جہالت سے کسی ایسے کے ساتھ نکاح باندھا گیا اُس پر فرض فرض ہے

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[2] جامع الترمذی ابواب الفتن باب ماجاء لاتقوم الساعۃ الخ امین کمپنی دہلی ۲/ ۴۵

[3] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

[4] فتاوٰی ہندیہ باب فی المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۲

[5] 〃 〃 الباب التاسع فی احکام المرتدین 〃 〃 〃 ۲/ ۲۵۵

کہ فوراً فوراً اس سے جُدا ہوجائے کہ زنا سے بچے اور طلاق کی کچھ حاجت نہیں بلکہ طلاق کا کوئی محل ہی نہیں، طلاق تو جب ہو کہ نکاح ہوا ہو، نکاح ہی سرے سے نہ ہُوا، نہ اصلاً عدت کی ضرورت کہ زنا کے لیے عدت نہیں، بلا طلاق بلا عدت جس مسلمان سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ درمختار میں ہے :

نکح کافر مسلمة فولدت منه لایثبت النسب منه ولا تجب العدة لانه نکاح باطل[1]

کافر نے مسلمان عورت سے نکاح کیا جس سے اولاد ہُوئی تو اس سے نسب ثابت نہ ہوگا۔ عورت پر عدت واجب نہ ہوگی کیونکہ یہ نکاح باطل ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے :

ای فالوطء فیه زنا لایثبت به النسب[2] والله تعالٰی اعلم۔

یعنی اس میں وطی زنا ہے جس سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۰۱ از قصبہ نہٹور ضلع بجنور محلہ میاں صاحب سادات اول مرسلہ سید محمد مختار احمد صاحب ۵ شعبان ۱۳۳۴ھ روز چہار شنبہ

مکرم معظم جناب قبلہ مولانا صاحب زادظلکم، السلام علیکم، مزاج شریف! کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع نائبِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ زید کی دو زوجہ، زوجہ اول کا انتقال ہوگیا، اس سے اس کے ایک نواسہ۔ زوجہ دوم کے ایک لڑکی، اب زوجہ دوم کی لڑکی سے زوجہ اول کے نواسہ کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ گویا سوتیلی خالہ سے یعنی اپنی ماں کی سوتیلی بہن سے جو دوسری ماں سے پیدا ہو کوئی شخص اپنا نکاح کر سکتا ہے؟ سبب یہ ہے کہ ناکح کا باپ اور منکوحہ کا باپ اور ماں دونوں علیحدہ ہیں کیونکہ بعض شخص کچھ ایسی حجت پیدا کرتے ہیں کہ چچازاد یا تائی زاد یا خالہ زاد بہن بھائی حقیقی کا نکاح جائز ہے جبکہ ناکح اور منکوحہ کے ماں اور باپ کا ایک باپ اور ایک ماں ہیں، جزئیت کس طرف سے شمار ہوتی ہے، کسی ایسی عام فہم صورت میں جواب صاف اور کسی مستقل حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

زوجہ دوم کی وہ لڑکی اگر زید ہی کے نطفہ سے ہے تو بلاشبہہ زید کے نواسہ پر حرام قطعی ہے، اور اگر کسی دوسرے شوہر سے ہے تو جائز ہے، جزئیت کے بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اپنی فرع اور اپنی اصل

---

[1] درمختار فصل فی ثبوت النسب مجتبائی دہلی ۱/۲۶۳

[2] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۳۳

کتنی بعید ہو مطلقاً حرام ہے، اور اپنی اصلِ قریب کی فرع اگرچہ بعید ہو حرام ہے، اور اپنی اصل بعید کی فرع بعید حلال، اپنی فرع جیسے بیٹی پوتی نواسی کتنی ہی دُور ہو اور اصل ماں دادی نانی کتنی ہی بلند ہو اور اصل قریب کی فرع یعنی اپنی ماں اور باپ کی اولاد یا اولاد کی اولاد کتنی ہی بعید ہو اور اصل بعید کی فرع قریب جیسے اپنے دادا، پردادا، نانا، دادی، پردادی، نانی، پرنانی کی بیٹیاں یہ سب حرام ہیں، اور اصل بعید کی فرع بعید جیسے اُنھی اشخاص مذکورہ آخر کی پوتیاں نواسیاں جو اپنی اصل قریب کی فرع نہ ہوں حلال ہیں صورتِ مذکورہ میں جبکہ زوجۂ دوم کی لڑکی زید کے نطفہ کی ہو تو وہ اس کے اصل بعید کی فرع قریب ہُوئی، زید اُس کا نانا ہے وہ اس کی اصل بعید ہُوا اور یہ لڑکی اس کی بیٹی، یہ اس کی فرع قریب ہُوئی، لہٰذا حرام ہُوئی۔ اور اگر دُوسرے شوہر سے ہے تو اس سے کوئی تعلق نہ ہُوا لہٰذا حلال ہُوئی، چچا، خالہ، ماموں، پھوپھی کی بیٹیاں اس لئے حلال ہیں کہ وہ اس کی اصل بعید کی فرع بعید ہیں یعنی دادا نانا کی پوتیاں نواسیاں جو اپنی اصل قریب سے نہیں، نقایہ میں ہے:

حرم علی المرء اصله وفرعه وفرع اصله القریب وصلبیة اصله البعید[1] - وھو تعالٰی اعلم۔

مرد پر اس کے اصول وفروع اور اصل قریب کی فرع اور اصل بعید کی صلبیہ عورتیں حرام ہیں۔ (ت) وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۲ و ۳۰۳: مسئولہ حافظ محمد علاؤ الدین صاحب پیش امام جامع مسجد مقام بلرام پور ڈاک خانہ انگڈیر ضلع مان بھوم

(۱) جن عورتوں سے نکاح حرام ہے وہ کون کون ہیں؟ عام فہم ہو خصوصاً میرے سمجھنے کے قابل۔

(۲) جو عورت زید کے بڑے بھائی کے نکاح میں آچکی ہو بعد مرنے بڑے بھائی کے اُس عورت یعنی اپنی بھاوج سے زید عقد کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جھگڑا پڑا ہُوا ہے اس کا خلاصہ تحریر فرمائیں، فقط۔

الجواب

(۱) حرمت کے اسباب متعدد ہیں:

اوّل نسب جیسے ماں بیٹی، بہن، خالہ، پھوپھی، بھتیجی، بھانجی۔

دوم رضاعت، دودھ کے رشتہ سے یہ عورتیں دودھ پلانے والی ماں اور اس کی بیٹی بہن اور جس نے اس کا دودھ پیا بیٹی اور جن مرد وعورت کا دُودھ پیا ان کی بہنیں خالہ پھوپھی اور اپنے رضاعی بھائی بہن کی اولاد یا اپنے بھائی بہن کی رضاعی اولاد بھتیجی بھتیجیاں، وقس علیہ۔

سوم مصاہرت کہ اپنے اصول مثلاً باپ دادا نانا اور اپنی فروع مثلاً بیٹا پوتا نواسہ ان کی بیبیاں یا

---

[1] مختصر الوقایہ فی مسائل الهدایہ کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۲

جن عورتوں کو انھوں نے بہ شہوت ہاتھ لگایا ہو، یُونہی اپنی بی بی یا مدخولہ کی ماں، دادی، نانی۔

چہارم شرک یعنی غیر کتابی کافرہ عورت مسلمان پر حرام ہے۔

پنجم ارتداد، جو عورت مسلمان ہوکر اسلام سے نکل جائے اس سے نکاح حرام ہے اگرچہ وہ کتابیوں ہی کا دین اختیار کرے۔

ششم پانچویں یعنی چار عورتیں نکاح میں موجود ہوں تو پانچویں حرام ہے۔

ہفتم دو محارم میں جمع کرنا، مثلاً ایک عورت نکاح میں ہے تو جب تک وہ نکاح میں رہے اُس کی بہن پھوپھی خالہ بھتیجی بھانجی سے نکاح حرام ہے۔

ہشتم جب کوئی آزاد عورت نکاح میں ہو تو اُس کے ہوتے ہوئے کنیز سے نکاح جائز نہیں۔

نہم جس عورت کو تین طلاق دے چکا جب تک حلالہ نہ ہو اُس سے نکاح حرام ہے۔

دہم جس عورت سے لعان کرچکا جب تک اپنے نفس کی تکذیب نہ کرے اُس سے نکاح نہیں کرسکتا۔

یازدہم وہ عورت کہ دوسرے کے نکاح میں ہے۔

دوازدہم وہ عورت کہ دوسرے کی عدت میں ہے، جزئیات بہت کثیر ہیں تفصیل کو اجزا درکار ہیں، یہ چند اجمالی باتیں ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) عدت گزرنے کے بعد کرسکتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۴ از دوارکا اوکھا کاٹھیاوار مرسلہ نائیک حبیب خاں ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۵ھ

مصدر بوارق معانی، مظہر شوارق فیض رسانی، ادام اللہ عنایتکم، السلام علیکم، دست بستہ آداب، خیریت طرفین کا خواستگار ہوں۔ وہ لڑکی کہ جس نے بچپن میں میری اُس ہمشیرہ کا دُودھ ایک یا دُو دفعہ نیند کی حالت میں پیا ہو کہ اُس کی اور میری والدہ ایک ہے اور والد جُدا۔ آیا وہ لڑکی میرے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ لڑکی میرے نکاح میں آچکی ہو اور دُودھ پلانے کی واردات پیچھے ظاہر ہُوئی اس کے لیے کیا فتوٰی ہے؟ براہ نوازش بہت جلد مطلع فرماکر فخر بخشیں۔

الجواب

جس لڑکی نے سائل کی بہن کا دُودھ پیا اگرچہ اُس کے سوتے میں، اگرچہ ایک ہی بار، اگرچہ ایک ہی قطرہ، اگرچہ وہ بہن سائل سے صرف ماں میں شریک اور باپ میں جُدا تھی، وہ لڑکی سائل کی بھانجی ہوگئی اور اس سے اس کا نکاح حرام قطعی ہے، اور نادانستگی میں ہوگیا اور اب بہ ثبوتِ شرعی رضاعت ثابت ہُوئی تو سائل پر فرض ہے کہ فوراً فوراً اُسے جُدا کرے کہ وہ اس کی بھانجی اور مثل حقیقی دختر کے ہے، پھر اگر جماع واقع ہُوا

تو مہر دینا آئے گا جو مہر مثل و مہر مسمّٰی میں کم ہو اور عورت اس کے چھوڑنے کے بعد تین حیض عدت کرے گی، پھر جس سے چاہے نکاح کرے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۰۵: مسئولہ میاں قدرت اللہ صاحب چشتی از مقام پٹن ضلع گجرات ریاست بڑودہ ۲۰ رجب ۱۳۳۵ھ

ولی — حامد (نسب) — علی — کریما
ولی — یارو — کمال (دوسری عورت)
یارو — ولی (پہلی عورت) — خدیجہ
یارو — احمد
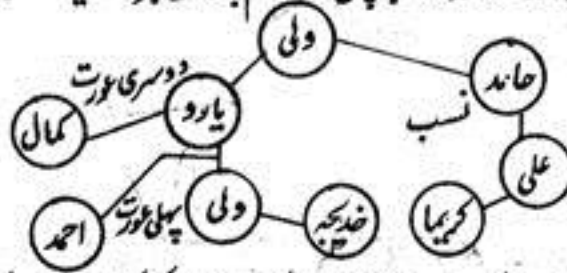
علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ لڑکا کمال اور لڑکی کریما دونوں کے درمیان نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اس شجرہ سے واضح ہے کہ کمال اور ولی دونوں آپس میں سوتیلے بھائی ہیں، باپ ایک اور ماں جُدا، اور کریمہ ولی کی نواسی یعنی بیٹی کی بیٹی ہے تو وہ کمال پر حرام ہے نکاح نہیں ہوسکتا۔ قال تعالٰی: وبنٰت الاخ[1] (اور بھائی کی بیٹیاں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۰۶: از مارہرہ شریف مرسلہ محمد نعیم صاحب ۱۶ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

ایک شخص نے اپنے لڑکپن میں جبکہ اُس کی عمر صرف دس گیارہ سال تھی ایک چودہ سالہ عورت سے جس کی شادی اُسی ماہ میں ہوئی تھی عورت کے رغبت کرنے اور سکھانے سے زنا کیا لیکن لڑکا نابالغ تھا اب اس عورت سے ایک لڑکی ہے، اس لڑکی کا نکاح لڑکے مذکور سے جس نے اپنی نابالغی کی حالت میں اُس کی ماں سے زنا کیا تھا جائز اور درست ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر اُس وقت لڑکے کی عمر ۱۲ برس سے کم تھی تو حرمت ثابت نہ ہوئی۔ وہ لڑکا اُس عورت کی لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

لوجامع غیر مراھق زوجۃ ابیہ لم تحرم، فتح[2]۔ اگر غیر مراہق نے اپنے باپ کی زوجہ سے جماع کیا تو حرمت ثابت نہ ہوگی، فتح۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[2] درمختار باب فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۸

ردالمحتار میں ہے:

لابد فی کل منهما من سن المراهقة واقله للانثی تسع وللذکر اثنا عشر لان ذٰلك اقل مدة یمکن فیها البلوغ کما صرحوا به فی باب بلوغ الغلام وهذا یوافق ما مران العلة هی الوطء الذی یکون سببا للولد، والمس الذی یکون سببا لهذا الوطء ولا یخفی ان غیر المراهق منهما لایتاتی منه الولد[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مرد وعورت دونوں کے لیے ضروری ہے کہ دونوں کم از کم مراہق کی عمر میں ہوں، اور مراہق کی عمر لڑکی کے لیے کم از کم نو سال اور لڑکے کے لیے بارہ سال کیونکہ یہ وہ کم از کم عمر ہے جس میں بلوغ ہوتا ہے جیسا کہ فقہاء نے لڑکے کے بلوغ کے متعلق تصریح فرمائی ہے اور یہ بیان گزشتہ اس بیان کے موافق ہے کہ حرمتِ مصاہرہ کی علت وہ وطی ہے جو بچے کا سبب بن سکے اور وہ مَس جو اس وطی کا سبب بن سکے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مراہق سے کم عمر والے کی وطی بچے کا سبب نہیں ہوتی (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار باب فی المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۸۲

باب الولی

(ولی کا بیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ ۳۰۶: از کھنڈوا ضلع نماڑ ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی نابالغہ جس کی عمر آٹھ برس کی ہے، باپ اس کا اس کی شیرخوارگی میں انتقال کرگیا، پرورش اس کی ماں نے کی اور وہی اس کی وارث وکفیل ہے، ایک چچا اس کا ہے وہ لڑکی کے باپ مرحوم سے تخمیناً چالیس سال سے بالکل علیحدہ ہے، کسی نوع کا واسطہ وتعلق باہمی نہیں، اس لڑکی کا نکاح بے اجازتِ والدہ وعم کے ایسے مقام پر لے جاکر پڑھا دیا جہاں ماں موجود نہ تھی، پس یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

تقریرِ سوال سے واضح کہ اس لڑکی کا دادا یا کوئی جوان بھائی نہیں، پس صورتِ مستفسرہ میں اس کا چچا ہی اس کا ولی ہے جس کے ہوتے ماں کو بھی اختیار نہیں، اور چچا کا باپ سے جُدا و بے علاقہ ہونا اس کی ولایتِ شرعیہ کو ساقط نہیں کرتا کہ غایت درجہ قطع رحم ہوگا اور اس کی نہایت گناہ اور گناہ مسقط ولایت نہیں، تنویر الابصار میں ہے:

الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ[1] — نکاح میں ولی عصبہ بنفسہ ہوتا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے ؛

فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام[2] — اگر عصبہ موجود نہ ہو تو پھر ماں کو ولایت ہوگی۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے ؛

الام لاتملک تزویج ابنہا مع العم[3] — والدہ کو بیٹی کے چچا کی موجودگی میں ولایت نہیں (ت)

فتاوٰی خانیہ میں ہے ؛

الفسق لایمنع الولایۃ۔[4] — فسق ، ولایت کے لئے مانع نہیں ہے۔ (ت)

پس وُہ نکاح کہ بے اجازت چچا کے ہُوا اس کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر رَد کرے باطل ہوجائے گا۔

مجمع الانہر میں ہے ؛

وقف تزویج فضولی وھو من لم یکن ولیا ولا اصیلا ولا وکیلا علی اجازۃ من لہ العقد فان اجاز ینعقد والا لا[5] — جو شخص ولی، اصیل اور وکیل نہ ہو وُہ فضولی ہوتا ہے' جس کا کیا ہُوا نکاح ولایت والے کی اجازت پر موقوف رہتا ہے ، اگر وُہ جائز کرے تو جائز ، ورنہ ناجائز ہوگا۔ (ت)

اور اجازت دے تو نافذ ہوجائے گا بشرطیکہ جس شخص کے ساتھ نکاح ہُوا وُہ اس دختر کا کفو ہو اور اس کے مہر میں کمی فاحش نہ کی گئی ہو، ورنہ اگر کفو نہیں یا مہر میں ایسی کمی ہے تو نکاح اصلاً وجہ صحت نہیں رکھتا ، نہ چچا وغیرہ ان اولیاء کی اجازت سے نافذ ہوسکے کہ ایسا نکاح اگر خود چچا کے ہاتھوں کا کیا ہوتا تاہم باطل ہوتا پھر اس کے جائز کئے نفاذ کیونکر پاسکتا ہے۔ دُرمختار میں ہے ؛

ان کان المزوج غیر الاب وابیہ ولو الام لایصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلاً[6] اھ ملخصا — نکاح کرنے والا باپ یا دادا نہ ہو اگرچہ ماں ہو تو غیر کفو اور مہر کی فحش کمی کی صورت میں نکاح صحیح نہ ہوگا (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار — باب الولی — مجتبائی دہلی — ۱/۱۹۳

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

[3] فتاوٰی خیریہ — کتاب النکاح — باب الاولیاء — دارالمعرفۃ بیروت — ۱/۲۴

[4] فتاوٰی قاضی خان — فصل فی الاولیاء — نولکشور لکھنؤ — ۱/۱۶۳

[5] مجمع الانہر — فصل فی تزویج الفضولی — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۱/۳۴۳

[6] درمختار — باب الولی — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۱۹۲

ردالمحتار میں ہے:

اصلاً ای لا لازما ولا موقوفا علی الرضا بعد البلوغ[1]

بالکل نہ ہوگا۔ نہ اب نافذ ہوگا اور نہ بعد بلوغ رضا پر موقوف ہوگا۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

العم ونحوہ لایصح منہم التزویج بغیر الکفؤ[2]

چچا وغیرہ کا غیر کفو میں نکاح کردینا صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

اور کفو کے یہ معنے کہ اُس کی قوم یا مذہب یا اعمال یا پیشے میں بہ نسبت خاندان دختر کے کوئی ایسا قصور وعیب نہ ہو جس کے سبب اولیائے دختر کو عار لاحق ہو نہ ایسا محتاج ہو کہ اگر یہ دختر بالفعل قابل جماع ہے تو نفقہ نہیں دے سکتا یا کسی قدر مہر کل یا بعض ازرُوئے شرط یا حسبِ رواج بلد معجل ہے تو فی الحال اُس کے ادا پر قادر نہیں۔ تنویر میں ہے:

تعتبر (یعنی الکفاءۃ) نسبا وحریۃ واسلاما ودیانۃ ومالا وحرفۃ[3]

کفو ہونے میں نسب، حریت، اسلام، دیانت، مال اور حرفت کا اعتبار ہے۔ (ت)

ملتقی الابحر میں ہے:

وتعتبر مالا فالعاجز عن المھر المعجل والنفقۃ غیر کفؤ الخ[4]

مال کا اعتبار ہے تو جو شخص مہر معجل اور نفقہ کی ادائیگی سے عاجز ہو تو کفو نہیں بنے گا۔ (ت)

شامی میں ذخیرہ وفتح القدیر سے ہے:

قولہ لو تطیق الجماع، فلو صغیرۃ لاتطیقہ فھو کفو وان لم یقدر علی النفقۃ لانہ لانفقۃ لھا[5] واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ سبحٰنہ احکم۔

اس کا قول کہ بیوی جماع کے قابل ہو، تو اگر ایسی کم عمر ہو کہ وُہ جماع کے قابل نہیں تو کفو ثابت ہوگی اگرچہ خاوند نفقہ پر قادر نہ ہو کیونکہ ایسی عمر کے لئے خاوند پر نفقہ لازم نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم، اللہ جل مجدہ کا علم کامل و اکمل اور اس کا حکم نافذ مضبوط ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب فی الولی دار احیاء التراث العربی، بیروت ۲/۳۰۵

[2] فتح القدیر فصل فی الکفاءۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۹۶

[3] درمختار شرح تنویر الابصار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۵-۱۹۴

[4] ملتقی الابحر الکفاءۃ فی النکاح موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/۲۴۶

[5] ردالمحتار باب الکفاءۃ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۲/۳۲۱

مسئلہ ۳۰۰: ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ ہجری قدسی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صغیرہ کا باپ اس کے نکاح کی زید کے ساتھ اپنے پسر جوان کو اجازت دے کر اپنی نوکری کے مقام پر کہ وہاں سے سات آٹھ کوس ہے چلاگیا، اُس کے پیچھے وُہ نکاح ہوا، رخصت کے بعد باپ آیا، چوتھی کی رخصت اس کے سامنے ہُوئی اور برسوں آتی گئی، اب سات برس کے بعد باپ کہتا ہے میں اس نکاح سے راضی نہیں۔ اس صُورت میں باپ یا اس صغیرہ کو بعد بلوغ حق فسخ نکاح پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور وُہ نکاح کہ بھائی نے کیا صحیح ہُوا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ ثابت ہو کہ پدرِ صغیرہ نے اپنے پسر جوان کو دختر نابالغہ کے نکاح کی زید کے ساتھ اجازت دی اور وُہ نکاح حسبِ اجازت واقع ہُوا تو اب اسے نہ پدرِ صغیرہ خود فسخ کرسکے نہ صغیرہ بعد بلوغ اس کا اختیارِ فسخ رکھے، بلکہ وُہ نکاح قطعاً صحیح و نافذ و لازم ہوگیا۔

فان الاذن توکیل و فعل الوکیل کفعل الموکل ومن سعی فی نقض ما تم من جهته فسعیه مردود علیه۔

وکیل کو اجازت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے فعل کو مؤکل کا فعل قرار دیا جائے گا لہذا وکیل کی طرف سے تمام شدہ کارروائی کو کالعدم قرار دینے والے کی کوشش کو رد کردیا جائے گا۔ (ت)

تنویر میں ہے:

لزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفؤ ان کان الولی ابا او جدا[1] الخ۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

اگر باپ یا دادا نکاح کرنے والا ہو تو غیر کفو اور مہر کی فحش کمی کے باوجود نکاح لازم و نافذ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰۱: ۳ رجب المرجب ۱۳۰۵ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لیلٰی کا باپ بکر اس کا نکاح عمرو کفو کے ساتھ کرنے کی اجازت اپنے جوان بیٹے خالد کو دے کر بریلی سے اپنی نوکری پر بیسل پور کہ یہاں سے بتیس کوس ہے چلاگیا، خالد برادر و ہندہ مادرِ لیلٰی کو عمرو سے نکاح منظور نہ تھا ان کی مرضی زید کے ساتھ نکاح میں تھی کہ وُہ بھی مثل عمرو آپس اور برادری ہی کا ہے لہذا برخلاف اجازتِ بکر مادر و برادرِ لیلٰی نے جلدی کرکے لیلٰی نابالغہ دَہ سالہ کا نکاح زید نابالغ ہفت سالہ سے کردیا،

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار　باب الولی　مطبع مجتبائی دہلی　۱/۱۹۲

جب پدرِ لیلٰی آیا خبر سُن کر سخت ناراض ہُوا اور دختر کو سسرال سے بُلا لیا اور پھر نہ جانے دیا، اس پر سات برس کا زمانہ گزرا کہ لیلٰی بالغہ ہوگئی مگر زید ہنوز نابالغ ہے لیلٰی نے بالغہ ہوتے ہی فوراً اُس نکاح سے انکار کر دیا اور دوسری جگہ اپنا نکاح کیا چاہتی ہے، اس صورت میں نکاح اوّل فسخ ہوا اور لیلٰی کو نکاحِ ثانی کا اختیار رہا یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان کیجئے اور اجر پائیے۔ ت)۔

الجواب

چند روز ہُوئے کہ یہ مسئلہ سائل کی طرف مقابل یعنی پدرِ زید نے فقیر سے دریافت کیا اور اُس میں صورتِ سوال بالکل اس کے خلاف تھی، اس نے ظاہر کیا تھا کہ پدرِ لیلٰی اس کے نکاح کی اجازت خالد اپنے پسر جوان کو اسی زید کے ساتھ دے گیا تھا اور چوتھی کی رخصت اس کے سامنے ہوئی اور لیلٰی برسوں آئی گئی، اب سات برس کے بعد کہتا ہے میں راضی نہیں، اس پر فقیر نے لکھا تھا کہ مضمونِ مذکور ثابت ہو تو بیشک نکاح صحیح ولازم ہوگیا جسے کوئی فسخ نہیں کرسکتا، اب پدرِ لیلٰی یہ شکل اظہار کرتا ہے اور اس کے ساتھ چند کسان برادری جو اپنے آپ کو فریقین کا رشتہ دار قریب بتاتے ہیں بقسم اس بیانِ بکر کی تائید کرتے ہیں۔ غرض علم واقع حق جل وعلا کو ہے، اگر یہ لوگ سچے ہیں اور صورتِ سوال یُونہی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نکاح برخلاف اجازتِ پدر ہُوا تو اگر اُس نے ناراضی میں اس نکاح کے رَد کرنے کا کوئی لفظ کہا تو نکاح اُسی وقت فسخ ہوگیا اور اگر کوئی ایسا لفظ نہ کہا اور نہ اس پر راضی ہوا نہ اُس نے کبھی رخصت کی اور لیلٰی نے بالغہ ہو کر انکار کر دیا تو اب نکاح فسخ ہوگیا کہ برادرِ لیلٰی کو جب پدرِ لیلٰی نے خاص عمرو کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دی تھی تو اسے بتوکیلِ پدر اسی قدر کا اختیار تھا اب کہ اس نے مخالفت کرکے زید سے نکاح کر دیا، یہ نکاح نکاحِ فضولی ٹھہرا۔ درمختار میں ہے:

اجمعوا انہ لم یجز کما لو امرہ بمعینۃ فخالف[1] اھ ملخصا یعنی الوکیل بالنکاح۔

فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر معینہ عورت سے نکاح کا کہا اور وکیل نے اس کے خلاف کیا تو یہ جائز نہ ہوگا اھ ملخصاً (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی کل موضع لاینفذ فعل الوکیل فالعقد موقوف علی اجازۃ الموکل[2]۔

جہاں پر وکیل کا عمل نافذ نہ ہوگا وہاں وہ عمل موکل کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ (ت)

---

[1] الدرالمختار | باب الکفاءۃ | مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۶

[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۳۲۵

اور نکاحِ فضولی بے اجازت نافذ نہیں ہوتا، پس اگر لیلٰی کے باپ نے رَد کیا تو جبھی رَد ہوگیا اور اگر نہ رَد کیا نہ اجازت دی اور لیلٰی نے بالغہ ہوکر فسخ کردیا تو اب فسخ ہوگیا

فی ردالمحتار فی فصل الفضولی عن جامع الفضولین یتوقف علی اجازۃ ولیہ ما دام صبیا ولو بلغ قبل اجازۃ ولیہ فاجاز بنفسہ جاز ولم یجز بنفس البلوغ بلا اجازۃ[1]

ردالمحتار میں ہے فضولی کے بیان میں جامع الفضولین سے منقول ہے کہ جب تک نابالغ ہے اس کا نکاح اس کے ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا، اور اگر ولی کی اجازت سے قبل وہ بالغ ہوگیا تو اس نے اپنے نکاح کو جائز قرار دیا تو جائز ہوجائے گا، اس کے جائز کئے بغیر محض بالغ ہونے پر جائز نہ ہوگا۔ (ت)

پس لیلٰی کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے، واللہ تعالٰی اعلم۔

واعلم ان غیبۃ بکر لم تکن منقطعۃ حتی تنتقل الولایۃ الی الاخ فیکون تزویجہ ایاھا صحیحا نافذا ولو غیر لازم فلا ینفسخ بمجرد فسخھا بل تحتاج فیہ الی حکم القاضی کما فی الھدایۃ والدر[2] وغیرھما من الاسفار الغراء علی اختیار اکثر المتاخرین وجزم بہ فی التنویر وغیرہ، وقال فی التبیین ان علیہ الفتوٰی[3] وھو التقدیر بمسافۃ القصر فالامر واضح واما علی ما اختارہ اکثر المشائخ وقال السرخسی ومحمد بن الفضل واصحاب الذخیرۃ والمجتبٰی والبحر انہ الاصح[4] وصاحب

واضح رہے کہ یہاں بکر کا غائب ہونا ایسا نہیں جس سے اس کی ولایت منقطع ہوکر لڑکی کے بھائی کو منتقل ہوجائے کہ اس کا کیا ہوا نکاح صحیح اور نافذ ہوتا اگرچہ لازم نہ ہوتا، محض لڑکی کے فسخ کرنے سے فسخ نہ ہوتا بلکہ قاضی کے فیصلہ کی ضرورت ہوتی، جیسا کہ ہدایہ، در وغیرہما معتبر کتب میں ہے، لیکن جس کو اکثر متاخرین نے اختیار کیا ہے اور اس پر تنویر وغیرہ میں جزم کیا ہے، اور تبیین میں کہا کہ اس پر فتوٰی ہے، وہ یہ کہ نماز کو قصر کرنے کی مسافت یعنی مسافتِ سفر پر دُور ہو، تو اس قول پر معاملہ واضح ہے اور وہ جس کو اکثر مشائخ نے جس کے متعلق سرخسی اور محمد بن فضل، ذخیرہ، مجتبٰی اور بحر کے مصنفین نے فرمایا کہ یہ اصح ہے، اور صاحب ہدایہ

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۵
[2] درمختار فصل فی الولی مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴
[3] تبیین الحقائق باب الاولیاء والاکفاء المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ مصر ۲/ ۱۲۷
[4] البحرالرائق باب فی الاولیاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۲۶

الهدایة انه اقرب الی الفقه[1] والامام قاضی خان فی شرح الجامع الصغیر انه حسن لانه النظر[2]، والزیلعی فی التبیین انه احسن[3] والمحقق فی الفتح انه الاشبه بالفقه[4] وعلیه مشی فی الاختیار والنقایة والملتقی والباقانی ونقل ابن الکمال ان علیه الفتوی[5] وفی شرح الملتقی عن الحقائق انه اصح الاقاویل وعلیه الفتوی[6] ولیشیر کلام النهر الی اختیارہ وفی البحران الاحسن الافتاء به[7] وبالجملة کان ارجح التصحیحین وهو کونه بحیث لو انتظر حضورہ او استطلاع رایه فات الکفؤ الذی حضر وان کان مختفیا فی نفس البلد فلان المبنی عندهم الحاجة الی استطلاع مفوت للکفؤ الحاضر لما فیه ضرر والولایة للنظر فواجب اسقاطها وههنا کلا الامرین منتفٍ

نے کہا کہ یہ اقرب الفقہ ہے، اور امام قاضی خان نے جامع صغیر کی شرح میں کہا کہ شفقت کی وجہ سے اچھا ہے اور زیلعی نے تبیین میں اچھا، محقق نے فتح میں اشبہ بالفقہ کہا اور یہی موقف اختیار، نقایہ، ملتقی اور باقلانی کا ہے اور ابن کمال نے اس پر فتوٰی کہا ہے اور ملتقی کی شرح میں حقائق سے منقول کہ اقوال میں یہ اصح اور اس پر فتوٰی ہے اور نہر کا کلام بھی اس کے مختار ہونے کی طرف اشارہ ہے، اور بحر میں کہا کہ اس پر فتوٰی بہتر ہے، غرضیکہ دونوں تصحیحوں میں یہ قول زیادہ راجح ہے کہ اگر ولی اتنی مسافت پر ہے کہ اس سے رابطہ، مشورہ اور اجازت حاصل کرنے میں موجود رشتہ جو کہ کفو ہے، چھوٹ جائے گا، تو یہ ولایت کے ختم ہونے اور دوسرے کو منتقل ہونے کا معیار ہے، اگرچہ وہ ولی شہر میں چھپا ہوا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ غائب ولی کی ولایت کے انقطاع کا سبب کفو والے رشتہ کے چھوٹ جانے کا خدشہ قرار دیا ہے تو ایسی صورت میں اس سے اجازت حاصل کرنے

---

[1] الهدایة باب فی الاولیاء والاکفاء المکتبة العربیة کراچی ۱/۲۹۹
[2] البحر الرائق بحوالہ شرح الجامع الصغیر باب فی الاولیاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۲۹
[3] تبیین الحقائق باب الاولیاء والاکفاء المطبعة الکبرٰی مصر ۱/۱۲۷
[4] فتح القدیر 〃 〃 〃 مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۸۵
[5] الدر المختار فصل فی الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴
[6] الدر المنتقی علی حاشیہ مجمع الانہر باب الاولیاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۳۹
[7] البحر الرائق باب فی الاولیاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۲۹

الحاجة الی الاستطلاع لحصول الاطلاع فانه قد اذن فی التزویج لعمرو وفوات الکفوء لوجود عمرو، بل لقائل ان یقول ان لاغیبة اصلا لوجود التوکیل ووجود الوکیل کوجود الموکل فظن انه تزویج نافذ صدر عن ولایة ظن باطل، واللہ تعالٰی اعلم۔

میں ولایت کا مقصد فوت ہوجاتا ہے اس لئے اتنی مسافت یا شہر میں تلاش کی بجائے اس کی ولایت کو منقطع قرار دیا جائے گا، جبکہ موجودہ مسئلہ میں ولایت کو منقطع قرار دینے کی متاخرین اور مشائخ والی دونوں صُورتیں نہیں پائی جاتیں کہ اس سے اجازت حاصل کی جائے کیونکہ بکر نے خود عمرو سے نکاح کردینے کی اجازت دی نہ ہی کفوء کے فوت ہونے کا خدشہ رہا کیونکہ عمرو وہاں موجود ہے، بلکہ یُوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ولی کے غیب ہونے والی صورت یہاں نہیں پائی جاتی کیونکہ ولی کا وکیل یعنی خالد موجود ہے جبکہ وکیل کا موجود ہونا خود موکل کی موجودگی کی طرح ہے، پس مسئولہ صُورت میں یہ خیال کرنا کہ زید سے کیا ہُوا نکاح ولی سے صادر شدہ ہے، یہ خیال باطل ہے (کیونکہ بکر نے عمرو سے نکاح کی اجازت دی تھی) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰۹ ۱۹ ربیع الآخرہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نابالغ کا نکاح ہندہ نابالغہ کے ساتھ ان کے وارثوں نے کیا، یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اور زید یا ہندہ بعد بلوغ اسے فسخ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

سائل مظہر کہ زید کا نکاح اُس کے باپ نے کیا، اور باپ کا کیا ہُوا نکاح لازم ہوتا ہے یعنی اولاد کو اس کے فسخ کا اختیار نہیں ہوتا۔

فی الدرالمختار لزم النکاح ولو بغبن فاحش بزیادة مہرہ او بغیر کفوء ان کان الولی ابا اوجدا ولم یعرف منھما سوء الاختیار[1] (ملخصاً)

درمختار میں ہے جب باپ یا دادا نے اپنی ولایت میں نکاح کیا ہو تو اگرچہ فحش کمی مہر کی ہو یا غیر کفوء میں کیا ہو تو وُہ نکاح لازم و نافذ ہوگا بشرطیکہ باپ اور دادا کی اس سے پہلے غلط روی مشہور نہ ہو (ملخصاً)۔(ت)

اور ہندہ کا نکاح اس کے چچا نے کیا کہ پدرِ ہندہ مرچکا تھا اس حالت میں اگر زید ہندہ کا کفو نہیں یعنی اس سے قوم یا دین یا پیشہ وغیرہا امورِ معتبرہ میں ایسا گھٹا ہُوا ہے جس کے ساتھ نکاح ہونا باعث عار و بدنامی ہو یا یہ کہ ہندہ کا جس قدر مہر مثل تھا اُس سے بہت کم مہر باندھا گیا تو ان صورتوں میں نکاح اصلاً صحیح نہ ہُوا یہاں تک کہ

---

[1] الدرالمختار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

اگر ہندہ بالغہ ہوکر اسے جائز رکھے تب بھی جائز نہ ہوگا۔

فی الدر المختار ان کان المزوج غیر الاب وابیه ولو الام لا یصح النکاح من غیر کفؤ او بغبن فاحش اصلا وما فی صدر الشریعة صح ولهما فسخه وهم[1] (ملخصا)

درمختار میں ہے اگر باپ یا دادا کے غیر نے نکاح کیا ہو تو غیر کفو اور فحش کمی مہر کے ساتھ نکاح بالکل صحیح نہ ہوگا' اور جو صدر الشریعہ میں کہا گیا کہ وُہ نکاح صحیح ہے اور باپ اور دادا کو بعد میں فسخ کا اختیار ہے، یہ محض وہم ہے (ملخصًا)۔ (ت)

اور اگر یہ بات نہیں بلکہ زید کفو ہے اور مہر مثل میں کمی فاحش نہ ہُوئی تو نکاح صحیح ہوگیا مگر ہندہ کو اختیار ہے کہ بعد بلوغ فوراً اس سے نکاح کو رَد کرے اور حاکم شرع کے حضور دعوٰی کرکے فسخ کرائے۔

فی الدر المختار وان کان من الکفؤ وبمهر المثل صح ولصغیر وصغیرة خیار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ لقصور الشفقة بشرط القضاء للفسخ[2] (ملخصًا)

درمختار میں ہے اگر مہر مثل اور کفو میں نکاح کیا ہو تو صحیح ہے لیکن نابالغ لڑکے اور لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد اس کے فسخ کا اختیار ہے اگرچہ دخول کے بعد بلوغ ہُوا ہو یا بلوغ کے بعد نکاح کا علم ہُوا ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ اور دادا کے غیر میں شفقت کمزور ہوتی ہے تاہم فسخ کے لئے قاضی کا حکم شرط ہے (ملخصًا)۔ (ت)

مگر از انجا کہ ہندہ بکر ہے تو بحالتِ بلوغ جس وقت نکاح پر مطلع ہو فوراً اور پہلے سے مطلع تھی تو بالغ ہوتے ہی معًا نکاح کو رَد کردے، اگر ذرا بھی دیر کی تو نکاح لازم ہوجائے گا اور اُسے فسخ کرانے کا اختیار نہ رہے گا۔

فی الدر المختار بطل خیار البکر بالسکوت لو مختارة عالمة باصل النکاح ولا یمتد الی اٰخر المجلس[3] (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم

درمختار میں ہے کہ اطلاع ملنے پر باکرہ کا سکوت اس کے فسخ کے اختیار کو باطل کردیتا ہے بشرطیکہ اپنے نکاح کے بارے میں اس کو علم ہُوا ہو اور وُہ بالغہ ہو، تاہم فسخ کا اختیار اس مجلس تک محدود ہوگا جس میں اس کو علم ہُوا ہو۔ (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱۰

۱۹ ذی قعدہ ۱۳۰۶ھ از چھاؤنی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ بعد بیوہ ہوجانے کے اپنا نکاح ایسے شخص سے

---

[1] درمختار | باب الولی | مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۲

[2] " | " | " | ۱/۹۳-۱۹۲

[3] " | " | " | ۱/۱۹۳

چاہتی ہے جس سے اُس کے ماں باپ ہندہ سے اس امر پر راضی نہیں اب اگر ہندہ ناراضیِ والدین گوارا کرکے اپنا نکاح کرلے تو آیا یہ نکاح شرعاً درست ہوگا یا نادرست؟ بینوا توجروا

الجواب

اگر وہ شخص جس سے ہندہ بناراضیِ پدر اپنا نکاح بطورِ خود کیا چاہتی ہے ہندہ کا کفو ہے یعنی اس کی قوم یا پیشہ یا مذہب وغیرہا میں بہ نسبت ہندہ کے کوئی ایسا قصور وعیب نہیں جس کی وجہ سے ہندہ کا اس کی مناکحت میں آنا پدرِ ہندہ کے لئے موجبِ عار ہو تو بلاشبہہ نکاح صحیح و درست ہوجائے گا اور والدین کی ناراضی اگرچہ ہندہ کو نقصان کرے مگر جوازِ نکاح میں خلل نہ آئے گا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الایم احق بنفسہا من ولیہا[1] رواہ الائمۃ مالک واحمد ومسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ وغیرھم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ بالغ لڑکی اپنے ولی کے مقابلہ میں اپنے بارے میں فیصلہ کی زیادہ حقدار ہے۔ اس کو امام مالک، احمد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ وغیرہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضی ولی ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا[2] (ملخصاً) واللہ تعالٰی اعلم۔

عاقلہ بالغہ حرہ عورت کا اپنا نکاح ولی کی رضامندی کے بغیر بھی جائز ہے، اور غیر کفو میں کیا تو بالکل ناجائز ہونے کا فتوٰی دیا جائے گا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱۱: ۵ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور زید کی اہلیہ نے انتقال کیا، دو بیٹیاں چھوڑیں، اور لڑکیوں کا کوئی وارث سوا ایک ماموں حقیقی کے کوئی نہ تھا، ماموں نے ایک لڑکی جس کی عمر تخمیناً سات برس کی تھی اس کا نکاح اپنے بیٹے کے ساتھ کردیا جس کو اب عرصہ آٹھ برس کا ہُوا، اور دُوسری بڑی لڑکی کا نکاح دُوسری جگہ کردیا، اب بڑی دختر باغوا اپنے شوہر کے اپنی چھوٹی ہمشیر کو بہکاتی ہے کہ تُو کہہ دے کہ میری نابالغی

---

[1] صحیح مسلم | کتاب النکاح | قدیمی کتب خانہ کراچی | ۱/۴۵۵
سنن ابوداؤد | فصل فی الثیب | آفتاب عالم پریس لاہور | ۱/۲۸۶

[2] الدرالمختار | باب الولی | مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۱

میں نکاح ہوا ہے میں راضی نہیں ہُوں تو میں تیرا نکاح اپنے دیور سے کرا دُوں گی، چنانچہ چھوٹی لڑکی اب اپنے ماموں سے کلماتِ ناراضی بیان کرتی ہے، اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

سائل اظہار کرتا ہے کہ اس چھوٹی لڑکی کو بالغہ ہُوئے سال بھر گزرا اور اُسے نکاح کی خبر کئی برس سے ہے اور یہ کلماتِ ناراضی اس نے کوئی دو مہینے سے کہنے شروع کئے ہیں، اگر یہ بیان واقعی ہے تو وُہ نکاح لازم ہوگیا اور عورت کو حقِ اعتراض اصلاً نہ رہا جبکہ اُسے پہلے سے نکاح پر اطلاع تھی، تو جس آن میں بالغہ ہُوئی فوراً اسی آن میں اگر ناراضی ظاہر کردیتی تو اسے حقِ اعتراض رہتا یہاں تک کہ اگر بالغہ ہوکر ایک لمحہ کو بھی دوسرے کام یا دُوسری بات میں مصروف رہی تو اب اعتراض کا اختیار نہیں رکھتی یہاں تو جوان ہونے پر کئی مہینے بعد اُس نے اعتراض شروع کیا ہے، یہ اصلاً قابلِ قبول نہیں، عورت پر فرض ہے کہ اس جہالت سے باز آئے، اور اس کی بہن پر فرض کہ پرائی زوجہ کو اغوا نہ کرے ورنہ سوا گناہ کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

فی الدر المختار بطل خیار البکر بالسکوت لو عالمۃ بالنکاح ولا یمتد الی اٰخر المجلس اھ[1] ملخصًا۔

درمختار میں ہے کہ باکرہ لڑکی کا اپنے نکاح کے علم پر خاموشی اس اختیارِ فسخ کو ختم کردیتی ہے اور اختیار بھی صرف اس مجلس تک محدود ہوگا جس میں اسے علم ہوا ہے اس کے بعد اسے اختیار نہ ہوگا اھ ملخصًا (ت)

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منا من خبب امرأۃ علی زوجھا[2] رواہ ابو داود والنسائی وابن حبان والحاکم باسناد صحیح عن ابی ھریرۃ ونحوہ احمد وابن حبان والبزار والحاکم بسند صحیح عن بریدۃ وابویعلی والطبرانی فی الاوسط بسند صحیح عن ابن عباس والطبرانی فی الاوسط

جو کسی عورت کو اُس کے شوہر سے بگاڑ دے وُہ ہمارے گروہ سے نہیں۔ (اس کو ابو داؤد، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ایسے ہی احمد، ابن حبان، بزاز اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور ابویعلٰی اور طبرانی نے اپنی اوسط میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] الدرالمختار | باب الولی | مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۳

[2] سنن ابو داؤد | اول کتاب الطلاق | آفتاب عالم پریس، لاہور | ۱/۲۹۶

والصغیر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

نیز طبرانی نے اوسط اور صغیر میں اس کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۳۱۲ ۱۶ رجب ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی ایک لڑکی نابالغہ کہ جس کی عمر گیارہ برس کی ہے اور اُس کی ماں مرچکی ہے اور باپ اُس کا گوالیار میں نوکر ہے، نانا اُس لڑکی کا باپ کی غیبت میں لڑکی کو اپنے یہاں لے گیا اور بلا مشورہ باپ کے اُس کا نکاح ایک رافضی سے کردینا چاہتا ہے، جب باپ کو اطلاع ہُوئی آیا اور نانا کو ممانعت کی کہ میں ایسی تقریب ہرگز روا نہیں رکھتا بلکہ اس مضمون کا اُس نے نوٹس بھی دے دیا ہے مگر وہ اپنے ارادہ سے باز نہیں رہتا ہے لڑکی کو روک رکھا ہے اور لڑکی اور اس کا باپ سب سُنّی ہیں اس صورت میں اگر نانا اُس نابالغہ کا نکاح باوجود ممانعتِ پدر کے اُس رافضی سے کردے گا تو صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور نانا کو لڑکی کے اپنے پاس بٹھار کھنے اور باپ سے روکنے کا اختیار ہے یا نہیں؟

الجواب

باپ کے ہوتے نانا کوئی چیز نہیں، نہ بے اس کی اجازت کے وُہ نکاح کردینے کا مختار، یہاں تک کہ اگر نانا بے اجازتِ پدر اُس نابالغہ کا کسی سُنّی سے نکاح کردے گا اور باپ روا نہ رکھے گا تو وُہ نکاح باطل ہے نہ کہ رافضی کہ آج کل عموماً مرتدین ہیں اور ان سے سُنّیہ عورت کا نکاح اصلاً صحیح نہیں، علاوہ بریں اس قدر میں تو شک نہیں کہ رافضی سُنّیہ بنت سنّی کا کفو نہیں ہوسکتا اور غیر کفو سے جو نکاح باپ دادا کے سوا دُوسرا کردے گا ہرگز صحیح نہ ہوگا، نہ کہ باپ کی صریح ممانعت کی حالت میں یہ نکاح کیا جائے، یہ کیونکر وجہ صحت رکھے گا، پس یقیناً یہ نانا کا محض ظلم ہے، اگر وُہ ایسا کرے گا تو ہرگز نکاح نافذ نہ ہوگا بلکہ باطل ہوگا اور لڑکی نو برس کی عمر سے باپ ہی کے پاس رہے گی، اگر ماں ہوتی تو وُہ بھی نو برس کے بعد اپنے پاس نہ رکھ سکتی نہ کہ نانا، یہ سب ظلم و تعدی ہے۔

تنویر الابصار میں ہے:

الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ بلا توسط انثٰی علی ترتیب الارث والحجب[1]۔

نکاح کا ولی عصبہ بنفسہٖ یعنی وُہ مرد شخص جس کی نسبت میں عورت کا واسطہ نہ ہو، یہ ولی وراثت کی ترتیب اور ایک دوسرے کے لئے مانع ہونے کی ترتیب ہوں گے۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

درمختار میں ہے :

لو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ[1]

اگر قریب ولی کی موجودگی میں بعید ولی نے نکاح کردیا تو وُہ نکاح قریب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ (ت)

اُسی میں ہے :

ان کان المزوج غیرھما ای الاب وابیہ ولو الام لایصح من غیر کفو اصلا[2] (ملخصًا)

اگر باپ اور دادا کے غیر نے خواہ والدہ ہی ہو نکاح کیا تو غیر کفو میں بالکل جائز نہ ہوگا (ملخصًا)۔ (ت)

اُسی میں ہے :

لیس فاسق کفوا الصالحۃ اوفاسقۃ بنت صالح نہر[3] انتہی ملخصا۔

صالحہ لڑکی یا صالح مرد کی فاسقہ لڑکی کے لئے فاسق شخص کفو نہیں ہے، نہر اھ ملخصًا (ت)

ردالمحتار میں ہے :

قولہ اصلا ای لا لازما ولا موقوفا علی الرضا بعد البلوغ[4]

اس کا قول اصلاً یعنی وُہ نکاح نہ لازم اور نہ موقوف ہوتا ہے کہ بلوغ کے بعد رضا پر صحیح ہوجائے۔ (ت)

درمختار میں ہے :

الام والجدۃ احق بہا حتی تشتھی وقدر بتسع وبہ یفتی[5] (ملخصا)

والدہ اور دادی/نانی لڑکی کو پرورش میں لینے کی زیادہ حقدار ہیں یہ حق لڑکی کے بلوغ تک ہے اور بعض نے نوسال تک کہا یہی مفتی بہ ہے (ملخصًا)۔ (ت)

مسئلہ ۳۱۳ یکم شعبان ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ باکرہ تھی اُس کے ولی نے اپنی اجازت سے اُس کا نکاح زید کے ساتھ کردیا، ہندہ کو معلوم تھا کہ میرا نکاح زید کے ساتھ ہوگا لیکن اُس نے خاص اجازت اپنی زبان سے نہیں دی اور نہ انکار کیا، اس صورت میں ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ جائز ہوگیا

---

[1] درمختار | باب الولی | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۴
[2] " | " | " " " | ۱/۱۹۲
[3] " | باب الکفاءۃ | " " " | ۱/۱۹۵
[4] ردالمحتار | باب فی الولی | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۳۰۵
[5] درمختار | باب الحضانۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۶۵

یا نہیں؛ اگر نہیں ہُوا تو ولی اور نکاح پڑھانیوالے پر کیا کفارہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اصل یہ ہے کہ زنِ بالغہ پر کسی کی ولایت جبریہ نہیں اور اس سے پیش از نکاح اذن لینا مسنون ہے اگر بے اذن لئے نکاح کیا جائے تو وہ نکاح نکاحِ فضولی ہے کہ اجازتِ زن پر موقوف رہے گا، اگر جائز رکھے جائز ہو جائے اور رد کردے تو باطل، مگر زنِ دوشیزہ کا سکوت بھی اذن ہوتا ہے جبکہ خود ولی اقرب یا اس کا وکیل یا فرستادہ نکاح کرنے کا اُس سے اذن لے بشرطیکہ جس کے ساتھ نکاح کا اذن لیا گیا عورت اسے پہچانتی بھی ہو اور بغیر استیذان ولی کے بعد اس جاننے پر کہ میرا نکاح فلاں کے ساتھ کیا جائے گا خاموش رہنا اذن نہیں کہ اذن وعلم میں زمین وآسمان کا فرق ہے یہاں تک کہ اگر ولی اقرب کے ہوتے ولی ابعد اذن لے اور دوشیزہ سکوت کرے تاہم یہ سکوت اذن نہ ٹھہرے گا، تو جہاں اصلاً استیذان نہ ہو مجرد واقفیت پر خاموشی کیونکر اذن ہو سکتی ہے۔ درمختار میں ہے:

لاتجبر البالغة البکر علی النکاح لانقطاع الولایۃ بالبلوغ فان استاذنھا ھو ای الولی وھو السنۃ او وکیلہ او رسولہ فسکتت عن رد مختارۃ فھو اذن ای توکیل ان علمت بالزوج لظھور الرغبۃ فیہ اوعنہ ولو فی ضمن العام کجیرانی او بنی عمی لو یحصون والا لا فان استاذنھا غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرۃ بسکوتھا[1] اھ ملخصا وفی ردالمحتار عن البحر عن المحیطات زوجھا بغیر استئمار فقد اخطأ السنۃ وتوقف علی

باکرہ بالغہ کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کے بالغ ہوجانے پر اس پر کسی کی ولایت نہیں رہی، تو اگر اس سے اس کا ولی اجازت طلب کرے اور یہ سنت ہے یا ولی کا وکیل یا اس کا قاصد اجازت طلب کرے اور لڑکی اپنے اختیار کے باوجود خاموش رہے تو یہ وکالت کی منظوری تصور ہوگی بشرطیکہ اس کے ہونے والے خاوند کا اس کو علم ہوتا کہ پسند یا ناپسند کرسکے، خاوند کا علم شخصی طور پر ضروری نہیں عمومی طور پر بھی مثلاً یہ کہ پڑوسی ہے یا چچازادوں میں سے ہے کافی ہے، جن کو وہ جانتی ہو، اگر خاوند کا علم بالکل نہ ہو سکے تو پھر یہ سکوت رضامندی نہ قرار پائیگا اگر ولی اقرب کی بجائے ولی بعید یا اجنبی نے بالغہ سے اجازت طلب کی تو اس وقت سکوت کو اجازت نہ قرار دیا جائے گا اھ ملخصاً۔ ردالمحتار میں بحر اور اس

---

[1] درمختار باب فی الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲-۱۹۱

رضاها[1] اھ وفیہ (قولہ لایحصوف)

عبارۃ الفتح وھم محصورون معروفون لھا[2] اھ۔

میں محیط کے حوالہ سے کہ اگر ولی نے بالغہ کے مشورہ اور اجازت کے بغیر نکاح کردیا تو لڑکی کی رضامندی پر موقوف ہوگا اھ اور اس میں یہ بھی ہے کہ درمختار کا قول "لویحصون" کا مطلب فتح کی عبارت میں یہ ہے کہ لڑکی کے ہاں معروف ومحدود ہوں اھ۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں اگر ولی اقرب نے بروجہ مذکور ہندہ سے اذن لیا اور اس نے سکوت کیا تھا جب تو یہ نکاح خود ہی جائز و نافذ ہُوا کہ کنواریوں کا زبان سے صراحۃً اذن دینا ضرور نہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واذنھا صماتھا[3]۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا کہ لڑکی کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔ (ت)

ورنہ نکاح فضولی ہُوا کہ قولاً یا فعلاً رد کردے تو رد ہوجائے اور قولاً یا فعلاً یا سکوتاً اجازت دے تو جائز ہوجائے **ردِ قولی** یہ کہ خبر نکاح سُن کر صاف کہے میں نے رد کیا یا مجھے منظور نہیں یا میں نکاح کرنا ہی نہیں چاہتی یا اور کوئی کلمہ ان کے مثل اور **ردِ فعلی** یہ کہ مثلاً ہاتھ ہلادے کہ میں راضی نہیں یا اور کوئی حرکت ایسی کرے جس سے اس نکاح سے حقیقۃً نفرت و ناراضی ظاہر ہو اور **اجازتِ قولی** یہ کہ میں راضی ہوئی یا مجھے پسند ہے یا خدا مبارک کرے یا بہتر ہوا، یا اس کی مثل اور الفاظ اور **اجازتِ فعلی** مثلاً بلاجبر واکراہ شوہر کے یہاں رخصت ہوکر جانا یا خلوت میں اپنے پاس اُسے آنے دینا یا اُس سے مہر یا نفقہ طلب کرنا یا اور کوئی فعل کہ دلیل رضامندی ہو، اور **اجازت سکوتی** یہ کہ خود ولی یا اس کا رسول یا ایک ثقہ پرہیزگار یعنی جس کی عدالت وثاقت معلوم ہو یا دو مستور الحال یعنی جن کا کوئی فسق نہ معلوم ہو نکاح ہوجانے کی عورت کو خبر دیں اور وُہ شوہر کو پہچانتی ہو اور غیر اَب و جَد نے نکاح کیا ہو تو مہر میں کمی فاحش نہ کی ہو اور شوہر اس کا کفو بھی ہو یعنی اُس کے دین یا نسب یا پیشہ وغیرہا میں کوئی بات ایسی نہ ہو جس کے باعث اُس سے نکاح اس کے اولیاء کے حق میں عار ہو اس صورت میں عورت خبر سُن کر خاموش رہے تو یہ خاموشی بھی اجازت تصور کی جائے گی۔ غرض یہ پانچ صُورتیں ہیں دوؔ رد کی کہ ان کے وقوع سے نکاح باطل ہوجائے گا اور تینؔ اجازت کی کہ اُن کے وقوع سے نفاذ پائے گا، اور جب تک ان پانچ میں سے کوئی صورت واقع نہ ہو بدستور

---

[1] ردالمحتار باب فی الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۹۹-۲۹۸

[2] " " " " ۲/۳۰۰

[3] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۱۰۷۴۶ ۱۰/۳۷۲

موقوف رہے گا جب تک کہ ان میں سے ایک واقع ہو مثلاً ہنوز عورت کو نکاح کی خبر ہی نہ ہوئی یا خبر دو اجنبی فاسق یا ایک اجنبی مستور الحال نے دی اور عورت خاموش رہی یا خود ولی خواہ اس کے فرستادہ نے اطلاع دی، مگر عورت شوہر کو نہ پہچانتی تھی یا پہچانتی تھی مگر جس کے آب دینے سے ہوا اور ولی نے نکاح کر دیا وہ کفو نہ تھا یا مہر مثل سے کمی فاحش کی تھی، تو ان سب صورتوں میں یہ خاموشی نہ اجازت ہوگی نہ رد، بلکہ عورت کو اختیار رہے گا چاہے جائز کر دے خواہ باطل۔

اتقن ھذا التحریر فانك لاتجدہ بھذا التحبیر فی غیر ھذا التقریر والحمد للّٰہ الھادی القدیر۔

اس تقریر کو محفوظ کر لو کہ اس مہارت سے کسی دوسری تقریر میں نہ پاؤ گے، تمام محامد اللہ تعالٰی ہادی اکمل کے لئے ہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لو بلغھا فردت ثم قالت رضیت لم یجز لبطلانہ بالرد ولذا استحسنوا التجدید عند الزفاف لان الغالب اظھار النفرۃ عند فجأۃ السماع[1] اھ قال ط ای فیحتمل انھا نفرت من النکاح عند اعلامھا بہ فیبطل العقد ولا یلحقہ الرضا[2] اھ قلت فاذا تبین ذلك کان ردا محققا کما لا یخفی وفی الدر ایضا زوجھا ولیھا واخبرھا رسولہ او فضولی عدل فسکتت فھو

اگر لڑکی کو نکاح کی خبر پہنچی تو اسے رد کر دیا پھر کہتی ہے میں راضی ہوں تو اس سے وہ نکاح جائز نہ ہوگا کیونکہ رد کر دینے پر وہ باطل ہو چکا ہے، اسی وجہ سے فقہائے نے فرمایا کہ (جب لڑکی سے پہلے اجازت لئے بغیر نکاح کیا ہو جس کو وہ بعد میں جائز قرار دے) ایسی صورت میں بہتر ہے کہ زفاف کے وقت نکاح کی تجدید کر لی جائے کیونکہ عام طور پر ایسی صورت میں اچانک نکاح کے متعلق سن کر لڑکی نفرت کا اظہار کر دیتی ہے اھ طحطاوی نے فرمایا کہ اس احتمال کی بنا پر کہ نکاح کی خبر پا کر لڑکی نے بطور نفرت رد کر دیا ہو تو نکاح باطل ہو جائے گا جو بعد میں اظہار رضا مندی سے جائز نہ ہوگا اھ قلت، اگر یہ بات ثابت ہو جائے تو پھر یقینی طور وہ نکاح مردود ہوگا جیسا کہ واضح ہے،

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار باب الولی دار المعرفۃ بیروت ۲/۲۹

اذن ای اجازة ان علمت بالزوج[1] اھ (ملخصا) قال الشامی الشرط فی الفضولی العدالة او العدد فیکفی اخبار واحد عدل او مستورین[2] الخ قال فی الدر فان استأذنها غیر الاقرب فلا بد من القول کالثیب او ماھو فی معناہ من فعل یدل علی الرضا کطلب مھرھا و نفقتھا ودخولہ بھا برضاھا و قبول التھنیة ونحو ذٰلک[3] اھ ملخصا، وفی ردالمحتار عن البحر عن الظھیریة لو خلا بھا برضاھا عندی ان ھذا اجازة اھ وفی البزازیة الظاھر انہ اجازة[4] اھ **قلت** وتمام الکلام علی الافعال التی تدل علی الرضا فی فتاوٰنا ثم فی الشامیة فی البحر اختلف

اور دُر میں یہ بھی ہے کہ ولی نے لڑکی کا نکاح کیا جس کی اطلاع ولی کے قاصد یا کسی اجنبی عادل شخص نے لڑکی کو دی تو لڑکی نے خاموشی اختیار کی تو یہ اجازت ہوگی بشرطیکہ اس کو خاوند کا علم ہوچکا ہو اھ شامی نے کہا کہ فضولی کی خبر میں عدالت یا عدد (دو) ہونا شرط ہے اس لئے ایک عادل یا دو مستور الحال حضرات کافی ہیں۔ دُر میں فرمایا کہ بالغہ لڑکی سے ولی اقرب کے غیر نے اجازت طلب کی ہو تو ضروری ہے کہ لڑکی قولی یا فعلی طور پر جواب دے جس سے اس کی رضا معلوم ہوسکے، مثلاً مہر طلب کرے یا نفقہ طلب کرے یا مبارکباد قبول کرے یا خاوند کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دے وغیرہ، جیسا کہ ثیبہ یا اس جیسی عورت کے لئے ضروری ہوتا ہے اھ ملخصاً۔ ردالمحتار میں بحر کے حوالے سے ظہیریہ سے منقول ہے اگر لڑکی نے رضامندی سے خاوند کے ساتھ خلوت کرلی تو میرے نزدیک یہ اجازت ہے اھ، اور بزازیہ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ اجازت ہے۔ **قلت**: ان تمام افعال جو رضامندی پر دلالت کرتے ہیں، کو ہم نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے، پھر شامی میں ہے کہ بحر میں ہے اگر ولی نے بالغہ

---

[1] درمختار	باب الولی	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۱۹۱
[2] ردالمحتار	"	داراحیاء التراث العربی بیروت	۲/۲۹۹
[3] درمختار	"	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۱۹۲
[4] ردالمحتار	"	داراحیاء التراث العربی بیروت	۲/۳۰۱

فیما اذا زوجہا غیر کفؤ فبلغہا فسکتت فقال لایکون رضا وقیل فی قول ابی حنیفۃ یکون رضاان کان المزوج ابا او جدا وان کان غیرہما فلا کما فی الخانیۃ اخذا من مسئلۃ الصغیرۃ المزوجۃ من غیر کفؤ اھ قال فی النہر وجزم فی الدرایۃ بالاول بلفظ قالوا[1] اھ مافی الشامی قلت وقدمہ فی الخانیۃ وھو لا یقدم الا الاظہر الاشہر لکن قالوا یؤتی بہ للتبری وقد علل فی الخانیۃ للقول الثانی بتعلیل جلیل والتعلیل دلیل التعویل ونص فی المحیط والمبسوط وجامع قاضی خاں ثم الکافی شرح الھدایۃ ثم الشلبی علی التبیین انہ قول الامام وقد صحح فی الکفایۃ والکافی والدرایۃ والدرر التفرقۃ بین الاب والجد وغیرہما بناء علی مذہب الامام رضی اللہ تعالٰی۔

عاقلہ کو غیر کفؤ میں نکاح کردیا تو اس وقت اجازت طلب کرنے پر یا معلوم ہونے پر لڑکی خاموش رہے تو کیا یہ اجازت ہوگی یا نہیں، اس میں اختلاف ہے۔ بحر نے کہا کہ رضا نہ ہوگی۔ بعض نے کہا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ایک قول کے مطابق اگر نکاح کرنے والا ولی باپ یا دادا ہو تو سکوت اجازت قرار پائیگی ورنہ نہیں، جیسا کہ خانیہ میں اس مسئلہ کو نابالغہ کو غیر کفؤ میں نکاح کردینے کے مسئلہ سے اخذ کیا ہے اھ نہر میں کہا کہ درایہ میں اس پر "قالوا" کے لفظ کہہ کر پہلے قول پر جزم کیا ہے۔ شامی کی عبارت ختم ہوئی۔ قلت: خانیہ میں اس کو مقدم ذکر کیا ہے اور وُہ زیادہ ظاہر اور مشہور قول کو مقدم ذکر کرتے ہیں لیکن علماء نے فرمایا کہ یہاں خانیہ کا اس کو مقدم ذکر کرنا اس سے فراغت کے طور پر ہے ورنہ اُنھوں نے دوسرے قول کی مضبوط دلیل ذکر کی ہے جبکہ دلیل کو ذکر کرنا اعتماد کی دلیل ہے۔ محیط، مبسوط، جامع قاضی خاں پھر کافی شرح ہدایہ میں پھر تبیین کے حاشیہ شلبی میں اس کو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول بتایا ہے، اور کفایہ، کافی، درایہ، دُرر میں اس دوسرے قول کی تصحیح کی گئی ہے کیونکہ امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں باپ دادا اور غیر کے اقدام میں فرق ہے۔ (ت)

اور بے اذن لیے ولی کا نکاح کردینا اگرچہ خلافِ سنّت ہے مگر گناہ نہیں، یُوں ہی نکاح پڑھانے والے پر کوئی الزام نہیں کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۳۱۴: ۷ صفر ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ نکاح لڑکی نابالغ کا جس کی عمر قریب

---

[1] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۹

تین سال کے ہے، ساتھ عمرو نابالغ کے جس کی عمر قریب چار سال کے ہے بولایتِ مادر لڑکی کے جائز ہے یا نہیں؟ درحالیکہ باپ کے چار پانچ پشت کے لوگ چچا تاؤ وغیرہ موجود ہوں، اور اب بعد بالغ ہونے کے وُہ لڑکی اُس نکاح سے ناراض بھی ہے۔

الجواب

اگر وُہ لڑکا جس سے اس نابالغہ کا نکاح ہُوا اس کا کفو نہ تھا یعنی قوم و روش و مذہب وغیرہا امور معتبرہ سے کسی بات میں بہ نسبت دختر ایسا نقص رکھتا تھا کہ اس دختر کا اُس کے نکاح میں دیا جانا اولیائے دختر کے لئے باعثِ ننگ وعار ہو تو وُہ نکاح سرے سے باطل واقع ہُوا۔ یُونہی اگر دختر کے مہرِ مثل میں کمی فاحش کر دی گئی مثلاً مہرِ مثل پچاس ہزار تھا اس نکاح میں پچیس ہزار بندھا تو بھی نکاح باطل محض ہُوا، ان دونوں صُورتوں میں بعد بلوغ اگر خود اجازت دے اور نکاح نہ صرف ماں بلکہ اُن سب اولیا نے مل کر کیا ہو جب بھی صحیح نہیں ہو سکتا کہ نابالغہ کے ایسے نکاح کرنے کا باپ یا دادا کے سوا کسی کو اختیار نہیں۔ درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیر الاب وابیہ ولو الام والقاضی لایصح النکاح من غیر کفؤ او بغبن فاحش اصلاً (ملخصاً)۔[1]

اگر غیر باپ اور دادا نے غیر کفو یا مہر میں فحش کمی کے ساتھ نکاح کیا تو بالکل نکاح ناجائز ہوگا خواہ وُہ غیر والدہ ہو یا قاضی ہو۔ (ملخصاً) (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی فتح القدیر لوکبرت واجازت لایصح لانہ لم یکن عقدا موقوفا اذ لامجیز لہ۔[2]

فتح القدیر میں ہے کہ اگر وُہ نابالغ لڑکی بالغ ہو اس غیر کے نکاح مذکورہ کو جائز بھی کر دے تو جائز نہ ہو گا کیونکہ وُہ نکاح کی اجازت دینے والے کی اجازت پر موقوف نہ تھا۔ (ت)

اور اگر نہ لڑکا ایسا تھا نہ مہرِ مثل میں اس طرح کی کمی تو صحیح ہو گیا مگر از انجا کہ یک جدی مردوں میں سے جب تک کوئی موجود ہو ماں کو ولایتِ نکاح نہیں ہوتی بلکہ ان میں جو درباب وراثت مقدم ہو وہی ولی ہوتا ہے فی الدرالمختار الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ علی ترتیب الارث والحجب فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام۔[3]

درمختار میں ہے نکاح کا ولی وراثت کے استحقاق وحجب کی ترتیب پر عصبات ہیں، اور اگر عصبہ بنفسہٖ نہ ہو تو پھر والدہ کو ولایت ہوگی۔ (ت)

---

[1] درمختار | باب الولی | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۹۲

[2] ردالمحتار | باب الولی | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/ ۳۰۵

[3] درمختار | ؍؍ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۹۳

لہذا یہ نکاح اُس ولی کی بے اجازت صرف ماں نے کر دیا تو نکاح فضولی ہُوا اور اجازتِ ولی پر موقوف رہا،
اگر اُس نے خبر سُن کر رد کر دیا مثلاً کہا میں اس نکاح کو جائز نہیں رکھتا یا رَد کرتا ہُوں یا میں راضی نہیں یا اس کے مثل
اور الفاظ، تو رَد ہو گیا۔ اب دختر کی رضامندی و ناراضی کا بھی اعتبار نہیں کہ سرے سے نکاح باقی ہی نہ رہا' اور
اگر ابتداءً باجازتِ ولی واقع ہُوا یا تزویجِ مادر کے بعد ولی نے اجازت دے دی تھی مثلاً کہا بہتر ہُوا یا میں نے پسند
کیا یا مجھے منظور یا ان کے مانند اور کلمات، تو نکاح نافذ ہو گیا۔

فی الدر المختار لو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ[1]

درمختار میں ہے اگر بعید ولی نے اقرب ولی کے ہوتے ہُوئے نکاح کر دیا تو یہ نکاح ولیِ اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ (ت)

پھر بھی ازانجا کہ مزوج غیرِ اَب و جَد اور دختر دوشیزہ ہے اُسے اتنا اختیار دیا جائے گا کہ پہلے سے نکاح کی خبر
رکھتی ہو تو اپنے بالغ ہوتے ہی اور بعد بلوغ اطلاع پائے تو خبر سُنتے ہی فوراً بے وقفہ کہہ سکتی ہے کہ میں اس نکاح
سے راضی نہیں یا میں نے اُسے فسخ کر دیا مجھے ناپسند ہے یا اس کے مثل اور کوئی امر کہ دلیل ناراضی ہو۔ پس اگر
بلوغ یا اطلاع پر فی الفور اس نے یہ ناراضی ظاہر کی تو اُسے اجازت دی جائے گی کہ قاضی کے حضور دعوٰی
کر کے نکاح فسخ کرا لے، اور اگر ایک لمحہ بھی بے عذر سکوت کیا یا کسی دُوسرے کام یا کلام میں مشغول ہُوئی تو اب
وُہ نکاح لازم ہو گیا، اس کے بعد اظہارِ ناراضی کچھ بکار آمد نہیں۔ درمختار میں ہے:

وان کان من کفؤ وبمہر المثل صح ولکن لہما ای لصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ بشرط القضاء للفسخ وبطل خیار البکر بالسکوت لو مختارۃ عالمۃ بالنکاح ولا یمتد الی اٰخر المجلس[2] (ملخصا)

اگر کفو اور مہرِ مثل کے ساتھ نکاح کیا تو صحیح ہے لیکن نابالغ لڑکے اور لڑکی کو بلوغ پر یا بلوغ کے بعد بعلمِ نکاح ہو فسخ کا اختیار ہوگا لیکن فسخ قاضی کے حکم سے ہوگا، اگر باکرہ بالغہ اپنے نکاح کا علم ہونے پر خاموش رہی تو اس کو فسخ کا اختیار نہ رہیگا اور نکاح کے علم والی مجلس کے آخر تک یہ اختیار باقی نہ رہے گا (ملخصاً)۔ (ت)

اور اگر وُہ نکاح نہ ابتداءً اجازتِ ولی سے ہُوا نہ زمانۂ نابالغیِ دختر میں ولی نے اجازت دی نہ رَد کیا بلکہ اسے خبر

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴
[2] ” ” ” ۱/۱۹۳-۱۹۲

ہی نہ ہُوئی یا بعد خبر سکوتِ محض کیا یہاں تک کہ دختر بالغہ ہُوئی تو اب وُہ خود اجازتِ دختر پر موقوف ہوا، پس اگر دختر نے اس اظہارِ ناراضی سے پہلے بعد بلوغ کوئی کلمۂ اجازت کہا یا دلالۃً اُس کے کسی فعل یا حال سے رضامندی ثابت ہُوئی تھی، مثلاً بالغ ہوتے پر شوہر کے پاس گئی یا اس سے کوئی برتاؤ زن وشوئی کا کیا یا کسی نے فلاں کی دُلہن کہہ کر پکارا اُس نے جواب دیا تو نکاح لازم ہوگیا اب ناراضی محض بے سُود ہے اور اگر ہنوز قول یا فعل یا حال سے رضا ثابت نہ ہونے پائی تھی کہ اُس نے ایسی ناراضی ظاہر کی جس سے رَدِ نکاح مفہوم ہُوا تو بے شک نکاح باطل ہوگیا۔

فی فتح القدیر یتوقف علی اجازۃ الولی فی حالۃ الصغر فلو بلغ قبل ان یخبرہ الولی فاجازہ بنفسہ نفذ لانہا کانت متوقفۃ ولا ینفذ بمجرد بلوغہ[1]

فتح القدیر میں ہے نابالغ کے نکاح کا جواز ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اور اگر ولی کی طرف سے اطلاع سے قبل خود بالغ ہوگیا اور اس نے اپنے نکاح کو جائز کر دیا تو جائز اور نافذ ہوجائے گا کیونکہ یہ اجازت پر موقوف تھا اور اجازت کے بغیر محض بلوغ سے نافذ نہ ہوگا۔(ت)

مستفتی ان سب صورتوں کو سمجھ کر جو صورت واقعہ ہو اس کے حکم پر عمل کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱۵: از رائے پور علاقہ بے پور ڈاکخانہ ہنڈون مرسلہ منشی محمد فرزند حسن صاحب ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک طوائف قوم مسلمان نے جس کی عمر تخمیناً ۲۸ یا ۲۹ سال ہوگی زناکاری سے توبہ کرکے ایک شریف مسلمان سے اپنا نکاح کرلیا، اب اس کی نائکہ کہتی ہے کہ میں ولی ہُوں بے میری اجازت کے نکاح جائز نہیں۔ اور زید کہتا ہے کہ طوائف خود فعل مختار بالغہ ہے تیری اجازت کی حاجت نہیں، اور ولی واسطے ہدایت کارِ نیک کے ہوتا ہے زنا کے لئے ولی نہیں، نابالغ کا ولی بھی فعلِ بد کرانے کا مختار نہیں، ایسی ولایت شرعاً باطل ہے نائکہ کسی طرح ولی نہیں ہوسکتی، جو لونڈی اس نے حرام کی کمائی سے حرام کاری کے لئے خریدی وُہ شرعاً لونڈی نہیں ہوسکتی بلکہ جو شرعاً ایسی ولایت کا دعوٰی کرے وُہ قابلِ سزا ہے۔ پس صحیح قول زید کا ہے یا نائکہ کا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

قول زید کا صحیح ہے اور نائکہ کا محض دعوٰی باطل و قبیح۔ ہندوستان میں جو بعض خدا ناترس محتاج اپنی اولاد قحط وغیرہ میں بیچ ڈالتے ہیں شرعاً یہ بیع کسی حالت میں جائز نہیں بلکہ باطل محض مہمل وبے معنی ہے وہ ہرگز لونڈی

---

[1] فتح القدیر فصل فی الوکالۃ بالنکاح مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۹۸

غلام نہیں ہوسکتی، نہ خریدنے والا ان کا مالک ہوسکتا ہے نہ کسی وجہ سے استحقاق اُن میں رکھتا ہے کہ حُر کی بیع محض باطل ہے۔ ہدایہ میں ہے:

بیع المیتة والدم والحر باطل لانھا لیست اموالا فلاتکون محلا للبیع[1]

مردار، خون اور آزاد کی خرید و فروخت باطل ہے کیونکہ یہ چیزیں مال نہیں ہیں اس لئے یہ بیع کا محل نہیں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

الباطل لایفید ملك التصرف[2]

بیع باطل ملک تصرف کا فائدہ نہیں دیتی (ت)

اور جبکہ وہ عورت بالغہ ہے تو اپنی جان کا آپ اختیار رکھتی ہے نکاح کہ اس نے بہ ہدایتِ الٰہی زنا سے تائب ہوکر ایک شریف مسلمان سے کرلیا قطعاً صحیح و لازم ہے جو کسی کے روکے رد نہیں ہوسکتا۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

فنفذ نکاح حرة مکلفة بلا ولی[3]

حرہ عاقلہ بالغہ کا ولی کے بغیر اپنا نکاح صحیح ہے (ت)

اسی میں ہے:

سئل شیخ الاسلام عطاء بن حمزة عن امرأة شافعیة بکر بالغة زوجت نفسھا من حنفی بغیر اذن ابیھا والاب لایرضی وردہ ھل یصح ھذا النکاح قال نعم[4]

شیخ الاسلام عطاء بن حمزہ سے ایک باکرہ بالغہ شافعی عورت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اس نے اپنا نکاح بغیر ولی ایک حنفی مرد سے خود کیا، والد کی اجازت اور مرضی نہ تھی، اور والد نے اس کے نکاح کو رد کردیا، تو یہ نکاح صحیح ہوگا؟ تو اُنھوں نے جواب فرمایا: ہاں صحیح ہے۔ (ت)

جب خود باپ کی نسبت یہ حکم ہے تو نائکہ کا دعوٰی کیا قابلِ التفات ہوسکتا ہے، یہ محض جہل نا سزا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۶: از پیلی بھیت محلہ ملک احمد خاں مرسلہ حافظ بشیر احمد خاں صاحب ۵ ارجب ۱۳۱۰ھ

جناب عالی! گزارش یہ ہے کہ ایک لڑکی کا نکاح نابالغی میں باپ کی ولایت سے ہوا اب وہ لڑکی

[1] ہدایہ باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۵۳
[2] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″
[3] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۷
[4] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

بالغ ہُوئی وُہ اپنے باپ کے فعل کو ناپسند کرتی ہے، باپ کی ولایت سے نکاح جائز ہے یا ناجائز ہے؟ فقط۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں حق جواب یہ ہے کہ باپ نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح جس شخص سے کیا اگر وہ کفوٗ یعنی دین و نسب و پیشہ و مال وغیرہ میں کوئی امر ایسا نہیں رکھتا کہ اس سے تزویج باعثِ عار ہو نہ دختر کے مہرمثل میں کمی فاحش کی تو وُہ نکاح مطلقاً صحیح و نافذ و لازم ہے اگرچہ دختر ناپسند کرے اگرچہ باپ اس سے پہلے معروف بسوئے اختیار ہو کہ اس نکاح میں اس کا حُسنِ اختیار ظاہر تو پہلے کے سوءِ اختیار اس کی صحت میں مخل نہیں ہو سکتے، یُوں ہی اگر باپ وقت تزویج نشہ میں نہ تھا نہ اس سے پیشتر اپنی کسی قاصرہ کا نکاح غیر کفو سے یا مہرمثل میں کمی فاحش پر کرکے معروف بسوءِ اختیار ہو چکا تو بھی یہ نکاح صحیح و لازم ہے اگرچہ غیر کفو سے ہوا گرچہ مہرمثل میں کمی فاحش کی ہو، ہاں اگر دونوں امر مجتمع ہیں یعنی اس نکاح میں کفاءت بمعنی مذکور نہیں یا مہر میں کمی فاحش ہے اور ہنگام تزویج نشہ میں یا پہلے سے معروف بسوءِ اختیار تھا تو اس صورت میں نابالغہ کا نکاح اگرچہ بولایت پدری ہے اصلاً صحیح نہیں۔

درمختار میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

وکذا لوکان سکران فزوجہا من فاسق او شریر اوفقیر اوذی حرفۃ دنیۃ لظہور سوء اختیارہ فلا تعارضہ شفقتہ المظنونۃ، بحر[1]

اور ایسے ہی اگر ولی نے نشہ کی حالت میں فاسق یا شریر یا فقیر سے یا باعثِ ہتک کام والے سے نکاح کردے کیونکہ اس صورت میں اس ولی کا اپنے اختیار کو غلط استعمال کرنا ثابت ہو چکا ہے اس کے مقابلہ میں اس کی شفقت جو کہ ظنی ہے معارض نہیں بن سکتی۔ بحر۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قلت ویقتضی التعلیل ان السکران او المعروف بسوء الاختیار لو زوجہا من کفؤ بمہر المثل صح لعدم الضرر المحض (الی قولہ) وھذا مفقود فی السکران وسیئ الاختیار اذا خالف لظہور عدم رایہ و سوء اختیارہ

میں کہتا ہوں کہ یہ عبارت تفصیل کو چاہتی ہے کہ اگر نشے والا یا غلط اختیار کی شہرت والا اگر لڑکی کا نکاح کفو میں اور مہرمثل کے ساتھ کرے تو یہ نکاح صحیح ہے کیونکہ اس میں لڑکی کے لئے کوئی ضرر نہیں ہے (ان کا کلام یہاں تک ہوا) کہ عدم ضرر کی صورت اس نشے والے اور غلط اختیار والے

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

فی ذلک انتھی[1] واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

جنھوں نے غیر کفو میں نکاح کیا ہے میں نہیں پائی جاتی کیونکہ نشے والے کی رائے ظاہر نہ ہوئی اور دوسرے کا غلط اختیار اس معاملہ میں ظاہر ہو چکا ہے انتہی۔ (ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱۷: از پیلی بھیت الیضاً

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر ہندہ نابالغہ کا نکاح عمرو سے اُس حالت میں کہ اوضاع واطوار عمرو موصوف کے درست تھے اپنی ولایت سے کردیا، جب ہندہ مذکورہ رخصت کے زمانہ تک خود بلوغ کو پہنچی تو اس نے اپنے شوہر عمرو کو محرمات وممنوعاتِ شرعیہ کا مرتکب اور مامورات ومشروعات کا محترز پاکر اپنے باپ زید کے فعل کو قبیح سمجھا اس تزویج کو ناجائز رکھا، پس صورتِ مسئولہ میں ہندہ کا عمرو سے عقد منعقد رہا یا فسخ ہوا؟ بینوا توجروا

الجواب

جب ہنگام تزویج عمرو میں کوئی امر ان بداطواریوں سے نہ تھا بلکہ یہ باتیں اس نے بعد میں اختیار کیں تو عدمِ کفایت بعد نکاح حادث ہوئی اور ایسی عدم کفائت اصلاً مانع صحت نکاح نہیں خصوصاً تزویج پدر میں کہ آئندہ کا علم بندہ کی قدرت سے باہر ہے ولا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا[2] (اللہ تعالٰی کسی کو وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ ت) پس اس بناء پر ہندہ کا اُس نکاح کو جائز رکھنا اصلاً قابلِ سماعت نہیں۔ درمختار میں ہے:

والکفاءۃ اعتبارھا عند ابتداء العقد فلایضر زوالھا بعدہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ابتداءِ نکاح کے وقت کفوء کا اعتبار ہوتا ہے لہٰذا بعد میں کفو کا زوال مضر نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۱۸: ۲۳ رجب ۱۳۱۰ھ

بالغہ کا نکاح باپ خود کسی کفو سے کرے استیذان بالغہ ضرور ہے یا نہیں؟ نہیں تو مستحب ومسنون یا مباح یا کوئی حاجت نہیں؟

---

[1] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۵

[2] القرآن ۲/ ۲۸۶

[3] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۵

الجواب

بالغہ پر ولایت نہیں، استیذان نفاذ نکاح کے لئے ضرور ہے، اگر بے استیذان نکاح کر دے گا نافذ نہ ہوگا بلکہ اجازتِ بالغہ پر موقوف رہے گا، اگر جائز کرے گی جائز ہو جائے گا، رَد کرے گی رَد ہو جائیگا کما صرحوا به قاطبة (جیسا کہ تمام فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے۔ت) باقی واجب نہیں کہ ترک پر گناہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳۱۹ ۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نابالغہ کا باپ مفقود الخبر ہے اور اس کا کچھ پتا نہیں، اور ہندہ کا ایک بھائی بالغ ہے جس کی عمر پندرہ برس کی ہے اور سبزہ آغاز ہندہ کا نکاح اُس کی ماں اور اُس کے بھائی نے کر دیا، اس صورت میں یہ نکاح ہُوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں جبکہ ہندہ نابالغہ ہے اور اس کا باپ مفقود الخبر ہے اور ہندہ کے جوان بھائی نے اُس کا نکاح کیا تو وُہ نکاح ہو گیا بشرطیکہ جس شخص سے نکاح کیا ہو وہ اس کا کفو ہو یعنی اس کی قوم یا پیشہ یا مذہب وغیرہ میں کوئی بات ایسی نہ ہو کہ اس کے نکاح سے ہندہ کے اولیا کو ننگ و عار آئے اور بشرطیکہ مہر میں ایسی کمی نہ کی گئی ہو جس کا تحمل لوگ نہ کرتے ہوں اور اگر ان باتوں میں سے ایک بات ہو گی یعنی اُس شخص کے قوم یا مذہب یا پیشہ وغیرہ میں کوئی امر موجبِ ننگ و عار ہوگا یا مہر میں ایسی سخت کمی کی گئی ہو مثلاً ہندہ کا مہر مثل دس ہزار تھا اور بھائی نے پانچ ہزار پر نکاح کر دیا تو ان صورتوں میں وُہ نکاح اصلاً نہ ہُوا، والمسائل منصوص علیها فی الدر المختار وغیرہ (یہ مسائل درمختار وغیرہ میں منصوص ہیں۔ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۲۰ ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین کہ نکاح دخترِ نابالغہ کا باوجود انکارِ دخترِ نابالغہ اور حیات ہوتے اُس کے باپ کے بے اجازت اس کے باپ کے، اس کی ماں نے زید کے ساتھ کر دیا، آیا شرعاً یہ نکاح ہُوا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

سائل مظہر کہ یہ نکاح مادر و برادرِ بالغ نے بریلی میں کیا اور اس کا باپ کانپور میں موجود ہے جسے ہنوز اس نکاح کی اطلاع نہ ہُوئی، اور جس لڑکے سے نکاح ہُوا وہ اس کا کفو ہے، اگر یہ سب بیان

واقعی ہیں تو دیکھا جائے گا کہ ناکح کفو اس قدر انتظام پر راضی ہوسکتا تھا کہ باپ کو خط لکھا جائے اور اس کی اجازت منگائی جائے یا وہ اس پر راضی نہ ہوتا بلکہ اتنے انتظار پر نکاح ہی نہ کرتا اگر یہ پچھلی صورت فرض کی جائے جس کے وقوع کی اُمید بہت ہی ضعیف بلکہ کالمعدوم ہے کہ انتظارِ جواب میں یہ بات ہاتھ سے جاتی تھی تو نکاح نافذ ہوگیا بشرطیکہ مہر مثل میں کمی فاحش نہ کی گئی ہو اور اگر ایسا نہ تھا بلکہ انتظارِ جواب کرلیتا اور غالب ایسا ہی ہے تو یہ نکاح بشرط مذکور اجازتِ پدر پر موقوف ہے اگر جائز رکھے گا جائز ہوجائے گا اور باطل کردے گا تو باطل ہوجائے گا۔

فی الدر المختار للولی الابعد التزویج بغیبۃ الاقرب واختار فی الملتقی مالم ینتظر الکفو الخاطب جوابہ واعتمدہ الباقانی ونقل ابن الکمال ان علیہ الفتوٰی[1] اھ مختصرا، وفی ردالمحتار قال فی الذخیرۃ الاصح انہ اذا کان فی موضع لو انتظر حضورہ او استطلاع رایہ فات الکفوء الذی حضر فالغیبۃ منقطعۃ والیہ اشار فی الکتاب وفی البحر عن المجتبٰی عن المبسوط انہ الاصح و فی النہایۃ اختارہ اکثر المشائخ وصححہ ابن الفضل وفی الہدایۃ انہ اقرب الی الفقہ وفی الفتح انہ الاشبہ بالفقہ وفی شرح الملتقی من الحقائق انہ اصح الاقاویل وعلیہ الفتوی وعلیہ مشی فی الاختیار و النقایۃ ویشیر کلام النھر

درمختار میں ہے اگر ولی اقرب اتنی مسافت پر ہے کہ رشتہ طلب کرنے والا ہم کفو وہاں سے جواب کا انتظار نہ کرتا تو ولی ابعد کو نکاح جائز ہے، اس پر باقانی نے اعتماد کیا اور ابن کمال نے نقل کیا ہے کہ اسی پر فتوٰی ہے اھ مختصرا۔ اور ردالمحتار میں ہے ذخیرہ میں کہا اصح یہی ہے کہ اگر ولی اقرب اتنی مسافت پر ہو کہ رشتہ طلب کرنے والا ہم کفو وہاں سے جواب یا اس کی رائے حاصل کرنے کا انتظار نہیں کرتا تو غیبتِ منقطعہ قرار پائی گئی اور کتاب میں اسی کی طرف اشارہ ہے، اور بحر میں مجتبٰی کے حوالہ سے مبسوط سے منقول ہے کہ یہ اصح ہے۔ اور نہایہ میں ہے کہ اکثر مشائخ نے اسے پسند کیا ہے اور ابن فضل نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور ہدایہ میں ہے کہ یہ اقرب الی الفقہ ہے، اور فتح میں ہے کہ حق کے قریب ہے۔ اور ملتقی کی شرح میں حقائق سے منقول ہے کہ یہ تمام اقوال میں اصح ہے اور اس پر فتوٰی ہے، اور اختیار اور نقایہ میں اس کو قائم رکھا ہے، اور نہر کا کلام بھی

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

الیٰ اختیارہ وفی البحر والاحسن الافتاء بما علیہ اکثر المشائخ[1] اھ ما فی ردالمحتار قلت لاسیما فی ھذا الزمان فان العجلۃ الدخانیۃ قد جعلت مسافۃ القصر کمسافۃ ساعۃ واحدۃ بل اقل فوجب التعویل علی ما افتی بہ اکثر المشائخ۔

اس کے مختار ہونے کی طرف اشارہ ہے، اور بحر میں ہے کہ جس پر اکثر مشائخ کا اعتماد ہو اس پر فتوٰی باعثِ اطمینان ہے۔ ردمحتار کی عبارت ختم ہوئی۔ قلت خصوصًا موجودہ زمانہ میں کہ جب ریل گاڑی نے مسافتِ قصر کو ایک گھنٹہ کی مسافت بنادیا ہے بلکہ اس سے بھی کم کردیا ہے لہذا جس پر اکثر مشائخ نے فتوٰی دیا ہے یہی قابلِ اعتماد ہے۔ (ت)

یہ سب اُس صورت میں ہے کہ عورت کے مہرِ مثل میں کمی فاحش نہ ہُوئی ہو مثلاً مہرِ مثل سَو روپے کا تھا اس نکاح میں پچاس کا باندھا تو سرے سے نکاح ہی نہ ہوا۔

فی الدرالمختار ان کان المزوج غیر الاب وابیہ ولو الام لایصح النکاح بغبن فاحش[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے اگر نکاح کرنے والا باپ دادا کا غیر ہو خواہ وہ ماں ہی کیوں نہ ہو مہر میں فحش کمی کے ساتھ نکاح صحیح نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲۱ از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی محمد یعقوب علی خاں صاحب ۱۵ شعبان ۱۳۱۱ھ۔

چہ می فرمایند علمائے اہل سنّت وجماعت دریں مسئلہ کہ مسماۃ ہندہ وارث شرعیہ ندارد و نہ از نطفہ زید مگر زید بسعی تام از ایام طفلی پرورش کردہ تا بعمر دہ سالہ در رسیدہ و بسبب اطلاق پرورش زید ولی ہندہ ظاہر لعبد زید منکوحہ زید نکاحِ ہندہ بہمراہ خیراتی خاں کردہ فرار شد وقتیکہ زید آمدہ بر نکاحش وقوف یافتہ راضی نگشت دریں صورت بدون اجازت

کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنّت وجماعت اس مسئلہ میں کہ ہندہ نامی لڑکی جو زید کی اولاد نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی شرعی وارث ہے لیکن زید نے اس کی بچپن سے دس سال کی عمر تک پرورش کی۔ اس پرورش کی وجہ سے زید ہندہ کا ولی معلوم ہوتا ہے تو زید کی عدم موجودگی میں زید کی بیوی نے ہندہ کا نکاح خیراتی خاں سے کردیا، اور خیراتی خاں اس کے بعد بھاگ گیا، اب جب زید واپس آیا تو اس نے ہندہ

---

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۵

[2] درمختار ؍؍ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

زید نکاحِ ہندہ خورد سالہ درست ست یا نہ، بیان فرمایند بعبارتِ کتب، رحمۃ اللہ علیکم اجمعین۔

کے نکاح کو ناپسند کیا اور راضی نہ ہوا، تو کیا مذکورہ صورت میں ہندہ نابالغہ کا نکاح زید کی مرضی کے خلاف درست ہوا یا نہیں؟ کتب کے حوالہ سے جواب دیا جائے، اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے۔ (ت)

الجواب

اوّلاً دیدہ باید کہ شخصے کہ زن زید ہندہ را بحبالہ نکاحش داد با ہندہ کفایت دارد یا نے، اگر ندارد مثلاً در نسب یا حرفہ یا روش یا مذہب قصورے دارد کہ ہندہ را در نکاحش آمدن نزد اہل عرف موجب عار باشد آنگاہ ایں نکاح باطل محض افتد کہ باجازت ہیچ کس رُوئے نفاذ نہ بیند تا آنکہ ہندہ اگر خویشتن بعد رسیدن اجازت کند ہم روئے نیابد زیرا کہ تزویج با غیر کفو جز پدر یا جدے کہ دریں کار بسوء اختیار معروف نباشد ہیچ کس را نمی رسد کما نصوا علیہ قاطبۃ وفی جامع الصغار ولی غیر الاب والجد زوج الصغیرۃ من غیر کفوء فادرکت الصبیۃ فاجازت لایجوز[1]، واگر کفاءت دارد آنگاہ دیدنی ست کہ ہندہ ہنگام نکاح ہیچ قریبے قریب یا بعید مرد یا زن از جانب پدر یا مادر اگرچہ در غایت بعد و دُوری می داشت یا نے، اگر می داشت پس ہماں کس ولی نکاح اوست نکاح مذکور بر اجازت آں ولی موقوف ست خواہ ایں زید باشد یا دیگرے اگر اجازت دہد جائز شود واگر رد کند باطل

پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ زید کی بیوی نے جس شخص سے ہندہ کا نکاح کیا ہے وُہ ہندہ کا ہم کفو ہے یا نہیں، اگر نہیں مثلاً نسب، کردار، حرفہ یا مذہب میں ایسی کمی والا ہے کہ عرف میں اس کو عار سمجھا جاتا ہے تو اس صورت میں یہ نکاح محض باطل ہے اور کسی کی اجازت حتی کہ ہندہ خود بالغ ہونے پر اس کو جائز نہیں کرسکتی، کیونکہ غیر کفو میں نابالغہ کا نکاح کرنے کی ایسے باپ دادا جو سوءِ اختیار میں مشہور نہ ہوں، کے بغیر کسی کو اجازت نہیں ہے، جیسا کہ تمام فقہاء نے تصریح کی ہے جامع صغار میں ہے باپ دادا کے غیر کسی ولی نے نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں کردیا ہو تو لڑکی بالغ ہوکر خود بھی اس نکاح کو جائز نہیں کرسکتی، اور اگر وہ شخص ہندہ کا ہم کفو تھا تو پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ ہندہ کا کوئی رشتہ دار مرد یا عورت قریب یا بعید جو کسی طرح والد یا والدہ کی طرف سے ہندہ کے نکاح کی ولایت رکھتا ہو موجود ہے تو نکاح اسکی اجازت پر موقوف ہوگا وہ جائز قرار دے تو جائز، اگر رَد کردے تو رَد ہوجائیگا وُہ ولی زید ہو یا کوئی اور ہو۔ اور اگر ہندہ کا کوئی بھی

---

[1] جامع احکام الصغار علی حاشیۃ جامع الفصولین فی مسائل النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹

گردد، واگر با بندہ ہیچ کس را از زندگان وقت نکاح قرابت نسبی نبود نہ زید نہ غیر او را آنگاہ در دیار ما کہ زیر ولایت ہیچ قاضی شرع وحاکم اسلام نیست نظر کردن ست، اگر دراں شہر عالمے از علمائے دین کہ فقیہ وصاحب فتوی واعلم علمائے بلد باشد موجود ست پس نکاح مذکور بر اجازتِ او موقوف ست اگر اجازت دہد نافذ شود واگر رد کند باطل گردد، فی الحدیقۃ الندیۃ عن الفتاوی العتابیۃ اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور موکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم ویصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروا فالمتبع اعلمھم[1] واگر آنجا ہیچ عالمے نیز نباشد آنگاہ ایں نکاح اصلا انعقاد نیافت خود باطل محض ست لکونہ عقد فضولی صدر ولا مجیز فی جامع الصغار ان کان فی موضع لایکون تحت ولایۃ قاض فانہ لاینعقد[2] اھ وفی رد المحتار عن الفتح ما لامجیز لہ ای مالیس لہ من یقدر علی الاجازۃ یبطل کما اذا زوجہ الفضولی مجیزہ یتیمۃ فی دار الحرب او اذا لم یکن

زندہ لوگوں میں سے نسبی ولی نہیں، نہ زید ہے نہ کوئی اور ہے، تو ایسی صورت میں جبکہ ہمارے ملک میں کوئی قاضی یا شرعی حاکم سرکاری طور پر مقرر نہیں ہے، اگر اس شہر میں کوئی ایسا عالم جو مفتی، فقیہ اور علاقہ کا بڑا عالم ہو موجود ہے تو نکاح اسکی اجازت پر موقوف ہوگا کہ وہ اگر جائز کردے تو جائز اور اگر رَد کردے تو رَد ہوجائے گا۔

حدیقہ ندیہ میں فتاوٰی عتابیہ سے منقول ہے کہ جب زمانہ شرعی طور پر امور کو سرانجام دینے والے حاکم و قاضی سے خالی ہو تو یہ امور علماء کے سپرد ہوں گے اور اُمت پر لازم ہوگا کہ وُہ ان علماء کی طرف رجوع کریں اور یہ علماء والی بن جائیں گے، اور اگر ایک عالم کی طرف سب کا رجوع مشکل ہو تو ہر علاقہ کے لوگ اپنے علاقہ کے عالم کی طرف رجوع کریں گے اور کسی علاقہ میں ایسے علماء کی تعداد زیادہ ہو تو پھر ان میں سے بڑے عالم کی اتباع کریں گے، اور اگر وہاں کوئی ایسا عالم نہ ہو تو پھر یہ نکاح اصلاً منعقد نہ ہوگا اور خودبخود باطل ہوجائے گا، کیونکہ یہ فضولی کا ایسا نکاح ہوگا جسے کوئی بھی جائز کرنے والا نہیں، جامع الصغار میں ہے کہ اگر ایسی جگہ ہو کہ وہاں کوئی سرکاری شرعی حاکم نہ ہو تو نکاح منعقد نہ ہوگا اھ، اور ردالمحتار میں فتح سے منقول ہے کہ جہاں کوئی ایسا حاکم مجاز نہ ہو جو نکاح کو جائز کرسکے تو نکاح باطل ہوگا،

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ النوع الثانی من الانواع الثلاثۃ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۳۵۱

[2] جامع احکام الصغار علی حاشیۃ جامع الفصولین فی مسائل النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹

سلطان ولا قاض لعدم من یقدر علی الامضاء حالۃ العقد فوقع باطلا[1] اھ ملخصا بے قرابت بجرد پرورش ولایت نکاح ثابت نہ شود فی جامع الصغار من یتولی صغیرا او صغیرۃ لا یملك تزویجھما[2] پس دریں صورت اجازت و عدم اجازت زید چیزے نیست۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جیسا کہ کسی فضولی نے نابالغہ یتیم لڑکی کا نکاح دار الحرب میں کردیا، یا وہاں کر جہاں کوئی سلطان و قاضی نہ ہو تو ایسی صورت میں نکاح باطل ہوجائے گا کیونکہ وہاں کوئی جائز کرنے والا نہیں ہے اھ ملخصاً، زید کو محض پرورش کی وجہ سے ولایت حاصل نہ ہوگی۔ جامع الصغار میں ہے کہ کسی بچے یا بچی کی کفالت کرنے والا اس کے نکاح کا ولی نہیں بن سکتا لہذا مذکورہ صورت میں زید کی اجازت عدم اجازت کوئی معنی نہیں رکھتی، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲۲: از قاضی باڑی ضلع ہردوئی، ڈاکخانہ شاہ آباد مرسلہ حضرت سید امیر حیدر صاحب ۲۶ شعبان ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ سید سجاد حسین مرحوم نے چار لڑکیاں اور ایک زوجہ چھوڑ کر انتقال کیا بعد چند عرصہ کے ایک لڑکی فوت ہوگئی، بعد اس کے زوجہ نے انتقال کیا، تین لڑکیاں دو منسوبہ اور ایک نابالغہ چھوڑی، بعد دو سہ ماہ کے دختر کلاں نے بھی انتقال کیا، اب لڑکی نابالغ کے نکاح کی اجازت بموجب شرع شریف کے فوقیت ہمشیرہ حقیقی کو ہے یا نانی نانا کو حاصل ہے فقط۔

الجواب

اس نابالغہ کے دادا پردادا یا اُن کے باپ دادا پردادا کی اولاد پسری میں کوئی مسلمان عاقل بالغ مرد باقی ہے تو اس کے نکاح کی ولایت اُسی کو ہے، اُس کے ہوتے نانا نانی بہن بلکہ ماں بھی کوئی چیز نہیں اور اس طرح کے مرد متعدد ہیں، تو اُن میں جو قریب تر ہوگا یعنی جو اس نابالغہ کے نسب میں بہ نسبت دوسروں کے کم واسطوں سے ملے گا وہی ولایت پائے گا، اور جو برابر درجے کے ہیں وہ ہر ایک ولی ٹھہرے گا۔ مثلاً ہندہ بنت زید بن بکر بن خالد ہے اور سعید و رشید پسران حمید بن حامد بن خالد اور باقر ابن جعفر بن احمد بن حامد اور کبیر صغیر منیر پسران طاہر بن مطہر بن حامد مذکور رہیں تو ولایت نکاح ہندہ سعید و رشید دونوں کو یکساں ہے اور اُن کے ہوتے باقر و کبیر و منیر کو استحقاق نہیں، ہاں اگر دُدھیال میں کوئی مرد

---

[1] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۷

[2] جامع احکام الصغار علی حاشیۃ جامع الفصولین فی مسائل النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲

ایسا نہیں خواہ یُوں کہ سرے سے کوئی مرد رہا ہی نہیں یا جو ہے وُہ مجنون یا رفض وغیرہ بدمذہبوں میں حدِ کفر تک پہنچا ہوا ہے، تو اُس وقت اشخاصِ مذکورین سوال میں ولایتِ نکاحِ ثانی کو ہے، وُہ نہ رہے تو نانا کو، وہ نہ رہے تو بہن کو، اور ان سب میں بھی عقل واسلام کی شرط ضرور ہوگی یعنی اگر مذہب میں فساد ہو تو حدِ کفر تک نہ پہنچا ہو ورنہ مرتد کو کسی پر ولایت نہیں اگرچہ دعوٰی اسلام رکھتا ہو۔

فی الدرالمختار الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ بلا توسط انثی علی ترتیب الارث والحجب بشرط حریۃ وتکلیف واسلام فی حق مسلمۃ وولد مسلم فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام ثم لام الاب ثم للجد الفاسد ثم للاخت[1] الخ اھ ملخصا، وفی ردالمحتار صرح فی الجوھرۃ بتقدیم الجدۃ علی الاخت، ونقل ذلک الشرنبلالی عن شرح النقایۃ للعلامۃ قاسم قال ولم یقید الجدۃ بکونہا لام اولاب اھ، وفیہ عن الخیریۃ ان الجدۃ لاب اولی من الجدۃ لام قولا واحدا فتحصل بعد الام ام الاب ثم ام الام ثم الجد الفاسد تامل اھ قال وما جزم بہ الرملی افتی بہ فی الحامدیۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے نکاح میں عصبہ بنفسہ یعنی وہ مرد جس کی نسبت میں عورت واسطہ نہ بنے، وراثت وحجب کی ترتیب پر ولی بنتے ہیں بشرطیکہ یہ حر، مکلف اور مسلمان ہوں جبکہ ان کی ولایت مسلمان لڑکی یا لڑکے کے لئے ہو۔ اور اگر عصبات بنفسہا نہ ہوں پھر والدہ کو، پھر دادی کو، پھر نانے کو، پھر اخت کو ولایت ہوگی الخ اھ ملخصاً، اور ردالمحتار میں ہے کہ جوہرہ میں جدہ کو بہن پر مقدم کرنے کی صراحت کی ہے۔ شرنبلالی نے اس کو علامہ قاسم کی شرح نقایہ سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ جدہ کو کسی کی قید سے مقید نہیں کرسکتے اھ، اور اسی میں فتاوٰی خیریہ سے منقول ہے کہ دادی کا نانی سے مقدم ہونا ایک ہی قول ہے تو حاصل یہ ہوا کہ والدہ کے بعد دادی اور پھر نانی پھر نانا، غور کرو، اھ۔ اور کہا کہ جس پر رملی نے خیریہ میں جزم کیا ہے اسی پر حامدیہ میں فتوٰی دیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲۳: از کلکتہ اسٹریٹ ۱۹۲ دھرم تلا مرسلہ حافظ عزیز الرحمٰن صاحب ۴ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی نابالغہ کا نکاح اس کے ماموں نے درصورت نہ ہونے والد اور چچا اور برادر اور دادا اس لڑکی کے بہ موجودگی والدہ کے کردیا تھا اب اس نے بحالتِ بلوغ

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۲-۳۱۳

اس نکاح کو منظور نہ کیا تو وُہ نکاح باقی رہے گا یا نہیں ؟ بیّنوا توجروا

الجواب

اگر عورت کی نامنظوری اس بنا پر ہے کہ ماموں نے جس کے ساتھ اس کا نکاح کیا وہ اس کا کفوٗ نہیں یعنی اس سے قوم یا دین یا پیشہ وغیرہ امورِ معتبرہ میں ایسا گھٹا ہُوا جس سے نکاح اُس کیلئے باعثِ ننگ وعار ہے یا اس بنا پر کہ ماموں نے اس کے مہرِ مثل میں کمی فاحش کی ہے جب تو وُہ نکاح خود ہی باطل محض ہوا جسے خود شرعِ مطہر نکاح نہیں ٹھہراتی، عورت کی منظوری و نامنظوری کو کچھ دخل نہیں، اور اگر یہ دونوں وجہیں نہیں بلکہ کسی اور سبب سے نامنظور کرتی ہے تو اس صورت میں اگر عورت نے کہ بکر تھی بعد بلوغ خبرِ نکاح سُنتے ہی یا پہلے سے معلوم تھا تو بالغہ ہوتے ہی فوراً بلا توقف اختیاری نامنظوری ظاہر نہ کی تو نکاح لازم ہوگیا، اب عورت کو اصلاً کوئی چارہ کار نہیں، اور اگر فی الفور آنِ بلوغ میں یا بعد بلوغ نکاح معلوم ہوا تو آنِ استماعِ خبر میں معاً اپنی نامنظوری ظاہر کی تو از انجا کہ نکاح غیرِ اَب و جَد کا کیا ہوا ہے عورت کو اختیارِ فسخ حاصل ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ بطورِ خود فسخ کردے اور اس کے حبالۂ زوجیت سے باہر ہوجائے بلکہ یہ کہ حاکمِ شرع کے یہاں دعوٰی رجوع کرے، حاکم بعد تحقیقاتِ امورِ مذکورہ نکاح فسخ کردے۔ درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیر الاب وابیه لایصح النکاح من غیر کفؤ او بغبن فاحش اصلا و من کفؤ و بمهر المثل صح و لصغیر و صغیرة خیار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ او العلم بالنکاح بعده و شرط للکل القضاء و بطل خیار البکر بالسکوت لو مختارة عالمة باصل النکاح ولا یمتد الی اٰخر المجلس وان جهلت[1] اھ ملتقطا۔ واللّٰه سبحٰنه و تعالٰی اعلم و علمه جل مجده اتم و احکم۔

اگر نابالغہ کا نکاح باپ اور دادا کے غیر نے کیا تو غیرِ کفوٗ میں یا بہت کم مہر کے ساتھ کیا تو نکاح بالکل نہ ہوگا۔ اور اگر کفوٗ یا مہرِ مثل سے کیا تو نکاح صحیح ہوگا، اور نابالغ لڑکی اور لڑکے کو نکاح کے فسخ کا اختیار ہوگا خواہ دخول کے بعد بلوغ یا نکاح کا علم ہوا ہو اس وقت فسخ کرسکتے ہیں۔ فسخ کی ان تمام صُورتوں میں قضاء شرط ہے، اور باکرہ بالغہ لڑکی کا سکوت اس کے خیارِ فسخ کو ختم کردیتا ہے جبکہ وہ اپنے نکاح سے باخبر ہو اور اس سے اس کی اجازت طلب کی گئی ہو اگرچہ اس کو اپنے اختیار کے بارے میں علم نہ بھی ہو اور مجلس کے خاتمہ تک یہ اختیار باقی رہے گا، اھ، ملتقطا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالٰی زیادہ علم والا ہے اور اس کا علم اتم واکمل ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲-۹۳

مسئلہ ۳۲۴: از شہر کہنہ ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے عظام و فضلائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے انتقال کیا اور دو لڑکی ایک قریب ایک سال، اور دُوسری قریب تین سال، اور بیوی اور والدہ اور تین بھائی چھوڑے۔ ان لڑکیوں نے تا مدت سات سال زیرِ سایہ اپنی والدہ اور چچاؤں کے پرورش پائی، قضائے الٰہی بعد سات سال والدہ نے بھی انتقال کیا، چونکہ چچا اپنے اپنے تعلقوں پر تھے یہاں موجود نہ تھے، خالائیں آئیں اور حیلہ و فریب کرکے لڑکیوں کو لے گئیں کہ تا آنے چچاؤں کے یہ لڑکیاں ہمارے پاس ہیں جب چچا آئیں گے فوراً روانہ کردیں گے، یہاں سے لے جاکر دونوں لڑکیوں کے نکاح عدم موجودگی چچاؤں میں باختیارِ خود اپنے لڑکوں کے ساتھ کرلئے۔ اس صورت میں یہ نکاح ہوئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

آٹھ سال کی لڑکی ضرور نابالغہ ہے، یُونہی دس سال کی بھی، جب تک حیض نہ آئے یا پندرہ سال کامل کی عمر نہ ہوجائے۔ اور نابالغ کے نکاح کا اختیار عصبہ کو ہے، عصبہ کے ہوتے ذوی الارحام کوئی چیز نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

ولایۃ التزویج لغیر العصبات من الاقارب عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالٰی معناہ عند عدم العصبات[1]۔

نابالغہ کے نکاح کی ولایت عصبات کی غیر موجودگی میں دیگر اقارب کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک حاصل ہے۔ (ت)

چچا عصبہ ہے اور خالہ ذوات الارحام سے، خالہ سگے چچا سے چھتیسویں درجے میں ہے کہ حقیقی چچا[1] نہ ہو تو سوتیلے چچا[2] کو نکاح کی ولایت ہے، پھر حقیقی چچا کے بیٹے[3] کو، پھر سوتیلے چچا کے بیٹے[4] کو، پھر باپ[5] کا حقیقی چچا، پھر سوتیلا[6]، پھر باپ[7] کے حقیقی چچا کا بیٹا، پھر سوتیلے[8] کا، پھر دادا[9] کا حقیقی چچا، پھر سوتیلا[10]، پھر دادا[11] کے حقیقی چچا کا بیٹا، پھر سوتیلے[12] کا، پھر اور دور[13] کا سگا چچا، پھر سوتیلا[14]، پھر اس[15] کا بیٹا، پھر اُس[16] کا، پھر آزاد[17] کرنے والا، پھر اس[18] کا عصبہ، یہ سب عصبات ہیں، جب ان میں کوئی نہ ہو تو ماں[19] ولی ہے، پھر دادی[20]، پھر نانی[21]، پھر بیٹی[22]، پھر پوتی[23]، پھر نواسی[24]، پھر پسر کی پوتی نواسی[25]، پھر دختر کی[26]، پھر نانا[27]، پھر سگی[28] بہن، پھر سوتیلی[29]، پھر ماں[30] کی اولاد جو باپ میں شریک نہیں، پھر سگی[31] بہن کی اولاد، پھر سوتیلی[32] کی، پھر اولادِ[33] مادری کی، پھر پھوپھی[34]، پھر ماموں[35]۔ اور جب ان سب میں بھی کوئی نہ ہو تو خالہ[36]۔ ان تمام درجات کی تفصیل عالمگیری و درمختار و ردالمحتار وغیرہا سے ظاہر۔ فتاوٰی قاضی خاں

---

[1] ہدایہ باب فی الاولیاء والاکفاء المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۲۹۸

میں ہے:

ولایۃ النکاح الی العصبۃ واقرب الی الصغیر والصغیرۃ الاب ثم الجد ثم الاخ لاب وام ثم الاخ لاب ثم بنوھما علی ھذا الترتیب وان سفلوا ثم العم لاب وام[1] اھ ملخصا۔

نکاح کی ولایت عصبات کو ہے اور نابالغ لڑکے اور لڑکی کے قریب ترین عصبات والد پھر دادا، پھر حقیقی بھائی، پھر باپ کی طرف سے بھائی، پھر ان دونوں کے لڑکوں کو اسی ترتیب سے نیچے تک، پھر حقیقی چچا کو، اھ ملخصاً (ت)

درمختار میں ہے:

فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام (وعد درجات الی ان قال) ثم الخالات[2]۔

اگر عصبہ نہ ہو تو ماں کو ولایت ہے، اور ولایت کے درجات متعددہ کو بیان کرنے کے بعد انھوں نے کہا کہ پھر خالاؤں کو ولایت ہوگی (ت)

پس چچا کے ہوتے جو نکاح خالہ کردے چچا کی اجازت پر موقوف ہے، اگر جائز رکھے جائز اور اگر رَد کردے تو باطل ہوجائے۔ درمختار میں ہے:

لو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ[3] واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

اگر قریبی ولی کے ہوتے ہُوئے بعید ولی نے نکاح کردیا تو قریبی ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اللہ تعالٰی اعلم ہے اور اس کا علم اتم اور محکم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۵: از سوروں ضلع ایٹہ محلہ ملک زادگان مرسلہ مرزا حامد حسن صاحب ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نوجوان بالغ لڑکی نا کتخدا کا نکاح اُس کی ماں نے عدم موجودگی پدر میں اپنے عزیز واقارب کو جمع کرکے اپنے بھانجے کے ساتھ کردیا، باپ بھی اس لڑکے کو جانتا ہے اور اس پر راضی بھی تھا مگر یہ کہتا تھا کہ جب تک یہ نوکر نہ ہو مت کرنا، اس صورت میں نکاح شرعاً درست ہُوا یا نہیں؟ اور ماں کو بہ موجودگی باپ کے اولاد پر ایسا اختیار رہے یا نہیں؟

الجواب

نابالغ اولاد پر باپ کے ہوتے ماں کے لئے ایسا اختیار اصلاً نہیں، اور بالغ اولاد پر ماں باپ کسی کیلئے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الاولیاء نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۶۳
[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳
[3] " " " ۱/ ۱۹۴

ولایت جبری نہیں۔ حضور پُر نور سید المرسلین صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الایم احق بنفسہا من ولیہا[1] رواہ الستۃ الا البخاری عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

بالغہ عورت ولی کی بنسبت اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے، اس کو امام بخاری کے سوا ائمہ ستہ نے بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما ذکر کیا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لا تجبر البالغۃ البکر علی النکاح لانقطاع الولایۃ بالبلوغ[2]

بالغہ باکرہ لڑکی کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کے بالغ ہوجانے پر اس پر جبر کی ولایت کسی کو حاصل نہ رہی۔ (ت)

صُورتِ مذکورہ میں جبکہ لڑکی بالغہ ہے تو اس کا نکاح بے اس کے اپنے اذن کے نہ ماں کے کئے نافذ ہوسکے نہ باپ کے ہاں، جس عورت بالغہ کا ولی موجود ہو وُہ غیر کفو سے اپنا نکاح نہ خود کرسکتی ہے نہ دوسرے کو اذن دے سکتی ہے جب تک ولی اُس شخص کے غیر کفو ہونے پر مطلع ہو کر پیش از نکاح بالتصریح اپنی رضامندی ظاہر نہ کر دے، ورنہ وُہ نکاح محض باطل ہوگا کہ پھر رضائے ولی سے بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔ درمختار میں ہے:

نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضی ولی ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا بلا رضی ولی بعد معرفتہ ایاہ[3] اھ ملخصا۔

ولی کی رضا کے بغیر حرہ عاقلہ بالغہ کا اپنی مرضی سے نکاح نافذ ہوتا ہے اور غیر کفو میں ولی کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح جائز نہ ہونے پر فتوٰی ہے جبکہ ولی غیر کفو میں ہونے کا علم حاصل کر چکا ہو اھ ملخصاً (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھذا اذا کان لہا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضی بعدہ، بحر[4]۔

یہ اس صورت میں ہے جب لڑکی کا کوئی ولی ہو اور نکاح سے قبل وہ اس پر راضی نہ ہو تو نکاح کے بعد ولی کی رضا مفید نہ ہوگی، بحر۔ (ت)

---

[1] صحیح مسلم | کتاب النکاح | قدیمی کتب خانہ کراچی | ۱/۴۵۵
سُنن ابوداؤد | فصل فی الثیب | آفتاب عالم پریس لاہور | ۱/۲۸۶
[2] درمختار | باب الولی | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۱
[3] ایضاً
[4] ردالمحتار | باب الولی | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۲۹۷

اور کفوؤہ ہے جس کے قوم، مذہب، چلن، پیشے وغیرہ میں کوئی ایسا عیب نہ ہو جس کے سبب اُس کے ساتھ نکاح اولیائے دختر کے لئے اہلِ عرف کے نزدیک موجبِ ننگ وعار و بدنامی ہو، نہ ایسی حالت محتاجی ناداری بے حرفگی و بے سامانی میں ہو کہ عورت کا نفقہ واجبہ نہ چل سکے، یا جس قدر مہر شرعًا یا عرفًا پیشگی دینا ٹھہرا ہے نہ دے سکے۔ درمختار میں ہے:

تعتبر فی العرب والعجم دیانۃ ومالا بان یقدر علی المعجل ونفقۃ شھر لو غیر محترف والا فان کان یکتسب کل یوم کفایتھا لو تطیق الجماع وحرفۃ[1] اھ ملخصا۔

عرب وعجم میں کفو کیلئے دینداری اور مال کا اعتبار ہوگا کہ وہ مہر معجل دینے پر قادر ہو اور وُہ کاروبار والا نہ ہو تو ایک ماہ کا خرچہ ادا کرنے پر قادر ہو۔ ورنہ اگر وُہ کاروبار والا ہے تو روزانہ بیوی کی کفایت کے لئے نفقہ کی قدرت رکھتا ہو اگر عورت کو جماع کی برداشت ہو ورنہ مہر معجل کی قدرت کافی ہے اور برابری معتبر ہے پیشہ میں اھ ملخصًا (ت)

پس اگر شخص مذکور ان سب نقائص سے خالی تھا اور نکاح باذنِ دختر ہُوا تو بلاشبہہ صحیح و تام و نافذ ہوگیا جس میں ناموجودی و ناراضی پدر کچھ خلل انداز نہیں، نہ اس کا نوکر نہ ہونا مخل ہو سکتا ہے جبکہ وہ اور مال رکھتا ہو یا کسی دستکاری سے اپنے اور زوجہ کے کھانے پہننے کے قابل کما سکتا ہے یا حسبِ عادتِ بلد اُس کے ماں باپ بہو بیٹے کی کافی خبرگیری رکھیں اور کچھ مہر پیشگی دینا ہو تو اس کے ادا پر بھی قادر ہو۔ درمختار میں ہے:

الصبی کفو بغنی ابیہ وامہ بالنسبۃ الی المھر المعجل لا النفقۃ لان العادۃ ان الاباء یتحملون عن الابناء المھر لا النفقۃ ذخیرۃ[2] اھ ملخصا۔

لڑکا باپ یا ماں کے غنی ہونے کی وجہ سے مہر کے بارے میں کفو بن سکتا ہے کیونکہ عادۃً والدین لڑکوں کے مہر کو خود برداشت کرتے ہیں، نفقہ کے معاملہ میں والدین کا غنا کارآمد نہیں کیونکہ والدین نفقہ کی کفالت نہیں لیتے، ذخیرہ، اھ ملخصًا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

مقتضاہ انہ لوجرت العادۃ بتحمل النفقۃ ایضا عن الابن الصغیر کما فی

اس سے حاصل ہُوا کہ اگر نابالغ بیٹے کی طرف سے نفقہ کو اپنے ذمّے لے جانا عادت ہو جیسا ہمارے زمانے میں ہے تو بھی کفو

---

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

[2] ایضًا

زماننا انه یکون کفوا بل فی زماننا یتحملها عن ابنه الکبیر الذی فی حجرہ والظاھر انه یکون کفوا بذلك لان المقصود حصول النفقة من جهة الزوج بملك اوکسب او غیرہ ویؤیدہ ان المتبادر من کلام الھدایة وغیرھا ان الکلام فی مطلق الزوج صغیرا کان اوکبیرا[1] الخ۔

ہوسکے گا بلکہ ہمارے زمانے میں تو لوگ اپنے پاس رہنے والے بالغ بیٹے کی طرف سے بھی نفقہ کے ذمہ دار ہوتے ہیں، تو اس صورت میں کفو ہونا ظاہر ہے کیونکہ مقصود تو لڑکے کی طرف سے بیوی کے لئے نفقہ کا حصول ہے مالک ہونے یا کاسب یا کسی اور طریقہ سے نفقہ حاصل ہو، اور اس بات کی تائید ہدایہ کے کلام سے متبادر ہوتی ہے کہ انھوں نے مطلق خاوند کی بات کی ہے خواہ نابالغ ہو یا بالغ ہو الخ (ت)

ہاں اگر دختر کے مہرِ مثل میں کمی فاحش کی گئی ہے تو باپ کو اس پر اعتراض پہنچتا ہے جس کا حاصل اس قدر کہ مہرِ مثل پُورا کرالیا جائے، اور پُورا نہ کرے تو قاضی نکاح فسخ کرے۔ نہ یہ کہ خواہ مخواہ نکاح رَد ہوجائے۔ درمختار میں ہے:

لونکحت باقل من مھرھا فللولی العصبة الاعتراض حتی یتم مھر مثلھا اویفرق القاضی بینھما دفعا للعار[2]۔

اگر بالغہ نے اپنے نکاح میں مہرِ مثل سے کم مہر منظور کیا تو ولی عصبہ کو اعتراض کا حق ہے تاوقتیکہ لڑکی اپنا مہرِ مثل پُورا کرائے یا پھر قاضی ولی کی عار کو ختم کرنے کے لئے نکاح کو فسخ کرے۔ (ت)

البتہ اگر امور مذکورہ بالا سے کسی امر میں ایسا بھی ہے جس کے باعث وہ شرعًا کفو نہ ٹھہرے، اور باپ نے اس پر مطلع ہوکر اپنی رضامندی ظاہر نہ کردی تھی تو بیشک یہ نکاح سرے سے باطل ہُوا کہ اب باپ کی رضامندی سے بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔ اس تقدیر پر فرض ہے کہ مرد و عورت فورًا جُدا ہوجائیں اور اس نکاح کو ترک کردیں، پھر اگر چاہیں تو بعد اجازت صریحہ پدر از سرِ نو نکاح کرلیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۲۶: ۲۸ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی نابالغہ ہے اس کے باپ، دادا، بھائی، بھتیجا کوئی نہیں حقیقی چچا ہیں، چچا کا نابالغ لڑکا ہے، اگر یہ ولی جائز اپنی بھتیجی نابالغہ کا اپنے پسر نابالغ سے بولایت

---

[1] ردالمحتار باب الکفاءۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۴

[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۵

خود ایسی حالت میں نکاح کر دے کہ لڑکی زیر پرورش نانی کے ہو اُس کے پاس موجود نہ ہو تو یہ نکاح صحیح و جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صحیح و جائز ہے جبکہ وُہ لڑکا اُس نابالغہ کا کفو ہو اور نابالغہ کے مہر مثل میں صریح کمی نہ کی جائے۔ درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیرہ ای غیر الاب وابیہ لایصح من غیر کفؤ او بغبن فاحش اصلا وان کان من کفؤ وبمہر المثل صح[1] الخ اھ ملخصًا۔

اگر نکاح دینے والا باپ اور دادا نہ ہو تو غیر کفؤ یا مہر مثل سے صریح کم کی صُورت میں نکاح بالکل صحیح نہ ہوگا، اور کفؤ اور مہر مثل ہو تو نکاح صحیح ہوگا الخ اھ ملخصًا۔ (ت)

جبکہ یہ شخص لڑکے لڑکی دونوں کا ولی ہے تو دو گواہوں کے سامنے اسی کا صرف اتنا کہہ دینا کہ "میں نے اپنی فلاں بھتیجی اپنے فلاں بیٹے کے نکاح میں اتنے مہر پر دی" کفایت کرتا ہے کچھ لڑکے یا لڑکی کا حاضر ہونا ضرور نہیں۔

نعم یجب ان لایکون غائبا غیبۃ منقطعۃ فانہ لایبقی ولیا علی ما صححوہ کما نقحہ فی ردالمحتار[2]

ہاں یہ ضروری ہے کہ وہ چچا اس حد تک غائب نہ ہو کہ وہاں تک رسائی مشکل ہو کیونکہ ایسی صورت میں وُہ ولی نہ قرار پائے گا، جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصحیح کی ہے جس کی تنقیح ردالمحتار میں کی ہے (ت)

درمختار میں ہے:

یتولی طرفی النکاح واحد بایجاب یقوم مقام القبول کأن کان ولیا من الجانبین[3] اھ ملخصا وفی ردالمحتار کزوجت ابنی بنت اخی[4] واللہ تعالٰی اعلم۔

ایک شخص نکاح میں دونوں جانب سے ولی ہوتے ہوئے ایجاب کر دے تو وہ قبول کے قائم مقام بھی ہوجائیگا مثلاً جب وُہ دونوں جانب سے خود ولی ہو اھ ملخصاً، اور ردالمحتار میں ہے، مثلاً یُوں کہے: "میں نے اپنی بیٹی کا اپنے بھتیجے سے نکاح کرِدیا"۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار | باب الولی | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۲
[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۳۱۵
[3] درمختار | باب الکفاءۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۶
[4] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۳۲۶

مسئلہ ۳۲۶

عمرو اور زید دو حقیقی بھائی ہیں اُن میں زید ایک لڑکی نابالغ چھوڑ کر مرگیا، عمرو اپنی بھاوج بیوہ زوجہ زید سے لڑکی نابالغ کو حیلہ کرکے اپنے مکان پرلے گیا، اُس لڑکی نابالغ کا نکاح بلا اجازت اُس کی والدہ کسی شخص بیمار کے ساتھ اپنی اجازت سے کردیا، اب عمرو اپنی بھاوج سے متقاضی ہے کہ لڑکی کا نکاح ہم نے اپنی اجازت سے کردیا اور رخصت نہیں کیا اب رخصت کردو ورنہ عدالت ہوگی۔ اِس صورت میں بیوہ پوچھتی ہے کہ علمائے دین و مولویان شرع متین کیا فتوٰی دیتے ہیں کہ یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ فتوٰی لکھ کر مہر و دستخط سے مزین فرمائیں۔

الجواب

نابالغہ کی ولایت اُس کے چچا کو ہے (بشرطیکہ کوئی جوان بھائی بھتیجا حاضر نہ ہو) چچا کے ہوتے ماں کو اختیار نہیں اور شوہر کی بیماری سے بھی درستی نکاح میں کوئی خلل نہیں آتا، پس اگر وہ شخص جس سے عمرو نے اپنی بھتیجی کا نکاح کردیا اُس کا کفو ہے (یعنی قوم، مذہب، پیشہ وغیرہ میں اُس کی بہ نسبت ایسا کم نہیں کہ اُس سے نکاح ہونا اس صغیرہ کے اولیا کو باعثِ عار ہو) اور مہر مثل میں فاحش کمی بھی نہ کی تو نکاح بے شک صحیح ہوگیا جس پر ماں کو کسی طرح اعتراض نہیں پہنچتا، ہاں لڑکی جوان ہوکر اگر خود ناراضی ظاہر کرے تو حاکم شرع کے حضور نالشی ہوکر فسخ کراسکتی ہے، اور اگر وہ شخص کفو نہیں یا چچا نے مہر مثل میں کمی فاحش کی ہے مثلاً مہر مثل سَو روپے کا تھا اس نے پچاس روپے باندھے تو یہ نکاح سرے سے ہُوا ہی نہیں۔

فی الدرالمختار ان کان المزوج غیر الاب وابیہ ولو الام لایصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا وان کان من کفوء وبمھر المثل صح ولصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ[1] اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے اگر نکاح دینے والا باپ اور دادا کا غیر ہو خواہ وُہ ماں ہو غیر کفو یا مہر مثل صریح کم ہو تو نکاح بالکل صحیح نہ ہوگا اور کفو اور مہر مثل ہو تو صحیح ہوگا اور نابالغ لڑکے یا لڑکی کو بلوغ پر فسخ کا اختیار ہوگا یا اگر ان کو بلوغ کے بعد علم ہُوا ہو تو اس وقت بھی فسخ کا اختیار ہوگا اھ مختصرًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نابالغ کا نکاح باجازت ہندہ اُس کی پھوپھی کے محمودہ بالغہ کے ساتھ ہُوا، وقت نکاح عمر زید کی چودہ سال کی اور عمر محمودہ کی سولہ سال کی تھی، زید نکاح سے چار مہینے بعد فوت

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

ہوگیا، آیا یہ نکاح صحیح اور دین مہر محمودہ کا واجب الادا ہے یا نہیں ؛ اور ہے تو کس قدر ؛ اور زید و محمودہ دونوں سُنی المذہب ہیں، بحوالہ کتاب جواب تحریر فرمایا جائے۔

الجواب

بیان سائل سے معلوم ہُوا کہ زید کا ایک جوان بھائی موجود ہے پس صورتِ مذکورہ میں اوّلاً اس قدر معلوم ہوجانا ضروری ہے کہ شرعاً بلوغ کا دار مدار خواہی نخواہی عمر ہی پر نہیں رکھا گیا جب تک آدمی اتنے سال کا نہ ہو بالغ نہ کہا جائے گا اگرچہ تمام آثارِ جوانی واضح و آشکار ہوں عالم میں کوئی عالم اس کا قائل نہیں بلکہ حقیقۃً لڑکوں میں مدار کار انزال و احتلام اور لڑکیوں میں حیض وغیرہ پر ہے، اس لئے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ لڑکا کم سے کم بارہ[12] برس اور لڑکی نو[9] برس میں بالغ ہوسکتی ہے، ہاں جب یہ امور ظاہر نہ ہوں تو اس وقت عمر پر فیصلہ کیا گیا۔

فی الدر المختار بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والاصل ھو الانزال والجاریۃ بالاحتلام والحیض والحبل فان لم یوجد فیھما شئ فحتی یتم لکل منھما خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی لقصر اعمار اھل زماننا وادنی مدتہ لہ اثنتا عشرۃ سنۃ ولھا تسع سنین ھو المختار[1] اھ ملخصا۔

درمختار میں ہے لڑکے کا بلوغ احتلام، انزال اور بیوی کو حاملہ کرنے سے ثابت ہوگا جبکہ انزال اصل ثبوت ہے۔ اور لڑکی کا بلوغ احتلام، حیض اور حمل سے ثابت ہوگا۔ اگر ان علامات میں سے کوئی چیز دونوں میں نہ پائی جائے تو پھر دونوں کی عمر پندرہ سال تک ہونا ان کا بلوغ ہوگا۔ اسی پر ہی فتوٰی دیا جائے گا کیونکہ ہمارے زمانہ والوں کی عمریں کم ہوتی ہیں، اور لڑکے کے لئے کم از کم حدِ بلوغ بارہ سال اور لڑکی کے لئے کم از کم نو سال ہے، یہی مختار قول ہے، اھ، ملخصاً۔ (ت)

پس ممکن کہ زید چہاردہ[14] سالہ وقتِ نکاح بالغ ہو جب تو صحتِ نکاح و وجوب تمامی مہر میں کچھ نزاع ہی نہیں اسی طرح اگر نابالغ تھا اور نکاح باجازتِ برادر واقع ہُوا یا اس وقت معمولی اجازت صرف پھوپھی سے لی گئی ہو اور بھائی نے جبھی یا کسی اور وقت صراحۃً خواہ دلالۃً اس نکاح کو جائز رکھا اور پسند کیا یا یہ بھی نہ ہُوا مگر چند مدت بعد زید بالغ ہوگیا اور خود اس نے نکاح جائز رکھا، ان سب صورتوں میں نکاح بھی نافذ اور مہر بھی کامل واجب۔

فی الدر المختار للولی الاتی بیانہ انکاح الصغیر والصغیرۃ جبرا[2] اھ۔

درمختار میں ہے کہ ولی کو اختیار ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے کہ نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح اپنی

---

[1] درمختار | کتاب الحجر | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۱۹۹
[2] درمختار | باب الولی | " " " | ۱/ ۱۹۲

وفی تنویر الابصار الولی فی النکاح العصبة بنفسه[1] اھ و فی الدر المختار لو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته[2] اھ وفی الخانیة نفذ باجازة الصبی بعد بلوغه[3] اھ و فی الدر المختار المھر یتأکد عند وطء او خلوة صحت من الزوج او موت احدھما[4] اھ۔

مرضی سے کرئے اھ ، اور تنویر الابصار میں ہے کہ نکاح میں عصبہ بنفسہ ولی ہوتا ہے اھ اور درمختار میں ہے اگر ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد نے نکاح کر دیا تو اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا اھ' اور خانیہ میں ہے کہ بچے کے بالغ ہوکر اجازت دینے سے نکاح نافذ ہوجائے گا اھ ، اور درمختار میں ہے کہ وطی، خلوتِ صحیحہ اور خاوند بیوی میں سے کسی ایک کے فوت ہوجانے سے مہر لازم ہوجاتا ہے اھ (ت)

ہاں اگران امور میں سے کچھ نہ واقع ہُوا یعنی نہ زید بالغ تھا نہ نکاح بہ تجویز ولی واقع ہوا، نہ ولی نے کسی وقت صریحًا یا دلالۃً اس کی اجازت دی ، نہ زید خود لائقِ اجازت ہوا یہاں تک کہ مرگیا تو بے شک نکاح باطل ہوگیا،

لان الموقوف یبطل بالموت قبل الاجازة کما لایخفی علی احد.

کیونکہ موقوف نکاح ، اجازت سے قبل موت سے باطل ہوجاتا ہے ، جیسا کہ سب پر واضح ہے (ت)

اور جلسۂ نکاح میں ولی کا مجرد خاموش بیٹھا رہنا اجازت وپسندی پر یقین نہیں دلا سکتا بلکہ اُس کا کوئی فعل ایسا ہونا چاہیے جس سے رضامندی سمجھی جائے، مثلاً دُلہن کو رُونمائی دینا یا دُولھا کی سلامی کے روپے لینا یا مبارک باد لینا دینا،

وغیر ذٰلک عما یدل علی الرضا و فی رد المحتار تقدم ان البالغة لو زوجت نفسھا غیر کفو فللولی الاعتراض ما لم یرض صریحا او دلالة کقبض المھر ونحوه فلم یجعلوا سکوته

ان کے علاوہ دیگر امور جو رضا کی دلیل ہوسکتے ہیں، اور ردالمحتار میں ہے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اگر بالغہ لڑکی نے اپنا نکاح خود غیر کفو میں کرلیا اور ولی صراحۃً یا دلالۃً رضامندی ظاہر نہ کرے مثلاً مہر وصول کرنا وغیرہ عمل

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار | باب الولی | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۳

[2] الدر المختار | باب الولی | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۴

[3] فتاوٰی قاضی خاں | فصل فی شرائط النکاح | نولکشور لکھنؤ | ۱/۱۵۷

[4] الدر المختار | باب المھر | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۷

اجازة والظاھر ان سکوته ھنا کذٰلك فلایکون سکوته اجازة لنکاح الابعد و ان کان حاضرا فی مجلس العقد مالم یرض صریحا او دلالة تامل[1]۔

ذکرے، تو ولی کو اس نکاح پر اعتراض کا حق ہے تو فقہاء نے اس کے سکوت کو اجازت نہیں قرار دیا اور ظاہر یہی ہے کہ اس کا یہاں موقعہ پر سکوت کا یہی مطلب ہے تو اس کا سکوت ابعد ولی کے نکاح کی اجازت قرار نہیں پائے گا اگرچہ یہ اقرب مجلس نکاح میں موجود ہو جب تک صریحًا یا دلالۃً رضامندی ظاہر نہ کردے، غور کرو۔ (ت)

اور اس صورت میں مہر بھی لازم نہ آئے گا،

لان النکاح باطل والباطل معدوم والمعدوم لایفید۔

کیونکہ یہ نکاح باطل ہے اور باطل کالعدم ہوتا ہے اور معدوم چیز مفید نہیں۔ (ت)

البتہ اگر ایسی صورت میں یہ ثابت ہو کہ زید نابالغ نے بعد اس عقدِ غیر نافذ کے محمودہ سے بالجبر قربت کی اور محمودہ اُس وقت حقیقۃً حالتِ جبر و اضطرار میں تھی، نہ وہ حالت جو ابتداءً بوجہ شرم و حجاب عمومًا انکارِ ابکار کی باعث ہوتی ہے بلکہ وُہ حالت جو زنِ عفیفہ کو مردِ اجنبی کے ساتھ ہوتی ہے تو اس تقدیر پر ہندہ کا مہرِ مثل ذمۂ زید لازم ہونا چاہئے،

وذٰلك لان الموقوف قبل الاجازة لایحل الوطئ بل ولا النظر[2] کما صرح به فی احکام الخلوة من باب المھر من رد المحتار عن النھر عن النھایة وقد تبین بالموت انھا لم تکن زوجته ولاحد للشبھة و للصبی فیجب العقر الا ان تکون مطاوعة فلایوجب لعدم الفائدة اذلولزم لرجع به الولی علیھا لانھا مکلفة وقد وقع ما وقع بامرھا لکونھا طائعة کمافی ردالمحتار عن الشرنبلالی عن الفتح۔ واللہ

یہ اس لئے کہ اجازت سے قبل موقوف نکاح میں وطی حلال نہیں بلکہ اس کو دیکھنا بھی حلال نہیں جیسا کہ مہر کے باب میں خلوت کے احکام میں ردالمحتار نے نہر سے انھوں نے نہایہ سے نقل کیا ہے اور اجازت سے قبل موت سے ظاہر ہوگیا کہ یہ اس کی بیوی نہ تھی، اگر قبل از اجازتِ ولیِ اقرب، وطی یا خلوت ہوجائے تو حلال نہ ہونے کے بعد زنا کی حد نہ ہوگی کیونکہ مقامِ شبہہ ہے نیز لڑکا نابالغ ہے، تاہم عُقر یعنی جوڑا خرچہ واجب ہوجائے گا بشرطیکہ لڑکی کی خواہش پر یہ عمل نہ ہوا ہو ورنہ عُقر واجب نہ ہوگا کیونکہ اس میں فائدہ نہیں ہے

---

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۵

[2] ردالمحتار باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۴۱

تعالیٰ اعلم۔ اس لئے کہ اگر واجب قرار دیا جائے تو لڑکے کا ولی لڑکی سے تعرض کرے گا، کیونکہ جو واقعہ ہُوا ہے وُہ لڑکی کی مرضی اور کہنے سے ہُوا اس لئے کہ لڑکی بالغ ہے جس کی خواہش پر یہ کچھ ہُوا ہے جیسا کہ ردالمحتار میں شرنبلالی سے اور اس نے فتح سے نقل کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲۹ از کلکتہ دھرم تلا اسٹریٹ نمبر ۱۰۲ مرسلہ حافظ عزیز الرحمان صاحب ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی نابالغہ کا نکاح بسبب نہ رہنے باپ دادا کے اُس کے ماموں نے اپنی ولایت سے کردیا تھا اب بحالتِ بلوغ لڑکی نے اُس نکاح کو منظور نہ کیا اور بعین حالتِ بلوغ دو چار آدمیوں کو بُلا کر اظہار کیا کہ میں اس وقت بالغ ہُوئی اپنے ولی کے نکاح کو نامنظور کرکے فسخ کیا آپ لوگ اس امر کے شاہد رہیں اور اس فسخ کی خبر اس کے ناکح کو ہوئی اور دین مہر بھی معاف کردیتی ہے، تاہم صفائی نہیں کرتا، قریب سال کے گزرا اور دربارہ مسئلہ فسخ درمختار وغیرہ میں ہے کہ فسخ کی خبر قاضی کو کرے، قاضی تفریق کردے۔ اور اس سلطنت انگریزی میں قضا یا نہیں حکم قضا یا حکامِ ہائی کورٹ کے متعلق ہے اور ہائیکورٹ میں خبر کے واسطے وکیل اور بیرسٹر مبلغ ایک ہزار طلب کرتے ہیں اور لڑکی مذکورہ نان نفقہ کو محتاج اور عالمِ شباب رکھتی ہے، خوفِ شیطانی غالب ہے، پس ایسی صورت میں کیا کرے؛ بیان فرمائیے۔ بینوا توجروا

الجواب

فی الواقع اُس فسخ کے لئے قضائے قاضی شرط ہے کما فی الدرالمختار (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ ت) اور حاضری شوہر وقتِ تفریق بھی ضرور،

فی ردالمحتار الزوج لوکان غائبا لم یفرق بینھما مالم یحضر للزوم القضاء علی الغائب نھر۔ قلت وبه صرح الاستروشنی فی جامعه[1]۔

ردالمحتار میں ہے جب تک خاوند حاضر نہ ہو قاضی تفریق نہ کرے، ورنہ اس کی غیر موجودگی میں تفریق، قضاء علی الغیب ہوگی، نہر۔ میں کہتا ہُوں استروشنی نے اپنی جامع میں یہی تصریح کی ہے۔ (ت)

اور ہائی کورٹ وغیرہ انگریزی کچہریاں دارالقضاء شرعی نہیں، نہ وہ حُکّام حُکّام وقضاۃِ شرع، تو ایسے مسائل میں اُن کی طرف رجوع اگر آسان بھی ہو تو اصلاً مفید نہیں کہ ان کے فسخ کئے یہ نکاح فسخ نہ ہوگا اور عورت بدستور زوجۂ شوہر رہے گی بلکہ وہاں جو عالم فقیہ سُنّی تمام اہلِ شہر سے علمِ فقہ میں زائد ہو اس قسم کے خاص دینی کاموں میں اُس کی طرف رجوع لازم ہے، اور اگر وہاں یہ بھی نہ ہو تو چارہ کار یہ ہے کہ زن شوہر

---

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۷

اس معاملہ کو پنچایت پر رکھیں، مسلمان پنچ بعد ثبوت بمواجہہ شوہر تفریق کردے نکاح فسخ ہوجائے گا،

فان المحکم کالقاضی فی کل مالیس بحد و لاقود ولادیۃ علی عاقلۃ کما نصوا علیہ۔

حکم یعنی ثالث، قصاص، حد اور عاقلہ پر دیت کے سوا باقی امور میں قاضی کی طرح ہے، جیسا کہ فقہاء نے اس پر نص کی ہے۔ (ت)

اور اگر شوہر پنچایت پر راضی نہ ہو تو عورت کسی اسلامی ریاست کے شہر میں جائے جس طرح یہاں ریاست رام پور وغیرہ اور وہاں قاضی شرع کے حضور (جس کی قضا کو نواب والی ملک مسلمان نے نہ اس شہر والوں سے خاص کردیا ہو نہ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب پر حکم کے لئے مقید کیا ہو) استغاثہ کرے وُہ بلحاظ قواعدِ شرعیہ تفریق کرسکتا ہے، اور اگر شوہر بھی وہاں جانے پر راضی ہو یا قاضی کی طلبی پر اُسے جانا ضرور ہو جب تو امر آسان ہے۔ اب اُس قاضی میں صرف اتنی شرط ہوگی کہ والی نے صرف اہلِ شہر کے ساتھ اُس کی قضاء کو خاص نہ کردیا ہو جیسا کہ اکثر یہی ہے کہ تخصیص نہیں کرتے۔

وذٰلک لما عرف ان القضاء یتخصص بکل ماخصص بہ المقلد کما فی الاشباہ والدر وغیرھما واذا لم یخصص باھل البلد لم یشترط ان یکون العقد اعیان من اھل البلد[1] کما فی ردالمحتار وغیرہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

یہ اس لئے کہ قضاء کا دائرہ قاضی کو مقرر کرنے والے کی تخصیص سے خاص ہوتا ہے جیسا کہ اشباہ، درمختار وغیرہ کتب میں مذکور ہے۔ اور جب قاضی کا دائرہ کسی خاص علاقہ سے مخصوص نہ ہو تو دعوٰی کے فریقین کا اہلِ بلد سے ہونا شرط نہیں ہے، جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۳۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ کے باہم شادی بولایت پدران عالم نابالغی زوجین میں ہُوئی، بعد ایک عرصہ کے زید نابینا ہوگیا اور ہنوز وُہ دونوں نابالغ ہیں اور پدر ہندہ نے وفات پائی اب مادر وعم ہندہ اسے رخصت کرنا نہیں چاہتے اور کہتے ہیں ہم اپنی بیٹی زید کو نہیں دیں گے اس صورت میں ماں کے انکار سے اُس نکاح میں خلل آیا یا نہیں؟ اور ماں اور چچا کو فسخ کا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

صورتِ مسئولہ میں نکاح مذکور بحالہ باقی ہے اور ام وعم ہندہ بلکہ کسی کے انکار سے اُس میں خلل نہیں

[1] بحرالرائق کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۵۷

آتا، نہ انھیں اختیارِ فسخ حاصل، یہاں تک کہ اگر خود ہندہ بعد بلوغ فسخ نکاح چاہے تاہم منفسخ نہ ہوگا،

فی تنویر الابصار لزم النکاح ولو بغبن فاحش ان کان الولی ابا اوجدا[1] الخ وفی فتاوی قاضی خان اذا بلغ الصغیر او الصغیرۃ قد زوجھما الاب والجد لاخیار لھما[2] انتھی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

تنویرالابصار میں ہے کہ ولی باپ یا دادا ہو تو بہت کم مہر سے بھی نکاح لازم ہوتا ہے الخ، اور فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ لڑکا یا لڑکی کو بالغ ہونے پر اختیار نہ ہوگا انتہی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۳۱: ۲۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا شوہر مرگیا اور دو لڑکی ایک کی عمر تین برس کی اور ایک کی چھ برس کی، چھ برس کی عمر کی لڑکی کو اس کی پھوپھی چوری سے لے گئی اپنے گھر کو، جب ہندہ کو معلوم ہُوا تو وہ اس فکر میں رہی کہ جب موقع پاوے اپنی لڑکی کو لے آئے، اور اپنے عزیزوں سے بھی کہہ رکھا کہ جب موقع ملے تو میری لڑکی کو میرے پاس لے آؤ، حسبِ اتفاق وُہ لڑکی ہندہ کی کسی دُکان پر گوشت لے رہی تھی اور ہندہ کا بھانجا اُس طرف سے آرہا تھا اُسے گودی میں اُٹھا لایا اور ہندہ کو دے دیا، جب وُہ لڑکی ہندہ کے پاس آگئی تو چھ سات روز بعد اس کی پھوپھی آئی اور ہندہ سے کہا میں نے اس کا نکاح اپنے لڑکے کے ساتھ کردیا ہے اب اس کو بھیج دو، ہندہ نے کہا میں ماں تھی میری بلا اجازت تم نے کیوں نکاح کیا میں اس لڑکی کو نہیں دُوں گی اور اس کے نکاح کا مجھے اختیار ہے، اور وہ لڑکی ایک برس اپنی پھوپھی کے رہی اور چھ برس کی عمر میں گئی تھی اور اس کو ماں کے پاس آئے ہُوئے چار پانچ برس کا عرصہ ہوا اس حساب سے اب گیارہ بارہ برس کی عمر ہے تو اس صورت میں وُہ نکاح فاسد رہا یا قائم رہا؟ اور ہندہ اس کا اور جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے، آیا بموجب شرع شریف کے کرسکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر اُن لڑکیوں کا کوئی جوان بھائی، بھتیجا، چچا، چچا کا بیٹا، پوتا غرض دادا پردادا کی اولاد سے کوئی عاقل بالغ مرد نہ تھا تو اُن کے نکاح کی ولایت ان کی ماں ہی کو تھی پھوپھی کو ماں کے ہوتے کچھ اختیار نہ تھا جو نکاح پھوپھی نے بے اجازت ماں کے کیا جبکہ ماں نے اُسے رَد کردیا کہ تم نے کیوں کیا میں اس کو نہ دوں گی

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲
[2] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الاولیاء منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۴

اس کا مجھے اختیار رہے وُہ نکاح باطل ہوگیا اب ہندہ کو اختیار ہے جہاں مناسب دیکھے لڑکی کا نکاح کر دے۔

فی الدر المختار ان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام[1] واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

درمختار میں ہے اگر کوئی عصبہ نہ ہو تو پھر ولایت ماں کو ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب (ت)

مسئلہ ۳۳۲ ازشہر اعظم گڑھ مرسلہ عنایت اللہ خاں صاحب ۱۴ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ مسماۃ محمودہ کا نکاح حامد ایک شخص ہم کفو کے ساتھ مندرجہ ذیل صورت میں ہُوا ہے صرف پدرِ محمودہ کو یہ نکاح حامد کے ساتھ کرنا منظور نہیں تھا مگر مادرِ محمودہ و نیز تمام خاندان کو بہرصورت منظور رہا اس لئے یہ نکاح بہ تحریکِ مادرِ محمودہ و دیگر بزرگانِ خاندان بغیبت پدرِ محمودہ کے جبکہ وُہ اپنے علاقہ پر بہ فاصلہ بارہ تیرہ کوس کے تھا باعلانِ عام منعقد کیا گیا، چونکہ محمودہ عاقلہ بالغہ بھی اس لئے ایک روز قبل از انعقادِ نکاح اس کی ہم عمر ایک کتخدا لڑکی واسطے استمزاج محمودہ کے بھیجی گئی، اُس سے محمودہ نے کہا کہ یہ نکاح مجھ کو بدل منظور ہے، یہ بھی کہا کہ اس میں یہ خُوبی ہے کہ میں تم اور نیز تمام اعزّہ سے جُدا نہ ہُوں گی اور ایک ہی جگہ رہوں گی، دوسرے روز بروز جمعہ اس کا عقد قرار پایا، ایک وکیل اور دو گواہ جس کمرہ میں محمودہ تھی واسطے دریافت رضامندی کے گئے وحسبِ رواج اس ملک کے سوال جواب کرکے واسطے پڑھانے نکاح کے باغ حامد میں جہاں نکاح پڑھانے والا و اعزّہ اور نیز شہر کے معزز وممتاز لوگ موجود تھے واپس آئے، واپس آنے پر یہ معلوم ہُوا کہ وکیل وگواہان نے محض مادرِ محمودہ سے رضامندی حاصل کی ہے، اس پر حاضرین کی یہ رائے ہُوئی کہ مسماۃ محمودہ عاقلہ بالغہ ہے اس سے پُوچھنا ضروری امر ہے لہذا پھر وکیل وگواہان گھر میں جائیں اور خاص محمودہ سے دریافت کریں، چنانچہ وکیل وگواہان و نیز چند اعزّہ محمودہ کے گھر میں گئے، معلوم ہوا کہ مسماۃ محمودہ نماز صلوٰۃ التسبیح پڑھ رہی ہے۔ وکیل نے یہ کہا کہ محمودہ جب نماز سے فارغ ہُوئے تو دریافت کیا جائے، تھوڑی دیر کے بعد محمودہ نماز پڑھ چکی، ایک گواہ نے محمودہ کو بایاں سلام اور ایک عزیز نے دونوں سلام پھیرتے دیکھا اور اس جگہ قریب محمودہ کے مادرِ محمودہ و بہن حامد بیٹھی ہُوئی تھیں، بعد فراغتِ نماز حسبِ احکامِ شرعیہ ایجاب وقبول کے الفاظ محمودہ سے بغرضِ حصول رضامندی کیے گئے تو مادرِ محمودہ نے حسبِ رواج اس ملک کے وموافق رسم شرفائے اس دیار کے کہا کہ ہاں منظور ہے اور محمودہ ساکت رہی، مگر وکیل نے کہا کہ محمودہ خود عاقلہ بالغہ ہے اُس کو اپنی زبان سے ایجاب وقبول کے الفاظ کا اعادہ کرنا چاہیے، اس بات پر مادرِ محمودہ نے و نیز اور لوگوں نے کہا کہ ہندوستان میں شریفوں کی کوئی لڑکی

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

کنواری آج تک کبھی بولی ہے کہ یہ بولے گی بلکہ بالعموم سکوت علامتِ رضامندی ہوتی ہے مگر باایں ہمہ وکیل نے بمقابلہ گواہان کے محمودہ کا نام لے کر کلماتِ ایجاب وقبول کو پوچھا کہ محمودہ تم کو منظور ہے؟ محمودہ اس وقت محض ساکت رہی اور کچھ سرنگوں ہوگئی، اس طور پر دوبارہ باصرار دریافت کیا گیا تو اپنے منہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر اور زیادہ جھکی، تیسری دفعہ وکیل نے اسی طرح تقریر کی، محمودہ کی حالت وہی حالتِ سکوت وخاموشی کی رہی، بعد اس کے وکیل وگواہان باہر حامد میں آئے اور حسبِ اصولِ شرعیہ ودستورِ مروجہ نکاح محمودہ کا حامد کے ساتھ جماعتِ کثیرہ کے رُوبرو ہوگیا اور بعد نکاح مکانِ محمودہ میں حسبِ دستور سب اعزہ آئے و باہم مبارک وسلامت ہوئی اور رسوم شربت نوشی کی عمل میں آئی جس پر مادر و بہن و نانی محمودہ نے شادمانی کا اظہار کیا اور یہ واقعہ قبل از نمازِ جمعہ کے تھا اور شب میں آٹھ بجے والدِ محمودہ کا علاقہ سے مکان پر آگیا اور اس نے ایک شور وغل برپا کیا صبح کو تمام اعزہ کو بُلا کر یہ کہا کہ یہ نکاح درست نہیں ہُوا، اور کہنے لگا کہ مادرِ محمودہ یہ کہتی ہے کہ محمودہ کو یہ نکاح منظور نہ تھا اور وقت اعادہ الفاظ نکاح بغرض حصول رضامندی کے محمودہ نماز میں تھی اور جب وہ سجدۂ سہو میں جانے لگی تو حامد نے اس کا سر پکڑ لیا، آپ لوگ چلیں اور گھر میں دریافت کرلیں، اعزہ گھر میں آئے، اُن کے روبرو پدرِ محمودہ نے مادرِ محمودہ سے یہ پُوچھا کہ آیا محمودہ کو یہ عقد منظور تھا یا نہیں، وُہ نماز میں تھی یا نہیں، بجواب اس کے مادرِ محمودہ نے یہ کہا کہ محمودہ نے یہ کہا کہ مجھ کو منظور ہے اور سجدہ سہو کی بابت مادرِ محمودہ نے کہا کہ میں کچھ نہیں جانتی اگرچہ مکرر سہ کرر والدِ محمودہ مادرِ محمودہ سے دیر تک سجدہ سہو کی نسبت پوچھتا رہا مگر وُہ انکار ہی کرتی رہی اگرچہ بیان والدِ محمودہ کا بالکل خلاف وقوع واقعہ کے تھا اور صریح بے اصل تھا دوپہر تک والدِ محمودہ اس امر پر غلو کرتا رہا کہ بوجہ مشغولی نماز کے یہ نکاح نہیں ہوا، جب یہ امر بے اصل کسی طرح سے ثابت نہ ہُوا کہ وقت نکاح کے محمودہ نماز میں تھی تو اُس نے بعد دوپہر کے اعزہ کو جمع کرکے یہ خواہش ظاہر کی کہ علیحدہ ہوجائے، جس علیحدگی کا مطلب یہ تھا کہ طلاق ہوجائے، حامد اور اعزہ حامد نے اس علیحدگی کو منظور نہیں کیا اگرچہ عرصہ تک والدِ محمودہ کا اس پر اصرار تھا، محمودہ خواندہ ہے اس عرصہ میں محمودہ نے ایک رقعہ دستخطی اپنے والد کو لکھا کہ مجھے آپ کی خوشی منظور ہے مجھے سوائے نماز و روزہ کے اور کوئی چیز نہیں چاہئے مگر لفظ طلاق کا ہرگز درمیان میں نہ آنے پائے اور انھی الفاظ کا اعادہ محمودہ نے اپنی چند ہم عمروں سے بھی کیا، صورت استمزاج ماقبل نکاح و سکوت بوقت نکاح و تحریر رقعہ بعد نکاح و اظہار خیال از ہم عمران سے منظوری و رضامندی محمودہ کی اس نکاح کی نسبت بخوبی ثابت ہے اور اس وقت تک یہ نکاح محمودہ کو منظور ہے، چونکہ یہ نکاح باپ محمودہ کی غیبت میں برضامندی محمودہ و مادرِ محمودہ و نیز تمام خاندان فریقین ہُوا ہے تو ایسی صورت میں یہ نکاح ازرُوئے فقہ جائز ہوا یا نہیں؟ بینوا بالکتاب توجروا بالثواب۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اگر حامد محمودہ کا کفوِ شرعی ہے یعنی اس کے نسب و مذہب و روش و پیشہ وغیرہ میں کوئی بات ایسی نہیں کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے محمودہ کے لئے باعثِ ننگ و عار ہو تو نکاح مذکور منعقد ہوجانے میں اصلاً شبہہ نہیں اگرچہ وُہ وقت طلب اجازت نماز ہی پڑھتی ہو بلکہ اگرچہ اُس سے اصلاً اجازت نہ لی گئی ہو، والدِ محمودہ کا ادعا کہ نکاح نہ ہُوا محض باطل و بے معنی ہے عقد بے اجازت غایت یہ کہ عقد فضولی ہو، پھر عقد فضولی صحیح و منعقد ہوتا اور اجازتِ صاحبِ اجازت پر اُس کا نفاذ موقوف رہتا ہے نہ کہ اصلاً باطل ٹھہرے۔

فی الدر المختار الفضولی من یتصرف فی حق غیرہ بغیر اذن شرعی کل تصرف صدر منہ تملیکا کان کبیع وتزویج او اسقاطا کطلاق وعتاق ولہ من یقدر علی اجازتہ حال وقوعہ انعقد موقوفا۔[1]

درمختار میں ہے فضولی وُہ ہوتا ہے جو شرعی اجازت کے بغیر، غیر کے حق میں خود بخود تصرف کرے، فضولی کا کوئی تصرف خواہ مالک بنانے کے لئے ہو جیسا کہ بیع و نکاح یا ملکیت کو ساقط کرنے کے لئے ہو، جیسا کہ طلاق و عتاق، تو اس کے تصرف کے وقت اگر کوئی اس کو جائز کرنے والا ہو تو فضولی کا یہ تصرف موقوف ہوگا۔ (ت)

نظر بوقائع مذکور سوال عقد محمودہ ایسا ہی واقع ہُوا، نکاح سے ایک دن پہلے ہم لڑکی سے جو گفتگو آئی اور محمودہ نے پسند ظاہر کی وُہ صرف رائے تھی نہ کسی شخص کو نکاح کرنے کی توکیل وقت تزویج اذن لینے پر جو سکوت محمودہ نے کیا وُہ بھی توکیل کے لئے ناکافی تھا کہ ولی اقرب یعنی پدر چند ہی کوس پر تھا اور اذن لینے والا جب نہ خود ولی اقرب ہو نہ اُس کا وکیل نہ اس کا رسول، تو دوشیزہ کا سکوت بھی معتبر نہیں اذن صاف درکار ہے۔

فی تنویر الابصار والدر المختار ورد المحتار ان استاذنہا غیر الاقرب کاجنبی (المراد بہ من لیس لہ ولایۃ لکن رسول الولی قائم مقامہ فیکون سکوتہا رضا عند استیذانہ کما فی الفتح والوکیل کذلک کما فی البحر عن القنیۃ) او ولی بعید (کالاخ مع الاب اذا لم یکن الاب غائبا

تنویر الابصار، درمختار، ردالمحتار میں ہے اگر لڑکی سے نکاح کی اجازت چاہنے والا، ولی اقرب کا غیر مثلاً اجنبی یعنی غیر ولی ہو یا ولی ابعد ہو مثلاً والد کی موجودگی میں بھائی، جبکہ والد لمبے سفر پر نہ ہو (جیسا کہ خانیہ میں ہے) تو لڑکی کی اجازت کے لئے اس کا سکوت معتبر نہ ہوگا بلکہ اس موقعہ پر اس کا بولنا ثیبہ عورت کی طرح ضروری ہے یا کوئی ایسا فعل ضروری ہے جو بولنے کے قائم مقام

---

[1] درمختار فصل فی الفضولی مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

غيبة منقطعة كما فی الخانية) فلا عبرة لسكوتها بل لابد من القول كالثيب البالغة او ما هو فی معناه من فعل يدل علی الرضا[1]۔

رضا پر دلالت کرسکے، لیکن ولی اقرب کا قاصد یا وکیل ہو تو وہ ولی کے قائم مقام ہوتا ہے لہذا ان کے اجازت طلب کرنے پر لڑکی کی خاموشی کو رضا قرار دیا جائے گا، جیسا کہ فتح میں ہے، اور وکیل کے بارے بحر میں قنیہ سے منقول ہے (ت)

معہذا رسم اکثر دیارِ ہندیہ یُوں ہے کہ وکالت واذن زید کے نام لیتے ہیں اور پڑھانے والا عمرو ہوتا ہے یوں باوصف اذن صریح بھی عقد عقد فضولی رہتا ہے کہ جسے اذن تھا اُس نے نہ پڑھایا،

فی ردالمحتار عن الرحمتی عن الحموی عن كلام محمد فی الاصل ان مباشرة وكيل الوكيل بحضرة الوكيل فی النكاح لاتكون كمباشرة الوكيل بنفسه بخلافه فی البيع[2] اھ و فی وكالة غمز العيون عن الولوالجية هو الصحيح[3]۔

ردالمحتار نے رحمتی اور انھوں نے حموی کے واسطے سے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا مبسوط میں بیان کردہ کلام نقل کیا ہے کہ وکیل کا وکیل، نکاح کے معاملہ میں اصل وکیل کی موجودگی میں، وکیل والا حکم نہیں پاتا، بیع کا معاملہ اس کے خلاف ہے اھ، اور غمز العیون کے باب وکالت میں ولوالجیہ سے ہے کہ یہی صحیح ہے۔ (ت)

بہرحال یہ نکاح نکاحِ فضولی ہُوا اور اجازتِ محمودہ پر موقوف رہا، اب بعد نکاح محمودہ کا رقعہ اگرچہ بنظر بعض تدقیقات علمیہ کہ عوام خصوصاً عورات کی بات اُن پر محمول ہونی مستبعد و نامقبول مدارک فقہیہ ہے رد و اجازت کا قطعی فیصلہ نہ کرے تاہم شک نہیں کہ اس سے ظاہر و متبادر یہی ہے کہ محمودہ نے اس نکاح کو جائز رکھا اگرچہ رضائے پدر کے لئے شوہر سے علیحدہ اور عمر بھر نماز روزے پر قانع رہنا قبول کرتی ہے مگر طلاق پر ہرگز راضی نہیں اور طلاق باآنکہ مزیلِ نکاح ہے خود ہی سبقتِ نکاح چاہتی ہے نہ کہ اس کی ناپسندی کہ بقائے نکاح کی رضامندی ہے اور اُسی قدر نفاذِ نکاح موقوف کے لئے کافی ہے،

لما مر من الدرالمختار من قوله او ما هو فی معناه من فعل يدل علی الرضا[4]۔

درمختار میں اس کے قول "اور جو فعل رضا پر دلالت کرنے میں کلام جیسا ہو" کی وجہ سے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار حاشیہ درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۱

[2] " " " " " ۲/ ۳۰۰

[3] الاشباہ والنظائر مع غمز العیون کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱

[4] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

پس صورت مستفسرہ میں بشرطِ کفاءت مذکورہ نکاحِ محمودہ جائز و تام و نافذ و لازم ہے جس پر پدر وغیرہ کسی کو حقِ اعتراض نہیں۔ واللہ سبحانہ، وتعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳۳۳ از بھوندپوری ضلع ترائیں نینی تال ۲۰ صفر ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نابالغہ کا نکاح خالد نابالغ سے ہُوا، ہندہ اُس وقت نو برس کی تھی، ہندہ کا باپ، بھائی، چچا وغیرہ کوئی ولی سوا ماں کے نہیں، یہ نکاح ماں کی رضامندی سے ہوا مگر اذن ہندہ نابالغہ سے لیا اور خالد کا نکاح اُس کے باپ نے کیا مگر قبول خود خالد سے کرایا گیا، بعد نکاح ہندہ نے خالد کے یہاں جانا نہ چاہا، اس بنا پر اس کے ماموں نے روک رکھا مگر ٹھیکیدار کی تنبیہ سے جو یہاں دیہات میں مثل حاکم سمجھا جاتا ہے، ہندہ پندرہ برس یا اس سے کم کی عمر میں رخصت ہو کر خالد کے یہاں گئی اور چار برس وہیں رہی، وقتِ نکاح ہندہ و خالد دونوں نابالغ سمجھ وال تھے نہ تو بالغ تھے نہ نا سمجھ بچے۔ ہندہ پندرہ برس کی عمر میں بالغ ہُوئی، اب پھر اس نے اپنی ناراضی ظاہر کی اور دوسری جگہ اپنا نکاح کیا چاہتی ہے اس صورت میں یہ اختیار اُسے ہے یا نہیں؟ ہندہ کا بیان ہے کہ آج تک ہمبستری نہ ہُوئی، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہاں کے لوگ بوجہ نقصان آب و ہوا کے ضعیف و کمزور بہت نکلتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

سائل مظہر کہ خالد ہندہ کا نسب و مذہب وغیرہا میں ہر طرح کفو ہے اور مہر اُس کے یہاں کے رواج سے زیادہ باندھا گیا لہذا نکاح صحیح ہوگیا، ہاں اس وجہ سے کہ ہندہ کا نکاح کرنے والا اُس کا باپ دادا نہیں، ہندہ کو بالغ ہوتے ہی فوراً فوراً اختیارِ فسخ تھا، اگر اس نے حیض آتے ہی معاً ناراضی اور فسخ کی طلب گاری ظاہر کی تو نکاح فسخ کیا جائے گا، اور اگر ذرا بھی دیر کی تو اب نکاح لازم ہوگیا کہ ہرگز فسخ نہیں ہوسکتا۔

فی الدرالمختار ان کان المزوج غیر الاب وابیه ولو الام لایصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا و ان من کفو و بمهر المثل صح ولهما خیار الفسخ بالبلوغ و بطل خیار البکر بالسکوت[۱] اھ ملتقطا۔

درمختار میں ہے جب نکاح کرکے دینے والا باپ دادا کا غیر ہو تو اگرچہ وُہ ماں ہی کیوں نہ ہو، غیر کفو اور انتہائی قلیل مہر سے اصلاً نکاح نہ ہوگا، اور اگر کفو اور مہر مثل ہے تو صحیح ہوگا لیکن لڑکے اور لڑکی کو بالغ ہونے پر فسخ کا اختیار ہوگا، اور باکرہ بالغہ کی خاموشی اس فسخ کے اختیار کو ختم کردے گی اھ ملتقطاً (ت)

، سے بہت کامل تحقیق کرنی ضرور ہے کہ معاً حیض آتے ہی عورت کا مطالبہ فسخ کرنا بہت نادر ہے خصوصاً

---

[۱] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳-۱۹۲

جبکہ جاہلہ ہو، اور تقریر سوال سے ظاہر اس کا خلاف ہے اور پیش از بلوغ اظہار نار اضی کوئی چیز نہیں، عورت اگر اس میں فریب کرے گی اور بعد بلوغ ایک ذرا دیر بھی خاموش رہی یا کوئی اوربات کی تھی اور اب یہ ظاہر کرے گی کہ میں نے فوراً فوراً بالغ ہوتے ہی بلا تاخیر سب میں پہلے یہی لفظ کہا تھا اور اس بنا پر فسخ کا حکم لے کر دوسرے سے نکاح کرے گی تو ہمیشہ ہمیشہ زناکاری کی بلا میں گرفتار رہے گی۔ اتنا اور بھی معلوم رہے کہ مدت کے بعد اُس کا یہ دعوٰی کہ میں نے حیض کے آتے ہی فوراً نکاح فسخ کردیا تھا بے گواہان عادل شرعی کے ہرگز قبول نہ ہوگا کما بینہ فی ردالمحتار (جیسا کہ اس کو ردالمحتار میں بیان کیا ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۴: از اعظم گڑھ مرسلہ خواجہ عنایت اللہ خاں صاحب ۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید نے جو اہل کفو ہندہ سے تھا ہندہ بالغہ باکرہ کا نکاح بغیبت اس کے باپ کے جو صرف بارہ کوس کے فاصلہ پر اپنے علاقہ پر تھا برضامندی مادر ونانی و بہ سکوت وگریہ ہندہ اپنے ساتھ ہو کا و شہادت تین اقرباخاص ہونا ظاہر کیا، زید اب کہتا ہے کہ ہندہ نے خود اپنی زبان سے صراحت کے ساتھ میرے نکاح کو قبول کیا تھا، وکیل گواہان زید حسب بیان زید شہادت دیں، ہندہ کہتی ہے میں نے ہرگز ہرگز نہ زبان سے اقرار و نہ کسی طرح منظوری اپنی ظاہر کی تھی و بلا رضامندی اپنے باپ کے مجھ کو یہ نکاح نہ پہلے منظور تھا نہ اب ہے، باپ ہندہ کا نہ پہلے راضی تھا نہ اب راضی ہے، پس ایسا نکاح و شخص عند اللہ والرسول کیسا اور ہوا یا نہیں؟ اور سوال یہ ہے کہ زید و گواہان زید و وکیل کو ترجیح ہے یا کیا صورت، کس کے مقابلہ میں کس کو ترجیح؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ نکاح مذکورہ بالا حسب اظہار ہندہ اگر بحالت سکوت وگریہ ہندہ بغیبت اس کے باپ کے حسب کیفیت نارضامندی و فاصلہ مرقومہ اُس کے ہُوا ہو تو ہُوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

تقریر سوال سے واضح کہ یہ نکاح بغیبت پدر ہندہ بوجہ ناراضی پدر ہندہ عمل میں آیا ایسی حالت میں ۱۲ کوس کا فاصلہ کسی قول پر غیبت منقطعہ نہیں ہوسکتا، مسافت قصر نہ ہونا ظاہر، اور یہاں ولی ابعد کی تعجیل (بحالیکہ ماں یہاں ولی ابعد ہو بھی) اس وجہ سے نہیں کہ ولی اقرب سے مشورہ لینے میں دیر لگے گی اور اتنی دیر میں کفو حاضر ہاتھ سے نکل جائے گا بلکہ اس لئے کہ ولی اقرب کی رائے اپنے ارادہ کے خلاف معلوم ہے اور اس کے خلاف کام کرنا منظور تو ہرگز یہ صورت ناقل ولایت بولی الابعد نہیں والاتکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض (ورنہ زمین پر فتنہ اور وسیع فساد برپا ہوگا۔ ت) ایسا ہو تو شرع مطہر نے جس حکمت سے ترتیب رکھی ہے راساً باطل ہوجائے، ہر ولی ابعد سے ابعد ہر زن بے عقل و بے خرد کو اختیار حاصل ہو کہ پدر مہربان یا برادر شفیق ولی قریب کو دہ کوس بلکہ گھر سے باہر مسجد یا بازار ہی تک جائے اور وہ اس کے خلاف رائے جس سے چاہے نکاح کردے، یہ مقاصد شرع سے

منزلوں دُور ہے بالجملہ قولِ آخر میں انتقال ولایت جب ہے کہ انتظار کی دیر باعث فوت کفو ہو، نہ یہ کہ بوجہ علم ناراضی قصداً انتظار نہ کیا جائے۔

فی ردالمحتار اختلف فی حد الغیبۃ واختار المصنف تبعا للکنز انھا مسافۃ القصر، ونسبہ فی الھدایۃ لبعض المتاخرین والزیلعی لاکثرھم قال وعلیہ الفتوی اھ وقال فی الذخیرۃ الاصح انہ اذا کان فی موضع لوانتظر حضورہ او استطلاع رایہ فات الکفو الذی حضر فالغیبۃ منقطعۃ و الیہ اشار فی الکتاب اھ وفی النھایۃ واختارہ اکثر المشائخ وفی شرح الملتقی عن الحقائق علیہ الفتوی[1] اھ مختصرا، فی الدرالمختار و ثمرۃ الخلاف فیمن اختفی فی المدینۃ ھل تکون غیبۃ منقطعۃ[2]۔

ردالمحتار میں ہے کہ غیبۃ منقطعہ کی حد کے متعلق اختلاف ہے تو مصنّف نے کنز کی اتباع میں فرمایا کہ وُہ مسافتِ قصر کا سفر ہے اور اس کو ہدایہ نے بعض متاخرین اور زیلعی نے اکثر متاخرین کی طرف منسوب کیا ہے اور زیلعی نے فرمایا اسی پر فتویٰ ہے اھ، اور ذخیرہ میں کہا ہے اصح یہ ہے کہ وہ اتنا دور ہو کہ اگر اس کی واپسی کا انتظار یا اس سے مشورہ حاصل کرنے سے موجود رشتہ کفو فوت ہو جائے تو یہ "غیبۃ منقطعہ" ہوگی، اور کتاب میں اسی کی طرف اشارہ ہے اھ، اور نہایہ میں ہے کہ اکثر مشائخ نے اس کو پسند کیا ہے، اور ملتقی کی شرح میں حقائق سے منقول ہے کہ اس پر فتویٰ ہے اھ مختصراً، اور درمختار میں اس اختلاف کا ثمرہ بیان کیا کہ شہر میں ہی کوئی ولی چھپا ہوا ہو تو کیا وُہ غیبۃ منقطعہ ہوگی یا نہیں۔ (ت)

اور ولی ابعد بحالت عدم انتقال ولایت یا کوئی اجنبی کہ ولی اقرب کا وکیل و رسول نہ ہو جب بکر بالغہ سے اذن نکاح مانگے تو اس کا سکوت معتبر نہیں بلکہ قولاً یا فعلاً صاف اظہار رضا ضرور ہے، بحالِ سکوت نکاح فضولی ہوگا، اور اجازت عروس پر موقوف رہے گا، اسی طرح اگر غیر ولی اقرب نے بلا اذن بکر بالغہ نکاح کر دیا پھر اسے خبر ہُوئی تو اجازتِ صریحہ سے نافذ ہوگا، سکوت کافی نہیں۔

فی الدرالمختار ان استاذنھا الولی او وکیلہ او رسولہ او زوجھا ولیھا و اخبرھا رسولہ او

درمختار میں ہے کہ اگر بالغہ سے ولی نے اجازت طلب کی یا ولی کے قاصد یا وکیل نے اجازت طلب کی یا ولی نے اس کا نکاح کر دیا اور قاصد نے

---

[1] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۵

[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

فضولی عدل فسکتت عن ردہ مختارۃ او ضحکت غیر مستہزئۃ او تبسمت اوبکت بلاصوت فہواذن فان استأذنہا غیرالاقرب کاجنبی اوولی بعید فلا عبرۃ بسکوتہا بل لابد لہا من القول کالثیب البالغۃ او من فعل یدل علی الرضا کطلب مہرھا ونفقتہا وتمکینہا من الوطی اھ[1] مختصرا، وفی الہندیۃ عن جامع المضمرات ان کان لہا ولی اقرب من المزوج لایکون السکوت منہا رضا ولہا الخیار ان شاءت رضیت وان شاءت ردت[2]

یا اجنبی عادل شخص نے اس بالغہ کو نکاح کی اطلاع دی تو وہ خاموش رہی اور نکاح کو رد نہ کیا، یا سنجیدگی سے ہنس پڑی یا آواز کے بغیر رو پڑی تو اجازت قرار پائے گی، اور اگر کسی غیر اقرب مثلاً اجنبی یا ولی بعید کے اجازت طلب کرنے پر بالغہ نے خاموشی اختیار کی تو وہ رضا معتبر نہ ہوگی، بلکہ ثیبہ بالغہ کی طرح صریح قول یا فعل کرے جو اس کی اجازت واضح کرسکے، مثلاً اس موقعہ پر مہر یا نفقہ کا مطالبہ کردے یا خاوند کو جماع کا موقعہ دے اھ مختصراً، اور ہندیہ میں جامع المضمرات سے منقول ہے کہ اگر نکاح دینے والے کی نسبت کوئی اقرب دوسرا ہے تو یہ اس کا سکوت رضا نہ قرار پائے گا اور اس کو اختیار رہو گا کہ نکاح کو رد کردے یا راضی ہوکر جائز قرار دے۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں کہ زید نے اولا اجازت نکاح بسکوت وگریہ ہندہ ظاہر کی اور بعد کو اجازت بلفظ صریح کا مدعی ہوا، اگر یہ دونوں بیان وقت واحد کی نسبت ہیں مثلاً پہلے کہتا تھا کہ ہندہ سے جب اذن لیا گیا تو اس نے سکوت وگریہ کیا اب کہتا ہے صریح اذن دیا تو اگرچہ پھر یہاں بیان سابق کے خلاف اور صاف صورت تناقض ہے،

لانہ اقراولا بعدم ثبوت الملك لہ علیہا اذلاملك حیث لانفاذ ولذا لایحل الوطؤ فی الموقوف.

کیونکہ پہلے لڑکی پر اپنے حق نہ ہونے کا اقرار کرچکا ہے اور جب ملکیت نہ ہوئی تو نکاح کا نفاذ نہ ہوا، تو نکاح موقوف رہا جس میں وطی حلال نہیں ہوتی (ت)

مگر یہ تناقض محل خفا میں ہے کہ زوج وقت استیذان دُلھن کی مجلس میں حاضر نہیں ہوتا اور یہ فعل خاص دُلھن کا ہے جس پر زوج کو اطلاع بذریعہ حکایت ہی ہوتی ہے ممکن کہ پہلے کسی نے غلط طور پر صرف سکوت وگریہ بیان کیا اور اس نے اُس کے اعتبار پر یہی ظاہر کیا بعدہ تحقیق ہوا کہ اذن بالفاظ صریحہ تھا بلکہ دُلھنوں

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۲-۱۹۱

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۷

سے استیذان میں دیر لگتی ہے، ممکن کہ جس وقت ناقل اول وہاں موجود تھا سکوت وگریہ ہی کیا ہو اُس کے اُٹھ جانے کے بعد مثلاً "ہُوں" کہا زوج کو اول حکایت اولیٰ ہی پہنچی تھی، بعد کو دُوسری تحقیق ہُوئی، ایسا تناقض شرعاً عفو ہے۔

اشباہ میں ہے:

التناقض غیر مقبول الا فیما کان محل الخفاء[1]

بیان میں تناقض مقبول نہیں ہے مگر ایسے مقام میں جہاں خفاء ہو۔ (ت)

غمز العیون میں ہے:

فی الفواکہ البدریۃ قد اغتفروا التناقض فی کثیر من المسائل التی یظھر فیھا عذر منھا لو قال ھذہ رضیعتی ثم اعترف بالخطاء یصدق ولہ ان یتزوجھا بعد ذلك اذا لم یثبت علی اقرارہ والعذر انہ مما یخفی علیہ فقد یظھر بعد اقرارہ علی خطاء الناقل[2] اھ مختصرًا۔

فواکہ بدریہ میں ہے کہ بہت سے ایسے مقامات میں جہاں عذر واضح ہو تو تناقض کو فقہاء نے نظرانداز کیا ہے ایسے مقامات میں سے ایک یہ ہے ایک شخص نے پہلے کہا یہ لڑکی رضاعی بیٹی ہے، پھر اس بات کے بارے میں خطاء کا اعتراف کرتا تو اس اعترافِ خطاء کو تسلیم کرلیا جائے گا اور اس لڑکی سے اس کا نکاح جائز قرار دیا جائے گا کیونکہ رضاعت کا معاملہ اس پر مخفی ہوسکتا ہے کہ پہلے ناقل کی غلطی پر اقرارِ رضاعت کرنے کے بعد اس کی حقیقت معلوم ہُوئی اور اپنے اقرار کو خطاء پر مبنی قرار دیا اھ مختصراً (ت)

تو اس صُورت کا حاصل یہ قرار پایا کہ مرد نکاح نافذ کا دعوٰی کرتا ہے اور عورت انکار، اور اگر یہ بیان دو وقت مختلف کی نسبت ہیں یعنی سکوت وگریہ استیذان پیش از نکاح یا بلوغ خبر نکاح کے وقت بیان کیا تھا، اور اب مدعی ہے کہ اس کے بعد دُلھن نے بلفظ صریح نکاح جائز کردیا تو یہ رد و اجازت نکاح موقوف میں اختلاف زوجین کی صورت ہے، بہرحال صورتِ مسئولہ میں اگر جانب شوہر شہادت عادلہ کافیہ نہ ہو تو قول عورت کا قسم کے ساتھ معتبر ہے، اگر قسم کھالے گی نکاح باطل ٹھہرے گا اور جبکہ دعوٰی شوہر اجازت بالفاظ صریحہ ہے تو یہاں ہر صورت میں بینہ شوہر ہی کو ترجیح ہے، اگر گواہان عادل شرعی سے اپنا دعوٰی ثابت کردے گا نکاح ثابت و نافذ قرار پائے گا، یونہی بحالت عدم گواہان اگر دُلھن قسم کھانے سے انکار کرے گی دعوٰی شوہر ثابت ہوجائیگا

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۵۰
[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر 〃 〃 〃

یہ سب حکم قضا ہے۔ رہا واقع کا حال، وہ رب العزت کے علم میں ہے اور دونوں اہلِ معاملہ اور اُن کے شرکاء واقف جو جھوٹا ہوگا عنداللہ عذاب الیم شدید کا سزاوار ہوگا، والعیاذ باللہ تعالٰی۔

في الدر المختار قال الزوج للبكر البالغة بلغك النكاح فسكت، وقالت رددت النكاح ولا بينة لهما على ذلك ولم يكن دخل بها طوعا في الاصح فالقول قولها بيمينها على المفتى به وتقبل بينته على سكوتها لانه وجودي بضم الشفتين ولو برهنا فبينتها اولى الا ان يبرهن على رضاها او اجازتها[1]، قلت فرض المسألة في تزويج الاقرب فقوله سكت بمعنى اجزت وقوله يبرهن على رضاها او اجازتها اي صريحا كما بينه في رد المحتار ولنذكر طرفا من كلامه لاتضاح المقام قال رحمه الله تعالى قوله فالقول قولها لانه يدعي لزوم

درمختار میں ہے: خاوند نے باکرہ بالغہ کو کہا کہ تو نکاح کی اطلاع پر خاموش رہی، لڑکی نے جواب میں کہا میں خاموش نہ رہی بلکہ میں نے نکاح رَد کردیا تھا جبکہ دونوں کے پاس گواہ نہیں، اور نہ ہی لڑکی نے ابھی تک خاوند کو جماع کا موقع دیا، تو اس صورت میں لڑکی کی بات قسم کے ساتھ قبول کرلی جائے گی، یہ مفتٰی بہ قول کے مطابق ہے، اور اگر خاوند نے گواہوں کے ذریعہ لڑکی کی خاموشی پیش کی اور لڑکی کے گواہ نہیں تو اس صورت میں سکوت پر گواہی قبول کرلی جائے گی کیونکہ سکوت وجودی امر ہے، اور اگر دونوں نے اپنے اپنے موقف پر گواہ پیش کردئے تو لڑکی کے گواہوں کو ترجیح ہوگی، ہاں اگر خاوند نے سکوت پر گواہی کے بجائے لڑکی کی رضا یا اجازت پر گواہی پیش کی ہو تو پھر خاوند کی طرف سے شہادت کو ترجیح ہوگی۔ **قلت** (میں کہتا ہوں کہ) مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ نکاح ولی اقرب نے کرایا ہو، تو خاوند کا کہنا کہ "تو خاموش رہی" کا مطلب یہ ہے کہ تُو نے اجازت دی تھی، اور مصنف کا قول کہ "رضا یا اجازت پر گواہ پیش کئے" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خاوند صریحًا اجازت کا مدعی ہو، جیسا کہ ردالمحتار میں بیان کیا ہے، ہم یہاں ردالمحتار کے کلام کا کچھ حصہ

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

العقد وملك البضع والمرأة تدفعه فكانت منكرة[1]، ثم ذكر في البحر ذكر الحاكم الشهيد في الكافي لو ادعى احدهما ان النكاح كان في صغره فالقول قوله ولا نكاح بينهما[2] اھ **قلت** عللها في الذخيرة بقوله لان النكاح في حالة الصغر قبل اجازة الولي ليس نكاحا معنًى وذكر قبله ان الاختلاف لو في الصحة والفساد فالقول لمدعي الصحة لشهادة الظاهر ولو في اصل وجود العقد فالقول لمنكر الوجود[3]، ثم ان الظاهر ان ما نحن فيه من قبيل الاختلاف في اصل وجود العقد لان المرد صير الايجاب بلا قبول **قوله** الا ان يبرهن اى فترجح بينته لاستوائهما في الاثبات

ذکر کرتے ہیں تاکہ مقام واضح ہوسکے۔ انھوں نے کہا **قولہ** کہ لڑکی کی بات کو ترجیح ہوگی" کیونکہ خاوند لڑکی پر نکاح کے لزوم اور اپنے لئے ملک بضعہ یعنی جماع کے حق کا دعوٰی کرتا ہے جبکہ لڑکی دفاع کرتے ہُوئے انکار کرتی ہے اور وُہ منکر ہے۔ پھر بحر میں کہا کہ حاکم شہید نے کافی میں ذکر کیا ہے کہ اگر اختلاف یہ ہے کہ لڑکے کی نابالغی میں ہُوا یا نہیں، تو جس نے نابالغی میں نکاح کا دعوٰی کیا اس کا قول معتبر ہوگا، اور نکاح ثابت نہ ہوگا اھ ——

قلت (میں کہتا ہوں کہ) ذخیرہ میں اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ بچپن میں ولی کی اجازت سے قبل نکاح معنًی درست نہیں، اور اس سے قبل ذخیرہ میں ذکر ہے کہ اگر اختلاف نکاح صحیح یا فاسد ہونے میں ہو تو صحت کے مدعی کی بات معتبر ہوگی کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ نکاح صحیح ہوتا ہے۔ اور اختلاف اگر نکاح کے ہونے نہ ہونے میں ہو تو وجود نکاح کے انکار والے کی بات معتبر ہوگی، پھر بلا شبہہ ظاہر ہے ہماری بحث اصل نکاح کے وجود میں ہے تو لڑکی کا انکار اور رَدِّ قبول ہے تو یہ ایجاب بغیر قبول ہوگا لہذا لڑکی کی بات معتبر ہوگی **قولہ** "مگر یہ کہ خاوند گواہ پیش کرے" یعنی اس کی گواہی کو ترجیح ہوگی کیونکہ خاوند اور لڑکی دونوں کے گواہ اثبات میں

---

[1] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۲
[2] و [3] ردالمحتار " " " " " ۲/۳۰۳

وزيادة بينة باثبات اللزوم كذا في الشروح وعزاه في النهاية للتمرتاشي وكذا هو في غير كتاب من الفقه لكن في الخلاصة عن ادب القاضي للخصاف ان بينتها اولى ففي هذه الصورة اختلاف المشائخ ولعل وجهه ان السكوت لما كان مما تحقق الاجازة به لم يلزم من الشهادة بالاجازة كونها بامر زائد على السكوت مالم يصرحوا بذلك كذا في الفتح وتبعه في البحر واستفيد منه التوفيق بين القولين بحمل الاول على ما اذا صرح الشهود بانها قالت اجزت او رضيت وحمل الثاني على ما اذا شهدوا بانها اجازت او رضيت باحتمال اجازتها بالسكوت فافهم[1] اھ ملتقطا، وفي الهندية لو اقام الزوج البينة انها اجازت العقد حين اخبرت و اقامت البينة انها ردت

مساوی ہیں لیکن خاوند کی طرف سے گواہی میں نکاح کے ثبوت کے ساتھ لزوم نکاح بھی ثابت ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کو ترجیح ہوگی۔ شروح میں ایسے ہی بیان ہے، اور اس کو نہایہ میں تمرتاشی کی طرف منسوب کیا ہے، بہت سی کتب فقہ میں ایسے ہی ہے لیکن خلاصہ میں خصاف کی ادب القاضی سے منقول ہے کہ لڑکی کی طرف کی گواہی کو ترجیح ہوگی، تو اس طرح اس مسئلہ میں مشائخ کا اختلاف سامنے آیا ہے۔ ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ سکوت پر لڑکی کی شہادت سے لزوم نکاح متحقق نہ ہوتا ہو لہٰذا یوں خاوند کی طرف سے شہادت زیادہ اثبات نہ کرسکتی ہو جب تک کہ گواہ صراحۃً اجازت کی بات نہ کریں، یوں ہی فتح میں ہے اور اس کی اتباع بحر نے کی ہے، اس سے حاصل یہ ہُوا کہ دونوں قولوں میں موافقت یُوں ہوگی کہ پہلے یعنی خاوند کی شہادت کی ترجیح کو اس صورت پر محمول کریں کہ جب گواہوں نے تصریح کی ہو کہ لڑکی نے کہا ہے "میں اجازت دیتی ہوں ــ یا راضی ہوں" اور دوسرے قول یعنی لڑکی کی شہادت کی ترجیح کو اس صورت پر محمول کریں کہ گواہوں نے شہادت میں کہا ہو کہ "اس نے اجازت دی یا راضی ہُوئی تھی" جس میں گواہوں کے سکوت رضا قرار دیا ہو اس میں غور کرو، اھ، ملتقطاً۔ اور ہندیہ میں ہے اگر خاوند یہ شہادت پیش کرے کہ لڑکی کو جب نکاح

[1] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۳

حین اخبرت کانت البینۃ بینۃ الزوج کذا فی السراج الوھاج[1]۔

کی خبر ملی تو اس نے نکاح کو جائز قرار دیا، اور لڑکی یہ شہادت پیش کرے جب مجھے خبر ملی تو رد کر دیا تھا تو اس صورت میں خاوند کی شہادت معتبر ہوگی، یونہی سراج الوہاج میں ہے۔ (ت)

رہی باپ کی ناراضی، وہ صحت و نفاذ میں خلل انداز نہیں جبکہ عورت حرّہ، عاقلہ، بالغہ اور شوہر کفو ہے،

فی الدرالمختار نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضی ولی ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا[2] اھ ملخصا وفیہ لا تجبر البالغۃ البکر علی النکاح لانقطاع الولایۃ بالبلوغ اھ[3]۔

درمختار میں ہے: آزاد، عاقلہ، بالغہ کا اپنا نکاح ولی کی رضا کے بغیر صحیح ہے، اور یہ نکاح غیر کفو سے ہوا تو ناجائز ہونے کا فتوٰی ہوگا اھ ملخصا۔ اور اسی میں ہے کہ باکرہ بالغہ پر نکاح کے بارے میں جبر نہیں کیا جائے گا کیونکہ بلوغ کی وجہ سے اس پر جبر کی ولایت ختم ہو جاتی ہے اھ (ت)

ہاں اگر مہر مثل میں کمی فاحش واقع ہوئی تو باپ کو حقِ اعتراض حاصل ہے یہاں تک کہ مہر مثل پورا کر دیا جائے یا قاضی زن و شوہر میں تفریق کر دے۔

فی الدرالمختار لو نکحت باقل من مھرھا فللولی العصبۃ الاعتراض حتی یتم مھر مثلھا او یفرق القاضی بینھما دفعا للعار[4] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے: اگر عاقلہ بالغہ نے قلیل مہر پر نکاح کیا تو ولی عصبہ کو مہر تمام کرنے تک اعتراض کا حق ہے۔ مہر مثل تمام کرے یا پھر قاضی خاوند بیوی میں تفریق کرے تاکہ ولی کی عار ختم ہو سکے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۳۵: از مہدپور علاقہ اندور مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۲۳ ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پدرِ ہندہ نے نکاح اپنی دختر کا بعمر چہار سالہ کیا تھا، جب وُہ ایامِ شعور پر فائز ہُوئی تو اس شوہر کو پسند و قبول نہیں کرتی، اس صورت میں نکاح اس کا جائز ہے یا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ — باب الاولیاء — نورانی کتب خانہ پشاور — ۱/۲۸۹
[2] درمختار — باب الولی — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۱۹۱
[3] ایضاً
[4] درمختار — باب الکفاءۃ — " " " — ۱/۱۹۵

منسوخ؟ اور بعد جُدائیِ زوجین مہر اس کا ذمّہ شوہر عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

باپ جو اپنے نابالغ بچّے کا نکاح کرے وُہ مطلقًا لازم ہوتا ہے کہ نابالغ کو بعد بلوغ بھی اس پر اعتراض کا حق نہیں ہوتا اگرچہ نکاح غیر کفو سے یا مہر میں غبنِ فاحش کرے، مثلًا دختر کو کسی رذیل قوم یا کسی ذلیل پیشے والے یا غلام یا فاسق کے نکاح میں دے یا اس کا مہر مثل ہزار روپے ہو پانسو یا سَو پر نکاح کردے یا پسر کا نکاح کسی کنیز یا ذلیل قوم یا فاسقہ فاجرہ سے کرے یا عورت کا مہر مثل ہزار روپے ہو پسر کی طرف سے دو ہزار باندھ دے، ان سب وجوہ میں باپ کا کیا ہُوا نکاح لازم وناقابلِ فسخ ہے مگر دو صورتوں میں، ایک یہ کہ ایسا نکاح خلافِ شفقتِ پدری کرتے وقت باپ نشے میں ہو، دوسرے یہ کہ اس سے پہلے بھی اپنے کسی بچّے کے نکاح میں ایسی ہی بے شفقتی برت چکا ہو تو البتہ یہ نکاح ناجائز ہوگا،

فی الدرالمختار لزم النکاح ولو بغبن فاحش بنقص مھرھا وزیادۃ مھرہ اوبغیر کفوٴ ان کان الولی المزوج بنفسہ ابا او جدا لم یعرف منھما سوء الاختیار وان عرف لا یصح النکاح اتفاقا وکذا لوکان سکران فزوجھا من فاسق او شریر اوفقیر اوذی حرفۃ دنیئۃ لظھور سوء اختیارہ فلا تعارضہ شفقتہ المظنونۃ بحر[1] اھ وفی ردالمحتار زوج بنتہ من فاسق صح وان تحقق بذلك انہ سیئ الاختیار واشتھر بہ عند الناس فلو

درمختار میں ہے: اگر نکاح کرنے والا ولی خود باپ یا دادا ہو تو اس کا کیا ہُوا نکاح لازم ہوجائے گا خواہ لڑکی کا مہر انتہائی قلیل ہو یا لڑکے پر مہر بہت زیادہ مان لیا ہو یا نکاح غیر کفو میں ہو بشرطیکہ پہلے باپ دادا اپنے اختیار کو غلط استعمال کرنے میں معروف نہ ہوں، اور اگر وُہ غلط اختیار میں معروف ہوں تو پھر بالاتفاق مذکورہ صورتوں میں نکاح صحیح نہ ہوگا، اور اگر یُونہی باپ یا دادا نے نشے میں ہوتے ہوئے لڑکی کا نکاح فاسق یا شر پسند یا فقیر یا کسی کمینے کسبی سے کردیا تو یہ اختیار کا غلط استعمال ہوگا تو اس صورت میں باپ دادا کی مظنونہ شفقت اس اقدام کو غلط قرار دینے میں آڑے نہ آئے گی اور یہ سوءِ اختیار کہلائے گا، بحر، اھ، اور ردالمحتار میں ہے کہ فاسق سے بیٹی کا نکاح کیا تو صحیح ہوگا اگرچہ

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

زوج بنتا اخری من فاسق لم یصح الثانی لانہ کان مشہورا بسوء الاختیار قبلہ بخلاف العقد الاول[1] الخ وفیہ قولہ فزوجہا من فاسق وکذا لو زوجہا بغبن فاحش فی المہر لا یجوز اجماعا والصاحی یجوز بحر عن الذخیرۃ ثم قال وکذا السکران لو زوج من غیر الکفوء کما فی الخانیۃ وبہ علمت ان المراد بالاب من لیس بسکران ولا عرف بسوء الاختیار اھ[2] وفی الخانیۃ اذا زوج الرجل ابنہ امراۃ باکثر من مہر مثلہا او زوج بنتہ الصغیرۃ باقل من مہر مثلہا او وضعہا فی غیر کفوء او زوج ابنہ الصغیر امۃ او امراۃ لیست بکفوء لہ جاز فی قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وقال صاحباہ رحمہما اللہ تعالٰی لا یجوز ان فحش واجمعوا علی انہ لا یجوز ذٰلک من غیر الاب والجد ولا من القاضی[3] اھ

یہ سوء اختیار ہے جس کی بنا پر باپ اختیار کے غلط استعمال میں لوگوں کے ہاں معروف ہو جائے گا تو اس نے اگر دوسری بیٹی کا نکاح کسی فاسق سے کیا تو یہ دوسرا نکاح صحیح نہ ہوگا کیونکہ قبل ازیں وہ اختیار کے غلط استعمال (سوء اختیار) میں مشہور ہو چکا ہے جبکہ پہلی لڑکی کے نکاح کے وقت ایسا معروف نہ تھا، یوں ہی اگر اس نے دوسری بیٹی کے نکاح میں انتہائی قلیل مہر قبول کیا تو یہ مہر جائز نہ ہوگا یہ اجماع ہے۔ بحر میں ذخیرہ سے منقول کہ

اس کے بعد ردالمحتار میں کہا یونہی اگر نشے کی حالت میں باپ نے غیر کفو سے کیا تو نکاح نہ ہوگا جیسا کہ خانیہ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ باپ سے مراد وہ ہے جو نشہ میں نہ ہو اور سوء اختیار میں مشہور نہ ہو۔ اھ، اور خانیہ میں ہے: اگر کسی نے اپنے لڑکے کا کسی ایسی عورت سے مہر مثل سے زائد پر کیا، یا نابالغ بیٹی کا نکاح انتہائی کم مہر یا غیر کفو میں کیا، یا نابالغ بیٹے کا نکاح لونڈی یا غیر کفو والی عورت سے کر دیا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول پر نکاح صحیح ہے، اور ان کے صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے قول پر نکاح ناجائز ہے، اور اس بات پر اجماع ہے کہ غیر باپ اور دادا اور قاضی کا کیا ہوا یہ نکاح جائز نہ ہوگا اھ اور بحرالرائق

۱؎ ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۴-۵

۲؎ " " " " ۲/ ۳۰۵

۳؎ فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الاولیاء منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۶۴

وفی البحر الرائق ثم الخیریۃ ظاھر کلامھم ان الاب اذا کان معروفا بسوء الاختیار لم یصح عقدہ باقل من مھر المثل ولا باکثر فی الصغیر بغبن فاحش، ولا من غیر الکفوء فیھما سواء کان عدم الکفاءۃ بسبب الفسق اولا[1] الخ۔

پھر خیریہ میں ہے کہ فقہاء کرام کا ظاہر کلام یہ ہے کہ باپ جب سوءِ اختیار میں مشہور ہوجائے تو لڑکی کا مہرِ مثل سے کم اور لڑکے کا مہرِ مثل سے زیادہ جبکہ یہ کمی اور زیادتی انتہائی ہو، اور غیر کفو میں لڑکی اور لڑکے کا کیا ہوا باپ کا نکاح صحیح نہ ہوگا خواہ غیر کفو فسق کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے ہو الخ۔ (ت)

واقع اگر یہ صورتیں ہوں جن میں نکاح شرعاً جائز نہیں تو اگر ہنوز ہمبستری یعنی جماع حقیقی واقع نہ ہوا مہر اصلاً لازم نہیں ورنہ مہرِ مثل دینا ہوگا،

فان الوطء فی دار الاسلام لا یخلو عن حد او عقر کما نصوا علیہ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

کیونکہ دار الاسلام میں وطی پر حد یا مہر بصورت عقر ضروری ہے، اس کے بغیر کوئی صورت نہیں ہے جیسا کہ فقہاء کرام کی اس پر نص ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۳۶: از امریا ضلع پیلی بھیت مرسلہ سعید الدین خاں صاحب رئیس امریا ۲۷ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ

عرض بخدمت علمائے دین کہ ایک لڑکی نابالغ صغیر سن کہ والد اُس کا فوت ہوگیا اور دادا اور بھائی اُس کا کوئی نہیں تھا، اور اس کے سگے چچا نے اپنے بھائی مرحوم کی زوجہ یعنی اُس لڑکی نابالغہ کی والدہ سے بغیر رضامندی والدہ اُس لڑکی کا نکاح ایک شخص کے ساتھ کر دیا، اب وہ لڑکی بالغ ہوئی تو وہ کہتی ہے کہ میرا نکاح اس شخص کے ساتھ نہیں اور نہ کروں گی۔ عرض پرداز ہوں کہ نزد خدا و رسول مقبول نکاح فسخ ہوگیا یا وہی نکاح قائم رہا؟ اگر فسخ ہوگیا تو اس کا نکاح دوسرے کے ساتھ کیا جائے ورنہ جیسا حکم ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب

فی الواقع جبکہ دختر نابالغہ کا نہ باپ ہو نہ دادا، نہ جوان بھائی نہ جوان بھتیجا، تو چچا ہی اس کا ولی اقرب ہے اُس کے کئے ہوئے نکاح میں ماں کی رضامندی و نارضامندی کا لحاظ نہ ہوگا۔ تنویر الابصار

---

[1] بحر الرائق فصل فی الاکفاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۳۵

میں ہے :

الولی فی النکاح العصبة بنفسه بلا توسط انثی علی ترتیب الارث والحجب بشرط حریة وتکلیف فان لم تکن عصبة فالولایة للام[1] الخ ملخصًا۔

نکاح میں ولی وہ عصبہ بنفسہ ہوتا ہے یعنی وہ عصبہ جو لڑکے اور لڑکی کی طرف کسی عورت کے واسطہ میں منسوب نہ ہو، ان کی ولایت وراثت اور حجب کی ترتیب پر ہوتی ہے بشرطیکہ یہ عصبہ لوگ آزاد اور بالغ عاقل ہوں، اور اگر کوئی عصبہ نہ ہو تو پھر ماں کو ولایت حاصل ہوگی الخ ملخصًا (ت)

ہاں یہ دیکھا جائے گا کہ جس سے چچا نے نکاح کر دیا اگر اُس دختر کا کفو نہیں یعنی اس سے کم قوم ہے جس کے ساتھ اُس کے نکاح میں ننگ وعار ہے یا ذلیل پیشہ یا محتاج یا بدمذہب یا بدرویہ ہے غرض کسی وجہ سے وُہ صورت ہے کہ اس کے ساتھ نکاح میں دختر واقربائے دختر کی مطعونی و ذلت ہے یا مہر جو چچا نے باندھا اس میں دختر کے مہرمثل میں کمی فاحش کر دی ہے کہ لوگ اپنے جو زم گرم کر لیا کرتے ہیں اُن میں یہاں تک کمی نہیں پہنچتی مثلاً ہزار روپیہ مہرمثل تھا پانسو باندھ دیا، تو ان دونوں صورتوں میں وہ چچا کا کیا ہُوا نکاح محض باطل ہُوا، دختر سچ کہتی ہے کہ میرا نکاح نہ ہُوا۔ درمختار میں ہے :

ان کان المزوج غیر الاب وابیه لا یصح من غیر کفؤ او بغبن فاحش اصلاً[2]۔

اگر نکاح دینے والا باپ، دادا کا غیر ہو تو مہر کی انتہائی کمی بیشی اور غیر کفو میں نکاح بالکل صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

اور اگر ان دونوں خللوں سے خالی ہے یعنی جس سے نکاح کیا وُہ وقت نکاح دختر کا کفو بمعنی مذکور تھا اور مہرمثل میں بھی ویسی کمی نہ کی گئی تو نکاح صحیح ہوگیا مگر ہندہ کو اختیار دیا جائے گا کہ چاہے تو بالغہ ہونے پر اس نکاح کو پسند نہ کرے اور دعوٰی کرکے فسخ کرالے۔ تنویر میں ہے :

وان کان من کفؤ وبمھر المثل صح ولھا خیار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ[3]۔

اور مہرمثل اور کفو میں کیا ہُوا نکاح صحیح ہوگا اور لڑکی کو بالغ ہونے یا بلوغ کے بعد اطلاع ملنے پر فسخ کا اختیار ہوگا۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳
[2] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ۱/۱۹۲
[3] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ۱/۱۹۳

دُر میں ہے: بشرط القضاء للفسخ[1] (اس فسخ کے لئے قضا ضروری ہے۔ ت) لیکن کنواری لڑکی کو یہ اختیار اسی قدر ملتا ہے کہ اگر پہلے سے نکاح کی خبر ہے تو بالغہ ہوتے ہی یعنی جس وقت علامتِ بلوغ مثل حیض وغیرہ ظاہر ہو یا پندرہ برس کامل کی عمر ہو جائے فوراً بلا توقف اُس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کردے اور اگر نکاح کی خبر بالغہ ہونے کے بعد ملی تو جس وقت خبر ہُوئی فوراً اُسی وقت ناپسندی جتادے، اور اگر ذرا دیر لگائی یا اس سے جُدا کوئی آدھی بات کی یا کچھ چُپ رہی یا بیٹھی تھی کھڑی ہوگئی یا کھڑی تھی ایک قدم اُٹھالیا اُس کے بعد ناراضی کا اظہار کیا تو ہرگز نہ سُنا جائے گا اور نکاح لازم ہو جائے گا۔ تنویر الابصار میں ہے:

خیار البکر بالسکوت عالمۃ بالنکاح ولا یمتد الی اٰخر المجلس[2]۔ بالغہ باکرہ لڑکی کی خاموشی اس کے اختیار کو ختم کردیتی ہے جبکہ وُہ نکاح کا علم رکھتی ہو تو خاموشی کے بعد مجلس کے اختتام تک بھی اختیار نہیں رہتا بلکہ خاموش ہوجانے پر ختم ہوجاتا ہے۔ (ت)

اس نابالغہ کے بارے میں اس کا دیکھ لینا ضرور ہے کہ اُس نے بالغہ ہوتے ہی فوراً ناراضی ظاہر کی ہے یا ایک لمحہ کی دیر بھی لگائی تھی تو اب اسے نکاح سے انکار حرام ہے وُہ ضرور اس کی زوجہ ہے ورنہ اختیارِ دعوٰی رکھتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴۳: از مراد آباد محلہ بازار دیوان متصل مکان نواب تفضل علی خاں مرسلہ حکیم برہان الحق صاحب ۲۷ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح کردیا اُس وقت عمر اس کی تخمیناً سات یا آٹھ برس کی ہوگی اور پیشتر نکاح سے لڑکی کا باپ اور چچا اور تایا قضا کرگئے تھے مگر ایک بھائی تایازاد حقیقی جس کی عمر تخمیناً ۲۶، ۲۷ برس اُس وقت تھی اب موجود ہے مگر بوقتِ نکاح والدۂ دختر نے اپنی ولایت سے نکاح اس لڑکی کا کردیا، شرعاً یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جس نابالغہ کے باپ، دادا، جوان بھائی، بھتیجا، چچا نہ ہوں تو جوان بھائی چچا زاد ہی اس کے نکاح کا ولی ہے، اس کے ہوتے ماں کو اپنی دختر کے نکاح کردینے کا اختیار نہیں۔ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

[2] " " " " " " " "

اقرب العصبات الی الصغیر والصغیرۃ الاب ثم الجد ثم الاخ لاب وام ثم الاخ لاب ثم بنوھما ثم العم لاب وام ثم العم لاب ثم بنوھما وعند عدم العصبۃ الاقرب الام[1] اھ مختصرا۔

نابالغ لڑکے اور لڑکی کے قریب ترین عصبہ باپ، پھر دادا، پھر حقیقی بھائی، پھر ان کے لڑکے، پھر حقیقی چچا، پھر اس کے لڑکے، پھر صرف باپ کی طرف چچا، پھر اس کے لڑکے، اور عصبات نہ ہونے کی صورت میں ماں کو ولایت ہے اھ مختصراً (ت)

پس صورت مذکورہ میں ماں کا کیا ہُوا نکاح اس بھائی کی اجازت پر موقوف ہے اگر یہ رَد کر دے گا رَد ہوجائے گا یا جائز کر دے گا جائز ہوجائے گا بشرطیکہ وُہ نکاح کسی غیر کفو یعنی ایسے شخص سے نہ ہُوا ہو جو اس دختر سے قوم یا پیشے یا مذہب وغیرہ میں ایسا کم ہو کہ اس کے ساتھ نکاح ہونا باعثِ ننگ و عار ہو، نہ دختر کے مہرِ مثل میں کمی فاحش کی ہو، ورنہ وُہ نکاح سرے سے باطل ہے، بھائی بھی اسے جائز نہیں کرسکتا۔ درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیر الاب وابیہ ولو الام لایصح النکاح من غیر کفو اوغبن فاحش[2]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

اگر نکاح دینے والا باپ دادا نہ ہو خواہ ماں بھی ہو تو غیر کفو میں اور انتہائی کمی کے مہر سے نکاح صحیح نہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الاولیاء مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۳

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

تجویز الرد عن تزویج الابعد

۱۳۱۵ھ

(ولی اقرب کی غَیبت میں ولی ابعد کے نکاح پڑھانے کا حکم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۳۳۸ تا ۳۴۲: از پیلی بھیت محلہ منیر خاں مرسلہ حضرت مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰ رجب ۱۳۱۵ھ

سوال اوّل

ولی ابعد، ولی اقرب کی غَیبت میں اگر نکاح کردے تو ولی اقرب درصورت خلاف مرضی اُس کے فسخ کرسکتا ہے یانہیں؟

الجواب

ہاں جبکہ غیبت منقطعہ نہ ہو،

فی الدر المختار فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم

درمختار میں ہے اگر بعید ولی نے قریب ولی کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو قریب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

سوال دوم

غیبت کی تفاسیر میں سے کہ مدتِ قصر یا دشواری استطلاع رائے یا اس بلد میں قافلہ سال بھر میں ایک مرتبہ جاتا ہو، میں کون سی تفسیر معتمد علیہ ہے؟

الجواب

اول پر بھی فتوٰی دیا گیا اور ثالث اختیار امام قدوری ہے، اور کتاب التجنیس والمزید میں یک ماہہ راہ کو اختیار اکثر مشائخ واعدل الاقاویل فرمایا کما فی مجمع الانہر[1] (جیسا کہ مجمع الانہر میں ہے۔ت) اور امام سغدی نے مفقود الخبری اختیار فرمائی، امام محمد سے ایک روایت بیس ایک پچیس[25] منزل کی آئی کما فی جامع الرموز[2] (جیسا کہ جامع الرموز میں ہے۔ت) تو یہ سات قول ہیں جن میں اقوی واوثق ومذیل بآکد الفاظ فتیا صرف اول ودوم ہیں مگر اصح التصحیحین وارجح الترجیحین وماخوذ ومعتمد علیہ یہی ہے کہ جب اس کی رائے لینے تک کفو حاضر انتظار نہ کرے اور اس پر انتظار رکھنے میں یہ موقع ہاتھ سے جاتا ہے تو غیبت غیبتِ منقطعہ ہے یہاں تک کہ اگر ولی اقرب شہر ہی میں روپوش ہو اور پتا نامعلوم یا رسائی نہیں اور انتظار باعثِ فوتِ کفو ہو تو غیبت منقطعہ سمجھی جائے گی اور ولی ابعد کو جو مراتب ولایت میں اُس اقرب کے متصل ہے ولایت ہاتھ آئے گی اور اگر اقرب ہزار کوس دُور ہے اور کفو حاضر نہیں یا انتظار پر راضی ہے تو یہ غیبتِ منقطعہ نہیں، ولی بعید نکاح کرے گا تو نافذ نہ ہوگا بلکہ اجازتِ اقرب پر موقوف رہے گا،

فی تنویر الابصار للولی الابعد التزویج بغیبۃ الاقرب مسافۃ القصر[3] اھ فی ردالمحتار نسبہ فی الھدایۃ لبعض المتاخرین والزیلعی لاکثرھم قال وعلیہ الفتوی[4] اھ قلت وکذا قال علیہ الفتوی فی الولوالجیۃ

تنویر الابصار میں ہے ولی اقرب سفر کی مسافت پر غائب ہو تو ولی ابعد کو نکاح کر دینا جائز ہے اھ ردالمحتار میں ہے کہ ہدایہ میں اس کو بعض متاخرین کی طرف منسوب کیا ہے اور زیلعی میں اس کو اکثر کی طرف منسوب کیا اور کہا کہ اس پر فتوٰی ہے اھ قلت (میں کہتا ہوں) یوں ہی ولوالجیہ میں کہا کہ اس پر

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الاولیاء والاکفاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۳۹
[2] جامع الرموز باب الولی والکفوء مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۴۶۹
[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴
[4] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۵

كما في مجمع الانهر قال القهستاني في جامع الرموز هو الصحيح وبه يفتى اھ[1] في الدر واختار في الملتقى مالم ينتظر الكفؤ الخاطب جوابه واعتمده الباقاني ونقل ابن الكمال ان عليه الفتوى وثمرة الخلاف في من اختفى في المدينة هل تكون غيبة منقطعة اھ[2] قال الشامي قال في الذخيرة الاصح انه اذا كان في موضع لو انتظر حضوره او استطلاع رأيه فات الكفؤ الذي حضر فالغيبة منقطعة واليه اشار في الكتاب اھ وفي البحر عن المجتبى والمبسوط انه الاصح وفي النهاية واختاره اكثر المشائخ وصححه ابن الفضل وفي الهداية انه اقرب الى الفقه وفي الفتح انه الاشبه بالفقه وانه لاتعارض بين اكثر المتاخرين واكثر المشائخ اي لان المراد من المشائخ المتقدمون وفي شرح الملتقى عن الحقائق انه اصح الاقاويل وعليه الفتوى اھ وعليه مشى في الاختيار والنقاية ويشير كلام النهر

فتوٰی ہے جیسا کہ مجمع الانہر میں ہے کہ قہستانی نے جامع الرموز میں کہا: یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اھ۔ دُر میں ہے، اور اس کو ملتقی میں پسندیدہ قرار دیا جب منگنی کرنے والا کفو کے جواب کا انتظار نہ کرے، اور باقانی نے اس کو معتمد قرار دیا، اور ابن کمال نے اس پر فتوٰی کو نقل کیا اور ثمرہ اختلاف اس شخص کے متعلق ظاہر ہوگا جو شہر میں چھُپ گیا ہو، تو کیا اس صورت میں غیبت منقطعہ ہوگی اھ، شامی نے کہا کہ ذخیرہ میں کہا ہے کہ اصح یہ ہے کہ اگر ایسی صورت ہو کہ حاضر کفوء اس کی انتظار اور اس کی رائے معلوم کرنے تک، ضائع اور فوت ہوجانے کا خطرہ ہو تو یہ غیبت منقطعہ ہوگی، اور کتاب میں اسی صورت کی طرف اشارہ ہے اھ، بحر میں مجتبٰی اور مبسوط سے منقول ہے کہ یہی اصح ہے، اور نہایہ میں ہے کہ اس کو اکثر مشائخ نے اختیار کیا ہے اور ابن فضل نے اس کی تصحیح کی ہے، اور ہدایہ میں ہے کہ یہ اقرب بفقہ ہے؛ اور فتح میں کہا کہ یہ فقہ کے اشبہ ہے اور یہ کہ اکثر متاخرین اور اکثر مشائخ میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ یعنی اکثر مشائخ سے مراد متقدمین ہیں، اور شرح ملتقی میں حقائق سے منقول ہے کہ اقوال میں سے یہی اصح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اھ، اور اختیار اور نقایہ میں اسی پر رجحان ہے، اور نہر کی کلام میں اس کے

---

[1] جامع الرموز — باب الولی والکفاءۃ — مکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران — ۱/۴۶۹
[2] درمختار — باب الولی — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۱۹۴

الی اختیارہ وفی البحر والاحسن الافتاء بما علیہ اکثر المشائخ[1] اھ کلام الشامی۔ **قلت** والزیلعی مع قولہ للاول علیہ الفتوی ذکر تصحیح الثانی عن شمس الائمۃ السرخسی ومحمد بن الفضل ثم قال وھذا احسن[2] اھ وقال فی جواھر الاخلاطی وعلیہ الفتوی[3] کما فی الھندیۃ ورایتنی کتبت ھھنا علی ھامش ردالمحتار علی قول البحر الاحسن الافتاء الخ مانصہ **قلت** لاسیما فی ھذا الزمان فان العجلۃ الدخانیۃ قد ردت مسافۃ القصر الی اکثر من مسافۃ ساعتین فکیف یبنی الامر علیھا بل وجب التعویل علی ما افتی بہ اکثر المشائخ رحمھم اللہ تعالٰی[4] اھ ماکتبت **اقول** وشیئ اٰخر وھو ان القول الثانی بنی الامر علی الحاجۃ والتضرر ولاشك ان الولایۃ انما ھی للنظر ودفع الضرر فکان من الفقہ اثبات الولایۃ للذی یلی الاقرب عند کونہ بحیث لو وقف الامر علی رایہ لتضررت بہ القاصرۃ وعدمہ

مختار ہونے کا اشارہ ہے، اور بحر میں کہا کہ جس پر اکثر مشائخ ہوں اس پر فتوٰی بہتر ہے، شامی کا کلام ختم ہُوا، **قلت** (میں کہتا ہوں) زیلعی نے پہلے قول پر فتوٰی کہا اس کے باوجود انھوں نے شمس الائمہ سرخسی اور محمد بن فضل کی دوسرے قول پر تصحیح نقل کی، پھر کہا یہ احسن ہے اھ، اور جواہر اخلاطی میں کہا کہ اس پر فتوٰی ہے جیسا کہ ہندیہ میں ہے۔ مجھے یہاں پر ردالمحتار پر اپنا حاشیہ یاد ہے جب انھوں نے بحر کے قول "اس پر فتوٰی ہے" الخ کو بیان کیا حاشیہ کی عبارت یہ ہے: میں کہتا ہُوں کہ خصوصًا اس زمانہ میں جبکہ ریل گاڑی نے سفر کی مسافت کو ایک دو گھنٹہ کی مسافت میں تبدیل کردیا ہے تو مسافت کو بنیاد بنانا کیسے درست ہوگا بلکہ اکثر مشائخ کے فتوٰی پر اعتماد ضروری ہے۔ میرا حاشیہ ختم ہوا۔ **اقول** ایک اور چیز ہے وہ یہ کہ دُوسرے قول کی بنیاد حاجت اور نقصان پر ہے اور اس میں شک نہیں کہ ولایت کا اثبات شفقت اور دفع ضرر پر مبنی ہے، تو فقہ یہ ہوگی کہ اقرب ولی کے بعد والے کو ولایت تب ہی ہوسکتی ہے جب ولی اقرب ایسے مقام پر ہو کہ اگر اس کی رائے اور اجازت حاصل کی جائے تو نابالغہ کو نقصان ہو اور اگر نقصان

---

[1] ردالمحتار — باب الولی — داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۱۵

[2] تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق — باب الاولیاء والاکفاء — مکتبہ کبرٰی امیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۲۷

[3] فتاوٰی ہندیہ — الباب الرابع فی الاولیاء — نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۵

[4] جدالممتار — باب الولی — قول ۶۱۴ — المجمع الاسلامی مبارکپور، بھارت ۲/ ۳۰۴

عند عدمه كما اذا كانت صغيرة جدا ولا كفؤ يستعجل ولا حرج في الانتظار ففيم يفتات على الاب الشفيق ويوكل الامر الى بعيد سحيق وربما لا يؤمن ان يترك النظر لها لمصلحة نفسه او لجلب حطام فظهر ان في القول الاول سلب الولاية حيث يحتاج اليها كالمختفي في البلد واثباتها حيث لاحاجة اليها كما في هذه الصورة هذا ورأيتني كتبت على قول الدر وثمرة الخلاف الخ مانصه **اقول** وحيث المدار عند اهل القول الثاني على فوات الكفؤ فكما لم يعتبر مسافة القصر شرطا للانتقال (ف) كذلك لانظر اليها عند عدم الفوات والاستعجال فلو وجدت ولم يفت الكفؤ بانتظاره او استطلاع رأيه لم يجز تزويج الابعد على الثاني خلافا للاول فالثمرة غير محصورة فيما قال هذا ما ظهر لي

نہ ہو تو پھر بعد والے کو ولایت نہیں ہوگی، مثلاً ایک چھوٹی بچی ہو جس کے لئے کفو کی کوئی عجلت نہیں اور نہ ہی اس کے نکاح کے لئے ولی اقرب کے انتظار میں کوئی حرج ہے تو پھر کیونکر ولی اقرب شفیق باپ کی ولایت کو ختم کرکے دوسرے بعید غیر شفیق کو ولایت سونپی جائے جبکہ یہ ممکن ہے کہ وہ بعید اپنے ذاتی فائدہ اور اپنی مصلحت کی خاطر بچی کے فائدہ کو نظر انداز کردے، تو ظاہر ہوا کہ پہلے قول میں اقرب کی ولایت کے سلب ہونے کی بات وہاں ہوگی جہاں حاجت اور ضرورت ہوگی جیسا کہ کوئی شہر میں گم ہوجائے اور حاجت پیدا ہوجائے، اور جہاں حاجت نہیں وہاں ولایت ثابت رہے گی، جیسا کہ مذکورہ صورت ہے مجھے دُر کے قول "وثمرۃ الخلاف" پر اپنا حاشیہ یاد ہے جس کی عبارت یہ ہے **اقول** (میں کہتا ہوں) جب دوسرے قول والوں کے ہاں مدار کفو کا فوت ہونا ہے اس بنیاد پر ولایت کے منتقل ہونے کے لئے جیسے مسافتِ سفر (قصر) شرط نہیں ہے ایسے ہی یہ مسافت سفر، کفو فوت ہونے کے باوجود عجلت کے لئے بھی پیش نظر نہیں ہے، تو مسافتِ سفر ہونے کے باوجود اقرب کی انتظار اور اس کی رائے حاصل کرنے میں کفو فوت نہ ہو تو ولی ابعد کا نکاح کرنا درست نہ ہوگا۔ یہ دوسرے قول کا ماحصل ہے جبکہ پہلا قول اس کے خلاف ہے، تو ثمرۃ اختلاف، ان کے بیان میں محصور نہ رہا، یہ ہے

ف: جد الممتار میں خط کشیدہ عبارت یوں ہے: لا تعتبر علة تامة له بل ان وجدت المسافة الخ۔ نذیر احمد

فلیحرر[1] اھ وھو کما تری ظاھر محرر لما علمت ولما مر من عبارات الملتقی والذخیرۃ وغیرھما فان مفاھیم الخلاف معتبرۃ فی عبارات العلماء بالوفاق کما نصوا علیہ بالاطباق ثم رأیت فی مجمع الانھر فلو انتظرہ الخاطب لم ینکحہ الا بعد[2] فھذا عین مافھمت وللہ الحمد، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

جو مجھے ظاہر ہوا تو تحقیق چاہئے اھ تو یہ بیان ظاہر ہے جیسا کہ آپ معلوم کرچکے ہیں اور ملتقٰی، ذخیرہ وغیرہما کی عبارات سے گزرا، کیونکہ بالاتفاق علماء کی عبارات میں مفہوم مخالف معتبر ہے، جیسا کہ اس پر سب کی نص موجود ہے۔ اس کے بعد میں نے مجمع الانہر میں دیکھا کہ اگر منگنی والا انتظار کرے تو ولی ابعد نکاح نہ دے، یہی میرا موقف ہے وللہ الحمد، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

سوال سوم

یہ جو فقہاء لکھتے ہیں کہ ولی ابعد غیبت میں اقرب کے نکاح کراسکتا ہے، یہاں ولی ابعد سے کیا مراد ہے عصبہ یا مطلق وارث؟ گو ذوی الارحام میں سے ہو۔ اگر مراد عصبہ ہے تو حدیث عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے جو موطائے امام محمد کے باب الرجل یجعل امر امرأتہ بیدہا میں مخرج ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے اپنی بھتیجی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی بیٹی کا نکاح عبداللہ بن زبیر سے کردیا باوجودیکہ عبدالرحمٰن شام میں تھے، کیا جواب ہے کہ عمہ ذوی الارحام سے ہے۔

الجواب

ابعد میں افعل التفضیل اپنے باب پر نہیں بلکہ اس سے ہر ولی بعید مراد ہے مگر نہ مطلقاً بلکہ وہی جو اس ولی اقرب کے متصل ہو یعنی باقی تمام اولیاء میں کوئی اس سے اقرب نہ ہو سب اس سے نیچے ہوں یا برابر، مثلاً باپ غائب اور جد و برادران و عم موجود ہیں تو ولایت جد کے لئے ہے، نہ برادران و عم کے واسطے اور جد نہ ہو تو سب برادران ہمسر کو، نہ عم کو۔

فی ردالمحتار المراد بالابعد من یلی الغائب فی القرب کما عبربہ فی کافی الحاکم وعلیہ فلو کان الغائب اباھا ولھا جد وعم فالولایۃ

ردالمحتار میں ہے کہ ابعد سے مراد ولی اقرب کے بعد دوسرے مرتبے والا ہے جیسا کہ اس کی تعبیر امام حاکم کی کافی میں ہے، اس بنا پر اگر والد غائب کے بعد لڑکی کا دادا اور چچا دونوں موجود ہوں تو ولایت دادا کو

---

[1] جدالممتار باب الولی قول ۶۱۶ المجمع الاسلامی مبارکپور بھارت ۲/۳۸۴
[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل فی الاولیاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۳۹

للجد لا للعم[1] | ہوگی، چچا کو نہ ہوگی۔ (ت)

اور جبکہ ذوی الارحام بلکہ مولی الموالاۃ بھی ہمارے نزدیک سلسلۂ اولیاء میں داخل تو من یلی الغائب فی القرب (جو قرب میں بعد والے مرتبہ پر ہو۔ ت) اُنھیں بھی شامل، مثلاً ولد الام ولی اقرب غائب ہے تو اس کے من یلی فی القرب یہی ذوی الارحام ہیں اور ذوی الارحام اقرب الاولیاء الموجودین ہوں تو اُن کی غیبت میں مولی الموالاۃ من یلی ہے کما ھو قضیۃ الترتیب وھو ظاھر جدا (جیساکہ ترتیب کا تقاضا ہے، یہ بالکل ظاہر ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

ثم لولد الام ثم لذوی الارحام ثم مولی الموالاۃ ثم للسلطان[2] الخ۔ | پھر والدہ کے بیٹے اور پھر ذوی الارحام کو پھر معاہدہ والے کو پھر سلطان کو حقِ ولایت ہے الخ (ت)

اور ردالمحتار میں اختیار سے ہے:

ولا تنتقل الی السلطان لان السلطان ولی من لا ولی لہ وھذہ لھا اولیاء[3]۔ | سلطان کو ولایت منتقل نہ ہوگی کیونکہ سلطان اس وقت ولی بنتا ہے جب دوسرا کوئی ولی نہ ہو جبکہ اس کے یہ اولیاء موجود ہیں۔ (ت)

جب ہمارے نزدیک ذوی الارحام و مولی الموالاۃ بھی سلطان پر مقدم تو بحکم ھذہ لھا اولیاء (یہ اس کے اولیاء ہیں۔ ت) یہاں بھی لا تنتقل الی السلطان (سلطان یعنی حکم کو منتقل نہ ہوگی۔ ت) کا حکم محکم مگر صرف اس قدر کہ ذوی الارحام بھی بحالتِ غیبت اقرب ولایت پاتے ہیں، حدیثِ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے رفع شبہہ مذکورہ نہ کرے گا، اور پر معلوم ہوچکا کہ مطلقاً ہر بعید ولی نہیں ہوجاتا بلکہ وہی جو اس اقرب کے بعد سب سے اقرب ہے، پدر دُلہن کے درمیان تمام عصبات و تمام اصحاب فروض و بعض ذوی الارحام بکثرت اولیاء ہیں، حضرت حفصہ بنت عبدالرحمن بن الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہم کے لئے بحالتِ غیبتِ پدر اُن میں کسی کا اصلاً موجود نہ ہونا یہاں تک کہ ولایت حضرت عمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے لئے ثابت ہو بہت مستبعد ہے، بلکہ جواب یہ ہے کہ واقعہ عین لا عموم لھا (یہ خاص واقعہ ہے اس میں عموم نہیں ہے۔ ت) وقائع عین ہر گونہ احتمال کے محل ہوتے ہیں، ممکن کہ حضرت حفصہ

---

[1] ردالمحتار | باب الولی | داراحیاء التراث بیروت | ۲/۳۱۵
[2] درمختار | " | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۳
[3] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۳۱۵

وقتِ نکاح بالغہ ہوں تو ان پر ولایت مجبرہ کسی کو نہیں۔ ممکن کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا نے حضرت منذر بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو تزویج کے لئے تجویز و پسند فرمایا اور اقرب الاولیاء الحاضرین کو اُن سے نکاح کر دینے کا حکم کیا اور انھوں نے حسبِ حکم والا نکاح کر دیا ہو تو نکاح ہُوا تو ولی مستحق ہی کی ولایت سے، مگر حضرت کے حکم حضرت کی رائے حضرت کی تجویز سے ہونے کے باعث حضرت کی طرف منسوب ہُوا ایسی نسبتیں شائع و ذائع ہیں جیسے:

فتح الامیر الحصن وقطع السلطان اللص وغسل علی فاطمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

امیر نے قلعہ فتح کیا، سلطان نے چور کا ہاتھ کاٹا، علی نے فاطمہ کو غسل دیا رضی اللہ تعالٰی عنہما (ت)

جب منذر بن زبیر نے حضرت عبدالرحمٰن کی ناراضی پائی اُنھیں اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو تفریق کر دیں حضرت عبدالرحمٰن نے اس پر اپنی خواہر مطہرہ سے عرض کی ماکنت لاردامرا قضیتہ[1] مجھے نہیں پہنچتا کہ اس بات کو رد کروں جس کا آپ نے حکم فرمایا، اور اگر انھا زوجت حفصۃ کے معنٰی یہی رکھے جائیں کہ ام المومنین نے بنفسِ نفیس تزویج فرمائی تو ممکن کہ ولی مستحق سے ذکر فرما کر اجازت لے لی ہو، اب یہ صورت توکیل کی ہو جائیگی بہر حال کوئی مقام شُبہہ و اشکال نہیں، یہ دو وجوہ ہیں کہ خاطرِ فقیر میں آئیں، اور امام مالک رحمہ اللہ تعالٰی نے ام المومنین کے خصائص سے شمار فرمایا کہ بوجہ اس قرب کے جو حضرت قدسی منزلت کو حضور پُرنور سید عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تھا، اُن کی یہ تزویج جائز رہی، زرقانی علی مؤطا للامام مالک میں ہے:

قال مالک فی الموازیۃ انما کان ذلک لمثل عائشۃ لمکانہا من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

امام مالک نے موازیہ میں فرمایا: یہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو حق تھا کیونکہ ان کو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے خاص تعلق تھا الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

سوال چہارم

اُس مسئلہ میں اگر ولی ابعد نے غیر برادری میں نکاح کر دیا تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب

ولی اقرب کہ غائب ہے پدر یا جدِ صحیح ہے ہر ایک غیر معروف بسوئے اختیار یا معروف کہ اس سے

---

[1] مؤطا الامام مالک کتاب الطلاق مالایبین من التملیک میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۵۱۳

[2] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالک کتاب الطلاق مکتبہ تجاریہ کبرٰی مصر ۳/ ۱۷۲

پہلے اپنی ولایت سے کسی بچے کا نکاح غیر کفو سے یا مہر مثل میں غبن فاحش کے ساتھ کرچکا ہو یا اُن دونوں کا غیر، اور جبکہ غائب پدر ہو تو ولی ابعد جد معروف بسوئے اختیار یا غیر معروف یا کوئی اور، یہ نو صورتیں ہوئیں اور ہر تقدیر پر غیبت منقطعہ ہے یا غیر۔ وہ غیر برادری خواہ برادری والا کفو ہے یا غیر یعنی نسب یا مذہب یا حرفت یا روش یا مال غرض کسی بات میں اس سے ایسی کمی رکھتا ہے کہ اس سے نکاح اس کے اولیاء کے لئے باعث ننگ وعار ہے، نکاح مہر مثل میں غبن فاحش کے ساتھ ہوا مثلاً دختر کا مہر مثل ہزار تھا پانسو باندھے یا زوجہ پسر کا پانسو تھا ہزار باندھے یا غیر۔ یہ جملہ بہتّر صورتیں ہوئیں، ان کے حکم کا ضابطہ بتوفیق اللہ تعالٰی یہ ہے کہ اگر **غیبت غیر منقطعہ** تھی اور ولی غائب پدر یا جد غیر معروفین بسوئے اختیار ہیں تو یہ نکاح مطلقاً ان کی اجازت پر موقوف ہے اگرچہ غیر کفو و غبن فاحش سے ہو، اور اگر غائب مذکور معروف بسوء اختیار تو نکاح مطلقاً باطل محض اگرچہ غیبت پدر میں جد صحیح غیر معروف بسوئے اختیار نے کیا ہو۔

والوجه فی ذلك ان الغیبة اذا لم یکن منقطعة لاتکون الولایة لغیرہ کما قدمنا فی مسئلة الاولی والاب والجد لهما التزویج بغیر الکفو وبالغبن الفاحش اذا لم یعرفا بسوء الاختیار لا اذا عرفا به کما فی الدر المختار[1] وغیرہ من الاسفار وقد قال فیه وفی متنه تنویر الابصار فی فصل الفضولی کل تصرف صدر منه کتزویج وله مجیز ای من یقدر علی اجازته حال وقوعه انعقد موقوفا ومالا مجیز له حالة العقد لاینعقد[2] اھ فاذا لم یعرفا به

اس میں وجہ یہ ہے کہ جب تک غیبت منقطعہ نہ ہو تو غیر کو ولایت حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ پہلے مسئلہ میں ہم نے ذکر کیا ہے، اور باپ اور دادا کو اس وقت غیر کفو اور گراں مہر یا انتہائی کم مہر کے ساتھ نکاح کی اجازت ہے جب وہ سوء اختیار میں معروف نہ ہوں، اس میں معروف ہونے کی صورت میں جائز نہیں جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے جبکہ درمختار اور اس کے متن تنویر الابصار میں فضولی کی بحث میں مذکور ہے کہ تمام وہ تصرفات جن کے صادر ہونے پر وہ کسی کی اجازت پر موقوف ہوں تو اجازت دینے والے کی موجودگی میں وہ تصرفات موقوف قرار پائیں گے اور اگر ایسے تصرفات کی اجازت دینے والا موجود نہ ہو تو پھر یہ تصرفات منعقد ہی نہ ہوں گے اھ، تو جب

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار فصل فی الفضولی " " " ۲/۳۱

فهذا عقد وقع وله من يملك تنفيذه فوقف وان عرفا فلا[عہ] فلا توقف بتزويج جد لم يعرف به بغيبة اب معروف به وان كان الجد يملكه اذا لم يعرف به فان هذا انما هو حين قيام ولايته وهو عند غيبة للاب غيبة غير منقطعة لايلى اصلا ولو من كفؤ فضلا عن غيره۔

باپ دادا سوءِ اختیار سے معروف نہ ہوں تو یہ عقد درست ہوکر اجازت پر موقوف رہے گا کیونکہ اس عقد کو جائز کرنے والا خود موجود ہے، اور اگر سوءِ اختیار میں معروف ہوں تو منعقد نہ ہوگا اور نہ موقوف ہوگا، تو اس صورت میں سوءِ اختیار میں غیر معروف دادا اگر اس باپ کی غیبت غیر منقطعہ میں جو سوءِ اختیار میں معروف ہو نکاح کرئے تو یہ نکاح موقوف نہ رہے گا اگرچہ دادا غیر معروف بسوءِ اختیار خود نکاح دینے کا مالک ہوتا ہے مگر یہاں اس لئے نہیں کہ باپ غیبتِ منقطعہ میں غائب نہیں بلکہ وُہ غیر منقطعہ غیبت میں غائب ہے تو ایسی صورت میں دادے کو ولایت منتقل نہیں ہوتی اگرچہ دادا کفو میں بھی کرے چہ جائیکہ غیر کفو میں کرے۔ (ت)

اور اگر ولی غائب غیراب وجد ہے تو کفو سے بے غبن فاحش اجازت غائب پر موقوف لقیام ولایته بعدم الانقطاع (عدمِ انقطاع کی بناء پر ولایت باقی رہنے کی وجہ سے۔ ت) اور غیر کفو یا غبن فاحش سے مطلقاً باطل لعدم المجیز (جائز کرنے والا نہ ہونے کی وجہ سے مطلقاً باطل ہے۔ ت) اگرچہ اس ولی غائب بغیبت غیر منقطعہ کے سوا صغیر وصغیرہ کا باپ یا دادا غیر معروف بسوئے اختیار غائب بغیبت منقطعہ زندہ موجود ہو کہ غیبت منقطعہ مثل موت ہے،

بناء على ماصحح فى البدائع انها تنقل الولاية عن الاقرب الى من يليه فى القرب حتى لو زوجها حيث هو لم يجز واليه يميل كلام المبسوط والهداية والفتح بل هما مصرحان

بدائع میں مذکورہ تصحیح کی بناء پر کہ ولایت اقرب سے منتقل ہوکر اس کے بعد والے قریبی کو حاصل ہوگی، حتی کہ اگر اقرب نے جہاں پر وُہ ہے وہاں نکاح کردیا ہو تو نافذ نہ ہوگا، اسی کی طرف مبسوط، ہدایہ اور فتح کا کلام مائل ہے، بلکہ آخری دونوں نے اس کی تصریح

عہ ای ان عرفا بسوء الاختیار فلا مجیز فلا توقف بل یبطل ثم فرع علیه فقال فلا توقف بتزویج جد الخ ۱۲ منه۔ (م)

یعنی اگر وہ معروف بسوءِ اختیار ہیں تو یہ نکاح موقوف نہیں بلکہ باطل ہوگا، پھر اس پر تفریعاً کہا فلا توقف بتزویج جد الخ ۱۲ منہ (ت)

به وسياتي بعض نصوصهما في جواب الخامس وقواه الزيلعي رواية ودراية و عليه فرع في محيط السرخسي و ذكر الشامي انه الذي في اكثر الكتب وقد قال في الهداية والبحر ففوضناه الى الابعد كما اذا مات الاقرب[1] اھ اما على ما استظهر في الخانية والظهيرية والتنوير والدر و عليه فرع الاسبيجابي في شرح مختصر الطحاوي وعليه مشى في البحر من انها لاتنتفي ولايته وانما تحدث لها لمن يليه فيكون كان هنا وليين مستويين كاخوين او عمين فايهما عقد نفذ فالظاهر فيما ذكرنا التوقف اذا لم يكن الاب او الجد معروفا بسوء الاختيار لانه وقع وهو مجيز فافهم۔

کی ہے اور ان کی بعض نصوص پانچویں سوال کے جواب میں آئیں گی اور اسی کو زیلعی نے قوی قرار دیا درایۃً و روایۃً، اور اسی پر محیط سرخسی میں تفریع قائم کی اور شامی نے کہا کہ یہی اکثر کتب میں ہے جبکہ ہدایہ اور بحر میں کہا کہ ہم یہ ولایت ہمیشہ کے لئے دوسرے مرتبہ والے کو سونپ دیں گے جیسا کہ اقرب کے فوت ہوجانے پر ہوتا ہے اھ لیکن خانیہ، ظہیریہ، تنویر اور دُر نے جس کو ظاہر قرار دیا اور شرح مختصر الطحاوی میں اسبیجابی نے جس پر تفریع قائم کی ہے اور بحر نے اسی کو اپنایا، وہ یہ ہے کہ اقرب غائب کی ولایت ختم نہ ہوگی، ہاں قربت میں دوسرے مرتبہ والے کے لئے بھی ولایت ثابت ہوجائے گی، گویا یوں دو مساوی ولی قرار پائیں گے جیسے دو بھائی یا دو چچے برابر ہوں تو دونوں کو ولایتِ نفاذ حاصل ہوتی ہے، جو بھی عقد کرے گا نافذ ہوگا، تو ظاہر وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ باپ یا دادا سوء اختیار سے معروف نہ ہوں تو نکاح موقوف رہے گا کیونکہ یہ حضرات نکاح کو جائز کرنیوالے موجود ہیں، غور کرو۔ (ت)

اور اگر **غیبت منقطعہ** تھی تو غیر کفو یا غبن فاحش سے مطلقاً باطل مگر اس صورت میں کہ غائب پدر ہو اور مزوج جد صحیح کہ نہ معروف بہ سوئے اختیار ہو نہ اس تزویج کے وقت نشے میں کہ اس تقدیر پر یہ عقد نہ صرف صحیح و نافذ بلکہ لازم ہوگا جو کسی طرح رد نہیں ہوسکتا اور اگر نکاح کفو سے بے غبن فاحش ہے تو مطلقاً تام و نافذ مگر ولی مزوج اگر جد ہے تو لازم بھی ہوگیا ورنہ غیر لازم کہ قاصر و قاصرہ کو اگر پیش از بلوغ نکاح کی خبر ہے تو بلوغ ہوتے ہی ورنہ بعد جب خبر پائیں اختیار ملے گا کہ اس پر معترض ہو کر قاضی شرع سے نکاح فسخ کرالیں۔

والمسائل ظاهرة وفي كتب المذهب

یہ مسائل واضح اور مذہب کی کتب میں مذکور ہیں جبکہ

---

[1] الهداية باب الاولياء والاكفاء مكتبہ عربیہ کراچی ۲/۲۹۹

بحرالرائق " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۲۶

دائرۃ وقد قال فی الخیریۃ قد نصوا علی ان غیر الاب والجد اذا زوج الصغیر او الصغیرۃ مع وجود احدھما ان کان بغیبۃ وبموت الولایۃ له بالغیبۃ المجوزۃ لذلك فلھما خیار البلوغ لانه زوج بالولایۃ اھ[1]

تنبیــه کتبت ھھنا علی ھامش رد المحتار مانصه وانظر ھل اذا عاد الاب او الجد حتی عادت ولایته کما نصوا علیه ھل یکون له ایضا الاعتراض قبل بلوغ الصغیرین ام ھو لھما خاصۃ حتی یبلغا والظاھر ھو الاول لانه لدفع ضرر خفی کما فی الھدایۃ او ضرر غیر متحقق کما فی الفتح فینبغی ثبوته لمن له النظر وانما النظر لدفع الضرر فلم ذا یؤخر مع امکان الدفع قبل ان یتقرر ثم ان قلنا بحصول ذلك للاب والجد ولم یعارضا حتی بلغ الصغیران فھل یکون ھذا الاعتراض عن الاعتراض مبطلا لخیار الصغیرین کما لو زوج الابوان بانفسھما الظاھر لا لان النکاح اذا وقع لغیبتھما فقد نفذ غیر موقوف علی

خیریہ میں کہا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ باپ اور دادا کی غیر موجودگی میں اگر کسی غیر نے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کردیا تو اگر باپ اور دادا ایسے غائب میں جس کی بنا پر اس غیر کو ولایت اور اجازت ہوسکتی ہے تو لڑکے اور لڑکی کو خیارِ بلوغ حاصل ہوگا کیونکہ غیر نے یہ نکاح اپنی ولایت سے کیا ہے اھ **تنبیہ** میں نے یہاں ردالمحتار کے حاشیہ پر لکھا ہے جس کی عبارت یوں ہے کہ غور کرنا ہوگا کہ کیا باپ یا دادا واپس آگئے تو لڑکے یا لڑکی کے بالغ ہونے سے قبل ان کو دوبارہ ولایت لوٹ آئیگی جس کی وجہ سے لڑکے اور لڑکی کے کئے ہوئے نکاح پر ان کو اعتراض کا حق ہوگا یا اب ان کو اعتراض کا حق نہیں بلکہ لڑکے یا لڑکی کو ہی اپنے بلوغ پر اختیار رہے گا جیسا کہ عام فقہا نے تصریح کی ہے جبکہ ظاہر پہلی صورت ہے کیونکہ کسی مخفی ضرر کی بناء پر جیسا کہ ہدایہ میں ہے یا احتمالِ ضرر کی بنا پر جیسا کہ فتح میں ہے صاحبِ شفقت کو اختیارِ ولایت ثابت ہے جبکہ ولایتِ شفقت دفعِ ضرر کے لئے ہی ہوتی ہے، تو بچوں کے بلوغ کی انتظار تک کیوں مؤخر کی جائے جبکہ ضرر واقع ہوجانے سے قبل اس کے دفاع کا امکان موجود ہے، پھر قابلِ غور یہ ہے کہ جب ہم تسلیم کرلیں کہ باپ دادا کو ولایت دوبارہ مل گئی ہے اب وہ نابالغ کے نکاح پر تعرض نہ کریں حتی کہ وہ بچے بالغ ہوجائیں تو کیا باپ دادا کا تعرض نہ کرنا بچوں کے خیارِ بلوغ کو ختم کردے گا جیسا کہ خود باپ دادا نے نکاح کیا ہو تو نابالغ کا خیارِ بلوغ باطل ہوتا ہے،

[1] فتاوٰی خیریۃ باب الاولیاء دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۵

اجازتھما فلم یجب الیھما ایقاعا ولا انفاذ او اعراضھما عن اعتراضھما لایوجب ابطال حق الصغیرین کما اذا لم یزاحما ظالما یتصرف فی مالھما فلیتامل ولیحرر ما کتبت۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تو ظاہر یہی ہے کہ والدین کے عدم تعرض سے خیارِ بلوغ ختم نہ ہوگا کیونکہ نکاح کے وقت ان کے غائب ہونے کی بنا پر ان کی اجازت پر موقوف نہ تھا تو نکاح کا نفاذ ان کی طرف منسوب نہ رہا، تو اب عدمِ تعرض اور اعتراض نہ کرنے کی وجہ سے بچوں کو حاصل شدہ اختیار باطل نہ ہوگا جیسا کہ ظالم نے بچوں کے مال میں تصرف کیا اور باپ دادا نے تعرض نہ کیا ہو۔ اس میں غور چاہئے اور واضح کرنا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

سوال پنجم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سَو کوس سے زائد سفر میں گیا ہے اُس کے مکان پر اُس کی والدہ اور اُس کی دختر زینب نامی اور اس کا پھوپھی زاد بھائی خالد موجود ہیں، زید نے اپنی والدہ کو لکھا کہ زینب کا نکاح بغیر میری اجازت کے نہ کرنا میں خود سفر سے آکر اپنے برادر کے پسر کے ساتھ کروں گا، مگر اس کی والدہ نے بغیر دریافت کئے زید کے اور بغیر دریافت کئے خالد کے جو موجود تھا اپنی رائے سے اپنی پوتی زینب نابالغہ کا نکاح بہت دُور کے عزیزوں میں کر دیا اس صورت میں زید سفر سے آنے کے بعد فسخ نکاح کرا سکتا ہے یا نہیں؟ اور خالد جو بحالتِ عقد اپنے مکان پر موجود تھا اور اس کی رائے کے خلاف نکاح ہوگیا تو آیا یہ بھی زینب نابالغہ کا نکاح فسخ کرا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

خالد تو یہاں کوئی چیز نہیں، نہ اسے کچھ اختیار کہ ابن عمۃ الاب ذوی الارحام سے ہے، اور دادی بالاتفاق اُن پر مقدم،

فی الدر المختار الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ علی ترتیب الارث والحجب فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام ثم لام الاب الٰی قولہ ثم ذوی الارحام[2]۔

درمختار میں ہے: نکاح میں ولی، وراثت وحجب کی ترتیب پر عصبات بنفسہٖ ہوتے ہیں، اگر عصبات نہ ہوں تو پھر ولایت ماں کو پھر دادی کو ہوتی ہے، ان کا بیان ذوالارحام تک ہُوا۔ (ت)

---

[1] جد الممتار باب الولی قول ۵۶۹ المجمع الاسلامی مبارکپور ۲/ ۳۶۹

[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

مگر تقریرِ سوال سے جو صُورت ظاہر وُہ صاف شہادت دے رہی ہے کہ یہ نکاح اس وجہ پر واقع نہ ہُوا جو شرعِ مطہر نے غیبتِ ولی اقرب میں ولی ابعد کے لئے رکھی ہے قطع نظر اس سے کہ یہاں دادی ولی ابعد ہے بھی یا نہیں (کہ ابعد وُہ جو اقرب کے بعد مرتبۂ ولایت میں ہو غیبتِ پدر میں دادی اس وقت ولی ابعد ہوسکتی ہے کہ دادا، بھائی، بھتیجا، چچا، چچا کا بیٹا سگے سوتیلے، غرض دادا پردادا کی اولاد کا کوئی مرد عاقل بالغ کتنے ہی دُور کے رشتے کا اصلاً موجود نہ ہو، نہ زینب کی ماں حاضر ہو کہ یہ سب مراتب ولایت میں دادی پر مقدم کما تقدم وقد حققنا تقدم الام علی ام الاب فیما علقنا علی رد المحتار (جیسا کہ پہلے گزرچکا اور ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں تحقیق کی ہے کہ ماں کو دادی پر تقدم حاصل ہے۔ت) مذہب معتمد میں بحالتِ غیبت اقرب ولی ابعد کو بے اجازت اپنی رائے سے صغیرہ کا نکاح کردینے کا اختیار صرف اس ضرورت سے دیا جاتا ہے کہ سرِ دست صغیرہ کے لئے کوئی کفو خواستگار حاضر و موجود ہے اور اُسے اتنی مہلت منظور نہیں کہ ولی اقرب واپس آئے یا اُس کا جواب لیا جائے، اگر اتنا انتظار کرتے ہیں تو اس دیر کے باعث کفو موجود نکاح پر راضی نہ ہوگا اور موقع ہاتھ سے نکل جائے گا فواتِ کفو کے سبب صغیرہ کو نقصان پہنچے گا کہ کفو ہر وقت میسر نہیں آتا، کیا معلوم پھر ہاتھ نہ لگے، لہذا بضرورت اُس ولی اقرب کے بعد کے درجے کا جو ولی حاضر ہے شرعِ مطہر اسے اجازت دیتی ہے کہ تو کردے وجہ یہ کہ احرازِ کفو شرعِ مطہر میں سخت مہم و مہتم بالشان ہے اور کفوِ حاضر کا ہاتھ سے کھو دینا ضرور نقصان، بلکہ سرے سے نابالغ پر ولایت تزویج کی تشریع اگرچہ باپ ہی کی ہو اسی حکمت کے لئے واقع ہوئی ورنہ بچپن میں نکاح کی کیا ضرورت۔ فتح القدیر میں ہے،

النکاح یراد لمقاصدہ ولا تتوفر الا بین المتکافئین عادۃ ولا یتفق الکفؤ فی کل زمان فاثبات ولایۃ الاب بالنص بعلۃ احراز الکفؤ اذا ظفر بہ للحاجۃ الیہ اذ قد لا یظفر بمثلہ اذا فات بعد حصولہ[1]

نکاح بعض مقاصد کے لئے ہوتا ہے جو عادتاً دو ہم مثل حضرات سے پورے ہوتے ہیں، اور یہ مماثلت اور کفو ہر وقت میسر نہیں ہوتی، اور باپ کو ولایت نص سے ثابت ہُوئی ہے تاکہ وُہ ضرورت کے وقت کفو کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکے، کیونکہ ہر وقت کفو میسر آنے کے بعد ضائع ہوجانے پر حاصل نہیں ہوتی۔(ت)

حدیث میں ہے حضور سیّد عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

یا علی ثلاث لا تؤخرھا الصلٰوۃ اذا

اے علی! تین چیزوں میں دیر نہ کرنا، نماز جب اس کا

---

[1] فتح القدیر باب الاولیاء المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۳/ ۱۷۳

أنت والجنازة اذا حضرت والايم اذا وجدت لها كفوًا [1]۔ رواہ الترمذی و الحاکم عن امیرالمؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ۔	وقت آئے، اور جنازہ جب حاضر ہو، اور زنِ بے شوہر جب اس کے لئے کفو پائے (اس کو ترمذی اور حاکم نے امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

دوسری حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا جاءکم الاکفاء فانکحوھن ولا تربصوا بھن الحدثان [2]۔ رواہ فی مسند الفردوس عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جب تمہارے پاس کفو آئیں تو لڑکیاں بیاہ دو اور اُن کے لئے حادثوں کا انتظار نہ کرو (اس کو مسند فردوس میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔)

یعنی دیر میں شاید کوئی حادثہ پیش آئے کہ فی التاخیر اٰفات (تاخیر میں کئی آفتیں ہیں۔ت) چند حدیثوں میں ہے حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا اتاکم من ترضون خلقہ ودینہ فزوجوہ الا تفعلوا تکن فتنۃ فی الارض و فساد عریض [3]۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ و الحاکم عن ابی ھریرۃ وابن عدی عن ابن عمر والترمذی والبیھقی فی السنن عن ابی حاتم المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	جب تمہارے پاس وہ شخص آئے جس کا چال چلن اور دین تمہیں پسند ہو تو اس سے نکاح کردو ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔ (اسے ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابن عدی نے ابن عمر، اور ترمذی اور بیہقی نے سُنن میں ابوحاتم المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ ت)

ذخیرہ و ردالمحتار میں ہے:

الاصح انہ اذا کان فی موضع لو انتظر حضورہ او استطلاع	اصح یہ ہے کہ اگر ایسے مقام پر ہو کہ اس کی واپسی کے انتظار اور اس کی رائے حاصل کرنے سے موجودہ

[1] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ ص ۲۲، ابواب الجنائز ص ۱۲۷ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ج ۱
المستدرک للحاکم کتاب النکاح باب تزوجوا الودود الولود دار الفکر بیروت ۲/۶۳-۱۶۲
[2] کنز العمال بحوالہ فر عن ابن عمر حدیث ۴۴۹۳ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/۳۱۷
[3] جامع الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء من ترضون دینہ الخ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۲۸
المستدرک کتاب النکاح دار الفکر بیروت ۲/۱۶۵

ر انه فات الکفو الذی حضر فالغیبة منقطعة والیه اشار فی الکتاب[1]

کفو فوت ہوجائے گا تو ایسے مقام پر ولی اقرب کی غیبۃ منقطعہ ہوگی، اور اسی کی طرف کتاب میں اشارہ ہے (ت)

فتح القدیر میں ہے:

اذا بقینا ولایة الاقرب ابطلنا حقها وفاتت مصلحتها[2]

ولی اقرب کی (باوجود غائب ہونے کے) ولایت کو باقی رکھیں تو لڑکی کا حق باطل اور اس کی بھلائی فوت ہوجائے گی۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

هذا اقرب الی الفقه لانه لا نظر فی ابقاء ولایته حینئذ[3]

یہ بات فقہ سے اقرب ہے کیونکہ یہاں اقرب کی ولایت کو باقی رکھنے میں بچی پر شفقت نہیں ہے (ت)

تو ابعد کے لئے حصولِ ولایت تین شرط پر مشروط،

اوّل یہ ابعد بغیبت اقرب جس کے نکاح میں دے صغیرہ کا کفو ہو،

فانه ان لم یکن کفوا فای شیئ یفوت بفوته والا مر تمس الحاجة۔

اگر وُہ کفو نہ ہو تو پھر کس چیز کے فوت ہونے کا خطرہ اور یہاں کونسی حاجت محسوس ہوئی (ت)

دوم وُہ کفو ولی اقرب کا جواب آنے تک نہ رُکے ورنہ ہرگز ابعد کو اختیار نہ ہوگا۔ جامع الرموز و مجمع الانہر میں ہے:

لو انتظره الخاطب لم ینکح الا بعد[4]

اگر منگنی طلب کرنے والا ولی اقرب کا انتظار کرتا ہے تو پھر ولی ابعد نکاح نہ کرے (ت)

منحۃ الخالق میں ہے:

ان رضی الخاطب ان ینتظر الی استیذان الولی الاقرب لم یصح للابعد العقد[5]

اگر منگنی والا ولی اقرب سے اجازت حاصل کرنے پر راضی ہے تو ابعد کا نکاح درست نہ ہوگا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار | باب الولی | داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۵

[2] فتح القدیر | باب فی الاولیاء | مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۸۴

[3] الہدایہ | باب فی الاولیاء والاکفاء | المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۲۹۹

[4] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر " " " | داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۳۹

[5] منحۃ الخالق حاشیۃ علی البحرالرائق | باب الاولیاء | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۲۹

سوم اس جاری کرنے والے کفو کے سوا اور کوئی کفو خواستگار نکاح ایسا حاضر نہ ہو جو جواب آنے تک انتظار پر راضی ہو،

فانه حینئذ لایفوتها الکفو الخاطب بالفعل انما یفوت ان فات احدهما ولیس فی ذٰلک ابطال حقها ولا تفویت مصلحتها حتی تسلب الولایة من قریب شفیق الی بعید سحیق وهذا ظاهر لاسترة علیه۔

کیونکہ اس صورت میں لڑکی کے لئے کفو والا رشتہ فوت نہ ہوگا، ہاں دونوں میں سے کوئی ایک فوت ہوا مگر اس سے لڑکی کا حق باطل ہوا نہ اس کی مصلحت فوت ہوئی جس کی بنا پر اقرب ولی کی ولایت سلب کی جائے جو کہ نہایت شفیق ہے اور بعید غیر شفیق کو دی جائے، یہ بالکل ظاہر بات ہے۔ (ت)

یہاں اوّلاً زید کا بھتیجا جس کے ساتھ تزویج زینب کا ارادہ وہ اپنے خط میں لکھ چکا ظاہراً صریح کفو خواستگار موجود ہے یہ دوسرا جس کے ساتھ نکاح کیا گیا اگر کفو بھی تھا اور اتنی دیر میں ہاتھ سے نکل بھی جاتا تو دوسرا تو موجود تھا تو وہ ضرورت جس کے لئے ولی ابعد کو اختیار ملتا متحقق نہ ہوئی، ولہذا علامہ خیر الدین رملی حاشیہ بحرالرائق مسئلہ عضل ولی اقرب میں فرماتے ہیں :

الولایة بالعضل نیابة انما انتقلت للقاضی لدفع الاضرار بها ولا یوجد مع ارادة التزویج بکفوٴ غیرہ[1]۔

رکاوٹ کی وجہ سے ولایت قاضی کو بطور نیابت منتقل ہوتی ہے تاکہ وہ لڑکی کو ضرر رسانی کا دفاع کرسکے، جبکہ ایک کفو کی بجائے دوسرے کفو کو نکاح دینا لڑکی کے لئے ضرر نہیں ہے۔ (ت)

علامہ شامی حاشیہ بحر میں لکھتے ہیں :

ان کان الکفوٴ الاٰخر حاضرا وامتنع الاب من تزویجها من الاوّل واراد تزویجها من الثانی لایکون عاضلا لان شفقته دلیل علی انه اختار لها الانفع[2]۔

اگر دوسرا کفو موجود ہے اور باپ پہلے کو نکاح نہ دے اور وہ دوسرے کو دینا چاہتا ہے تو اس کو باپ کی رکاوٹ نہ کہا جائے گا کیونکہ اس کی شفقتِ پدری اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بچّی کے لئے زیادہ مفید کو پسند کرتا ہے (ت)

---

[1] منحة الخالق بحوالہ الرملی فصل فی الاکفاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۲۷

[2] منحة الخالق حاشیہ علی البحرالرائق " " " " " "

ثانیاً جب خط مذکور آنے اور ارادہ زید ظاہر ہوجانے کے بعد یہ نکاح واقع ہُوا تو ظاہر کہ یہ جلدی اس لئے نہ تھی کہ کفوِ حاضر کو اتنی مہلت نہیں زید کا جواب آنے تک بیٹھا نہ رہے گا بلکہ قصداً اس کی رائے سے تعدّاً جان کر بالا بالا کارروائی کرلی گئی کہ وُہ نہ آنے پائے اور اپنا مطلب ہوجائے یہ ہرگز نہ ضرورت نہ مصلحت نہ مراد شرع سے اسے مناسبت بلکہ مقصودِ شرع سے صاف مناقضت شرعِ مطہر نے مراتبِ ولایت کی ترتیب اسی دن کے لئے رکھی تھی کہ جس کی عقل کامل صغیر السن پر شفقت وافر ان بے چاروں کے کام آرام کا انتظام اہتمام اس کے ہاتھ میں دیا جائے نہ کسی کم شفقت یا ناقص العقل کے قبضے میں، اگر ترکِ انتظار اسی کا نام رکھا جائے کہ ولی اقرب کی رائے اپنے خلاف معلوم ہے لہٰذا اس سے دریافت کا انتظار نہیں کرتا کہ وُہ پُوچھے سے منع کردے گا تو ایسی غیبت تو ہر وقت نقد وقت ہوسکتی ہے آخر مذہب معتمد پر غیبت منقطعہ میں سفر درکنار شہر سے باہر ہونا بھی شرط نہیں کما فی الخانیۃ والبحر والدرر وغیرھا (جیسا کہ خانیہ، بحر اور درر وغیرہ میں ہے۔ ت) صغیرہ کا مہربان باپ اس کی مصلحت کا خواہاں اس کی مضرت سے ترساں جب مسجد میں نماز کو جائے گھر میں کوئی عورت ناقصۃ العقل والدین اپنی خواہش کے مطابق جس کفو کو چاہے بیٹی دے دے اگرچہ باپ جانتا ہو کہ اس سے رشتہ میں صغیرہ کی شامت ہے تو شرع مطہر میں باپ کی تقدیم اور اس کی رائے وشفقت پر اس قدر اعتماد عظیم ذکہ اگر وہ ایک بار کفو کے ہوتے غیر کفو سے بیاہ دے تو تمام جہان میں کسی کو اختیارِ اعتراض نہیں کہ اس نے کفاءت سے بڑھ کر کوئی مصلحت سوچ لی ہوگی،

فی ردّ المحتار انہ لوفور شفقتہ بالابوۃ لایزوج بنتہ من غیر کفؤ اوبغبن فاحش الالمصلحۃ تزید علٰی ھذا الضرر کعلمہ بحسن العشرۃ معھا وقلۃ الاذی ونحو ذٰلک[1]

ردالمحتار میں ہے کہ وہ پدری شفقت کی بنا پر اپنی بیٹی کا نکاح غیر کفو اور انتہائی کم مہر سے نہیں کریگا مگر جبکہ اس ضرر کی نسبت زیادہ فائدہ اور مصلحت پیشِ نظر ہو مثلاً لڑکی کے لئے اچھی معاشرت اور لڑکی کو اذیت سے تحفظ وغیرہ مقصود ہو۔ (ت)

سب بیکار ومعطل ہوکر رہ گئے ان ھذا لبعید من الفقہ ای بعید (یہ فقہ سے بہت بعید ہے۔ ت) بلکہ ایسی باگ چھوڑنے میں سخت فتنوں کا احتمال قوی ہے مثلاً زن بے خرد اپنے کسی عزیز کے ساتھ بوجہ قرابت خواہ کسی طمع سے یا دلالہ خبائث کی باتوں میں آکر کسی شخص سے دختر قاصرہ کا نکاح چاہتی ہو پدر شفیق آگاہ ہو کہ یہ بدمذہب یا کم نسب ہے اور کسی وجہ سے کفو نہیں وہ منع کرے اُس کے جاتے ہی یہ ناقصۃ العقل اُس بُری جگہ

---

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۵

لڑکی اٹھا دے اور دعوٰی کرے کہ یہ کفو تھا انتظار میں فوت ہو جاتا لہٰذا مجھے ولایت ملی اب کہیں یہ ہو کہ ذی عزت آدمی معاذ اللہ ایسے معاملات کچہری تک لے جاتے غیرت کرے اور قہرِ درویش بر جانِ درویش کہہ کر خاموش رہے تو نابالغہ کو کیسا ضررِ عظیم پہنچا اگر دعوٰی کرے تو عدمِ کفاءت کا ثبوت دینا دشوار ہو خصوصاً مثل مذہب میں کہ بہت بدمذہب خصوصاً روافض ایسی جگہ تقیہ کی بڑی ڈھال رکھتے ہیں تو ایسی اجازتوں میں کیسی آفتوں کا فتح باب ہے والعیاذ باللہ العزیز الحکیم (عزت وحکمت والے اللہ کی پناہ۔ ت)۔

ثالثاً مذہبِ معتمد بلکہ قولِ مقابل پر بھی ولی اقرب کی غیبت منقطعہ میں ابعد کو ولایت دینے کا منشا صرف یہ کہ ولایت اس لئے رکھی ہے کہ اس کی رائے سے نابالغ کو نفع پہنچے اور جب وہ ایسا غائب ہے تو اس کی رائے سے نفع معدوم، لہٰذا جو اس کے بعد درجہ رکھتا ہے اس کی رائے پر رکھیں گے۔ ہدایہ میں ہے:

ان ھذہ ولایۃ نظریۃ ولیس من النظر التفویض الی من لاینتفع برایہ ففوضناہ الی الابعد والغیبۃ المنقطعۃ ان یکون بحال یفوت الکفؤ باستطلاع رایہ[1] اھ ملتقطا۔

یہ نکاح کی ولایت شفقت پر مبنی ہے تو جس کی رائے سے انتفاع نہ ہو سکے ایسے کو ولایت سونپنا شفقت نہ کہلائے گی، لہٰذا ہم یہ ولایت اس کے بعد والے ولی کو سونپتے ہیں، اور غیبت منقطعہ یہ ہے کہ وہ اقرب ایسی جگہ ہو کہ اس کی رائے حاصل کرنے میں کفو فوت ہو جائے، اھ ملتقطاً (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لانظر فی التفویض الی من لاینتفع برایہ لان التفویض الی الاقرب لیس لکونہ اقرب بل لان فی الاقربیۃ زیادۃ مظنۃ للحکمۃ وھی الشفقۃ الباعثۃ علی زیادۃ اتقان الرأی للمولیۃ فحیث لاینتفع برایہ اصلا سلبت الی الابعد[2]۔

جس کی رائے سے انتفاع ممکن نہ ہو اس کو ولایت سونپنا شفقت نہیں ہے کیونکہ اقرب کو ولایت اس لئے نہیں کہ وہ اقرب ہے بلکہ اس لئے کہ اقرب ہونے میں زیادہ شفقت کا پہلو ہے جو کہ لڑکی کے لئے فوائد سے اتفاق ہے، تو جہاں اس کی رائے سے انتفاع ممکن نہ ہو وہاں اسے ابعد کی طرف منتقل کیا جائے گا۔ (ت)

---

[1] الھدایۃ باب الاولیاء والاکفاء المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۲۹۹

[2] فتح القدیر باب الاولیاء المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۳/ ۱۸۳

بحرالرائق میں ہے :

قولہ وللابعد التزویج بغیبۃ الاقرب مسافۃ القصر ای ثلثۃ ایام فصاعدا لان ھذہ ولایۃ نظریۃ ولیس من النظر التفویض الی من لاینتفع برأیہ ففوضناہ الی الابعد[1]۔

ماتن کا قول کہ " ابعد کو نکاح کر دینے کی ولایت ہے جبکہ اقرب اتنی مسافت پر ہو جس سے قصر لازم ہو" یعنی تین دن یا زیادہ کی مسافت، کیونکہ یہ ولایت شفقت پر مبنی ہے، تو ایسے کو ولایت سونپنا جس کی رائے قابلِ انتفاع نہ ہو تو وُہ شفقت نہ ہوگی، اس لئے ہم نے یہ ولایت ابعد کو سونپی ہے۔ (ت)

یہاں کہ ولی اقرب کی رائے سے انتفاع بالفعل حاصل وہ خط لکھ چکا اپنی رائے ظاہر کر چکا تو اب ابعد کی رائے پر رکھنے کا کیا منشا اس کی رائے تو اس لئے لی جاتی ہے کہ اقرب کی رائے سے انتفاع معدوم، نہ اس لئے کہ اس کی رائے سے جو نفع حاصل ہے اس کے رَدّ و ابطال کے واسطے یہ سراسر عکس مقصود ہے تو نظر بحالات واقعہ صاف ظاہر کہ یہ اس صورت سے بہت ابعد ہے جس میں شرع مطہر اقرب سے ابعد کی طرف ولایت نقل فرمائے، لاجرم غَیبتِ زید غیبت منقطعہ نہیں اور وہی بدستور ولی اقرب ہے، اس کے سوا دادی وغیرہا کسی کا کیا نکاح نکاحِ فضولی ہے کہ زید کی اجازت پر موقوف تو فسخ کرا سکتا کیا معنی زید خود اپنے قول سے فسخ کر سکتا ہے زبان سے کہہ دے "میں نے یہ نکاح رد کیا" فوراً رد و باطل ہو جائے گا، محیط و ہندیہ و شرح تنویر وغیرہا میں ہے :

واللفظ للاخیر لو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ[2]۔

عبارت آخری کتاب کی ہے کہ اگر ابعد نے اقرب کی موجودگی میں نکاح دیا تو یہ اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ (ت)

یہ سب کلام اُس حالت میں ہے کہ جس سے زینب کا نکاح ہُوا زینب کا کفو ہو اور اگر کفو نہیں یعنی نسب یا مذہب یا پیشے یا چال چلن یا مال غرض کسی بات میں ایسا کم ہے کہ اس سے اس کا نکاح ہونا زید کے لئے باعثِ عار ہو جب تو حکم بلا دقت ظاہر کہ مذہب معتمد پر یہاں سرے سے غَیبت منقطعہ کی پہلی ہی شرط متحقق نہ ہُوئی تو ایسا نکاح قطعاً اجازتِ پدر پر موقوف ہے اگرچہ باپ ہزار کوس پر ہو وُہ بھی جبکہ زید اس سے پہلے اپنی ولایت سے کوئی نکاح غیر کفو سے نہ کر چکا ہو ورنہ یہ نکاح زینب اُس کی اجازت پر بھی موقوف نہ رہا، سرے سے خود ہی باطل محض ہُوا لصدورہ من فضولی ولا مجیز (فضولی سے صادر ہونے اور اس کو جائز کرنے والا نہ ہونے کی بناپر۔ت)

---

[1] بحرالرائق باب الاولیاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۲۶

[2] درمختار شرح تنویرالابصار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

ظاہر حال صورت سوال تو یہ ہے اور اگر فرض کیجئے کہ جدّہ زینب کی یہ جلدی اور جس سے نکاح ہوا اس کی بے انتظاری اُس بنا پر نہ تھی بلکہ واقعی یہی امر تھا کہ صرف یہی کفو خواستگار ہے بھتیجا وغیرہ یا تو خواستگار ہی نہیں یا ہیں تو کفو نہیں، اور یہ کفو اپنی کسی ضرورت کے باعث اس درجہ مستعجل ہے، زید نے کہ خط لکھا اس وقت کوئی کفو خواستگار نہ تھا، اب اگر اُسے اطلاع ہو کہ یہ موقع ہاتھ آیا اور ایسا خواستگار پایا عجب نہیں کہ وُہ بھی رضامند ہو مگر بے مہلتی کے باعث خط یا آدمی بھیج کر دریافت کرنے کا وقت کہاں انتظار میں کفو فوت ہوگا زینب کو ضرر پہنچے گا فی الواقع اگر حالت یہی تھی تو بیشک زید کی غیبت پر غیبت منقطعہ کی تعریف مذکور صادق نظر آئے گی اور کہا جائے گا کہ اب جو ولی حاضر درجات ولایت میں اُس کے بعد ہے اُس نے ولایت پائی، اب اول تو یہ دیکھنا چاہئے کہ اس نکاح میں زینب کے مہر مثل میں کمی فاحش تو نہ ہوئی مثلاً اُس کا مہر مثل پچاس ہزار تھا پچیس ہزار بندھے، اگر ایسا ہے تو یہ نکاح مطلقاً باطل محض ہُوا کہ اب باپ بھی جائز کرے تو جائز نہ ہوگا، مگر یہ کہ باپ کی غیبت منقطعہ میں زینب کا جدِ صحیح ولی حاضر ہو جو اس سے پہلے کوئی نکاح اپنے کسی زیر ولایت کا ایسی بے شفقتی کا نہ کر چکا ہو، اور یہ نکاح دادی نے اُس کی اجازت سے کیا یا بعد وقوع اس نے جائز رکھا اور نافذ کر دیا، اور اس اجازت سابقہ یا لاحقہ کے وقت نشے میں نہ تھا البتہ جائز بلکہ لازم ہوگا کہ پھر کسی طرح رَد نہیں ہو سکتا، مگر تقریر سوال سے زینب کا دادا موجود ہونا مفہوم نہیں۔ درمختار میں ہے:

لزم النکاح ولو بغبن فاحش بنقص مھرھا اوبغیر کفؤان الولی المزوج ابا وجدا لم یعرف منھما سوء الاختیار وان عرف لایصح النکاح اتفاقا وکذا لوکان سکران[1] اھ وفی الخیریۃ ومثل الوکالۃ السابقۃ الاجازۃ اللاحقۃ۔[2]

اگر باپ یا دادا نکاح دینے والا ہو جس کے بارے سوءِ اختیار معروف نہ ہو تو اس کا غیر کفو اور انتہائی کم مہر سے کیا ہوا نکاح بھی لازم ہوگا، اور اگر وہ سوءِ اختیار سے معروف ہوں تو بالاتفاق یہ نکاح صحیح نہ ہوگا، یُوں ہی اگر وُہ نشہ میں ہوں تو بھی صحیح نہ ہوگا اھ اور خیریہ میں ہے، پہلی وکالت کی طرح ہی بعد والی اجازت کا حکم ہے۔ (ت)

اور اگر یہ نکاح اس عیب سے بھی خالی ہے یعنی مہر مثل میں کمی فاحش نہ ہُوئی تو اب یہ دیکھنا ضروری ہے کہ باپ اور جدّہ کے درمیان جس قدر اولیاء ہیں جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ان میں سے کوئی موجود تھا یا نہیں، اگر تھا تو دادی نے

---

[1] درمختار | باب الولی | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۲

[2] فتاوٰی خیریۃ | باب الاولیاء والاکفاء | دارالمعرفۃ بیروت | ۱/۲۵

اُس سے اجازت لے لی تھی یا نہیں، اگر نہ لی تھی تو بعد وقوعِ نکاح قبل واپسی پدر اُس نے اجازت دے دی تو بیشک یہ نکاح صحیح و تام و نافذ ہوگا کہ باپ اُسے رَد نہیں کرسکتا۔

فی فتح القدیر لوحضر الاقرب بعد عقد الابعد لایرد عقدہ وان عادت ولایتہ بعودہ[1]۔

فتح القدیر میں ہے کہ اگر ابعد کے نکاح کردینے کے بعد اقرب آجائے تو ابعد کے نکاح کو رَد نہ کرسکے گا اگرچہ اقرب کے واپس آنے پر اس کو ولایت لوٹ آئی ہے (ت)

مگر یہ ولی جس نے اول یا بعد اجازت دی اگر زینب کا دادا نہیں جیسا کہ صورتِ سوال سے یہی ظاہر ہے تو یہ نکاح اُس کی اجازت سے نافذ سہی لازم اب بھی نہ ہُوا زینب کو بعد بلوغ اختیار ملے گا کہ اگر پہلے سے نکاح کی خبر ہے تو بالغہ ہوتے ہی فوراً فوراً اور نہ بلوغ کے بعد جس وقت خبر ملے اُسی وقت معاً اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کردے کہ اس صورت میں حاکم اس نکاح کو فسخ کردے گا اگرچہ پیش از بلوغ زینب ہمبستری بھی واقع ہولی ہو مگر از انجا کہ زینب دوشیزہ ہے دیر لگانے کا اختیار نہ ہوگا اگر پہلے سے خبر ہے تو بالغہ ہونے پر ورنہ خبر پانے پر بلا عذر و ضرورت ایک لمحہ کی دیر کرے گی تو اختیار ساقط اور نکاح لازم ہوجائے گا اگرچہ وہ اس مسئلہ سے ناواقف ہو اور انجانی کے سبب فوراً امبادرت نہ کی ہو، درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیر الاب وابیہ ولو الام مع کفؤ و بمھر المثل صح ولکن لصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ بشرط القضاء للفسخ و بطل خیار البکر بالسکوت لو مختارۃ عالمۃ باصل النکاح ولا یمتد الٰی اٰخر المجلس و ان جھلت بہ[2] اھ ملتقطاً۔

اگر باپ دادا کے غیر نے نکاح دیا خواہ ماں ہو بشرطیکہ کفؤ میں اور مہر مثل سے کیا ہو تو وہ نکاح صحیح ہے لیکن لڑکی اور لڑکے کو بالغ ہونے کے بعد فسخ کا اختیار ہوگا فسخ کا اختیار لڑکی کو دخول کے باوجود بلوغ پر یا بلوغ کے بعد نکاح کے علم پر بھی ہوگا اور فسخ کے لئے قضا شرط ہے، اور باکرہ کا اس موقعہ پر خاموش رہنا اس کے اختیار کو باطل کردے گا بشرطیکہ وُہ اپنے نکاح کا علم رکھتی ہو اور عاقلہ ہو، اس کا یہ اختیار مجلسِ علم کے آخر تک باقی نہ رہے گا اگرچہ وہ اس مسئلہ سے جاہل ہو، اھ ملتقطاً (ت)

اور اگر دادی سے بالاتر جو ولی موجود تھا باپ کے آنے سے پہلے اس نے رَد کردیا تو باطل ہوگیا باپ کو فسخ

---

[1] فتح القدیر | باب الاولیاء والاکفاء | المکتبۃ النوریۃ الرضویہ سکھر | ۳/ ۱۸۴
[2] درمختار | باب الولی | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۹۲-۹۳

کی کیا حاجت ، اور اگر ہنوز نہ اُس ولی نے اجازت دی نہ رد کیا تھا کہ زید آگیا تو اب وہ توقف اس ولی سے منتقل ہو کر خود زید کی اجازت پر رہے گا اگر رد کر دے گا اسی وقت باطل ہو جائے گا۔

فی الدر المختار وتبیین الحقائق للامام الزیلعی واللفظ لہ وعنہ فی الھندیۃ تبطل ولایۃ الابعد بمجیئ الاقرب لاما عقد لانہ حصل بولایۃ تامۃ۔

درمختار اور تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے زیلعی کی عبارت میں، اور ہندیہ میں زیلعی سے منقول کہ اقرب کے واپس آنے پر ابعد کی ولایت باطل ہو جائے گی اور ابعد کا کیا ہُوا نکاح باطل نہ ہوگا کیونکہ یہ اس کی کامل ولایت میں حاصل ہے۔ (ت)

تنبیہ نفیس: اقول وباللہ التوفیق ، یہ تمام کلام فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے کلماتِ علمائے کرام کے اُس ظاہری مفاد پر مبتنی کیا کہ بادی النظر میں اذہانِ عامہ اس طرف جائیں اور اگر حقِ تحقیق وعین تدقیق چاہیے تو نگاہ مقصود شناس جزم وقطع کے ساتھ اُسی ابتدائی بات پر حکم کرے گی جسے ہم نے اولاً ظاہر صُورت سوال بنا کر دوبارہ فرضاً اس سے تنزل کیا تھا یعنی اس غَیبت کا غیبت منقطعہ نہ ہونا اور ولایتِ پدر کا بدستور باقی رہنا اور اگر یہ نکاح منعقد واقع ہُوا تو مطلقاً بلا استثناء ہر حال وہر صورت میں اجازت ولی اقرب پر توقف پانا اور اس کے رَد کئے سے فوراً رَد ہو جانا ، جب مذہب معتمد میں بنائے کار اس پر ٹھہری کہ ولی اقرب کے ایاب وجواب کے انتظار میں کفو فوت ہوتا اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہو کیا معلوم پھر کفو ملے یا نہیں تو یہ بات ہمارے اعصار وامصار میں کنواری لڑکیوں کے حق میں جبکہ ولی اقرب کا پتا معلوم اور وہاں تک ڈاک کی آمد ورفت بے وقت مرسوم ہو متصور نہیں، ادھر تو ازمنہ سابقہ میں نہ راہیں ایسی آسان تھیں نہ ڈاک کے ایسے انتظام ، مدتوں میں منزلیں طے ہوتیں، خط جاتا تو آدمی لے جاتا ، پھر تنہا کی گزر دشوار ، نہ ہر وقت قافلے میسر نہ ہر شخص قاصد بھیجنے پر قادر ، اُدھر اُن بلادِ طیبہ میں نکاح کی یہ رسم کہ آج خطبہ ہُوا کل نکاح ہو گیا ، دو ایک روز کی دیرلگی تو دوسری جگہ موجود۔ یہاں یہ رواج کہ مہینوں میں منگنی ، مدتوں میں بیاہ ، بات ٹھہرتے ٹھہرتے سال پلٹ جائیں ، اگر خوش قسمتی سے دو چار مہینے کی آمد ورفت پیام سلام میں کسی کا نکاح ہوگیا تو لوگ تعجب کرتے ہیں کہ بن جھٹ منگنی پٹ بیاہ۔ پھر خطوط کی آمد ورفت وُہ کہ تیسرے دن کلکتہ خط پہنچے چوتھے دن بمبئی ، وُہ کون ساجلد باز ہوگا کہ آج پیام دے اور آج ہی نکاح چاہے ایک ہفتہ کا انتظار ہو تو نکاح ہی نہ کرے یا صبح وشام دوسری جگہ نکاح ہو جائے ، ہندوستان کی لڑکیاں سہل نہیں ملتیں ایک ایک بڑھیا کے مُنہ سے سُن لیجئے کہ میاں لڑکیاں آندھی کی بیر تو نہیں ، نہ جوتیاں

ل فتاوٰی ہندیہ | الباب الرابع فی الاولیاء | نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/۲۸۵
تبیین الحقائق | باب الاولیاء والاکفاء | مطبعہ امیریہ کبرٰی مصر | ۲/۱۲۷

ٹوٹیں، نہ چادریں پھٹیں، کیا کوئی پھٹ سے ہاں کہہ دیتا ہے، تو مقاصد علماء پر نظر شاہد عدل کہ یہاں غیبت منقطعہ وہی لی جاسکتی ہے کہ یا تو ولی اقرب کا پتا نہ معلوم ہو آخر بے نشان کا کب تک کوئی انتظار کرے یا کسی ایسے دُور دراز ملک غیر میں جہاں ڈاک پر اطمینان نہ ہو خطوط جائیں اور پتا نہ چلے آدمی بھیجو تو صرفِ کثیر، دو ایسی صورتوں میں کفو کا یہ عذر ہوسکتا ہے کہ کب تک بیٹھیں، اور ممکن کہ زبان نہ دو تو انتظار میں وہ مدتیں گزریں کہ دُوسری جگہ اس کی ٹھیک ٹھاک ہوجائے ورنہ ہندوستان بلکہ آج کل برہما میں بھی جو موجود اور پتا معلوم ہے اُس کی نسبت عادۃً کوئی کفو یہ تقاضا نہ کرے گا کہ ہم آٹھ دس روز کا انتظار ہرگز نہ کریں گے کرنا ہے تو آج کردو، اور بالفرض کوئی زبان دینے میں جلدی بھی کرے تو یہاں کفو کی روک تھام کے لئے منگنی وہ عمدہ صیغہ ہے جس سے اُس کا اطمینان ہوجائے اور رائے ولی اقرب فوت نہ ہونے پائے، منگنی کے بعد مدتوں دونوں طرف ساز وسامان کی درستی میں گزرتے ہیں بلکہ یہاں کے رواج سے اپنی منگیتر کو بھی من وجہ گویا اپنی ناموس جانتے اور دُوسری جگہ اس کے نکاح سے بُرا مانتے اور اُس کے انتظار میں سال گزارتے ہیں منگنی کے بعد خدا جانے کتنی بار ولی اقرب کی رائے لے سکتے ہیں اُس کے جواب ملنے تک انتظار نہ ہونا کیا معنی، یہ عذرِ مصنوع وہیں پیش ہوگا جہاں اپنی اغراضِ فاسدہ سے ولی اقرب کے خلاف رائے بالا بالا کارروائی کرنی ہوگی جو شرع مطہر کے بالکل نقیض مراد ہے اور اس کی توسیعوں میں انھیں آفات کا دروازہ کھلنا جو ابھی ہم ذکر کر آئے، شاید شاذ و نادر برخلاف عادتِ ملک اگر کہیں ایسی جلدی پائی جائے تو امورِ نادرہ مبنائے احکامِ فقہیہ نہیں ہوسکتے بلکہ عادت شائعہ پر حکم دینا واجب،

كما نصوا عليه في غيرما مسألة منها مسألة دخول النساء الحمام في الدر المختار وغيره ومنها مسألة جوار الحرمين في فتح القدير ومنها مسألتنا هذه بناء على ما كان معتادا عندهم على خلاف ما هو العادة عندنا فيه ايضا الى غير ذلك مما لا يخفى على من خدم كلماتهم الطيبة.

جیسا کہ انھوں نے بہت سے مسائل میں تصریح کی ہے ان میں سے ایک مسئلہ حمام میں عورتوں کے داخلہ کا ہے جس کو درمختار وغیرہ میں بیان کیا ہے۔ انہی مسائل میں سے فتح القدیر میں حرمین شریفین میں رہائش کا مسئلہ ہے، ان مسائل میں سے ایک یہ ہمارا مسئلہ جو ان کی عادت کے مطابق تھا اور ہماری عادت کے خلاف ہے، اس کے علاوہ اور بھی ہیں جو کہ فقہائے کے کلماتِ طیبہ پر اطلاع رکھنے والا جانتا ہے۔ (ت)

بلکہ انصافاً وہ علماء بھی جنھوں نے مسافتِ قصر اختیار فرمائی، اگر ریل اور ڈاک اور یہاں کے عادات ملاحظہ فرماتے ہرگز حکم نہ دیتے، بریلی کا ساکن مراد آباد تک گیا اور اس کی ولایت اپنی اولاد پر سے سلب ہوئی جس کے دن میں دو پھیرے ہوسکتے ہیں بالجملہ جب مدار کار انتظار کے سبب فوتِ کفو پر ٹھہرا تو اس مناط کا تحقق ضروری،

جب تک یہ حالت نہ ہو غیبت منقطعہ ہرگز نہیں، اس پر نظرِ کامل رکھنا اور اصحابِ اغراض کے فریبوں سے بچنا لازم، ومن لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل (جو اپنے زمانہ کے عرف سے ناواقف ہو وُہ جاہل ہے۔ت) ہاں کوئی بیوہ سن رسیدہ باختیارِ خود کسی سے شرعی نکاح خالی از رسوم کرلینا چاہے تو وہاں جلدی متصور، وہ اوّل تو ہندیوں کی عادت نہیں اور ہو بھی تو ہماری بحث سے خارج کہ یہاں کلام قاصرہ میں ہے اور قواصر کے باب میں ضرور وہی عادت، لہذا فقیر اُن صُوَرِ مذکورہ بالا کے سوا یہاں غیبت منقطعہ کے حکم پر زنہار جسارت روا نہیں رکھتا، یہ بعونہٖ تعالٰی فقہِ انیق وحق تحقیق ہے،

وباللہ التوفیق وھدایۃ الطریق والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد والہٖ وصحبہٖ اجمعین اٰمین۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی کی مدد سے توفیق اور راستہ کی راہنمائی ہے الحمدللہ رب العالمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین آمین، واللہ سبحانہٗ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴۳: کلکتہ دھرم تلا اسٹریٹ مسجد ٹیپو سلطان مرسلہ حافظ محمد عظیم صاحب ۲۴ شعبان المعظم ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے ایک لڑکی بعمر سہ سالہ تھی زید نے اس کی منگنی عمرو سے کردی، بعدہٗ زید کا انتقال ہوگیا جب لڑکی تیرہ برس کی ہوئی کوئی علامت بلوغ کی اُس سے ظاہر نہیں، زید کے پدرِ خاص نے لڑکی کی عدم موجودگی میں اُس کا نکاح عمرو سے کردیا، چار مہینے کے بعد زید متوفی کے چچا نے لڑکی کی موجودگی میں اُس کا نکاح عقد بکر سے کردیا بخیال اُس کو بالغہ ٹھہرانے کے، مگر کوئی نشانی بلوغ کی آج تک لڑکی سے ظاہر نہیں، اس صورت میں شرعاً کون سا نکاح معتبر ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یتیمہ نابالغہ کا سب سے زیادہ ولی اقرب واقدم اُس کا حقیقی دادا یعنی اُس کے باپ کا باپ ہے، اُس کے ہوتے باپ کے چچا خواہ کسی شخص کو کچھ اختیار نہیں ہے، اُس کے دادا کا کیا ہُوا نکاح کسی کے رَد کئے رَد نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اگر وُہ خود بالغہ ہوکر اُس نکاح کو رَد کرے ہرگز رَد نہ ہوگا، نہ ولی کے نکاح کرتے وقت نابالغہ کا موجود ہونا درکار ہے کہ نابالغ پر ولایت جدجبری ہے اور اُس کا حاضر ہونا نہ ہونا سب یکساں، تو اگر مان بھی لیا جائے کہ وُہ نابالغہ اس چار مہینے میں بالغہ ہوگئی اور باپ کے چچا نے اُس کی موجودگی میں اس کی رضا سے اُس کے بالغہ ہونے پر اُس کا نکاح بکر سے کردیا جب بھی یہ نکاح محض باطل و نامعتبر ہے، وُہ لڑکی عمرو کی زوجہ ہے جب تک موت یا طلاق نہ ہو، دوسرے سے اُس کا نکاح نہیں ہوسکتا، قال اللہ تعالٰی والمحصنٰت من النساء (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور آزاد پاکیزہ عورتیں۔ت) ردالمحتار میں ہے:

لزم النکاح بلا توقف علی اجازۃ احد و بلا ثبوت خیار فی تزویج الاب والجد[۱] الخ

باپ یا دادا کے دئے نکاح کسی کی اجازت پر موقوف ہوئے بغیر اور ثبوتِ خیارِ بلوغ بغیر فورًا نافذ اور لازم ہوجاتے ہیں۔ (ت)

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۳۴۴: از اوجین حویلی میر صاحب مرسلہ مرزا مختار علی بیگ صاحب وکیل ۱۹ شوال ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی اللہ بیلی حجام نے اپنی دختر زیتون کا نکاح ۱۳۰۶ھ میں مسمی احمد قوم حجام سے کہ اللہ بیلی کا ہم قوم و رشتہ دار ہے کیا، وقتِ نکاح زیتون چار پانچ سال کی تھی، اب ۱۳۱۵ھ میں جبکہ زیتون قریب ۱۳ یا ۱۴ سال کے ہُوئی، احمد نے رخصت چاہی، اللہ بیلی نے انکار کیا، احمد نے فوجداری میں نالش کی، اللہ بیلی نے عذر کیا کہ داماد میرا نامرد ہے ہجڑوں میں گاتا بجاتا ہے اگر ڈاکٹر اس کا مرد ہونا تحریر کردیں تو رخصت میں عذر نہیں، ڈاکٹر نے بعد معائنہ ظاہر کیا کہ احمد کے اعضائے تناسل کو حالتِ تندرستی میں پایا ہنوز فوجداری سے حکم اخیر نہ ہُوا تھا کہ اللہ بیلی نے دیوانی میں دعوٰی فسخ نکاح ان وجوہ پر کیا کہ وُہ نامرد ہے ہجڑوں کے افعال قبول کرکے حالت شرمناک اختیار کرلی ہے میری برابری کا نہ رہا زیتون کا نکاح نابالغی میں ہوا ہے فسخ قرار دیا جائے، احمد کو ان الزاموں سے قطعی انکار ہے، جانبین سے شہادتیں اپنے اپنے موافق گزریں، اگر بالفرض الزاماتِ نامردی وغیرہ تسلیم بھی کرلئے جائیں تو ایسی صورت میں حسبِ استغاثہ پدرِ زیتون یا زیتون کا نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں یا خود بخود بوجوہات مظہرہ پدرِ زیتون نکاح فسخ ہے اور دعوٰی منجانب پدرِ زیتون بوجہ اس کے کہ عمرِ زیتون ۱۳، ۱۴ سال کی ہے جائز ہے یا نہیں یا ایک سال قمری کی مہلت تاریخ یکجا ہونے زن و شو سے دی جائے گی اور زوجہ رخصت پر مجبور کی جائے گی یا نہیں اور ہمبستری احمد و زیتون کی کرائی جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں پدرِ زیتون کا دعوٰی اصلاً قابلِ سماعت نہیں، زنانوں کے افعال کرلینا اگرچہ مسقطِ کفاءت ہے مگر کفاءت وقتِ نکاح درکار ہے بعد نکاح شوہر کیسے ہی شرمناک افعال اختیار کرے نکاح فسخ نہیں ہوسکتا۔ درمختار میں ہے:

الکفاءۃ اعتبارھا عند ابتداء العقد

نکاح کے ابتداء میں کفو کا اعتبار ہوتا ہے، اس کے

---

[۱] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۴

فلا یضر زوالها بعدہ فلو کان وقتہ کفؤا ثم فجر لم یفسخ[1]

بعد کفو کے زائل ہونے سے کوئی ضرر نہیں، اگر نکاح کے وقت کفو تھا پھر فاسق وفاجر ہوگیا تو نکاح فسخ نہ ہوگا۔ (ت)

رہا دعوٰی نامردی وہ بھی منجانب پدر زیتون اصلاً مسموع نہیں کہ اگر زیتون ہنوز نابالغہ ہے جب تو یہ دعوٰی دائر ہی نہیں ہوسکتا کہ اس دعوے کے لئے عورت کا بالغہ ہونا شرط ہے، اور اگر بالغہ ہے تو خود زیتون کا مدعیہ ہونا درکار، باپ کو دعوٰی کا کوئی حق نہیں۔ درمختار میں ہے:

فرق الحاکم بطلبها لو حرۃ بالغۃ[2]

اگر حرہ بالغہ ہو تو اس کے مطالبہ پر حاکم تفریق کردے گا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فلو صغیرۃ انتظر بلوغها فی المجبوب والعنین لاحتمال ان ترضی بهما بحر وغیرہ[3]

اگر نابالغہ ہو تو اس کے بلوغ تک نامرد اور شرمگاہ کٹے ہوئے خاوند کے معاملہ میں انتظار کیا جائیگا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ بالغہ ہونے کے بعد اس پر راضی ہوجائے، بحر وغیرہ (ت)

نیز درمختار و ردالمحتار میں ہے:

طلبها یتعلق بالجمیع ای جمیع الافعال وهی فرق واجل وبانت عن النهر[4]

عورت کے مطالبہ کا تعلق تمام افعال یعنی تفریق اور مہلت سے ہے، اس پر وہ بائنہ ہوجائے گی، نہر سے منقول ہے۔ (ت)

اور اگر فرض کیا جائے کہ زیتون نے خود ہی بعد بلوغ دعوٰی کیا پدر زیتون محض وکیل ہے جب بھی ہنوز کہ رخصت تک نہ ہوئی زن و شو میں ہمبستری واقع نہ ہوئی طلبِ فسخ کا کوئی محل نہیں، حکمِ شرعی یہ ہے کہ عورت شوہر سے ہمبستر ہو، اگر شوہر اس پر قدرت نہ پائے تو اُس وقت دعوٰی کرے جب حاکم کو ثابت ہو کہ فی الواقع اس نے قدرت نہ پائی تو اُس کے بعد حاکمِ شرع شوہر کو ایک سال کامل کی مہلت دے اور اس مدت میں عورت کو اس سے جُدا

۱؎ درمختار	باب الکفاءۃ	مطبع مجتبائی دہلی	۱/ ۱۹۵
۲؎ "	باب العنین وغیرہ	" " "	۱/ ۲۵۴
۳؎ ردالمحتار	" " "	داراحیاء التراث العربی بیروت	۲/ ۵۹۳
۴؎ "	" "	" "	۲/ ۵۹۶

رہنے کا کوئی حق نہیں، جتنے دنوں خود اس سے جُدا رہے گی مدت میں مجرا نہ ہوں گے، سال گزرنے پر بھی اگر قدرت نہ پائے تو عورت پھر دعوٰی کرے اور حاکم پھر ثبوت قدرت نہ پانے کا لے اگر ثابت ہو جائے تو عورت کو اختیار دے کہ خواہ شوہر کے پاس رہنا پسند کرے یا اس کے نکاح سے جُدا ہونا، اگر عورت فوراً فوراً ابلا توقف جُدا پسند کرلے تو حاکم شوہر کو طلاق کا حکم دے وہ نہ دے تو آپ تفریق کردے، اور اگر عورت ذرا بھی اختیار جُدائی کے اظہار میں تاخیر کرے تو دعوی باطل اور اختیار زائل۔ درمختار میں ہے:

وجد تہ عنینا اجل سنۃ قمریۃ ورمضان وایام حیضہا منہا لامدۃ غیبتہا ومرضہ ومرضہا فان وطیٔ مرۃ فبہا والا بانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقہا بطلبہا وبطل حقہا لووجد منہا دلیل اعراض بان قامت من مجلسہا او اقامہا اعوان القاضی او قام القاضی قبل ان تختار شیأ لامکانہ مع القیام[1] اھ مختصرا۔

بیوی مرد کو نامرد پائے تو ایک سال بحساب قمری سے مہلت دی جائے گی، رمضان اور حیض کے دن بھی اس میں شمار ہوں گے، اور عورت کے غیر حاضر ہونے اور مرد یا بیوی کے مرض کے دن گنتی میں شامل نہ ہوں گے، اس مدت میں خاوند نے ایک دفعہ بھی وطی کرلی تو بہتر، ورنہ سال کے بعد تفریق پر بیوی بائنہ ہوجائیگی، تفریق قاضی کرے گا، جب خاوند بیوی کے مطالبہ پر طلاق دینے سے انکار کردے اور بیوی کا مطالبہ تفریق باطل ہوجائے گا جب اس سے کوئی بھی ایسی دلیل پائی جائے جس سے مطالبہ سے اعراض سمجھا جائے جیسا کہ بیوی مطالبے کی مجلس سے اُٹھ کر چلی جائے، یا قاضی کا عملہ اس کو قائم رہنے پر مجبور کردے، یا قاضی کی موجودگی میں وہ فیصلہ کرسکتی تھی اس کے باوجود وہ فیصلہ نہ کرپائی تھی کہ قاضی اُٹھ گیا اھ مختصراً (ت)

پس صورتِ مستفسرہ میں پدر زیتون رخصت کردینے اور زیتون ہم بستری پر مجبور کی جائے گی، اس کے بعد اگر نامردی پائے تو طریقہ مذکورہ عمل میں لائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۴۵: ۲۹ شوال ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بالغ ہے اور اُس کا باپ دادا چچا بھائی وغیرہ نہیں، ایک ماموں ہے، اُس نے عورت سے اذن نکاح کا نہ لیا، باہر سے باہر دو گواہ کرکے نکاح کردیا، یہ نکاح ہُوا یا نہیں؟ دوسری ایک عورت بالغ ہے اس کی ماں موجود ہے نہ عورت نے اذن دیا نہ اُس کی ماں نے، بلکہ سوتیلے باپ نے نکاح کا اذن دیا، یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

الجواب

دونوں صورتوں میں جبکہ عورتیں بالغہ ہیں اور اُن سے بغیر اذن لئے نکاح کر دئے گئے تو وہ نکاح ان عورتوں کی اجازت پر موقوف رہے، اگر انھوں نے خبر سُن کر جائز رکھے جائز ہو گئے اور اگر رَد کر دئے رَد ہو گئے، اور اگر اب تک ساکت ہیں نہ رَد کئے نہ جائز رکھے تو اب اُنھیں اختیار ہے چاہے جائز کر دیں چاہے باطل۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۴۶: از کان پور مدرسہ احسن المدارس مرسلہ محمد عبدالحلیم صاحب ۱۳ رجب ۱۳۱۶ھ

چہ می فرمایند علمائے محققین وفضلائے مدققین اندریں مسئلہ کہ باوجود برادر حقیقی مخطوبہ عم حقیقی مخطوبہ استیذان نکاح از مخطوبہ کرد و مخطوبہ بالغہ باکرہ است صامت ماندہ آں صموت را اذن دانستہ عم حقیقی مخطوبہ وکالۃً نکاح او را منعقد کرد و با او خلوت صحیحہ ہم گردید دریں صورت نکاح باطل خواہد شد یا چہ؟ بینوا توجروا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے محققین اور فضلائے مدققین اس مسئلہ میں کہ حقیقی بھائی موجود ہونے کے باوجود حقیقی چچا نے لڑکی سے نکاح کی اجازت طلب کی جبکہ لڑکی باکرہ بالغہ ہے اور اجازت کے وقت خاموش رہی، اس خاموشی کو چچا نے اجازت سمجھ کر بطور وکالت اس کا نکاح کسی سے کر دیا خلوتِ صحیحہ بھی ہو چکی ہے تو یہ نکاح باطل ہو گا یا کیا صورت ہو گی؟ بینوا توجروا۔ (ت)

الجواب

سکوتِ بکر کہ بجائے اذن داشتہ اند دراں صورت ست کہ استیذان خود ولی اقرب یا وکیل یا رسول او کردہ باشد کما فی الدر وغیرہ انجا کہ استیذان ولی ابعد بحال قیام اقرب کردہ است اگرنہ بروجہ وکالت و رسالت از اقرب بود لبسکوت زن اصلاً کارے نکشود نکاح نکاح فضولی شدہ بر اجازت زن موقوف ماند اگر پیش ازیں خلوت یا اجازتے دیگر قولاً یا فعلاً یا سکوتاً چنانکہ در رفتاوائے خود وجوہ آنہا روشن کردہ ایم اذنے قولے یا فعلے مظہر رَد نکاح بمیان نیامدہ بود وایں خلوت برضائے او

باکرہ کی خاموشی وہاں اجازت قرار دی جاتی ہے جب اجازت طلب کرنے والا خود ولی اقرب ہو یا اس کا وکیل یا قاصد ہو، جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے، یہاں کی صورت میں ولی ابعد نے اجازت ولی اقرب کی موجودگی میں طلب کی ہے تو اگر اس نے ولی اقرب کی وکالت یا قاصد ہونے کی حیثیت سے اجازت نہ طلب کی ہو تو اس صورت میں باکرہ کی خاموشی رضا کے لئے کارآمد نہیں ہے، یہ نکاح نکاحِ فضولی ہوا جو کہ عورت کی اجازت پر موقوف تھا، اگر باکرہ نے خلوت سے قبل قولاً فعلاً یا خاموش رہ کر کسی قول یا

رُوئے نمود نکاح موقوف نفاذ یافت فی الدرالمختار ان استأذنھا غیر الاقرب کولی بعید فلاعبرۃ لسکوتھا بل لابد من القول اوماھو فی معناہ من فعل یدل علی الرضا کتمکینھا من الوطی[1] (ملخصا) وفی ردالمحتار عن الظھیریۃ لوخلابھا برضاھا ھل یکون اجازۃ لارو ایۃ لھذہ المسألۃ وعندی ان ھذا اجازۃ اھ قال فی البزازیۃ الظاھر انہ اجازۃ[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

فعل کے ذریعے نکاح کو رَد نہ کیا ہو (جیساکہ رَد کے وجوہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں واضح کیے ہیں) تو یہ خلوت جو باکرہ کی رضامندی سے ہوتی ہے اجازت قرار پائے گی اور موقوف نکاح نافذ ہوجائیگا۔ درمختار میں ہے کہ اگر لڑکی سے غیر اقرب مثلاً ولی ابعد نے اجازت طلب کی ہو تو لڑکی کے سکوت کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ لڑکی کی طرف سے صراحۃً قول یا اس کے قائم مقام کسی اپنے فعل جو رضا پر دلالت کرتا ہو، کا اظہار ضروری ہے مثلاً وُہ خاوند کو وطی کی اجازت دے دے،

اور ردالمحتار میں ہے جو بحر سے منقول انھوں نے ظہیریہ سے نقل کیا کہ اگر لڑکی کی رضامندی سے خلوت کی ہو تو کیا یہ رضا ہوگی، تو اس مسئلہ میں روایت نہیں ہے، جبکہ میرے نزدیک یہ اجازت ہے اھ، اور فرمایا کہ بزازیہ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ اجازت ہے اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴۷: از عظیم آباد پٹنہ لودی کٹرہ مرسلہ جناب مولٰنا مولوی قاضی عبدالوحید صاحب رحمہ اللہ تعالٰی سلخ ربیع الآخر ۱۳۱۷ھ

عمرو نامی ایک شخص نے بوقتِ انتقال اپنے، ایک لڑکی ہندہ نامی، ایک بی بی زبیدہ، ایک بھائی حقیقی خالد، ایک بھائی علاتی بکر چھوڑا۔ ہندہ ہمراہ اپنی مادر اور نانی کے پرورش پاتی رہی، اب وُہ بالغ ہے سِن اُس کا زائد چودہ[۱۴] سال سے ہے، ہندہ کی ولایت کا سارٹیفکیٹ گورنمنٹ سے ہندہ کی ماں کو ملا ہے، اس وقت تک ہندہ نے مادر و نانی کے مکان میں ابتدائے پیدائش سے رہ کر پرورش و تعلیم پائی ہے، خالد نے یعنی چچا حقیقی ہندہ کے براہ چالاکی وبخیال نفع معاش بلاعلم و رضامندیٔ ہندہ و چچا علاتی و مادر و نانی وغیرہ کے ایک شخص غیر کے مکان میں اپنے بیٹا سے بولایت اپنے ایک شخص کو وکیل مقرر کرکے ہندہ کا عقد کردیا ہے اور کوئی خبر ہندہ کو نہیں دی گئی، جس وقت ہندہ کو افواہاً خبر نکاح کی پہنچی اُسی وقت اُس نے نکاح کو نامنظور کیا اور بہت بیزار ہُوئی، علماء بدلائل کتاب جواب سے سرفراز فرمائیں، فقط

الجواب

شرعاً عورت کے بالغہ ہونے کے لئے پندرہ[۱۵] سال کامل کی عمر ضرور ہے یا اس سے پہلے حیض وغیرہ

---

[1] درمختار — باب الولی — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] ردالمحتار — باب الولی — داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۱

علامات کا ہونا بغیر اس کے صرف چودہ[۱۴] سال سے زیادہ عمر ہونا کافی نہیں۔ ہاں نو[۹] سال کے بعد سے پندرہ[۱۵] سال کے قبل تک جو عورت کے لئے امکان و احتمال بلوغ کی عمر ہے اگر عورت اپنا بالغہ ہونا ظاہر کرے تو بے حاجت شہادت بغیر قسم لئے اس کا قول مان لیا جائے گا جبکہ اُس کے جسم و قوٰی کی حالت اس دعوے کی تکذیب نہ کرتی ہو، اور وُہ بالغہ ہونے کی وجہ بھی بیان کرے، یعنی مثلاً کہے مجھے حیض آیا، خواب میں احتلام ہُوا اس سے میں نے اپنا بلوغ جانا۔ خالی دعوے بے بیان معنے بلوغ مقبول نہیں، اور اگر بدن و قوٰی کی حالت ظاہرہ قابلیت بلوغ نہ بتاتی ہو تو اُس کا دعوٰی اصلاً مسموع نہ ہوگا جب تک دلیل شرعی سے بلوغ ثابت نہ ہو، یہی احکام بارہ[۱۲] سال کے بعد سے پندرہ[۱۵] سال کے قبل تک پسر کے لئے ہیں۔

فی الدر المختار بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والجاریة بالاحتلام والحیض والحبل فان لم یوجد شیئ فحتی یتم لکل منھما خمس عشرة سنة بہ یفتی وادنی مدتہ لہ اثنتا عشرة سنة ولھا تسع سنین ھو المختار فان بلغا ھذا السن فقالا بلغنا صدقا ان لم یکذبھما الظاھر وھو ان یکون بحال یحتلم مثلہ والا لا یقبل قولہ شرح وھبانیة وفی الشرنبلالیة یقبل مع تفسیر کل بماذا بلغ بلا یمین[۱] اھ مختصرا وفی ردالمحتار عن جامع الفصولین عن فتاوی النسفی عن القاضی محمود السمرقندی

درمختار میں ہے کہ لڑکے کا بلوغ احتلام، حاملہ کر دینا اور انزال ہے، اور لڑکی کا بلوغ احتلام، حیض اور اس کا حاملہ ہونا ہے۔ اگر دونوں کے لئے مذکورہ علامات میں سے کوئی نہ پائی جائے تو بلوغ ہر ایک کی عمر کے پندرہ[۱۵] سال پورے ہونا ہے، اسی پر فتوٰی ہے، اور لڑکے کے بلوغ کے لئے کم از کم بارہ سال اور لڑکی کے لئے کم از کم نو سال کی عمر ہے، یہی مختار ہے۔ اگر یہ عمر پُوری ہو جائے تو ان کا کہنا کہ ہم بالغ ہیں، تسلیم کیا جائے گا بشرطیکہ کوئی ظاہر امر ان کی بات کو نہ جُھٹلائے، مثلاً یہ کہ ان جیسے عمر والوں کو احتلام ہو سکتا ہو، ورنہ ان کی بات قبول نہ کی جائے گی۔ شرح وہبانیہ و شرنبلالیہ میں ہے کہ ان کی بات بلوغ کی علامت کی وضاحت کرنے پر تسلیم کی جائے گی اور قسم نہ لی جائے گی اھ مختصراً، اور ردالمحتار میں جامع الفصولین کے حوالے سے فتاوٰی نسفی سے منقول قاضی محمود سمرقندی کے بارے

---

[۱] درمختار کتاب الحجر فصل فی البلوغ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۹

ان مراھقا اقر فی مجلسه ببلوغه فقال بما ذا بلغت قال باحتلام قال فما ذا رأیت بعد ما انتبهت قال الماء قال ای ماء فان الماء مختلف قال المنی قال ما المنی قال ماء الرجل الذی یکون منه الولد قال علی ما ذا احتلمت علی ابن او بنت او اتان قال علی ابن فقال القاضی لابد من الاستقصاء فقد یلقن الاقرار بالبلوغ کذبا قال شیخ الاسلام هذا من باب الاحتلام و انما یقبل قوله مع التفسیر وکذا جاریة اقرت بحیض اھ[1]۔

میں حکایت کی ایک قریب البلوغ نے ان کی مجلس میں اپنے بالغ ہونے کا اقرار کیا تو قاضی نے پُوچھا تو کیونکر بالغ ہُوا، اس نے جواب میں احتلام کا ذکر کیا تو اس پر قاضی نے پُوچھا کہ تُو نے نیند سے بیدار ہو کر کیا دیکھا تو جواب میں کہا کہ تری دیکھی، تو پھر سوال کیا کہ رطوبت تو کئی قسم کی ہوتی ہے تُو نے کون سی دیکھی ہے، تو اس نے کہا منی دیکھی ہے۔ پھر سوال کیا کہ منی کیا ہوتی ہے، تو جواب میں کہا کہ مرد کا وہ پانی جس سے بچّہ پیدا ہوتا ہے۔ تو سوال کیا کہ تجھے احتلام میں کیا شکل نظر آئی جس پر تجھے احتلام ہوا، لڑکی، لڑکا، گدھی وغیرہ کیا تھا، جواب میں کہا کہ لڑکا تھا، تو قاضی محمود سمرقندی نے کہا کہ یُوں پُورے سوالات کرنے ضروری ہیں کیونکہ کبھی کسی کے سکھانے پر جھوٹا اقرار کردیتے ہیں۔ شیخ الاسلام نے کہا یہ احتلام کے بارے میں تفسیر ہے۔ اگر لڑکی حیض کے ذریعہ بلوغ کا اقرار کرے تو پھر بھی ایسے ہی اس سے تفسیر کرائی جائے اھ (ت)

پس صورتِ مستفسرہ میں اگر وقتِ نکاح ہندہ کا بلوغ ثابت ہو خواہ شہادت شرعیہ خواہ ہندہ کے بیان مفصل سے جسے ظاہر حال ہندہ تکذیب نہ کرتا ہو، نہ صرف اتنی بات سے کہ اس کی عمر چودہ سال سے زائد ہے، تو بیشک اس پر چچا خواہ ماں کسی کی ولایت جبریہ نہ تھی اُس کا نکاح بے اُس کی اجازت کے نافذ نہیں ہوسکتا، جب اس نے خبر پا کر نامنظور کیا رد و باطل ہوگیا،

فی الدر المختار الولایة نوعان ولایة ندب علی المکلفة ولو بکرا و ولایة اجبار علی الصغیرة ولو ثیبا[2] وفیه بلغها فردت ثم قالت رضیت لم یجز لبطلانه بالرد[3]۔

درمختار میں ہے کہ ولایت کی دو قسمیں ہیں، ایک محض فضیلت کے طور پر جو کہ بالغہ پر ہوتی ہے اگرچہ باکرہ ہو، اور دوسری ولایت اجبار جو کہ نابالغہ پر ولی کو حاصل ہوتی ہے اگرچہ نابالغہ ثیبہ ہو، اسی میں ہے کہ اگر بالغہ کو نکاح کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے نکاح کو رُد کردیا بعد میں اس نے کہا کہ میں راضی ہُوں تو

---

[1] ردالمحتار کتاب الحجر فصل فی البلوغ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۷

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

[3] ؍ ؍ ؍ ۱/ ۱۹۲

نکاح جائز نہ ہوگا کیونکہ پہلے رد کرچکی جس کی وجہ سے نکاح باطل ہوچکا ہے۔ (ت)

اور اگر اُس وقت ہندہ بالغہ نہ تھی اگرچہ بعد نکاح معاً بلوغ ہوگیا ہو تو بلاشبہہ اس کا ولی شرعی وہی عم حقیقی تھا اُس کے ہوتے ماں یا علاتی چچا کوئی چیز نہیں، نہ سارٹیفکیٹ شرعاً کچھ اثر رکھتا ہے۔

فی الدر المختار الولی فی النکاح العصبة علی ترتیب الارث والحجب فان لم یکن عصبة فالولایة للام[1]۔

درمختار میں ہے کہ نکاح کا ولی عصبہ وراثت اور حجب کی ترتیب پر بنتے ہیں، اگر عصبہ نہ ہو تو پھر ماں ولی ہے۔ (ت)

اس حالت میں یہ چچا کا بیٹا جس کے ساتھ چچا نے اس نابالغہ کا نکاح کردیا، اگر مذہب یا اطوار یا پیشے وغیرہ کی رُو سے ایسا نقص رکھتا ہو جس کے سبب اُس کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہونا عرفاً موجبِ عار ہو یا چچا نے ہندہ کے مہرمثل میں کمی فاحش کی مثلاً مہرمثل ہزار روپے کا تھا پانسو باندھا تو ان صورتوں میں وہ نکاح سرے سے مردود و باطل محض ہوا اور ان نقائص سے پاک تھا تو بیشک نکاح صحیح و نافذ ہوگیا جسے نہ ماں یا علاتی چچا کی ناراضی سے ضرر نہ قبل بلوغ ہندہ کی نامنظوری و بیزاری کا اثر۔ ہاں بعد بلوغ اُسے اختیار ملے گا کہ نکاح سے ناراضی ظاہر کرکے حاکم شرع سے بحضور شوہر نکاح فسخ کرالے۔

فی الدر المختار ان کان الزوج غیر الاب وابیه لایصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا وان کان من کفو وبمهر المثل صح ولصغیر وصغیرة خیار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ بشرط القضاء للفسخ[2] اھ مختصرا وفی رد المحتار فیه ایماء الی ان الزوج لو کان غائبا لم یفرق بینهما مالم یحضر للزوم القضاء علی الغائب نهر[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے کہ اگر باپ دادا نہ ہو تو غیر کفو اور انتہائی کم مہر کی صورت میں غیر کا دیا ہوا نکاح بالکل صحیح نہ ہوگا اور اگر کفو میں اور مہرمثل سے ہو تو پھر نکاح صحیح ہوگا اور لڑکے لڑکی نابالغ کو بلوغ پر یا بلوغ کے بعد جب نکاح کا علم ہو فسخ کا اختیار ہوگا بشرطیکہ فسخ قاضی کی نگرانی میں ہو، اھ مختصراً۔ ردالمحتار میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اگر خاوند غائب ہو تو قاضی فسخ کی کارروائی نہ کرے کیونکہ اس سے قضا علی الغیب لازم آتی ہے، نہر۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار | باب الولی | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۹۳

[2] " | " | " | ۱/ ۹۳-۱۹۲

[3] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/ ۳۰۷

مسئلہ ۳۴۸ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

زید کا نکاح عمرو کی لڑکی کے ساتھ قرار پایا تھا اور شرائط یہ تھیں کہ شرعی یعنی نکاح و مہر باندھا جائے ہنگام نکاح پڑھانے کے کچھ حجت زیادتی مہر پر زید و عمرو کے مابین ہوئی جس پر زید مجلس سے اُٹھ کر مکان کو چلا گیا، عمرو نے بحالت غصہ و رنج کے اسی وقت ایک مؤذن سے کہا کہ تم میری لڑکی کا نکاح بکر کے ساتھ کردو، چنانچہ بکر اُس وقت مجلس میں موجود تھا، مؤذن صاحب نے جو کہ قاضی یا مولوی نہیں ہیں صرف تین کلمے پڑھائے اور ایجاب و قبول کرادیا، کوئی وکیل و گواہ نہیں تھا اور نہ مہر کی تعداد بکر کو بتائی، صرف یہ کہہ دیا کہ مثل لڑکی کی ماں کے مہر باندھا جائے، عمرو کی لڑکی بالغ ہے جس کی عمر پندرہ سال ہے، لڑکی کی ماں نے اور نہ خود لڑکی نے اجازت نکاح کی دی تھی صرف لڑکی کے والد نے اجازت نکاح کی بحالت رنج و غصہ کے دی تھی، تو ایسی صورت میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سائل مظہر کہ اُس جلسہ میں بہت آدمی تھے تو وہی سُننے والے گواہ کافی تھے نکاح ہوگیا مگر عورت جبکہ بالغہ ہے تو اگر باپ نے اُس سے اجازت خاص بکر کے ساتھ نکاح کردینے کی یا مطلق نکاح کی نہ لی تھی تو نکاح عورت کی اجازت پر موقوف رہا اگر وہ جائز کردے گی جائز ہوجائے گا اور رد کردے گی رد ہوجائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴۹ از کانپور نئی سڑک متصل گرجا گھر متصل مکان احسان اللہ وکیل ڈاکٹر اللہ یار خاں مرسلہ خداداد خاں صاحب ۱۱ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ

جناب مولانا صاحب زیدت معالیکم فی الدارین، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مجھے تعجب ہے کہ آج کل ندوہ کی ایسی خراب حالت کیوں ہوگئی، میں نے وہاں کے مفتی صاحب کے نام سے ٹکٹ رکھ کر ایک استفتا بھیجا مگر مطلقاً جواب نہیں دیا، اُن سے اگر اُس کا جواب نہیں ہوسکتا تھا تو واپس کردینا چاہئے تھا نہ کہ دبا بیٹھنا۔ افسوس علماؤں کا نام بدنام کرنے کو جلسہ قائم کیا گیا ہے بے شک ؎

بدنام کنندہ نکو نامی چند

(نیک نامی کو بدنام کرنے والا)

میرا تو پہلے ہی سے ارادہ تھا کہ آپ کے پاس بھیجوں مگر غلطی ہوئی کہ وہاں بھیج دیا، خیر اب بعینہٖ آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں کہ آپ براہِ نوازش جواب سے مشرف فرمائیے۔ جواب کے لئے ٹکٹ پیشِ خدمت ہے، زیادہ حدِ ادب۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین ذیل کے مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کا علاتی بھائی اُس کی عینی ماں اور ماموں کے مقابلہ میں ولی جائز ہے یا نہیں، وبر تقدیر ولی جائز ہونے کے اُس کی عدم موجودگی میں بلا اطلاع و رضا لڑکی بالغہ کا غیر کفو کے ساتھ ماموں اور اس کی ماں کا عقد کردینا کیسا ہے اور نیز لڑکی کی ماں اپنے شوہر کا متروکہ دین مہر میں پاچکی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اُس لڑکی کا ولیِ نکاح اس کا علاتی بھائی ہے، ماں یا ماموں اس کے ہوتے کچھ استحقاق نہیں رکھتے۔

فی الدر المختار الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام (الٰی قولہ) ثم لذوی الارحام العمات ثم الاخوال الخ[1] اھ ملتقطاً۔

درمختار میں ہے، نکاح کا ولی عصبہ بنفسہٖ ہوتا ہے اگر وہ نہ ہو تو پھر ولایت ماں کو ہوتی ہے، انھوں نے ذوی الارحام پھوپھیاں پھر ماموں تک کو بیان کیا، الخ ملتقطاً (ت)

شرع مطہر میں غیر کفو وہ ہے جس کے نسب یا مذہب یا پیشے یا چال چلن وغیرہ میں کوئی ایسا نقص ہو جس کے باعث اس عورت کا اُس سے نکاح ہونا اس کے اولیاء کے لئے باعثِ ننگ و عار ہو، اور یہاں عوام غیر قوم کو غیر کفو کہتے ہیں اگرچہ شرافت میں اپنا ہمسر ہو، بلکہ بعض تو یہاں تک توسیع کرتے ہیں کہ اگر اپنے سے برتر ہو شرع میں اس میں نظر نہیں، مغل پٹھان کفو ہیں، شیخ، قریشی و سادات کرام کفو ہیں، اپنا ہم قوم بد مذہب کفو نہیں، یہاں اگر عدمِ کفارت یہی محاورۂ عامیہ کے طور پر تھا یعنی وہ شخص اس دختر کا ہم قوم نہ تھا مگر اُس طرح کا کوئی نقص نہ رکھتا تھا کہ شرعاً غیر کفو ہو جب تو یہ نکاح مطلقاً صحیح و منعقد ہوگیا رضا و اطلاع برادر کی حاجت نہیں، دختر کہ بالغہ ہے اگر اُس سے اذن لے کر ہُوا تو نافذ ہوگیا ورنہ دختر ہی کی اجازت پر موقوف رہا، اگر جائز کرے گی نافذ ہوگا رد کردے گی باطل ہوجائے گا، برادر وغیرہ کسی ولی سے کوئی تعلق نہیں لانقطاع الولایۃ بالبلوغ کما نصوا علیہ (کیونکہ بالغ ہونے پر ولایت منقطع ہوگئی جیسا کہ اُنھوں نے اس پر نص کی۔ ت) اور اگر عدمِ کفارت بہ معنی مذکور شرعی تھا تو یہ نکاح کہ بے رضائے ولی عصبہ ہُوا اصلاً نہ ہوا کہ اگر باجازت دختر تھا تو عورت جو نکاح غیر کفو سے بے رضائے عصبہ کرے باطل ہے، اور اگر ماں یا ماموں نے بطور خود بے اذنِ دختر کیا تو یہ وہ عقد فضولی ہوگا جسے نافذ کرنے والا کوئی نہیں کہ اختیارِ تنفیذ عورت کو ہوتا وہ خود ایسے نکاح پر

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

قادر نہیں، اور ہر عقد فضولی کہ وقتِ وقوع جس کا کوئی منفذ نہ ہو باطل ہے، ولی عصبہ بھی اپنی رضا شامل کرکے اسے صحیح نہیں کرسکتا کہ یہاں رضائے ولی قبلِ عقد لازم ہے بعد عقد لغو وبیکار ہے،

فی الدرالمختار یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان[1]،

فی ردالمحتار ھذا اذا کان لھا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضی بعدہ[2] بحر،

فی الدر من فصل الفضولی کل تصرف صدر منہ کبیع وتزویج وطلاق ولہ مجیز ای من یقدر علی اجازتہ حال وقوعہ انعقد موقوفا ومالا مجیز لہ حالۃ العقد لاینعقد اصلا[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے کہ غیر کفو میں نکاح کے جائز نہ ہونے کا فتوی ہے، زمانہ کے فساد کی وجہ سے یہی مختار ہے۔ ردالمحتار میں کہا کہ اگر لڑکی کا ولی نکاح سے قبل اس نکاح پر راضی نہ تھا تو بعد کی رضا مفید نہیں، بحر۔ دُر میں فضولی کی فصل میں ہے کہ فضولی کا ہر ایسا تصرف کہ اس کے صدور کے وقت کوئی اس کو جائز کرنے پر قدرت رکھنے والا موجود ہو تو فضولی کا وُہ تصرف موقوف ہونے کی حد تک جائز ہوگا، جیسا کہ بیع، نکاح دینا، طلاق وغیرہ، اور اگر کوئی اس وقت جائز کرنے والا موجود نہ ہو تو یہ تصرف قطعاً منعقد نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵۰: از ستار گنج ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی دختر کی منگنی کرکے زوجہ اور دختر چھوڑ کر فوت ہُوا، ایک دن والدہ کی غیبت میں اُس لڑکی بالغہ کو چند شخصوں نے زبردستی ایک گھر میں کردیا، والدہ نے کچہری میں دعوٰی کیا، اُدھر کا جواب یہ ہے کہ متوفی کا ایک بھائی جو دُوسرے باپ سے تھا اُس نے بلا اجازت دختر و والدۂ دختر کے نکاح کردیا، پس اس صُورت میں ولایتِ نکاح ماں کو ہے یا نہیں اور کس کس رشتے دار کو ماں کے سامنے اجازتِ ولایت ہے، جس نے زبردستی اُس لڑکی کو گھر میں رکھا ہے اس نے لڑکی کی والدہ کا دُودھ پیا ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب

بالغہ پر ولایت جبریہ کسی کو نہیں، ولیِ نکاح ہر عصبہ ہے یعنی نزدیک یا دُور کے دادا پردادا کے اولاد میں

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] ردالمحتار 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۷

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱

جو مرد عاقل بالغ ہو رشتے میں سگا ہو یا سوتیلا مثلاً عورت کے پرداد کے سوتیلے پرداد کی نسل میں پرپوتے کا پرپوتا،
جب تک ان میں سے کوئی شخص عاقل بالغ موجود ہو ماں کو اصلاً ولایت نہیں، اور بعد بلوغ تو ماں کو ولایت
سے کوئی تعلق ہی نہیں خواہ عصبہ موجود ہو یا نہ ہو،

لان حق الاولیاء بعد ذٰلک انما ھو فی الاعتراض ان نکحت غیر کفؤ او بغبن فاحش فی مھر المثل[1] و ابطال النکاح بغیر الکفو اذا لم یرض الولی بہ قبل العقد صریحا مع العلم بعدم الکفاءۃ و ذٰلک انما ھو فی حق العصبۃ لا غیر[2] کما نص علیہ فی الدر وغیرہ۔

کیونکہ اس کے بعد اولیاء کا حق اعتراض صرف اس صورت میں ہے جب لڑکی نے غیر کفو اور انتہائی کم مہر پر نکاح کیا ہو یا جب نکاح سے قبل ولی کو غیر کفو ہونے کا علم ہُوا تو صراحتًا اس نے اپنی عدمِ رضا کا اظہار کردیا ہو تو اس کو نکاح باطل کرنے کا حق ہے؛ اور حقِ اعتراض بھی صرف اولیاء عصبہ کو حاصل ہے کسی دُوسرے کو نہیں، جیسا کہ دُر وغیرہ میں اس پر تصریح ہے۔ (ت)

دُودھ شریک بھائی سے نکاح نہ ہوسکنا خود ظاہر ہے مگر الزام اُس حالت میں ہے جب اُنھیں دُودھ شریک ہونا معلوم ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۵۱: از کانپور محلہ فراش خانہ عقب ابکاری سڑک جدید متصل کوٹھہ گھر مکان حافظ زبیر حسن عطار
مرسلہ سید سعید الحسن صاحب ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کے ایک بیٹی مسماۃ رضیہ شوہر متوفی سے ہے،
جب رضیہ کی عمر آٹھ برس دو مہینے کی تھی ہندہ نے رضیہ کا عقد بزمانہ نابالغی ساتھ خالد کے کردیا لیکن بوجہ
نابالغی رضیہ اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رخصت ہُوئی بدستور اپنی ماں کے ساتھ رہی، اب زمانہ عقد کو
چار سال سے زیادہ عرصہ گزرا اور رضیہ بھی اب ہوشیار و بالغ ہُوئی، اس درمیان میں خالد نے ایک دُوسری
عورت کو رکھ لیا جس سے اطفال بھی پیدا ہُوئے، خالد کی وضع اور اطوار و چال چلن ہندہ و رضیہ کو تمام تر
ناگوار ہیں اور تعلق ہونا خالد سے نہیں چاہتی کمال درجہ نفرت و انکار رکھتی ہے اور خلع چاہتی ہے، بحکم شرع شریف
مسماۃ رضیہ کو کیا کرنا چاہئے جس سے اس کو خالد سے قطع تعلق ہوجائے اور عقد فضولی یہ عقد نابالغی کا قرار
پائے گا یا نہیں؛ اور تعمیل حکم خلع کا کس طریقہ سے کیا جائے گا اور مدت نابالغی ازروئے شرع شریف ہندستان
میں علی الخصوص ممالک مغربی و شمالی کے لئے کس سنہ و سال کی مقدار سے ہے؟ بینوا توجروا۔

---

[1] و [2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲ - ۱۹۱

الجواب

صورتِ مسئولہ میں اگر خالد رضیہ کا کفو نہیں یعنی مذہب یا نسب یا پیشے وغیرہ میں ایسا کم ہے کہ اُس کے ساتھ رضیہ کا منعقد ہونا اور اولیائے رضیہ کے لئے موجب ننگ و عار ہو جب تو یہ نکاح سرے سے نہ ہُوا، مگر یہ نکاح کرنے والا رضیہ کا دادا ہو جو اس سے پہلے اپنی ولایت سے کسی نابالغ کا نکاح غیر کفو سے نہ کر چکا ہو یہ نکاح اُس کے اذن سے ہوا یا بعد نکاح اُس نے اپنی ولایت کی حالت میں نافذ کر دیا جائز رکھا تو نکاح صحیح و لازم ہے کہ بعد بلوغ رضیہ کی ناراضی بھی اُسے کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتی، اور اگر خالد رضیہ کا کفو بمعنی مذکور ہے مگر رضیہ کے لئے کوئی ولی عصبہ مثلاً عاقل بالغ بھائی یا بھتیجا یا چچا یا چچا کا بیٹا غرض دادا کی اولاد سے کوئی مرد موجود تھا اور ماں نے بغیر اُس کے اذن کے نکاح کر دیا تو تین صورتیں ہیں اگر اُس ولی نے نکاح کی اطلاع پا کر اپنی حالت ولایت میں رَد کر دیا تو اس صورت میں بھی وہ نکاح باطل ہو گیا کہ اب رضیہ کی رضا بھی اُسے نافذ نہیں کر سکتی اور اگر سُن کر اب تک ساکت رہا نہ رَد کیا نہ جائز رکھا تو وہ نکاح نکاحِ فضولی اور اجازتِ ولی پر موقوف تھا، جب رضیہ بالغ ہُوئی وہ اجازت خود اس کی طرف منتقل ہو آئی، اب اسے اختیار ہے چاہے جائز کر دے جائز ہو جائے گا چاہے رَد کر دے، مثلاً کہہ دے میں نے اس نکاح کو رَد کر دیا میں اس نکاح پر راضی نہیں، یا مجھے یہ نکاح نامنظور ہے، صرف اتنے کہنے سے رَد ہو جائے گا زیادہ کسی امر کی حاجت نہیں، اور یہ اختیار رضیہ کو ہمیشہ رہے گا جب تک نکاح کو جائز نہ کرے اور اُس کے بعد پھر اختیارِ رَد نہیں رہتا اور اگر نکاح مذکور ولی غیر جد نے سُن کر جائز کر دیا یا ابتداءً نکاح ماں نے باذنِ ولی مذکور کیا یا رضیہ کے لئے کوئی ولی عصبہ تھا ہی نہیں خود ماں ولی تھی جس نے نکاح کر دیا تو ان سب صُورتوں میں وُہ نکاح صحیح و نافذ ہو گیا مگر ازانجا کہ نکاح کنندہ غیر اَب و جد اور رضیہ دوشیزہ ہے اسے اتنا اختیار ملا کہ معاً بالغ ہوتے ہی فوراً فوراً اس نکاح کا فسخ چاہے تو فسخ کر دیا جائے گا اگر بعد بلوغ ذرا دیر گزری اور اُس نے فسخ کا ارادہ ظاہر نہ کیا تو نکاح تام و لازم ہو گیا کہ اب اس کی رضا و عدمِ رضا کچھ دخل نہ رہا، اس صورت اخیرہ اور نیز اُس صورت سابقہ میں جبکہ نکاح دادا کے کر دینے سے لازم ہو چکا ہو رضیہ اگر جُدائی چاہے تو اُس کے ہاتھ کوئی ذریعہ سوا خلع چاہنے کے نہیں یعنی بعوض مہر خواہ اور مال کے جس پر شوہر راضی ہو شوہر سے طلاق مانگے، اگر وُہ دے دے گا قطع تعلق ہو جائے گا ورنہ صبر لازم ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

الصبی اذا باع او اشتری او تزوج یتوقف علی اجازۃ الولی فی حالۃ الصغر فلو بلغ قبل ان یجیزہ الولی فاجاز بنفسہ نفذ لانھا کانت

بچّے نے جب خرید و فروخت یا نکاح کر لیا تو یہ امور ولی کی اجازت پر موقوف ہوں گے، اور اگر اس ولی نے بچّے کے بلوغ سے قبل اجازت نہ دی ہو تو لڑکا اپنے بلوغ کے بعد خود ان امور کو نافذ کر سکتا ہے کیونکہ

متوقفة ولا تنفذ بمجرد بلوغہ[1] اھ مختصرا وفی تنویر الابصار بطل خیار البکر بالسکوت عالمۃ بالنکاح ولا یمتد الی المجلس وان جھلت بہ[2] الخ وباقی المسائل مشہورۃ وفی الکتب مذکورۃ۔

موقوف تھے اس لئے صرف لڑکے کے بلوغ سے نافذ نہ ہوں گے اھ مختصراً۔ اور تنویر الابصار میں ہے باکرہ بالغہ اگر اپنے نکاح کا علم ہوجانے پر خاموش رہے تو اس کا حق فسخ باطل ہوجاتا ہے اور جس مجلس میں علم ہوا اس مجلس کے اختتام تک باقی نہ رہے گا اگرچہ وہ اس مسئلہ میں جاہل ہو۔ باقی مسائل مشہور اور کتب میں مذکور ہیں۔ (ت)

نابالغی کی حد پندرہ سال کی عمر تک ہے، اس مدت سے پہلے اگر دختر کو نو برس یا پسر کو بارہ برس کی عمر کے بعد آثارِ بلوغ مثل احتلام وحیض ظاہر ہوگئے تو اُسی وقت سے حکمِ بلوغ ہوجائے گا ورنہ پندرہ برس کی عمر پوری ہونے پر لڑکا لڑکی دونوں مطلقاً بالغ سمجھے جائیں گے اگرچہ کوئی علامتِ بلوغ ظاہر نہ ہو بہ یفتی کما فی الدر المختار[3] وغیرہ لقصر زماننا (اور اسی پر فتوٰی ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے کیونکہ ہمارے زمانے کی عمریں کم ہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۵۲: از احمد آباد گجرات محلہ چکلہ کالوپور متصل پل گلیارہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالرحیم صاحب ۱۶ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کی منگنی کرنے کے لئے سفر سے دوسرے شخص پر لکھا کہ میری لڑکی کی منگنی فلاں لڑکے کے ہمراہ کرنا لڑکی لڑکا دونوں نابالغ ہیں یہاں اس شخص نے جس کو فقط منگنی کی اجازت دی گئی تھی خود ولی ہو کر بعد منگنی کے نکاح بھی کردیا اُس کے والد کو خبر ہوئی کہ لڑکی کا نکاح جس کو منگنی کا اختیار دیا تھا کردیا اُس سے یہ شخص خوش ہوا اور اُس کے پڑھائے ہوئے نکاح پر انکار نہ کیا اب یہ نکاح عند الشرع منعقد ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

منگنی کی اجازت نکاح کی اجازت نہ تھی،

فان ھذا عقد وذاك وعد وقد یفعل الوعد لینظر الخاطب ثم ینظر

کیونکہ نکاح عقد ہے اور منگنی صرف وعدہ ہے جبکہ وعدہ کبھی اس لئے کرلیا جاتا ہے تاکہ منگنی کرنے والے کا

---

[1] فتح القدیر فصل فی الوکالۃ بالنکاح مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۹۸
[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳
[3] درمختار کتاب الحجر فصل فی البلوغ " " " ۲/ ۱۹۹

ویتأنی فیہ فان وافق اجیب والا منع فلا یکون الرضا بالوعد رضا بالعقد وھذا ظاھر جدا۔

جائزہ لیا جائے اور غور کیا جائے اور تاخیر کی جاتی ہے تاکہ وُہ موافق ہو تو منگنی قبول کی جائے ورنہ انکار کیا جائے لہذا وعدہ پر رضا کو عقد نکاح پر رضامندی نہیں قرار دیا جاسکتا، یہ معاملہ ظاہر ہے۔ (ت)

تو یہ نکاح نکاحِ فضولی ہُوا اور اجازتِ ولی پر موقوف رہا، بعد سماع خبر اگر ولی نے قولاً یا فعلاً اس کی تنفیذ ظاہر کی نافذ ہوگیا صرف دل میں خوش ہونا اور زبان سے انکار نہ کرنا کافی نہیں لانہ سکوت والساکت لاینسب الیہ قول (کیونکہ یہ سکوت ہے اور ساکت کی طرف کوئی قول منسوب نہیں ہوسکتا۔ ت) درمختار میں ہے:

قبض ولی لہ الاعتراض المھر ونحوہ مما یدل علی الرضی دلالۃ لاسکوتہ مالم تلد اھ[1] مختصرا۔

لڑکی کے ولی کو مہر پر اعتراض تھا اس کے باوجود اس نے مہر وصول کیا اور ایسا کام کیا جس کو رضا پر دال قرار دیا جاسکتا ہے تو دلالۃً رضا ہوگی محض سکوت رضا نہ قرار پائے گا جب تک لڑکی کے ہاں بچہ پیدا نہ ہوجائے اھ مختصراً (ت)

پس اگر واقع اسی قدر ہے تو نکاح بدستور اس کی اجازت پر موقوف ہے باطل کردے خواہ نافذ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۵۳: ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بیوہ نے اپنا عقد ایک شریف اپنے خاندانی سے کرلیا اس پر عمرو بکر و خالد نے اُسے اور اُس کی ماں اور شوہر کو برادری سے نکال دیا اور ایذا دی، اس میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

اگر ہندہ نے عقد ثانی بعد عدت گزرنے کے کیا اور شوہر دوم بدمذہب نہیں جس سے نکاح باطل یا گناہ ہو اور ہندہ اگر کوئی عصبہ اپنا ولی رکھتی ہے تو شوہر دوم اس کا کفو ہوگا یا اگر کفو نہیں اور ولی نے دیدہ و دانستہ پیش از نکاح صریح اجازت دے دی ہو تو ان صورتوں میں ہندہ اور اس کی ماں اور شوہر پر کچھ الزام نہیں خالد عمرو بکر صرف بوجہ نکاح ثانی انہیں ایذا دیتے ہیں ظالم وگنہگار اور حق العبد میں گرفتار ہیں ان پر توبہ فرض ہے اگر نہ کریں تو خود یہی لوگ برادری سے نکال دینے کے قابل ہیں جو لوگ ان خالد عمرو بکر کا ساتھ دیں گے وہ بھی مستحقِ عذاب ہوں گے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[1] — گناہ اور زیادتی میں باہم مدد نہ کرو۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اذی مسلماً فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ[2] — جس نے کسی مسلمان کو ناحق ستایا اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالٰی کو ایذا دی۔

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۵۴ ۲۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی دس برس کی ہے، ماں نانی چچا میں سے کس کو اس کے نکاح کا اختیار ہے، اور دختر کا ایک بھائی بھی دوازدہ سالہ ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

چچا کو ہے اگر بھائی نابالغ ہو ورنہ بھائی کو۔ بارہ برس کی عمر میں بلوغ ممکن ہے اگر وہ دعوٰی بلوغ کرے مانا جائے گا کما فی الدرالمختار (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۵۵ مسئولہ کرم الدین صاحب ساکن جلالپور جٹاں محلہ ساہدوان ضلع گجرات ملک پنجاب۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین وفضلائے اسلام مبین اس صورت میں کہ خالد نے اپنی لڑکی نابالغہ جس کی عمر اندازی دس یا گیارہ برس کی تھی رحیم بخش بالغ کے ساتھ نکاح پڑھا دیا اب بوجہ کوئی فساد کے دختر بالغہ مذکور چاہتی ہے کہ نکاح فسخ ہو جائے آیا شرعاً ممکن ہے کہ عقد مذکور باختیار دختر موصوفہ فسخ ہو جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

باپ دادا جو نکاح نابالغہ کا کردیں وہ لازم ہو جاتا ہے، لڑکی بعد بلوغ کے خواہ کوئی اور اُسے فسخ نہیں کر سکتا، مگر صرف دو تین صورتوں میں جس کی اس وقت تفصیل کی حاجت نہیں ومن لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل (جو اپنے زمانے کے عرف سے ناواقف ہے وہ جاہل ہے۔ ت) مستفتی صاحب کو چاہئے کہ مفصل کیفیت سے مطلع کریں کہ وہ کیا فساد ہے جس کے سبب اب عورت فسخ چاہتی ہے اور اس فساد پر

---

[1] القرآن الکریم ۵/۲

[2] کنز العمال بحوالہ طب عن انس حدیث ۴۳۷۰۳ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/۱۰

الترغیب والترہیب الترہیب من تخطی الرقاب یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۱/۵۰۴

کب اطلاع ہوئی؟ اور باپ بھی وقتِ نکاح اس پر مطلع تھا یا نہیں؟ وُہ فساد بعد نکاح حادث ہُوا یا پہلے سے تھا؛ غرض سب حال بتفصیلِ تمام بیان کیا جائے تو جواب دیا جائے۔ درمختار میں ہے:

لزم النکاح ولو بغبن او بغیر کفوٴ ان کان الولی المزوج بنفسہ ابا او جدا[1] الخ۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

نکاح لازم ہوجائے گا جب نکاح دینے والا خود باپ یا دادا ہو اگرچہ انتہائی کم مہر سے یا غیر کفوٴ میں ہو الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵۶: مسئولہ شاہ معین احمد صاحب از ڈاکخانہ نگر اسٹیشن فتوحہ ضلع پٹنہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: زینب کی کُل ایک اولاد ہے یعنی ہندہ دختر بکر بالغہ ہے ہندہ کے باپ نے قضا کیا، زید ہندہ کا علاتی بھائی ہے، زینب ہندہ کی ماں اور زید برادر علاتی نے ہندہ کی نسبت خالد بن بکر ساکن فلاں جگہ سے مقرر وپختہ کیا، اس کی خبر ہندہ کو بخوبی ہوگئی اس طرح سے کہ ہندہ اسی مکان میں رہتی تھی اور اس کے سامنے نسبت کی گفتگو ہُوئی اور اس پر ثابت ہوگیا کہ میری نسبت فلاں جگہ فلاں شخص سے ہے گو اُس سے خاص کر کسی نے کہا اور پُوچھا نہیں اُس کے بعد رقعہ تقرری تاریخ آمد برات کا خالد بن بکر کے یہاں سے آیا اس کی اطلاع بھی ہندہ کو ہُوئی چنانچہ اُس روز وُہ سنواری بھی گئی اور جو جو مراسم کہ قبل نکاح اس طرف رائج ہیں مثلاً مانجہ وغیرہ میں بیٹھنا اُس سب کو اس نے انجام دیا اور کسی طرح کی نارضامندی نہیں ظاہر کیا یہاں تک کہ تاریخ مقررہ پر برات آئی اور احباب واقربا اندر باہر جمع ہُوئے، اس کی اطلاع بھی ہندہ کو ہُوئی اس وقت بھی ہندہ نے کسی طرح نارضامندی ظاہر نہیں کی، زید برادر علاتی نے چند شخصوں کے سامنے عمرو کو وکیل بالنکاح مقرر کیا اور عمرو نے جہاں برات کا قیام تھا وہاں جا کر سب لوگوں کے سامنے خالد بن بکر سے ہندہ کا نکاح مہر مثل پر کرادیا مگر اس کی اطلاع ہندہ کو عمرو وکیل نے یا زید برادر علاتی نے نہیں دیا بلکہ عورتوں میں کہہ دیا گیا کہ نکاح ہوگیا ــــــ اور یہ بات مشتہر ہوگئی کہ نکاح ہوگیا، اُس کے بعد جو جو مراسم شادی اس طرف رائج ہیں ان سب کو ہندہ نے بخوبی ادا کیا اور کسی طرح کی نارضامندی نہیں ظاہر کیا یہاں تک کہ رخصتی بھی ہُوئی اور نوبت استراحت کی بھی آئی ان تمام متذکرہ بالا زمانہ میں کبھی ہندہ نے اپنی نارضامندی ظاہر نہیں کی اور نہ اس وقت تک کسی طرح کی نارضامندی ظاہر کرتی ہے تو یہ نکاح صحیح ہُوا یا کسی طرح کا شُبہہ یا نقص رہ گیا، یہ شبہہ صرف اس وجہ کر پیدا ہے کہ ہندہ بکر بالغہ تھی اُس سے قبل نکاح زید برادر علاتی نے یا کسی شخص نے صراحۃً استیذان نہیں لیا اور نہ بعد نکاح صراحۃً اس کو خبر دیا، گو اُس کو خارجی طریقہ سے سب باتیں معلوم تھیں اور معلوم ہوئی اور نہ اس وقت تک اپنی رضامندی ظاہر کرتی ہے

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

بلکہ ظاہراً خوش معلوم ہوتی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اس صورت میں یہ نکاح فضولی تھا، اگر خبر نکاح سُن کر ہندہ نے کوئی قول یا فعل اظہار ناراضی کا نہ کیا بلکہ عادل ثقہ سے نکاح کی خبر سُن کر خاموش ہی ہو رہی یا خبر کسی عادل سے نہ سُنی نہ ولی نے اُسے اطلاع کرا بھیجی تو ساکت رہی یہاں تک کہ شوہر سے برضا ہمخواب ہوئی تو نکاح نافذ و تام ہوگیا،

فی الهندیة اذا امکنت الزوج من نفسها بعد ما زوجها الولی فهو رضا[1] وفی الدر المختار زوجها ولیها واخبرها رسوله او فضولی عدل فسکتت فهو اذن[2] والله تعالٰی اعلم

ہندیہ میں ہے کہ جب بالغہ نے خاوند کو جماع کا موقعہ دے دیا تو یہ ولی کے نکاح پر اس کی رضامندی ہوگی۔ درمختار میں ہے کہ اگر ولی نے نکاح دیا تو ولی کے قاصد نے یا کسی عادل اجنبی نے بالغہ کو اطلاع دی اور وہ اس پر خاموش رہی تو یہ رضامندی ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵۷: از صاحب گنج گیا مرسلہ مولوی امیر الدین صاحب ۴ شعبان ۱۳۲۴ھ

علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں زید اور اس کی زوجہ ہندہ میں جنگ باغوائے مفسدان بدکاران پیدا ہوا، اور ہندہ کے بطن سے ایک لڑکی زید کی جس کا نام سعیدہ تھا اور عمر گیارہ برس گیارہ مہینے کی تھی بکر نے اپنے لڑکے خالد کی منسوب سعیدہ سے چاہا زید کو منظور نہ ہوا تب بکر نے ہندہ زوجہ زید کو برہم کرایا اور ہندہ نے اس قدر فساد مچایا کہ زید کو مجبوری ہوئی مجبوری وتاکید وبخوف حکام ضلع بخیال اس کے کہ رفع جملہ فساد وقصہ ہوجائے گا اور یہ ثابت بھی کیا گیا تھا کہ اگر یہ عقد ہوگا تو قصہ سب دفع ہوگا وصلح سے زمانہ گزرے گا اس منسوب کو منظور کیا اور سعیدہ اپنی لڑکی کا نکاح خالد سے بلا اذن کردیا لیکن خالد سعیدہ سے آج تک ملاقات نہ ہوئی و نہ سعیدہ سے کسی قسم کی رضامندی لی گئی نہ سعیدہ کو سمجھایا گیا کہ کیا ہوتا ہے اور بعد نکاح کے خالد لندن چلا گیا اور بحیلہ تحصیل انگریزی وہاں فسق وفجور ولہو ولعب میں مبتلا ہوا چھ برس ہوا کہ خالد لندن میں ہے نہ پڑھتا ہے نہ آتا ہے اور نہ کسی قسم کی خبر گیری یا پرسش سعیدہ کی کرتا ہے زید نے بکر کو وخالد کو یعنی دونوں پدر وپسر کو لکھا کہ شادی کرلی جائے اور خالد آئے اور اپنی منکوحہ کو لے جائے، مگر نہ خالد آتا ہے نہ کسی قسم کی کفالت خرچہ کی سعیدہ کی خالد یا بکر اُس کے باپ کی طرف سے ہوتی ہے اور بلکہ زید سے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۷

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

خرچہ لندن کے قیام کا طلب کیا جاتا ہے ان حالتوں سے فسخ ہوگا یا نہیں ؟ اور سعیدہ مجاز ہے کہ اپنے باپ کے نکاح کو جو بخوشی نہیں بلکہ محض مجبوری و بخوف حکام وقت و توقع رفع خرخشہ کیا تھا اور رفع بھی نہ ہُوا بلکہ بعد از بیاری جنگ کے خلع وجُدائی درمیان زید و ہندہ کے ہوگئی تو ایسے نکاح کو سعیدہ توڑ سکتی ہے یا نہیں اور خالد کا کب تک انتظار کیا جائے گا، نہ وہ آتا ہے اور نہ کسی قسم کی خبرگیری اخراجات کی بھی سعیدہ کی کرتا ہے بدستور سعیدہ اپنے باپ کے گھر ماں سے بھی جُدا پڑی ہے اور زید کو یہ بھی خیال ہے کہ خالد ہرگز نہیں آئے گا اور آئے گا تو بوجہ طرزِ معاشرت بدل جانے وصحبت غیر مذاہب کے حقوق کی تعمیل پوری پوری خالد سے ادا نہ ہوگی، ایسی حالت میں شریعت کیونکر سعیدہ کو مجبور کرے گی اور باپ کے ایک لغو و مجبوری سے عمل کے باعث وہ غریب بدقسمت سعیدہ پریشانی میں مبتلا رہے گی۔

الجواب

باہمی جھگڑے قصے نہ حدِ اکراہ تک پہنچتے ہیں نہ نکاح میں اکراہ کو دخل ہے اگر ولی کسی کے جبر و اکراہ ہی سے نکاح کر دے نکاح ہوجائے گا۔

فی الھندیۃ من الاکراہ زوجہا اولیاؤھا مکرھین فالنکاح جائز[1]	ہندیہ میں ہے کہ اگر اولیاء نے کسی جبر کی بنا پر نابالغہ کا نکاح دیا ہو تو نکاح جائز ہوگا۔ (ت)

نہ نابالغہ سے اجازت لینے کی حاجت نہ باپ کے کئے ہُوئے نکاح پر عورت کو بعد بلوغ حقِ اعتراض، مگر اُس حالت میں کہ شوہر وقتِ نکاح کفو نہ تھا اور باپ اس سے پہلے بھی اپنی ولایت سے کسی لڑکی کا نکاح غیر کفو سے کرچکا ہو، غیر کفو وہ جس سے نکاح ہونا عرفاً اولیائے ہندہ کے لئے وجہ ننگ و عار ہو کہ وہ نسب یا پیشے یا مذہب یا چال چلن میں رذیل و ذلیل و بدنام ہو، یہاں جب یہ صورتیں نہیں نکاح بے شک نافذ و تام ولازم ہوگیا جو کسی کے رَد کئے سے رَد نہیں ہوسکتا، یہ اُس حالت میں ہے کہ سعیدہ وقتِ نکاح نابالغہ ہو جیسا کہ بظاہر اس کی عمر مذکور سے مترشح ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اس عمر پر بلوغ نادر ہے، اگر بالغہ تھی کہ لڑکی نو برس کی عمر میں بالغہ ہوسکتی ہے تو وہ نکاح کہ باپ نے اس کے بے اذن کیا نکاح فضولی تھا اسے خبر پہنچنے پر اختیار تھا کہ رَد کر دیتی مگر یہ رَد اسی جلسہ خبر میں ہوسکتا تھا اگر جلسہ بدل کر رد کرے تو مقبول نہ ہوگا، اور تقریر سوال سے سعیدہ کا رَد کرنا اصلاً ظاہر نہیں بلکہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ساکت رہی اور بکر کا سکوت بھی اذن ہے تو نکاح یُوں بھی لازم ہوگیا جس کے رد کی طرف سبیل نہیں مگر صورت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاکراہ باب الثانی فیما یحل للمکرہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۵

مذکورہ میں عورت کا ضرر صریح ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

فامسکوھن بمعروف اوسرحوھن بمعروف[1] عورتوں کو یا تو اچھی طرح رکھو یا اچھی طرح چھوڑ دو۔

اور فرماتا ہے: وعاشروھن بالمعروف[2] (عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو۔ ت) اور فرماتا ہے:

اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولاتضاروھن لتضیقوا علیھن[3] جہاں آپ رہو وہاں عورتوں کو رکھو اپنے مقدور کے قابل اور انھیں نقصان نہ پہنچاؤ کہ ان پر تنگی لاؤ۔

اور فرماتا ہے:

فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ[4] پورے ایک طرف نہ جھک جاؤ کہ عورت کو یوں چھوڑ دو جیسے ادھر میں لٹکتی۔

اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاضرر ولاضرار فی الاسلام[5] دینِ اسلام میں نہ ضرر ہے نہ مضرت پہنچانا۔

لہذا حاکم پر واجب ہے کہ خالد پر جبر کرے کہ یا تو ہندہ کو رخصت کرائے یا طلاق دے، اور اگر وہاں کی صحبت سے خالد کا دین فاسد ہوگیا کہ نیچریوں کی طرح ضروریاتِ دین پر ہنسنے لگا تو آپ ہی نکاح جاتا رہے گا والعیاذ باللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۰: مرسلہ حاجی احمد اللہ خاں صاحب مرحوم از پیلی بھیت ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں ایک عورت ہندہ جس کی عمر ۱۳ برس کی تھی باپ اس کا فوت ہوگیا اب ہندہ کے نکاح کی اجازت اس کی ماں نے ہندہ کی سوتیلی بہن جس کی عمر تخمیناً قریب چالیس کے ہوگی اس بہن نے ہندہ کو بچپن سے مثل اولاد کے پالا تھا اجازت دی تھی بلکہ ہندہ نے خود بھی اقرار کیا تھا ہندہ کی بہن نے سوتیلی بہن سے یہ کہلا بھیجا تھا کہ تم کو اختیار ہے جہاں چاہو اس کا نکاح کردو ہندہ کی بڑی بہن اور بہنوئی نے اپنے کفو میں ایک شریف خاندان کے لڑکے کے ساتھ بلکہ رشتہ داری میں نکاح کردیا اب بعد دو برس کے کچھ جھگڑا عورات میں باہم کسی بات پر ہوا یعنی ہندہ کی ساس اور ہندہ کی بڑی بہن میں، اس پر مسماۃ ہندہ کی ماں اور بہن دونوں اب یہ کہتی ہیں کہ ہندہ کا نکاح اس وجہ سے کہ اس عمر تک بالغ نہیں ہوئی تھی

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۱
[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۹
[3] القرآن الکریم ۶۵/ ۶
[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۲۹
[5] المعجم الاوسط حدیث ۵۱۸۹ مکتبۃ المعارف الریاض ۶/ ۹۱

وقت نکاح کے ہندہ کے چچا اور بھائی نہیں موجود تھے مگر ان کو علم تھا اور ہندہ کی ماں اور بہن میں ایک مدت سے رنج تھا آمد و رفت نہیں تھی جس پر ہندہ کی ہمشیرہ نے اُس کی والدہ سے اجازت چاہی تھی قبل از مہینہ بیس روز آگے دونوں میں صلح ہوگئی اور والدہ ہندہ کی لڑکی کو دو چار روز آگے اپنے مکان کو لے گئی تھی جب تاریخِ نکاح قریب آئی تو پھر ہندہ کو اس کی بڑی بہن جس نے کہ اس کو پالا تھا اُس کے مکان پر بھیج دیا واسطے نکاح کے، اب ہندہ کی والدہ اپنے مکان پر ہندہ کو لے گئی بڑی بہن کے مکان سے بخوشی، ہندہ کی بڑی بہن کے خاوند ہندہ کے بہنوئی ہندہ کے نکاح میں گواہ تھے، اور بہنوئی کے بڑے بھائی وکیل نکاح کے تھے، نکاح خواں نابینا تھے، تو ایسی صورت میں نکاح ہندہ صحیح قرار پائے گا یا باطل؟ بینوا توجروا

الجواب

اگر ہندہ وقتِ نکاح فی الواقع نابالغہ تھی اور اس کے نکاح کی اجازت اُس کے جوان بھائی نے نہ دی تھی تو جو نکاح بڑی بہن نے ماں کی اجازت سے کیا بھائی کی اجازت پر موقوف رہا، اگر بھائی نے نکاح کی اطلاع پا کر انکار کر دیا تو وہ نکاح باطل ہوگیا اور اگر پسند کیا اجازت دی تو نافذ ہوگیا، اور اگر ہنوز کچھ نہ کہا اور ہندہ اب بھی نابالغہ ہے تو اب بھی بھائی کی اجازت پر موقوف ہے اگر جائز کر دے گا نافذ ہو جائیگا رَد کر دے گا تو باطل ہو جائے گا، اور اگر ہندہ بالغہ ہوئے تک بھائی نے نہ رَد کیا نہ اجازت دی اور اب ہندہ بالغہ ہوگئی یعنی اس کی عمر پورے پندرہ سال کی ہوگئی یا اسے حیض آنے لگا تو اب وہ نکاح خود ہندہ کی اجازت پر موقوف ہے اگر جائز کر دے گی جائز ہو جائے گا اور اگر رَد کر دے گی باطل ہو جائے گا، اور اگر نکاح بھائی کی اجازت سے ہُوا تھا یا بعد نکاح بھائی نے قبل بلوغ ہندہ اجازت دے دی تو نکاح نافذ تو ہوگیا مگر ہندہ کو خیارِ بلوغ ملے گا یعنی بالغہ ہوتے ہی فوراً فوراً اگر اُس نکاح سے اُس نے انکار کر دیا ایک لفظ کی دیر نہ لگائی تو دعویٰ کر کے اُس نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳۵۹ تا ۳۶۶ مرسلہ حکیم محمد علی حسین خاں صاحب جاگیردار ریاست گوالیار صدر لشکر نیا بازار ۱۰ ذی القعدہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین سوالاتِ مندرجہ ذیل کی نسبت:

(۱) لڑکی کے والد نے مظہر کو دہلی سے واسطے عقد لڑکی اپنی کے بمقام بھوپال طلب کیا اور بعد پہنچنے برات کے سرکارِ عالیہ میں ایک درخواست تحریر کر کے پیش کی کہ میں نے لڑکے کو بلا لیا ہے سرکارِ عالیہ خداوندی فرما کر اس کارِ خیر کو اپنے روبکاری سے اہتمام فرمائیں، میں نے تاریخِ عقد ۳ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ یوم دوشنبہ مقرر کر دی ہے۔

(۲) سرکار عالیہ نے یہ درخواست منظور فرماکر جملہ انتظامات ضروری کیا تب حکم نافذ فرمادیا اور صاحبزادگان دام اقبالہ اور قاضی صاحب وغیرہ کربلا وابھی پہنچ گیا۔

(۳) لڑکی اپنے ماموں کے یہاں تھی، لڑکی کے والد عقد کے دن لڑکی کو لانے کی غرض سے ماموں کے مکان پر گئے۔ ماموں نے عین وقت پر بھیجنے لڑکی سے قطعی انکار کیا، بیچارے شریف باپ نے اس غیرت کی وجہ سے زہر کھاکر اپنی جان کو ہلاک کیا۔

(۴) باپ ولی جائز کی اجازت تحریری بعد فوتی اُس کے یہ عقد کیا تب کچھ وقعت اور اثر رکھتی ہے یا نہیں؟

(۵) اب ماموں لڑکی کا بوجہ نفسانیت مظہر کے ساتھ عقد کرنے سے انکاری ہے اور اسی کے قبضہ میں لڑکی ہے۔

(۶) لڑکی کا سن گیارہ سال کچھ ماہ کا ہے۔

(۷) ورثا میں لڑکی کے ایک چچا حقیقی اور ایک ماموں حقیقی، ایک بھائی حقیقی نابالغ اور والدہ مطلقہ یہ شخص غیر کے نکاح میں ہیں۔

(۸) لڑکی کے چچا صاحب اِس لڑکی کا مظہر سے عقد کرنے پر رضامند ہیں ان کی یعنی چچا صاحب موصوف کی محض اجازت سے عدم موجودگی اور بغیر اطلاع لڑکی کے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں یا کہ لڑکی کا موجود ہونا وقتِ نکاح لازمی ہے؟ فقط

الجواب

صُورتِ مذکورہ میں جب تک وُہ لڑکی نابالغ ہے (یعنی) اسے حیض شروع نہ ہوا یا پندرہ سال کامل کی عمر نہ ہُوئی اُس وقت تک اُس کا ولیِ نکاح اس کا چچا ہے اور لڑکی کے بلوغ سے پہلے اس کا بھائی بالغ ہوجائے تو ولایت چچا سے بھائی کی طرف منتقل ہوجائے گی بہرحال ماموں یا ماں کو اس کے نکاح کا کچھ اختیار نہیں۔

تنویرالابصار و درمختار میں ہے:

الولی فی النکاح العصبة بنفسه علی ترتیب الارث والحجب فان لم یکن عصبة فالولایة للام ثم للاخت ثم لولد الام ثم لذوی الارحام العمات ثم الاخوال[1]۔

نکاح کا ولی، وراثت اور مانع ہونے کی ترتیب کے مطابق عصبات بنفسہ ہوتے ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو پھر ولایت ماں کو حاصل ہوگی، پھر بہن پھر والدہ کی طرف سے بھائی پھر ذوی الارحام میں پھوپھی پھر ماموں کو حاصل ہوتی ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

دختر کی نابالغی میں چچا یا بالغ ہو کر بھائی اگر اس کا نکاح ایسے شخص سے کر دے گا جو اس لڑکی کا کفو ہو یعنی مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن وغیرہ میں اتنا کم نہ ہو کہ اس کے ساتھ اس دختر کا نکاح باعثِ ننگ و عار ہو نہ دختر کے مہرِ مثل میں کمی فاحش کرے مثلاً لاکھ روپیہ مہرِ مثل ہو یہ پچاس ہزار باندھ دیں، جب ان دونوں نقصانوں سے خالی ہو تو چچا یا بھائی کا وُہ کیا ہوا نکاح نافذ و صحیح و تام ہوگا نہ لڑکی سے اذن لینے کی اُن کو حاجت نہ اطلاع دینے کی نہ وقتِ نکاح لڑکی کے وہاں موجود ہونے کی، یہ سب بے ضرورت امور ہیں۔ درمختار میں ہے:

للولی انکاح الصغیر والصغیرۃ جبرا۔[1] باپ دادا کو نابالغہ پر جبری نکاح کی ولایت ہے (ت)

اُسی میں ہے:

لو زوجہا الاقرب حیث ھو جاز النکاح۔[2] اقرب جہاں بھی نکاح کرے جائز ہوگا۔ (ت)

ماں یا ماموں کو اس نکاح پر اصلاً اعتراض نہیں پہنچ سکتا، ہاں لڑکی کہ دوشیزہ ہے اگر بالغہ ہوتے ہی معاً کہہ دے گی کہ میں اس نکاح سے راضی نہیں، یا اوّل سے اسے اطلاعِ نکاح نہ تھی تو بعد بلوغ جس وقت خبر پائی فوراً نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کرے تو اس صورت میں البتہ خود اس کو اختیار ہوگا کہ حاکمِ شرع کے حضور رجوع کرکے چچا یا بھائی کا کیا ہُوا نکاح فسخ کرالے۔ درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیر الاب وابیہ ان کان من کفو وبمھر المثل صح ولھما ای لصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ بشرط القضاء للفسخ ویطل خیار البکر بالسکوت لو عالمۃ بالنکاح ولایمتد الی اٰخر المجلس۔[3]

اگر نکاح دینے والا باپ دادا نہ ہو تو کفو اور مہرِ مثل کی صورت میں نکاح صحیح ہے لیکن نابالغ اور نابالغہ کو بلوغ پر یا بلوغ کے بعد علم ہونے پر بشرطِ قضاء فسخ کا اختیار ہوگا، اور بالغہ باکرہ کا اختیار اس کو علم ہو جانے پر سکوت کی وجہ سے باطل ہو جائے گا، اور مجلس کے اختتام تک یہ اختیار باقی نہ رہے گا (ت)

ہاں چچا یا بھائی جس سے نکاح کردیں اگر وہ بمعنی مذکور دختر کا کفو نہ ہو اگرچہ ہم قوم ہو یا مہرِ مثل میں کمی فاحش کریں تو سرے سے نکاح ہوگا ہی نہیں۔ درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیرھما لایصح النکاح اگر غیر باپ دادا نے نابالغہ کا نکاح غیر کفو یا انتہائی

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲
[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/۱۹۴
[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/۹۳-۱۹۲

من غیر کفؤ او بغبن فاحش اصلا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کم مہر سے دیا تو بالکل جائز نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

باپ کی اجازت تحریری کی عبارت محتاج نظر ہے، دیکھا جائے کیا لکھا ہے اور اب اس کا کیا اثر ہے اور اس کی چنداں حاجت بھی نہیں کہ ولی شرعی موجود ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۶۷: مسئولہ محمد صبور صاحب ولد منشی محمد ظہور صاحب مرحوم مغفور ساکن بریلی محلہ پل قاضی ۱۲ صفر ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بیوہ عورت نے ایسے رنڈوے شخص کے ساتھ نکاح کیا کہ جس کے دو لڑکے زوجہ اولٰی سے تھے اب ان زن وشو سے ایک دختر پیدا ہوئی بعدہ اس شوہر ثانی کا انتقال ہوگیا، زاں بعد اس بیوہ عورت نے پھر اپنا نکاح کرلیا اب وہ لڑکی جو شوہر ثانی سے پیدا ہوئی تھی نابالغ ہے کہ جس کا نکاح اس عورت اور حال کے تیسرے شوہر نے ایک نابالغ لڑکے کے ساتھ بموجودگی اس کے والدین کے کردیا کہ جس کے اندر ابتدار قرار داد نسبت میں قبل از نکاح دوسرے شوہر کے دونوں لڑکوں کا بھی مشورہ رضامندی تھا لیکن وقت نکاح کے یہ دونوں لڑکے موجود نہ تھے اب یہ دونوں لڑکے اس نکاح سے نارضامند ہیں، آیا یہ نکاح جائز طریقہ سے ہوا یا ناجائز طور پر؟ اور اب قابل رہنے کے ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

شوہر دوم یعنی پدر دختر کے دونوں لڑکے کہ زوجہ اولٰی سے ہیں اگر بالغ ہیں اس دختر کے ولی ہیں، اگر ان دونوں یا ان میں ایک نے پیش از نکاح عورت کے شوہر سوم یا خود عورت کو اس دختر کا نکاح اس نابالغ کے ساتھ کرنے کی اجازت دی تھی اور وہ نابالغ اس دختر کا کفو تھا یعنی نسب وغیرہ میں ایسا کم نہ تھا جس کے سبب اس سے نکاح اس دختر کے اولیاء کے لئے باعثِ ننگ وعار ہو تو یہ نکاح صحیح وجائز ونافذ واقع ہوا اور بلاوجہ صحیح شرعی اب ان لڑکوں کی ناراضی معتبر نہیں،

فان من سعی فی نقض ماتم من جھتہ فسعیہ مردود علیہ۔

جو اپنے تام کیے ہوئے معاملہ کو توڑنے کی کوشش کرے تو اس کی یہ کوشش مردود ہے۔ (ت)

ہاں دختر کو اختیار رہوگا کہ اگر پسند نہ کرے تو بالغہ ہوتے ہی معًا انکار کردے نکاح فسخ کرادیا جائے گا لانہ غیراب وجد (کیونکہ یہ غیر باپ دادا ہیں۔ ت) اور اگر لڑکوں نے ان کو نکاح کرنے کی اجازت نہ دی تھی اگرچہ وقت مشورہ اپنی رضامندی ظاہر کی تھی تو یہ نکاح کہ دختر کی ماں اور اس کے شوہر سوم نے بے اجازت اولیاء کیا اجازت اولیاء پر موقوف رہا ان لڑکوں نے خبر نکاح سن کر اگر کوئی کلمہ رضا کہہ دیا یا کوئی فعل

ف درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

کہ رضا پر دال ہو گیا تو نکاح نافذ ہو گیا اور اب ان کی نارضامندی بلا وجہ صحیح شرعی معتبر نہیں بلکہ وہی بحال بلوغ دختر کو اختیار انکار تو دعوٰی فسخ ہوگا اور اگر کوئی قول وفعل رضا کا بعد نکاح اُن سے صادر نہ ہوا تھا کہ انھوں نے اُسے رَد کر دیا تو نکاح رَد ہو گیا اور اب یہ دختر اس سے محض اجنبیہ ہے اور اگر وہ لڑکا اس عورت کا کفو نہیں یعنی کوئی ایسی کمی رکھتا ہے جس سے اُس کے ساتھ نکاح اولیائے دختر کے لئے باعثِ بدنامی ومطعونی ہو تو یہ نکاح سرے سے ہُوا ہی نہیں اگرچہ خود لڑکوں نے کیا ہوتا اگرچہ دختر بعد بلوغ اس پر راضی ہوتی،

لانہ یفتی فی غیر الکفو بعدم الصحۃ اصلا لفساد الزمان[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ زمانہ کے فساد کی وجہ سے غیر باپ دادا کا دیا ہُوا نکاح غیر کفو اور غیر مہر مثل میں بالکل صحیح نہ ہوگا، اسی پر فتوٰی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۶۸: از بدایوں براہم پور مرسلہ عظیم اللہ خاں صاحب ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید پدر ہندہ نابالغہ کو بکر نے ازراہِ فریب یہ تیقن دلایا کہ خالد اس کا ہم قوم اور شریف الخاندان ہے اور اس طرح زید کو اس امر کی ترغیب دی کہ وہ اپنی نابالغہ دختر ہندہ کا نکاح خالد نابالغ سے کرے، چنانچہ خالد کے ساتھ زید نے اپنی دختر نابالغہ کا عقد کرا دیا ہندہ بعد عقد خالد کے ماموں زاد ہمشیر کے گھر جس کے زیر پرورش خالد بیان کیا گیا تھا رہی، صغیرہ ہندہ کو اب علم اس بات کا ہُوا کہ خالد اس کا ہم قوم وکفو نہیں ہے بلکہ ولد الحرام ذلیل قوم ہے تو ہندہ نے خالد کو اپنا شوہر نہیں جانا اور نہ اس کے پاس آئی گئی اور معاہدہ نکاح جو مرتب ہُوا تھا بوقتِ بلوغ فسخ کر دیا، یہ انفساخ مطابق شرع محمدی ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

ہاں صورتِ مستفسرہ میں نکاح فسخ کیا جائے گا یعنی ہندہ کو اختیار دعوے اور بعد دعوٰی حکماً فسخ ہوگا قاضیخاں وفتح القدیر وبزازیہ وردالمحتار وغیرہ میں ہے:

زوج بنتہ من رجل ظنہ مصلحا لایشرب مسکرا فاذا ھو مدمن فقالت بعد الکبر لا ارضی بالنکاح ان لم یکن ابوھا یشرب المسکر

کسی شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح ایسے شخص کو دیا جس کے متعلق باپ کو گمان تھا کہ صالح ہے اور شراب نہیں پیتا تو بعد کو معلوم ہُوا کہ وہ شراب کا عادی ہے، بیٹی نے بلوغ پر باپ کے کیے ہُوئے نکاح کے بارے میں کہا کہ میں راضی

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

ولا عرف به و غلبة اهل بیتها مصلحون فالنکاح باطل بالاتفاق[1] اھ۔

نہیں ہوں تو اگر باپ شرابی نہیں اور لڑکی کا خاندان غالب طور پر صالح لوگ ہیں تو بالاتفاق یہ نکاح باطل ہے اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

معناہ انه سیبطل کما فی الذخیرۃ لان المسألة مفروضة فیما اذا لم ترض البنت بعد ماکبرت کما صرح به فی الخانیة والذخیرۃ وغیرھما وعلیه یحمل ما فی القنیة زوج بنته الصغیرۃ من رجل ظنه حرالاصل وکان معتقاً فھو باطل بالاتفاق اھ وعلم من عبارۃ القنیة انه لافرق فی عدم الکفاءۃ بسبب الفسق اوغیرہ حتی لو زوجها من فقیر او ذی حرفة ولم یکن کفوالها لم یصح افادہ فی البحر[2]۔

اس کا معنی یہ ہے کہ وہ باطل کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ ذخیرہ میں ہے، کیونکہ مسئلہ کی صورت اس مفروضہ پر ہے کہ لڑکی نے بالغ ہونے کے بعد عدم رضا کا اظہار کیا ہو جیسا کہ ذخیرہ اور خانیہ وغیرہما میں اس کی تصریح کی ہے، اور قنیہ کے اس مسئلہ کو کسی نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح ایسے شخص سے کردیا جس کے بارے میں اسے گمان تھا کہ یہ اصلی آزاد ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کسی کا آزاد کردہ ہے، تو یہ نکاح بالاتفاق باطل ہے بھی اسی پر محمول کیا جائے گا اھ اور قنیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر کفو فسق یا کسی اور وجہ سے ہو دونوں میں فرق نہیں، حتی کہ کسی نے نابالغہ کا نکاح فقیر یا کسی کسبی سے کردیا اور یہ کفو نہ تھا، تو بھی نکاح صحیح نہ ہوگا، اس کا افادہ بحر میں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

الفرقة ان من قبلها ففسخ وان من قبله فطلاق وشرط للکل القضاء الا ثمانیة[3]۔

اگر لڑکی کی طرف سے تفریق کی وجہ ہے تو فسخ ہوگا، اور اگر خاوند کی طرف سے ہو تو وہ طلاق ہے اور ہر صورت میں قضا شرط ہے ماسوائے آٹھ صورتوں کے۔ (ت)

[1] ردالمحتار — باب الکفاءۃ — داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۱
فتاوٰی قاضی خاں — فصل فی الکفاءۃ — مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۶۲
فتح القدیر — " " — مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۹۵
[2] ردالمحتار — باب الولی — داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۵
[3] درمختار — " — مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

خانیہ میں ہے :

لایکون الفسخ لعدم الکفاءۃ الا عند القاضی لانہ مجتہد فیہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم

کفو نہ ہونے کی بنا پر فسخ صرف قاضی کے ہاں ہی ہوسکتا ہے کیونکہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے اھ (ت)

مسئلہ ۳۶۹: مسئولہ خان بہادر مولوی محمد خلیل اللہ خاں ڈاک خانہ گولہ ضلع کھیری

مسماۃ ہندہ نے انتقال کیا اور اولاد دختری سے دو لڑکیاں چھوڑیں۔ وقت انتقال مسماۃ مذکورہ کی لڑکیوں نے اپنے حقیقی نانا کی پرورش ہر قسم کی اس وقت تک پائی، دختران کی عمر سنِ بلوغت کو پہنچی ہے۔ والد لڑکیوں کا اپنے وطن میں موجود ہے اور کسی قسم کی امداد پرورش دختران مذکور نہیں کرتا۔ والد والدہ دختران مذکور کا شادی کا انتظام کرتا ہے تو والد منع آتا ہے، والد شریک شادی دختران مذکور بوجہ اس کے کہ صرف شادی سے علیحدہ رہے، نہیں ہوتا ہے، تو ایسی حالت میں حقیقی نانا بحیثیت ولی کے نکاح کرسکتا ہے اگر نکاح دختران مذکور کا حقیقی نانا ایسی حالت مذکورہ میں کردے تو کیا مناسب ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

لڑکیاں جبکہ بالغہ ہوگئیں ان پر ولایت جبریہ کسی کی نہ رہی، اُن کی رضا سے جو نکاح ان کا ہو صرف دو حالت میں ولی یعنی ان کے باپ کو اُن پر اعتراض کا حق ہوگا۔ اول یہ کہ جس سے نکاح کیا جائے وہ اس دختر کا کفو نہ یعنی نسب یا مذہب یا چال چلن یا پیشہ وغیرہ کسی بات میں اُس سے اتنا کم ہو کہ اس سے نکاح ہونا پدر دختر کے لئے باعثِ ننگ و عار ہو، اس صورت میں تو جب تک باپ پیش از نکاح اُس شخص کو غیر کفو جان کر صراحۃً اجازت نہ دے نکاح ہوگا ہی نہیں محض باطل ہوگا۔ دوم یہ کہ دختروں کے مہر میں کمی فاحش کی جائے مثلاً اُس کا مہر مثل ہزار روپے ہو اور پانسو باندھا جائے، اس صورت میں باپ کو اعتراض کا حق ہوگا یہاں تک کہ شوہر مہر پورا کرے اور جب ان صورتوں سے پاک ہو یعنی جس سے نکاح کیا جائے وہ نسب و مذہب وغیرہ میں دختر سے ایسا کم بھی نہ ہو کہ اس سے نکاح ہونا پدر دختر کے لئے باعث مطعونی و بدنامی ہو، اور مہر مثل میں بھی کمی فاحش نہ کی جائے، تو لڑکیوں کی اجازت سے نانا کا ایسا کیا ہوا نکاح صحیح و تام و نافذ و لازم ہوگا جس پر پدر دختران کو کوئی اعتراض نہیں پہنچتا۔ درمختار میں ہے :

لا تجبر البالغۃ البکر علی النکاح لانقطاع الولایۃ بالبلوغ[2]۔

باکرہ بالغہ پر ولایت اجبار نہیں کیونکہ اس کے بالغ ہوجانے پر یہ ولایت ختم ہوچکی ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکفارۃ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۶۲

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

اسی میں ہے :

نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضی ولی وله اذا کان عصبۃ الاعتراض فی غیر الکفو ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا۔[۱]

آزاد عاقلہ بالغہ کا اپنا کیا ہُوا نکاح ولی کی رضا کے بغیر بھی نافذ ہوگا، ولی اگر عصبہ ہو تو اس کو غیر کفو کی صورت میں اعتراض کا حق ہے اور غیر کفو میں نکاح کے عدمِ جواز کا فتوٰی دیا جائے گا۔ (ت)

اسی میں ہے :

لو نکحت باقل من مھرھا فللولی العصبۃ الاعتراض حتی یتم مھر مثلھا ویفرق القاضی بینھما دفعا للعار۔[۲] واللہ تعالٰی اعلم

اگر لڑکی نے انتہائی کم مہر پر اپنا نکاح کیا ہو تو ولی عصبہ کو حقِ اعتراض ہے حتی کہ مہر مثل پورا کریں، اور قاضی ولی کی عار کو ختم کرنے کے لئے نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۷: از موضع سانڈھن ڈاکخانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مرسلہ محبوب احمد صاحب ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

والدِ ہندہ نابالغہ کے فوت ہونے پر ہندہ کے شرعی وارث موجود ہیں مگر وُہ ولی بننے سے انکار کرتے ہیں ہندہ کی ماں حقیقی جس نے اب عقدِ ثانی کر لیا ہے وہ یا اس کا شوہرِ ثانی ولی بن سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

ولی بننا نہ بننا اپنا اختیاری نہیں، جس کو شرعِ مطہر نے ولی کیا وُہ ولی ہے اس کے انکار سے کچھ نہیں ہوتا، ہاں اگر صُورت یہ ہے کہ کفو موجود ہے اور ولی بلا وجہ شرعی اس کے نکاح کرنے سے انکار کرتا ہے اور اُس انکار میں کفو کے فوت ہونے کا اندیشہ صحیح ہے تو جو ولی ابعد ہے اگرچہ ماں ہو اگرچہ نکاح کر چکی ہو وُہ وہاں کے عالم دین سُنّی صحیح العقیدہ کے صوابدید سے نابالغ کا نکاح کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۸: از افضل گڑھ ضلع بجنور محلہ قاضی سرائے مرسلہ راغب الدین صاحب ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے ہندہ سے نکاح کیا، ایک دختر پیدا ہوئی، جب عمر دختر کی تین سال کی ہُوئی زید نے ہندہ کو طلاق دی، وُہ دختر بھی ہندہ کے پاس رہی، بعد ختم ہونے عدت کے ہندہ نے اپنا نکاح بکر سے کیا، جب دختر کی عمر قریب نو سال کے ہُوئی تب اُس کا نکاح ہندہ اور بکر نے ایک سے کر دیا وُہ شخص بالکل اسلام سے

---

[۱] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[۲] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

واقف نہیں، نہ روزہ رمضان شریف نہ نماز کبھی ادا کرتا ہے، اب عمر دختر کی پندرہ سال ہے، وہ پابندِ صوم وصلوٰۃ ہے اور کلام مجید اور دو چار کتاب مسائل کی جانتی ہے وُہ اس کے یہاں رہنا نہیں چاہتی، اور ولی اصلی زندہ ہے اس نے اجازتِ نکاح نہیں دی، یہ نکاح عندالشرع درست ہے یا نہیں؟

الجواب

اتنے گول سوال کا کوئی جواب نہیں ہوسکتا، نکاح بکر و ہندہ نے کیا، اُس وقت لڑکی نوبرس کی تھی، معلوم ہونا چاہئے کہ بالغہ تھی یا نابالغہ، نوبرس کی لڑکی بھی بالغہ ہوسکتی ہے، اس نکاح کی خبر زید کو کب پہنچی، اور اُس نے اُس وقت یا اُس کے بعد کیا کہا، وہ لفظ لکھے جائیں، رخصت کس کے اختیار سے ہُوئی، شوہر کے یہاں سے باپ کے یہاں بھی آنا جانا رہا یا نہیں، لڑکی اگر اُس وقت نابالغہ تھی تو کب بالغہ ہُوئی، اس کو کتنا زمانہ گزرا پھر وُہ جو شوہر کے یہاں نہیں رہنا چاہتی یہ کتنے زمانہ سے ہے، اور یہ کراہت صرف قلب سے ہے یا زبان سے بھی کچھ کہا، کہا تو کیا لفظ کہے اور کب کہے، شوہر سے اس کے کوئی اولاد بھی ہُوئی یا نہیں، ان سب باتوں کا مفصل جواب لکھنے پر حکم لکھا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۷: از چھاؤنی ملتان مرسلہ کریم بخش صاحب خانساماں ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

حسین بخش خانساماں کی دختر کی شادی پیر بخش خانساماں از کوہ سپاٹو ضلع شملہ عرصہ گیارہ بارہ برس کا ہوا کہ جس وقت برخورداری کی نسبت پیر بخش خانساماں کے ساتھ بندوبست کیا گیا تھا تو اُس وقت پیر بخش خانساماں کی پہلی زوجہ جو کہ شادی کی ہے بسبب نہ اولاد ہونے کے دوسری شادی کا انتظام کیا دختر حسین بخش کے ساتھ، پیر بخش اقرار گھر دامادی کا کیا جو رجسٹر مسجد کوہ سپاٹو ضلع شملہ میں موجود ہے، اور پیش امام مسجد کے جنھوں نے نکاح پڑھایا تھا وُہ بھی اسی وقت موجود ہیں، جس وقت نکاح وغیرہ سے فارغ ہوئے تو دوسرے دن پیر بخش نے جھگڑنا شروع کیا کہ میری زوجہ میرے ہمراہ بھیج دو، لڑکی کے والدین نے پنچ کی رُو سے انکار کیا کہ چند عرصہ تم ہمارے ہمراہ رہو جب تمھاری بی بی کی رضا تمھارے ساتھ جانے کی ہولے جاؤ، اس شخص نے اصرار کیا کہ میرے ہمراہ ابھی بھیج دو، یعنی شروع سے جھگڑا یہاں کئی ایک ماہ ان کا جھگڑا رہا، چند عرصہ کے بعد جو کہ زوجہ پیر بخش کا چھوٹا بھائی تھا اس نے فیصلہ کیا کہ پیر بخش کی زوجہ کو پیر بخش کے ہمراہ کردیا، بعد عرصہ کے لڑکی حمل سے ہوئی تو اپنی ماں کے پاس آئی، لڑکی پیدا ہُوئی جو اس وقت تیرہ چودہ برس کی ہے، جس وقت لڑکی دو ماہ کی ہُوئی تو زوجہ پیر بخش اپنے خاوند کے ساتھ چلی گئی، بہ سبب نا اتفاقی ان دونوں عورتوں میں جھگڑا رہا، چھ ماہ کے بعد زوجہ پیر بخش پھر اپنے والدین کے پاس آگئی پھر ان کا اتفاق کردیا گیا، پھر زوجہ پیر بخش اپنے خاوند کے ہمراہ چلی گئی، عرصہ تین ماہ بعد پھر واپس بھیج دی، پیر بخش کے پھر بعد کو لڑکا پیدا ہوا جو کہ عمر گیارہ بارہ برس کا ہے، نہ تو اس شخص

نے کھانا کپڑا دیا نہ اپنے بچوں کو لے گیا، چار دفعہ پنچایت میں فیصلہ ہوا کہ جو کچھ زر بچوں کی پرورش کرنے میں ہوا وہ ادا کر دو اور اپنے بال بچوں کو لے جاؤ، مگر یہ شخص پنچوں میں بھی اقرار کر گیا وہ پورا نہ کیا نہ جواب دیا یعنی بہتیرا اچھا اس شخص کو سمجھایا گیا لیکن اس عرصہ گیارہ بارہ برس میں کوئی خیال نہ کیا، پچھلے سال اس لڑکی کے ماموں نے منگنی بھی کر دی اس وقت بھی کوئی خیال نہ کیا بلکہ خود جا کر لڑکی کے ماموں نے کہا کہ یا تو تم لڑکی کی شادی کر دو اگر تم لڑکی کی شادی نہیں کر سکتے تو تم لادعوٰی ہو، کوئی جواب نہیں دیا، اب لڑکی کے ماموں نے چاہا کہ شادی کر دی جائے، تو پیر بخش نے اپنے خسر کے نام نوٹس دی کہ تم لڑکی کی شادی نہ کرنا ورنہ ہم کچہری میں دعوٰی کریں گے آپ کی زیرباری ہوگی اس لڑکی کا ماموں ملتان گیا پیچھے نوٹس دی، اس گیارہ بارہ برس کے اندر ایک پیسہ اپنے بال بچوں کو نہیں دیا گواہ موجود ہیں، یہ فیصلہ آپ کے پاس بھیجا جاتا ہے کہ آپ شریعت کی رُو سے فتوٰی عنایت فرمائیں۔

الجواب

لڑکی بالغہ ہے یعنی اُسے ماہواری عارضہ آتا ہے جب تو نکاح میں خود لڑکی کی اجازت کافی ہے بشرطیکہ کسی غیر کفو سے نکاح نہ ہو، یعنی ایسے سے نہ ہو جو مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں اتنا کم ہو جس سے نکاح اس دختر کا پیر بخش کے لئے باعثِ ننگ و عار ہو، اور اگر لڑکی نابالغہ ہے تو نہ دراُس کے باپ کی اجازت درکار ہے بے اُس کی اجازت کے اگر نانا یا ماموں یا کوئی نکاح کر دے گا تو پیر بخش کی اجازت پر موقوف رہے گا وُہ جائز کر دے گا جائز ہو جائے گا رَد کر دے گا باطل ہو جائے گا، ہاں اگر کفو کے ملتے ہُوئے پیر بخش نکاح میں تاخیر کثیر کرے جس سے ضرر کا اندیشہ ہو نہ آپ نکاح کرے نہ دوسرے کو اجازت دے تو اُس وقت پیر بخش سے اُتر کر نابالغہ کا جو ولی ہوگا مثلاً دادا پھر سگا بھائی پھر سوتیلا پھر سگا بھتیجا پھر سوتیلا پھر سگا چچا پھر سوتیلا پھر سگے چچا کا بیٹا پھر سوتیلے کا، غرض دادا کی اولاد میں کوئی مرد عاقل بالغ کہ باپ کے بعد اُس سے قریب تر کوئی نہ ہو اسے اختیار ہوگا کہ لڑکی کا نکاح کسی کفو بمعنی مذکور سے کر دے اور اُس وقت باپ کو اعتراض کا کوئی حق نہ ہوگا اگر دادا پردادا دُور و نزدیک کی اولاد قریب و بعید میں کوئی ایسا مرد نہ ہو اُس وقت ماں کو اختیار ملے گا۔

دُرمختار میں ہے:

ان لم تکن عصبۃ فالولایۃ للام[1]۔ اگر عصبات نہ ہوں تو ولایت ماں کو حاصل ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

یثبت للابعد التزویج بعضل الاقرب اقرب کے نکاح نہ کرنے پر ابعد کو نکاح دینے کا

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

ای بامتناعه عن التزویج اجماعا خلاصۃ۔ | بالاجماع اختیار ثابت ہے، خلاصہ۔ (ت)

رد المحتار میں ہے:

بامتناعه عن التزویج من کفؤ بمهر المثل اما لو امتنع عن غیر الکفؤ او لکون المهر اقل من مهر المثل فلیس بعاضل[2]۔

مہرِ مثل اور کفو میں اقرب کے نکاح نہ کرنے پر ابعد کو اختیار ہے ورنہ اگر اقرب کم مہر اور غیر کفو میں نکاح سے انکار کرے تو پھر اس کو مانع قرار دینا درست نہیں ہے۔ (ت)

یہاں ضرر سے مراد یہ ہے کہ کفو ملتا ہو اور اس کے ساتھ اس نابالغہ کا نکاح کسی وجہ سے خلافِ مصلحت نہ ہو مہرِ مثل بھی پورا دینے کا کہتا ہو اور بلاوجہ باپ نہ مانے اور نکاح نہ کرے نہ کوئی دوسرا کفو موجود ہو جس سے وہ نکاح کرنا چاہتا ہو تو اس حالت میں اور جو اولیا ہم نے شمار کئے اُن میں سے جو قریب تر ہو اُس سُنّی دیندار عالم کی رائے سے جو وہاں سب سے زیادہ فقیہ ہو اس کفو موجود سے مہرِ مثل یا اُس سے زائد پر نکاح کردے،

وذٰلك لانهم اختلفوا فی المراد بالابعد الذی یثبت له التزویج بعضل الاقرب فذهب فی شرح الوهبانیة ان المراد اولیاء النسب وبه جزم فی البحر ونقله فی الدر ثم استدرك علیه بما فی القهستانی عن الغیاثی لو لم یزوج الاقرب زوج القاضی عند فوت الکفؤ[3] اھ قال ش ای خوف فوته[4] ثم نقل عن رسالة العلامة الشرنبلالی کشف المعضل فیمن عزل نصوصا وافرة متظافرة علی

یہ اس لئے کہ اس ابعد کے بارے جن کو اقرب کے انکار پر نکاح دینے کا جواز ہے میں فقہاء کا اختلاف ہے وہبانیہ میں اس طرف رجحان ہے کہ ابعد اولیائے سے مراد نسبی اولیاء ہیں اور بحر میں اسی پر جزم کیا ہے، اور دُر میں اس کو نقل کیا اور پھر اس پر استدراک کرتے ہُوئے قہستانی میں غیاثی کے حوالہ سے کہا کہ اگر اقرب نکاح نہ دے تو کفو کے فوت ہونے کی صورت میں قاضی نکاح کر دے اھ شارح نے کہا کہ کفو کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو قاضی نکاح کردے۔ پھر انھوں نے علامہ شرنبلالی کے رسالہ کشف المعضل فیمن عزل

---

[1] درمختار | باب الولی | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۴
[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث بیروت | ۲/۳۱۶
[3] درمختار | " | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۴
[4] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث بیروت | ۲/۳۱۶

ان المراد بالابعد القاضي ولاقاضي ھٰھنا فقد تدارکنا بما ذکرنا من جمیع النظرین، واللہ المستعان واللہ تعالٰی اعلم۔

سے بہت سی نصوص نقل کیں کہ ابعد سے مراد قاضی ہے اور یہاں قاضی نہیں ہے اس لئے ہم نے نقصان کا تدارک کرتے ہُوئے مذکور اولیاء کو ذکر کیا ہے تاکہ دونوں مصلحتیں جمع ہوجائیں، اور اللہ تعالٰی سے ہی امداد طلب کی جاتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۷۳: از موضع بکیا ڈاک خانہ بانکی ضلع ڈالٹن گنج مرسلہ سید منہاج الحق صاحب احراری ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

ہندہ کے شوہر نے قضا کیا اور عمرو سے بیوہ کا ناجائز تعلق ہُوا، بعد خبر پانے کے بکر جو ہندہ کا چچا ہے بسا سرزنش گھر میں بند رکھا اور کچھ دنوں باہر نکلنے نہ دیا اور بزور اپنے لڑکے زید سے جس کی بی بی موجود ہے بے رضامندی جو بخوفِ ہلاکت ہندہ نے قبول کیا نکاح کردیا، وکیل نکاح واقعہ معلومہ نے بمقابلہ شاہدین اجمل جو چچا زاد بھائی بیوہ کے ہیں برضامندی اجازت عقدِ نکاح چاہی، بخوفِ جان ہندہ نے قبول کیا اور اذن دیا، بعد دو چار ماہ کے موقع وقت پاکر عمرو کے یہاں چلی آئی اور ہنوز اس کے مکان میں موجود ہے، ہندہ سے بمقابلہ چند گواہان پُوچھا گیا حلفاً بیان کیا کہ ہم کو ہرگز ہرگز منظور نہ تھا جبر سے بکر وغیرہ کے جو دھمکی ہلاکت دیا تھا اقبال کیا بعدہٗ ہم دونوں کو یعنی ناکحین کو لوگوں نے ایک مکان میں بند کردیا، چنانچہ خلوتِ صحیحہ بھی اسی قاعدہ مسطورہ صدر سے ہوا پس صورتِ مستفسرہ میں امیدوار جواب باصواب کا ہوں، ایسا نکاح جائز ہوسکتا ہے یا نہیں کیونکہ ہندہ نے اقرار زبانی کیا دلی حالت کسی کو معلوم نہیں، صورتِ مذکورہ بالا میں طلاق کی بھی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ حسب بیان وخواہشِ ہندہ بلغیر طلاق عمرو سے نکاح یا بعد طلاق وعدت؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر واقعی اکراہ ومجبوری کی صورت نہ تھی صرف دھمکی تھی اور اسے بھی صحیح طور پر اندیشہ جان نہ تھا جب تو وہ اذن صحیح ہوگیا اور اگر اس وقت واقعی اکراہ تھا اور شوہر کے پاس جانا بلا اکراہ ہوا تو اگر پہلے نہ بھی تھی اب ہوگئی۔ ان دونوں صورتوں میں نکاح ہوگیا اور بغیر موت یا طلاق شوہر وانقضائے عدت دوسرے سے نکاح نہیں ہوسکتا، اور جانا بھی باکراہ تھا اور جیسا کہ ہندہ کا بیان ہے خلوت بھی باکراہ ہُوئی تو یہ مسئلہ شدید الاشکال ہے کتابوں میں اس کا جزئیہ کہیں نہیں، علامہ خیرالدین رملی کی نظر حاشیۂ بحرالرائق میں صحت توکیل کی طرف گئی اور حاشیہ منح الغفار میں عدمِ جواز کی طرف علامہ شامی نے کتاب الاکراہ میں اول کی طرف میل فرمایا اور آخر میں بھی لکھا کہ:

الحاصل ان المحل محتاج الی زیادۃ

حاصل یہ کہ یہ مقام زیادہ تحریر وتحقیق کا محتاج ہے

التحریر وھذا غایۃ ماوصل الیہ فھمنا القاصر، واللہ تعالٰی اعلم۔

اور جہاں ہمارا قاصر فہم پہنچا وُہ یہی ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

فقیر نے اُس پر اپنی تعلیقات میں اُن کی ابحاث سے جواب دئے اور تعلیقات کتاب الطلاق میں اوّلاً وجوہِ جواز لکھ کر انھیں رَد کیا اور عدمِ جواز کی ترجیح بیان کی اور آخر میں یہی لکھا کہ :

بالجملۃ محل اشتباہ ولابدمن تحریر فوق ذٰلك، واللہ تعالٰی اعلم۔

غرض یہ کہ محلِ اشتباہ ہے تو اس کی صفائی کے لئے اس سے زائد تحقیق کی ضرورت ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

ایسی شدید مشتبہ حالت میں بھی احتیاط یہی ہے کہ بلا طلاق ومرورِ عدت نکاح ثانی کی جرأت نہ کی جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۷۴: از شہسرام ضلع گیا مرسلہ حکیم سراج الدین احمد صاحب ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

نابالغ کے نکاح میں اُس کے ولی سے ایجاب کرانے کی نوبت پہنچے گی تب تعیّن مہر بحیثیت ولی کے ہوگی پس بعد بلوغ اقبال سے وُہ نابالغ اُس مہر کے ناراض ہو اور انکار کرے تو کیا حکم ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

وُہ ولی جس نے نابالغ کا نکاح کیا اس کا باپ یا باپ نہ ہونے کی حالت میں دادا ہے ایسا جو اس سے پہلے کوئی نکاح اپنی ولایت سے مہر میں ایسے فرق کثیر یا غیر کفو سے نہ کرچکا ہو نہ اس نکاح کے وقت نشہ میں ہو جب تو نکاح صحیح اور یہی مہر لازم ہوگیا، نابالغ کو کسی وقت کوئی حقِ اعتراض نہیں، اور اگر نکاح کرنے والا اَب و جَد کے سوا اور کوئی ولی ہے یا اَب و جَد ہیں اور اُس وقت نشہ میں تھے یا اس سے پہلے بھی کوئی نکاح اپنی ولایت سے ایسا کرچکے تھے اور مہر میں مہرِ مثل سے فرق کثیر ہے مثلاً پسر کا نکاح ہے اور عورت کا مہرِ مثل دس ہزار تھا انھوں نے پندرہ ہزار بندھوایا یا دختر کا نکاح ہے اور مہرِ مثل دس ہزار تھا انھوں نے پانچ ہزار بندھوایا تو اس صورت میں نکاح سرے سے ہوگا ہی نہیں فسخ کی کیا حاجت ہے ، اور اگر فرق فاحش نہیں مثلاً پسر کے نکاح میں دس ہزار کا گیارہ ہزار یا دختر کے نکاح میں دس ہزار کا نوہزار، تو نکاح ہوگیا، پھر اگر وہ ولی جس نے نکاح کیا غیر اَب و جَد ہے تو صغیر وصغیرہ کو خیارِ بلوغ ملے گا جو غیر اَب و جَد کے نکاح کرنے میں مطلقاً ملتا ہے اگرچہ مہرِ مثل میں کوئی کمی بیشی نہ ہُوئی ہو، صغیرہ اگر بکر ہے تو بالغہ ہوتے ہی فوراً یا اس کے بعد علم نکاح ہو تو علم پاتے ہی معاً اگر اُس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کرے گی تو دعوٰی کرکے قاضی سے فسخ کراسکے گی، اور صغیرہ اگر ثیب ہے یا صغیرہ کا نکاح ہے تو انھیں بعد بلوغ مطلقاً اختیارِ اعتراض رہے گا جب تک صراحۃً

اپنی رضا ظاہر نہ کریں یا کوئی فعل ایسا نہ کریں مثلاً بوسہ وکنار جو رضا پر دلیل ہو۔ درمختار میں ہے:

لزم النکاح ولو بغبن فاحش بنقص مهرها و زیادة مهره او بغیر کفؤ ان کان الولی المزوج ابا او جدا لم یعرف منهما سوء الاختیار وان عرف لا یصح النکاح اتفاقا وکذا لو کان سکران وان کان المزوج غیرهما لا یصح النکاح من غیر کفؤ او بغبن فاحش اصلا وان کان من کفؤ وبمهر المثل صح ولهما خیار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنکاح بعده وبطل خیار البکر بالسکوت عالمة بالنکاح ولا یمتد اٰخر المجلس وخیار الصغیر والثیب اذا بلغا لا یبطل بالسکوت بلا صریح رضا او دلالة کقبلة ولمس ولا بقیامها عن المجلس لان وقته العمر فیبقی حتی یوجد الرضا[1] اھ ملتقطا۔

اگر نکاح دینے والا باپ یا دادا ہو تو انتہائی کم یا زیادہ مہر یا غیر کفو میں نکاح لازم ہوجائے گا بشرطیکہ یہ باپ دادا سوءِ اختیار میں معروف نہ ہوں، اور اگر وہ اس میں معروف ہوں تو کم مہر اور غیر کفو میں ان کا دیا ہوا نکاح بالاتفاق صحیح نہ ہوگا اور ایسے ہی اگر وہ نشہ میں ہوں تو بھی صحیح نہ ہوگا، اور باپ دادا کا غیر نکاح دے تو غبن فاحش یعنی انتہائی کم مہر اور غیر کفو میں نکاح بالکل صحیح نہ ہوگا، اور اگر انھوں نے مہر مثل اور کفو میں کیا ہو تو صحیح ہوگا، لیکن نابالغ لڑکے اور لڑکی کو بالغ ہونے پر یا بلوغ کے بعد نکاح کے علم پر فسخ کا اختیار رہے گا، اور اگر لڑکی باکرہ بالغہ ہو تو غیر کے کئے ہوئے نکاح پر خاموشی سے اس کا خیارِ فسخ ختم ہوجائے گا بشرطیکہ اس کو اپنے نکاح کا علم ہو اور خاموشی کے بعد مجلس کے اختتام تک یہ اختیار باقی نہ رہے گا، اور نابالغ لڑکے اور ثیبہ کا اختیار محض خاموشی پر ختم نہ ہوگا جب تک بالغ ہونے پر صراحۃً اظہارِ رضامندی نہ کردیں، یا دلالۃً مثلاً بوس وکنار وغیرہ سے رضا ظاہر نہ ہوجائے اور ان دونوں کے اختیار والی مجلس سے اٹھ جانے سے بھی ان کا اختیار باطل نہ ہوگا، کیونکہ اظہارِ رضا کے لئے ان دونوں کو عمر بھر اختیار باقی رہتا ہے جب تک کہ راضی نہ ہوجائیں یا رد نہ کردیں اھ ملتقطاً (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

اذا زوج الرجل ابنه بامرأة باکثر من مهر مثلها او زوج ابنته الصغیرة باقل من مهر مثلها او وضعها فی غیر کفؤ

جب کوئی شخص اپنے بیٹے کا مہر مثل سے زائد مہر پر یا نابالغہ لڑکی کا مہر مثل سے کم مہر پر یا غیر کفو میں نکاح دے یا نابالغ بیٹے کا نکاح لونڈی سے یا غیر کفو والی

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳-۱۹۲

او زوج ابنۃ الصغیر امۃً او امرأۃ لیست بکفؤلہ جاز فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی وقال صاحباہ رحمہما اللہ تعالٰی لایجوز ان فاحش واجمعوا علی انہ لایجوز ذٰلک من غیرالاب والجد ولامن القاضی[1]

عورت سے کردے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے مطابق یہ نکاح جائز ہوگا، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے قول پر جائز نہ ہوگا، جبکہ باپ دادا کے غیر حتّٰی کہ قاضی کے دئے ہوئے یہ نکاح ناجائز ہونے پر اجماع ہے۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

لو زوج ولدہ من غیرکفؤ بان زوج ابنہ امۃً او اینتہ عبدا او زوج بغبن فاحش بان زوج البنت ونقص من مھرھا او زوج ابنہ و زاد علی مھر امرأتہ جاز عند ابی حنیفۃ تبیین وعندھما لاتجوز الزیادۃ والحط الا بما یتغابن الناس فیہ قال بعضھم فاما اصل النکاح فصحیح والاصح ان النکاح باطل عندھما کافی والخلاف فیما اذا لم یعرف سوء الاختیار الاب اما اذا عرف فالنکاح باطل اجماعًا وکذا اذا کان سکران السراج الوھاج[2] اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر اپنے بیٹے کا نکاح غیرکفو مثلاً لونڈی سے یا نابالغہ بیٹی کا نکاح غلام سے کردیا یا اس کا نکاح انتہائی کم مہر پر کردیا، یا بیٹے کا نکاح کرکے اس کی بیوی کا مہر زائد کردیا، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر جائز ہوگا، تبیین، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے قول پر اتنی زیادتی یا کمی پر نکاح کیا جو مروج کے مطابق نہ ہو تو یہ جائز نہیں ہے، بعض کے نزدیک صاحبین کے قول پر اصل نکاح صحیح ہوجاتا ہے مگر اصح یہ ہے کہ ان کے قول پر یہ نکاح باطل ہے، کافی، یہ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ باپ سوءِ اختیار سے معروف نہ ہو اور اس میں مشہور ہو تو بالاجماع باطل ہے، اور یوں ہی اگر وہ نشہ میں ہو تو بھی باطل ہے، سراج الوہاج، اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۵: از منڈیا ہو ضلع جونپور محلہ قضیانہ مرسلہ حافظ کریم بخش صاحب ۲۰ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

زید نے قضا کی اُس کا ایک حقیقی بھائی جو مدّتِ دراز سے علیحدہ رہتا ہے اور مرحوم سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتا تھا زندہ ہے، زید کی ایک لڑکی جو اب قریب بلوغ ہے اور اُس کی شادی برادری میں ۱۰ رجب المرجب کو

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الاولیاء نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۴

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس فی الاکفاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۹۴

ہونے والی ہے، اس لڑکی کی ایک سوتیلی ماں ہے جس نے اس کی پرورش کی اور شادی بھی کرتی ہے، زید کے حقیقی بھائی سے اُس نے اس کی شادی کے متعلق مدد چاہی کر تمام اہلِ برادری کے سامنے اس نے انکار کیا کہ میں نہ اس شادی میں شریک ہوں گا نہ مجھ سے کسی قسم کا واسطہ ہے جہاں چاہیں شادی کریں مجھ سے کوئی واسطہ نہیں، اس لئے سخت پریشانی ہے کہ اُس کی بیوہ سوتیلی ماں نے کل انتظام شادی کا کر لیا ہے خدانخواستہ اگر عین وقت مخل ہو تو اُس بیوہ کا سخت نقصان ہوگا گو امید نہیں ہے کہ وُہ ایسا کرے، کیونکہ اُس نے سب اہلِ برادری کے سامنے اپنی بے تعلقی بیان کیا ہے مگر احتیاطاً ضرورت ہے کہ علماء کی بھی سند موجود ہو، لڑکی کا ولی اُس کی بڑی بہن کا شوہر ہو سکتا ہے، اس کی بڑی بہن کا انتقال ہوچکا ہے اور دُوسری بہن مع شوہر موجود ہے اور سوتیلی ماں کے چار لڑکے اس کے باپ کے نُطفہ سے موجود ہیں جن میں سے دو کی عمر ۱۶، ۱۴ سال کی ہے اور ایک سوتیلی ماں ہے اور تمام اہلِ برادری ہیں ان میں اس کا ولی کون ہو سکتا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اس صورت میں اس نابالغہ لڑکی کے نکاح کا ولی نہ اس کا حقیقی چچا ہو سکتا ہے نہ بہن نہ بہنوئی نہ ماں بلکہ لڑکی کا سوتیلا بھائی کہ سولہ سال کا ہے اس کے نکاح کا ولی ہے، اور دُوسرا کہ چودہ سال کا ہے اگر وُہ بالغ ہے تو وُہ بھی ہے، دُرمختار وغیرہ میں ہے:

الولی فی النکاح العصبة بنفسه علی ترتیب الارث والحجب[1]۔ نکاح کا ولی عصبہ بنفسہٖ وراثت اور مانع ہونے کی ترتیب پر ہوتے ہیں (ت)

لہٰذا لڑکی کا نکاح کفو میں مہرِ مثل یا زائد پر جوان سوتیلے بھائی کی اجازت سے ہونا چاہئے، اگر ماں حقیقی بھی ہوتی تو اُس کا کیا ہُوا نکاح بھی اس بھائی کی اجازت پر موقوف رہتا۔ اور جبکہ اس بھائی کی اجازت سے ہو یا بعد نکاح قبل رَد یہ اسے جائز کردے اور نکاح میں مہرِ مثل سے کمی فاحش نہ کی گئی ہو اور جس سے نکاح ہُوا وُہ کفو ہو یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشے میں ایسا کم نہ ہو کہ اُس سے نکاح ان بھائیوں کے لئے وجہِ عار و بدنامی ہو تو وُہ نکاح صحیح ہو جائے گا اور چچا اس میں کسی طرح خلل انداز نہیں ہو سکتا، ہاں لڑکی کو اختیار ہوگا کہ بالغہ ہوتے ہی اگر فوراً اُس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کرے تو دعویٰ کرکے فسخ کرا سکے گی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۷۶: از بلگرام ضلع ہردوئی محلہ میدان پورہ مرسلہ سید محمد تقی صاحب قادری ۲۶ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی عمر چار پانچ سال کی تھی کہ اُس کے

---

[1] دُرمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

ماں باپ نے قضا کی اور ہندہ کو اس کی حقیقی نانی نے پرورش کیا جبکہ ہندہ کی عمر آٹھ سال کی ہُوئی تو اُس کی حقیقی نانی نے ہندہ کا عقد اپنے دوسرے نواسے کے ساتھ کردیا، گو ہندہ کے بھائی حقیقی تھے مگر اُس موقع پر موجود نہ تھے جبکہ اُس کا عقد اُس کی نانی نے کیا تھا، لہذا شادی ہونے کے بعد سے پانچ چھ برس کامل تک ہندہ کو نہ اُس کے شوہر نے روٹی کپڑا دیا اور نہ اُس کے ساس سسر نے، بدستور سابق ہندہ اپنی نانی کے پاس رہی اور اسی نے اس کو روٹی کپڑا دیا جبکہ ہندہ کی عمر چوّدہ سال کچھ ماہ کی ہُوئی اور اُس کو پہلا ایام ہوا، اُس وقت ہندہ مع اپنی نانی کے اپنے محلہ کے ایک گھر میں آئی اور اُس نے دُو مرد اور تین عورتوں کے رُوبرو کہا کہ میری شادی میری نانی نے جس کے ساتھ کی تھی اُس سے میں رضامند نہیں ہُوں اور میں اُس کے ساتھ اپنی عمر کسی طرح بسر نہیں کر سکتی ایسی حالت میں وہ نکاح ہندہ کا رہا یا ٹوٹ گیا ؛

(۲) اُس کے پانچ ماہ بعد ہندہ کا دُوسرا نکاح ہندہ کی رضامندی سے دُوسرے شخص کے ساتھ کردیا گیا جبکہ وُہ بالغ ہوچکی تھی اس صورت میں یہ نکاح جائز سمجھا جائے گا یا نہیں ؛ اگر ہندہ کا پہلا شوہر عدالتی لڑائی فساد سے اپنی عورت کو لینا چاہے وہ ان تمام امورات کو مدِّنظر رکھ کر ہندہ کو لے سکتا ہے یا نہیں ؛

الجواب

جس سے ہندہ کا پہلا نکاح ہُوا اگر وُہ ہندہ سے مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشے میں ایسا کم تھا کہ اُس کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہونا برادرانِ ہندہ کے لئے باعثِ ننگ و عار و بدنامی ہو تو وُہ نکاح سرے سے ہُوا ہی نہیں،

یفتی بعدم الصحۃ فی غیر الکفوء لفساد الزمان[1] درمختار وغیرہ۔

فتوٰی یہ ہے کہ غیر کفو میں زمانہ کے فساد کی بناپر اصلاً نکاح نہ ہوگا، درمختار وغیرہ۔ (ت)

اور اگر ایسا نہ تھا تو وُہ نکاح صحیح و منعقد ہوگیا لصدورہٖ من فضولی ولہ مجیز (فضولی سے صادر اور اس کو جائز کرنے والا موجود ہونے کی وجہ سے۔ ت) ہندہ اگر بالغ ہوتے ہی ناراضی ظاہر کرتی اُس نکاح کو فسخ کرا سکتی اب کہ دیر لگائی وہاں سے دوسری جگہ جا کر وُہ الفاظ کہے اب نکاح لازم ہوگیا بے موت یا طلاقِ شوہر اوّل اس سے جُدا نہیں ہوسکتی۔

(۲) دوسرا نکاح جو کیا باطل محض ہے اُس پر فرض ہے کہ فوراً اس سے جُدا ہوجائے۔ دُرمختار میں ہے :

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

یبطل خیار البکر بالسکوت مختارۃ عالمۃ بالنکاح ولا یمتد الی اٰخر المجلس[1]۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

باکرہ بالغہ کو جب علم ہوجائے تو خاموشی پر اس کا اختیارِ فسخ ختم ہوجاتا ہے اور خاموشی کے بعد مجلس کے اختتام تک باقی نہ رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۶۷: از موضع سموال ڈاکخانہ سیگتر ریاست جموّں ضلع میرپور ملک پنجاب براستہ جہلم مرسلہ حافظ مطیع اللہ صاحب ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں مثلاً زید کی لڑکی نابالغہ کا بعد وفاتِ زید لڑکی کی والدہ نے کسی جگہ ناتا یعنی ساک کردیا اور ان نے لڑکی مذکورہ کو کسی قدر زیور اور کپڑا دیا، اپنے زعم میں اُنھوں نے لڑکی اپنی منکوحہ سمجھ لی، بعد گزرنے دو تین سال کے والدۂ لڑکی کے پاس گئے تاکہ شادی کردیوے، اس نے کہا مجھے فرصت نہیں، پھر چلے گئے، دوبارہ جس کے ذریعہ سے منگنی کی تھی بھیج کر سوال کیا، پھر والدۂ لڑکی نے انکار کیا، منگنی والوں نے کہا زیور وغیرہ واپس کردو ہم اس سے رہے، غرض وُہ اپنے زیورات وغیرہ لے کر واپس چلے آئے اور دعوٰی ناتا چھوڑ دیا، اب لڑکی بالغ ہے اور اُس کی والدہ مرگئی ہے دوبارہ ناتے والے تقاضا کرتے ہیں کہ ہم نے ناتا نہیں چھوڑا اور نہ ہم نے زیور لیا وکیل نے لیا ہوگا۔ آیا بروقت منگنی نابالغ کا اُس کی والدہ یا چچا یا برادر نے کردیا ہی کو بموجب شریعت اختیارِ فسخ ہے بحکم ولھما الخیار فی غیر الاب والجد (نابالغ اور بالغہ کو غیر باپ دادا کے دئے ہوئے نکاح میں اختیار ہوتا ہے۔ ت) لیکن بروقت بلوغ قاضی کے نزدیک بیان دیوے اور قاضی حکم فسخ کرے، چونکہ اس ولایت میں کوئی قاضی نہیں تو کیا اس ملک میں اعلم علماء فسخ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

محض منگنی کوئی چیز نہیں اور اُن کا منکوحہ سمجھ لینا باطل ہے جبکہ ایجاب قبول نہ ہُوا ہو، اس صورت میں فسخ کی کیا حاجت کہ نکاح ہی نہ تھا جسے فسخ کیا جائے، ہاں اگر ایجاب وقبول ہوگیا تو بے شک صورتِ مذکورہ میں نابالغہ کو خیارِ فسخ ہے، اگر بالغہ ہوتے ہی فوراً اسی مجلس میں انکار واعتراض کرے تو دعوٰی فسخ کرسکتی ہے، اعلم واتقہ اہلِ بلد بحضور زوج فسخ کرے اور اس کی تنفیذ بذریعہ کچہری کرالے۔ اور اگر مجلسِ بلوغ میں سکوت کیا تو اب دعوٰی فسخ نہیں کرسکتی نکاح لازم ہوگیا جبکہ کفو سے ہوا ہو یعنی زوج زوجہ سے مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشے میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے اس کا نکاح اولیا کے لئے عرفاً باعثِ ننگ وعار ہو کہ اس صورت میں غیر اب وجد کا کیا ہُوا نکاح باطل محض ہوتا ہے، جب سرے سے ہُوا ہی نہیں فسخ کی کیا حاجت،

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

والمسائل کلها مصرحة بها فی عامة زبر المذهب کالدر المختار وغیرہ و مسألة العالم فی الحدیقة الندیة عن فتاوی الامام العتابی وقد فصلنا الکل فی فتاونا۔ واللہ تعالٰی اعلم

یہ تمام مسائل مذہب کی عام کتب میں تصریح شدہ ہیں جیسے درمختار وغیرہ، اور عالم فقیہ والا مسئلہ حدیقہ ندیہ میں امام عتابی سے منقول ہے، ہم نے ان تمام کی تفصیل اپنے فتاوٰے میں ذکر کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۷۹: از شہر بریلی محلہ بہاری پور مسئولہ حمید اللہ صاحب یکم جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکی کی عمر ۱۴ سال کی ہے اور اُس کے والد نے خط اپنی بیوی کے نام اس مضمون کا بھیجا ہے کہ جس طرح چاہو کرو تمہیں اختیار ہے، ماں نکاح کرنا چاہتی ہے اور والد اس کے یہاں موجود نہیں ہیں عدم موجودگی میں والد کے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر ثابت ہو کہ خط اُس کا ہے تو ماں کو اختیار ہے اگر لڑکی نابالغہ ہو اور بالغہ کی خود اپنی اجازت معتبر ہوتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۸۰: از کوٹلی ڈاک خانہ خاص ضلع مظفر پور مرسلہ عبدالحلیم شاہ صاحب ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو تین شادی محل اولٰی (مرحوم) سے دو لڑکے ایک لڑکی اور محل ثانی لاولد مرحوم، محل سوم (قائم) سے دو لڑکے اور ایک لڑکی، زید نے محل اولٰی کی اولاد کو اپنی حیات میں علیحدہ کر دیا جو کہ زید کو بدرمیاں اولاد محل اولٰی کے کوئی سروکار نہیں بلکہ سننے میں آتا ہے کہ زید نے محل اولٰی والی اولاد کو عاق کیا تھا اور زید محل سوم کے ساتھ مع اولاد کے رہتے تھے، زید نے اپنی حیات میں محل سوم کی لڑکی کی نسبت بکر کے لڑکے سے کی تھی یعنی نسبت شادی کی مقرر ہوئی تھی، چونکہ عمر لڑکی کی دس برس کی تھی بعد مقرر کرنے نسبت مذکور کے زید نے قضا کیا، بعد قضا کرنے زید کے ایک سال بعد مسماۃ محل سوم نے اپنی لڑکی کی شادی بولایت خاص بکر کے لڑکے کے ساتھ کر دی، اُسی درمیان میں محل اولٰی والی اولاد سے جو کہ عاق شدہ ہے اُس سے معاملہ حقداری کا ساتھ محل سوم مسماۃ کے تھا، بعد شادی ہونے تھوڑے زمانہ کے اور اُٹھ جانے معاملہ حقداری کے محل اولٰی والی اولاد نے محل سوم والی مسماۃ کو اپنی رائے میں یعنی میل میں لے آئے، اب محل اولٰی والی اولاد کی جانب سے یہ کہا جاتا ہے کہ عقد ناجائز ہوگا کیونکہ اس لڑکی کا وارث میں ہو سکتا ہوں یعنی اُس کا ولی میں ہوں گا بلکہ اس لڑکی کو اپنی سسرال سے لاکر اپنے گھر میں رکھ لیا ہے اور دوسری شادی کرنے پر لڑکی آمادہ ہے آیا یہ عقد جو کہ مسماۃ محل سوم والی نے بولایت اپنے کیا ہے کیا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

فی الواقع بھائی اگرچہ سوتیلا ہو اس کے ہوتے ماں کو ولایت نہیں، جو نکاح ماں نے کیا اور کسی جوان بھائی کا اذن نہ تھا نہ بعد نکاح کسی جوان بھائی نے جائز کیا اُسے جو جوان بھائی فسخ کرے فسخ ہوجائے گا، اور عاق کردینا شرعاً کوئی چیز نہیں، نہ اس سے ولایت زائل ہو۔ درمختار میں ہے:

لو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر ولی ابعد ولی اقرب کی موجودگی میں نکاح کردے تو یہ نکاح اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۸۱: از بسولی ضلع بدایوں مرسلہ محمد ایوب حسن صاحب سلمہٗ ولد قاضی محمد یوسف صاحب ۲۱ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہاجرہ خاتون عرف بنو دختر راحت حسین مرحوم کا جس کی عمر اس وقت پندرہ برس چھ ماہ ہے اُس کی ماں نے بلسا زاپنے بھائی اولاد حسین اور بھانجے قطب الحسن (قطب الحسن کو ہاجرہ کی بڑی بہن بیاہی ہے) جبکہ مکان پر کوئی شخص از ذکور موجود نہ تھا اپنی بہن کے لڑکے عزیز الحسن سے جو قطب الحسن مذکور سے چھوٹے ہیں بوکالت اپنے بھائی حقیقی اولاد حسین مذکور و بگواہی بندہ حسن جو قطب الحسن و عزیز الحسن مذکور کے عم زاد ہیں و بگواہی احمد حسین جو قطب الحسن کے قریبی رشتہ دار ہیں نکاح پڑھوادیا، بیان ہاجرہ خاتون جو کہ بموجودگی ممتاز حسین و فرحت حسین و صولت حسین کلام پاک پر ہاتھ رکھ کر بیان کیا میرے سامنے قبل نکاح کے واقع کے چند مرتبہ میری بہن زوجہ قطب الحسن نے عزیز الحسن سے میرا نکاح کئے جانے کا تذکرہ کیا مگر میں نے قطعی انکار کیا اور میرے اس انکار کی خبر قطب الحسن و عزیز الحسن اور ان کی والدہ اور میری ماں اور بہنوں کو کماحقہٗ ہوچکی تھی اب بوقت نکاح جب مجھ سے اذن طلب کیا گیا میں بوجہ لحاظ و شرم بآوازِ بلند اس مجمع میں انکار نہ کرسکی مگر انکاری سر ہلایا اور اُوں ہُوں جو انکار تھا کیا تھا میری آواز نکلتے ہی میری بہنوں اور خالہ و ماں نے غل و شور مچادیا کہ ہوگیا ہوگیا، میں عزیز الحسن کے ساتھ نکاح کئے جانے کو نہ قبل اس واقعہ کے نہ اُس وقت اور نہ اب رضامند ہوں مجھ پر خدا اور اس کے رسول کی پھٹکار ہو جو اس وقت ایک لفظ بھی غلط کہتی ہوں۔ بیان گواہ بندہ حسن جو تحریر کرالیا گیا ہے۔ بتاریخ ۲۹ دسمبر ۱۹۱۸ء بوقت ۵ بجے شام قطب الحسن مجھ کو قاضی ٹولہ بغرض نکاح عزیز الحسن کے لئے گئے وہاں پر جاکر مجھ کو معلوم ہوا کہ تم گواہ ہو کہ مسماۃ بنو

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

دختر راحت حسین کے گیا تھا وہاں جاکر مجھ کو گواہ بنایا گیا میں نے اندر جاکر اس کی والدہ سے دریافت کیا اُس نے اقرار کیا اور اجازت نکاح کی دی پھر میں نے لڑکی سے اذن طلب کیا وہ پردہ میں تھی اندر سے اوں کی آواز آئی پھر نکاح پڑھوا دیا گیا فرحت حسین بوقتِ نکاح موجود نہ تھے، دستخط احمد حسین۔ وکیل صاحب مسمّی قاضی اولاد حسین علیل تھے اور اس کے بعد زیادہ علیل ہوگئے اور انتقال ہوگیا، کوئی بیان تحریری حاصل نہ ہوسکا۔ قاضی صاحب نے جنھوں نے کہ نکاح پڑھایا ہے مکان پر یا اُس موقع پر قسم ذکور سے کسی کو نہ پاکر قطب الحسن سے کہا کہ ایسا نکاح پڑھواکر مجھ کو کسی مقدمہ میں ماخوذ تو نہ کراؤ گے جو کوئی مرد مکان پر موجود نہیں ہے جس کا جواب قطب الحسن نے یہ دیا کہ کسی مرد کی کچھ ضرورت نہیں ہے لڑکی خود بالغ ہے قاضی صاحب نے لڑکی سے ایجاب قبول کرا دیا، اندر کا کچھ حال اُس وقت قاضی صاحب کو گواہان اور وکیل صاحب کے بیانات سے طرح طرح کے شکوک عدمِ جواز نکاح کے پیدا ہوئے جس کی وجہ سے ضرورت فتوےٰ لینے کی ہوئی، معروضہ احقر۔ اب وہ لوگ طرح طرح کے دباؤ رخصت کے ڈالتے ہیں اور لڑکی بالکل قطعی انکار کرتی ہے حتیٰ کہ جان دینے پر آمادہ مگر وہاں رخصت کئے جانے کو منکر ہے۔ معاملہ مذکور بالا کو غور فرماکر حکم شرع شریف سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب

اللہ واحد قہار عالم الغیب والشہادۃ سے ڈرو یہ معاملہ حلال حرام اور وہ بھی خاص شرمگاہ کا ہے جس کی حرمت سخت اشد ہے، اگر واقع میں ہاجرہ بالغہ نے اذن دے دیا تھا اگرچہ دباؤ سے اگرچہ جبراً تو نکاح صحیح ہوگیا اور اب اُسے انکار کا کچھ اختیار نہیں اگر نہ مانے گی اور دوسری جگہ نکاح کرے گی زنا ہوگا زنا زنا۔ اور اگر واقع میں اُس نے انکار کیا تھا اور اُسے اذن بنا کر ہوگیا ہوگیا اڑایا تو حرام حرام سخت حرام ہے کہ اُسے عزیز الحسن کی زوجہ سمجھا جائے پہلی صورت میں ہاجرہ اور دوسری میں عزیز الحسن وغیرہ اس کے ساعی مستحق لعنت الٰہی و عذاب شدید ہوں گے باقی جو شہادتیں مذکور ہوئیں ثبوت اذن کے لئے محض ناکافی ہیں اُن کی بنا پر ہاجرہ کہ اذن سے منکر ہے مجبور نہیں کی جاسکتی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۸۲ از پیلی بھیت محلہ شیخ چاند متصل سرائے پختہ مرسلہ حافظ ولایت احمد صاحب ۸ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح چچا حقیقی کی ولایت سے جو اس کے علم میں نابالغہ تھی بعدم موجودگی ہندہ و مادرِ ہندہ زید نابالغ کے ساتھ بولایت دادا حقیقی زید عرصہ پانچ سال کا گزرا ہوا تھا دو سال سے زید بالغ ہے اب رخصت کرانا چاہتا ہے تو مادرِ ہندہ سے معلوم ہوا کہ ہندہ وقت نکاح کے بالغہ تھی ماں ہندہ کی رخصت نہیں کرتی ہے اور کہتی ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہے مادرِ ہندہ کے بیان کی تصدیق کرلی گئی کہ صحیح ہے۔

الجواب

اگر یہ بیان واقعی ہے کہ ہندہ بالغہ تھی اور اس سے اذن نہ لیا گیا اور چچا نے نابالغہ سمجھ کر بے اذن لئے خود پڑھا دیا تو یہ نکاح اجازتِ ہندہ پر موقوف رہا، اس پانچ برس کے عرصہ میں اگر اُس نے اگرچہ اپنی ہم عمر لڑکیوں میں کوئی کلمہ اس کی اجازت کا کہا ہے جائز ہوگیا، رَد کہا ہے رَد ہوگیا، اب تک کچھ نہیں کہا ہے تو اب اگر رَد کر دے گی رَد ہو جائے گا، جائز کر دے گی جائز ہو جائے گا۔ یہ خوب یاد رہے کہ اعتبار سب میں پہلی بار کا ہے، نکاح کی اطلاع کے بعد سب میں اوّل اگر کلمہ رَد کہا ہے رَد ہوگیا۔ اس کے بعد ہزار بار اجازت دے بیکار ہے۔ اور سب میں اوّل اگر کلمۂ اجازت کہا ہے جائز ہوگیا۔ اس کے بعد لاکھ بار رد کر دے بے اثر ہے۔ اللہ واحد قہار سے ڈرے، یہ معاملہ حلال حرام نکاح زنا کا ہے، جو بات واقعی ہو ظاہر کر دے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۸۳ تا ۳۹۰ از قصبہ اوریا ضلع اوٹاوہ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ مولوی عبدالحی صاحب مدرس ۹ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید کی بیوی معہ بیٹی ہندہ کے اپنے والد کے گھر زید کی رضامندی سے گئی زید کا خسر جو چچا بھی ہوتا ہے اُس نے اپنے خاندان کے لڑکے بکر کے ساتھ زید مذکور کی لڑکی ہندہ سے عقد کر دیا بلا اطلاع زید اور ہندہ ابھی نابالغ ہے، وہ عقد جائز ہوا یا نہیں، اس عقد کو ن اور کتنے عرصہ تک فسخ کر سکتا ہے؟

(۲) اگر ہندہ بالغ ہے اور وہ اپنے شوہر کے گھر پر رہی اور اس کے ہمراہ اپنے والد زید کے گھر آئی اور چندے قیام بکر یعنی ہندہ کے شوہر کا رہا، اُس کے بعد وہ ملازمت پر چلا گیا، اس صورت میں یہ عقد درست ہوا یا نہیں جبکہ ہندہ بالغ ہے۔

(۳) زید کے جائے قیام سے زید کی سسرال فاصلہ پر ہے جہاں پر ہندہ کا عقد بکر کے ساتھ ہوا تھا، جس وقت زید کے ملنے والوں نے زید سے یہ سوال کیا کہ تم یہاں پر موجود رہے اور وہاں پر عقد بلا اجازت جبکہ ہندہ نابالغ تسلیم کی جاوے کیونکر ہوا، اُس وقت زید مذکور نے یہ جواب دیا کہ ہم اجازت دے آئے تھے کہ آپ عقد کر دیں اور ہم کو صرف اطلاع دیں تاکہ ہم اُس خوشی میں میلاد شریف کریں، ایسی صورت میں اجازت صحیح ہوئی یا نہیں اور عقد جائز ہوا یا نہیں؟

(۴) کچھ واقعات ایسے ہیں جس سے زید کی رضامندی کا پتہ چلتا ہے مثلاً زید کے مکان پر تنہا آیا بکر شوہر ہندہ کا اور قیام کیا، اور زید اُس کو یعنی داماد کو اکثر مجالس و بازار میں ہمراہ لے گیا دریافت کرنے پر بھی کہا کہ یہ داماد ہے، اس کے چند یوم کے بعد وہ داماد اپنی ملازمت پر چلا گیا جس کو عرصہ ۴ یا ۵ سال کا ہوا اسی قدر عرصہ عقد کو، جس وقت وہ ملازمت پر گیا تھا اول تو خط و کتابت بھی رہی سُنا گیا ہے، اب زید کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ نہیں

معلوم کہاں پر ہے، نہ خط آتا ہے اور نہ کچھ خرچ کی خبر لیتا ہے۔ اوّل تو ہم کو یعنی زید کو اس لڑکے بجّہ کے ساتھ عقد اپنی لڑکی ہندہ کا منظور نہیں تھا، خیر اگر ہو بھی گیا تھا تو جبراً قہراً منظور کیا، اب تک اس کا راستہ دیکھا یعنی داماد کا، جس کو عرصہ ۴ یا ۵ سال کا ہوگیا۔ ان واقعات سے یہ عقد صحیح ہوا یا نہیں جبکہ ہندہ نابالغ تھی۔

(۵) بعض کا یہ قیاس ہے کہ ہندہ اُس وقت بالغ تھی جب عقد ہُوا، اور یہ واقعات جو اوپر مذکور ہیں زید یعنی ہندہ کا جائز ولی باپ کے ساتھ پیش آئے وُہ عقد جائز ہُوا یا نہیں؟

(۶) اب زید کی نیت میں خلل آیا اور وہ اب نمبر ۳ کے مضمون سے انکار کرتا ہے کہ میں نے ہرگز نہیں کہا کہ اجازت دے دی تھی لیکن نمبر ۴ کے مضمون سے نہیں انکار کرسکتا کیونکہ چشم دید واقعات ہیں، نمبر ۱ کی عبارت کو تسلیم کرکے سُنا گیا ہے کہ فتوٰی منگایا مگر کسی کو دکھلایا نہیں ہے کہ اس میں کیا سوال کیا ہے اور آج چار پانچ سال کے بعد ہندہ کا عقد فسخ کرکے اپنے طور پر اور اس کا عقد ایک اور شخص سے کردیا ہے محض اس بناء پر کہ وُہ جائز ولی نہیں تھے میں ولی جائز ہُوں مجھ کو اختیار ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ۵ سال تک تو خاموش رہا زید، اور نمبر ۴ کے واقعات اُس داماد بکر کے ساتھ پیش آئے، کیا ایسی حالت میں یہ عقد اب ۵ سال کے بعد فسخ ہوسکتا تھا یا نہیں اور عقد ثانی ہُوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہُوا تو کیا یہ حرام ہے اور اولاد بھی حرامی ہوگی؟

(۷) ہم لوگ زید کے ساتھ ربط ضبط رکھیں یا نہیں؟ اگر میل جول قائم رکھیں تو گنا ہگار ہوں گے یا نہیں جبکہ اس نے شرع کے خلاف کام کیا؟

(۸) بعد میں تحقیقات سے یہ معلوم ہُوا کہ ہندہ کی رخصت نہیں ہُوئی اور نہ وُہ اپنے شوہر کے گھر گئی اور نہ اس کے ہمراہ شوہر مذکور آیا لیکن شوہر ہندہ کا مکان پر زید کے آیا اور قیام کیا اور زید مذکور نے اپنے ملنے والوں سے کہا یہ داماد ہے اور سب کو دکھلایا، نمبر ۳ کو اس معاملہ سے علیحدہ تصوّر کرکے بقیہ کُل نمبروں کا جواب دیجئے اور نمبر ۲ کا جواب بھی علیحدہ سے دیجئے دوسرا واقعہ خیال فرماکر۔

الجواب

(۱) جبکہ ہندہ نابالغہ ہے یہ نکاح اجازتِ زید پر موقوف رہا، اگر جائز کردے گا جائز ہوجائے گا رَد کردے گا باطل ہوجائے گا، زید اگر سکوت محض کرے کوئی قول یا فعل ایسا نہ کرے جس سے اُس نکاح کا جائز یا رَد کرنا ثابت ہو یہاں تک کہ ہندہ بالغہ ہوجائے تو اُس وقت اس کا رَد یا جائز کرنا خود ہندہ کے اختیار ہوجائے گا۔

(۲) درست ہوگیا اگر بکر ہندہ کا کفو ہو یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشے میں ایسا کم نہ ہو کہ ہندہ کا

اُس سے نکاح زید پدرِ ہندہ کے لئے باعثِ ننگ و عار ہو۔

(۳) اجازت صحیح ہے عقد جائز ہوگیا۔

(۴) جبکہ ہندہ نابالغہ تھی اور باپ نے اُسے منظور کیا اور بکر کو اپنا داماد کہا نکاح نافذ ہوگیا۔

(۵) ہندہ اگر بالغہ تھی اور نکاح اس کے اذن سے ہُوا یا بعد نکاح اس نے قولاً یا فعلاً جائز کر دیا مثلاً بغیر رَد کے بخوشی رخصت ہوگئی تو نکاح نافذ ہوگیا جبکہ بکر ہندہ کا کفو ہُوا، اور اگر ہندہ سے کوئی قول و فعل اجازت کا اب تک صادر نہ ہُوا تو نافذ نہ ہوا اگرچہ اس کے باپ سے کچھ واقعات پیش آئے ہوں۔

(۶) اگر ہندہ نابالغہ تھی اور نمبر ۴ کا مضمون ثابت ہو تو وُہ نکاح تام و لازم ہوچکا، زید کو کوئی اختیار اس کے فسخ کا نہ رہا، یہ نکاح ثانی باطل ہُوا، اس میں قربت حرام ہوگی اور اولاد ولد الحرام۔ اور اگر ہندہ بالغہ تھی اور وُہ کسی قول یا فعل سے نافذ کرچکی تھی جب بھی وہی جواب جبکہ بکر ہندہ کا کفو ہو اور اگر نافذ نہ کرچکی تھی اور رَد کرکے نکاح ثانی کیا تو حرج نہیں اگرچہ بکر اس کا کفو ہُوا اور اگر ہندہ نے نافذ کیا لیکن بکر اس کا کفو نہ تھا تو نکاح صحیح نہ ہُوا اگرچہ بعد کو زید بھی راضی ہوگیا ہو لان شرط صحتہ رضا الولی قبل النکاح صریحا مع العلم بانہ غیر کفو کما اوضحہ فی ردالمحتار (کیونکہ اس کی صحت کے لئے نکاح سے قبل اس بات کا علم ہوتے ہُوئے صراحۃً ولی کی رضامندی شرط ہے کہ یہ نکاح غیر کفو میں ہوگا جیسا کہ ردالمحتار میں اس کی وضاحت کی ہے۔ ت) اس صورت میں اُس غیر صحیح نکاح کو چھوڑ کر اگر نکاح ثانی کرلیا حرج نہ ہوا اور یہی نکاح ثانی صحیح ہوا اگر شرائط صحت کا جامع ہو اور اولاد والد الحلال، وہو تعالٰی اعلم۔

(۷) اُوپر کے جوابوں سے معلوم ہُوا کہ زید کس صورت میں گنہگار ہے اور کس میں نہیں، اگر صورت وُہ ثابت ہو جس میں اس نے ایسے حرام کا ارتکاب کیا تو اس سے میل جول ترک کرنے میں گناہ نہیں بلکہ مناسب ہے اور نہ ترک کریں اور گناہ کو گناہ جانیں اور اس کے سبب اُسے بُرا سمجھیں جب بھی حرج نہیں، ہاں جو سمجھے کہ میرے ترک کے سبب زید کو توبہ کرنی ہوگی وہ ضرور ترک کرے۔

(۸) صورتِ واقعہ میں استفتار کا یہ طریقہ نہیں ہوتا بات پُوری تحقیق شدہ پر فتوٰی لینا چاہئے بہرحال جواب ہر نمبر کا ہوگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۹۱ از شہر سلطان پور محلہ پرتاب گنج مرسلہ حافظ عبدالغنی و عبدالحمید صاحبان ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی ہندہ کا نکاح بکر کے لڑکے خالد کے ساتھ اپنے کفو میں اور مہر بھی بلحاظ اپنے کفو کے کر دیا اور زید نے کئی مرتبہ ہندہ کو رخصت بھی کیا اور بکر نے زید سے اقرار بھی لے لیا تھا کہ اگر ہندہ بالغہ ہے تب میں اس کا نکاح اپنے لڑکے خالد سے کروں گا ورنہ نہیں، لہٰذا زید نے اقرار کیا

کہ ہندہ بالغ ہے اس کے بعد نکاح ہُوا اب بعد ان واقعات کے بوجہ دنیاوی مخاصمت کے ہندہ بذریعہ نوٹس کے اطلاع دیتی ہے کہ میرا نکاح حالتِ نابالغی میں ہُوا تھا اب میں حدِ بلوغیت اور خود مختاری کو پہنچ گئی ہُوں مجھ کو والدین کے کئے ہُوئے نکاح کے فسخ کا حق حاصل ہے لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسماۃ مذکورہ کو حقِ فسخ حاصل ہے یا نہیں، اور اس کے فسخ کرنے سے یہ نکاح جو باپ نے کیا ہے فسخ ہوگا یا نہیں؟

الجواب

ہندہ کو اصلاً نکاح مذکور کے فسخ کا اختیار نہیں، نہ اس پر کچھ اعتراض کرسکتی ہے اگر وہ نابالغہ ہی تھی جیسا اس کا بیان ہے، تو باپ کے کئے ہوئے نکاح پر نابالغہ بعد بلوغ معترض نہیں ہوسکتی۔

درمختار میں ہے:

لزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفؤ ان کان الولی المزوج ابا او جدا لم یعرف منھا سوء الاختیار[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر نکاح دینے والے باپ دادا ہوں اور وہ سوءِ اختیار سے معروف نہ ہوں تو انتہائی کم مہر اور غیر کفؤ میں نابالغہ کا نکاح لازم ہوجاتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۹۲: از پیلی بھیت مرسلہ واحد اللہ صاحب ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید شدتِ مرض میں تھا اس حالت میں اس کے حقیقی بھائی نے اُس سے اُس کی کم سن لڑکی کا نکاح اپنے لڑکے کے ساتھ کرنے کی اجازت لے لی اور نکاح کردیا، زید تین روز کے بعد انتقال کرگیا، اب لڑکی کی عمر سات برس کی اور لڑکے کی چوبیس برس کی ہے تو یہ نکاح ہوگیا یا نہیں؟ مکرر عرض یہ ہے کہ لڑکا لڑکی کا کفو نہیں کہ وہ ذلیل عورت کی نسل سے ہے، لڑکی کے باپ کا بھی انتقال ہوگیا۔

الجواب

شدتِ مرض صحتِ اجازت کو مانع نہیں،

ھذا القدر ما ذکرہ السائل فنجیب علیہ ولا نزید مایکون تعلیما۔

یہ سائل کے ذکر کردہ پر ہم جواب دے رہے ہیں اور تعلیم کے طور پر ہم زیادہ بات نہیں کرتے۔ (ت)

ماں کا غیر کفو ہونا اولاد کو غیر کفو نہیں کردیتا کہ نسب باپ سے ہے نہ کہ ماں سے قال تعالٰی وعلی المولود لہ رزقھن[2]

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۳

(اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اور جس کا بچّہ ہے اس پر عورتوں کا کھانا ہے۔ ت) اور بالفرض کفاءت نہ بھی ہو تو باپ ایک بار غیر کفو سے بھی نکاح کرسکتا ہے لہذا صورتِ مستفسرہ میں وہ نکاح صحیح ولازم ہوگیا جس کے فسخ کا کسی کو بھی اختیار نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۹۳ از ریاست رامپور محلہ زینہ عنایت خاں مدرسہ عزیزیہ مرسلہ محمد سفیر الرحمان صاحب بنگالی ۳ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی بالغہ ہے اور سن بھی چودہ برس کا ہے، اس کے باپ نے جس لڑکے کے ساتھ اس کی شادی مقرر کردی ہے وہ ہونے والا شوہر نہ کہ باپ کے ذکر کرنے سے بلکہ اور کسی طریقہ سے لڑکی کو معلوم ہے کہ میری شادی اُس شخص کے ساتھ مقرر کرا دی ہے اور وہ دوسرے شہر میں رہتا ہے، جب باپ عقد پڑھانے کو لڑکی کے مکان کو چلا، نہ اُس وقت لڑکی سے اجازت لی اور نہ کچھ کہا بلکہ ویسے ہی وہاں جاکر مجلس میں کہہ دیا کہ میں نے اپنی لڑکی تمہارے نکاح میں دے دی، یہ نکاح نافذ ہوا یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر بالغہ نے پہلے اجازت نہ دی تھی نکاح اس کی اجازت پر موقوف رہا، جائز کردے گی جائز ہوجائیگا جبکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو، رَد کردے گی باطل ہوجائے گا اگرچہ کوئی مانع شرعی نہ ہو۔ درمختار میں ہے:

لاتجبر البالغۃ البکر علی النکاح لانقطاع الولایۃ بالبلوغ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

بالغہ باکرہ لڑکی کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اب اس پر کسی کی کوئی ولایت نہ رہی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۹۴ ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا دادا جمال الدین شاہ مرحوم ایک درویش شخص تھا چنانچہ اس نے اپنی عمر زہد وعزلت میں ایک جگہ میں بسر کردی اور زید کا باپ فرید الدین مرحوم ایک متورع اور عالم شخص تھا اور زید خود بھی بحمدہ تعالٰی ایک متقی اور عالم اور صوفی اور خوشحال اہل وعیال کے تین چار برس کے نفقہ کا مالک شخص ہے اور مکان مملوک رکھتا ہے اور زید کی بیوی ہندہ ایک پابندِ صوم وصلوٰۃ اور تالیہ قرآن پاک اور قاریہ اوراد ووظائف عورت ہے، اور زید کی لڑکی زینب بھی ایک صوم وصلوٰۃ کی شائق اور اوراد ووظائف کی جانب

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

راغب اور کذب وغیرہ امورِ نامشروع سے محترز بہت نیک اور سیدھی لڑکی ہے، اسی وجہ سے زید باوجود زینب کی نسبتیں متعدد جگہ سے آنے کے زینب کے بلوغ کے بھی سات آٹھ بلکہ اور زیادہ سال بعد تک کسی شریف عالم متقی شخص کی تلاش میں تھا اور اُن نسبتوں کو بوجہ اُن میں سے کسی کے موافق مرضی نہ ہونے کے منظور نہیں کیا تھا کہ یکایک عمرو (کہ جس کی بابت چار پانچ سال پیشتر خالد نے اس کا بہت متقی ہونا ظاہر کیا تھا چنانچہ کہا تھا کہ میں نے ایک حلقہ مسمی حلقہ حبیب جاری کر رکھا ہے جس میں ایک خاص طریقہ سے درود شریف پڑھا جاتا ہے اُس کا عمرو سرحلقہ ہے) آگیا اور اس نے زید و ہندہ کو یہ دھوکا دے کر کہ میں اخبار شائع کرتا ہوں اُس میں دو سو (۲۰۰) روپیہ ماہوار نفع ہے اُس میں سے پچاس روپیہ ماہوار اپنی والدہ کو اُن کے خرچ کے لئے دیتا ہوں حالانکہ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ جس مقام میں اخبار شائع کرتا تھا وہاں کئی سو روپیہ کا قرضدار تھا اور کرایہ ریل تک پاس نہ تھا دوسرے شخص کے کرایہ سے زید کے شہر تک آیا تھا اور اپنی والدہ کو ایک حبہ بھی ماہوار نہ دیتا تھا اور اب جو زید کے شہر سے اپنے وطن میں جاکے رہا ہے کسی طرح کچھ نہیں کماتا کمال عسرت میں ہے ایک مہینہ تو کیسا ایک ہفتہ کی بھی قوت کا مالک نہیں اور نیز یہ فریب دے کر کہ میرے رہنے کی موروثی پختہ حویلی ہے حالانکہ کرایہ کے مکان میں رہتا ہے اور وہ کرایہ بھی اس کی والدہ اپنی محنت مزدوری سے ادا کرتی ہے اور نیز یہ فریب دے کر کہ میں عالم ہوں میں نے حدیث شریف کی سند فلاں عالم سے حاصل کی حالانکہ یہ بالکل غلط کہ فارسی عربی کی ابتدائی کتابوں کی بھی لیاقت نہیں رکھتا اور نیز اپنے تقوٰی و ورع کا فریب دے کر کہ میں مشائخ وقت میں سے فلاں کا خلیفۂ طریقت ہوں حالانکہ نماز پنجگانہ کا بھی پابند نہیں بلکہ لونڈے بازی وغیرہ امورِ شنیعہ کا عادی اور راشد فاسق ہے چنانچہ عقد کے پانچویں روز شب کے وقت ایک لونڈے سے پکڑا گیا پس اس کی صبح ہی کو جو گیا تو آج عرصہ قریب ڈیڑھ سال کے ہوتا ہے نہ ایک پیسہ خرچ بھیجا اور ایک ہفتہ کے وعدہ پر ما قفہ ۱۵۰ روپیہ قرض لے گیا تھا نہ ایک پائی اس کا دیا، زید کی لڑکی زینب بالغہ کے ساتھ عقد کرلیا، پس عقد کے بعد جب سے حالات معلوم ہوئے، تب سے زینب اور زید اور ہندہ عمرو سے سخت متنفر ہیں اور زینب اس کے یہاں جانا اور زید و ہندہ اس کے یہاں جانے دینا ہرگز منظور نہیں کرتے تو یہ تو ظاہر ہے کہ عمرو مالاً اور دیانۃً زینب کا کفو ہرگز نہیں، اور درمختار میں ہے:

یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی۔[1]

غیر کفو میں نکاح کے اصلاً عدم جواز کا فتوٰی دیا جائے گا، یہی فتوٰی کے لئے مختار ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

پس دریافت طلب یہ بات ہے کہ صورتِ مرقومہ میں عام اس سے کہ خلوتِ صحیحہ ہُوئی یا نہ ہوئی ہو۔ درمختار کی اس عبارت کے بموجب بطلانِ نکاح کا حکم دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر اس عبارت کے بموجب حکم بطلان نہیں دیا جاسکتا تو کسی اور عبارت کے مطابق زینب اور اس کے اولیاء کو حقِ فسخ حاصل ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو فسخ کی کیا صورت ہے؟

الجواب

نکاح مذکور اصلاً محتاجِ فسخ نہیں، فسخ تو وہ ہو جو منعقد ہُوا ہو، یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں باطل محض ہے، ظاہر ہے کہ زینب عاقلہ بالغہ ہے اُس کا نکاح بے اُس کے اذن کے نفاذ نہیں پاسکتا لانقطاع الولایۃ بالبلوغ[1] درمختار (بالغ ہوجانے کی وجہ سے اس پر ولایت منقطع ہوجانے پر، درمختار۔ت) اگر یہ نکاح بے اس کی اجازت کے ہُوا اور اُس نے خبر پاکر رَد کردیا تو اگر کفو سے ہوتا جب بھی رَد و باطل ہوجاتا لانہ نکاح فضولی (کیونکہ یہ نکاح فضولی ہے۔ت) عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنہا بکراکانت اوثیبا فان فعل ذلک فالنکاح موقوف علی اجازتہا فان اجازتہ جاز وان ردتہ بطل، کذا فی السراج الوہاج[2]۔

عاقلہ بالغہ باکرہ ہو یا ثیبہ اس کی مرضی کے خلاف کسی کا نکاح کرنا صحیح نہیں، یہ باپ ہو یا حاکم، اور اگر کسی نے ایسا کیا تو نکاح عاقلہ کی اجازت پر موقوف ہوگا اس کی مرضی ہے کہ جائز کرے تو جائز ہوگا اگر رَد کردے تو باطل ہوجائے گا۔ سراج الوہاج میں یونہی ہے۔(ت)

اور اگر اس کے اذن سے ہُوا تو خود زینب کا کیا ہُوا ہے کہ غیر کفو سے کیا، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

تزویجہ لہا باذنہا کتزوجہا بنفسہا وھی مسئلۃ من نکحت غیر کفو[3]۔

بالغہ کی اجازت سے نکاح ایسا ہے جیسا اس نے خود کیا ہو، یہ مسئلہ غیر کفو میں اس کے نکاح کرنے کا ہے۔(ت)

اور اگر بلا اذن کیا تھا اُس نے بعد کو اجازت دی جائز رکھا تو اب بھی زینب ہی کا کیا ہُوا ہے۔

فان الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالۃ السابقۃ[4] خیریۃ وغیرھا عامۃ الکتب۔

بعد کی اجازت ایسے ہی ہے جیسے پہلے اجازت دے رکھی ہو، خیریہ وغیرہ کتب۔(ت)

---

[1] درمختار	باب الولی	مطبع مجتبائی دہلی	۱/ ۱۹۱
[2] فتاوٰی ہندیہ	الباب الرابع فی الاولیاء	نورانی کتب خانہ پشاور	۱/ ۲۸۷
[3] فتاوٰی خیریہ	باب الاولیاء والاکفاء	دارالمعرفۃ بیروت	۱/ ۲۵
[4] ؍؍	؍؍ ؍؍	؍؍ ؍؍ ؍؍	؍؍

بہرحال یہ وُہ نکاح ہے کہ زنِ عاقلہ بالغہ نے غیر کفو سے کیا کہ فاسق ہرگز صالحہ بنت صالح کا کفو نہیں۔ درمختار میں ہے:

لیس فاسق کفؤ الصالحۃ او فاسقۃ بنت صالح معلنا کان اولا علی الظاھر نھر[1]۔

فاسق صالحہ لڑکی یا ایسی فاسقہ جو صالح کی بیٹی ہو، کا کفو نہیں ہے، وُہ فاسق اعلانیہ فسق کرتا ہو یا مخفی طور پر ظاہر روایت پر یہی حکم ہے، نہر۔ (ت)

عامہ شروح میں ہے:

لایکون الفاسق کفؤا لبنت الصالحین[2]۔

فاسق نیک لوگوں کی بیٹی کا کفو نہیں۔ (ت)

متن مجمع میں ہے:

لایکون الفاسق کفؤا للصالحۃ[3]۔

فاسق صالحہ کا کفو نہیں ہے۔ (ت)

فتاوٰی امام فقیہ النفس میں ہے:

قال بعض المشائخ رحمھم اللہ تعالٰی الفاسق لایکون کفؤا لبنت الصالحین معلنا کان اولم یکن وھو اختیار الشیخ الامام ابی بکر محمد بن الفضل[4]۔

بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا: فاسق معلن ہو یا غیر معلن وُہ صالحین کی بیٹی کا کفو نہیں ہے، یہی شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل کا مختار ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لایکون الفاسق کفؤ البنت الصالحین[5]۔

فاسق صالحین کی بیٹی کے لئے کفو نہیں ہے (ت)

نیز ایسا معسر کہ نہ روزانہ کماتا ہو نہ ایک مہینے کے اپنے ہی قوت کا مالک ہو نفقہ درکنار کفو نہیں ہوسکتا اگرچہ عورت بھی فقیرہ ہو۔ درمختار میں ہے:

تعتبر فی العرب والعجم دیانۃ ای تقوی

کفو میں جس چیز کا عرب وعجم میں اعتبار کیا جاتا ہے وُہ دیانت

---

[1] درمختار | باب الکفاءۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۵

[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث بیروت | ۲/۳۲۰

[3] ردالمحتار بحوالہ المجمع | " | " | "

[4] فتاوٰی قاضی خاں | فصل فی الکفاء | منشی نولکشور لکھنؤ | ۱/۱۶۱

[5] ردالمحتار بحوالہ الخانیہ | باب الکفاءۃ | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۳۲۰

وما لا بان یقدر علی المعجل ونفقۃ شھر لو غیر محترف[1]

یعنی تقوٰی، اور مال جس سے مہر معجل اور ایک ماہ کا نفقہ دینے پر قادر ہو اگر کاریگر نہ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

شمل مالوکانت فقیرۃ بنت فقراء کما صرح بہ فی الواقعات معللا بان المہر والنفقۃ علیہ فیعتبر ھذا الوصف فی حقہ[2]۔

یہ فقیر کی فقیر بیٹی کو شامل ہے، جیساکہ واقعات میں تصریح کی گئی ہے کہ وجہ یہ ہے کہ مہر اور نفقہ خاوند پر ہی ہوتا ہے لہذا اسکا مالدار ہونا معتبر ہوگا۔ (ت)

اور بالغہ کہ اپنا نکاح غیر کفو سے کرے باطل محض ہے جبکہ ولی رکھتی ہو مگر اس صورت میں کہ ولی نے پیش از نکاح اسے غیر کفو جان کر صراحۃً اجازت دے دی ہو، ان میں تین شرطوں سے ایک بھی کم ہوگی نکاح اصلاً نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

یفتی فی غیر الکفؤ بعدم جوازہ اصلا فلا تحل مطلقۃ ثلثا نکحت غیر کفوہ بلا رضی ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ[3]۔

غیر کفو میں نکاح کے اصلاً عدمِ جواز کا فتوٰی دیا جائیگا لہذا تین طلاق والی نے اگر اپنے ولی کی مرضی کے خلاف غیر کفو میں نکاح کیا جبکہ ولی کو غیر کفو کا علم ہو تو وہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی۔ اس کو محفوظ کرو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

یصدق بنفی الرضا بعد المعرفۃ وبعدمھا وبوجود الرضا مع عدم المعرفۃ ففی ھذہ الصور الثلاث لا تحل وانما تحل فی الرابعۃ وھی رضی الولی بغیر الکفو مع علمہ بانہ کذلک[4] اھ۔

ولی اگر کہے کہ معلوم ہونے پر میں راضی نہ ہوا یا مجھے معلوم نہ ہوا، یا معلوم نہ ہونے کی وجہ سے میں راضی ہوا تھا تو ان تینوں صورتوں میں ولی کی تصدیق کی جائے گی اور وہ مطلقہ ثلاثہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی، ہاں چوتھی صورت میں حلال ہوجائے گی وہ یہ کہ ولی کہے کہ غیر کفو کا علم ہونے کے باوجود میں راضی ہوں اھ۔ (ت)

---

[1] درمختار	باب الکفاءت	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۱۹۵
[2] ردالمحتار	"	داراحیاء التراث العربی بیروت	۲/۳۲۱
[3] درمختار	باب الولی	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۱۹۱
[4] ردالمحتار	"	داراحیاء التراث العربی بیروت	۲/۲۹۷

اُسی میں ہے :

لابد حینئذ لصحة العقد من رضاه صریحا وعلیہ فلوسکت قبلہ ثم رضی بعدہ لایفید فلیتامل[1] اھ وکتبت علیہ جزم بہ فی الخیریۃ تبعا للبحر والوجہ فیہ ماسنذکرہ[2] الخ

اس لئے اس عقد کی صحت کے لئے ولی کا صراحۃً اظہار رضامندی کرنا ضروری ہے، اور اسی بنا پر اگر پہلے وہ خاموش رہا اور بعد میں راضی ہُوا تو نکاح کے بعد کی رضا مفید نہیں ہے، غور چاہئے اھ، اس پر میں نے حاشیہ لکھا، خیریہ میں اس پر جزم بحر کی اتباع میں کیا ہے اور وجہ وہی ہے جو ہم ذکر کریں گے الخ۔ (ت)

یہاں رضائے ولی غیر کفو جان کر نہ تھی بلکہ کفو سمجھ کر لہٰذا اصلاً معتبر نہیں، شرطِ انعقاد نہ پائی گئی اور نکاح باطل محض ہوا، زینب پر فرض ہے کہ اس سے فوراً جدا ہو جائے اگرچہ خلوت ہو چکی ہو اور زید و ہندہ پر حرام ہے کہ اُسے عمرو کے یہاں بھیجیں کہ وہ زنا اجنبی بلکہ اُس سے بدتر ہے نسأل اللہ العفو والعافیۃ (اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۹۵: از کلکتہ بھوانی پور ڈاک خانہ بھوانی پور رسہ روڈ نمبر ۱۰۹ مرسلہ شیخ حاجی نادر علی صاحب بلقرقصاب ۱۵ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً ایک لڑکی کی شادی چھ مہینے کی عمر میں ہوئی اور لڑکے کی عمر اس وقت پانچ برس کی تھی تب دونوں کی شادی ہوگئی اور اب لڑکی کی عمر اس وقت چودہ برس کی ہے اور لڑکا یا لڑکے کا کوئی وارث ابھی تک کسی طرح لڑکی کی خبر نہیں لیتے گئے اور لڑکی خدا کے فضل سے تین قسم کے علم سے بھی واقف اچھی طرح سے ہے اور لڑکا بالکل جاہل ہے کچھ علم سے تعلق نہیں، اور نہ لڑکے کی طرف سے کوئی شخص لڑکی کا پُرسان حال ہُوا انھی سب وجوہات سے اب لڑکی کہتی ہے کہ ہم اوّل شوہر کو طلاق دے کر نکاحِ ثانی کریں گے۔ لڑکی اوّل شوہر کو طلاق دے کر نکاحِ ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور طلاق اس پر واجب ہوگی یا نہیں؟ اس مسئلے کو حضور ارشاد فرمائیں تاکہ لڑکی اگر نکاحِ ثانی کرے اور لڑکے کی طرف سے کوئی کارروائی مقدمہ وغیرہ کا کرے تو ہم کو اس مسئلہ کو پیش کرنا ہوگا خوب کوشش کر کے بلکہ جو فرماویں خرچ وغیرہ کے لئے تو غلام خدمت کے لئے حاضر ہے۔

الجواب

یہاں فتوے پر کوئی خرچ نہیں لیا جاتا، نہ اس کو اپنے حق میں روا رکھا جاتا ہے، طلاق دینا عورت کے

[1] رد المحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۷
[2] جد الممتار حاشیہ رد المحتار باب الولی حاشیہ ۵۰۲ المجمع الاسلامی مبارکپور ۲/ ۳۴۵

اختیار نہیں، نہ وہ شوہر کو طلاق دے سکتی ہے نہ اس کے دئے طلاق پڑ سکتی ہے، قرآن عظیم میں فرمایا: بیدہٖ عقدۃ النکاح[1] (اسی (خاوند) کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ت) حدیث شریف میں ہے: الطلاق لمن اخذ الساق[2] (رجماع سے کنایہ ہے یعنی طلاق وہی دے سکتا ہے جو جماع کا مالک ہے۔ت) اس کی تفصیل معلوم ہونی چاہئے کہ لڑکی کا نکاح چھ مہینے کی عمر میں اُس کے باپ نے کیا یا دادا نے یا اور کسی ولی نے، اور باپ کے سوا جس نے کیا اس سے قریب تر کوئی ولی تھا یا نہیں، تھا تو کون تھا، اور اس نے قبل نکاح یا بعد نکاح خبر سُن کر کیا کہا، لڑکی کو پہلا عارضہ ماہواری کس سال کس مہینے کون تاریخ کے کس منٹ پر آیا، اور اس نکاح سے ناراضی کا اظہار اس نے کس سال کس مہینے کس دن تاریخ کے کس منٹ پر کیا، لڑکی کی قوم کیا ہے اور لڑکے کی کیا، لڑکا مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشے میں بہتر یا برابر یا کتنا کمتر ہے، یہ سب باتیں ایماناً سچی سچی بتائی جائیں، تو جو صورتِ واقعہ ہو اُس کا جواب دیا جائے گا۔ فقط

مسئلہ ۳۹۶: از جاورہ مرسلہ مولوی مصاحب علی صاحب امام مسجد چھیپیان ۲۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نابالغہ کا والد زید قریباً ایک ہزار میل کی مسافت پر تھا، والدہ اور چچا بکر نے رضامند ہو کر ہندہ کے والد کی تحریری اجازت حاصل کرکے عقیق شہر کو بتا کر خود نکاح خالد کے ساتھ کردیا، نکاح کے ڈھائی مہینے بعد زید اپنے مکان پر آیا تو خالد نے اپنے خسر کی دعوت دی اور زید نے جلسۂ دعوت میں نکاح کی رضامندی ظاہر کی، ساڑھے چار ماہ تک رسومات عیدی و دیگر رسومات دامادی خسری خالد کے ساتھ رکھے، اب باہمی رنجش ہونے پر خالد نے زید سے اپنی زوجہ رخصت کرنے کو کہا، زید کہتا ہے میں نے خط نہیں لکھا تھا یعنی نکاح کرنے کی اجازت اپنے بھائی بکر کو نہیں دی تھی اور نکاح فسخ کرنا چاہتا ہے، تو کیا اس خط کے انکار سے باوجودیکہ بعد آجانے کے ساڑھے چار ماہ تک رسومات مذکورہ برتے گئے نکاح فسخ ہوسکتا ہے؟ ہندہ کی عمر وقتِ نکاح بارہ برس کی تھی اور اب $12\frac{1}{2}$ برس ہے۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں انکارِ خط اسے کچھ مفید نہیں، انکارِ خط سے اتنا ہُوا کہ اجازت سابقہ ثابت نہ ہوگی اور غایت درجہ نکاح نکاحِ فضولی ٹھہرے گا اگر یہ صورت غیبت منقطعہ کی نہ لی جائے علٰی ما فصّلناہ فی فتاوٰنا (جس طرح ہم نے اس کی تفصیل اپنے فتاوٰی میں کی ہے۔ت) مگر نکاحِ فضولی بعد اجازت نافذ و لازم ہے اور اجازتِ لاحقہ مثل وکالت سابقہ کما فی الفتاوی الخیریۃ وغیرھا (جیسا کہ فتاوٰی خیریہ وغیرہ میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن ۲/۲۳۷
[2] سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق باب طلاق العبد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵۲

مسئلہ ۳۹۷ از علی گڑھ محلہ بریم بیگ مدرسہ عربی عائشہ خاتون مرسلہ محمد صدیق حسین صاحب ۲۸ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بھتیجی کا نکاح اس کی نابالغی میں کر دیا، جس وقت وہ بالغ ہُوئی اُسی وقت اُس لڑکی نے اُس نکاح اور شوہر کے مکان جانے سے انکار کیا، اب اس لڑکی کا نکاح باقی رہا یا نہیں؟ اور دوسری جگہ اس کا نکاح ہو سکتا ہے اور مہر لازم آئے گا؟ بیّنوا توجروا

الجواب

یہ معاملہ حلال وحرام بلکہ نکاح وزنا کا ہے، اللہ سے ڈریں، اور جو واقعی بات ہو اُس کے حکم پر عمل کریں، غلط بیان پر فتوٰی لینا حشر میں نفع دے گا نہ زنا کو حلال کر دے گا، غیر اَب وجَد نے جو نکاح کفو سے کیا ہو اس کا حکم یہ ہے کہ نابالغہ بفور بلوغ معًا بلاتاخیر انکار کر سکتی ہے اور ذرا بھی دیر لگائی تو نکاح لازم ہوگیا انکار کا اصلًا اختیار نہیں اور یہاں فور محض بلاتاخیر بہت نادر ہے، اللہ واحد قہار سے ڈر کر زنا کو نہایت بدتر خبیث سمجھ کر دیکھیں اگر بالغہ نے جس گھنٹے منٹ سکنڈ میں اسے پہلا حیض آیا تو فورًا فورًا معًا معًا اُسی وقت اُس نکاح سے انکار کیا تو البتہ وہ دعوٰی کرکے اُس کو فسخ کرا سکتی ہے بشرطیکہ کفو سے ہُوا ہو، اور اگر چچا نے غیر کفو سے کیا جو مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں وقتِ نکاح ایسا کم تھا کہ اُس سے نکاح اس کے لئے باعثِ ننگ وعار ہو تو نکاح سرے سے ہُوا ہی نہیں فسخ کی کیا ضرورت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۹۸ یکم ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سعیدہ بی بی کا عقد اول موضع گورا میں بشیر الدین کے ساتھ ہُوا، ایک لڑکی پیدا ہُوئی، جب لڑکی قریب ڈیڑھ سال کے ہُوئی سایۂ پدری سر سے جُدا ہُوا، اب بیوہ اپنی لڑکی کو لے کر باپ اور بھائیوں کے یہاں آرہی، سوا چار برس کے بعد نکاح ثانی موضع کرگھناں میں عبدالصمد سے ہُوا، خاوند دیگر کا ایک لڑکا کہ جس کی عمر چھ سال کی تھی بیوی سابق سے تھا بصد سختی وتشدد و بہزار زجر وتوبیخ بی بی سے اذن لے کر اپنے لڑکے کا عقد بیوی ثانی کے ہمراہ جو لڑکی آئی تھی جس کی عمر چھ سال کی تھی جبریہ کرا دیا گیا، لڑکی کا نہ کوئی چچا حقیقی نہ بھائی صرف چچازاد چچا اور چچازاد بھائی اور دو پھوپھیاں حقیقی اور نانا اور ماموں حقیقی ہیں اور وہاں موجود نہ تھے اور نہ اطلاع، جب لڑکی سنِ بلوغ کو پہنچی اور اس کا اظہار ہُوا فورًا پکار اُٹھی یعنی منٹ بھی پُورا نہ ہونے دیا کہ مجھ کو اُس شوہر کے یہاں کسی نوع جانا منظور نہیں اور ہرگز ہرگز نہ جاؤں گی، دن کے سات یا آٹھ بجے کا واقعہ ہے، معزز اشخاص شاہد ہیں۔

الجواب

سوال میں یہ فقرہ کہ فورًا پکار اُٹھی حکمِ شرعی سُننے کا نتیجہ ہے، اور آگے اس کی تفسیر نے کہ یعنی منٹ بھی

پُورا نہ ہونے دیا اُسے پھر بگاڑ دیا،

فانہ ان بقی تمام الدقیقۃ ثانیۃ او ثانیتین صدق انہا لم تتم ولکن این الفور۔

کیونکہ اگر منٹ میں سے ایک سیکنڈ یا دو سیکنڈ رہتے تو کہا جا سکتا ہے کہ منٹ پُورا نہ ہُوا، لیکن یہ فوراً نہیں ہے۔ (ت)

یہ معاملہ حلال وحرام نکاح وزنا کا ہے، بات بناکر کچھ حکم لے لینا زنا سے نہ بچا لے گا، پھر اگر تمام شرائط شرعیہ متحقق ہو بھی لیں تو عورت کے کہے سے نکاح فسخ نہیں ہو جاتا بلکہ اُس کو دعوٰی کا اختیار ملتا ہے حاکم مجاز کے یہاں دعوٰی کرے، وہ تحقق شرائط شرعیہ کا گواہانِ عادل سے ثبوت لے، جب ثبوت ہو جائے تو حاکم نکاح فسخ کرے ویسے نہیں ہوسکتا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۹۹: از لاہور بستی، بازار انارکلی، مدرسہ تعلیم القرآن معرفت مولوی احمد الدین صاحب مرسلہ جناب مولوی قاضی غلام گیلانی صاحب ۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

بجناب مستطاب حضرت عالم اہلسنت وجماعت مجدد مائۃ حاضرہ زید فضلہم، بعد نیازمندی عقیدت مندانہ درمختار باب الولی میں ہے،

وللولی الاعتراض فی غیر الکفؤ مالم تلد لئلا یضیع الولد[1]

ولی کو غیر کفو میں اعتراض کا حق ہے جب تک بچّہ پیدا نہ ہو (اس کے بعد نہیں) تاکہ بچّے کا نسب ضائع نہ ہو۔ (ت)

طحطاوی وابوالمکارم حاشیہ شرح وقایہ وبنایہ علی الھدایہ وحاشیہ شلبی علی الزیلعی وہندیہ میں لکھا کہ بعد ولادت بھی بناء برظاہر الروایات ولی کو اعتراض ہے فسخ کے لئے، اور امام حسن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی روایت مفتٰی بہا پر ابتداءً ہی سے بطلانِ نکاح کا حکم باقی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولادت حق اولیا کی مسقط نہیں اور یہی خادم الاقدام کا مقصود بھی ہے، اس بارہ میں حضور کو تکلیف تو ہوگی مگر حضور کے تو کل اوقات ہی اسی کام کے لئے وقف ہیں، ثبوت تفریق واعتراض بعد الولادۃ کے لئے حضور سے جہاں تک توثیق ہو سکے بہتر ہے بشرطیکہ خادم کا اعتقاد خدام عالی شان کے اعتقاد سے مطابق ہو ورنہ خیر، خادم نے ثبوت تفریق کا دعوٰی کیا ہے وان ولدت (اور اگر بچّہ پیدا ہو جائے۔ ت) اور دوسری جانب کے مولوی لوگ اس کے عدم پر ہیں، آج ۲۶ اس مہینے انگریزی اور آئندہ دسمبر مہینے کی ۸ لاہور میں جج کے پاس مقرر ہے فقیر کو بھی جانا ہوگا، بینواتو

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

کو ایک مردِ غیر سید غیر قریشی نے نکاح کرلیا ہے اور مقدمہ بازی میں اُس کا بچّہ بھی ہوگیا ہے، دوسری جانب کے مولوی کہتے ہیں کہ علویات کا نکاح مع تراضی اولیا یا بلا تراضی باطل کہنا شیعہ کا مذہب ہے اور بنایہ کی عبارت سے مستند ہیں:

وفی البسیط ذھب الشیعۃ الی ان نکاح العلویات ممتنع علٰی غیرھم مع التراضی قال السروجی وھما قولان باطلان۔[1]

بسیط میں ہے کہ رضامندی کے باوجود علویات (سیّدزادیوں) کا غیر سے نکاح شیعہ لوگوں کے ہاں ناجائز ہے، سروجی نے کہا کہ دونوں قول باطل ہیں (ت)

اس قولان باطلان سے کون سے دو قول مراد ہیں، یہ عبارت تفسیر طلب ہے۔ حضور فیض النور اس عریضہ کا جواب اس پتہ پر ارشاد فرمائیں، ۸ تاریخ سے اگر ایک دو روز اوّل جواب پہنچے تو فقیر اس تحریر منیر کو جلسہ علماء میں پیش کردے، امید تو پختہ ہے کہ علماء بھی مان لیں گے ورنہ حاکم فیصلہ تسلیم کرلے گا، ایسی حالت میں کہ مقدمہ ہوتے ہوتے اولاد پیدا ہوگئی اور چند روز میں مرگئی تو اب بھی حق اعتراض للاولیاء ہے یا نہ؟ بینوا توجروا

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم، بملاحظہ مولانا المکرم ذی المجد والکرم والفضل اتم مولانا قاضی غلام گیلانی صاحب اکرمہ اللہ تعالٰی وتکرم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مجھے ۲۷ محرم سے یکم ربیع الاول شریف تک بخار کے دورے ہوئے جن میں بعض بہت شدید تھے، اب تین روز سے برکت دُعاء جناب بخار تو نہیں آیا مگر ضعف بدرجہ غایت ہے، اسی حالتِ حمّٰی میں پہلے سوال سامی کا جواب حاضر کردیا تھا اور رسالہ دربارۂ ذبیحہ پہلے جبل پور جانے اور اب اس بخار کے دوروں کے سبب مکمل نہ ہوسکا طالبِ عفو و دُعا ہے بنایہ اور ابوالمکارم میرے پاس نہیں شلبی علی الزیلعی و ہندیہ میں بعد ولادت بھی بقاءِ حق اعتراض صرف شیخ الاسلام سے نقل کی ہے اور اُس کی طرف سے کوئی میل اُن کی عبارت سے نہیں پایا جاتا اکابر و مشاہیر کا جزم اسی پر ہے کہ مالم تلد (جب تک بچہ پیدا نہ ہو۔ت) زیلعی میں تھا:

الا اذا سکت الی ان تلد فیکون رضا دلالۃ۔[2]

مگر جب ولی خاموش رہا حتی کہ لڑکی نے بچّہ کو جنم دیا تو یہ دلالۃً رضامندی ہوگی۔ (ت)

اس پر شلبی نے کہا:

---

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ فصل فی الکفاءت المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۲/ ۱۰۲

[2] تبیین الحقائق " " " مطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۲/ ۱۲۸

وعن شیخ الاسلام ان له التفریق بعد الولادۃ ایضا اھ کمال منقول عنہ[1]

شیخ الاسلام سے منقول ہے کہ بچّہ کی پیدائش کے بعد بھی تفریق کا حق ہے اھ کمال سے منقول ہے (ت)

کمال کی عبارت یہ ہے:

لایکون سکوت الولی رضا الا ان سکت الی ان ولدت فلیس لہم التفریق وعن شیخ الاسلام ان له التفریق بعد الولادۃ ایضا[2]۔

ولی کا سکوت رضا نہیں ہوگا مگر جبکہ سکوت لڑکی کے ہاں بچّے کی پیدائش تک جاری رہا تو اب ولی کو اختیارِ تفریق نہیں اور شیخ الاسلام سے منقول ہے کہ اس کو ولادت کے بعد بھی تفریق کا اختیار ہے۔(ت)

ہندیہ میں پہلے شرح جامع صغیر قاضی خاں سے نقل کیا:

لایبطل حقه فی الفسخ وان طال الزمان حتی تلد[3]

اسکا حق فسخ باطل نہ ہوگا اگرچہ مدت تک وُہ فسخ نہ کرے حتی کہ لڑکی بچہ کو جنم دے (ت)

پھر نہایہ سے نقل کیا:

اذا ولدت منه فلیس للاولیاء حق الفسخ[4]۔

جب لڑکی نے اپنے خاوند سے بچہ کو جنم دیا پھر اولیاء کو حقِ فسخ نہیں (ت)

حکم اس میں بھی یہی لکھا ہے آگے استدراکاً قولِ شیخ الاسلام ذکر کیا اور طحطاوی میں تو اس قول کا ذکر تک نظر نہ آیا بلکہ ایک عبارتِ شارح سے ابہام ہوتا تھا کہ اگر ولی کو خبرِ نکاح نہ ہو تو بعد ولادت بھی معترض ہوسکتا ہے اس پر اعتراض کردیا، متن میں تھا: له الاعتراض مالم تلد[5] (بچّہ جَننے تک اس کو اختیار ہے۔ ت) اسے شارح نے یُوں بنایا: مالم یسکت حتی تلد[6] (بچّے کے جنم تک خاموش نہ رہے۔ ت) اس پر محشی نے فرمایا:

الاولٰی حذف مافی الشرح لانه یفهم منه

جو کچھ شرح میں ہے اس کو حذف کرنا بہتر ہے کیونکہ اس سے یہ

---

[1] حاشیہ شلبی علی تبیین الحقائق | فصل فی الکفاءۃ | مطبعۃ الکبری الامیریہ مصر | ۲/۱۲۸

[2] فتح القدیر | " | مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر | ۳/۱۸۷

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ شرح جامع صغیر قاضیخاں | باب الکفاءۃ | نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/۲۹۲-۹۳

[4] " " بحوالہ النہایۃ | " | " " " | ۱/۲۹۳

[5] درمختار شرح تنویر الابصار | باب الولی | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۱

[6] " | " | " | "

ان ذالك عن علم فلوكان عن غير علم يكون له الاعتراض وان ولدت والعلة تنفی ذلك فالاولی ابقاء المصنف علی ظاهرہ فتامل[1]

سمجھا جارہا ہے کہ علم کے باوجود ایسا ہے اگر علم کے بغیر ہو تو اسے اعتراض کا حق ہے اگرچہ اس نے بچے کو جنم دیا ہو، حالانکہ علت اس کی نفی کرتی ہے، لہذا بہتر ہے کہ مصنف کی عبارت کو ظاہر پر باقی رکھا جائے، غور کرو۔ (ت)

روافض کے نزدیک کوئی قرشی غیر علوی علویہ کا کفو نہیں اور ہمارے نزدیک قریش بعضهم اکفاء بعض، میرے پاس بنایہ نہیں کہ دوسرا قول معلوم ہو یہ صورت کہ یہاں واقع ہوئی کہ ولی دعویٰ تفریق کرچکا اس کے بعد ولادت ہوئی اختلاف سے برکراں ہے، مسقط حق تفریق سکوت حتی تلد تھا وہ نہ پایا گیا کہ قبل ولادت دعویٰ دائر ہوچکا، پھر ان تکلفات کی ضرورت کیا ہے جبکہ مفتیٰ بہ مطلقاً فساد و عدم انعقاد ہے، والسلام۔

مسئلہ از شہسرام ضلع شاہ آباد محلہ شاہ جمعہ مرسلہ شیخ عبدالواحد صاحب ۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فوت ہوا اور ایک زوجہ زینب اور دو دختر نابالغہ ہندہ وکلثوم، ایک باپ خالد کو چھوڑا۔ تو ان دونوں دختران نابالغہ کا ولی کون شخص ہوگا؟

الجواب

ان دختران کے مال و نکاح جب کا ولی ان کا دادا خالد ہے اگر ان کا باپ کسی کو اپنی اولاد یا جائداد کی غور پرداخت نگہداشت سپرد نہ کرگیا ہو ورنہ وہ وصی ولی مال دختران ہوگا اور نکاح کا ولی بہرحال خالد۔ درمختار میں ہے:

ولیه ابوه ثم وصیه بعد موته ثم وصی وصیه ثم بعدهم جده الصحیح وان علا[2] الخ۔

اس کا ولی اس کا باپ ہے پھر باپ نے جس کو اپنا وصی بنایا، پھر وصی کا وصی، پھر دادا ترتیب وار اوپر تک۔ (ت)

اسی میں ہے:

الولی فی النکاح العصبة بنفسه علی ترتیب الارث ولیس للوصی ان یزوج الیتیم مطلقا وان اوصی الیه الاب بذلك علی المذهب[3] (ملخصًا)

نکاح کا ولی عصبہ بنفسہ وراثت کی ترتیب پر، اور وصی کو مطلقاً یتیم کے نکاح کی ولایت نہیں ہے اگرچہ باپ نے اسے وصیت بھی کی ہو، مذہب یہی ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الولی دارالمعرفۃ ۲/ ۲۶ و ۲۷

[2] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

[3] درمختار باب الولی " " " ۱/ ۱۹۲-۱۹۳

مسئلہ ۴۰۱ تا ۴۰۴ از بریلی محلہ پھوٹا دروازہ مسئولہ فخر الدین صاحب ۳۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص رنڈوا ہے اُس نے نکاح ثانی کیا بعدہٗ اس شخص کے پہلے بیٹے نے اپنی سوتیلی ماں کی حقیقی بہن سے نکاح کرلیا جو اس کی سوتیلی خالہ ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) وہ لڑکی عرصہ دو سال سے دوسرے لڑکے کو والدین نے دی ہوئی ہے موافق رواج کے روبرو گواہوں کے والدین نے دی ہے مگر جو رخصتی کے وقت نکاح ثانی ہوتا ہے وہ باقی ہے۔

(۳) جبکہ لڑکی کے والدین زندہ ہیں اور لڑکی کنواری ہے تو بغیر رضامندیِ والدین کے کیا وہ غیر شخصوں کو ولی بناسکتی ہے اپنے نکاح میں؟

(۴) قاضی جس کو پورا علم ہو کہ اس لڑکی کے والدین حقیقی زندہ ہیں اور موجود ہیں تو وہ بلا دریافت اُس کے والدین ان کی بے علمی میں غیر شخص کو ولی مقرر کرکے لڑکی کا نکاح کرسکتا ہے؟ اگر نہیں تو ایسے قاضی کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب

(۱) سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے، کچھ حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) دو نکاح کہیں نہیں ہوتے، پہلی منگنی ہوتی ہے وہ نکاح نہیں ہوتا، بات زبان پھیر کر کہنا کچھ مفید نہیں، دو سال سے دی ہوئی ہے، وہ جلسہ نکاح کرنے کے لئے تھا یا منگنی کا؟ اور کیا لفظ طرفین نے کہے تھے؟ پوری بات بیان کی جائے۔

(۳) لڑکی اگر بالغہ ہے تو اُسے خود اپنے نکاح کا اختیار ہے اور نابالغہ ہے تو وہ باپ کے ہوتے کسی کو ولی نہیں بناسکتی، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) بالغہ کا نکاح اُس کی اجازت سے پڑھا جاسکتا ہے اگرچہ والدین کو علم نہ ہو، ہاں ہاں یہ ضرور ہے کہ جس سے یہ نکاح ہو وہ بالغہ کا کفو ہو یعنی مذہب، نسب، چال چلن، پیشے کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اُس سے نکاح ہونا لڑکی کے باپ کے لئے باعثِ ننگ و عار ہو ورنہ نکاح نہ ہوگا، اور اگر نابالغہ ہے تو یہ نکاح باپ کی اجازت پر موقوف رہے گا، قاضی نے بدنیتی نہ کی تو الزام نہیں ورنہ الزام ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۰۵ تا ۴۰۶ از شہر محلہ گندہ نالہ مسئولہ عبدالودود لیڈر صاحب ۲۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) بالغ لڑکی اگر نکاح کے وقت بوجہ شرم و حجاب اپنی زبان سے ایجاب و قبول کے الفاظ ادا نہ کرے صرف

یہ ہو کر اُس کے عزیز و قریب مستورات جو اس کے گرد و پیش موجود ہیں وُہ کہہ دیں کہ ہاں لڑکی کو منظور ہے اور بالعموم اکثر نکاحوں میں اسی طرح کی صورت واقع ہُوا کرتی ہے لڑکیاں بوجہ شرم و حجاب خود نہیں بولتی ہیں ایسی صورت میں نکاح جائز ہُوا یا نہیں اور اُس کا اقرار سکوتی ایجاب و قبول کے قائمقام سمجھا جائیگا یا نہیں ؟

(۲) لڑکی بالغ ہے مگر یتیم ہے اُس کی ماں نے اس کا نکاح کیا متوفی باپ کے بھائی یعنی چچا تائے موجود تھے آیا ان کی عدم موجودگی نکاح کے جواز پر شرعاً کچھ موثر ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

(۱) اگر ولی اقرب مثلاً باپ وُہ نہ ہو تو دادا، وہ نہ ہو تو بھائی، وُہ نہ ہو تو بھتیجا، وُہ نہ ہو تو چچا، وہ نہ ہو تو چچا کا بیٹا اگر خود جا کر بالغہ دوشیزہ سے اذن لے یا اپنی طرف سے کسی کو اذن لینے کے لئے اُس کے پاس بھیجے اور وہ طلبِ اذن پر سکوت کرے تو یہی اذن ہے،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصماتہا اذنہا۔[1] حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا، باکرہ کی خاموشی ہی اذن ہے۔ (ت)

اور اگر وُلی اقرب خود گیا نہ اپنی طرف سے کسی کو اذن لینے کے لئے بھیجا بلکہ اور شخص بے اس کے بھیجے بطور خود اُس سے اذن لینے گیا تو اس کا سکوت اذن نہ ہوگا اگرچہ اذن لینے والا کیسا ہی قریب رشتہ دار ہو جبکہ ولی اقرب نہ ہو مثلاً باپ کے ہوتے ہُوئے دادا یا حقیقی بھائی اپنی طرف سے اذن لینے جائیں تو ضرور ہوگا کہ عورت خود ہاں کہے اپنی زبان سے اذن دے، پاس بیٹھنے والیوں کا یہ ظلم ہوتا ہے کہ وُہ دھوکا دینے کو ہُوں ہاں کر دیتی ہیں اس صورت میں تو نکاح فضولی ہوگا جبکہ کفو کے ساتھ ہو دختر کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر خبر سن کر اُس وقت یا بعد کو بے اظہار نفرت جائز کرے جائز ہو جائے گا رَد کرے رَد ہو جائے گا، اگر اپنے کسی قول یا فعل سے صراحۃً دلالۃً اب تک رَد نہ کیا ہو تو خوشی رخصت ہو کر جانا اذن ہے اس وقت نکاح نافذ ہو جائے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) چچا کے ہوتے ماں اگر یتیمہ بالغہ کا نکاح یتیمہ سے اذن لے کر دے یا بعد نکاح وُہ دختر اذن قولاً یا فعلاً دے دے تو نکاح صحیح و نافذ و لازم ہے، چچا تایا بھائی کسی کو گنجائشِ اعتراض نہیں جبکہ نکاح کفو سے کیا ہو یعنی وہ شخص مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشے میں ایسا کم نہیں جس کے ساتھ اس دختر کا نکاح اُس کے ولی کے لئے باعثِ ننگ و عار و بدنامی ہو، اگر ایسا ہے تو نکاح ہوگا ہی نہیں اور اگر یتیمہ نابالغہ ہے

---

[1] موطا امام مالک کتاب النکاح مطبع میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۴۹۸

کہ حقیقۃً یتیمہ وہی ہوتی ہے تو اگر ماں نے غیر کفو بمعنی مذکور سے نکاح کر دیا تو ہوا ہی نہیں اور کفو سے کیا تو چچا وغیرہ جو ولی اقرب ہو اس کی اجازت پر موقوف رہے گا رَد کر دے گا رَد ہو جائے گا جائز کر دے گا جائز۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۰۲ از شہر محلہ گندہ نالہ مسئولہ عبدالودود ولیڈر صاحب ۲۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی وایدکم بنصرہ فی یتیمۃ بلغت من عمرھا خمسۃ عشر سنین زوجتھا امھا برضاھا باحد من الاقارب ولکن لم یحضروا مجلس النکاح اولیاء الیتیمۃ المذکورۃ کالاعمام وغیرھم وما استشیروا فی ھذا الباب وتولت فی امر النکاح امھا وحدھا لانھا کانت وحدھا کفیلۃ لبنتھا الی الاٰن ھل جاز النکاح ام لا۔

علمائے کرام آپ کا کیا ارشاد ہے اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک پندرہ سالہ لڑکی کا نکاح اس کی والدہ نے لڑکی کی رضامندی سے رشتہ داروں میں کر دیا جبکہ لڑکی کے اولیاء چچا وغیرہ مجلس نکاح میں حاضر نہ ہوئے اور نہ ہی اس نکاح سے متعلق ان سے مشورہ لیا گیا، صرف والدہ نے ہی نکاح کی تولیت کی کیونکہ لڑکی کی کفیل اس وقت والدہ ہی تھی، کیا یہ نکاح جائز ہوا یا نہ؟

الجواب

ان بلغت قبل ھذا العلامۃ کحیض اوتمت لھا قبل اذنھا بالنکاح خمس عشرۃ سنۃ کوامل وکان النکاح من کفؤ لیس فی دینہ ولا نسبہ ولا خلقہ ولا حرفتہ مایتعیر بہ اولیاؤھا عرفا جاز النکاح فان وقع بعد اذنھا او رضیت بہ بعد وقوعہ قبل ردہ تم ولزم ولیس لھا ولا لاحد من اولیاءھا الاعتراض علیہ، وان کان من غیر کفؤ بالمعنی المذکور فھو باطل راسا وان اذنت و اجازت او بنفسھا تولت وان کان من کفؤ ولم تبلغ بعد توقف علی اجازۃ الولی ان اجاز جاز وان ابطل

اگر لڑکی نکاح سے قبل بالغ ہو چکی تھی جس پر حیض یا کوئی اور علامت بلوغ ظاہر ہو چکی تھی، یا وہ نکاح سے قبل پورے پندرہ سال کی ہو چکی تھی تو اس نے نکاح کی اجازت دی اور نکاح بھی کفو میں ہوا کہ لڑکے کے دین، نسب، اخلاق اور اس کے کسب پر عرفاً لڑکی کے اولیاء کو اعتراض نہ ہو یعنی اس سے عار محسوس نہیں کرتے تو نکاح جائز ہے پس اگر نکاح عورت کے اذن کے بعد واقع ہو یا وہ نکاح کے بعد اس کو رَد کرنے سے پہلے اس پر رضامندی ظاہر کر چکی ہو تو یہ نکاح نافذ و لازم ہو گیا ہے اب اس کو یا اس کی ولی کو نکاح پر اعتراض کا حق نہیں رہا، اگر یہ نکاح غیر کفو بمعنی مذکور میں ہوا تو وہ نکاح بالکل باطل ہے اگرچہ اجازت اور رضامندی ظاہر کر چکی ہو یا اس نے خود اپنا نکاح کیا ہو اگر نکاح کفو میں ہوا لیکن ابھی بالغ نہ تھی تو پھر ولی کی اجازت پر موقوف رہا، اگر ولی جائز کر دے تو جائز اگر باطل کر دے

بطل وان سکت الاولیاء حتی بلغت آل الامر الیہا فلتمض اولترد و المسائل ظاھرۃ وفی الکتب دائرۃ، واللہ تعالٰی اعلم۔

تو باطل ہوگا، اور اگر لڑکی کے بلوغ تک ولی خاموش رہے حتی کہ لڑکی خود بالغ ہوگئی تو اب اجازت لڑکی کی طرف سے ہوگی چاہے راضی ہوجائے یا نکاح کو رَد کردے، یہ مسائل ظاہر ہیں اور کتب میں مذکور ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۰: از اجمیر شریف محلہ لاکھن کوٹھری مرسلہ مولانا مولوی مشتاق احمد صاحب صدر مدرس مدرسہ معینیہ اجمیر معلی یکم رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بالغہ لڑکی کی والدہ اور بھائیوں نے ایک میراثی کو رشتہ کہنے کے واسطے بھیجا کہ فلاں قبیلہ میں رشتہ کرآؤ اس قبیلہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ نہ کرنا، میراثی نے کچھ روپیہ رشوت کا لے کر دوسری جگہ رشتہ کردیا، بعدازیں لڑکی اور والدہ اور بھائیوں کو اطلاع ہوئی اُنھوں نے دو آدمیوں کو بھیجا کہ رشتہ والوں سے کہہ دو کہ ہم نہیں رشتہ کرتے، اور پھر لڑکی کے بھائی بھی گئے منع کرنے کے واسطے آخرکار وہ باز نہ آئے۔ اور میراثی نے چند ایام اپنی طرف سے مقرر کرکے برات منگوائی، برات آنے پر لڑکی اور والدہ بھائی نکاح سے سراسر انکار کرتے رہے، حتی کہ پانچ چھ ایام اسی طرح گزر گئے، چونکہ برات کے ساتھ چند رؤسا تھے انھوں نے گرد و نواح کے سب رؤسا جمع کئے اور کہا کس صورت سے ہوسکتا ہے ہمیں نکاح دلا دو، سب رؤسا نے جمع ہوکر لڑکی کے بھائیوں کو ایک مقدمہ جعلسازی میں پھانس دیا، وہ بیچارے غریب عاجز ہوکر کہنے لگے کہ اچھا نکاح ٹھہرا دو، جب لڑکی سے اذن لینے کے واسطے گئے اُس نے انکار کردیا، پھر ایک شخص نے لڑکی کو جبراً خاموش کردیا اور بہلی میں بٹھا کر لے گئے، بوقتِ وداع لڑکی کے بھائیوں نے لڑکی سے پوچھا تجھ کو کپڑا وغیرہ دیں، لڑکی نے انکار کیا اور کہا کہ میرا نکاح ہی نہیں ہے تم کس واسطے دیتے ہو، بعد آنے کے وہ اب تک انکار پر مصر ہے، عرصہ پانچ سال کا ہُوا۔ یہ نکاح عندالشرع ہُوا یا نہیں؟

الجواب

جبکہ صورت واقعہ یہ ہے لڑکی عاقلہ بالغہ ہے اور اُس نے اذن نہ دیا بلکہ صاف انکار کردیا اور بالجبر رخصت کے وقت بھی تصریحاً کہا کہ میرا نکاح ہی نہیں ہے، اور جب سے اب تک انکار پر مصر ہے تو نکاح مذکور باطل و مردود محض، اور ان جبر کرنے والوں کا ظلم خالص ہے، بھائیوں نے یہ بجبر نہ سہی بخوشی اجازت دی ہوتی یا خود نکاح کردیا ہوتا بالغہ کے انکار سے وُہ بھی فوراً باطل ہوجاتا نہ کہ ان کی اجازت بھی جبر سے، یونہی اگر بعد نکاح انکار کے بعد بالغہ خود بھی راضی ہوجاتی مفید نہ ہوتا کہ باطل شدہ نکاح رضا سے صحیح نہ ہوسکے گا نہ کہ وہ اب تک انکار پر مصر ہے، غرض اس باطل نکاح کو نکاح سمجھنا جہل بعید و ظلم شدید ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز احد علی بالغة صحیحة العقل من اب اوسلطان بغیر اذنها بکرا کانت او ثیبا فان فعل ذلك فالنکاح موقوف علی اجازتها فان اجازته جاز وان ردته بطل کذا فی السراج الوھاج[1]

عاقلہ بالغہ باکرہ ہو یا ثیبہ اس کی مرضی کے خلاف باپ یا حاکم کسی کو بھی اس کے نکاح کا اختیار نہیں، اگر کسی نے ایسا کیا یہ نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر وہ جائز کرے تو جائز اور اگر رد کرے تو رد ہو جائے گا۔ سراج الوہاج میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

بلغھا فردت ثم قالت رضیت لم یجز لبطلانہ بالرد[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

جب بالغہ کو نکاح کی اطلاع ملی تو اس نے رد کر دیا ہو پھر بعد میں اس نے کہا میں راضی ہوں، تو جائز نہ ہوگا کیونکہ قبل ازیں رد کرنے سے نکاح باطل ہو چکا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از بمبئی جیل روڈ پوسٹ نمبر ۹ معرفت خلیفہ احمد اللہ صاحب مرسلہ جمیل محمد خاں صاحب دہلوی ۱۲ رمضان ۱۳۳۸ھ

ایک بالغہ شیعہ لڑکی نے برضا و رغبت خود بلا اجازت والدین ایک سُنّی المذہب افغانی النسب سے چار گواہ اور ایک وکیل کی موجودگی میں قاضی کے سامنے بمعرفت قاضی نکاح کیا، منکوحہ کے والدین بوجہ شیعہ ہونے کے اُس کا یہ نکاح فسخ کرانا چاہتے ہیں اور عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ چونکہ خلوت صحیحہ نہیں ہوئی اس لئے نکاح کے فسخ کرانے کا استحقاق ہمیں حاصل ہے، دوسرے یہ کہتے ہیں کہ چونکہ نکاح ہم کفو سے نہیں ہُوا لہذا ہمیں فسخ کا اختیار ہے، وکیل جو مجلسِ نکاح میں لڑکی کی جانب سے مقرر ہُوا تھا وہ اس بات کا تو اقرار کرتا ہے کہ نکاح ہُوا ایں وکیل بھی بنا مگر لڑکی کے ایجاب وقبول کی آواز نہیں سُنی، قبل از نکاح لڑکی نے گواہان کے سامنے اقرار کیا ہے کہ میں اہلسنت و جماعت حنفی مذہب اختیار کرچکی ہوں، نکاح کے گواہ موجود ہیں اور وہ مقر ہیں کہ ہمارے سامنے نکاح ہوا ایجاب و قبول کی آواز ہمارے کانوں تک آئی، اور قبل از نکاح لڑکی نے کہا کہ میں اہلسنت و جماعت ہو چکی ہوں۔

الجواب

بالغہ پر ولایتِ جبریہ کسی کی نہیں خصوصًا اس حالت میں کہ وہ سُنّیہ ہے اور باپ رافضی، عدمِ کفاءت کی وجہ کوئی سائل نے نہیں لکھی، اگر صرف بربنائے تخالفِ مذہب ایسا کہا جاتا ہے تو سُنّی لاکھوں درجے رافضی سے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۷

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

علی ہیں، اور مغل پٹھان باعتبار قوم ہم کفو ہیں، اُس کے باپ کا اعتراض باطل ہے اور اُسے کوئی اختیار فسخ نہیں، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں، الایم احق بنفسہا[1] (بے نکاح عاقلہ بالغہ کو اپنے نفس پر زیادہ اختیار ہے۔ت) اللہ عزوجل فرماتا ہے:

لن یجعل اللّٰہ للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ اللہ تعالٰی کافروں کو مومنوں پر ہرگز ولایت نہیں دے گا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۲: کوہ رائی کھیت متصل جامع مسجد مسئولہ عبدالرحمان خاں صاحب خانساماں ۹ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع متین اس بارے میں کہ ایک شخص اہلسنت وجماعت نے ایک رافضی کی بیوی سے کہا کہ تُو مجھ سے مِل، تو اس رافضی کی عورت نے کہا کہ اس شرط پر ملوں گی اگر تُو اپنی بیٹی کی شادی میرے بیٹے سے کرے۔ اُس شخص مذکور نے اس شرط کو قبول کیا اور مدتِ دراز تک زناکاری رہی اور ابھی تک موجود ہے، اب وہ لڑکی اہلسنت کی جوان ہوگئی ہے اور شخص مذکور اُس کی شادی اُس رافضی سے کرنے کو تیار ہے، اور اُس لڑکی سُنّیہ کا نانا موجود ہے وُہ بھی منع کرتا ہے اور تمام اہلسنت وجماعت منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نکاح جائز نہیں، مگر شخص مذکور کہتا ہے کہ جائز ہے۔ اب اس صورت میں یہ لڑکی اپنے نانا کو مل سکتی ہے یا نہیں؟ اور یہ نکاح جائز ہے یا ممنوع بشرعاً اس میں گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب

یہ نکاح حرام قطعی اور زنائے خالص ہے۔ عالمگیری میں ہے:

لایجوز لہ ان یتزوج امرأۃ مسلمۃ ولامرتدۃ ولاذمیۃ لاحرۃ ولا مملوکۃ[3]۔ مرتد کو کسی مسلمان عورت، مرتدہ، ذمیہ، آزاد یا لونڈی عورت سے نکاح جائز نہیں ہے۔ (ت)

جبکہ وُہ لڑکی جوان ہے اور باپ اُسے معاذ اللہ زنا کے لئے دینا چاہتا ہے تو نانا وغیرہ دیگر اولیاء پر لازم ہے کہ لڑکی کو اُس کے قبضہ تصرف سے نکال کر فوراً لڑکی کی رضا سے کسی سُنّی صحیح العقیدہ کفو کے ساتھ اُس کا نکاح کردیں واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] مؤطا امام مالک کتاب النکاح میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۴۹۸

[2] القرآن الکریم ۴/۱۴۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۲۵۵

مسئلہ ۱۱۲۱: از مقام بلبیا ڈاکخانہ رسڑا مسئولہ مولوی حکیم عبدالشکور صاحب ۲۸ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ جس کی عمر تخمیناً دس برس کی تھی بعد انتقال اپنے والدین کے اپنے حقیقی چچا زید سے خفا ہو کر اپنے حقیقی ماموں کے گھر چلی گئی اور وہاں رہنے لگی، کچھ عرصہ کے بعد اس کے ماموں نے ہندہ کا عقد قبل بلوغ مسمی بکر سے بلا اجازت حقیقی چچا کے اس شرط پر کیا کہ تم جب میری بستی میں آکر مکان بناؤ گے اس وقت ہم لڑکی رخصت کریں گے۔ اب بکر اس بستی میں مکان نہیں بناتا ہے اور لڑکی رخصت کرا کر لے جانا چاہتا ہے اور لڑکی وہاں جانے پر راضی نہیں، کیا حقیقی چچا کے موجود ہوتے ہوئے اس کے ماموں نے عقد کر دیا تو یہ عقد شرعاً درست ہوا یا نہیں؟

دوم جب بکر نے اس بستی میں مکان نہیں بنایا تو عقد فسخ ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

بے اجازت چچا کے ماموں نے جو نکاح کیا جائز و صحیح ہوا، مگر چچا کی اجازت پر موقوف تھا، اگر وہ رد کر دیتا رد ہو جاتا۔ مگر عبارتِ سوال سے ظاہر کہ اس نے رد نہ کیا نکاح پر راضی ہوا دوسری جگہ لے جانے پر راضی نہیں۔ جب صورت یہ ہے تو وہ نکاح نافذ بھی ہوگیا مگر لڑکی کو خیار بلوغ ملا۔ عبارتِ سوال سے ظاہر کہ لڑکی نے جسے بالغہ ہوئے کئی سال گزرے اس خیار کا استعمال نہ کیا، وہ بھی نفسِ نکاح سے ناراض نہیں بلکہ دوسری جگہ جانے سے۔ پس صورتِ مذکورہ میں نکاح لازم ہوگیا اور کسی کو اس پر اعتراض کا اختیار نہ رہا۔

اسی گاؤں میں مکان بنانے کی شرط شرطِ فاسد ہے، اور شرطِ فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود وہ شرط ہی باطل ہو جاتی ہے، اسے اختیار ہے کہ اپنی عورت کو اپنے گھر لے جائے۔ قال اللہ تعالٰی:

واسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم[1]۔ بیویوں کو اپنی سکونت کے ساتھ سکونت گنجائش کے مطابق دو۔ (ت)

ہاں اگر ظاہر ہو کہ شوہر عورت کو ضرور ایذا دینے کے لئے دوسری جگہ لے جانا چاہتا ہے اور یہاں رکھنا نہیں چاہتا تو لے جانے کی اجازت نہ دیں گے۔

ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن[2]۔ ھذا حاصل ماحط علیہ کلام المحققین۔ وعلیك برد المحتار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بیویوں کو تنگ کرنے کے لئے ضرر مت دو۔ محققین کے کلام کا مصداق یہی ہے، آپ پر ردالمحتار کی طرف رجوع ضروری ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/۶

[2] ایضاً

مسئلہ ۴۱۳: از مقام گھو، گھو ڈاک خانہ اسٹیٹ ضلع دیناجپور ڈاکخانہ خاص مسئولہ حاجی سید نور الحسن صاحب بہاری ۱۶ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک لڑکی نابالغہ جس کے دو نابالغ بھائی حقیقی ہیں اور ایک حقیقی ماں اور ایک حقیقی چچا اور ایک حقیقی ماموں ہیں، لڑکی نابالغہ اور دونوں بھائی اور اس کی ماں یعنی ان چاروں کی کفالت بعد فوت باپ و شوہر، بھائی شوہر کا و بھائی ماموں کا یعنی ماموں حقیقی و چچا حقیقی کر رہا ہے، ماموں و چچا حقیقی اور دو بھائی نابالغ حقیقی پردیس میں چچا و ماموں کے ساتھ ہیں، ماموں و چچا و بھائی کی عدم موجودگی میں غیر اقربا اور لڑکے کی ماں نے بہکا کر لڑکی کی ماں کو راضی کرکے چچیرے چچا کی اجازت سے نکاح کر دیا، اس نکاح سے ماموں اور چچا دونوں سخت ناراض ہیں اور کفالت کرنے سے دست بردار ہیں، لڑکی ہمیشہ سے جب سے اپنی ماں کے ساتھ اپنے حقیقی چچا کے مکان میں رہتی ہے شوہر مجازی سے کوئی تعلق نہیں ہوا صرف عقد ہوا ہے رسم بارات وغیرہ باقی ہے نکاح جائز ہوا یا نہیں؛ اگر ناجائز ہوا تو دوسرے کے ساتھ یا شوہر اول کے ساتھ دوبارہ جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب

یہ شخص جس سے نکاح ہوا اگر لڑکی کا کفو نہیں یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں ایسا کم ہے کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے دختر کے لئے باعث ننگ و عار ہے تو یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں، نہ جب تک لڑکی نابالغہ ہے کسی ایسے شخص سے کوئی اس کا نکاح کرسکتا ہے، اور اگر جس سے نکاح ہوا وہ کفو ہے یعنی کسی بات میں ویسا کم نہیں تو یہ نکاح لڑکی کے حقیقی چچا کی اجازت پر موقوف رہا، اگر اُس نے جائز کر دیا اگرچہ ناراضی کے ساتھ، مثلاً کہا "خیر نکاح تو ہوگیا مگر ہم کفالت سے دست بردار ہیں" تو نکاح نافذ ہوگیا، چچا یا ماموں کسی کو اختیار نہیں کہ دوسری جگہ نکاح کردے، ہاں لڑکی کو اُس پر اعتراض کا حق ہوگا اگر بالغ ہوتے ہی فوراً فوراً اپنی ناراضی کا اظہار کرے، اور اگر چچا نے خبر سُن کر رد کیا تو رَد ہوگیا، چچا کو اختیار ہے جس کفو سے چاہے نکاح کردے اگرچہ اسی شوہر سے، غرض ان الفاظ پر مدار ہے جو چچا نے خبرِ نکاح سُننے پر پہلی بار کہے ایماناً وُہ پورے الفاظ بے کم و بیش تبدیل معلوم ہونا ضروری ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۱۴: از موضع آچورہ ڈاکخانہ بیجاری ضلع فریدپور ملک بنگال مسئولہ حاجی عبدالغنی صاحب ۲۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید کی لڑکی بالغہ ہندہ نے

بلا اجازت زید کے اپنے کفو بکر کے ساتھ نکاح کیا، زید سُن کر نہایت ناخوش ہوکر بکر کے مکان سے حیلہ و بہانہ کرکے ہندہ کو اپنے مکان میں لے آیا، پھر ہندہ سے کہا کہ یہ نکاح جائز نہیں ہُوا اس لئے کہ میں تیرا باپ ہوں بلا اجازت باپ کے نکاح صحیح نہیں، اس حال میں ایک سال سے زیادہ گزر گیا، پھر زید نے ہندہ کا نکاح عمرو کے ساتھ کیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاحِ ثانی صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو جو اولاد عمرو سے ہُوئی اُس کا اور زید کا شرع شریف میں کیا حکم ہے زید امام ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر نکاح ثانی صحیح ہے تو بکر پر مہر مثل لازم ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

پہلا نکاح عورت نے جس سے کیا تھا اگر وُہ کفو شرعی تھا یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں ایسا کم نہ تھا کہ اس کے ساتھ عورت کا نکاح ہونا عورت کے باپ کے لئے باعثِ ننگ و عار ہو تو وُہ پہلا نکاح ہوگیا اور یہ دوسرا نکاح باطل ہُوا، عورت کا باپ اور یہ دوسرا شوہر دونوں سخت کبیرہ کے مرتکب ہیں، اور بچہ جو پیدا ہُوا وُہ پہلے ہی شوہر کا ہے، اس صورت میں زید کو امام کرنا گناہ ہے جب تک توبہ نہ کرے، اور اگر پہلا نکاح عورت نے جس سے کیا وُہ بمعنی مذکور کفو شرعی نہ تھا تو وُہ پہلا نکاح باطل ہُوا دوسرا نکاح صحیح ہُوا، بچّہ اس دوسرے شوہر کا ہے، زید و عمرو پر کوئی الزام نہیں اُن کے پیچھے نماز اس وجہ سے ممنوع نہیں، پہلا نکاح جس سے ہُوا تھا اگر وُہ قربت کرچکا ہے تو اُسے مہر مثل دینا آئے گا یعنی ایسی عورت کا جتنا مہر ہو جو مہر بندھا تھا اُس کا لحاظ کیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۱۵: از موضع اٹریا ضلع بریلی مسئولہ قمرالدین صاحب یکم صفرالمظفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت رانڈ تھی اور بالغہ تھی کیونکہ اُس کے ایک لڑکا پیدا ہوچکا تھا اس رانڈ نے عقدِ ثانی کے واسطے ایک شخص کو جو اُسی کی ذات کا تھا اور جوان بھی تھا اور علم دار بھی تھا اور روٹی کپڑے سے خوش تھا تجویز کی مگر اُس جوان کے واسطے اس رانڈ کا والد نکاح کرنے کو راضی نہ تھا، زید نے کچھ لالچ پاکر اُس شخص کی طرف سے جس کے ساتھ رانڈ کا والد راضی تھا بریلی سے تعویذ اور مٹھائی لے جاکر کھلایا تاکہ اس کا خیال اس جوان کی طرف ہو جس سے اس کا والد راضی تھا، اور زید نے مٹھائی کھلاتے وقت اس شخص کا نام لیا کہ وُہ رانڈ جس سے راضی تھی کہ تم کو میں اس شخص کی طرف سے مٹھائی کھلاتا ہُوں جس سے کہ تم راضی ہو، اس کے بعد میں اُس رانڈ کا نکاح اُس شخص کے ساتھ زبردستی کرادیا جس سے وُہ رانڈ ناراض تھی اور زبردستی چند آدمی پکڑ کر اس شخص کے یہاں پہنچا آئے، یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور زید کو انجمن کی طرف سے صدر بنایا ہے اب زید کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ انجمن والوں نے زید کو صدر ممبر بنایا تو اُن کو یہ قصہ معلوم نہیں تھا اور یہ نکاح زبردستی زید ہی کی کوشش سے ہوا تھا۔ بیّنوا توجروا

الجواب

سائل نے بیان کیا کہ عورت کو اذن دیتے وقت بتایا گیا تھا کہ یہ نکاح دوسرے سے ہوتا ہے جس سے وہ راضی نہیں لیکن کسی نے ہاتھ پکڑے کسی نے پاؤں، اور اُس سے جبرًا اذن دلوایا، صورتِ مذکورہ میں نکاح صحیح ہوگیا کہ نکاح وطلاق میں اکراہ کو دخل نہیں، جس طرح خوشی سے ہوجاتے ہیں یونہی جبر سے بھی۔ حدیث میں ارشاد ہُوا:

ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والعتاق[1]	تین چیزیں جن میں سنجیدگی اور مذاق سنجیدگی ہے: نکاح، طلاق اور عتاق۔ (ت)

باقی رہا یہ کہ مجبور کرنا شرعًا کوئی وجہ الزام رکھتا ہے یا نہیں، ممکن کہ نہ رکھتا ہو بلکہ عورت کی خیر خواہی ہو، عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں، اور باپ سے زیادہ اولاد پر کون مہربان ہے سوا اللہ و رسول کے، ظاہر یہی ہے کہ جہاں وہ چاہتی تھی اس میں شر تھا اور جہاں باپ نے چاہا اُس میں خیر، تو ایسے احتمال قوی کی حالت میں اس جبر کو وجہ الزام نہیں ٹھہرا سکتے جیسے مریض کو بالجبر دوا پلانا، لہٰذا اس وجہ سے امامتِ زید میں کوئی خلل نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۱۶: از شہر کہنہ محلہ صوفی ٹولہ مسئولہ طفیل احمد صاحب ۱۱ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کا نکاح اس کے والدین نے ایک لڑکے کے ہمراہ جو کہ ایک بیوی معہ دو بچوں کے چھوڑ چکا ہے اور لڑکی کا خالہ زاد بھائی ہوتا ہے لڑکی کے اقربا (تایا، پھوپھا، بھائی وغیرہ) کو بغیر جمع کے غیر محلہ میں دھوکہ سے لے جاکر سرائے خام کے ایک طالب علم سے اس طرح پڑھوایا کہ ماموں جو کہ دونوں (لڑکے اور لڑکی) کا ہوتا ہے وکیل بنا (اور گواہ اول دونوں کا خالو ہے اور گواہ دوم لڑکے کا تایا زاد بھائی ہوتا ہے) جب ماموں اذن لینے گیا تو اس نے جواب نہ دیا پھر مکرر اصرار کرنے پر بھی جواب نہ دیا تو ماموں نے اس کے ایک طمانچہ مارا کہ جس کے سبب سے وہ رونے لگی اور ماموں نے باہر آکر نکاح پڑھوادیا۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب الطلاق باب ماجاء فی الھزل والجد فی الطلاق امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۴۲
سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب الطلاق فی الھزل آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۸
الدر المنثور زیر آیۃ ولا تتخذوا آیات اللہ ھزوا مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۱/ ۲۸۶

ف: درمنثور کے الفاظ یہ ہیں: ثلاث من قالھن لاعبا او غیر لاعب فھن جائزات علیہ الطلاق والعتاق والنکاح۔ اور جامع الترمذی اور سنن ابی داؤد میں العتاق کے بجائے الرجعۃ کا ذکر ہے۔ نصب الرایۃ میں ان دونوں لفظوں سے متعلق تفصیلی بحث کی ہے مطالعہ کے لئے جلد سوم کتاب الایمان صفحہ ۲۹۳ و ۲۹۴ ملاحظہ ہو۔ نذیر احمد

لڑکی جانے پر رضامند نہیں ہے کیونکہ وُہ اگلی بیوی کا حال دیکھ چکی ہے، تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سائل نے بیان کیا کہ لڑکی کی عمر وقتِ نکاح دو مہینے اوپر پندرہ سال کی تھی، اگر یہ بیان اور صورتِ سوال واقعی ہے تو وُہ نکاح فضولی ہوا، اجازت لینے والے اور گواہوں کا رشتہ دار ہونا تو کوئی مخل نہیں، اور بکر کا رونا بھی اذن میں شامل کیا جاتا ہے مگر نہ وُہ رونا کہ طمانچہ مارنے سے ہو، وُہ ہرگز دلیلِ اجازت نہیں ہوسکتا، تو عقد نہ ہوا مگر عقدِ فضولی اور لڑکی کی اجازت پر موقوف رہا، اگر اُس نے اظہارِ اجازت سے پہلے اظہارِ ناراضی کیا نکاح رد ہوگیا اور شوہر کو اُس پر کوئی دعوٰی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از حیدر آباد دکن قصبہ نارائن پیٹھ جی آئی پی ریلوے کرشنا مسئولہ سید اکرم علی عرف مطلوب شاہ صاحب مدرس فارسی عربی مدرسہ سلطانیہ درجۂ اوّل ۱۲ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ عاقلہ بالغہ حرہ مکلفہ باکرہ نے بلا اجازتِ ولی جائز اپنا عقد دو گواہانِ شرعی کے رُوبرو اپنے ایک ہم کفو سے کرلیا، پس یہ نکاح از روئے مذہب حنفی ہُوا یا نہیں؟ اگر ہُوا تو کیا ولی جائز فسخ کرکے بلا طلاق وخلع ہندہ کا عقد کسی مالدار سے جبراً کرنا چاہتا ہے اگر کرے تو اس کا وبال کس پر ہوگا؟ اور یہ فعل اس کا کہاں تک جائز ہے؟ کیا رواج عرف عام قانون شرع شریف پر کسی حالت میں مرجح ہوسکتا ہے اور ولی جائز کا جھوٹا حلف ہندہ کے مقابلہ میں معتبر ہوگا یا ہندہ کا قول؟ بینوا توجروا

الجواب

شرعاً کفو کے معنے یہ ہیں کہ مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اُس کے ساتھ اُس عورت کا نکاح اولیائے زن کے لئے باعثِ ننگ وعار ہو، اگر وہ اس معنے پر کفو ہے تو حرہ مکلفہ کا رضائے خود بے اجازتِ ولی اُس سے نکاح نافذ ولازم ہے، ولی اسے ہرگز فسخ نہیں کرسکتے، اگر بلا طلاق اُس کا نکاح دوسری جگہ کردیں گے باطل محض ہوگا اور اُس میں قربت زنائے خالص جس کا وبال ترکیب تزویج پر ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:

نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا ولی[1] آزاد عاقلہ بالغہ کا نکاح بغیر ولی نافذ ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے: نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضی ولی[2] (ولی کی رضا کے بغیر بھی حرہ عاقلہ بالغہ کا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۷

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

نکاح نافذ ہے۔ت) اور اگر اس معنی شرعی پر کفو نہیں اگرچہ ہم قوم ہو جسے عوام میں کفو کہتے ہیں مثلاً مذہب یا پیشہ یا چال چلن میں الیساکم ہو کر اس عورت کا اس سے نکاح ولی زن کے لئے باعثِ عار و بدنامی ہے تو زنِ مکلّفہ کا بے اجازتِ ولی اس سے نکاح باطل و مردود محض ہے۔ درمختار میں ہے:

ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلاً[1]
غیر کفو میں اصلاً نکاح نہ ہونے کا فتوٰی ہے (ت)

رواج، عرف و قانون کوئی چیز شرعِ مطہر پر مرجح نہیں۔

قال اللہ تعالٰی ان الحکم الا للہ[2] وقال تعالٰی ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الفاسقون[3]
اللہ تعالٰی نے فرمایا: حکم صرف اللہ تعالٰی کا ہے۔ اور فرمایا: جو اللہ تعالٰی کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ نہ کرے وُہ فاسق ہے۔ (ت)

سائل نے کچھ نہیں لکھا کہ عورت اور اس کے ولی میں کس بات کا اختلاف ہے جس کا جواب دیا جائے کہ اُن میں کس کا قول معتبر ہے کہیں اس کا قول معتبر ہوگا کہیں اس کا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱۵: ضلع ہوگلی ڈاک خانہ تیلین پاڑہ باڑی عجب میاں مسئولہ سلطان احمد خاں صاحب مرزاپوری
۴ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی بعمر بارہ برس کی ہے، اس کا عقد کرنے کو اُس کا باپ ایک مرد نابالغ سے کرنے کو وعدہ کیا کہ ہم تمہارے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کریں گے اور رسم دنیاوی بھی کر دیا گیا کہ لڑکا لڑکی کے واسطے کپڑا اور مٹھائی وغیرہ اور دس پانچ برادری کے لوگوں کو ساتھ لے کر گیا، لڑکی کے باپ نے برادری کے رُوبرو سب سامان لیا اور اقرار کیا کہ فلاں تاریخ میں نکاح کر دُوں گا کہ درمیان میں لڑکی کا باپ بیمار ہوگیا اور زیادہ علیل ہوگیا سو وُہ مکان پر چلا گیا، جس کو عرصہ چھ ماہ کا ہوگیا' لڑکی اور اُس کی ماں یہیں پر رہ گئیں اور اب بھی موجود ہیں، جب سے لڑکی کا باپ مکان گیا وہی لڑکا برابر خرچ وغیرہ کا بھی بار اُٹھاتا ہے، اب وُہ لڑکا لڑکی کی ماں سے بہت زور کرتا ہے کہ میرا نکاح کر دو۔ عورت نے کئی مرتبہ خط بھی مکان پر لکھا مگر کچھ جواب نہیں آیا کہ زندہ ہے یا مر گیا، لڑکی کی ماں پہلے راضی نہ تھی مگر جب لڑکے نے کہا کہ اگر تم نکاح نہیں کرتی ہو تو جو کچھ روپیہ میرا اتنے عرصہ میں خرچ ہُوا اُس کو دو ورنہ ہم

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱
[2] القرآن الکریم ۶/۵۷
[3] 〃 〃 ۵/۴۷

نالش کریں گے، سو اب لڑکی کی ماں نکاح لڑکی کا کرنے پر راضی ہے اور کہتی ہے کہ ہم راضی ہیں نکاح پڑھوا لو، اور یہ کہا کہ شوہر میرا کہہ گیا تھا کہ ہم مکان سے واپس آکر شادی کریں گے اس وجہ سے ہم نہیں راضی ہوئے تھے، سو اب ان کا کچھ پتہ نہیں ہے، میں خوشی سے کہتی ہوں کہ قاضی کو بلا کر ایجاب و قبول کرا لو، اور لڑکی بھی اپنے بُرے بھلے کو پہچانتی ہے، سو وہ بھی رضامند ہے اور عرصہ چھ ماہ سے اسی مرد کے ہمراہ گویا رہتی ہے، جو باتیں حق حق تھیں ان کو لکھ کر علمائے دین کے حضور میں پیش کر دیا جو کچھ حکم شریعت مطہرہ کا ہو بیان فرمائیں، اور ذیل میں جو علامت انگوٹھا ہے وہ ان برادریوں کا ہے جن کے سامنے لڑکی کے والد نے اقرار کیا اور کپڑا وغیرہ لیا، اُن لوگوں کے سامنے یہ سوال لکھا گیا اور دستخط لیا گیا لہذا عدم موجودی اس کے والد کے نکاح ہونے یا نہ ہونے سے یا جس طرح اور جس قاعدہ سے نکاح ہو اس مسئلہ کو حضور تحریر کریں۔ بینوا توجروا

الجواب

لڑکی اگر نابالغہ ہے تو اس کے نکاح کے لئے ولی کی ضرورت ہے، ولی اُس کا باپ ہے، بے اجازتِ پدر کسی کو لڑکی کے نکاح کرنے کا اختیار نہیں، اور پہلے اُس کا راضی ہونا اور وعدہ کرنا اجازت کے لئے کافی نہیں کہ اُس نے کسی کو وکیل نہیں کیا اب اس سے اجازت لی جائے، اگر اُس کا پتہ نہ چلے تو لڑکی کا جوان بھائی اُس کا ولی ہے، وہ نہ ہو تو بھتیجا، وہ نہ ہو تو چچا کا بیٹا، اسی طرح جو عصبہ ہو، اور اگر عصبات میں کوئی نہ رہا ہو تو البتہ اُس وقت ماں کو ولایت ہوگی اور اس کی اجازت سے نکاح ہو سکے گا، اور اگر لڑکی بالغہ ہے یعنی اُسے ماہواری عارضہ آچکا ہے تو خود اُس کی اپنی اجازت کافی ہے، مگر بہر حال باپ کے سوا جو دوسرا شخص اس کا نکاح کرے یا بالغہ ہو کر خود کرے یہ ضرور ہو گا کہ جس سے نکاح کیا جائے وہ اس لڑکی سے مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح ہونا لڑکی کے اولیاء کے لئے باعثِ ننگ و عار ہو ورنہ نکاح ہوگا ہی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۱۹: از پیلی بھیت محلہ غفار خاں مسئولہ حکیم سعید الرحمٰن خاں صاحب، جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ رفیق بیگم کا نکاح اس کی نابالغی میں جبکہ اس کا باپ دادا زندہ نہ تھے اُس کے چچا نے اپنے پسر کے ساتھ کر دیا، نابالغہ مذکورہ نے بالغ ہوتے ہی اعلان کر دیا کہ اس نے نکاح مذکور کو نامنظور و ناپسند کر کے فسخ کر دیا اور بذریعہ نوٹس رجسٹری شدہ شوہر کو جو ہنوز نابالغ ہے اور اس کے والد کو بھی اطلاع دے دی، نوٹس یہ لکھ کر واپس آیا بعد ازاں رفیق بیگم نے دیوانی میں نالش کی اور حسب ذیل استدعائے دادرسی کی: "استقرار اس امر کا فرما دیا جائے کہ جو نکاح مدعیہ کا اس کی نابالغی میں ہوا تھا اور جس کو مدعیہ نے بعد بلوغ شرعی کے مسترد کر دیا ہے مدعیہ

بوجوہ مصرحہ عرضی نالش نکاح مذکور کی فسخ اور کالعدم ہوجانے کی وجہ سے پابند نہیں ہے اور اب مدعیہ زوجہ مدعا علیہ کی نہیں ہے۔" ہنوز اس نالش کا فیصلہ نہ ہونے پایا تھا کہ رفیق بیگم فوت ہوگئی، ایسی حالت میں نکاح مذکور وقت وفات رفیق بیگم کے قائم و برقرار متصور رہوگا یا فسخ و مسترد، اور شوہر کو ترکہ رفیق بیگم کا پہنچے گا یا نہیں؟

الجواب

رفیق بیگم کی اخیر سانس تک نکاح برقرار تھا، وہ اپنے شوہر کی زوجیت ہی میں مری، شوہر اس کے نصف ترکہ کا وارث ہوگا اور نصف مہر بھی ساقط ہوگیا، نصف مہر بحق دیگر ورثا دے گا، خیار بلوغ سے عورت کو یہ حق نہیں ہوتا کہ اپنا نکاح خود فسخ کرلے، نہ اس کے فسخ کئے فسخ ہوسکتا ہے، بلکہ اُسے صرف دعویٰ فسخ کا اختیار ملتا ہے، بعد دعویٰ قاضی شرع کے فسخ کئے سے فسخ ہوگا، اگر قبلِ فسخ مرجائے تو زوجیت ہی میں مرے گی۔

ردالمحتار میں ہے:

قولہ فیفسخہ القاضی فلا تثبت ھذہ الفرقۃ الا بالقضاء لانہ مجتھد فیہ وکل من الخصمین یتثبت بدلیل فلا ینقطع النکاح الا بفعل القاضی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ماتن کا قول کہ "قاضی اس کو فسخ کرے" تو فرقت قضاء کے بغیر ثابت نہ ہوگی، کیونکہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور ہر فریق اس میں دلیل کا سہارا لیتا ہے اس لئے نکاح قاضی کی کارروائی کے بغیر فسخ نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۲: ضلع سکھر سندھ اسٹیشن ڈھر کی ڈاکخانہ خیرپور ڈھر کی خاص دربار معلّٰے قادریہ پرچونڈی شریف از طرف ابوالنصر فقیر سردار شاہ ۱۷ جمادی الاخرٰی ۱۳۳۹ھ

ما قولکم رحمکم اللہ تعالٰی، شخصے بحین حیات پدر خود بلا رضامندی و شمولیت وے نکاح خواہر صغیرہ بمعاوضہ بازو بجائے کردہ پدرش بعد خبر یافتن انکار کرد و بعد چند مدت راضی شدہ بازو معاوضہ را در نکاح پسر خود گرفت و بازا نکاح کرد، آیا از انکار اول نکاح باطل شد یا نہ؟

علماء کرام اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے، آپ کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ باپ کی زندگی میں باپ کی رضامندی اور شمولیت کے بغیر بھائی نے اپنی نابالغہ بہن کا نکاح بدلے کی شرط پر کردیا، اور باپ نے اطلاع پانے پر انکار کردیا، اور کچھ مدت بعد باپ اس نکاح پر راضی ہوگیا اور بدلہ میں لڑکے کے لئے رشتہ لیا اور دوبارہ

---

[1] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۰

محض اقبال بعد انکار تجدید ایجاب وقبول فائدہ دارد یا نہ؟ بینوا توجروا۔

پھر انکار کرلیا، کیا پہلے انکار پر نکاح باطل ہُوا یا نہ؟ انکار کے بعد صرف ایجاب وقبول سے نکاح ہوگا یا نہیں؟ بیان کرو اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب

نکاح نابالغہ کہ برادرش بے اجازت پدر کرد نکاح فضولی بود بر اجازت پدر موقوف چوں پدر باستماعِ خبر انکار کرد فوراً باطل شد و باطل را عود نیست باز راضی شدن پدر بکار نیاید تا از سرِ نو ایجاب وقبول پیش شہود کنند در درمختار است بلغھا فردت ثم قالت رضیت لم یجز لبطلانہ بالرد[1] ودر ردالمحتار ست لان نفاذ التزویج کان موقوفا علی الاجازۃ وقد بطل بالرد[2] در بحرالرائق ست الاجازۃ شرطھا قیام العقد[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بھائی نے باپ کی اجازت کے بغیر نابالغہ کا جو نکاح کیا وہ فضولی کا نکاح ہے اور باپ کی اجازت پر موقوف ہے جب باپ نے خبر سُنتے ہی انکار کردیا تو نکاح فوراً باطل ہوگیا اور باطل شدہ دوبارہ صحیح نہیں ہوسکتا ہے اس کے بعد باپ کا راضی ہونا بے فائدہ ہے جب تک دوبارہ گواہوں کی موجودگی میں نیا ایجاب وقبول نہ کریں صحیح نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے کہ اگر لڑکی نے خبر ملنے پر نکاح رَد کردیا پھر کہا کہ میں راضی ہُوں تو جائز نہ ہوگا، کیونکہ وُہ رَد کی وجہ سے پہلے باطل ہوچکا ہے، ردالمحتار میں ہے کیونکہ نکاح کا نفاذ اجازت پر موقوف تھا جبکہ رَد کرنے سے باطل ہوچکا ہے۔ بحرالرائق میں ہے اجازت کے لئے عقدِ نکاح کا باقی ہونا شرط ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۲۱ و ۴۲۲: از ضلع بلاسپور امام مسجد اکلترا

ایک بڑھیا کی لڑکی تھی اُس کی برادری والے بلا رضامندی شادی کرنے لگے، بڑھیا مذکور نکاح کے وقت نامناسب رہنے پر دوسری کوٹھری پر روتی تھی اور یہ خبر ہی نہیں کہ میری لڑکی کا کیا ہو رہا ہے، لڑکی کی عمر پانچ یا چھ سات سال کی تھی، اس لڑکی کو یہ کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہو رہا یا کیا ہُوا، اس لڑکی مذکور کے

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲
[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۰
[3] بحرالرائق باب فی الاولیاء والاکفاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۱۴

وارث سوائے بڑھیا ماں کے کوئی اس کے باپ دادا کی شاخ میں بھی نہ تھے بلکہ بلا وارث والوں نے نکاح طفلیت میں پڑھایا تو کیا یہ نکاح صحیح ہوسکتا ہے یا نہیں سوائے اس کے جو لوگ نامناسب نکاح بنایا ہوا داماد نکاح بے کئے تو بڑھیا مذکور غریب بیوہ منہاری بیچنے والی بچّی کو کوئی گزر کرتی تھی بعض وقت یہ بنایا ہُوا داماد دو تین بار گیا تو بڑھیا بطور مہماں نوازی کے کھلاتی پلاتی بطور برادرانہ، لیکن کچھ بڑھیا کی بچّی سے سروکار بات چیت دیگر حرکات سے پاک رکھتی تھی جاتے وقت بڑھیا جب روکتی تھی تو بنا ہُوا داماد برائے نام لکھے الفاظ میں یہ صاف صاف کہتا تھا کہ مجھ کو کیوں روکتی ہے میں نہ رہوں گا اور نہ کسی کو چاہتا ہُوں اور یا نہ رکھوں گا۔ پس یہ نمبر ۱ کے متعلق ایک تو نکاح ہی درست نہیں ہُوا اور جو بنا ہُوئے داماد والوں کی طرف سے نکاح بھی مغالطًا ثابت کریں تو جب وُہ ایسا الفاظ کھُلا بولے کہ نہ رکھوں گا نہ چاہتا ہُوں، تو بھی نکاح والے کا نکاح ساقط ہوجاتا ہے تو اب لڑکی کا نکاح بڑھیا بالغی میں پڑھادے تو اولاد بھی ہوتی تو جو اولاد مسلمان ہوں، فقط۔

الجواب

دوسرا سوال مہمل ہے، اتنی باتوں کا جواب لکھا جائے تو اُس کا جواب ہو:

(۱) اس لڑکی کے دادا پردادا نزدیک دُور کی اولاد میں کوئی مرد اس نکاح کے وقت تھا یا نہیں، بے تحقیق کوئی نہ تھا نہ کہہ دیا جائے کہ تحقیق کے بعد لکھئے۔

(۲) اگر ایسا کوئی مرد تھا تو اُس نے نکاح کی خبر سُن کر کیا لفظ کہے۔

(۳) اگر ایسا کوئی مرد نہ تھا تو ماں نے نکاح ہوجانے پر کیا لفظ کہے اور اُس کے بعد کیا لفظ کہے یا کچھ نہ کہا۔

(۴) جب وُہ شخص آتا تھا تو ماں اس کی خاطر داماد کی سی کرتی تھی یا عام مہمانوں کی سی۔

(۵) لڑکی کو اب ماہواری عارضہ آتا ہے یا نہیں، اس کی عمر اب کیا ہے، عارضہ ماہواری آتا ہے تو کب سے آتا ہے۔

(۶) ماں کو اس نکاح سے وجہ ناراضی کیا تھی۔

(۷) لڑکی کو اگر عارضہ ماہواری آیا تو فوراً اس کے آتے وقت اس نکاح کے بارے میں کچھ کہا یا کتنی دیر بعد کچھ کہا یا کچھ نہ کہا اور اگر عارضہ ماہواری اب تک نہ آیا اور لڑکی کی عمر پندرہ برس کی ہوگئی تو جس وقت عمر پندرہ برس کی ہُوئی تھی اُس وقت یا اس کے دیر کے بعد لڑکی نے اس نکاح کے بارے میں کیا کہا تھا یا کچھ نہ کہا۔

(۸) یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ جس سے نکاح ہُوا اس کی قوم کیا ہے اور لڑکی کی کیا قوم ہے اور اُس کا چال چلن کیسا ہے اور اس کا مذہب کیا ہے کیا پیشہ کرتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۲۲ از لکھنؤ چھتر منزل کلب مسئولہ عبدالرحیم خاں صاحب قادری رضوی ۹ رجب ۱۳۳۹ھ پنجشنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید کسی وجہ سے اپنا نکاح پڑھانے نہیں جاسکتا تو اپنے پیر بھائی کو اپنا ولی بنالیا تو ولی نکاح پڑھا کرا سکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

اسے ولی نہیں وکیل کہتے ہیں کسی کو اپنا وکیل کردے کہ میری طرف سے ایجاب قبول کرآؤ، نکاح پڑھانے والا اس سے کہے کہ فلاں بن فلاں کی سب سے بڑی یا سب سے چھوٹی لڑکی (یا جس طرح تعیین ہو) میں نے تیرے موکل فلاں بن فلاں کے نکاح میں اتنے مہر پر دی، وکیل کہے کہ میں نے اپنے موکل مذکور کی طرف سے اُس کے لئے قبول کی، یا وکیل خود عورت یا اُس کے وکیل یا نابالغہ ہے تو اس کے وکیل سے کہے کہ میں نے تجھے یا فلانہ بنت فلاں بن فلاں کو تیری موکلہ ہے یا جس کا تو ولی ہے اپنے مؤکل فلاں بن فلاں کے نکاح میں لیا عورت یا اُس کا وکیل یا ولی کہے میں نے قبول کیا نکاح ہوجائے گا، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۲۳ از تلہر ضلع شاہجہانپور محلہ عمرپور مسئولہ شیخ سلامت اللہ صاحب پارچہ فروش ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ کتنی عمر میں لڑکی کا نکاح جائز اور کتنی عمر ہو تو ناجائز، یعنی لڑکا سنِ بلوغ بحکم شرع کتنی عمر میں ہوتا ہے، کتنی عمر بہت سال کی ہو تو نکاح جائز ہوتا ہے جب کہ اس کا کوئی حقیقی شخص وکیل مطلق نہ ہو۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جب آثارِ بلوغ ظاہر ہوں لڑکے کو احتلام لڑکی کو حیض، اُس وقت سنِ بلوغ ہوتا ہے۔ اور اگر آثار نہ ہوں تو پندرہ برس پوری عمر ہونے پر حکم دیا جائے گا۔ اگر لڑکی نو برس کامل یا لڑکا بارہ برس کامل کا ہوچکا ہے اور وہ دعوٰی بلوغ کریں اور ان کی ظاہری حالت اس دعوے کی تکذیب نہ کرتی ہو تو اُن کا قول مان لیا جائے گا، جب تک ان صورتوں میں سے کسی صورت پر بلوغ ثابت نہ ہو وہ بغیر اذنِ ولی کے اپنا نکاح نہیں کرسکتے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۲۴ از نصرات پرگنہ پڑاوہ ریاست علاقہ ٹونک محلہ سلطانپورہ مسئولہ ابراہیم صاحب ۲۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی بیوی سے ۱۴ سال سے علیحدہ رہتا ہو عورت حاملہ تین ماہ کی ہو اسی حمل سے لڑکی پیدا ہوئی اور لڑکی نے چودہ سال تک اپنی ماں کے پاس پرورش پائی باپ نے کسی قسم کی امداد نہیں دی نہ کبھی لڑکی کو بلوا کر دیکھا، ایسی صورت میں جوان لڑکی ۱۴ سال کی بالغ ہوگئی ہے لڑکی نے اپنی خوشی اور اس کی والدہ نے اپنی اجازت سے لڑکی کا نکاح کردیا باپ موجود نہ تھا نکاح بھی ہم قوم سے ہوا یعنی غیر قبیلہ میں نہیں ہوا، یہ نکاح جائز رہا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

شرعاً وہ لڑکی اسی کی ہے اگرچہ کتنے ہی برسوں سے عورت سے علیحدہ ہو فقط چودہ برس کی عمر ہونا بلوغ کے لئے کافی نہیں اگر حیض نہ آیا ہو نابالغہ ہے، نکاح کے لئے اس کی اجازت کوئی چیز نہیں اور ماں کا کیا ہُوا نکاح باپ کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر جائز کر دے گا جائز ہو جائے گا رَد کر دے گا باطل ہو جائے گا، اور اگر لڑکی واقعی بالغہ ہوگئی تھی حیض آچکا تھا تو وہ کفو میں اپنے نکاح کی مختار ہے غیر کفو میں بغیر اجازت باپ کے کہ اس نے پیش از نکاح غیر کفو جان کر صراحۃً اجازت دی ہو لڑکی کا نکاح اُس کی اجازت سے باطل ہے، غیر کفو ہونے کے لئے یہی ضروری نہیں کہ کم قوم ہو بلکہ مذہب یا پیشہ یا چال چلن میں ایسا کم کہ اُس کے ساتھ نکاح ہونا لڑکی کے لئے باعثِ بدنامی ہو یہ بھی غیر کفو ہونا ہے اگرچہ خاص اُسی خاندان کا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۲۵: از سمینہ ڈاک خانہ در اپختہ تحصیل ڈیرہ غازی خاں مسئولہ اللہ بخش صاحب ۵ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک عورت زینب پر عاشق ہوا باوجود اہل وعیال کے اُس کے عشق میں مغلوب ہو کر اپنی دختر صغیرہ چار سالہ کا نکاح حق مہر زینب پر برادر زینب عمرو زوجہ دار سے کردیا بعد اُس کے زید نے زینب سے عقد کرکے سر سیل کیا اور اُسی وقت بیمار ہُوا، بعد ہفتہ کے فوت ہوگیا، اب وہ لڑکی بالغہ ہو کر کہتی ہے کہ میرے باپ نے مرضِ عشق میں جو میرا نکاح نا اہل غیر کفو سے کر دیا ہے مجھے منظور نہیں، آیا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

صغیرہ کا نکاح کہ اُس کے باپ نے کیا لازم ہے، صغیرہ کو بعد بلوغ اُس کے فسخ کا کوئی حق نہیں اور عذرات کہ سوال میں لکھے مہمل و بے معنی ہیں شرع میں ان کی کوئی اصل نہیں۔ درمختار میں ہے:

لزم النکاح ولو بغبن فاحش او من غیر کفؤ ان کان المزوج ابا اوجدا لم یعرف منھا سوء الاختیار[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

نکاح دینے والا باپ یا دادا ہو اگرچہ یہ نکاح غیر کفو یا انتہائی کم مہر پر کیا ہو تو بھی لازم ہو جائے گا بشرطیکہ باپ دادا سوءِ اختیار سے معروف نہ ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۲۶: از شہر مین پوری دریبہ محلہ مکان مولوی حکیم محمد عباس مسئولہ نثار احمد صاحب ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زوجۂ زید نے چند لڑکے چھوڑ کر انتقال کیا، زید نے اپنا عقدِ ثانی

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

ہندہ سے کیا، ہندہ سے بھی چند لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی، پھر زید نے بھی انتقال کیا، ہندہ اپنی اولاد کو لے کر اپنے میکے چلی گئی، اس کے سوتیلے لڑکے اُس کو اپنے حسبِ مقدرت ماہانہ خرچ خورد و نوش پہنچاتے رہے، پھر ہندہ بھی مرگئی، اور اس کا بھائی ان بھانجی بھانجوں پر قابض ہوگیا اور اپنی بھانجی کا عقد خالد سے بلا صلاح و مشورہ اُس کے علاتی بھائیوں کے پوشیدہ طور پر کردیا، جب یہ خبر عالم آشکار ہوئی تو بالا بالا اس کے علاتی بھائیوں کو بھی خبر پہنچی، تو کسی ترکیب سے اپنی سوتیلی بہن کو خالد کے مکان سے بلوالیا اور اب یہ چاہتے ہیں کہ اپنی سوتیلی بہن کا کسی معزز سے نکاح کردیں اور وہ لڑکی بھی اپنے شوہر خالد سے نہایت بدظن ہے، بوقتِ عقد اس کی عمر آٹھ سال کی تھی اب گیارہ سال سے زائد نہیں، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں جبکہ دخترِ ہندہ نابالغہ کا کوئی حقیقی بھائی بالغ نہ ہو تو اس کے علاتی بھائیوں میں جو بالغ ہوں اس کے ولیِ نکاح ہیں، وہ نکاح کہ اس کے ماموں نے ان بھائیوں سے چھپا کر دیا فسخ ہوگیا، ان بھائیوں کو اختیار ہے کہ حسبِ اجازتِ شرع کسی کفوِ شرعی سے بغیر مہر مثل میں کمی فاحش کئے ہوئے اُس کا نکاح کردیں اگر وہ اب بھی نابالغہ ہے، اور اگر اب بالغہ ہوگئی یعنی عارضہ ماہواری آنے لگا تو کسی کفو شرعی سے نکاح کرلینے کا اُسے خود اختیار ہے بہرحال طلاق کی کچھ حاجت نہیں کہ بھائیوں کے رد کئے سے ماموں کا کیا ہوا نکاح سرے سے فسخ ہوگیا اور خالد کو اُس دختر سے کچھ تعلق نہ رہا پھر طلاق سے کیا علاقہ! درمختار میں ہے:

لو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر ولی ابعد نے اقرب کی موجودگی کے باوجود نکاح کیا تو اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۴: مرسلہ سید امداد علی صاحب مختار عام ساہوان ٹھاکر دروازہ محلہ پیرزادگان ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شریعتِ محمدیہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی لڑکی اپنے نانا کی زیرِ پرورش ابتدائے سے ہے، باپ نے روزِ اوّل سے اس سے تعلق قطع کر رکھا ہے اور مطلق کسی بات کی خبر نہیں لیتا ہے مرض دُکھ درد رنج راحت وغیرہ کو نہیں پوچھتا، ایسی حالت میں ان لڑکیوں کا نانا عقد کردے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ حال یہ ہے کہ وہ لڑکی جس کا عقد کرنا چاہتا ہے تیرھویں سال میں ہے اگر کوئی صورتِ جواز ہو تو بیان فرمائیے کیونکہ جب باپ کسی حالت کا شریک نہیں تو لڑکی کے عقد کی کیا سبیل کی جائے اور یہ بیان فرمائیے کہ لڑکی کس سن پر بالغ ہوتی اور بروئے فقہ اس کی کیا کیا شرائط اور نشانیاں ہیں؟ بینوا توجروا

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

الجواب

باپ کے ہوتے ہُوئے نانا کو ولایت نہیں ہوسکتی، باپ کا بے علاقہ رہنا اس کی ابوت کو زائل نہیں کرتا،

ولم یذکر فی السؤال صورۃ العضل و فیھا الولایۃ للقاضی دون اب الام کما حققہ المولی الشرنبلالی فی کشف المعضل۔

سوال میں لاتعلقی کی صورت بیان نہیں کی جبکہ اس میں ولایت قاضی کو ہے نانا کو نہیں ہے جیساکہ مولٰنا شرنبلالی نے اپنی کتاب "کشف المعضل" میں اس کی تحقیق کی ہے۔(ت)

لڑکی کم سے کم نو برس کامل اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال کامل کی عمر میں بالغہ ہوتی ہے، اس بیچ میں آثارِ بلوغ پیدا ہوں تو بالغہ ہے ورنہ نہیں، آثارِ بلوغ تین ہیں، حیض آنا یا احتلام ہونا یا حمل رہ جانا۔ باقی بغل میں یا زیرِ ناف بال جمنا یا پستان کا ابھار معتبر نہیں۔ تنویر میں ہے،

بلوغ الجاریۃ بالاحتلام والحیض والحبل فان لم یوجد فحتی یتم خمس عشرۃ سنۃ وادنی مدتہ لھا تسع سنین[1] (ملخصا)۔

لڑکی کا بلوغ احتلام، حیض یا حمل سے ثابت ہوتا ہے اگر ان میں کوئی علامت نہ ہو تو جب عمر پورے پندرہ سال کو پہنچ جائے اور اس کے بلوغ کی کم از کم مدت نو سال ہے (ملخصاً) (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لا اعتبار لنبات العانۃ ونھود الثدی فذکر الحموی انہ لایحکم بہ فی ظاھر الروایۃ وکذا ثقل الصوت کما فی شرح النظم الھاملی ابوالسعود وکذا شعر الساق والابط والشارب[2] (ملخصا) وھو تعالٰی اعلم۔

لڑکی کے بلوغ کیلئے زیرِ ناف بال اگنے اور پستان کے ابھار کا اعتبار نہیں ہے تو حموی نے ذکر کیا کہ اس پر حکم نہیں کیا جاسکتا ظاہر روایت کے مطابق، اور یوں ہی آواز بھاری ہونا بھی معتبر نہیں، جیساکہ ابوالسعود ہاملی کے منظوم کی شرح میں ہے، اور یونہی پنڈلی، بغل، مونچھوں کے بالوں کا بھی اعتبار نہیں (ملخصاً) وہو تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۳ ازمبارکپور ڈاکخانہ خاص محلہ رانی پورہ ضلع اعظم گڑھ مرسلہ نثار احمد صاحب درزی

زید بیمار ہُوا اپنی حالتِ بیماری میں اپنی لڑکی کو اُس کے ماموں کے سپرد کیا، لڑکی کا سن پندرہ برس کا تھا

---

[1] درمختار شرح تنویرالابصار فصل فی البلوغ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۹۹

[2] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۹۷

4 پھر لڑکی کا والد قضا کر گیا اور دادا ابھی موجود ہے اور لڑکی اب تک اپنے ماموں کے یہاں پرورش پاتی ہے، بعد کچھ روز کے لڑکی کے دادا نے کہیں نکاح کر دیا یعنی کفو میں، اس نکاح کو نہ تو اس کا ماموں جانتا ہے نہ لڑکی جانتی ہے، بعد کچھ روز کے لڑکی نے سُنا تو کہا ہم کو نکاح منظور نہیں، اور لڑکی کا ایک چچا بھی موجود ہے وُہ بھی نکاح میں شریک نہیں وُہ بھی نہیں جانتا اور نہ اس کی رائے سے نکاح ہُوا، صرف دادا نے اپنی خودی سے نکاح کیا تھا اس نکاح کو کوئی نہیں جانتا، نہ ماموں نہ لڑکی کا چچا، آیا وُہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

غیب کا علم اللہ عزّوجل پھر اس کے نبی صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم کو ہے، اگر فی الواقع جس وقت دادا نے اُس کا نکاح کیا اُس کی عمر کامل پندرہ برس کی یا اس سے زائد تھی یا آثارِ بلوغ مثل حیض وغیرہ ظاہر تھے تو دادا نے جو نکاح کیا عورت کی اجازت پر موقوف رہا، اگر عورت نے خبر سُن کر نا منظور کیا رَد ہوگیا اور اگر وقتِ نکاح عورت کی عمر پُوری پندرہ سال کی نہ تھی نہ آثارِ بلوغ ظاہر تھے اور دادا نے نکاح کر دیا تو وُہ لازم ہوگیا اب رَد نہیں ہو سکتا، عورت اگر دُوسرا نکاح بحیاتِ شوہر کرے گی زنا ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

بابُ الکفائۃ فی النّکاح

(نکاح کے سلسلہ میں کفو کا بیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۴۲۹: از مراد آباد محلہ قانونگویاں مرسلہ محمد نبی خاں صاحب رئیس اوائل جمادی الاولیٰ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ شریف زادی جس کے باپ نے انتقال کیا اور بھائی کوئی نہیں صرف عمرو اس کا حقیقی چچا ولی شرعی ہے، مادرِ ہندہ نے غیبتِ عمرو میں باذنِ ہندہ بے اطلاع عمرو اُس کا نکاح زید کم قوم غیر کفو یعنی قصاب مالدار سے کردیا، جب عمرو آیا اور مطلع ہُوا اِس خیال سے کہ نکاح تو ہو ہی گیا مصلحۃً منظور کرلیا اور ہندہ کی رخصتی کردی کہ برضائے ہندہ وطی بھی واقع ہُوئی، اب ہندہ اپنے باپ کے یہاں چلی آئی اور تا ادائے مہر معجل زید کے یہاں جانا یا اسے اپنے نفس پر قدرت دینا نہیں چاہتی، اس صورت میں شرعًا کیا حکم ہے اور ہندہ کو ناشزہ کہا جائے گا یا نہیں؟ اور اُسے زید کے یہاں نہ جانے اور اپنے نفس کے بچانے کا اختیار رہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں نہ ہندہ ناشزہ اور نہ زید کو اس پر دسترس، نہ زنہار اُسے قدرت دیں گے کہ ہندہ کو اپنے یہاں بلائے، نہ ہرگز ہندہ کو اجازت دیں گے کہ بطور زوجیت اس کے یہاں جائے بلکہ شرعًا دونوں پر واجب کہ اس نکاحِ فاسد وواجب الفسخ سے دست برداری کریں اور زید نہ مانے تو ہندہ پر لازم کہ بطور خود

فسخ کرے صرف اسی کے فسخ کئے سے فسخ ہوجائے گا، اور یہ بھی نہ کرے تو حاکم پر واجب کہ اُن میں تفریق کردے اور ہندہ کے لئے مہرمثل اتنا کہ مہرمسمّی پر زیادہ نہ ہو زید پر لازم آئے گا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ نکاح غیر ولی یعنی ماں نے چچا کے ہوتے اسے ولایت نہیں بے رضائے ولی باذن ہندہ کیا تو درحقیقت یہ زن بالغہ کا بطور خود نکاح کرنا ہوا کہ بسبب اذن ولایت متحقق ہوئی اور فعلِ وکیل بعینہٖ فعل موکل ہے،

فی الخیریۃ سئل فی بکر بالغۃ زوجھا اخوھا لامھا من غیر کفو باذنھا أجاب تزویجہ لھا باذنھا کتزوجھا بنفسھا وھی مسئلۃ من نکحت غیر کفو بلا رضا اولیائھا[1] اھ ملخصا۔

فتاوٰی خیریہ میں ہے، سوال ہوا کہ ایک بالغہ باکرہ کا نکاح اس کی اجازت سے اس کی والدہ کی طرف سے بھائی نے غیر کفو میں کیا؛ جواب میں فرمایا کہ مذکورہ لڑکی کی اجازت سے نکاح ایسے ہی ہے جیسے اس نے بذاتِ خود نکاح کیا ہو، یہ مسئلہ لڑکی کا خود کو غیر کفو میں اپنے اولیاء کی مرضی کے بغیر نکاح کرنیکا ہوا اھ ملخصا (ت)

اور روایت مفتی بہا مختار للفتوٰی یہ ہے کہ بالغہ ذات الاولیاء جو اپنا نکاح غیر کفو سے کرے وہ اسی وقت صحیح ہوسکتا ہے کہ ولی شرعی پیش از نکاح صراحۃً اپنی رضامندی ظاہر کرے اور وُہ جانتا بھی ہو کہ یہ شخص کفو نہیں ورنہ اگر عدم کفاءت پر مطلع نہ تھا یا تھا مگر پیش از نکاح اس نے تصریحًا اظہارِ پسند و رضا نہ کیا تو ہرگز نکاح صحیح نہیں اگرچہ ولی مذکور نکاح کے وقت ساکت بھی رہا ہو اگرچہ باوجود اطلاع اصلاً انکار نہ کیا ہو اگرچہ بعد وقوع نکاح صاف صاف تصریح رضامندی بھی کردی ہو اگرچہ اس کی رخصت وغیرہ خود ہی کی ہو، یہ سب باتیں بیکار ہیں اور اس نکاح کی کہ شرعًا صحیح نہ ہُوا اصلاح نہیں کرسکتیں،

فان الرضی اللاحق انما ینفع فی الموقوف دون الفاسد۔

بعد کی رضا موقوف نکاح کے لئے تو مفید ہے مگر فاسد نکاح کے لئے مفید نہیں (ت)

درمختار میں ہے:

یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان فلا تحل مطلقۃ ثلثا نکحت غیر کفو بلا رضی ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ[2]۔

غیر کفو میں نکاح اصلاً جائز نہ ہونے کا فتوٰی دیا جائیگا، فسادِ زمان کی وجہ سے فتوٰی کے لئے یہی مختار ہے تو مطلقہ ثلاثہ اگر غیر کفو میں نکاح کرے گی تو وُہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوسکے گی بشرطیکہ اس کے اولیاء اس غیر کفو پر مطلع ہونے پر رضامند نہ ہوں، اس کو محفوظ کرلو۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریۃ باب الاولیاء والاکفاء دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۵

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

اسی طرح فتح القدیر و فتاوٰی خانیہ و مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر وغیرہا میں ہے:

وفی ردالمحتار ھذہ روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ وھذا اذا کان لھا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضی بعدہ۔[1]

اور ردالمحتار میں ہے یہ امام ابوحنیفہ سے امام حسن کی روایت ہے، یہ جب ہے کہ اس کے ولی ہوں اور وُہ نکاح سے قبل راضی نہ ہوچکے ہوں تو بعد کی رضامندی مفید نہیں ہوگی۔ (ت)

اُسی میں ہے:

السکوت منہ لایکون رضی کما ذکرنا۔[2]

اس موقع پر ولی کی خاموشی، رضامند قرار پائے گی جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یجب مھرالمثل فی نکاح فاسد بالوطء فی القبل لا بغیرہ کالخلوۃ لحرمۃ وطئھا ولم یزد علی المسمّٰی ویثبت لکل واحد منھما فسخہ ولو بغیر محضر من صاحبہ دخل بھا اولا فی الاصح خروجا عن المعصیۃ فلاینافی وجوبہ بل یجب علی القاضی التفریق بینھما[3] اھ ملخصا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

نکاح فاسد میں وطی فی القبل ہوجانے پر مہرِ مثل لازم ہوجائے گا اور کسی عمل مثلاً خلوت وغیرہ سے لازم نہ ہوگا کیونکہ یہاں وطی حرام ہے، اور یہ مہرِ مثل مقرر شدہ سے زائد نہ ہوگا اور خاوند بیوی دونوں کو ایک دوسرے کی موجودگی کے بغیر بھی نکاح کو فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا خواہ وطی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو تاکہ گناہ سے بری ہوسکیں اسی لئے مہر کا وجوب فسخ کے منافی نہیں ہوگا، بلکہ بہرصورت قاضی پر واجب ہے کہ وہ اس نکاح سے دونوں کی تفریق کرے اھ ملخصا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۳۰: از سہسوان ۱۸ جمادی الاولٰی ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے غیر شہر سے سہسوان میں آکر اپنے آپ کو سُنّی اور قوم کا سیّد ظاہر کیا، عمرو نے کہ شیخ انصاری ہے اپنی لڑکی لیلٰی جس کی عمر وقتِ نکاح بارہ تیرہ برس کی تھی بیانِ زید سے دھوکا کھا کر اُسے بیاہ دی، وہ لڑکی اور اس کا باپ سب اہلسنت وجماعت ہیں، ہنوز رخصت بھی نہ ہوئی تھی نہ لیلٰی

---

[1] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۷

[2] ایضاً

[3] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

نے زید کی صورت دیکھی تھی کہ زید چلا گیا اور جب سے اصلاً خبر نہیں کہ زندہ ہے یا مر گیا، اسے کوئی دو برس کا زمانہ ہُوا، اب جو اُس کا حال دریافت ہُوا تو وہ رافضی نکلا اور شراب خوری و قمار بازی اس کے علاوہ ہے، جب سے یہ کیفیت معلوم ہُوئی تو لیلیٰ اور اس کا باپ عمرو اور اس کی ماں سب ناراض ہیں اور لیلیٰ جس کی عمر چودہ پندرہ برس کی ہے اپنا نکاح اور شخص سے کیا چاہتی ہے جو مذہب کا سُنّی اور اعمال کا نیک ہو، اس صورت میں شرع شریف لیلیٰ کے حق میں کیا حکم دیتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اللھم العفو والعافیۃ (اے اللہ تجھ سے معافی اور عافیت کی درخواست ہے۔ ت) روافض میں جو ضروریاتِ دین سے کسی امر کا منکر ہو مثلاً قرآنِ عظیم کو بیاضِ عثمانی کہے اس کے ایک لفظ ایک حرف ایک نقطے کی نسبت گمان کرے کہ معاذ اللہ صحابۂ کرام یا ہم اہلسنّت خواہ شخص نے گھٹا دیا، بڑھا دیا، بدل دیا یا حضرت جناب امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم خواہ دیگر ائمۂ اطہار رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے کسی کو انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کُل یا بعض سے افضل بتائے قطعاً کافر ہے اور اُس کا حکم مثل مرتدین کے ہے والعیاذ باللہ سبحٰنہ وتعالٰی۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

یجب اکفار الروافض فی قولھم برجعۃ الاموات الی الدنیا (الی ان قال) وھؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین کذا فی الظھیریۃ[1]۔

رافضیوں کے اس قول پر کہ "مُردے دُنیا پر واپس آتے ہیں" ان کی تکفیر ضروری ہے (عالمگیری نے یہاں تک کہا کہ) یہ قوم ملّتِ اسلامیہ سے خارج ہے اور ان کے احکام مرتدین جیسے ہیں۔ ظہیریہ میں یونہی ہے (ت)

آج کل عام روافض اسی قسم کے ہیں ان کے عالم جاہل چھوٹے بڑے تحریراً تقریراً علی الاعلان ان کفریات کا اعتراف کرتے اور ان کے معتقد کو مومن کامل جانتے اور اپنا پیشوا و مجتہد مانتے ہیں تو اگر ان میں بعض بالفرض خود معتقد نہ بھی ہوں تو یوں کافر ہُوئے۔ شفاء شریف میں ہے:

نکفر من دان بغیر ملۃ المسلمین اووقف فیھم اوشك او صحح مذھبھم وان اظھر مع ذالك الاسلام واعتقدہ[2] الخ واقرہ علیہ العلامۃ الخفاجی فی

جس نے ملّتِ اسلامیہ کے علاوہ کسی دین کو اپنایا یا ان میں شک یا توقف کیا یا ان کے مذہب کو صحیح کہا تو ایسے لوگوں کی ہم تکفیر کریں گے اگرچہ یہ لوگ اسلام اور

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴
[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی بیان ماھو من المقالات مطبعۃ شرکۃ صحافیہ فی بلاد العثمانیۃ ۲/ ۲۷۱

نسیم الریاض۔ اس کے اعتقاد کا اظہار کریں الخ اور علامہ خفاجی نے اسے نسیم الریاض میں مضبوط قرار دیا۔(ت)

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ روافضِ زمانہ میں کسی ایسے کا ملنا جسے ایک ضعیف طور پر بھی مسلمان کہہ سکیں کبریتِ احمر کے ملنے سے کچھ زیادہ ہی دشوار ہے۔ فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے یہ مسئلہ اپنے فتاوٰی میں مشرحًا بیان کیا اور بار ہا ان لوگوں سے بطلانِ مناکحت پر فتوٰی دیا، اکابر مشاہیر علمائے عصر اس افتا میں فقیر سے موافق ہیں، ہاں جو اس درجہ کا نہ ہو اور ضروریاتِ اسلام سے کسی شے کا انکار نہ کرتا ہو نہ اُس کے منکروں کو مسلمان جانتا ہو اگرچہ اپنی خباثت سے تبرائے ملعونہ شنیعہ مغضوبہ تک پہنچے صحیح مذہب معتمد مشرب پر بدعتی فاجر ہے، نہ مرتد کا فر کما حققہ ابی وسیدی مقدام المحققین قدس سرہ المکین فی فتاواہ (جیسا کہ میرے والد ماجد مقدام المحققین قدس سرہٗ نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق فرمائی۔ ت) پس اگر زید مذکور جس کے ساتھ لیلٰی کا نکاح ہُوا درجہ اول کا رافضی تھا جب تو وُہ نکاح یقینًا جزمًا باطل محض ہے جیسے کسی ہندو نصرانی یہودی مجوسی کے ساتھ بلکہ ان سے بھی بدتر مرتد اخبث اقسامِ کفار ہے والعیاذ باللہ سبحٰنہ وتعالٰی، اس صورت میں لیلٰی کو ایک آن کا انتظار بھی ضرور نہیں بے دغدغہ جس سے چاہے نکاح کرلے، اور اگر اُس کا رفض مرتبہ دوم سے متجاوز نہ تھا تو صورت مسئولہ میں کہ نکاح باپ نے کیا اور تقریر سوال سے واضح کہ جب تک فریب زید کھلا تھا لیلٰی و والدین لیلٰی سب راضی تھے پس عام ازیں کہ لیلٰی وقتِ نکاح بالغہ تھی یا نہیں ہر طرح نکاح منعقد ہوگیا مگر ازانجا کہ رافضی مرد زن سُنّیہ بنتِ سُنّی کا کفو نہیں ہوسکتا اور زید نے اپنے آپ کو سُنّی بتا کر فریب و مغالطہ دیا لہٰذا شرع مطہر اس نکاح کے فسخ کرانے کا اختیار دے گی، اگر لیلٰی ہنگامِ نکاح صغیرہ تھی تو بعد بلوغ اُسے اعتراض وانکار کا اختیار ہوا یا ہوگا اور بالغہ تھی تو جس وقت فریب زید کھلا اُسے اور اُس کے اولیاء سب کو اختیار دعوٰیِ فسخ ملا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی النوازل لو زوج بنتہ الصغیرۃ ممن ینکر انہ یشرب المسکر فاذا ھو مدمن لہ وقالت لاارضی بالنکاح ای بعد ماکبرت ان لم یکن یعرف الاب بشربہ وکان غلبۃ اھل بیتہ صالحین فالنکاح باطل لانہ انما زوجہ علی ظن انہ کفوٴ اھ ثم معناہ انہ سیبطل کما فی الذخیرۃ

نوازل میں ہے اگر اپنی نابالغہ بیٹی کا نکاح ایسے شخص سے کر دیا جو شراب نوشی کا انکار کرتا تھا حالانکہ وُہ شراب کا عادی تھا، تو لڑکی نے بالغ ہونے پر کہا میں اس نکاح سے راضی نہیں اگر والد کو شراب نوشی کا علم نہ تھا اور والد کا غالب خاندان صالحین لوگ ہیں، تو یہ نکاح باطل قرار پائے گا، کیونکہ والد نے کفو سمجھتے ہُوئے نکاح دیا تھا اھ، پھر اس باطل کا

لان المسئلة مفروضة فیما اذا لم ترض البنت بعد ماکبرت کما صرح بہ فی الخانیۃ والذخیرۃ وغیرھما۔ولافرق فی عدم الکفاءۃ بین کونہ بسبب الفسق اوغیرہ[1]اھ ملتقطا۔

مطلب یہ ہے کہ اس نکاح کو باطل کیا جائے گا، جیسا کہ ذخیرہ میں ہے، کیونکہ مسئلے کا تعلق اس صورت سے ہے کہ لڑکی نے بالغ ہوجانے پر عدم رضا کا اظہار کیا ہو جیسا کہ خانیہ، ذخیرہ وغیرہما میں اس کی تصریح کی گئی ہے؛ اور عدم کفاءت میں فرق نہیں خواہ فسق کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے ہو، اھ ملتقطا۔(ت)

درمختار میں ہے:

لوزوجوھا برضاھا ولم یعلموا بعدم الکفاءۃ ثم علموا لاخیار لاحد الا اذا شرطوا الکفاءۃ او اخبرھم بھا وقت العقد فزوجوھا علی ذلک ثم ظھر انہ غیر کفؤ لھم الخیار ولوالجیۃ فلیحفظ[2]۔

جب اولیاء نے لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی سے غیر کفؤ میں لاعلمی کی بنا پر کردیا اور بعد میں کفؤ نہ ہونا معلوم ہُوا تو اب کسی کو فسخ کا اختیار نہیں، مگر جب نکاح کے وقت اولیاء نے کفؤ ہونے کی شرط پر نکاح دیا ہو یا خاوند نے نکاح کے وقت اپنے کفؤ ہونے کا اظہار کیا ہو تو اس کے اظہار پر انھوں نے نکاح دیا ہو پھر بعد میں معلوم ہُوا ہو کہ یہ غیر کفؤ ہے تو اب ان کو فسخ کا اختیار ہے، ولوالجیہ، پس اسے یاد کرلو۔(ت)

شامی میں ہے:

فی البحر عن الظھیریۃ لوانتسب الزوج لھا نسبا غیر نسبہ فان ظھر دونہ وھو لیس بکفؤ فحق الفسخ ثابت للکل[3]۔

بحر میں ظہیریہ سے منقول ہے کہ اگر خاوند نے نکاح کے وقت لڑکی پر اپنے نسب کو بدل کر کسی اور کی طرف منسوب کیا تو بعد میں اگر اس کا نسب گھٹیا جو کہ کفؤ نہیں ہے، معلوم ہُوا تو اب سب کو فسخ کا حق ہے۔(ت)

مگر اس اختیار کے یہ معنی نہیں کہ عورت یا اولیاء خود ہی فسخ کرلیں کہ یہ تو ہرگز جائز نہیں اور اسی پر قناعت کرکے نکاح ثانی کرلیں گے تو زنہار نہ ہوگا بلکہ اُس کے یہ معنے کہ قاضی شرع کے یہاں رجوع لائیں جب اُس کے نزدیک آفتاب روشن کی طرح ثابت ہوجائے کہ واقعی زید رافضی تھا اور اس نے ان لوگوں کو

---

[1] ردالمحتار | باب الولی | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۳۰۴
[2] درمختار | باب الکفاءۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۴
[3] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۳۱۷

دھوکا بھی دیا، یہ اُس وقت تک اُس کے احوال سے آگاہ نہ تھے، نہ اب زید کا پتا ہے (کہ اُسے بُلا کر اُس کے حضور مقدمہ سُنا جائے) یا پتا معلوم ہے تو وُہ ایسی جگہ ہے جہاں قاضی نہیں (کہ مقدمہ ترتیب دے کر گواہ سُن کر بلحاظ شرائط کتاب القاضی الی القاضی وہاں بھیج دیں کہ وُہ قاضی اُسے دار القضا میں حاضر کرکے بمواجہہ فریقین حکمِ فسخ سُنا دے) اور زید کو یہاں بُلاتے ہیں تو آتا نہیں اور اُس پر جبر کا کوئی طریقہ نہیں۔ غرض ہر طرح قاضی مذکور ضرورت و مجبوری ملاحظہ کرلے اُس وقت زید کے عزیزوں یا دوستوں سے کسی کو اور وہ نہ ملیں تو اور کسی بے لگاؤ متدیّن آدمی کو زید کا نائب و وکیل قرار دے کر اُس کے حضور مقدمہ سُنے اور بعد ثبوت کامل نکاح فسخ کردے اور از انجا کہ حسبِ تصریح سوال ہنوز زید و لیلٰی میں خلوت نہ ہُوئی تھی اصلاً انتظارِ عدت کی حاجت نہیں حکمِ قاضی ہوتے ہی فوراً جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے۔ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

لایکون الفسخ لعدم الکفاءۃ الاعند القاضی لانہ مجتھد فیہ[1] الخ۔

کفو نہ ہونے کی وجہ سے فسخ صرف قاضی کی موجودگی میں ہوسکتا ہے کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے الخ (ت)

درمختار میں ہے:

شرط للکل القضاء الاثمانیۃ[2] الخ۔

ہر فسخ کے لئے قضا شرط ہے ماسوائے آٹھ صورتوں کے الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فیہ ایماء الی ان الزوج لوکان غائبا لم یفرق بینھما مالم یحضر للزوم القضاء علی الغائب نھر[3]۔

اسی میں اشارہ ہے کہ اگر خاوند حاضر نہ ہو تو اس کی حاضری تک تفریق نہ کی جائے گی تاکہ قضاء علی الغائب لازم نہ آئے، نہر۔ (ت)

اور اسی میں ہے:

قال فی جامع الفصولین الظاھر عندی ان یتأمل فی الوقائع و یحتاط و یلاحظ الحرج و الضرورات فیفتی

جامع الفصولین میں کہا ہے کہ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ واقعہ پر غور کیا جائے اور احتیاط کی جائے اور حرج اور ضروریات کا اندازہ کیا جائے تاکہ اس

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الاکفاء نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۲

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

[3] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۷

بحسبها جوازًا او فسادًا مثلًا لو طلق امرأته عند العدل فغاب عن البلد ولا يعرف مكانه او يعرف ولكن يعجز عن احضاره او عن تسافر اليه هي او وكيلها لبعده او لمانع اخر ففي مثل هذا لو برهن على الغائب وغلب على ظن القاضي انه حق لا تزوير ولا حيلة فيه فينبغي ان يحكم عليه وله وكذا للمفتي ان يفتي بجوازه دفعا للحرج والضرورات مع انه مجتهد فيه ذهب اليه الائمة الثلثة وفيه روايتان عن اصحابنا وينبغي ان ينصب عن الغائب وكيل يعرف انه يراعي جانب الغائب ولا يفرط في حقه اھ واقره في نور العين قلت ويؤيده ما في الفتح من باب المفقود لا يجوز القضاء على الغائب الا اذا رأى القاضي مصلحة في الحكم له وعليه فحكم فانه ينفذ لانه مجتهد فيه اھ ملخصًا۔[1]

لحاظ سے صحت وفساد کا فتوٰی دیا جائے، مثلًا اگر کسی نے عادل شخص کی موجودگی میں بیوی کو طلاق دی اور شہر سے چلا گیا اس کی جگہ کا علم نہ ہو یا علم ہو لیکن وہاں سے اس کو یہاں حاضر کرنا یا وہاں خود پہنچنا دشوار ہو اور خود بیوی یا اس کے وکیل کا دُوری کی وجہ سے سفر کرنا مشکل ہو یا کوئی اور وجہ ہو تو ایسی صورت میں اس غائب خاوند کے خلاف شہادت گزرے اور قاضی کو اس کے حق ہونے کا ظن غالب ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ اس میں کوئی حیلہ اور فریب نہیں ہے تو وُہ خاوند کے حق میں یا اس کے خلاف فیصلہ دے دے، یونہی مفتی کو چاہئے کہ اس غائب کے بارے میں فیصلے کا فتوٰی دے دے تاکہ حرج اور ضرورت ختم ہو سکے جبکہ یہ مسئلہ بھی اجتہادی ہے اور ائمہ ثلاثہ امام مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ اس کے جواز کے قائل ہیں اور ہمارے ائمہ کے اس میں دو قول ہیں، اور مناسب یہ ہے کہ غائب شخص کی طرف سے کوئی وکیل مقرر کر دیا جائے جس کے متعلق معلوم ہو کہ یہ غائب کی رعایت کرتے ہُوئے کوتاہی نہیں کرے گا اھ اس کو نور العین میں ثابت رکھا ہے، میں کہتا ہُوں اور اس کی تائید فتح میں باب المفقود کے اس جزئیہ سے ہوتی ہے کہ قضاء علی الغائب ناجائز ہے مگر جب قاضی غائب کے حق یا خلاف فیصلہ دینے میں کوئی مصلحت سمجھے تو فیصلہ دے دے تو نافذ ہو جائے گا کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

تنویر میں ہے:

العدة سبب وجوبها النكاح المتاكد

عدّت کے وجوب کا سبب وہ نکاح ہے جس میں رخصتی

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء مطلب المسائل التی یکون القضاء فیها الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۳۹

بالتسلیم وما جری مجراہ[1]۔ ہوچکی ہو یا اس کے قائم مقام کوئی معاملہ ہو۔ (ت)

اور اگر لیلٰی کے شہر میں کوئی قاضی نہ ہو تو اس کی تدبیر ہم مسئلہ مفقود میں لکھ چکے ہیں واللہ اعلم بالصواب والیہ سبحانہ وتعالٰی المرجع والمآب (اللہ تعالٰی ہی درستی کو جانتا ہے اور اس پاک ذات کی طرف ہی پناہ اور لوٹنا ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۳۱ ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک زن بازاری کے لڑکا پیدا ہوا جب وہ لڑکا سنِ بلوغ کو پہنچا تب اُس نے دینِ اسلام قبول کیا اب جو شخص کہ پہلے سے اہلِ اسلام تھا اُسے اپنی لڑکی صغیرہ کا نکاح اس کے ساتھ کردینا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جائز ہے، قال اللہ عزجلالہ، لاتنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا[2] الآیۃ (مشرکوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ مومن نہ ہوجائیں۔ ت) مگر یہ نکاح غیر کفو کے ساتھ ہے دو وجہ سے،

اوّلاً عورت قدیمی مسلمان ہے اور یہ شخص نومسلم، اور نومسلم مسلمان قدیم کا کفو نہیں،

فی الدر المختار مسلم بنفسہ غیر کفوٴ لمن ابوھا مسلم[3]۔ درمختار میں ہے: خود مسلمان ہونے والا ایسی لڑکی کا کفو نہیں ہے جس کا باپ مسلمان ہُوا ہو۔ (ت)

ثانیاً اُس کی ماں زنانِ بازاری سے تھی اور ان بلاد کا عرف عام ہے کہ ایسے شخص سے نکاح کردینا اولیائے زنان کے لئے قطعاً موجبِ عار ہوتا ہے اور یہی مبنائے عدمِ کفاءت ہے۔

فی فتح القدیر الموجب ھو استنقاص اھل العرف فیدور معہ[4]۔ فتح القدیر میں ہے: اس کا سبب اہلِ عرف کا ناقص سمجھنا ہے لہذا حکم کا مدار یہی بنے گا (ت)

لہذا اس میں ان سب شرائط کا لحاظ واجب ہوگا جو غیر کفو سے نکاح کرنے میں ہیں مثلاً جبکہ دختر نابالغہ ہے اور باپ برضائے خود اس شخص کے نکاح میں دینا چاہتا ہے تو لازم ہے کہ اس سے پہلے اپنی

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۵

[2] القرآن الکریم ۲/۲۲۱

[3] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

[4] فتح القدیر " نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۹۳

کسی بیٹی کا نکاح غیر کفو سے نہ کر چکا ہو ورنہ ناجائز ہوگا۔

فی الدر المختار لزم النکاح بغیر کفؤ ان کان الولی ابا او جدا لم یعرف منھما سوء الاختیار وان عرف لایصح النکاح اتفاقا[1] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے کہ یہ نکاح غیر کفو میں تب صحیح ہوگا جب نکاح کا ولی باپ یا دادا ہو بشرطیکہ وہ سوءِ اختیار میں مشہور نہ ہوں، اور اگر ہوں تو پھر صحیح نہیں ہوگا، اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۳۲ از شہر کہنہ ۱۴ محرم الحرام ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر ہندہ عاقلہ بالغہ کا نکاح عمرو کے ساتھ کیا، عمرو کی نسبت اُس وقت شبہہ ہوا تھا کہ شاید رافضی ہو اس پر اُس سے پوچھا گیا اُس نے صاف انکار کیا اور اپنے آپ کو سُنّی بتایا اور بہت صفائی کے ساتھ اپنے سُنّی ہونے کا اطمینان دلایا یہاں تک کہ ہندہ کے معمولی اذن و رضا سے نکاح ہوگیا ہندہ رخصت ہو کر عمرو کے یہاں گئی کچھ عرصہ کے بعد جب ماہِ محرم آیا اور زید نے ہندہ کو اپنے یہاں بلایا اُس وقت عمرو کا رافضی ہونا ظاہر ہوا اُس نے ہندہ کا زیور وغیرہ سب اتار کر ایک نیلا جھیتڑا رافضیوں کا سا اُڑھا کر ہندہ کو بھیج دیا اور تحقیق ہوا کہ عمرو رافضی ہے، جب سے زید نے ہندہ کو اُس کے یہاں جانے نہ دیا، اب علماءِ اہل سنت سے فتوٰی طلب ہے کہ اس صورت میں عمرو رافضی اور ہندہ سُنّیہ کا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

قطع نظر اس سے کہ آج کل عام رافضی ضروریاتِ دین کے منکر اور دائرۂ اسلام سے قطعاً خارج ہیں جن سے کسی کا نکاح اصلاً کسی طرح نہیں ہوسکتا بالفرض باطل اگر یہ شخص اُس حد کا نہ بھی ہو نہ اُن منکران ضروریاتِ دین اور اُن کے مجتہدین کو مسلمان جانتا ہو تاہم اس قدر میں شک نہیں کہ رافضی سُنّی کا کفو نہیں ہوسکتا۔ درمختار میں ہے:

وتعتبر یعنی الکفاءۃ فی العرب والعجم دیانۃ ای تقوٰی فلیس فاسق کفؤ الصالحۃ[2] الخ۔

عرب وعجم میں کفاءت دینداری کی یعنی پرہیزگاری کی معتبر ہے لہذا فاسق شخص صالحہ لڑکی کا کفو نہ ہوگا الخ (ت)

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

[2] درمختار باب الکفاءۃ 〃 〃 〃 ۱/ ۱۹۵

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں:

المبتدع فاسق من حیث الاعتقاد وھو اشد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق من حیث العمل یعترف بانہ فاسق ویخاف ویستغفر بخلاف المبتدع والمراد بالمبتدع من یعتقد شیئا علی خلاف مایعتقدہ اھل السنۃ والجماعۃ[1]

بدعتی شخص اعتقادی لحاظ سے فاسق ہے اور یہ عملی فسق سے زیادہ بُرا ہے، کیونکہ عملی فاسق اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے اس لئے وہ ڈرتا ہے اور استغفار کرتا ہے بخلاف بدعتی کے، اور بدعتی سے مراد وہ شخص ہے جو اہلسنت وجماعت کے اعتقاد کے خلاف اعتقاد بنائے۔ (ت)

طحطاوی حاشیہ درمختار میں زیرِ قول شرح تزوجتہ علی انہ حر او سنی او قادر علی المھر والنفقۃ فبان بخلافہ[2] (جب نکاح دینے والا کے میں نے آزاد، سُنّی اور مہر ونفقہ دینے پر قادر سمجھ کر نکاح کیا ہے تو بعد کو اس کے خلاف ظاہر ہُوا۔ ت) فرمایا:

لفقد الکفاءۃ بالرق فی الاول وفی الدین فی الثانی وفی المال فی الثالث[3]

پہلی صورت (آزاد) میں غلامی کی وجہ سے، دوسری میں دین کی وجہ سے، اور تیسری میں مال کی وجہ سے کفو نہ ہوا۔ (ت)

اور جبکہ ہندہ عاقلہ بالغہ تھی اور نکاح اُس کے اذن سے واقع ہُوا تو حقیقۃً وہ ہندہ کا خود اپنا نکاح کرنا تھا کہ بالغہ پر سے ولایت منقطع اور فعلِ وکیل فعلِ مؤکل ہے خصوصاً نکاح میں کہ یہاں تو وکیل سفیر ومعبّر محض ہوتا ہے اور تقریر سوال سے ظاہر کہ زید ولی ہندہ کو اُس وقت تک عمرو کا رافضی ہونا معلوم نہ تھا عمرو نے براہِ فریب اسے مغالطہ دیا اور وُہ اسے سُنّی سمجھ کر نکاح پر راضی ہُوا تو حاصل اس صورت کا یہ ٹھہرا کہ عورت نے اپنا نکاح غیر کفؤ سے کیا اور ولی کو پیش از نکاح اُس کے غیر کفو و رافضی ہونے پر اطلاع نہ تھی، ایسی صُورت میں ظاہر الروایۃ تو یہ ہے کہ عورت اور اُس کے ولی دونوں کو اس نکاح کے فسخ کرانے کا اختیار ہے۔ درمختار میں ہے:

تزوجتہ علی انہ سنی فبان بخلافہ کان لھا الخیار فلیحفظ[4] انتھی ملخصًا۔

عورت نے سنّی ہونے کی وجہ سے نکاح کیا اور اس کے خلاف پایا تو اسے فسخ کا اختیار ہے اسے محفوظ کرلو انتہی ملخصا (ت)

---

[1] غنیۃ المستملی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴
[2] درمختار کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۵
[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار " " " دارالمعرفۃ بیروت ۲/۲۱۳
[4] درمختار کتاب الطلاق " " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۵

اُسی میں ہے :

اذا شرطوا الکفائۃ او اخبرھم بھا وقت العقد فزوجوھا علی ذٰلك ثم ظھر انہ غیر کفو کان لھم الخیار ، ولو الجیۃ فلیحفظ۔[1]

اگر کفو ہونے کی شرط پر ولیوں نے نکاح دیا یا نکاح کے وقت انھیں کفو کی خبر دی گئی تو اس بنا پر انھوں نے نکاح کردیا ، پھر ظاہر ہُوا کہ وُہ ایسا نہیں یعنی غیر کفو ہے تو اولیاء کو فسخ کا اختیار ہے ، ولوالجیہ ، اسے محفوظ کرلو ۔ (ت)

مگر روایت صحیحہ ومفتٰی بہا پر نکاح اصلاً نہ ہُوا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے :

سئل فی بکر بالغۃ زوجھا اخوھا من غیر کفؤ باذنھا اجاب تزویجہ لھا باذنھا کتزوجھا بنفسھا وھی مسئلۃ من نکحت غیر کفؤ بلا رضا اولیا ئھا افتی کثیر بعدم انعقادہ اصلا وھی روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ ففی المعراج معزیا الی قاضی خان وغیرہ والمختار للفتوی فی زماننا روایۃ الحسن[2] اھ ملخصًا۔

باکرہ بالغہ کا اس کے بھائی نے غیر کفو میں نکاح کردیا جبکہ لڑکی نے اجازت دی ہو ، سے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا کہ لڑکی کی اجازت سے نکاح ایسے ہے جیسے لڑکی نے خود نکاح کیا ہو ، یہ مسئلہ لڑکی کا خود غیر کفو میں اپنے اولیاء کی رضا کے بغیر نکاح کرنے کا ہے ، بہت فقہانے اس نکاح کے اصلاً منعقد نہ ہونے پر فتوٰی دیا ہے ، اور یہ امام حسن کی امام ابوحنیفہ سے روایت ہے ، تو معراج میں اس کو قاضی خاں وغیرہ کی طرف منسوب کرکے کہا کہ ہمارے زمانے میں فتوی کے لیے یہی مختار ہے جو امام حسن نے روایت کی ہے اھ ملخصًا (ت)

درمختار میں ہے :

ویفتی فی غیر الکفؤ بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان فلا تحل مطلقۃ ثلثا نکحت غیر کفو بلا رضی ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ۔[3]

غیر کفو میں اصلاً جائز نہ ہونے کا فتوٰی دیا جائے گا فسادِ زمان کی وجہ سے فتوٰی کے لئے یہی مختار ہے لہذا مطلقہ ثلاثہ نے اگر ولی کی رضا کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرلیا تو شوہر اوّل کے لئے حلال نہ ہوگی جبکہ ولی کو شوہر ثانی کے غیر کفو ہونے کا علم ہو اور وہ اس نکاحِ ثانی پر راضی نہ ہوا ہو ، اس کو محفوظ کرلو ۔ (ت)

---

[1] درمختار — باب الکفاءۃ — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۱۹۴

[2] فتاوٰی خیریہ — باب الاولیاء والاکفاء — دارالمعرفۃ بیروت — ۱/۲۵

[3] درمختار — باب الولی — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۱۹۱

ردالمحتار میں ہے :

قولہ بلا رضی نفی منصب علی المقید الذی ھو رضی الولی والمقید الذی ھو بعد معرفتہ ایاہ فیصدق بنفی الرضی بعد المعرفۃ وبعدمھما وبوجود الرضی مع عدم المعرفۃ ففی ھذہ الصور الثلثۃ لاتحل، وانما تحل فی الصورۃ الرابعۃ وھی رضی الولی بغیر الکفو مع علمہ بانہ کذلک[1] اھ۔

ماتن کا قول "بغیر رضا" یہ مقید کی نفی ہے اور وہ ولی کی رضا ہے اور اسکی قید جبکہ ولی کو شوہر ثانی کے غیر کفو ہونے کا علم ہو ہے تو اس کا مصداق یہ تمام صورتیں ہوں گی، غیر کفو ہونے کے علم کے بعد رضا نہ ہو، یا علم غیر کفو اور رضا دونوں نہ ہوں، یا رضا ہو مگر غیر کفو کا علم نہ ہو، تو ان تینوں صورتوں میں وُہ حلال نہ ہوگی، صرف ایک چوتھی صورت میں حلال ہوگی کہ غیر کفو ہونے کا علم ہونے کے باوجود رضا ہو، اھ۔ (ت)

پس صورتِ مستفسرہ میں حکم یہ ہے کہ عمرو و ہندہ کا نکاح اصلاً منعقد نہ ہُوا، نہ وُہ اس کا شوہر ہے نہ یہ اس کی زوجہ، نہ اسے اس کے یہاں بھیجنا یا جانا روا، نہ اس کو اس پر کسی قسم کا اختیار یا دعوٰی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳ از دیورنیا مسئولہ عنایت حسین صاحب شوال ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ایک شخص نے اپنی بھتیجی کا نکاح اپنے سالے کے ساتھ میں کر دیا اور اُس کی کیفیت یہ ہے کہ وُہ شخص جملہ منہیات میں مبتلا ہے جیسے شراب خوری اور جُوا بازی اور زناکاری اور چوری کرتا ہے تمام اور عارضہ سوزاک اور آتشک وغیرہ کا موجود ہے، اور علاوہ اس کے غیر کفو بھی ہے، اور تارک الصلوٰۃ ہے اور خوش دامن وغیرہ اُس کی صالحین میں سے ہیں اور اُن کو اس تقریب سے نہایت خفت اور ذلت اور عار معلوم ہُوتی ہے، آیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

سائل مظہر کہ یہ لڑکی وقتِ نکاح نابالغہ و یتیمہ تھی اور اس کا کوئی بھائی بھی نہیں، چچا نے جس سے نکاح کیا وہ پیش از نکاح بھی ایسا ہی بدروِیّہ و بداطوار تھا، اگر یہ بیان واقعی ہے تو نکاح مذکور اصلاً نہ ہوا،

فی الدرالمختار ان کان المزوج غیرھما — اگر نکاح کرنے والا باپ دادا کا غیر ہو تو غیر کفو سے

[1] ردالمحتار باب الولی احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۷

ای غیر الاب وابیہ لایصح النکاح من غیر کفؤ اصلا و ما فی صدر الشریعۃ صح ولھما فسخہ وھم[1] (ملخصا)

اصلاً نکاح نہ ہوگا، اور جو صدر الشریعۃ میں ہے کہ نکاح صحیح اور باپ دادا کو اس کے فسخ کا اختیار ہے، یہ صرف وہم ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

وتعتبر فی العرب والعجم دیانۃ ای تقوی فلیس فاسق کفوا لصالحۃ او فاسقۃ بنت صالح معلنا کان اولا علی الظاھر، نھر[2] انتھی، واللہ تعالٰی اعلم۔

عرب و عجم میں کفائت دینداری یعنی پرہیزگاری کی معتبر ہے، دیانت سے مراد تقوٰی ہے، لہذا کوئی فاسق کسی صالحہ یا فاسقہ بنت صالح کے لئے کفو نہیں بن سکتا، فسق اعلانیہ ہو یا غیر اعلانیہ، یہ ظاہر الروایت ہے، نہر، انتہٰی، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ سیدزادی کا نکاح اُس کے چچا نے گیارہ برس کی عمر میں بے اطلاع باپ کے اُن کی غیبت میں زید پٹھان سے کر دیا، آیا یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

پٹھان سیدزادی کا کفو نہیں ہوسکتا، تو یہ نکاح کہ بے اطلاعِ پدر تھا، عام ازانکہ ہندہ اُس وقت بالغہ ہو خواہ نابالغہ اس نکاح پر راضی تھی خواہ ناراض مطلقاً محض باطل واقع ہوا، یہاں تک کہ اب اگر اُس کا باپ بھی جائز رکھے تو درست نہیں ہوسکتا، زید و ہندہ کو باہم قربت ناروا، اور ہندہ اب بالغہ ہو تو اُسے ورنہ اس کے ولی کو اختیار ہے کہ بے طلاق لئے جس سے چاہے نکاح کر دے، زید ہرگز مزاحم نہیں ہوسکتا کہ مذہب مفتٰی بہ پر وُہ محض اجنبی ہے،

فی ردالمحتار عن کافی الامام الحاکم الشھید، قریش بعضھا اکفاء لبعض، والعرب بعضھم اکفاء بعض ولیسوا باکفاء لقریش ومن کان لہ من الموالی ابوان او ثلثۃ فی

ردالمحتار میں ہے کہ امام حاکم شہید کی کافی میں ہے کہ قریش ایک دوسرے کے لئے کفو ہیں، اور عرب ایک دوسرے کے لئے کفو ہیں مگر قریش کے لئے کفو نہیں، اسلام میں اگر کسی کے دو باپ یعنی باپ دادا، یا تین

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲
[2] ؍؍ باب الکفاءۃ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/۱۹۵

الاسلام فبعضهم اکفاء لبعض ولیسوا اکفاء للعرب[1] اھ وفی الدر المختار یفتی فی غیر الکفؤ بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوٰی لفساد الزمان فلا تحل مطلقۃ ثلث نکحت غیر کفؤ بلا رضی ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ[2] اھ وفی ردالمحتار عن البحر الرائق اذا کان لہا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضی بعدہ[3] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

باپ آزادی میں ہو گزرے ہوں، وہ ایک دوسرے کے کفو ہوں گے لیکن عربوں کے کفو نہیں ہوں گے اھ اور درمختار میں ہے کہ ولی کی رضا کے بغیر غیر کفو میں نکاح اصلاً صحیح نہ ہوگا اور فسادِ زمان کی بنا پر اسی پر فتوٰی ہے، لہٰذا مطلقہ ثلاثہ نے اگر غیر کفو میں ولی کی عدم رضا کے باوجود نکاح کرلیا جبکہ ولی کو شوہر ثانی کے غیر کفو ہونے کا علم ہو تو وہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی، اس کو محفوظ کرلو اھ، اور ردالمحتار میں بحر سے منقول کہ جب لڑکی کا ولی نکاح سے قبل راضی نہ ہو تو بعد کی اجازت کارآمد نہ ہوگی اھ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۳۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ولیہ ہندہ کو کہ سیدزادی ہے دھوکہ دے کر اپنی قوم اور اپنا اور اپنے باپ کا مشہور نام اور اپنی ماں کا کنیز غیر شرعی ہونا چھپا کر بذریعہ تحریر و تقریر اپنے آپ کو شیخ یا سید اور ڈھائی بسوہ حقیت کا مالک ظاہر کرکے ہندہ سے نکاح کرلیا اور اس مِلک فرضی کو مہر ہندہ قرار دیا، بعد خلوت صحیحہ ہندہ کو معلوم ہوا کہ نہ زید کا وہ نام نہ قوم نہ زمین، بلکہ وہ کنیزک غیر شرعی سے پیدا ہوا ہے اب ہندہ ناراضامند ہوکر فسخ نکاح چاہتی ہے، کیا صورتِ مستفسرہ میں نکاح کو خود فسخ یا اس کے فسخ کا دعوٰی کرسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اگر ہندہ نابالغہ ہے اور یہ نکاح اَب وجَد نے نہ کیا یا انھیں نے کیا مگر اس بارہ میں اُن کی بے احتیاطی پہلے بھی ہوئی تھی یعنی کبھی اور بھی اپنی کسی بیٹی پوتی کا غیر کفو دنی القوم یا محتاج سے نکاح کرچکے ہوں تو یہ نکاح اصلاً صحیح نہ ہوا۔ اگر ہندہ کے لئے دُور و نزدیک کہیں کوئی ولی مرد عصبہ عاقل بالغ حر مسلم مثلاً باپ دادا بھائی بھتیجا اپنا چچا یا اپنے باپ یا دادا کا چچا یا ان میں کسی کی اولاد ذکور عام ازاں اَب وجَد کے سوا یہ سب سگے ہوں یا سوتیلے موجود ہے اور یہ نکاح اس کے بے اطلاع ہوا یا مطلع تھا

---

[1] ردالمحتار	باب الکفاءۃ	داراحیاء التراث العربی بیروت	۲/۳۱۹
[2] درمختار	باب الولی	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۱۹۱
[3] ردالمحتار	"	داراحیاء التراث العربی بیروت	۲/۲۹۷

مگر اُس نے صراحۃً نکاح کی اجازت نہ دی اگرچہ سکوت کیا ہو اگرچہ مجلسِ عقد میں موجود رہا ہو یا صراحۃً اجازت و رضامندی بھی ظاہر کی بلکہ خود متولیِ نکاح ہُوا مگر وُہ ان حالات باطنۂ زید پر وقوف نہ رکھتا تھا تو ان سب صورتوں میں مذہب مفتٰی بہ پر وُہ نکاح محض باطل و کالعدم بلکہ شرعاً فی الحقیقت منعدم ہے اگرچہ بعد وقوعِ نکاح و علم بحالات زید ولی ہندہ صراحۃً کہہ دے کہ میں ایسی حالت پر بھی اس نکاح پر راضی اور اسے جائز رکھتا ہُوں تاہم کچھ حاصل نہیں کہ جو شرعاً باطل ہے کسی کی رضامندی سے صحیح نہیں ہو سکتا، اس تقدیر پر تو فسخ کی خود کیا حاجت کہ جب عقد ہُوا ہی نہیں تو فسخ کیا کیا جائے،

فی الدر المختار یفتی فی غیر الکفؤ بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان فلا تحل مطلقۃ ثلثا نکحت غیر کفؤ بلا رضی ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ[1] اھ فی ردالمحتار لایلزم التصریح بعدم الرضی بل السکوت منہ لایکون رضی کما ذکرنا فلابد لصحۃ العقد من رضاہ صریحا وعلیہ فلو سکت قبلہ ثم رضی بعدہ لا یفید فلیتامل[2] اھ وفیہ یصدق بنفی الرضی بعد المعرفۃ وبعدمھا وبوجود الرضی مع عدم المعرفۃ ففی ھذہ الصور الثلثۃ لا تحل وانما تحل فی الصورۃ الرابعۃ وھی رضی الولی بغیر الکفؤ مع علمہ بانہ کذلک[3] اھ۔

درمختار میں ہے کہ غیر کفؤ میں نکاح کے اصلاً ناجائز ہونے پر فتوٰی دیا جائے گا، فسادِ زمان کی وجہ سے یہی مختار ہے لہذا مطلقہ ثلاثہ نے اگر ولی کو علم کے باوجود اس کی رضا کے بغیر غیر کفؤ میں نکاح کر دیا تو وُہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی، اس کو محفوظ کر لو اھ، ردالمحتار میں ہے کہ ولی کا اپنی عدمِ رضا کو صراحۃً بیان کرنا ضروری نہیں بلکہ اس کا سکوت ہی عدمِ رضا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، لہذا صحتِ نکاح کے لئے صراحۃً رضامندی کا اظہار ضروری ہے، اسی بنا پر اگر پہلے خاموش رہا اور نکاح کے بعد راضی ہو گیا تو کارآمد نہیں، غور کرو، اھ، اور اس میں یہ بھی ہے کہ ان صورتوں میں عدمِ رضا ہوگی، علم ہو رضا نہ ہو یا علم نہ ہو رضا ہو، یا غیر کفؤ کا علم اور رضا دونوں نہ ہوں، ان تینوں صورتوں میں وُہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی اور صرف ایک صُورت میں حلال ہوگی، وُہ یہ کہ اس کو غیر کفو ہونے کا علم ہو اور راضی ہو اھ۔ (ت)

---

[1] درمختار | باب الولی | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۱

[2] ردالمحتار | ؍؍ | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۲۹۷

[3] ایضاً

اور اگر ہندہ کے لئے اس قسم کا کوئی ولی نہیں یا جو ہیں وہ کل یا بعض یا درصورت تفاوتِ درجہ صرف ولی اقرب پیش از نکاح باوجود وقوف بحالات زید صراحۃً اپنی رضامندی ظاہر کرچکا ہو تو بشرطیکہ ہندہ بالغہ ہو صحتِ نکاح میں کچھ شُبہہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۳۶: از شہر کہنہ ۴ رمضان مبارک ۱۳۱۲ھ

ما قولہم رحمہم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ پٹھان کے لڑکے کا سید کی لڑکی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سائل مظہر کہ لڑکی جوان ہے اور اس کا باپ زندہ، دونوں کو معلوم ہے کہ یہ پٹھان ہے اور دونوں اس عقد پر راضی ہیں، باپ خود اُس کے سامان میں ہے، جب صورت یہ ہے تو اس نکاح کے جواز میں اصلاً شُبہہ نہیں کما نص علیہ فی ردالمحتار وغیرہ من الاسفار (جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ کتب میں اس پر نص ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۳۷: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ یعقوب علی خاں صاحب ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نکاح ہندہ بعمر چار سال ہوا تھا اور اُس وقت عمر اس کے زوج بکر کی پانچ سال تھی، جب بکر سنِ تمیز کو پہنچا تو مردی سے خارج ہے اور ہمراہی ہیز رقص کرتا ہے تو نامردی اور اُن حرکات زشت کے باعث والد ہندہ عار و کسرِ شان سمجھ کر دختر کے بھیجنے میں منکر ہے اور اب دختر کی عمر چودہ سال ہے، شوہر کو پسند و قبول نہیں کرتی، تو اس صورت میں دربارہ جواز و عدمِ جواز نکاح کیا حکم ہے اور بعد تفریق دینِ مہر اُس کا ذمہ شوہر عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگرچہ مخنثوں کے ساتھ رقص کرنا بیشک زوال کفاءت کا باعث ہے کہ ایسے شخص سے رشتہ ضرور موجبِ ننگ و عار ہے مگر کفاءت کا اعتبار ابتدائے نکاح کے وقت ہے اگر اُس وقت کفو ہو پھر کفاءت جاتی رہے تو اس کا لحاظ نہ ہوگا۔

فی الدرالمختار والکفاءۃ اعتبارھا عند ابتداء العقد فلا یضرہ زوالھا بعدہ فلو کان وقتہ کفوا ثم فجر لم یفسخ[1]

درمختار میں ہے کہ کفو کا اعتبار ابتداءِ نکاح کے وقت ہے لہذا نکاح کے بعد اگر کفو ختم ہو جائے تو مضر نہیں جیسا کہ نکاح کے وقت صالح ہونے کی وجہ سے کفو تھا اور بعد میں وہ فاسق بن گیا تو نکاح فسخ نہ ہوگا (ت)

---

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۵

ظاہر ہے کہ خصلتِ شنیعہ بکر میں بعد نکاح پیدا ہوئی تو اس وجہ سے ابتداءً اُس کے نکاح پر اعتراض نہیں بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ آیا جس وقت نکاح ہوا اُس وقت بھی بکر کفوِ ہندہ تھا یا نہیں اور مہرِ ہندہ میں اُس کے مہرِ مثل سے کمی فاحش ہوئی یا نہیں اور نکاح ہندہ کے باپ یا اُس کی عدمِ ولایت کی حالت میں دادا نے کیا یا ان کے غیر کے مثلاً ماں بھائی چچا وغیرہم نے اور ان میں سے کسی نے کیا تو بحالتِ ولایت خود کیا مثلاً باپ وغیرہ جو اس سے اقرب تھے شرعاً قابلِ ولایت نہ تھے خواہ اُن کی ولایت نہ رہی تھی یا بحالِ عدمِ ولایت کیا تھا کہ دوسرا ولی اقرب موجود تھا پھر اس تقدیر پر ولی اقرب نے سُن کر جائز کر رکھا یا رد کر دیا یا ہنوز ساکت ہے، غرض صورتیں بہت ہیں اور ان سب کا حکمِ شرعی یہ کہ صغیرہ کا نکاح جب غیرِ اَب و جد نے کیا ہوا گر مہرِ مثل میں کمی فاحش کی یا زوج اُسی وقت مثلاً بوجہ کم قوم ہونے کے کفو نہ تھا تو وہ نکاح سرے سے صحیح ہی نہیں ہوتا، اگرچہ یہ غیر ہی اسی وقت ولیِ اقرب ہو اور اگر اُس وقت کفاءت تھی اور مہر میں بھی کمی فاحش نہ ہوئی تو بحالِ عدمِ ولایت نکاح اجازت ولی اقرب پر موقوف رہتا ہے، اگر اس نے جائز کر دیا نافذ ہو گیا رَد کر دیا باطل ہو گیا، ساکت ہے تو ابھی اُسے اختیار ہے کہ رَد کر دے خواہ نافذ، اور اگر وہ ساکت ہی رہے یہاں تک کہ صغیرہ سنِ بلوغ کو پہنچی تو اب اُسے خود اختیار ہوگا کہ اُس نکاح موقوف کو رَد یا نافذ کر دے، اور بحالِ ولایت نکاح منعقد و نافذ ہوتا مگر صغیرہ کو خیارِ بلوغ ملتا ہے یعنی اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر نکاح کا حال اُسے پہلے سے معلوم ہے تو جس وقت بالغہ ہو یعنی علامتِ بلوغ مثل حیض ظاہر ہو یا پندرہ برس کی عمر ہو جائے، اور اگر پہلے سے معلوم نہیں تو بعد بلوغ جس وقت نکاح کی خبر ہو کہہ دے کہ میں اس نکاح سے راضی نہیں۔ اس صورت میں حاکم مطلقاً نکاح فسخ کر دے گا اگرچہ شوہر نامرد و مخنث نہ بھی ہو، مگر اس خیار میں کنواری لڑکی کو حکم ہے کہ بالغہ ہوتے ہی یا بعد بلوغ خبر پاتے ہی فوراً فوراً بلا توقف اپنی ناراضی ظاہر کرے، اگر ذرا دیر لگائے گی یہ خیار جاتا رہے گا اگرچہ شوہر نامرد و مخنث سہی، اور جو لڑکی شوہر رسیدہ ہو اُسے اختیار وسیع ملتا ہے کہ بعد بلوغ یا بالغہ ہونے پر اطلاع کے بعد جب چاہے ناراضی ظاہر کرے نکاح فسخ کر دیا جائے گا جب تک کہ وہ صراحۃً زبان یا کسی فعل مثلاً بوسہ لینے یا نان و نفقہ مانگنے سے رضامندی ظاہر نہ کرے، اور جب باپ دادا نکاح کریں تو صغیرہ کو اس راہ سے اصلاً اختیارِ فسخ نہیں ہوتا اگرچہ کفاءت نہ ہو یا مہرِ مثل میں کمی فاحش ہو بشرطیکہ نکاح خود باپ دادا نے پڑھایا یا شوہر و مقدارِ مہر معین کر کے کسی کو وکیل کیا یا جس نے چاہا بلا اجازت پڑھا دیا مگر جب باپ یا دادا ولی اقرب کو خبر ہوئی تو باوصف علمِ عدمِ کفاءت و غبنِ فاحش اُسے نافذ کر دیا کہ ان صورتوں میں یہ وہ نکاح باپ دادا کا بذاتِ خود ہی کیا ہوا ٹھہرے گا اور صغیرہ کو اصلاً اختیارِ اعتراض نہ ملے گا مگر یہ کہ باپ یا دادا اس تزویج یا توکیل یا تنفیذ کے وقت نشے میں ہوں یا اس سے پہلے بھی اپنے کسی بچے کا نکاح غیر کفو یا

مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کرچکے ہوں تو یہ نکاح اُن کا کیا ہُوا بھی صحیح نہیں ہوتا،

فی الدر المختار لزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفؤ ان کان الولی المزوج بنفسہ ابا او جدا لم یعرف منہما سوء الاختیار وان عرف لا یصح النکاح اتفاقا وکذا لو کان سکران، وان کان المزوج غیر الاب وابیہ ولو الام لا یصح النکاح من غیر کفؤ او بغبن فاحش اصلا وان کان من کفؤ وبمہر المثل صح ولکن لصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ بشرط القضاء للفسخ ویبطل خیار البکر بالسکوت لو مختارۃ عالمۃ باصل النکاح ولا یمتد الی اخر المجلس وان جہلت بہ وخیار الصغیر والثیب اذا بلغا لا یبطل بالسکوت بلا صریح رضا او دلالۃ علیہ کقبلۃ ولمس[1] اھ ملتقطا، وفیہ عن النہر بحثا لو عین (ای الاب او الجد) لوکیلہ القدر (ای قدر المہر) صح[2] اھ موضحا، وفی رد المحتار وکذا لو عین لہ

درمختار میں ہے کہ جب نکاح دینے والا باپ دادا ہو تو غیر کفوٗ اور انتہائی کم مہر کی صورت میں بھی نکاح ہوجائیگا بشرطیکہ وُہ باپ دادا سُوءِ اختیار میں مشہور نہ ہوں، اور اگر وہ اس میں مشہور ہوں تو بالاتفاق نکاح صحیح نہ ہوگا، اور یہی حکم ہے جب وُہ نشہ میں ہوں۔ اور اگر نکاح دینے والے باپ دادا کا غیر ہوں خواہ ماں ہو تب بھی غیر کفوٗ اور غبن فاحش یعنی انتہائی کم مہر کی صُورت میں نکاح صحیح نہ ہوگا، ہاں اگر مہرِ مثل اور کفوٗ میں یہ نکاح ہو تو صحیح ہوگا لیکن لڑکی کو بلوغ یا بلوغ کے بعد علم پر فسخ کا اختیار ہوگا بشرطیکہ قاضی فسخ کرے مذکورہ صُورت میں اگر لڑکی عاقلہ بالغہ ہو اور غیر کا کیا ہُوا نکاح سُن کر خاموش رہے بشرطیکہ نکاح کا علم رکھتی ہو تو اُس کا اختیار باطل ہوجائے گا، اور اس کا اختیار مجلس کے آخر تک باقی نہ رہے گا اگرچہ وُہ اپنے اختیار کا علم نہ رکھتی ہو، اور اگر نابالغ لڑکا ہو یا لڑکی ثیبہ ہو تو بلوغ پر محض سکوت سے اختیار ختم نہ ہوگا جب تک صریح رضا یا اس کے قائم مقام کوئی عمل مثلاً بوس وکنار نہ کرلے اھ ملتقطاً، اسی میں نہر سے منقول ایک بحث ہے کہ اگر باپ دادا نے پُورے مہر کی شرط پر غیر کو وکیل بنایا تو نکاح صحیح ہوگا اھ (وضاحت ہے)، اور ردالمحتار میں ہے کہ ایسے ہی ہوگا جب اُنھوں نے کفوٗ کی شرط

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲-۱۹۳

[2] ″ ″ ″ ۱/۱۹۲

رجلا غیر کفؤ کما بحثه العلامة المقدسی[1] اھ وفیہ بعیدہ عن البحر عن المحیط ان الجواز ثبت باجازۃ الولی فالحق بنکاح باشرہ[2] اھ وفی التنویر والدر (للولی الابعد التزویج بغیبۃ الاقرب) فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ مسافۃ القصر واختار فی الملتقی مالم ینتظر الکفؤ الخاطب جوابہ وعلیہ الفتوی[3] اھ مختصرا، وفی فتح القدیر لو بلغ قبل ان یجیزہ الولی فاجاز بنفسہ نفذ لانہا کانت متوقفۃ[4] الخ۔

پر کسی کو وکیل بنا دیا ہو، جیسا کہ یہ بحث علامہ مقدسی نے کی ہے اھ، اور اسی میں اس کے تھوڑا سا بعد بحر سے منقول ہے اور انھوں نے محیط سے کہ ولی کی اجازت سے کسی کا نکاح دینا یہ بھی ولی کے اپنے دئے ہُوئے نکاح سے ملحق ہوگا اھ، تنویر اور دُر میں ہے ولیِ اقرب کی غیر حاضری میں ولیِ ابعد کو نکاح کا اختیار رہے، تو اگر ولیِ اقرب کی موجودگی میں ولیِ ابعد نے نکاح دیا تو یہ ولیِ اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ غیر حاضری یہ ہے کہ سفر کی مدّت پر یا اتنے بُعد پر ہو کہ منگنی والا والیسی اس کے جواب و اجازت کا انتظار نہ کرتا ہو اور اسی پر فتوٰی ہے اھ مختصراً، اور فتح القدیر میں ہے کہ اگر نابالغ ولی کی اجازت دینے سے قبل بالغ ہوجائے تو پھر خود اس کو اختیار ہوگا تو اس کی رضا پر نکاح نافذ ہوجائے گا کیونکہ یہ نکاح موقوف تھا الخ (ت)

پس اگر نکاحِ ہندہ میں صُورتِ واقعہ وُہ تھی جس میں نکاح سرے سے صحیح ہی نہ ہوا یا صحیح ہو کر بسببِ رَدِّ ولیِ اقرب باطل ہوگیا، جب تو ظاہر ہے کہ بکر کو ہندہ پر کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا، نہ وہ اس کی زوجہ نہ یہ اس کا شوہر، اور جب کہ ہنوز رخصت نہیں ہُوئی جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے مہر اصلاً لازم نہیں بلکہ ایسی حالت میں اگر فی الواقع مرد نامرد ہو تو اس صُورت میں مہر لازم ہونے کی کوئی شکل ہی نہیں کہ نکاح غیر صحیح ہو تو مہر جماع سے لازم ہوتا ہے اور نامرد قابلِ جماع نہیں، اور اگر صورت وُہ ہو جس میں نکاح ہنوز اجازت صاحبِ اجازت پر موقوف ہو تو اگر پدرِ ہندہ کی جانب سے قبل اس نکاح کے اجازت و رضا متحقق نہ ہُوئی تھی تو اب اس انکار سے رَد ہوگیا، اور اگر یہ انکار اس طور پر ہے کہ نکاح کو تو رَد نہیں کرتا مگر رخصت کرنا نہیں چاہتا تو اب یہ ولیِ ہندہ

---

[1] ردالمحتار | باب الولی | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/ ۳۰۵
[2] ؍؍ | ؍؍ | ؍؍ | ۲/ ۳۰۶
[3] درمختار شرح تنویر الابصار | ؍؍ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۹۴
[4] فتح القدیر | فصل فی الاولیاء | نوریہ رضویہ سکھر | ۳/ ۱۹۸

یا بحالِ بلوغ خود ہندہ کے ہاتھ کی بات ہے رد کردیں رد ہوجائے گا اور جب کہ جماع نہ ہوا مہر کچھ نہیں کما یاتی لکونہ فسخا (جیسا کہ آئندہ آئیگا کیونکہ یہ فسخ کی صورت ہے۔ ت) اور اگر صورت وُہ تھی جس میں ہندہ کو خیارِ بلوغ ملے اور وُہ اس خیار کو حسبِ شرائط مذکورہ استعمال میں لاچکی، یا ہنوز اس کا وقت نہیں آیا کہ ہندہ ابھی نابالغہ ہے تو جب وقت آئے استعمال میں لائے تو بھی ہندہ کو نجات کامل بے دقّت حاصل کہ فقط اس کا یہ اظہارِ ناراضی کرنا ہی حکمِ فسخ کا منشا ہوجائے گا اور حاکم مجرد اسی بنا پر نکاح فسخ کردے گا اور اب بھی مہر اصلاً عائد نہ ہوگا کہ نکاح فسخ سے گویا کالعدم (یعنی بے ہوا) ہوجاتا ہے،

فی ردالمحتار المھر کما یلزم جمیعہ بالدخول کذا بموت احدھما قبل الدخول اما بدون ذٰلک فیسقط ولو الخیار منہ لان الفرقۃ بالخیار فسخ للعقد والعقد اذا انفسخ یجعل کانہ لم یکن کما فی النھر[1]۔

ردالمحتار میں ہے، جس طرح دخول وجماع سے مہر لازم ہوجاتا ہے یونہی دخول سے قبل خاوند یا بیوی کے فوت ہوجانے سے مہر لازم ہوجاتا ہے اور دخول کے بغیر اور موت کے بغیر ساقط ہوجائے گا، اگرچہ لڑکے کو اختیار ہو تب بھی فسخ کرنے سے مہر ساقط ہوجائے گا کیونکہ فسخ نکاح کو کالعدم کردیتا ہے جیسا کہ نہر میں ہے۔ (ت)

ہاں اگر صورت وُہ تھی جس میں ہندہ کو خیارِ بلوغ سرے سے ملا ہی نہ تھا، اور اتنا کہ ہندہ کنواری ہے جسے خیار وسیع نہیں ملتا بوجہ سکوت ساقط ہوگیا تو اب بالفعل ہندہ خواہ اس کے باپ کو اصلاً کوئی حق اعتراض و انکار حاصل نہیں، نکاح صحیح وتام ہوچکا اور اُن حرکاتِ شنیعہ کا بکر میں پیدا ہوجانا مبطل یا وجہ ابطالِ نکاح نہیں، اور ابھی کہ ہندہ کی رخصت نہ ہُوئی نامردیِ بکر کا دعوٰی قابلِ سماعت نہیں کہ عورت کے حق میں نامرد وُہ ہوتا ہے جو خاص اُس عورت کی فرج داخل کے اندر ذکر حشفہ تک غائب کرنے پر قادر نہ ہُوا اور یہ باختلافِ زمان مختلف ہوسکتا ہے، ممکن کہ کوئی شخص ایک عورت کی فرج میں ادخال نہ کرسکے اور دوسری پر قادر ہوجائے تو اُس دوسری کے حق میں نامرد نہ ہوگا۔

فی الھندیۃ عن النھایۃ ان کان یصل الی الثیب دون الابکار اوالی بعض النساء دون البعض و ذٰلک لمرض اولضعف فی خلقۃ اولکبر سنہ

ہندیہ میں نہایہ سے ہے: اگر کوئی مرد ثیبہ عورت سے وطی کرسکتا ہے باکرہ سے نہیں کرسکتا، یا بعض قسم کی عورتوں سے کرسکتا ہے اور بعض سے نہیں کرسکتا اس کی وجہ مرض ہے یا پیدائشی کمزوری یا بڑھاپا ہے

---

[1] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۷

او سحر فھو عنین فی حق من لا یصل الیھا۔[1]

یا جادو ہے، تو وہ ایسی عورتوں کے حق میں نامرد قرار دیا جائیگا جن سے وطی نہیں کر سکتا۔ (ت)

بلکہ اگر تسلیم ہی کرلیں کہ بکر ہندہ کے حق میں بھی نامرد ہے تاہم اس بنا پر رخصت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ نامردی مبطلِ نکاح نہیں ہوتی بلکہ بعد دعوی وثبوت عدم مجامعت مرد کو سال بھر کامل کی مہلت دی جاتی ہے اور عورت ہرگز اختیار نہیں رکھتی کہ ان دنوں کو اُس سے جُدا رہ کر گزار دے جتنے دن خود جُدا رہے گی مدت میں اُتنے روز اور بڑھا دئے جائیں گے،

فی الدر المختار وجدتہ عنینا اجل سنۃ ورمضان وایام حیضھا منھا وکذا حجۃ وغیبتہ لامدۃ حجھا وغیبتھا۔[2]

درمختار میں ہے کہ کسی بیوی نے خاوند کے متعلق کہا کہ میں نے اسے نامرد پایا ہے، تو مرد کو ایک سال کی مہلت دی جائیگی جس میں رمضان اور ایام حیض بھی شمار ہوں گے یونہی حج، اور مرد کی غیر حاضری کے دن بھی شمار ہوں گے لیکن عورت کے حج اور غیر حاضری کے ایام شمار نہ ہوں گے۔ (ت)

جب زوجہ کے حق میں نامردی بثبوت شرعی ثابت ہونے کے بعد بھی ہنوز خود مختار نہیں ہوتی جب تک مدت یک سال گزرنے پر بھی عدم جماع ثابت ہو کر تفریق نہ ہوجائے تو پیش از رخصت ایسے خیالات کی بنا پر خود مختاری ہرگز صحیح نہیں بلکہ چارۂ کار وہی حاکم شرع کے حضور دعوئ نامردی اور بعد ثبوت بکارت اس کے حکم سے مہلت یکسالہ ملنی اور بعد مرور میعاد حاکم شرع کو بقائے بکارت ثابت ہونے پر ہندہ کے فوراً تفریق مانگنے پر خود بکر یا وہ نہ مانے تو حاکم شرع کا تفریق کردینا کافی ہے اس وقت طلاق بائن ہوجائے گی، اور اگر بکر نے ہندہ سے خلوت ہی نہ کی تو نصف مہر اور خلوت کی اور ادخال ذکر پر قدرت نہ پائی تو کل مہر لازم آئے گا،

فی الھندیۃ ان اختارت الفرقۃ امرہ القاضی ان یطلقھا طلقۃ بائنۃ فان ابی فرق بینھما ھکذا ذکر محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی الاصل کذا فی التبیین، والفرقۃ

ہندیہ میں ہے (کہ مدت ختم ہونے پر) اگر عورت تفریق کا مطالبہ کرے تو قاضی خاوند کو کہے گا کہ اس کو بائنہ طلاق دے دے اگر خاوند انکار کرے تو قاضی خود تفریق کرے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں یونہی ذکر فرمایا جیسا کہ تبیین میں ہے، اور تفریق

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۲۲

[2] درمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴

تطلیقۃ بائنۃ کذا فی الکافی ولہا المھر کاملا وعلیھا العدۃ بالاجماع ان کان الزوج قد خلا بھا والا فلا عدۃ علیھا ولہا نصف المھران کان مسمی والمتعۃ ان لم یکن کذا فی البدائع[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

طلاق بائنہ ہوگی، جیسا کہ کافی میں ہے اور اسے پُورا مہر دیا جائے گا، اور بالاجماع اس پر عدت ہوگی بشرطیکہ خاوند اس سے خلوت کرچکا ہو ورنہ عدت نہ ہوگی اور مہر بھی نصف دیا جائیگا جب مقرر ہو، اور اگر مقرر نہ ہو تو پھر جوڑا وغیرہ دیا جائیگا، جیسا کہ بدائع میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۳۳: ۲۲ شوال ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک شخص اجنبی عمرو کے مکان پر رہتا ہے، عمرو نے وارثانِ ہندہ کو بہکا کر اور دھوکا دے کر زید کا نسب سید بتایا اور نکاح کرادیا، بعد کچھ مدت کے معلوم ہوا کہ وُہ سید نہیں نوربافت ہے، اب وارثانِ ہندہ کو شرم معلوم ہوتی ہے اور بہت اہانت ہے کہ سید اور نورباف کا نکاح بہت عار ہے، لہٰذا وارثانِ ہندہ کو فسخ کرنا فی زمانہ جائز ہے یا نہیں؟ زید بعد ظاہر ہونے حال کے وہاں سے چلا گیا وقتِ رخصت زوجہ سے قسم کھا کر کہا میں اس قریہ میں تاحیات نہ آؤں گا، پھر اسی مضمون کا خط لکھ کر بھیجا، اب اس کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں کچھ حاجتِ فسخ نہیں کہ وُہ نکاح سرے سے خود ہی نہ ہُوا، سائل مظہر کہ ہندہ بالغہ ہے اور روایت مفتی بہا پر ولی والی عورت کے لئے کفاءت شرطِ صحتِ نکاح ہے یا ولی اقرب پیش از عقد عدمِ کفاءت پر دانستہ اپنی رضا ظاہر کردے بعد عقد راضی ہوجانا بھی نفع نہیں دیتا۔

فی ردالمحتار تعتبر الکفاءۃ للزوم النکاح علی ظاھر الروایۃ ولصحتہ علی روایۃ الحسن المختارۃ للفتوی[2] اھ وفی الدرالمختار یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا

ردالمحتار میں ہے کہ کفو کا اعتبار نکاح لازم کرنے کیلئے ہے جیسا کہ ظاہر روایت ہے۔ اور امام حسن رحمہ اللہ تعالٰی کی روایت پر صحتِ نکاح کے لئے ہے اور یہی فتوٰی کے لئے مختار ہے اھ، درمختار میں ہے کہ غیر کفو میں نکاح کے اصلاً ناجائز ہونے کا فتوٰی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۲۴

[2] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۸

وھو المختار للفتوٰی فلا تحل بلا رضی ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ[1] اھ مختصرًا۔ فی رد المحتار ھذا اذا کان لہا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضی بعدہ بحر[2]۔

دیا جائیگا، یہی فتوٰی کے لئے مختار ہے تو ولی کی رضا کے بغیر بیوی حلال نہ ہوگی بشرطیکہ ولی کو غیر کفو کا علم ہو، اسے محفوظ کرلو اھ مختصرًا۔ ردالمحتار میں ہے: یہ جب ہے کہ اس کا ولی ہو اور نکاح سے قبل راضی نہ ہوا ہو، اور نکاح کے بعد کی رضا کارآمد نہ ہوگی، بحر (ت)

یہاں جب کہ وُہ کفو نہیں اور ولی کو دھوکا دیا گیا دونوں امر سے کچھ متحقق نہ ہوا اور نکاح باطل محض رہا، بعد ظہورِ حال زید کی وُہ قسم و تحریر سب مہمل ہے جس پر ہندہ کے لئے کوئی حکم حرمت مترتب نہیں ہوسکتا،

اما مسألۃ الھندیۃ انتسب الزوج لہا نسبا غیر نسبہ فان ظہر دونہ وھو لیس بکفو فحق الفسخ ثابت للکل[3] ومسألۃ الدر عن الولوالجیۃ، نکحت رجلا ولم تعلم حالہ فاذا ھو عبد لاخیار لہا بل للاولیاء ولو زوجوھا برضاھا وشرطوا الکفاءۃ او اخبرھم بہا وقت العقد فزوجوھا علی ذلک ثم ظہر انہ غیر کفو کان لہم الخیار[4] (ملخصًا) فظاہر ان کل ذلک مبنی علی الظاہر وھو صحۃ العقد وثبوت الاعتراض کیف وقد نقل المسألۃ فی الخانیۃ عن الاصل اما علی المختارۃ للفتوٰی فلا صحۃ اصلا کما لایخفی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

لیکن ہندیہ کا مسئلہ کہ اگر مرد نے عورت کو اپنا نسب تبدیل کرکے بتایا تو بعد میں اس کا نسب اس کے بیان کردہ نسب سے کم درجہ ظاہر ہوا ہو تو یہ کفو نہیں ہے لہذا اولیاء کو فسخ کا اختیار ہوگا، اور دُر کا مسئلہ یہ ہے جو بحوالہ ولوالجیہ ہے کہ اگر لڑکی نے خود کسی شخص سے لاعلمی میں نکاح کرلیا بعد میں علم ہوا کہ وُہ غلام ہے تو لڑکی کو خود اختیار نہ ہوگا بلکہ اس کے اولیاء کو حقِ فسخ ہوگا، اور اگر اولیاء نے خود نکاح کیا لڑکی کی رضامندی سے، اور اولیاء نے کفاءت شرط کرلی یا نکاح کے وقت زوج نے وقتِ نکاح اولیاء کو کفو ہونے کی خبر دی اس شرط پر اولیاء نے نکاح کردیا، بعد میں لڑکے کا غیر کفو ہونا ظاہر ہوا تو اولیاء کو فسخ کا اختیار ہوگا ملخصًا تو ظاہر ہے کہ یہ صحتِ نکاح اور ثبوتِ اعتراض پر مبنی ہے اور ظاہر کیسے نہ ہو جبکہ خانیہ میں یہ مسئلہ مبسوط سے منقول ہے لیکن جو چیز فتوٰی کے لئے مختار قرار دی گئی ہے اس پر یہ نکاح کا قول صحیح نہیں ہے جیسا کہ مخفی نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] ردالمحتار 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۶

[3] فتاوٰی ہندیہ باب فی الاکفاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۹۳

[4] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

مسئلہ ۲۳۳: از الہ آباد چوک مرسلہ مولوی عبدالغفور صاحب سوداگر ۲۳ صفر ۱۳۱۶ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی ان العالم العجمی کفؤ للسیدۃ ام لابینوا بسند الکتاب توجروا یوم الحساب۔

آپ (رحمکم اللہ تعالٰی) کا اس مسئلہ میں کیا قول ہے کہ عجمی عالم سیدزادی کا کفو ہے یا نہیں؟ کتاب کے حوالہ سے بیان فرمائیں، قیامت کے روز اجر پائیں۔

الجواب

نعم اذا کان دینا متدینا لان فضل العلم فوق فضل النسب، قال اللہ تعالٰی یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت[1]، وقال تعالٰی قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون[2]، فی وجیز الامام الکردری العجمی العالم کفؤ للعربی الجاھل لان شرف العلم اقوی وارفع، وکذا العالم الفقیر للغنی الجاھل، وکذا العالم الذی لیس بقرشی کفؤ للجاھل القرشی والعلوی[3] اھ وفی الفتح والنھر وغیرھما عن جامع الامام قاضی خان، العالم العجمی یکون کفؤا للجاھل العربی والعلویۃ لان شرف العلم فوق شرف النسب[4] اھ وفی النھر والدر جزم بہ

ہاں، جب عجمی عالم دیندار عامل ہو، کیونکہ علم کی فضیلت نسب کی فضیلت سے فائق ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا، تم میں سے ایمان والوں کو اللہ تعالٰی نے بلندی دی اور ان لوگوں کو جو علم دئے گئے ان کو کئی درجات دئے گئے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں۔ امام کردری کی وجیز میں ہے کہ عجمی عالم جاہل عربی کا کفو ہوگا کیونکہ علمی شرافت اقوٰی وارفع ہے، اور یوں ہی عالم فقیر ہو تو وہ جاہل غنی کا کفو ہوگا اور یوں ہی غیر قرشی عالم جاہل علوی اور جاہل قرشی کا کفو بنے گا اھ۔ فتح اور نہر وغیرہما میں جامع الامام قاضی خاں سے منقول ہے کہ عجمی عالم، جاہل عربی اور جاہل علوی کا کفو ہے کیونکہ علمی شرافت نسبی شرافت پر غالب ہے اھ۔ نہر اور دُر میں ہے کہ بزازی نے اس پر جزم کیا ہے اور

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/۱۱

[2] ؍؍ ؍؍ ۳۹/۹

[3] وجیز الامام الکردری علی حاشیۃ فتاوٰی ہندیۃ الخامس فی الکفارۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۱۶

[4] فتح القدیر فصل فی الکفارۃ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۹۰

البزازی وارتضاه الکمال وغیرہ والوجه فیه ظاهر[1] الخ. وفی رد المحتار عن الخیر الرملی عن مجمع الفتاوی عن المحیط العالم یکون کفؤا للعلویة لان شرف الحسب اقوی[2] الخ. قال وذکر ایضا یعنی الرملی انه جزم به فی المحیط والبزازیة والفیض وجامع الفتاوی والدر[3] الخ. وتمام تحقیقه فیه وفی الفتاوی الخیریة لنفع البریة[4] قد قال ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما للعلماء درجات فوق المؤمنین بسبعمائة درجة مابین کل درجتین مسیرة خمسمائة عام و هذا مجمع علیه وکتب العلم طافحة بتقدم العالم علی القرشی ولم یفرق سبحانه وتعالٰی بین القرشی وغیرہ فی قوله تعالٰی هل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون[5] اھ ملتقطا۔

قلت وانما قیدنا بکونه دینا متدینا لانه هو العالم حقیقة واما اصحاب الضلال فشر من الجهال فان الجهل المرکب اشنع واخنع و صاحبه فی الدارین احقر واوضع، صغارهم کالانعام بل هم اضل وکبارهم کالکلاب لا بل اذل اخرج الدار قطنی

کمال وغیرہ نے اس کو پسند فرمایا ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے الخ۔ اور ردالمحتار میں خیرالدین رملی سے انھوں نے مجمع الفتاوٰی سے نقل کیا کہ محیط میں ہے کہ عالم، علوی لڑکی کا کفو ہے کیونکہ عمدہ کی شرافت اقوٰی ہے الخ۔ اور فرمایا کہ رملی نے مزید ذکر کیا کہ محیط، بزازیہ، فیض، جامع الفتاوٰی اور دُر نے اس پر جزم کیا ہے، اور اس کی مکمل تحقیق ردالمحتار میں ہے اور فتاوٰی الخیریہ لنفع البریہ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا: علماء کو عام مومنین پر سات سو درجات برتری ہے اور ہر دو درجوں میں پانسو سال کا سفر ہے اور اس پر اجماع ہے اور تمام علمی کتب، قرشی پر عالم کے تقدم میں متفق ہیں، جبکہ اللہ تعالٰی نے اپنے ارشاد "کیا عالم اور جاہل برابر ہیں" میں قرشی اور غیر قرشی کی کوئی تفریق نہیں فرمائی اھ ملتقطاً۔

قلت (میں کہتا ہوں) ہم عالم کو دین کا عالم اور دین دار عالم سے مقید کریں گے کیونکہ حقیقۃً عالم یہی ہے جبکہ گمراہ علماء تو جاہلوں سے بدتر ہیں کیونکہ جاہل مرکب، انتہائی برا، رُسوا، اور دونوں جہان میں وہ حقیر اور ذلیل ہیں، ان کے چھوٹے چوپایوں کی طرح بلکہ اس سے بھی گئے گزرے، اور ان کے بڑے، کُتّے بلکہ ذلیل ترین ہیں۔ دارقطنی نے

---

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

[2] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۳

[3] " " " " " "

[4] فتاوٰی خیریہ مسائل شتّی آخر کتاب دارالمعرفۃ بیروت ۲/۲۳۴

قال حدثنا القاضی الحسین بن اسمعیل نا محمد بن عبد اللّٰه المخرمی نا اسمعیل بن ابان ثنا حفص بن غیاث عن الاعمش عن ابی غالب عن ابی امامۃ رضی اللّٰه تعالٰی عنہ قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیہ وسلم اھل البدع کلاب اھل النار[1]، و اخرجہ عنہ ابو حاتم الخزاعی فی جزئہ الحدیثی بلفظ اصحاب البدع کلاب اھل النار[2]، ولابن نعیم فی الحلیۃ عن انس رضی اللّٰه تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیہ وسلم اھل البدع شر الخلق و الخلیقۃ، قال العلماء الخلق الناس والخلیقۃ البھائم[3]۔ نسأل اللّٰه السلامۃ والعفو والعافیۃ۔

ثم **اقول** یجب التقیید ایضا بما اذا لم یکن من المتناھین فی الدناءۃ المعروفین بھا کالحائک والدباغ والخصاف والحلاق ونظرائھم فان المدار علی وجود العار فی عرف الامصار کما صرح بہ العلماء الکبار۔ قال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر الموجب ھو استنقاص اھل العرف

تخریج کی ہے کہ ہمیں قاضی حسین بن اسمٰعیل ان کو محمد بن عبد اللہ مخرمی ان کو اسمٰعیل بن ابان ان کو حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی انھوں نے اعمش انھوں نے ابوغالب انھوں نے ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا: "بدعتی لوگ جہنم کے کتے ہیں"۔ اس کی تخریج ابوحاتم خزاعی نے ان سے اپنی جز حدیثی میں ان الفاظ کے ساتھ کی کہ "اصحابِ بدعت جہنم کے کتے ہیں"۔ ابونعیم نے حلیہ میں روایت کیا انس رضی اللہ تعالٰے عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے روایت کیا کہ "اہلِ بدعت تمام مخلوق سے شریر ہیں"۔ علماء نے فرمایا کہ حدیث میں خلق سے مراد لوگ اور خلیقہ سے مراد چوپائے ہیں۔ اللہ تعالٰی سے ہم عافیت، سلامتی اور معافی کا سوال کرتے ہیں۔

ثم **اقول** (پھر کہتا ہوں کہ) وہ عالم اس قید سے بھی مقید ہونا ضروری ہے کہ وہ انتہائی حقیر اور مشہور کمتر نہ ہو جیسا کہ جولاہا، نائی، موچی، چمڑا رنگنے والا اور ان کی مثل نہ ہو کیونکہ دار و مدار اس بات پر ہے کہ علاقے کے عرف میں وہ حقیر شمار نہ ہو، جیسا کہ اکابر علماء نے تصریح فرمائی ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا کہ اہلِ عرف کا ناقص سمجھنا سبب ہے لہذا حکم کا دارمدار

---

[1] کنز العمال بحوالہ الدقطنی فی الافراد حدیث ۱۱۲۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۲۲۳
[2] کنز العمال بحوالہ ابوحاتم الخزاعی حدیث ۱۰۹۴ " " " ۱/ ۲۱۸
[3] حلیۃ الاولیاء ترجمہ نمبر ۴۱۳ ابو مسعود الموصلی دار الکتاب العربی بیروت ۸/ ۲۹۱

فید ورمعہ[۱] اھ و فی رد المحتار قد علمت ان الموجب ھو استنقاص اھل العرف فیدور معہ فعلی ھذا من کان امیرا او تابعا لہ وکان ذا مال ومروءۃ وحشمۃ بین الناس لاشک ان المرأۃ لا تتعیر بہ فی العرف کتعیرھا بدباغ وحائک ونحوھما وان کان الامیر او تابعہ اکلا اموال الناس لان المدار ھنا علی النقص والرفعۃ فی الدنیا[۲] اھ مختصرا۔ ولا شک ان العلویۃ فی بلادنا لا تتعیر بالافاغنۃ والمغول المحلین بحلیۃ العلم والفضل فانھم فی انفسھم یعدون ھنا من الشرفاء الانجاب فاذا انضاف الی ذٰلک فضل العلم جبر نقص نسبھم بالنسبۃ الی العلوی بخلاف الحاکۃ والحلاقین وامثالھم فان التعیر بھم لا یزول بعلمھم اللھم الا اذا تقادم العھد وتناساہ الناس وظھر لہ الوقع فی القلوب والعظم فی العیون بحیث لم یبق العار لبنات الکبار وذٰلک قلیل جدا فی ھذہ الامصار بل لا یکاد یوجد عنہ الاعتبار ومن عرف المدار عرف ان

اس پر ہی ہوگا الخ۔ ردالمحتار میں ہے: آپ نے معلوم کرلیا کہ سبب وُہ اہلِ عرف کا حقیر جاننا ہے تو اسی بات پر مدار ہوگا اس لئے اگر کوئی امیر، حاکم یا اس کا نائب اور مالدار اور سنجیدہ ہو اور لوگوں میں رعب والا ہو تو کوئی شک نہیں ایسے شخص سے عورت عار محسوس نہیں کرتی جیسا کہ وُہ دباغ اور جولاہے وغیرہ سے عار محسوس کرتی ہے اگرچہ حاکم اور اس کا نائب ظلم کے طور پر لوگوں کے مال کھاتے ہوں ——— کیونکہ یہاں مدار دنیاوی حقارت و رفعت ہے اھ مختصراً۔ اس میں شک نہیں کہ علویہ لڑکی ہمارے علاقے میں افغان اور مغل جو کہ علم کے زیور سے آراستہ ہیں اور اہلِ فضل ہیں جو اپنے کو منتخب لوگوں اور شرفاء میں شمار کرتے ہیں ان سے عار محسوس نہیں کرتی، تو جب یہ لوگ علم و فضل کی طرف منسوب ہوں تو مزید شرافت کی بنا پر نسبی طور پر اگر علوی سے کم ہیں تو علم و فضل کی وجہ سے وُہ کمی ختم ہوجاتی ہے، اس کے برخلاف جولاہے، دھوبی اور نائی موچی وغیرہ کی عار علم کی وجہ سے ختم نہیں ہوتی، ہاں جب یہ لوگ قدیم سے یہ کام چھوڑ چکے ہوں اور لوگ معزز انداز میں ان سے مانوس ہوچکے ہوں اور لوگوں کے دلوں میں ان کا وقار اور عام نگاہوں میں ان کی وقعت قائم ہوچکی ہو کہ اب بڑے لوگوں کی لڑکیوں کے لئے عار نہیں رہے تو اور بات ہے، لیکن ایسے اس علاقے میں بہت کم ہیں جن کا اعتبار

---

[۱] فتح القدیر فصل فی الکفاءۃ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۹۳

[۲] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۲

الحکم علیہ یدار فافھم ، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

نہیں کیا جاسکتا، تاہم حقارت کا مدار عرف پر ہے، جب مدار یہ ہے تو حکم اس پر ہوگا، سمجھو ـــــ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۳ مرسلہ حاجی موسٰی عربی ۴ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ سادات کرام بیبیوں سے غیر قوم غیر سید مثل شیخ، مغل، پٹھان وغیرہ کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سید ہر قوم کی عورت سے نکاح کرسکتے ہیں اور سیدانی کا نکاح قریش کے ہر قبیلہ سے ہوسکتا ہے خواہ علوی ہو یا عباسی یا جعفری یا صدیقی یا فاروقی یا عثمانی یا اُموی۔ رہے غیر قریش جیسے انصاری یا مغل یا پٹھان ان میں جو عالم دین معظم مسلمین ہو اُس سے مطلقاً نکاح ہوسکتا ہے، ورنہ اگر سیدانی نابالغہ ہے اور اُس غیر قریش کے ساتھ اُس کا نکاح کرنے والا ولی باپ یا دادا نہیں تو نکاح باطل ہوگا اگرچہ چچا یا سگا بھائی کرے، اور اگر باپ دادا اپنی کسی لڑکی کا نکاح ایسے ہی پہلے کرچکے ہیں تو اب ان کے کئے بھی نہ ہوسکے گا اور اگر بالغہ ہے اور اس کا کوئی ولی نہیں تو وُہ اپنی خوشی سے اُس غیر قریشی سے اپنا نکاح کرسکتی ہے، اور اگر اُس کا کوئی ولی یعنی باپ دادا پردادا اُن کی اولاد و نسل سے کوئی مرد موجود ہے اور اس نے پیش از نکاح اُس شخص کو غیر قریشی جان کر صراحۃً اُس نکاح کی اجازت دے دی جب بھی جائز ہوگا، ورنہ بالغہ کا کیا ہُوا بھی باطل محض ہوگا۔ ان تمام مسائل کی تفصیل درمختار و ردالمحتار وغیرہما کتب معتمدہ مذہب اور فقیر کے فتاوٰی میں متعدد جگہ ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۴ از رسالہ مرسلہ سید محمد شاہ صاحب ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۰ھ

ایک شخص کا فرمان ہے کہ سید یعنی آلِ نبی کی دختر ہر ایک کو پہنچ سکتی ہے یعنی ہر مسلمان سے عقد جائز ہے، دُوسرے نے جواب دیا کہ اگر جاروب کش مسلمان ہوجائے تو بھی جائز ہے؟ تو اُس کا جواب دیا کہ کچھ مضائقہ نہیں۔

الجواب

شخص مذکور جھُوٹا کذّاب اور بے ادب گستاخ ہے، سادات کرام کی صاحبزادیاں کسی مغل پٹھان یا غیر قریشی شیخ مثلاً انصاری کو بھی نہیں پہنچتیں جب تک وُہ عالم دین نہ ہوں اگرچہ یہ قومیں شریف گنی جاتی ہیں مگر سادات کا شرف اعظم و اعلٰی ہے اور غیر قریش قریش کا کفو نہیں ہوسکتا تو رذیل قوم والے معاذ اللہ کیونکر سادات کے کفو ہوسکتے ہیں یہاں تک کہ اگر بالغہ سیدانی خود اپنا نکاح اپنی خوشی و مرضی سے کسی مغل پٹھان یا انصاری

شیخ غیر عالمِ دین سے کرے گی تو نکاح سرے سے ہوگا ہی نہیں جب تک اس کا ولی پیش از نکاح مرد کے نسب پر مطلع ہو کر صراحۃً اپنی رضامندی ظاہر نہ کردے، اور اگر نابالغہ ہے اور اس کا نکاح باپ دادا کے سوا کوئی ولی اگرچہ حقیقی بھائی یا چچا یا ماں ایسے شخص سے کردے تو وہ بھی باطل و مردود ہوگا، اور باپ دادا بھی ایک ہی بار ایسا نکاح کرسکتے ہیں دوبارہ اگر کسی دختر کا نکاح ایسے شخص سے کریں گے تو ان کا کیا ہوا بھی باطل ہوگا،

کل ذٰلک معروف فی کتب الفقۃ کالدر المختار وغیرہ من الاسفار وقد فصلنا القول فیہ فی فتاوٰنا۔ واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

یہ تمام کتبِ فقہ میں معروف ہے جیسے درمختار وغیرہ اور ہم نے تفصیل کے طور پر اپنا قول اپنے فتاوٰی میں بیان کردیا ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۴۲: از مدرسہ تحصیلی نواب گنج ضلع بریلی مرسلہ مدرس اول مدرسہ مذکور ۲۲ شعبان ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح خالد کے ساتھ جو غیر کفو تھا لاعلمی میں کردیا بعد بلوغ زوجہ اور علم غیر کفو ہونے زوج کے زوجین میں نااتفاقی ہے اور ہندہ بھی بعد علم کے نہایت ناراض ہے اور دختر کی مفارقت چاہتی ہے مگر خالد محض ایذارسانی کی وجہ سے اس کو طلاق نہیں دیتا۔ اس صورت میں یہ نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں اور زوجہ مذکورہ کو نکاحِ ثانی کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

سائل نے بعد استفسار اظہار کیا کہ عورت پٹھان ہے اور خالد قوم کا دھنا اور اس نے اپنے آپ کو پٹھان ظاہر کرکے براہ فریب نکاح کرلیا منکوحہ مذکورہ کا وقتِ نکاح باپ دادا کوئی نہ تھا، ہاں جوان بھائی موجود تھا مگر کسی وجہ سے جلسہ نکاح میں شریک نہ ہوا نہ ماں نے اس سے اجازت لی۔ پس صورتِ مستفسرہ میں شرعاً یہ نکاح ہوا ہی نہیں فسخ کسے کیا جائے، دخترِ ہندہ کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے۔ درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیر الاب وابیہ ولو الام لایصح النکاح من غیر کفؤ اصلا وما فی صدر الشریعۃ صح ولھما فسخہ وھم۔[1]

اگر نکاح دینے والا باپ دادا کا غیر ہو اگرچہ وہ ماں ہو تو نکاح غیر کفو میں اصلاً صحیح نہ ہوگا اور جو صدرالشریعۃ میں ہے کہ نکاح صحیح ہے اور باپ دادا کو فسخ کا اختیار ہے یہ محض وہم ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں زیر قول شارح تعتبر الکفاءۃ للزوم النکاح (کفو کا اعتبار لزومِ نکاح کیلئے ہے۔ ت)

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

فرمایا:

ای علی ظاہر الروایۃ و لصحتہ علی روایۃ الحسن المختارۃ للفتوٰی[1]۔

یعنی ظاہر روایت پر اور امام حسن کی روایت پر صحتِ نکاح کے لئے یہ شرط ہے اور یہی فتوٰی کے لئے مختار ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ[2]۔

اگر اقرب حاضر ہو تو ابعد کا دیا ہوا نکاح اس اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں بحرالرائق سے ہے:

انھم قالوا کل عقد لامجیز لہ حال صدورہ فھو باطل لایتوقف[3]۔

جس نکاح کو جائز کرنے والا کوئی بھی نکاح کے وقت نہ ہو تو وہ موقوف نہ ہوگا باطل ہوگا۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

مالامجیز لہ ای مالیس لہ من یقدر علی الاجازۃ یبطل[4] واللہ تعالٰی اعلم۔

اور جس کا کوئی جائز کرنے والا نہ ہو یعنی اجازت کا اختیار نہ رکھتا ہو تو وہ باطل ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۴۳ تا ۴۴۶: از سنبھل ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ

زید پہلے ٹھاکر تھا اب اپنے والدین و اطفال کو چھوڑ کر مشرف باسلام ہوگیا، زید کی خواہش ہے کہ نکاح کرے، زید کا کُل خاندان اس سے برعکس ہے، بی بی کو مسلمان ہونا قبول نہیں، پس ایسی حالت میں سوالاتِ ذیل ازرُوئے شرع شریف حل طلب ہیں زید کی عمر اب ۲۲ سال ہے:

(۱) زید مشرف باسلام ہونے کے بعد کون شمار کیا جائے گا اگرچہ شیخ کیونکہ شیخ بہت قسم کے ہیں۔

(۲) کس قوم کی لڑکی کے ساتھ زید کا نکاح ہوسکتا ہے فی الحال سب اقوام انکار کرتی ہیں، شرع شریف کی رُو سے کس قوم پر استحقاق ہے۔

---

[1] ردالمحتار باب الکفارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۸

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

[3] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۴

[4] فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۹۹

(۳) اب زید کی اولاد ماں کی قوم پرمانی جائے گی یا باپ کی ذات پر ؟

(۴) شرع شریف کی رُو سے رذالت اور شرافت قوم پر منحصر ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب

(۱) مسلمان ہونے سے دونوں جہان کی عزت حاصل ہوتی ہے مگر مذہب کسی قوم کا نام نہیں، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں جس قوم و قبیلہ کے لوگ اسلام لاتے بعد اسلام بھی اُسی قوم و قبیلہ کی طرف نسبت کیے جاتے، ہندوانی قوموں میں چار قومیں شریف گنی جاتی ہیں اُن میں چھتری یعنی ٹھاکر دوسرے نمبر پر ہیں، ہندوستان میں اکثر سلطنت اسی قوم کی رہی، ولہذا انھیں رجپوت کہتے ہیں تو ہندی قوموں میں ان کا معزز ہونا ظاہر ہے اور ہماری شریعت مطہرہ نے حکم دیا کہ،

اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ[1] — جب تمھارے پاس کسی قوم کا عزت دار آدمی آئے تو اس کی خاطر کرو۔

خالی آنے پر تو یہ حکم تھا اور جو بندۂ خدا بہدایتِ الٰہی بالکل ٹوٹ کر ہم میں آملا ہم میں کا ہوگیا اُس کا کس قدر اعزاز و اکرام اللہ سبحٰنہ کو پسند ہوگا۔ اسلام کی عزت کے برابر اور کیا عزت ہے، اس نے تو اسے اور بھی چار چاند نہیں بلکہ ہزار چاند لگا دئے۔ اگر کوئی چمار بھی مسلمان ہو تو مسلمانوں کے دین میں اُسے حقارت کی نگاہ سے دیکھنا حرام اور سخت حرام ہے وُہ ہمارا دینی بھائی ہوگیا۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: انما المؤمنون اخوۃ[2] (مسلمان مسلمان بھائی ہیں۔ت) اور فرماتا ہے، فاخوانکم فی الدین[3] (تو وہ دین میں تمھارے بھائی ہیں۔ت) پھر جو کسی معزز قوم کا اسلام لائے اسے کیونکر حقیر سمجھا جائے، شیخ کسی خاص قوم کا نام نہیں، ہندوستان میں مسلمانوں نے تین قومیں خاص شریف قرار دیں اور انھیں سید یا میر اور خاں اور بیگ کے خطاب دئے کہ ان سب لفظوں کے معنے عربی و فارسی و ترکی میں سردار ہیں، باقی تمام شرفا مثل اولاد امجاد خلفائے کرام و بنی عباس و انصار کو ایک لقب عام دیا، شیخ کہ یہ بھی بمعنی بزرگ ہے، ان کے سوا جو قومیں رہ گئیں کہ دُنیاوی عرف میں رذیل سمجھی جاتی ہیں اُنھوں نے جب دیکھا کہ میر و خاں و بیگ تو خاص خاص اقوام کے لقب ہیں اُن میں گنجائش نہیں اور شیخ ایک عام لفظ ہے جس میں باقی سب داخل، تو اسی کو سمائی والا خطاب پاکر سب قوموں نے اپنی بھرتی اُسی میں

---

[1] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۳۴۳ سعید بن ایاس الجریری دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۶-۲۰۵

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۰

[3] " " ۵/ ۳۳

کردی، دُھنا، جولاہا جس سے پُوچھئے اپنے آپ کو شیخ بتائے گا مگر حقیقۃً شیخ کی اصطلاح صرف اُنھی شریف قوموں یعنی صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی، جعفری، عباسی، انصاری وامثالہم کے لئے ہیں۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اُستاذ امام عطار رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا مذہب یہ تھا کہ جو شخص جس کے ہاتھ پر مسلمان ہو اُس کی ولاء اس کے لئے ہے۔

فی ردالمحتار عن البدائع عند عطاء ھو مولی للذی اسلم علی یدیہ[1]

ردالمحتار میں بدائع سے ہے کہ عطار کے ہاں وہ جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اس کا وہ مولٰی ہے (ت)

اور ولاء ایک رشتہ ہے مثل رشتہ نسب کے۔ حدیث میں ہے:

الولاء لحمۃ کلحمۃ النسب[2] اخرجہ الحاکم والبیہقی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

ولاء نسب کی طرح ایک رشتہ ہے۔ (اس کو حاکم اور بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مولی القوم من انفسہم[3] رواہ الشیخان عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

کسی قوم کا آزاد کردہ ان میں سے ہے۔ اس کو شیخین نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے (ت)

اس مذہب کا ایک حدیث بھی پتا دیتی ہے:

من اسلم علی یدیہ رجل فلہ ولاؤہ[4] اخرجہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن عباس والدارقطنی والبیہقی عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

جس کے ہاتھ پر کوئی شخص اسلام لائے تو اُس کا رشتہ ولاء اُسی سے قرار پائے (اس کو طبرانی نے کبیر میں ابن عباس سے اور دارقطنی اور بیہقی نے ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الولاء فصل فی ولاء الموالاۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۸۰

[2] المستدرک للحاکم کتاب الفرائض دارالفکر بیروت ۴/۳۴۱

[3] صحیح بخاری کتاب الفرائض باب موالی القوم من انفسہم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۰۰۰

السنن الکبرٰی باب من زعم ان موالی النبی صلی اللہ علیہ وسلم دارصادر بیروت ۲/۱۵۱

[4] " " کتاب الولاء " " " " ۱۰/۲۹۸

عجب نہیں کہ اس حدیث کا منشاء بھی یہی ہو کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من اسلم من اھل فارس فھو قرشی[1]۔ رواہ ابن النجار عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

اہلِ فارس سے جو اسلام لائے وُہ قرشی ہے (اسے ابن نجار نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ ت)

کہ قریش نے فارس فتح کیا اُس کے لوگ ان کے ہاتھوں مشرف باسلام ہُوئے، اس مذہب کی بناء پر جو شخص جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوگا بطور رشتہ ولاء اسی قوم میں گِنے جانے کے قابل ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) زید جبکہ خود اپنی ذات سے مسلمان ہُوا تو اُسے دربارۂ نکاح کفو وہمسر ہونے کا حق اُسی عورت پر پہنچتا ہے جو خود مسلمان ہُوئی ہو، جس لڑکی کا باپ مسلمان ہُوا اور اس کے اسلام کی حالت میں یہ لڑکی پیدا ہُوئی خود مسلمان ہونے والا اُس کا بھی کفو نہیں،

فی الدرالمختار اما فی العجم فتعتبر حریۃ واسلاما فمسلم بنفسہ غیر کفوٴ لمن ابوھا مسلم ومن ابوہ مسلم غیر کفوٴ لذات ابوین وابوان فیما کالاٰباء لتمام النسب بالجد[2] اھ مختصرا۔

درمختار میں ہے کہ عجمیوں میں آزاد، مسلمان ہونا کفوٴ ہے۔ لہذا جو شخص خود مسلمان بنا وُہ ایسے کے لئے کفوٴ نہیں جس کا باپ مسلمان بنا، اور جس کا باپ مسلمان ہو وُہ ایسے کا نہیں جس کے دو باپ یعنی باپ اور دادا مسلمان ہو چکے ہوں، اس معاملہ میں دو مسلمان باپ متعدد مسلمان آباء کی طرح ہیں کیونکہ نسب دادا پر مکمل ہوجاتا ہے اھ مختصراً (ت)

اور اس کے سوا پانچ صورتیں اُس کے نکاح کی اور ہیں،

ایک[1] یہ کہ عورت عاقلہ بالغہ جس کا کوئی ولی نہ ہو برضائے خود اس سے نکاح کرے۔

دوم[2] ایسی عورت کا ولی بھی پیش از نکاح اُسے نومسلم جان کر اُس کے ساتھ نکاح کرنے پر صراحۃً اپنی رضا ظاہر کردے۔

سوم[3] نابالغہ کا باپ یا یتیمہ کا دادا اس کے ساتھ نکاح کردے جبکہ اس سے پہلے کسی نابالغہ کا نکاح اپنی ولایت سے کم قوم یا کسی طرح کے غیر کفوٴ میں نہ کر چکا ہو۔

چہارم[4] مجہول النسب لڑکی کو حاکمِ اسلام اپنی ولایت سے اس کے نکاح میں دے دے۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابن النجار عن ابن عمر حدیث ۳۴۰۲۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/۹۰

[2] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

پنجم یہ شخص علمِ دین حاصل کرلے، مسلمانوں میں اس کی علمی فضیلت اوروں کی نسبی شرافت یا اسلامی قدامت کے ہم پلّہ ہوجائے، عارِ عرفی باقی نہ رہے، اُس وقت یہ شخص ہر قوم و قبیلہ کا کفو ہوسکتا ہے۔

(۳) اولاد ہمیشہ باپ کی قوم پر ہوتی ہے۔ قال تعالٰی: وعلی المولود لہ رزقھن[1] (جس کا بچہ ہے عورت کا نفقہ اس پر ہے۔ت)

(۴) شرعِ شریف میں شرافت قوم پر منحصر نہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ[2] تم میں زیادہ مرتبے والا اللہ کے نزدیک وُہ ہے جو زیادہ تقوٰی رکھتا ہے۔

ہاں دربارۂ نکاح اس کا ضرور اعتبار رکھا ہے، باپ دادا کے سوا کسی ولی کو اختیار نہیں کہ نابالغہ لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو سے کردے جس سے اس کی شادی عرف میں باعث ننگ و عار ہو اگر کردے گا نکاح نہ ہوگا، عاقلہ بالغہ عورت کو اجازت نہیں کہ بے رضامندی صریح اولیا اپنا نکاح کسی غیر کفو سے کرلے اگر کرلے گی نکاح نہ ہوگا والمسائل معروفۃ فی کتب المذھب جمیعا (یہ تمام مسائل مذہب کی کتابوں میں معروف ہیں۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۴۲: از کوپاگنج ڈاک خانہ کوپاگنج محلہ پورہ چندن ضلع اعظم گڑھ مکان مولوی الٰہی بخش صاحب مرسلہ حافظ محمد عبدالکریم صاحب ۱۷ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت داشتہ رکھا یعنی ہندہ کو جو خالد کی منکوحہ تھی اور خالد نے طلاق نہیں دیا اور جس زمانے سے زید نے ہندہ کو اپنے پاس رکھا اُس کے بطن سے کئی ایک لڑکے لڑکی پیدا ہوئے، زید لڑکے لڑکی کی شادی چاہتا ہے، لوگ کہتے ہیں حرامی ہیں، پس حدیث شریف میں ایسے لڑکے لڑکیوں کے بارہ میں کوئی وعید وارد ہے یا اُس فعل کا عذاب ثواب اُن کے ماں باپ کو ہوگا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سائل نے محاورے کے مطابق لفظ ثواب بھی لکھ دیا جس طرح کسی حکایت پر کہتے ہیں عذاب و ثواب برگردنِ راوی، حالانکہ اُس کا محل وہاں ہے کہ اُس امر میں دو باتوں کا احتمال ہو حرام میں ثواب کی

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۳

[2] 〃 〃 ۴۹/ ۱۳

کیا گنجائش، یہ لفظ خطائے شدید ہے آئندہ احتراز لازم۔ زنا کا عذاب صرف زانی و زانیہ پر ہے اولادِ زنا پر اُس کا وبال نہیں۔ قال اللہ تعالٰی: لا تزر وازرۃ وزر اخرٰی[1] (ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں۔ت) حدیث میں ہے:

لیس علی ولد الزنا من وزر ابویہ شیئ[2] رواہ الحاکم عن الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

ولدِ زنا پر اس کے والدین کا بوجھ کچھ نہیں ہے (اس کو حاکم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ت)

حدیث صحیح میں اولادِ زنا کی نسبت اس قدر وارد ہے کہ:

ولد الزنا شر الثلثۃ[3]۔ رواہ الامام احمد وابو داؤد والحاکم والبیہقی فی السنن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔

حرام کا بچہ اپنے ماں باپ سے بھی بدتر ہوتا ہے (اس کو امام احمد، ابوداؤد، حاکم اور بیہقی نے سنن میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا۔ت)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ بھی وہی حرکات اختیار کرے۔ خود دوسری حدیث میں اس مطلب کی تصریح ارشاد ہوئی کہ:

ولد الزنا شر الثلثۃ اذا عمل بعمل ابویہ[4]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والبیہقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند حسن۔

حرامی اپنے ماں باپ سے بھی بدتر ہے جبکہ ان کی طرح وہی کام کرے (اس کو طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے بسندِ حسن روایت کیا۔ت)

یا یہ معنٰی کہ یہ عادتوں خصلتوں میں غالباً ان سے بھی بدتر ہوتا ہے جبکہ علم وعمل اس کی اصلاح نہ کریں کہ بُرے تخم سے بُری ہی کھیتی پیدا ہوتی ہے ع

شمشیر نیک زاہن بد چوں کند کسے

(ناقص لوہے سے اچھی تلوار کوئی کیسے بنائے۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴ و ۳۵/ ۱۸
[2] المستدرک للحاکم کتاب الاحکام دارالفکر بیروت ۴/ ۱۰۰
[3] 〃 〃 کتاب العتق و 〃 〃 〃 ۲/ ۲۱۵ و ۴/ ۱۰۰
[4] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الایمان دار صادر بیروت ۱۰/ ۵۷ و ۵۸ و ۵۹

اور یہی مطلب ہے اس حدیث کا کہ،

فرخ الزنا لا یدخل الجنۃ[1]۔ رواہ ابن عدی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند ضعیف۔

زنا کا چُوزہ جنت میں نہ جائے گا۔ (اس کو ابن عدی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ت)

یعنی غالباً اس سے وُہ افعال صادر ہوں گے جو سابقین کے ساتھ دخولِ جنّت سے روکیں گے' بالجملہ یہ مطلب کسی طرح نہیں کہ اُن کے گناہ کا عذاب اس پر ہو یا بے گناہ کئے یہ کسی وعید کا مستحق ہو مگر امر نکاح میں شرع مطہر نے کفائت کا بھی لحاظ فرمایا ہے دختروں کے لئے مطلقاً بالغہ ہوں خواہ نابالغہ اور پسروں کے لئے جبکہ نابالغ ہوں،

کما حررہ فی ردالمحتار مستندا لما فی البدائع وحققناہ بما فی البحر والخیریۃ والخانیۃ والتبیین والکافی والسراج الوھاج والھندیۃ کما ذکرناہ فیما علقناہ علی ردالمحتار۔

اس کو ردالمحتار میں بدائع کے حوالے سے بیان کیا ہے اور ہم نے اس کی تحقیق بحر، خیریہ، خانیہ، تبیین، کافی، سراج الوہاج اور ہندیہ کے بیانوں سے کی ہے جیسے کہ ہم نے اس کو ردالمحتار کے حاشیہ پر ذکر کیا ہے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ جس کا ولدالزنا ہونا مشہور ہو اُس سے دخترِ حلال کا نکاح عرفاً باعثِ ننگ وعار و انگشت نمائی ہوتا ہے اور یہی معنی عدمِ کفاءت کے ہیں۔

فی الشامیۃ عن الفتح ان الموجب ھو استنقاص اھل العرف فیدور معہ[2]۔

فتاوٰی علامہ شامی میں فتح سے منقول کہ اہلِ عرف کا حقیر جاننا سبب ہے لہٰذا حکم کا مدار اسی پر ہوگا (ت)

تو بحالتِ عار کسی عورت کا نکاح ولدالحرام کے ساتھ نہیں ہوسکتا اگر کیا جائے گا نکاح اصلاً نہ ہوگا مگر دو صورت میں، ایک یہ کہ دخترِ نابالغہ کا نکاح باپ یا وُہ نہ ہو تو دادا اپنی تزویج سے کرے اور وقتِ نکاح نشے میں نہ ہو نہ اس سے پہلے اپنی ولایت سے کسی دختر کا نکاح غیر کفوء سے کرچکا ہو، دوسرے یہ کہ زنِ بالغہ برضائے خود کرے اور اُس کے لئے کوئی ولی ہو تو وُہ پیش از نکاح باوصف اس اطلاع کے کہ وہ شخص ولدالحرام ہے تصریحاً اپنی رضا ظاہر کرے والمسائل مفصلۃ فی الدر وغیرہ (در وغیرہ میں یہ مسائل تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ ت)

---

[1] الکامل لابن عدی ترجمہ سہیل بن ابی صالح ذکوان السمان مدنی دارالفکر بیروت ۳/ ۱۲۸۶

[2] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۲

یونہی اگر پسر کے نکاح میں دختر حرام کار دینا وہاں کے عرف میں باعثِ بدنامی و عار ہو تو نابالغ پسر کا نکاح بھی ایسی دختر سے اصلاً نہ ہوگا سوا اسی صورت پدر و جد بشرطِ مذکور کے علی ما تحرّر فی ما تقرر (جیسا کہ تقریر میں واضح کیا گیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۴۳: از بدایوں مرسلہ مولوی عبدالرسول محب احمد صاحب ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

زید نے کہ صدیقی شریف متقی ہے خالد اور عمرو کے کہنے سے کہ خالد تیرا کفو ہے اور شریف خاندان ہے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح خالد کے ساتھ کر دیا اب بعد نکاح معلوم ہوا کہ خالد کے یہاں ہمیشہ سے پیشہ حرامکاری چلا آتا ہے اُس کے خاندان کے اکثر لوگ پیشہ زناکاری کرتے ہیں اور اسی قسم کی ان کی اولادیں ہیں مگر اب خالد نے اپنی بہنوں کا نکاح لوگوں کے کہنے سُننے سے شرعی طور پر کر دیا فقط اب زید ایسی حالت میں کیا کرے کہ اُس نے خالد کو اس کے اخبار پر اپنا کفو سمجھ کر ہندہ نابالغہ کا نکاح کر دیا تھا آیا یہ نکاح شرعاً جائز و لازم ہے یا نہیں؟ اور زید کو اس وقت حقِ فسخ حاصل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں زید کو حقِ فسخ حاصل ہونے میں تو اصلاً کلام ہو ہی نہیں سکتا، ولوالجیہ و درمختار میں ہے:

اذا شرطوا الکفاءۃ او اخبرھم بھا وقت العقد فزوجوھا علٰی ذٰلک ثم ظھر انہ غیر کفو کان لھم الخیار[1]۔

جب اولیاء نے کفوء کی شرط پر نکاح دیا یا لڑکے نے وقتِ نکاح خود کو کفو ہونا بتایا، بعد میں غیر کفوء ہونا ظاہر ہوگیا تو اولیاء کو فسخ کا اختیار ہے (ت)

کلام اس میں ہے کہ فسخ کی حاجت بھی ہے یا نہیں، بہت کتب میں تصریح ہے کہ ایسا نکاح محض باطل ہے اور جب باطل ہے تو سرے سے ہوا ہی نہیں فسخ کی کیا ضرورت ہے۔ فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی بزازیہ و نوازل امام فقیہ ابواللیث و فتح القدیر شرح ہدایہ و ردالمحتار علی الدرالمختار وغیرہا میں ہے:

واللفظ للوجیز زوج بنتہ الصغیرۃ من رجل ظنہ مصلحا لا یشرب مسکرا فاذا ھو مدمن فقالت بعد الکبر لا ارضی بالنکاح، اھ

لفظ وجیز کے ہیں ایک شخص کی نابالغ بیٹی کا نکاح اس گمان سے کر دیا کہ یہ صالح ہے اور شرابی وغیرہ نہیں ہے تو بعد میں معلوم ہوا کہ شراب کا عادی ہے اور بیٹی نے بالغ ہونے پر کہا کہ میں اس نکاح پر راضی نہیں ہوں، تو

---

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

لم یکن ابوھا یشرب المسکر ولا عرف بہ و غلبۃ اھل بیتھا صالحون فالنکاح باطل بالاتفاق[1] اھ وقال فی النوازل فالنکاح باطل لانہ انما زوج علی ظن انہ کفؤ[2] اھ۔

اگر باپ شرب خمر نہ کرتا ہو اور نہ ہی شرابی مشہور ہو اور اس کا خاندان غالب طور صالحین ہیں تو یہ نکاح بالاتفاق باطل ہے اھ، اور نوازل میں کہا کہ یہ نکاح باطل ہے کیونکہ والد نے کفؤ ہونے پر نکاح دیا ہے اھ (ت)

قنیہ میں ہے:

زوج بنتہ الصغیرۃ من رجل ظنہ حر الاصلی وکان معتقا فھو باطل بالاتفاق[3]۔

نابالغ بیٹی کا نکاح کسی سے اس گمان پر کیا کہ یہ اصلی آزاد ہے جبکہ بعد میں آزاد شدہ معلوم ہُوا تو نکاح باطل ہے بالاتفاق۔ (ت)

مگر ذخیرہ میں اس بطلان کو بطلان آئندہ یعنی بطلان بعد الفسخ کے ساتھ تفسیر فرمادیا۔ ردالمحتار میں ہے:

مامر عن النوازل من ان النکاح باطل معناہ انہ سیبطل کما فی الذخیرۃ لان المسألۃ مفروضۃ فیما اذا لم ترض البنت بعد ماکبرت کما صرح بہ فی الخانیۃ والذخیرۃ وغیرھما وعلیہ یحمل ما فی القنیۃ[4] الخ۔

نوازل سے جو گزرا کہ "نکاح باطل ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ باطل ہوسکتا ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے یہ اس لئے کہ مسئلہ مفروضہ یہ ہے کہ بیٹی نے بالغ ہونے کے بعد نکاح پر عدم رضامندی کی ہو جیسا کہ خانیہ اور ذخیرہ وغیرہ میں تصریح کی ہے، اور قنیہ میں جو ذکر ہے وہ بھی اسی پر محمول ہے الخ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

رجل زوج ابنتہ الصغیرۃ من رجل علی ظن انہ صالح لایشرب الخمر فوجدہ الاب شریبا مدمنا وکبرت الابنۃ فقالت

ایک شخص نے اپنی بیٹی نابالغہ کا کسی لڑکے سے اس گمان پر کیا کہ لڑکا صالح ہے شرابی وغیرہ نہیں ہے تو بعد میں اسے شراب کا عادی پایا اور بیٹی بالغ ہوچکی ہو اور کہہ چکی ہو کہ

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی حاشیۃ فتاوٰی ہندیۃ　الخامس فی الاکفاء　نورانی کتب خانہ پشاور　۴/ ۱۱۶
[2] ردالمحتار بحوالہ النوازل　باب الولی　داراحیاء التراث العربی بیروت　۲/ ۳۰۴
[3] القنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ　باب فی نکاح الصغار والصغائر　مطبع مشتہرہ بالمہانندیۃ　ص ۷۵
[4] ردالمحتار　باب الولی　داراحیاء التراث العربی بیروت　۲/ ۳۰۵

لا ارضی بالنکاح ان لو یعرف ابوها بشرب الخمر و غلبة اهل بیته الصالحون فالنکاح باطل ای یبطل وھذہ المسألة بالاتفاق کذا فی الذخیرة وانما الخلاف بین ابی حنیفة وصاحبیه رحمھم اللہ تعالٰی فیما اذا زوجھا من رجل عرفه غیر کفؤ فعند ابی حنیفة رحمه اللہ تعالٰی یجوز لان الاب کامل الشفقة وافر الرأی فالظاھر انه تأمل غایة التأمل ووجد غیر الکفؤ اصلح من الکفؤ کذا فی المحیط۔[1]

میں اس نکاح پر راضی نہیں ہوں، اس صورت میں اگر باپ کا نکاح کے وقت شرابی ہونا معروف نہ ہو اور اس کا غالب خاندان صالحین لوگ ہوں تو نکاح باطل ہوگا یعنی باطل ہوسکتا ہے اور یہ مسئلہ متفقہ ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے البتہ امام اور صاحبین کا اختلاف اس صورت میں ہے جب نکاح کے وقت باپ لڑکے کا غیر کفو ہونا معلوم ہو تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک یہ نکاح صحیح ہے کیونکہ باپ کامل شفیق ہے اور مکمل صاحب الرائے ہے لہذا اس نے انتہائی سوچ بچار کیا ہوگا کہ یہ غیر کفو کفو والوں سے بہتر ہے، محیط میں ایسے ہی ہے (ت)

اور نظر بقواعد ظاہر یہی ہے کہ شوہر کی طرف سے ولی کو دھوکا دیے جانے کی صورت میں مطلقًا بطلان کا حکم ہو، ردالمحتار میں ہے:

الظاھر ان یقال لایصح العقد اصلا کما فی الاب الماجن والسکران مع ان المصرح به ان لھا ابطاله بعد البلوغ وھو فرع صحته فلیتأمل۔[2]

ظاہر یہی ہے کہ اصلًا نکاح صحیح نہ ہونے کا قول کیا جائے، جیسا کہ باپ مجنون یا نشے والا ہو، نیز یہ بھی تصریح ہے کہ ایسی صورت میں بالغ ہونے پر بیٹی کو اختیار ہے جبکہ یہ بات نکاح کے صحیح ہونے پر متفرع ہوسکتی ہے، پس غور کرو۔ (ت)

اقول (میں کہتا ہوں۔ت) فرع مذکور کی اصل کتاب الاصل اعنی مبسوط امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے ہے اور وہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے اور ظاہر الروایۃ میں بالغہ کا غیر کفو سے بلا رضائے ولی نکاح کرلینا صحیح ہے ولی کو اختیار فسخ ہے اور مختار للفتوٰی روایت حسن ہے کہ وہ نکاح ہوتا ہی نہیں اور فساد زمانہ کے باعث جو وجہ علمائے نے وہاں فرمائی یہاں بھی بلاتفاوت جاری ہے تو حکم عبارات مذکورہ میں تاویل نہ کرنا اور دھوکے کی صورت میں نکاح کو سرے سے باطل ٹھہرانا بظاہر وجیہ رکھتا ہے لااقل اختیار فسخ ہونے میں

---

[1] فتاوٰی ہندیہ | الباب الخامس فی الاکفاء | نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/۲۹۱

[2] ردالمحتار | باب الکفاءۃ | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۳۱۸

شک نہیں۔ درمختار میں ہے :

ویفتی فی غیر الکفؤ بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوٰی لفساد الزمان[1]۔

غیر کفؤ میں نکاح کے متعلق اصلاً عدمِ جواز کا فتوٰی دیا جائیگا فسادِ زمان کی وجہ سے فتوٰی کے لئے یہی مختار ہے (ت)

ردالمحتار میں فتح القدیر سے ہے :

لانہ لیس کل ولی یحسن المرافعۃ والخصومۃ ولا کل قاض یعدل ولواحسن الولی وعدل القاضی فقد یترك انفۃ للتردد علی ابواب الحکام واستثقالا لنفس الخصومات فیتقرر الضرر فکان منعہ دفعا لہ[2] فتح۔

کیونکہ ہر باپ مقدمہ دائر کرنے اور بحث کرنے کا ماہر نہیں ہوتا اور نہ ہر قاضی عادل ہوتا ہے اور اگر باپ ماہر ہو اور قاضی عادل بھی ہو تب بھی حکام کے دروازوں کے چکر لگانے اور مقدمہ بازی کی مشقت سے نفرت تو موجود ہے جس کی وجہ سے ضرر ثابت ہے تو اس ضرر سے بچنے کے لئے وہ باز رہے گا، فتح۔ (ت)

اسی طرح اور کتب میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۴: از بکھریارائے پور ضلع مظفرپور محلہ نورالحلیم شاہ شریف آباد مرسلہ مولوی شریف الرحمٰن صاحب ۴ محرم ۴ شعبان ۱۳۳۶ھ

زید حرامی ہے مگر مسلمان دیندار ہے، شرعاً اُس کے لڑکا لڑکی سے نکاح والے اپنے لڑکا لڑکی کا عقد کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

نکاح میں کفاءت معتبر ہے اور کفاءت کا مدار عرف پر ہے، اگر ان سے رشتہ عرفاً باعثِ ننگ وعار ہو تو احتراز کیا جائے خصوصاً دختر میں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۵: مسئولہ اختر حسین خاں از بریلی محلہ شاہ آباد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک یتیم نابالغہ سیدزادی لے کر پالی اور اُسی نابالغی میں اُس کا نکاح ایک پٹھان سے کردیا اور اُس کا بالغ بھائی تھا اُسے اطلاع بھی نہ دی بوجہ نابالغی رخصت نہ ہوئی اب وہ مفقود الخبر ہے اور لڑکی بالغہ ہوگئی، اس صورت میں وہ اپنا نکاح دوسری جگہ کرسکتی ہے

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۷

یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر یہ بیانات واقعی ہیں تو وہ نکاح اصلاً نہ ہوا، لڑکی کو اختیار ہے جس اچھی جگہ چاہے اپنا نکاح کرلے،
واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۵۱: از شہر بریلی محلہ براہم پور مسئولہ محمد عرف کمال اللہ شاہ صاحب ۱۱ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ زید نے اپنی زوجہ منکوحہ سے بعد دینے طلاق کے اپنی دختر نابالغہ کو طلب کیا اُس نے دینے سے انکار کیا، اُس وقت زید بارادہ سفر دُور دراز کے مجبور ہُوا اور متنبہ کردیا کہ خبردار اس کا نکاح خلاف رائے میری کے نہ ہو، چنانچہ مسمّاۃ مذکورہ نے عدم موجودگی زید کے اُس دختر نابالغہ کا نکاح خلاف رائے زید کے کردیا، وہ شوہر دختر مثل عوراتِ بازاری کے رقص کرنے والا ہے اور پابندِ صوم و صلوٰۃ نہیں شراب خور ہے، اب دختر بفضلہ تعالیٰ بالغہ ہے اُس نے وقت شکایات اُس شوہر کا اپنے باپ زید سے بیان کیا کہ میرا نکاح اُس شخص کے ساتھ جائز ہُوا یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سائل نے بیان کیا نکاح ہُوئے تین برس ہوئے اور عورت کی عمر اُس وقت گیارہ سال تھی اور نابالغہ تھی اور مرد کی عمر پچیس سال تھی اور جبھی سے ناچنے کا پیشہ رکھتا تھا اور اسی وجہ سے باپ نے اُس کے ساتھ نکاح کرنے کو منع کردیا تھا، باپ اندور چلا گیا، اس کے پیچھے عورت نے نکاح کردیا اور باپ کو کوئی خبر نہ ہُوئی، لڑکی تین مہینے سے بالغہ ہوگئی، اب کوئی ایک ہفتہ ہُوا اُس کا باپ اندور سے آیا تو اب لڑکی نے اس سے شکایت کی، اس سے پہلے اُس نے بھی کچھ نہ کہا، اگر صورت واقعہ یہ ہے تو نکاح مذکور باطل محض ہوگیا، ابتداءً جب نکاح واقع ہُوا ہے اجازتِ پدر پر موقوف تھا،

لانہ وان کان من غیر کفؤ والمزوج غیر اب وجد لکنہ عقد فضولی صدر ولہ مجیز وھو الاب لان لہ التزویج من غیر کفؤ۔

کیونکہ یہ نکاح غیر کفؤ میں ہے اور نکاح دینے والے باپ دادا کا غیر ہیں لہٰذا یہ فضولی کا نکاح ہوا جس کو جائز کرنے والا لڑکی کا باپ ہے کیونکہ اسی کو غیر کفؤ میں نکاح کا اختیار ہے (ت)

جبکہ اس مدت میں عورت بالغہ ہوگئی تو اب وہ نکاح خود اس کی اجازت پر موقوف ہوگیا اور اس نے بعد بلوغ مدت سکوت کیا اس کی طرف سے اجازت ہوگئی، تو اب یہ ایسا ہوا کہ بالغہ نے اپنی رائے سے ایسے شخص کے ساتھ نکاح کرلیا اور ایسا شخص ضرور غیر کفؤ ہے اور اُس کے ساتھ بالغہ کا اپنی رائے سے نکاح کرلینا باطل محض

ہے، درمختار میں ہے:

ویفتی بعدم الصحۃ فی غیر کفؤ لفساد الزمان۔[1] غیر کفو میں نکاح کے اصلاً عدمِ جواز کا فتوٰی دیا جائیگا فسادِ زمان کی وجہ سے۔ (ت)

لہذا یہ نکاح باطل محض ہوگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۵۲ تا ۴۵۴: از سیرہ ضلع ہوشنگ آباد محلہ مانپورہ مسئولہ حافظ شاہ افضل خاں صاحب ۲۴ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسائل ذیل میں، براہِ کرم جواب سے مع دلائل نقلی کے مشرف و ممتاز فرمائیں:

(۱) ایک عورت ہے جو نسبی سیدہ ہے اُس سے کسی شخص نے جو نسباً سید نہیں ہے نکاح کیا تو اُس کو لوگ کافر کہتے ہیں تو کیا شخص مذکورہ کافر ہُوا یا نہیں، اگر نہیں ہُوا تو کہنے والوں پر شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲) عورت بالغہ جو نسباً سیدہ ہے باکرہ ہو یا ثیبہ یا مطلقہ کسی شخص سے جو نسباً سید نہیں ہے نکاح کرے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

(۳) مرد غیر سید نے سیدہ عورت سے نکاح کیا اور اگر وُہ نکاح جائز ہُوا تو جو اولاد کہ اُس سے پیدا ہوگی وُہ نسباً سید کہلائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) حاشا للہ اسے کفر سے کیا علاقہ، کافر کہنے والوں کو تجدیدِ اسلام چاہئے کہ بلاوجہ مسلمان کو کافر کہتے ہیں، امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے اپنی صاحبزادی حضرت اُمّ کلثوم کہ بطنِ پاک حضرت بتول زہرا رضی اللہ عنہا سے تھیں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نکاح میں دیں اور اُن سے حضرت زید بن عمر پیدا ہُوئے اور امیر المومنین عمر نسباً سادات سے نہیں۔

(۲) سیدہ عاقلہ بالغہ اگر ولی رکھتی ہے تو جس کفو سے نکاح کرے گی ہوجائے گا اگرچہ سید نہ ہو مثلاً شیخ صدیقی یا فاروقی یا عثمانی یا علوی یا عباسی، اور اگر غیر کفو سے بے اجازت صریحہ ولی نکاح کرے گی تو نہ ہوگا جیسے کسی شیخ انصاری یا مغل، پٹھان سے مگر جبکہ وہ معزز عالمِ دین ہو۔

(۳) جب باپ سید نہ ہو اولاد سید نہیں ہوسکتی اگرچہ ماں سیدانی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۵۵: از شہر محلہ سوداگران مسئولہ مولوی احسان علی صاحب طالب العلم مدرسہ منظر الاسلام ۸ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکی بالغہ ہوگئی اور فی الحال کوئی کفو نہیں ملتا کہ جس کے

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

یہاں نکاح ہو غیر کفو ملتے ہیں یعنی کم حیثیت والے یا لڑکی کے والدین سے زائد حیثیت کے ملتے ہیں مگر ذاتاً کامل اچھے نہیں، مثلاً لڑکے کے آباؤ اجداد اچھے تھے لیکن اُن کی جورو طوائف تھی بعد نکاح اس سے یہ لڑکا ہوا تو دونوں میں کس کے یہاں کرنا بہتر ہے یا کفو کا انتظار کرے؟ بینوا توجروا

الجواب

فقط مالی حیثیت میں کم ہونا مانع کفائت نہیں کفو وہ نہیں ہے جس کے ساتھ اس عورت کا نکاح اس کے اولیا کے لئے باعثِ ننگ و عار ہو، باپ اگر شریف القوم ہے اور طوائف سے بعد توبہ اس نے نکاح کیا تو اس سے بچّہ کی نسب پر حرف نہیں آتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۵۶: از ریاست جاورہ لال املی مسئولہ ممتاز علی خاں صاحب اہلکار محکمہ حساب ۲ شوال ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کو یہ یقین دلا کر تمہارا نکاح شوہر محمود جو نجیب الطرفین اور تمہارا کفو ہے کرایا گیا لیکن ہندہ کو بعد نکاح ثابت ہُوا کہ شوہر یعنی محمود غیر کفو ہے اب ہندہ اور اُس کے عزیز و اقارب اپنے کفو میں غیر کفو کا داخل ہونا عار سمجھتے ہیں اور ہندہ ایسے غیر کفو کو خود بھی شوہر بنانا عار و ننگِ خاندان سمجھتی ہے نیز اُس کا اصلی باپ یعنی زید بھی اس تعلق غیر کفوی سے ناراض ہے پس ایسی حالت میں نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں یا غیر کفو ہونے کی حالت میں نکاح فسخ ہی مانا جائے ہندہ بالغہ ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

جبکہ ہندہ بالغہ ہے اور نکاح غیر کفو سے ہُوا اور زید پدر ہندہ نے قبل نکاح اسے غیر کفو جان کر اُس سے نکاح کی اجازت نہ دی تو نکاح سرے سے ہُوا ہی نہیں فسخ کی کیا حاجت، درمختار میں ہے:

ویفتی فی غیر الکفؤ بعدم جوازہ اصلا بلا رضی ولی بعد معرفتہ ایاہ[1] (ملخصاً)۔

غیر کفو میں نکاح کے اصلاً عدم جواز کا فتوٰی دیا جائیگا جبکہ ولی نے لڑکے کے غیر کفو معلوم ہوجانے پر رضامندی ظاہر نہ کی ہو (ملخصاً)۔ (ت)

مگر غیر کفو کے معنی شرعاً یہ ہیں کہ مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن میں ایسا کم ہو کہ اسکے ساتھ اس کا نکاح اسکے اولیا کیلئے واقعی باعثِ ننگ و عار ہو نہ کہ بعض جاہلانہ خیالات پر، بعض عوام میں دستور ہے کہ خاص اپنے ہم قوم کو اپنا کفو سمجھتے ہیں، دُوسری قوم والے کو اگرچہ اُن سے کسی بات میں کم نہ ہو غیر کفو کہتے ہیں اس کا شرعاً لحاظ نہیں جیسے شیخ صدیقی ہو وہ شیخ فاروقی کو اپنا کفو نہ جانے یا سید ہو اور وہ شیخ صدیقی یا فاروقی یا اور قریشی کو اپنا کفو نہ سمجھے حالانکہ حدیث میں ہے:

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

قریش بعضھم اکفاء بعض[1] (بعض قریش بعض کے لئے کفو ہیں۔ ت)

ردالمحتار میں ہے:

فلو تزوجت ھاشمیۃ قرشیا غیر ھاشمی لم یرد عقدھا[2] واللہ تعالٰی اعلم۔ اگر ہاشمی لڑکی نے غیر ہاشمی قرشی سے نکاح کرلیا تو اُسے رد نہیں کیا جائے گا۔ (ت)

مسئلہ ۴۵: از لکھنؤ محلہ سبزی منڈی مکان بگن و بٹن عقب مکان ابراہیم صاحب عینک ساز مرحوم مرسلہ عبدالمجید صاحب ۲۸ رجب ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے کرام رحمہم اللہ علیہم اس مسئلہ میں کہ لڑکی نابالغہ کی شادی بغیر حکم یا بے اجازت اس کے والد کے کسی غیر کفو شخص کے ہمراہ اس لڑکی کی ماں کردے تو جائز ہے اور جبکہ اس کی ماں کو بھی دھوکا دیا گیا ہو یعنی جو شخص اس لڑکی کے ساتھ شادی کررہا ہے وہ اپنے آپ کو حلفاً نہایت شریف شخص بتارہا ہے لیکن دریافت کے بعد معلوم ہوا کہ یہ شخص نہایت نیچ ذات کا شخص ہے تو ایسی حالت میں اس لڑکی کی ماں ناراض ہوکر اور باپ بھی ناراض ہوکر اس لڑکی کا نکاح فسخ کراسکتا ہے یا نہیں؟ آیا ان دونوں یعنی لڑکی کے والدین کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ اپنی لڑکی کو بغیر طلاق دلوائے ہوئے دوسرے شریف النسب شخص سے نکاح کراسکتے ہیں یا طلاق دلوانے کی ضرورت ہوگی؟ فقط۔ بینوا توجروا

الجواب

اگر صورتِ واقعہ یہ ہے کہ نابالغہ کی شادی اُس کی ماں نے خصوصاً ایسے شخص سے کردی خواہ دانستہ یا دھوکے سے، اور والد کا اذن نہ اجازت، تو اس صورت میں بدرجۂ اولٰی یہ نکاح سرے سے بے ثبات محض ہوا، باپ کو نکاح فسخ کرانے کی اُس حالت میں بھی حاجت نہ تھی کہ نکاح کفو سے ہوا ہوتا، اُس کا رد کردینا ہی کافی ہوتا، تو یہاں بدرجۂ اولٰی اس کا صرف اتنا کہہ دینا بس ہے کہ "میں اس پر راضی نہیں" وہ نکاح رَد ہوجائے گا، اور والد کو اختیار ہوگا کہ بغیر طلاق دُوسری جگہ نکاح کردے۔

لانہ عقد فضولی صدر ولہ مجیز فتوقف علی اجازتہ فیرد کیونکہ یہ فضولی کا عقد ہے جو اس حال میں صادر ہوا کہ اس وقت اس کو جائز کرنے والا موجود تھا تو

---

[1] فتح القدیر بحوالہ الحاکم فصل فی الاکفاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۸۸
ردالمحتار بحوالہ الکافی للحاکم باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۹

[2] ردالمحتار " " " " " " ۲/ ۳۱۸

یردہ۔

اس کی اجازت پر موقوف ہُوا تو اس کے رَد کرنے پر رَد ہوجائے گا۔(ت)

اور اگر والد اس سے پہلے اپنی کسی دختر کا نکاح غیر کفوء سے کرچکا ہو تو اب اُس کی اجازت سے بھی جائز نہیں ہوسکتا نکاح سِرے سے ہُوا ہی نہیں،

لانه عقد فضولی صدر ولا مجیز له لکون الاب عرف بسوء الاختیار فبطل راسا کما فی الدر وغیرہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

کیونکہ یہ ایسا نکاح فضولی صادر ہُوا ہے کہ اس وقت اس کو جائز کرنے والا کوئی نہیں تھا کیونکہ باپ سوءِ اختیار سے معروف تھا لہذا یہ بالکل باطل ہوگا جیسا کہ دُر وغیرہ میں ہے۔(ت) واللہ تعالٰے اعلم

مسئلہ۴۵: از شہر بریلی محلہ ذخیرہ مرسلہ عبدالحلیم صاحب ۳۰ شوال ۱۳۳۵ھ

صاحبان علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں: زید نے اپنے آپ کو قوم کا پٹھان خاندانی ظاہر کیا اور بکر سے کہا کہ تم اپنی دختر کا نکاح میرے ساتھ کردو، بکر نے اپنی دختر کا نکاح زید کے ساتھ کردیا، بعد نکاح ہوجانے کے بکر کو معلوم ہُوا کہ زید قوم کا پٹھان نہیں ہے دھوکا دے کر نکاح کیا اور وہ قوم کا فقیر تکیہ دار قبرستان ہے کہ جس سے میرے خاندان میں حقارت ہوگی اور بسبب بدنامی ہوگی، بکر نے اپنی دختر کو رخصت کرنے سے انکار کیا اور بعد نکاح کے رخصت نہیں کی اور بکر قوم کا سیّد ہے۔

الجواب

دختر بالغہ تھی یا نابالغہ؟ کیا عمر تھی؟ عارضۂ ماہواری آتا تھا یا نہیں؟ وقتِ نکاح دختر سے اذن لیا تھا یا نہیں؟ سب مفصل لکھا جائے کہ سوال لائقِ جواب ہو فقط۔

عالی جاہا! وقتِ نکاح دختر کی عمر ۱۳ سال ۲ ماہ کی تھی، عارضۂ ماہواری آتا تھا، اذن لڑکی سے لیا گیا تھا لیکن اس نے جواب دیا کہ میں کچھ نہیں جانتی، اس پر مجبوراً اس کی چچی نے اجازت دی، اجازت لڑکی کے باپ کی تھی بلکہ صرف لڑکی کا باپ اور بھائی بھی دونوں گواہِ نکاح تھے فقط۔

الجواب

صُورتِ مستفسرہ میں ظاہر ہے کہ زید کسی طرح سادات تو سادات کسی مغل، پٹھان کا بھی کفو نہیں ہوسکتا، اور لڑکی بالغہ تھی اور اُس نے اذن لینے پر لفظ یہ کہے کہ "میں کچھ نہیں جانتی" ظاہر ہے کہ یہ صاف اذن نہیں بلکہ اُس سے معاملہ میں اپنا دخل نہ دینا بحسب منطوق مستفاد ہوتا ہے اور کبھی بحسبِ قرینہ دوسروں کے اختیار پر چھوڑنا بھی مفہوم ہوتا ہے یعنی مجھے بحث نہیں تم جیسا جانو کرو، بر تقدیرِ دوم یہ نکاح دختر کی اجازت سے قرار

پائے گا اور بالغہ کہ ولی رکھتی ہے اپنا جو نکاح غیر کفو سے کرے جسے پیش از نکاح غیر کفو جان کر ولی نے صراحۃً اجازتِ نکاح نہ دی ہو وہ نکاح باطل محض ہوتا ہے کما فی البحر والدر واوضحہ فی رد المحتار (جیساکہ بحر اور دُر میں ہے اور رد المحتار میں اس کی توضیح کی گئی ہے۔ ت) اس تقدیر پر تو یہ نکاح اصلاً ہوا ہی نہیں اور برتقدیر اول نکاح فضولی تھا اور ضرور ہے کہ بعد نکاح دختر کو نکاح ہو جانے کی خبر عادۃً پہنچی اب دو حال سے خالی نہیں، یا تو اُس نے خبر سُن کر اُس نکاح فضولی کو جائز کیا اگرچہ یونہی کہ خبر سُن کر مسکرائی یا خاموش رہی یا جائز نہ کیا بلکہ اپنی ناراضی کا اظہار کیا، برتقدیر دوم ظاہر ہے کہ وہ نکاح کہ اجازتِ دختر پر موقوف تھا اس کے اظہار ناراضی سے مردود و باطل ہوگیا، برتقدیر اول پھر یہ نکاح باجازتِ دختر ٹھہرا۔

لان الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالۃ السابقۃ[1]، وقد صرح بہ فی الخیریۃ فی مثل الجزئیۃ۔ کیونکہ بعد کی اجازت ایسے ہے جیسے سابقہ وکالت ہو۔ اس کی تصریح خیریہ میں اسی طرح کے جزئیہ میں کی ہے (ت)

اور بالغہ جو ولی رکھتی ہے بے اجازت صریحۂ ولی بعد علم بعدم کفاءت جو نکاح غیر کفو سے کرے باطل ہے تو اس طرح باطل ہوگیا، غرض صورت مذکورہ میں جس پہلو پر دیکھا جائے یہ نکاح باطل محض ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ ۲۵۹: قصبہ کست ڈاکخانہ بندھیاچل ضلع مرزاپور مرسلہ محمد زکریا صاحب ۲۸ ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مولوی محمد یحیٰی نے انتقال کیا اور شاہ عبدالکریم والد اور اپنی والدہ اور برادرِ حقیقی حافظ محمد زکریا اور ہمشیرہ اور زوجہ مسماۃ احمدی بی بی اور دختر مسماۃ محمودہ بی بی زوجۂ اولیٰ اور دختر مسماۃ راضیہ بی بی زوجۂ ثانیہ با احمدی بی بی کو چھوڑا، شاہ عبدالکریم نے بولایت خود مسماۃ محمودہ بی بی کا عقد مولوی محمد یحیٰی مرحوم کے ننہالی رشتہ دار کے فرزند سے کردیا اور شاہ عبدالکریم کا انتقال ہوگیا قبل انتقال ہونے کے شاہ عبدالکریم مرحوم مسماۃ احمدی بی بی زوجہ مولوی محمد یحیٰی مرحوم وحافظ محمد زکریا اپنے فرزند کو بُلا کر وصیت کیا کہ مسماۃ راضیہ بی بی جس کی عمر تخمیناً ڈیڑھ سال کی ہے اُس کا عقد تمہارے بیٹے عبدالسلام کے ساتھ بولایت جائز اپنے کئے دیتا ہوں اگر تم اس کے خلاف کرو گے تو مواخذہ عقبیٰ تمہارے ذمہ ہوگا، اب اُس لڑکی مسماۃ راضیہ بی بی کا عقد جس کی عمر تخمیناً تیرہ[13] خواہ چودہ[14] سال کی ہے مسماۃ احمدی بی بی اور اُس کے نانا شاہ عبدالعزیز ایک ایسے شخص کے ساتھ جو سب انسپکٹری اور تارک الصلوٰۃ داڑھی منڈواتا ہے اور رشوت خوری اور اس کے خاندان سے اور مولوی محمد یحیٰی مرحوم کے خاندان سے اور مسماۃ احمدی بی بی کے خاندان سے کبھی کوئی رشتہ داری اور قرابت نہیں رہی اور نہ کچھ واسطہ کرنا چاہتے ہیں، حافظ محمد زکریا بالغ

---

[1] فتاوٰی خیریہ باب الاولیاء والاکفاء دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۵

کہتا ہے کہ حقِ ولایت شرعاً مجھ کو حاصل ہے اور لڑکی نابالغ ہے قانوناً اٹھارہ برس بلوغ کا رکھا گیا ہے اور وہ سب انسپکٹر غیر کفو ہے اور خلاف شریعتِ محمدیہ کے اُس کے افعال و حرکات ہیں اور تبرائی رافضیوں سے اُس کی رشتہ داری اور اُس کی محفلوں اور مجلسوں میں وہ شریک ہوتا ہے اس لئے اس سے نکاح ناجائز اور بدون اجازتِ ولی یعنی مربّی اس کا نکاح اس کی ماں اور نانا وغیرہ نہیں کرسکتے، آیا شرعاً ولیِ جائز کون ہے؟ آیا شرعاً غیر کفو سے اور کفو اور غیر کفو کی تعریف شریعتِ محمدیہ میں کیا تعریف ہے؟ آیا ایک مُسلمہ کا نکاح ایسے شخص سے جو تارک الصّلوٰۃ ہو اور خلاف شریعتِ نبویہ کے کام کرتا ہو جائز ہے؟ آیا وصیت پر عمل جائز ہے یا ناجائز؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سوال سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالکریم نے اپنے انتقال سے پہلے اپنی نابالغہ پوتی راضیہ کا نکاح حافظ محمد زکریا کے بیٹے سے کہ غالباً وُہ بھی اُس وقت نابالغ ہوگا کیا آگے سوال میں یہ کچھ مذکور نہیں کہ محمد زکریا نے اُسی جلسہ میں الفاظِ قبول کہے یا نہیں، اور اُس وقت دُو مرد یا ایک مرد دُو عورتیں جلسہ میں حاضر اور شاہ عبدالکریم و حافظ محمد زکریا کے ایجاب و قبول کو سُننے والے اور اس گفتگو کو عقدِ نکاح سمجھنے والے موجود تھے یا نہیں، اگر حافظ زکریا نے اُسی جلسہ میں اپنے بیٹے کے لئے کہا کہ میں نے قبول کیا اور دُو گواہوں نے سُنا اور سمجھا تو راضیہ کا اُسی وقت نکاح ہوگیا اب اگر اس کا وُہ شوہر موجود ہے تو دُوسرے سے نکاح ہوسکتا ہی نہیں، اور اگر یہ صُورت نہ تھی اور سوال سے ظاہر یہی ہے کہ نہ تھی کہ محمد زکریا اپنے ولایت کے دعوے سے اس نکاح سے مانع ہے یہ نہیں کہتا کہ اُس کا نکاح تو میرے بیٹے سے ہوچکا، تو اب دُو صورتیں ہیں اگر راضیہ کے اولیا اور گھر والے صالحین و متبعِ شرع ہوں اور ایک ایسے شخص کے ساتھ کہ فاسقِ معلن ہے راضیہ کا نکاح اُن کے لئے باعثِ ننگ و عار ہے یا وُہ نسب وغیرہ کسی اور بات میں ایسی کمی رکھتا ہے تو راضیہ کے لئے وہ کفو نہیں، شریعتِ مطہرہ میں بلوغ ظہورِ آثار پر ہے، عورت کم از کم نَو برس کی بالغہ ہوسکتی ہے جبکہ اُسے عارضۂ ماہواری آنا شروع ہو، اور اگر آثار ظاہر نہ ہوں تو جب پندرہ برس پُورے کی عمر ہوجائے بالغہ ہوجائے گی، راضیہ کی عمر پندرہ برس سے کم ہے تو اگر اُسے عارضۂ ماہواری آتا ہے بالغہ ہے ورنہ نابالغہ، اگر نابالغہ ہے جب تو شخص مذکور سے کہ غیر کفو ہے اُس کا نکاح ہوسکتا ہی نہیں، محمد زکریا کہ اس کا ولی ہے اگر وُہ بھی کرے گا باطل محض ہوگا نہ کہ احمدی یا شاہ عبدالعزیز کہ ولی ہی نہیں، اور اگر بالغہ ہے تو اس پر ولایت جبریہ کسی کو نہیں، بے اس کی اجازت کے کفو سے بھی نکاح نہیں ہوسکتا اور غیر کفو سے وُہ خود بھی نہیں کرسکتی جبکہ اُس کا ولی اس سے نکاح پر راضی نہیں، اگر کرے گی تو باطل محض ہوگا، غرض اس شخص کے غیر کفو بمعنی مذکور ہونے کی حالت میں بنا راضی

محمد زکریا یہ نکاح کسی طرح نہیں ہوسکتا خواہ راضیہ بالغہ ہو یا نابالغہ، اور اگر وہ اس معنی پر غیر کفو نہیں یعنی راضیہ کے خاندان والے بھی اسی قسم کے افعال رکھتے ہیں اور نسب و مذہب وغیرہ میں بھی کوئی ایسی کمی نہیں کہ یہ رشتہ اولیائے راضیہ کے لئے باعثِ ننگ و عار ہو اس صورت میں اگر راضیہ کو عارضہ ماہواری آتا ہے تو وہ خود اپنے نفس کی مختار ہے، اگر اُس کے ماں یا نانا نکاح کردیں گے اور وہ اجازت دے دے گی صحیح و نافذ ہوگا اور محمد زکریا کو کوئی اختیارِ اعتراض نہ ہوگا، اور اگر راضیہ راضی نہ ہوگی تو محمد زکریا کے کئے بھی نافذ نہیں ہوسکتا نہ کہ احمدی و عبدالعزیز کے، اور اگر اسے عارضہ ماہواری نہیں آتا تو اب اختیار محمد زکریا کو ہے، اگر احمدی و عبدالعزیز بے اجازت محمد زکریا نکاح کردیں گے اجازت محمد زکریا پر موقوف رہے گا، اگر وہ رَد کردے گا باطل ہوجائے گا جائز کردے گا جائز ہوجائے گا، والمسائل کلھا مشھورۃ وفی عامۃ الاسفار مذکورۃ (یہ مسائل مشہور ہیں اور عام کتب میں مذکور ہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

نوٹ: اس جلد کا آخری عنوان باب الکفاءۃ ہے، بارھویں جلد کا آغاز باب المھر سے ہوگا۔